19

سلسلة خدمة الحديث النبوی

سلسلۂ تدوینِ حدیث کی اوّلیں کتاب

ارضِ پاک و ہند میں بزبانِ اُردو پہلی تحقیقی اور مفصل شرح

الموطاء

1

تصنیف

امام دار الہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

متوفی ۱۷۹ھ

ترجمہ وتخریج وشرح حافظ ابو سمیعہ محمود تبسم حفظہ اللہ

تحقیقی افادات

علامہ ناصر الدین البانی، ڈاکٹر سلیم الہلالی

احمد علی سلیمان المصری

نظرثانی

شیخ الحدیث حافظ عبداللہ رفیق و حافظ حامد محمود الخضری

تقریظ

شیخ الحدیث عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ



انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

فہرست مضامین

(4)...... كِتَابُ السَّهْوِ

(5)...... كِتَابُ الْجُمُعَةِ

(6)...... كِتَابُ الصَّلاَةِ فِىْ رَمَضَانَ

(7)...... كِتَابُ صَلاَةِ اللَّيْلِ

سہو کی کتاب

جمعہ کے مسائل کی کتاب

رمضان المبارک میں نماز کے متعلق کتاب

رات کی نماز (تہجد) کے متعلق کتاب

(8)...... كِتَابُ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ

(9)...... كِتَابُ قَصْرِ الصَّلَاةِ فِی السَّفَرِ

نماز باجماعت کے متعلق کتاب

سفر میں نماز قصر کرنے کے متعلق کتاب

(10)...... كِتَابُ الْعِيْدَيْنِ

(11)...... كِتَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

(12)...... كِتَابُ صَلَاةِ الْخُسُوْفِ

(13)...... كِتَابُ الْإِسْتِسْقَاءِ

(14)...... كِتَابُ الْقِبْلَةِ

دونوں عیدوں کے متعلق مسائل

نمازِ خوف کے متعلق کتاب

نماز گرہن کے متعلق کتاب

بارش مانگنے (کی نماز اور دعا) کے متعلق کتاب

قبلے کے متعلق کتاب

(17)...... كِتَابُ الصِّيَامِ — روزوں کے متعلق کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ، أَمَّا بعد!

اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ، مکمل دین ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدة : 3)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت پوری کر دی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لیے پسند کرلیا۔''

اسلام دینِ فطرت ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (الروم : 30)

''پس (اے میرے نبی!) آپ یکسو ہوکر دین اسلام پر قائم رہیے، یہ اللہ کا وہ دین فطرت ہے جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے، یہی سچا اور صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔''

اسلام کی جملہ جزئیات اور تفصیلات قرآن مجید اور احادیث رسول میں موجود ہیں۔ حدیث قرآن مجید کی تشریح و تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تشریعی اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ اللہ کی طرف سے امر و نہی اور تحلیل وتحریم صرف یہی نہیں جو صرف قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ بلکہ وہ سب ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے حرام یا حلال قرار دیا۔

﴿ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ (الاعراف : ۱۵۷)

''وہ (رسول) لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور اُن کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں، اور اُن بارہائے گراں اور بندشوں کو ان سے ہٹاتے ہیں جن میں وہ پہلے سے جکڑے ہوئے تھے۔''

اس طرح وہ تمام اقدامات جو قرآن کی تفسیر یا قرآن سے زائد تشریح کے لیے کیے گئے ہیں ان کی حیثیت منزل من اللہ کی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی کتاب اللہ کی مقتضیات کی عملی تشریح وتعبیر تھی۔

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ﴾ (النحل : 44)

''اے نبی! اور ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف اس لیے نازل کیا کہ تم لوگوں کے لیے واضح کر دیں اس تعلیم کو جو ان کی طرف اُتاری گئی۔''

خود حضور ﷺ پر وحی کی ابتدا حدیث کی تنزیل سے ہوئی اور آپ کی حیاتِ مبارکہ میں جبریل علیہ السلام سے آخری مکالمہ بھی حدیث کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔ اس ضمن میں قرآنِ مجید کی اس آیت مبارکہ پر توجہ مطلوب ہے:

﴿ اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِیْسٰی وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ ۚ وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ﴾

(النساء : 163)

''بے شک ہم نے آپ پر وحی اتاری ہے، جیسے نوح اور ان کے بعد کے دوسرے انبیاء پر اتاری تھی، اور جیسے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر وحی اتاری تھی، اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی۔''

تمام انبیاء علیہم السلام کو جس کے ذریعے سے ہدایت کا پیغام اور احکامات عطا کیے گئے، وہ سب وحی کے علاوہ کچھ اور نہ تھے، بیسیوں روایات میں احادیث کو لکھنے، سیکھنے، سکھانے اور دوسروں تک پہنچانے کی تلقین موجود ہے:

((تَسْمَعُوْنَ مِنِّیْ وَیُسْمَعُ مِنْكُمْ ، وَیُسْمَعُ مِمَّنْ یَّسْمَعُ مِنْكُمْ .))❶

''تم لوگ مجھ سے سنتے ہو، دوسرے لوگ تم سے سنا کریں گے۔ اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے۔''

((نَضَّرَ اللّٰهُ إِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا ، ثُمَّ أَدَّاهَا إِلٰی مَنْ لَمْ یَسْمَعْهَا .))❷

''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق اور روشنی عطا فرمائے، جس نے میری بات سنی، اور پھر یاد رکھی، اور پھر وہ بات اس شخص تک پہنچا دی، جس نے اسے نہیں سنا۔''

مذکورہ بالا حدیث شریف میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے دعا فرمائی گئی جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کی حفاظت کرتے اور ضبط میں رکھتے اور پوری صحت اور اتقان کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دیتے۔ حفاظت حدیث اور مبلغین حدیث کے لیے رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ حفظ حدیث اور تبلیغ حدیث ونشر حدیث آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا اور

❶ سنن ابوداؤد، كتاب العلم، رقم : 3659، سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم : 1784 .

❷ شرف أصحاب الحديث للخطيب، رقم : 20، موافقة الخبر الخبر للحافظ ابن حجر : 371/1، وقال: هذا الحديث صحيح المتن .

دلی چاہت ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (التوبة : 62)

''اللہ اور اس کے رسول زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں راضی رکھا جائے۔''

حدیث رسول بہت بڑا، عمدہ اور کمال کلام ہے جس کی محبت نے مجھے اسیر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ میری کمی کوتاہیوں کو معاف کر کے اس محبت کو قبول ومنظور فرمائے۔ آج سے پہلے حدیث کی اٹھارہ (18) عظیم کتب چھپ چکی ہیں، زیرنظر کتاب ''المؤطا'' کتب خانہ اسلامی کی وہ پہلی کتاب بتائی جاتی ہے جو قرآن مجید کے بعد سب سے پہلے باقاعدہ طور پر فقہی ترتیب کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ مؤطا کی ''شرح المصّفّٰی'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں: مؤطا کو مصنف اور التزام صحت سے اور شہرت وقبولیت احادیث کی وجہ سے متون حدیث کی دیگر تمام کتب پر فوقیت حاصل ہے۔ حسنِ ترتیب کے اعتبار سے یہ کتاب بےنظیر ہے۔ آئمہ مذاہب و تبع تابعین رحمہم اللہ سے قبل کسی کی کوئی تصنیف مؤطا کے علاوہ آج موجود نہیں اور مؤطا کی اس قدر ومنزلت پر ہر دور کے محدثین متفق ہیں۔ یہی وجہ ہے مؤطا کو تصنیف کے وقت سے اب تک قبولیت دوام حاصل ہے۔

اس کتاب کو چونکہ تدوین کتب حدیث میں اوّل درجہ حاصل ہے اس لیے ہمیشہ سے یہ اہل علم کی نگاہوں کا مرکز رہی ہے۔ اکابرین امت نے ہر دور میں حلقہ ہائے درس و تدریس، مراکز علمی اور دانش گاہوں میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کی اسی اہمیت کے پیش نظر مختلف ادوار میں مختلف دول اسلامیہ میں اس کی شروحات وتعلیقات بھی تحریر کی گئیں، جن میں زرقانی کی شرح، ابن عبدالبر کی التمهید اور الإستذكار، علامہ سیوطی کی تنویر الحوالک اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی المصفی (فارسی میں) اور المسوّی (عربی میں) قابل ذکر ہیں۔

سب سے پہلے علامہ وحید الزماں نے اسے اردو قالب میں ڈھالا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے حل وتفہیم کے لیے مختصر حواشی قلمبند کیے۔ گو یہ اپنے وقت کا ایک معرکۃ الآراء کام تھا مگر روشنی حاصل کرنے کے لیے چراغ میں مسلسل تیل ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ مؤطا کے شایان شان جدید تقاضوں سے ہم آہنگ اور احادیث کو جدید اسلوب تخریج سے آراستہ کیا جائے تا کہ تشنگانِ علم کی تشفی وتسکین کا مزید سامان فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے فاضل دوست حافظ ابوسمیعہ محمود تبسم حفظہ اللہ (سابق مدرس جامعہ الدعوۃ السّلفیہ ستیانہ بنگلہ) کو جنھوں نے اس عظیم کتاب کا سلیس ترجمہ ترجمانی کی صورت میں کر دیا تا کہ عربی زبان سے ناواقف لوگ اس سے کامل طور پر مستفید ہو سکیں، مزید برآں علمی تخریج اور مفید حواشی نے اس کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت بخشے اور اس خدمت حدیث کو ان کی مشکلات کی آسانی کا ذریعہ بنائے۔ اور اس کی

بدولت ان کے اہل وعیال کا بھی محافظ بن جائے۔ آمین

خصوصیات:

موجودہ ایڈیشن درج ذیل ترتیب وتہذیب اور اسلوب کی جدتوں سے آراستہ ہے:

- بازار میں مطبوع نسخوں میں کافی اغلاط ہیں، لہٰذا ہم نے شیخ ڈاکٹر سلیم الہلالی کا تحقیق کردہ نسخہ "المؤطا بالروايات الثمانية" کو اصل بنایا ہے۔
- ترجمہ عام فہم ترجمانی کی صورت کیا گیا ہے۔
- ہر کتاب کے شروع میں خلاصۃ الکتاب اور ہر باب کا خلاصہ اور اس میں موجود، صحیح، موقوف، مقطوع اور اقوالِ امام مالک کو واضح کیا گیا ہے۔
- احادیث کی علمی تخریج پیش کی گئی ہے، یاد رہے کہ تحقیق حدیث میں ڈاکٹر سلیم الہلالی، محدث ناصر الدین البانی اور احمد علی سلیمان المصری کی تحقیق پر اعتماد کیا گیا ہے۔
- احادیث کو جدید نمبرنگ سے مرتب کیا گیا ہے۔
- احادیث کی تحقیقی اور علمی وتفصیلی شرح کی گئی ہے، تاکہ فہم حدیث میں کسی قسم کا اخفاء وابہام باقی نہ رہے۔

ابتداءً پروف ریڈنگ جناب عبد اللہ یوسف ذہبی صاحب نے کی اور نظر ثانی کا فریضہ جناب حافظ شبیر صدیق (ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث) نے بطریق احسن انجام دیا ہے۔ بعد ازاں محترم جناب حافظ عبد اللہ رفیق ﷾ (شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ لوکو ورکشاپ، لاہور) اور حافظ حامد محمود الخضری ﷾ کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں جنہوں نے دن رات کی اَن تھک محنت سے اس کتاب پر نظر ثانی، تصحیح وتنقیح کا فریضہ انجام دیا۔ ہم جناب محمد رمضان محمدی ﷾ کے شکر گزار ہیں جن کی محنت، کاوش اور نگرانی میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

ہم عصر حاضر کی عظیم شخصیت فضیلۃ الشیخ عبد اللہ ناصر رحمانی ﷾ کے انتہائی شکر گزار ہیں جو اپنی مصروفیات کے باوجود ادارہ کی سرپرستی کر رہے ہیں، ان کی ترغیب، تشجیع اور اشراف کا ہی نتیجہ ہے کہ کتب حدیث زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آ رہی ہیں اور ساتھ میں علمی واصلاحی تقریظ تحریر کر کے ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ كثر الله أمثاله فى العالم .

ممبران ادارہ جناب ابو یحییٰ محمد طارق جاوید، منصور سلیم، میاں سجاد، محمد ناظر سدھو، ظفر اقبال، محمد نادر، فیصل جاوید، فیصل خان، اسجد محمود منج، محمد عرفان، اختر علی، شوکت حیات، انتصار، عبدالوحید، زاہد حسین، محمد مشتاق، ماسٹر الطاف، عندلیب اور ادارہ کی مجلس شوریٰ جناب محمد شاہد انصاری، حاجی نوید آصف، شمشیر اشرف، محمد اکرم سلفی، مرزا ذاکر احمد اور ابوطلحہ صدیقی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جن کے تعاون سے کتب حدیث کا کام جاری وساری ہے۔

جناب زاہد حسین چیپا کے بھی شکر گزار ہیں جو حدیثِ رسول ﷺ کی اشاعت کے لیے ہمارے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ اُمید واثق ہے کہ اُن کے تعاون سے یہ کام بہت آسان ہوگا۔ ان شاء اللہ

جناب ابومؤمن منصور احمد حفظہ اللہ (اسلامی اکادمی) کی تمام کوششیں اللہ عزوجل اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو دنیا و آخرت میں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ ہم مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰه کے تحت ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے احسان مند بھی ہیں۔ کیونکہ ان کے تعاون سے کتبِ حدیث کی اشاعت ہو رہی ہے۔

کتاب کی ابتدائی کمپوزنگ جناب محمد احمد رمضان محمدی صاحب نے کی اور فائنل سیٹنگ اور دیدہ زیب و جاذب نظر کمپیوٹر ڈیزائننگ ہمارے ادارہ کے کمپوزر جناب ابوحفص محمد حسن خان صاحب نے بطریق احسن سرانجام دی۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور اس کام کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ مَنْ لَّا يَشْكُرِ اللّٰهَ .

اللہ کے حضور سر بسجود ہو کر دعا گو ہیں کہ وہ اس کتاب کا نفع عام کر دے، ادارہ کو تا روزِ قیامت باقی رکھے۔ تا کہ اسلام دشمن قوتوں کے خلاف محدثین اور فقہاء کی علمی تراث کو منصۂ شہود پر لایا جا سکے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ .

وکتبہ

ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی

رئیس: ادارہ انصار السنہ پبلی کیشنز، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

الحمد للّٰه والصلاة والسلام علٰی رسول اللّٰه، وبعد!

''سنت'' رسول اللہ ﷺ کی راہ، روش، عادت، چلن اور طریقے کو کہتے ہیں اور احادیث میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی چیزیں بیان ہوتی ہیں۔ گویا حدیث کے علم سے آپ کی عادت، راہ، روش کا پتا چلتا ہے، حیات پاک جس طرح گزری ہے، اس کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر لاکھوں رحمتیں ہوں ان صحابہ رضی اللہ عنہم پر جنہوں نے احادیث کو بڑی احتیاط اور ذمہ داری سے روایت کیا۔ اور کروٹ کروٹ جنت دے اللہ محدثین کو جنہوں نے ان انوار کو کتابوں میں جمع کر کے دین کی تحصیل سہل کر دی ہے۔ اگر احادیث نہ ہوتیں تو حضور اکرم ﷺ کی راہ روش کا کچھ پتا نہ چلتا۔ یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((إِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا: کِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّتِیْ .)) [1]

''میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر ان پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ اپنا عمل بالقرآن بھی تمہیں دیے جا رہا ہوں۔ یعنی سنت رسول ﷺ کا عمل بالقرآن ہے۔ احکام الٰہیہ کی بجا آوری کا طریقہ ہے۔ یہ طریقہ رسول ﷺ کا عمل بالقرآن احادیث کے علم سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو پھر کتنا ضروری ہے یہ علم حدیث اور کتنا اہم ہے اس کا پھیلانا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَاً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَبَلَّغَهٗ کَمَا سَمِعَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ .)) [2]

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اس کو اسی طرح دوسروں تک پہنچا دیا جس طرح سنی تھی (کیونکہ) بہت سے پہنچائے جانے والے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔''

احادیث کو پھیلانے اور آگے پہنچانے والے کے لیے رسول اللہ ﷺ دعا مانگ رہے ہیں کہ اللہ انہیں ہرا بھرا رکھے، تر و تازہ رکھے۔ احادیث کو پڑھنے پڑھانے، سننے سنانے اور ان کا شغل رکھنے والے اہل حدیث، رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے ہرے بھرے اور ایمان سے تر و تازہ رہتے ہیں۔ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کی دعا میں شریک ہونے کے لیے حدیثوں سے محبت کرنی چاہیے۔ انہیں پڑھنا اور آگے پہنچانا چاہیے۔ ان کی خوب اشاعت کرنی چاہیے

---

[1] صحیح الجامع الصغیر للالبانی، رقم: 2937. [2] سنن الترمذی، کتاب العلم، رقم: 2567.

اور انہیں اپنا طور طریقہ، مذہب بنانا چاہیے تاکہ ہم ہرے بھرے ہوں، تروتازہ رہیں۔

بھائی ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی جن کا سینہ تبلیغ دین اور خصوصاً خدمتِ حدیث رسول ﷺ کے وافر جذبہ سے معمور ہے، اس ضمن میں ان کی بے شمار خدمات منظر عام پر آرہی ہیں اور مستقبل میں آنے والی بھی ہیں۔ ان شاء اللہ مؤطا امام مالک کی اشاعت بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا اسم گرامی ونسب نامہ اور کنیت ولقب یوں ہے: ابو عبد الله مالك بن انس بن مالك بن ابی عامر الحميری الأصبحی المدني التيمي القرشي . ❶

امام صاحب نے اپنی تاریخ ولادت 93ھ بیان کی ہے، لہٰذا امام ذہبی نے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ تین سال تک حالت حمل میں رہی تھیں۔ ❷

امام صاحب علم وفضل سے معمور گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے دادا ابوعامر رضی اللہ عنہ شرفِ صحابیت سے فیض یافتہ تھے، ❸ جبکہ والد محترم کا شمار صحابہ کرام کے کبار تلامذہ میں ہوتا ہے۔ ❹

امام صاحب سترہ سال کی عمر میں نافع مولیٰ عمر، سعید المقبری، ابن شہاب زہری اور ابن دینار جیسے اجل علماء کرام سے شرفِ تلمذ حاصل کر چکے تھے، ❺ اور اکیس سال کی عمر میں با قاعدہ درس وتدریس اور مسند افتاء سنبھال لی تھی، اور پھر اطراف واکنافِ عالم سے علما وطلبہ آپ کے پاس حاضر ہونا شروع ہوئے۔ اور یہ سلسلہ ابوجعفر المنصور کی خلافت سے لیکر ہارون الرشید کے زمانہ تک عروج کو پہنچا اور آپ کی وفات تک جاری وساری رہا۔ ❻

خود امام صاحب سے طلبِ علم یا درس وتدریس کے لیے سفر کرنا منقول نہیں۔ آپ ساری عمر مدینہ منورہ میں ہی مقیم رہے، سوائے حج کے مکہ مکرمہ کے علاوہ کہیں سفر نہیں کیا۔ بلکہ ایک بار خلیفہ مہدی نے آپ کو بغداد لے جانے کی خواہش ظاہر کی، آپ نے درج ذیل حدیثِ نبوی پڑھ کر یہ پیشکش ٹھکرا دی:

"الْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ." ❼

''کاش لوگ جان لیں کہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے۔''

امام صاحب طویل قد، بھاری جسم کے مالک تھے۔ سر اور داڑھی کے بال شدید سفید تھے، لباس بھی عمدہ سفید زیب تن کیا کرتے۔ انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنتے، خضاب وغیرہ استعمال نہ کرتے اور مونچھوں کو حلق کرنے کو عیب شمار کرتے تھے۔ آپ کی مجلس انواع واقسام کے قالین وغیرہ سے مزین انتہائی پر تکلف ہوتی۔ شور وغل اور قیل وقال کی ذرا گنجائش نہ

---

❶ الطبقات لابن سعد : 465/5 .
❷ الثقات لابن حبان : 459/7 .
❸ الإصابة لإبن حجر : 248/7 .
❹ مشاهير علماء الأمصار لابن حبان ، ص : 212 .
❺ تهذيب الأسماء واللغات للنووي : 75/2 .
❻ سير أعلام النبلاء للذهبي : 154/7 .
❼ صحيح مسلم : 992/2 (رقم : 1363 .

تھی۔ سب ادب واحترام اور ہیبت سے خاموش رہتے۔ سوال کرنے کی ہمت نہ تھی۔ باہر سے آنے والے اجنبی اور مہمان لوگ بعض دفعہ حدیث وغیرہ کے متعلق سوال کرلیا کرتے تھے۔ حبیب نامی آپ کے ایک کاتب تھے، وہی آپ کی کتابوں کی قراءت کرتے، باقی سب سماعت فرماتے۔ اگر کہیں غلطی ہوتی تو امام صاحب خود ہی وضاحت فرماتے۔ ❶

امام صاحب درسِ حدیث کے لیے باوضو ہو کر بہترین لباس زیب تن کر کے، بالوں کو سنوار کر اور بہترین خوشبو لگا کر نکلتے، اور فرماتے: یہ حدیثِ رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر کا تقاضا ہے۔ اگر کوئی بآواز بلند بولتا تو یہ آیتِ مبارکہ پڑھتے: ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ اور فرماتے: ''نبی کریم ﷺ کی حدیث کے پاس رفعِ صوت آپ ﷺ کے پاس رفعِ صوت کے مترادف ہے۔'' ❷

امام صاحب اساتذہ وشیوخ کے انتخاب میں حد درجہ احتیاط کیا کرتے تھے۔ بہت سارے نیک اور صالح لوگوں کو صرف اس لیے چھوڑ دیا کرتے تھے، کہ ان کی علمی قد وقامت امام صاحب کے ذوق ومزاج کے مطابق نہ ہوتی۔ امام صاحب نے وقت کے جلیل القدر اور اکابر علما ومحدثین سے ہی استفادہ کیا، جن میں سے چند مشاہیر کے نام یوں ہیں: نافع مولیٰ ابن عمر، سعید المقبری، نعیم المجمر، وہب بن کیسان، زہری، محمد بن المنکدر، عبد اللہ بن دینار، ایوب سختیانی، ابو الزناد اور ربیعۃ الرائے (الرأی) جیسے علمائے مدینہ۔ ❸

امام صاحب کے تلامذہ میں امام شافعی، ثوری، ابن عیینہ، شعبہ، یحییٰ انصاری، یحییٰ القطان، ابن مہدی اور ابن مبارک جیسے جلیل القدر ائمہ، محدثین اور فقہا کی ایک طویل فہرست کتبِ تراجم میں موجود ہے۔ ❹

امام صاحب حدیث وسنت، عقیدہ وفقہ کے امام ہیں۔ آپ ان جلیل القدر تبع تابعین میں سے ہیں جو بطورِ اُسوہ و نمونہ اُمت میں مشہور ہوئے۔ مذاہب اربعہ میں سے دوسرا مذہب آپ کی طرف منسوب ہے۔ امام شاطبی نے امام مالک بن انس کا ایک عظیم الشان قول نقل فرمایا ہے:

"قبض رسول الله ﷺ وقد تمّ هذا الأمر واستكمل، فينبغى أن تتبع آثار رسول الله ﷺ وأصحابه، ولا يتبع الرأى، فإنه متى ما اتبع الرأى جاء رجل آخر أقوى فى الرأى منك فاتبعته، فكلما غلبه رجل اتبعه، أرى أن هٰذا بعد لم يتم." ❺

''نبی کریم ﷺ دین کو مکمل کر کے گئے، لہٰذا نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہی اتباع کریں۔ رائے اور قیاس کی طرف نہ جائیں، کیونکہ عقل پرستی کوئی معیار نہیں۔ آپ کوئی عقلی نکتہ لائیں گے، کل کو کوئی دوسرا اس کا توڑ لے آئے گا۔ اور عقل تو عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے، لہٰذا انسان کسی ایک بات اور موقف پر

❶ الطبقات لابن سعد: 465/5، 468، 469.
❷ تهذيب الأسماء واللغات: 77/2.
❸ تاريخ الإسلام للذهبي: 719/4.
❹ تهذيب الأسماء واللغات: 75/2.
❺ الاعتصام للشاطبي: 140/1 و 660/2.

مطمئن نہ ہو سکے گا۔‘‘

امام صاحب کا ایک اور قول ہے جو ضرب المثل کی حد تک مشہور ہے، فرماتے ہیں:

”السنّة سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها غرق . “ ❶

’’سنت تو سفینۂ نوح ہے، جو اس میں سوار ہو گا محفوظ رہے گا، اس سے محروم رہنے والا غرق ہو گا۔‘‘

ہیثم بن جمیل بیان فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے پوچھا: کچھ لوگ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے اقوال ذکر کرتے ہیں، اور پھر کہتے ہیں کہ ہم ابراہیم کے قول کو لیتے ہیں..... کیا یہ درست ہے؟ امام صاحب نے پوچھا: کیا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح سند سے ثابت ہوتا ہے؟ کہا: جی، تو فرمایا: ’’ایسے لوگوں سے اس منہجی انحراف سے توبہ کروائی جائے جو صحابہ کی بات چھوڑتے ہیں۔‘‘ ❷

امام صاحب اتباعِ کتاب وسنت کا درس دیا کرتے تھے:

”قال معن بن عيسى: سمعت مالكا يقول: إنما أنا بشر أخطئ وأصيب، فانظروا فى رأيى، فكل ما وافق الكتاب والسنة فخذوا به، وكل ما لم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه . “ ❸

’’معن بن عیسی بیان کرتے ہیں، امام مالک نے فرمایا: میں ایک انسان ہوں، جس سے درست کے ساتھ ساتھ غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ میرے موقف کو پرکھو، جو کتاب وسنت کے مطابق ہو، اس کو لو، اور جو کتاب وسنت کے مخالف کو چھوڑ دو۔‘‘

امام صاحب بسا اوقات یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے:

وخير أمور الدين ما كان سنة　　　وشر الأمور المحدثات البدائع ❹

’’بہترین دینی کام وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو، اور بدترین وہ جو بدعات وخرافات پر مشتمل ہو۔‘‘

معن بن عیسی فرماتے ہیں کہ مالک ثقہ، ثبت، مامون، پرہیز گار، عالم وحجت تھے۔ ❺

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’سنت و اثر میں مالک کی حیثیت ایک ستارے سی ہے، اگر مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز علم سے محروم رہتا۔ مالک کو کسی حدیث میں ذرا شک ہوتا، تو مکمل طور پر اس سے کنارہ کشی کر لیتے۔ پھر فرمایا: ’’مالک میرے شیخ ہیں، انہیں سے ہم نے علم حاصل کیا۔‘‘

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ زہری کے تلامذہ میں روایتِ حدیث میں سب سے زیادہ پختہ کون ہے؟ فرمایا:

---

❶ ذم الكلام للهروي، ص: 210 .　❷ إعلام الموقعين لابن القيم : 210/2 .

❸ جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر : 775/1 . ❹ الاعتصام للشاطبي : 115/1 .

❺ الطبقات لابن سعد : 469/5 .

''مالک بن انس، جو ہر چیز میں پختگی رکھتے ہیں۔'' ❶

حماد بن زید خود بہت بڑے محدث ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کی وفات کی خبر ملی، بے ساختہ گویا ہوئے: ''اللہ رحم کرے، اب ان جیسا کوئی نہیں رہا۔'' ❷

امام ابن حبان فرماتے ہیں: فقہاے مدینہ میں رواۃ کی جانچ پڑتال کی داغ بیل ڈالنے والے امام مالک ہیں، جنھوں نے صحیح وضعیف میں امتیاز کا منہج قائم کیا، اور اسی کو امام شافعی رحمہ اللہ نے آگے بڑھایا۔ ❸

امام ذہبی کی وسعت مطالعہ امام کی شان میں نذرانۂ عقیدت یوں پیش کرتی ہے: ''امام مالک رحمہ اللہ کو کچھ ایسی فضیلتیں حاصل ہوئی ہیں کہ میرے علم کی حد تک دیگر لوگ ان سے محروم رہے ہیں: ایک: طولِ عمر اور علو روایت۔ دوسرا: ذہنِ رسا وفہمِ عمیق اور وسعتِ علم۔ تیسرا: تمام علما کا ان کے حجت وصحیح الروایہ ہونے پر اتفاق۔ چوتھا: امام کی دیانت و عدالت اور اتباع سنت پر یک زبان ہونا۔ پانچواں: فقہ وفتویٰ اور اُصولِ استدلال میں ان کی مہارت کا اعتراف کرنا۔'' ❹

زیرِنظر کتاب موطا امام صاحب کی شہرہ آفاق تصنیف ہے، اس کے علاوہ بھی رسالة فی القدر، رسالة فی النجوم ومنازل القمر اور الأقضية اور إجماع أهل المدينة کے ناموں سے ان کے رسائل کا ذکر ملتا ہے۔ ❺

کئی ایک جلیل القدر علما کلمہ حق کہنے کی پاداش میں وقت کے حکمرانوں کے زیر عتاب رہے، امام مالک بھی اُنہیں میں سے ایک ہیں۔ جبری طلاق نہیں ہوتی، امام کا مشہور فتویٰ ہے۔ یہ حاکم وقت کو پسند نہیں تھا، جس کے سبب امام صاحب کو بہت مشقت واذیت کا سامنا کرنا پڑا، اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ:

بعض فقہا نے ایک ایسا فتویٰ دے دیا کہ اُمراء وسلاطین کی عیاشی وشہوت رانی کے لیے انتہائی زبردست دلیل اور بہترین حربہ ہونے کے ساتھ نصوصِ شرعیہ کے بالکل خلاف ومنافی تھا، فتویٰ کے الفاظ یہ تھے:

''اگر کسی مرد سے زبردستی یا ڈرا دھمکا کر (قتل وغیرہ کا خوف دلا کر) اس کی عورت سے طلاق حاصل کر لی جائے تو ایسی طلاق بالکل حق وصواب اور جائز وصحیح ہے۔''

جب یہ فتویٰ امام دار الہجرۃ کے روبرو پیش ہوا تو آپ نے ''لا طلاق ولا عتاق فی إغلاق'' (سنن أبي داود: 258/2 (2193)، سنن ابن ماجة: 660/1 (2046)) والی حدیث کے پیش نظر علی الاعلان اس کی تردید و تکذیب کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ ''طلاق المكرَه ليس بشيء'' یعنی جبر واکراہ سے حاصل کردہ طلاق بالکل لغو وباطل ہے۔ ایسی مطلقہ عورت سے نکاح کرنا ویسے ہی حرام و ناجائز ہے جیسا کہ عام منکوحہ عورتوں سے شریعت نے حرام وناجائز قرار دے دیا ہے۔

---

❶ الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 205/8.
❷ تهذيب الأسماء واللغات: 77/2.
❸ الثقات لابن حبان: 459/7.
❹ تذكرة الحفاظ للذهبي: 157/1.
❺ ترتيب المدارك وتقريب المسالك للقاضي عياض: 90/2.

نہ صرف یہ بلکہ عالم مدینہ اس حدیث سے یہ فتوی بھی دیتے کہ جس طرح طلاق المکرہ غلط وباطل ہے، ویسے ہی بزورِ شمشیر بیعتِ خلافت حاصل کرنے والے خلیفہ کی بیعت بھی شرعاً جائز وصحیح نہیں۔ اور منصور کی بیعتِ خلافت چونکہ جبر و اکراہ پر مبنی تھی، اس لیے عالم مدینہ کے دونوں اعلانات بظاہر حکومت کو کھلا چیلنج تھے، اور اس طرفہ پر طرہ یہ ہوا کہ ان دنوں مدینہ منورہ کا گورنر جعفر بن سلیمان تھا جو منصور عباسی کا چچا زاد بھائی تھا۔ جب دونوں اعلانات اس نے سنے تو شاہی قرابت اور حکومت کے نشہ سے سرشار اس نے امام صاحب کو انتباہی نوٹس دیا کہ اپنے فتویٰ سے رجوع کریں یا کم از کم آئندہ ایسا فتوی نہ دیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا وجود ہی فطرتاً کتاب وسنت کی نشر و اشاعت کے لیے مختص تھا، بنابریں آپ نے گورنر جعفر بن سلیمان کے انتباہی نوٹس کی ایک ذرہ پروا نہ کی، بلکہ مزید جوش وخروش سے ردّوتردید کرتے ہوئے کھلم کھلا اعلان کرتے رہے: طلاق المکرہ لیس بشیء یعنی جبر واکراہ سے حاصل کردہ طلاق غلط وباطل ہے۔ جعفر شاہی آرڈر کی توہین دیکھ کر آگ بگولہ ہوگیا اور پولیس کو حکم دیا کہ امام صاحب کو اخلاقی مجرم کی حیثیت سے انتہائی ذلیل کن حالت میں پیش کیا جائے۔ امام صاحب کو لایا گیا، جعفر نے اپنا مطالبہ دہرایا۔ امام صاحب نے پھر اسی شان سے اسے ٹھکرادیا، اور فرمایا: اگر تمہارے مفتیوں کے پاس کوئی نص قطعی موجود ہے تو پیش کرو، ورنہ ہم فتویٰ کو واپس لینے یا اس سے باز رہنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔

والی مدینہ نے زچ ہوکر امام صاحب کو مار پیٹ کا حکم دے دیا۔ امام صاحب کوڑوں کی ضرب سے چلانے کی بجائے طلاق المکرہ لیس بشیء کے نعرے بلند کرتے جاتے۔ اپنی خفت وندامت کو مٹانے کے لیے ظالم وقت نے حکم دیا کہ اس باغی کا منہ کالا کرکے پورے شہر میں گھمایا جائے۔ امام صاحب وہاں بھی سرعام یوں فرمانے لگے: ''مجھے جاننے والے تو خوب جانتے ہیں، جو نہیں جانتا وہ سن لے کہ میں مالک بن انس اصبحی ہوں، اور ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ جبر واکراہ کی طلاق کی کوئی حیثیت نہیں۔'' والی مدینہ کو خبر کی گئی کہ تم نے امام کو ذلیل ورسوا کرنے کا پلان کیا تھا، لیکن امام اُلٹا حکومت کے ظلم وغصب کی داستان گلی کوچوں میں بیان کررہے ہیں، تو والی مدینہ نے کہا کہ امام صاحب کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ حکومتی کارندوں سے خلاصی پاتے ہی امام صاحب مسجدِ نبوی گئے وہاں بطورِ شکرانہ دوگانہ ادا کیا۔

علم وعمل اور اشاعتِ کتاب وسنت سے بھرپور 85 سالہ زندگی گزار کر امام مالک 14 ربیع الاول 179ھ میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ یہ خلیفہ ہارون الرشید کا زمانہ تھا، مدینہ کے والی عبداللہ بن محمد بن ابراہیم عباسی تھے۔ انہوں نے امام صاحب کا جنازہ مسجد نبوی میں پڑھایا، اور آپ کو مسجد نبوی سے ملحق بقیع الغرقد قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ [1]

اس مایہ ناز کتاب کا نام 'موطا' ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی نسبت سے اسے 'موطا امام مالک' بھی کہا جاتا ہے۔ البتہ

---

[1] الطبقات لابن سعد: 469/5، الثقات لابن حبان: 459/7)

بعض دفعہ موطا کی نسبت امام صاحب کے بعض تلامذہ یعنی راویانِ موطا کی طرف بھی کردی جاتی ہے، مثلاً کہا جاتا ہے: 'موطا امام محمدؒ' لیکن بہتر یہ ہے کہ 'موطا مالک بروایت محمدؒ' جیسی کوئی تعبیر استعمال کی جائے، تاکہ کسی قسم کا کوئی اشکال پیدا نہ ہو کیونکہ امام محمد کی موطا نامی کتاب کوئی مستقل تصنیف نہیں، بلکہ وہ موطأ مالک کی ایک روایت ہے۔ جس میں 3686 کی بجائے 1008 مرویات ہیں۔

موطا کے سبب تالیف کے بیان میں ایک سے زائد روایات ہیں: ایک یہ ہے کہ امام صاحب نے یہ کتاب عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے کہنے پر تصنیف فرمائی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق یہ گزارش خلیفہ مہدی نے کی تھی۔ ❶ ایک تیسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام صاحب نے عبدالعزیز ابن الماجشون کی موطأ دیکھی، تو اُنہیں احساس ہوا کہ اس موضوع پر مزید بہترین کتاب ہونی چاہیے، اور پھر آپ نے موطا کی تصنیف کا آغاز کیا۔ ❷

ان تینوں روایات میں جمع وتطبیق اس طرح ممکن ہے کہ پہلے ابوجعفر المنصور نے امام صاحب سے یہ گزارش کی ہوگی، لیکن امام صاحب سوچ وفکر میں ہوں گے۔ پھر بعد میں خلیفہ مہدی نے بھی یہی طلب دہرائی تو امام صاحب کا عزم مزید پختہ ہوا، اور پھر جب آپ نے اس وقت کی تصنیفات دیکھیں تو ان میں سب سے بہترین موطا ابن الماجشون محسوس ہوئی، لیکن ساتھ اس میں موجود بعض کوتاہیوں کو دیکھ کر ایک جامع اور آسان موطا تالیف کرنے کا آغاز کردیا۔ واللہ اعلم!

امام صاحب کے سوانح نگاروں نے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ ابوجعفر المنصور نے امام صاحب کو پیش کش کی تھی کہ آپ اجازت دیں، تو موطا کو بطور دستور اور آئین کے نافذ کردیا جائے، لیکن امام صاحب نے رضامندی ظاہر نہ کی۔

کیونکہ وحی کے علاوہ کوئی چیز بطور شریعت نافذ نہیں کی جاسکتی ہے، اور امام صاحب خود مسجد نبوی میں لوگوں کو قبر نبوی کی طرف اشارہ کرکر کے یہی منہج سکھاتے رہے کہ:

"كُلُّ أَحَدٍ يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِه ، وَيُتْرَكُ ، إِلَّا صَاحِبَ هَذَا القَبْرِ ﷺ ." ❸

''اس صاحبِ قبر ﷺ کے علاوہ ہر ایک کی بات میں اخذ وردّ کا احتمال باقی رہتا ہے۔''

اجمالی طور پر تو کتاب کا موضوع احادیث رسول ﷺ آثارِ صحابہ کا بیان ہے، البتہ تفصیلی طور پر مضامین موطا کو آٹھ قسموں میں بیان ❹ کیا جاسکتا ہے:

پہلی قسم:......مرفوع ومتصل احادیث	دوسری قسم:......مرسل احادیث
تیسری قسم: منقطع احادیث	چوتھی قسم:......مرفوع حکمی
پانچویں قسم:...... بلاغیات	چھٹی قسم:......اقوالِ صحابہ وتابعین

❶ ترتيب المدارك : 71/2- 73 . ❷ التمهيد : 86/1، ترتيب المدارك : 76/2 .

❸ سير أعلام النبلاء : 93/8 .

❹ كشف المغطى لابن عاشور : 29، والمدخل إلى موطأ مالك بن أنس ، ص : 91- 93 .

ساتویں قسم:......امام مالک کا تفقہ واجتہاد آٹھویں قسم:......لغوی وتفسیری افادات

امام صاحب نے کتاب کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے۔صرف احادیثِ صحیحہ پر اکتفا کرنے کی بجائے اقوالِ صحابہ وتابعین بھی ذکر کیے ہیں۔مسند کے ساتھ ساتھ مرسل حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں، اسی طرح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وارد مسائل سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اہل مدینہ صحابہ وتابعین کے فتاویٰ سے زیادہ مانوسیت رکھتے ہیں بالخصوص اگر کسی مسئلہ میں فقہاے سبعہ کا اتفاق ہوجائے۔ ❶

امام صاحب نے احادیث نبویہ پر اکتفا کی کرنے کی بجائے اقوال صحابہ وتابعین کو اس لیے ذکر کیا، کیونکہ یہ اسلامی فقہی مصادر میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اس کے بغیر تفقہ فی الحدیث ممکن نہیں، امام کا مقصد صرف نصوصِ شریعت کی تدوین نہ تھا، بلکہ آپ نصوص سے مسائل کے استنباط واستدلال کے لیے ایک جامع طرز اُسلوب متعارف کروانا چاہتے تھے۔

ابن العربی رقم طراز ہیں:''قَصَدَ فی کتابِه هذا تبیینَ أصولِ الفقهِ وفروعِهِ . '' ❷

''امام کا اس کتاب کی تالیف سے مقصد فقہ کے اصول وفروع کا بیان تھا۔''

امام ابن عاشور فرماتے ہیں:

''امام صاحب کا مقصد علم شریعت کی وضاحت تھی، اور علم شریعت صرف احادیث نبویہ میں ہی منحصر نہیں، بلکہ صحابہ کرام جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات و عادات کو براہ راست ملاحظہ کیا، ان کے فیصلے اور فتاوی بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔'' ❸

جیسا کہ گزر چکا کہ احادیثِ موطا کی مختلف آٹھ اقسام ہیں، تو ہر قسم کا درجہ بھی الگ ہے، لہٰذا پہلی قسم یعنی مرفوع و متصل احادیث سب کی سب صحیح ہیں، اور علما کا اس پر اتفاق ہے، بلکہ یہ تمام احادیث صحیحین بلکہ کتبِ ستہ میں بھی موجود ہیں۔ ❹

بلکہ امام بخاری کے طریقہ تالیف میں یہ بات مذکور ہے کہ انہیں اگر امام مالک کی روایت سے کوئی حدیث مل رہی ہو، تو وہ اسی کو ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، چاہے امام مالک کی روایت کے لیے انہیں نازِل یعنی لمبی سند ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔ابن عاشور فرماتے ہیں:

''امام بخاری تکلفاً مالک کی روایت کو لیتے ہیں، چاہے ان کو بعید ترین سند کا ہی سہارا کیوں نہ لینا پڑے۔'' ❺

رہی بات موطا میں موجود مُرسَل احادیث کی، تو اس کے متعلق ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ موطا کی مراسیل دیگر متصل اسانید سے بھی ثابت ہیں، یہی وجہ ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان فرمایا کرتے تھے:''مالک کی مراسیل مجھے سب سے

---

❶ كشف المغطى لابن عاشور، ص: 22، 28، والمدخل إلى موطأ مالك بن أنس، ص: 79- 101.

❷ المسالك في شرح موطأ مالك لابن العربي: 436/1. ❸ كشفى المغطى، ص: 40.

❹ كشفى المغطى، ص: 29. ❺ كشفى المغطى، ص: 30.

عزیز ہیں، کیونکہ ان سے صحیح مراسیل کسی کی نہیں۔'' ❶

رہی منقطع احادیث تو اس حوالے سے قاضی عیاض رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ''ابن مسعود کے اقوال امام صاحب نے عبداللہ بن ادریس اَودی کے واسطہ سے روایت کیے ہیں، اور بقیہ اصحاب کے آثار عبد الرحمٰن بن مہدی کے توسط سے۔'' ❷ گویا قاضی عیاض یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ موطأ میں منقطع احادیث کی اسانید بھی معروف ہیں، امام صاحب نے شاید شہرت کی بنا پر انہیں ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم!

موطا میں بلاغات کی تعداد 239 ہے، حافظ ابن عبد البر نے ان تمام کی اسانید ذکر کر دی ہیں، البتہ چار کی اسانید انہیں نہیں مل سکیں۔ کتبِ حدیث میں موطأ اعلیٰ منزلت پر فائز ہے، بالکل ابتدائی مصادر حدیث میں سے ہے۔ فقہ و حدیث کی جامع پہلی کتاب ہے، امام شافعی فرمایا کرتے تھے:

"ما فی الأرض كتاب فی العلم أكثر صوابًا من موطأ مالك." ❸

''روے زمین پر موطا سے صحیح ترین کتاب موجود نہیں ہے۔''

امام ابن العربی فرماتے ہیں:

''بخاری دوسرے نمبر پر جبکہ موطا پہلے نمبر پر ہے، بعد والی تمام کتبِ حدیث کی بنیاد موطا ہی ہے۔'' ❹

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ موطا کو صحیحین پر ترجیح اس بنیاد پر ہے کہ موطا اَسبق واَقدم ہے، اور متقدم ہونا بذاتِ خود ایک فضیلت ہے، کیونکہ بعد والے سب اوّلین کے خوشہ چین ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کی کتبِ حدیث میں کوئی ایک ایسی نہ ہوگی جس میں امام مالک رحمہ اللہ اور موطأ کی روایات موجود نہ ہوں، اس اعتبار سے موطأ کو افضل کہا جا سکتا ہے، ورنہ عمومی اعتبار سے یہی بات درست ہے کہ

''صحیح بخاری و مسلم قرآن کے بعد افضل ترین کتابیں ہیں، جیسا کہ اس پر امت کا اجماع ہے۔'' ❺

ذہبی فرماتے ہیں: ''موطا کی لوگوں کے ہاں شان، اور دلوں میں جو ہیبت و وقار ہے، یہ اسی کا خاصہ ہے۔'' ❻

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کتبِ فقہ میں موطا امام مالک کے پائے کی کوئی کتاب نہیں ہے، کیونکہ کتاب کی فضیلت کے کچھ معیارات ہیں، مثلاً اس کا مصنف عظیم شخصیت ہو، یا کتاب میں صحت کا التزام ہو، یا اس کی احادیث مشہور ہوں، یا عامۃ المسلمین کے ہاں اسے قبولِ عام حاصل ہو، یا اس میں اہم مقاصد دین کا استیعاب ہو وغیرہ، یہ جتنی خوبیاں ہیں، موطا میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔'' ❼

---

❶ سنن الترمذي : 754/5.
❷ ترتيب المدارك : 75/2.
❸ سير أعلام النبلاء : 111/8.
❹ عارضة الأحوذی لابن العربي : 5/1)
❺ شرح النووي على مسلم : 14/1.
❻ سير أعلام النبلاء : 202/18.
❼ المسوى لولي الله الدهلوي : 17.

صحیح بات یہ ہے کہ موطأمیں چونکہ صرف صحیح احادیث پر اکتفانہیں کیا گیا، اس لیے صحیحین کو اس پر فوقیت حاصل ہے، یہی وجہ ہے علامہ کتانی نے صحیحین کے بعد موطا کو تمام کتبِ حدیث پر فوقیت دی ہے۔ ❶

موطا کی تالیف کے زمانے سے ہی اہل علم نے اس کی روایت وتحدیث کا اہتمام کیا، امام صاحب کے تلامذہ ایک دوسرے سے بڑھ کر موطأ کی روایت وعنایت کرتے رہے۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''احادیث موطا، فقہی مسائل و فتاوی کی روایت کرنے والوں کو امام دار قطنی نے ایک تصنیف میں جمع کیا ہے، جن کی تعداد تقریباً ہزار کے قریب ہے۔'' ❷

راویوں کی کثرت کے سبب موطا کے نسخوں اور روایتوں میں اختلاف بھی موجود ہے، قاضی عیاض مالکی (م544ھ) نے اس حوالے سے کافی تحقیق کی ہے، اوران کے دوریعنی چھٹی صدی ہجری میں موطأ کے تیں کے قریب نسخے شمار کیے جاتے تھے، جن میں سے بیس خود قاضی عیاض کی دسترس میں تھے۔ ❸

روایاتِ موطأ میں سب سے مشہور روایت یحیٰ بن یحیٰ اللیثی رحمہ اللہ کی ہے، جب مطلقا موطأ کہا جائے تو یہی روایت مراد ہوتی ہے، جبکہ دیگر روایات ذکر کرتے ہوئے ساتھ راویوں کی صراحت کردی جاتی ہے۔

شروع سے لے کر اب تک علما مختلف انداز سے موطا کی خدمت سرانجام دیتے رہے ہیں: کسی نے شرح کی، کسی نے رجالِ موطا کے حالاتِ زندگی لکھے، کسی نے مراسیل ومنقطعات کی اسانید کا اہتمام کیا، کسی نے اطراف الموطا، و ترتیب المسانید پر کام کیا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

''کتب حدیث میں جو اہتمام موطا کے ساتھ رہا ہے، وہ کسی اور کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔'' ❹

بعض محققین نے شروحاتِ موطا کی تعداد 130 بیان کی ہے، ان میں سے زرقانی کی شرح، ابن عبد البر کی "التمهيد" اور "الإستذكار" سیوطی کی "تنوير الحوالك" اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی "المصفى" اور "المسوّى" قابل ذکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اوراسی کے بھروسے پر بھائی ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی نے موَطا کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے، موَطا امام مالک عالم اسلام کے اکثر مدارس کے شاملِ نصاب ہے۔ اب تک اردو زبان میں اس کا ترجمہ تو شائع ہو چکا تھا لیکن ابھی تک ایسی مفصل اور جامع شرح کی ضرورت تھی جو کہ بیک وقت علماء، طلباء اور عام قاری کے لیے یکساں مفید ہو۔ ادارہ انصار السنہ نے اس کام کو احسن طریقہ سے سرانجام دے کر اس ضرورت کو کافی حد تک پورا کردیا ہے۔ یہ سلسلہ خدمت الحدیث النبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی انیسویں (19) کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی جملہ دینی مساعی وکوششوں کو قبول فرمائے اور صحت وتندرستی کے ساتھ مزید ان کی عمر میں خیر وبرکت عنایت فرمائے، آمین

❶ الرسالة المستطرفة لمحمد بن جعفر الكتاني : 13.
❷ الانتقاء لابن عبد البر : 15، ط : العلمية.
❸ ترتيب المدارك : 88/2، 89.
❹ ترتيب المدارك : 80/2.

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو ہمارے لیے اخروی سعادت وکامرانی کا ذریعہ بنادے، ہمارے دل نور سے بھردے، ہماری آنکھوں کو احادیث کی ٹھنڈک عطا فرمادے، ہمیں احادیث پڑھنے، پڑھانے کا جذبہ بے پناہ عنایت فرمادے، اے اللہ! اپنے فضل وکرم سے اسے شرفِ قبولیت عطا فرمادے، راہِ حق کے مسافروں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت فرمادے۔اس عظیم کتاب کے مصنف کو، شارحین کو مترجم کو، ناشر کو اور تمام معاونین و مساھمین کو دنیا وآخرت کی بھلائیاں عطا فرمادے، ہماری، ہمارے والدین، اہل خانہ، عزیز واقارب، اساتذہ اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمادے، آمین

ابتداء وانتہا میں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تعریفیں ہیں، اسی پر ہمارا اعتماد اور بھروسہ ہے، اسی کی توفیق ورحمت کے ہم محتاج ہیں۔ وہی ہمارا مددگار وکارساز ہے۔وصلی اللہ علی نبینا محمد وآله وصحبه وسلم .

کتبه

عبداللہ ناصر رحمانی

جولائی 2020ء/ 1441ھ

امام مالک رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی

نام ونسب وودلات:

مالک نام، ابوعبداللہ کنیت، امام دارالہجرۃ لقب تھا،سلسلۂ نسب یوں ہے: مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن حارث بن عمر بن حارث بن غیمان بن جثیل بن عمرو بن حارث ذی اصبح۔ ❶

امام مالک رحمہ اللہ خالص عرب خاندان سے تھے جو جاہلیت اور اسلام دونوں میں معزز تھے، بڑوں کا وطن یمن تھا مگر اسلام کے بعد مدینۃ النبی میں سکونت اختیار کر لی تھی، نسباً یمن کے آخری شاہی یعنی حمیر کی شاخ ''اصبح'' سے تعلق رکھتے تھے، امام کے مورث اعلیٰ حارث اس خاندان کے شیخ تھے، اسی لیے ذی اصبح کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے پردادا ابو عامر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مشرف بہ اسلام ہوئے، امام مالک رحمہ اللہ کے دادا مالک بن ابی عامر جلیل القدر تابعی اور صحاح کے رواۃ میں داخل ہیں، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو یک گونہ اختصاص تھا، چنانچہ جن سر بکف جوانمردوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی لاش کو دشمنوں کے نرغہ سے اٹھا کر دفن کرنے کی خطرناک خدمت انجام دی تھی ان میں ایک یہ بھی تھے، فن روایت وحدیث میں ان کو سیدنا عثمان، طلحہ، عقیل بن ابی طالب، ابوہریرہ، ام المؤمنین سیدہ عائشہ و دیگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے شرف تلمذ حاصل تھا، مدینہ کے مشہور فقیہ سلیمان بن یسار اور خود مالک کے بیٹوں نے اور دوسروں نے مالک سے حدیث روایت کی ہے، مؤطا میں بھی ان کی روایات ہیں، امام نسائی نے ان کی توثیق کی ہے، ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

مالک بن ابی عامر کے تین بیٹے تھے، انس امام مالک کے والد بزرگوار، ربیع اور ابوسہیل نافع، ابوسہیل نافع ایک بلند پایہ محدث تھے، ثقات تابعین اور ارکان حدیث میں ان کا شمار ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں ان سے روایت کی ہے۔

امام صاحب کے چچا محترم ربیع اور والد ماجد انس ابھی اپنے خاندان کی علمی وراثت سے محروم نہ تھے تاہم اس فن میں کوئی مخصوص پایہ نہیں رکھتے تھے اور نہ مؤطا میں امام نے ان سے کوئی روایت کی ہے۔ ❷

امام مالک رحمہ اللہ کی صحیح تاریخ (93ھ) ہے، کیونکہ یہ تاریخ امام کے شاگرد خاص یحییٰ بن بکیر سے سند کے ساتھ

❶ كتاب الانساب للسمعانی، ورق: 41.

❷ تزئين الممالك، ابن خلكان: 200/2، اسعاف المبطاء برجال المؤطا، ص: 33، تذكرة الحفاظ للذهبی: 188/1، كتاب الانساب سمعانی، ورق: 41.

مروی ہے، جو مدتوں امام کی صحبت میں رہے ہیں۔ [1]

تعلیم وتربیت:

امام صاحب نے ہوش سنبھالا تو اپنے علم کو آغوش میں پایا، خود ان کے گھر اور گھر سے باہر پورا شہر علماء وفضلاء کا مخزن تھا، آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد سینکڑوں صحابہ دور دراز مقامات میں نکل گئے تھے لیکن معدن سونا نکلنے کے بعد بھی معدن ہے، تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جو علوم شریعت کے امین اور قرآن وسنت کے خزینہ دار تھے، اسی مقدس شہر میں سکونت پذیر تھے، عہد نبوی ﷺ اور اس کے بعد بھی ۲۴، ۲۵ برس تک پوری حکومت اسلامیہ کا یہ مرکز تھا، یہیں سے احکام و فتاویٰ فقہائے صحابہ کی مجلس میں طے ہو کر تمام دنیا اسلام میں پھیلتے تھے۔

مدینہ کے فقہائے صحابہ:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو اسرار شریعت کے راز داں تھے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جن سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے اعمال وسنن کا متبع اور واقف کار کوئی دوسرا نہ تھا، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما جو حبر الامۃ تھے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جن سے بڑھ کر حدیث کا کوئی دوسرا راوی نہیں، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کاتب وحی تھے، ان سب کی درسگاہیں اسی شہر میں آباد تھیں۔

تابعین مدینہ:

تلامذۂ صحابہ میں جن کو اصطلاح میں تابعین کہا جاتا ہے، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، نافع، عبداللہ بن دینار، سالم بن عبداللہ، خارجہ بن زید، سعید بن مسیّب، ہشام بن عروہ، محمد بن منکدر، عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، عامر بن عبداللہ، جعفر صادق، ربیعہ رای، ابوسہیل نافع بن مالک اور سلیمان بن یسار وغیرہ وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کے علم وفضل سے آغاز میں ہی اسلام نے نشوونما پائی ہے، یہ اسی مدینۃ النبی کے لعل وگہر تھے۔

فقہائے سبعہ:

ان میں سے ابوبکر حارث (94ھ) خارجہ بن زید (99ھ) قاسم بن محمد (101ھ) سعید بن مسیّب (101ھ) عبداللہ بن عتبہ (102ھ) سالم بن عبداللہ (106ھ) سلیمان بن یسار (107ھ) مدینہ کے فقہائے سبعہ کہلاتے ہیں، صحابہ کے بعد تمام فتاویٰ، مسائل اور مقدمات، قضایا انہی کے فیصلہ سے طے پاتے تھے، ان کی مجلس اجتماعی اس عہد کی سب سے بڑی عدالت عالیہ تھی، فقہ مدینہ جس کا ذکر آگے آئے گا ان ہی فقہائے سبعہ کی علمی مجلسوں کے نتائج بحث ہیں۔

امام مالک کے شیوخ:

خود امام کا گھر علم حدیث کا مرجع تھا، آپ کے دادا، چچا اور والد محدث تھے، امام صاحب کے دادا جو ثقات رواۃ میں

[1] تذكرة الحفاظ : 192/1.

ہیں، امام کے ہوش تک زندہ تھے لیکن ان سے بلاوسطہ امام نے فیض حاصل نہیں کیا، ابوسہیل نافع امام مالک کے چچا روایت وحدیث کے شیخ تھے، امام زہری وغیرہ کے استاذ ہیں، امام صاحب نے بھی ان سے حدیثیں سیکھی ہیں، آپ کے والد انس اور دوسرے چچا ربیع دونوں اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں لیکن ان سے کوئی روایت امام صاحب نے مؤطا میں نہیں نقل کی ہے۔

امام صاحب نے غالباً لڑکپن سے طلب علم شروع کی، خود ان کی زبانی مروی ہے ''میں نافع کے پاس آتا تھا تو ایک کم سن لڑکا تھا، میرے ساتھ ایک غلام ہوتا تھا، نافع اتر کر آتے تھے تو مجھ سے حدیث بیان کرتے ہیں۔'' ❶

امام مالک نے قرآن مجید کی قرأت وسند مدینہ کے امام القراء ابورديم نافع بن عبدالرحمٰن متوفی ۱۶۹ھ سے حاصل کی، ❷ جن کی قرأت پر آج تمام دنیائے اسلام کی قرأت کی بنیاد ہے۔

نافع کے علاوہ امام نے مدینہ کے دوسرے شیوخ کبار سے بھی حدیث سیکھی، جن ممتاز نام یہ ہیں، محمد بن شہاب، زہری، جعفر صادق بن محمد، محمد بن منکدر، محمد بن یحییٰ انصاری، ابوحازم، یحییٰ بن سعید۔

شیوخ کی تعداد:

امام مالک نے مؤطا جن شیوخ سے روایت کی ہے ان کی مجموعی تعداد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مسوی کے مقدمہ میں پچھتّر (75) بتائی ہے لیکن اسعاف المبطاء برجال المؤطا کے مطابق شیوخ کی تعداد چرانوے (94) ہے لیکن یہ تعداد مؤطا کی احادیث وآثار کی ہے، ورنہ اصل میں امام مالک کی احادیث صحیحہ وغیر صحیحہ کی تعداد دس ہزار ہے، اس لحاظ سے اگر شیوخ کی تلاش کی جائے تو موجودہ تعداد سے بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

غیر مدنی شیوخ:

امام مالک کے اساتذہ میں بعض غیر مدنی شیوخ کے نام بھی ملتے ہیں، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے چھ اشخاص ہیں، جیسا کہ مقدمۂ مسوی میں لکھا ہے لیکن درحقیقت نو شخص ہیں، ایک شام کے ابراہیم بن ابی عبلہ مقدسی، دو مکہ معظّمہ کے محمد بن مسلم ابوالزبیر مکی اور حمید بن قیس اعرج مکی، دو خراسان کے عطاء بن ابی مسلم خراسانی اور زیاد بن سعد خراسانی، دو جزیرہ کے عبدالکریم بن مالک جزری اور زید بن انیسہ جزری اور دو بصرہ کے ایوب سختیانی بصری اور حمید بن ابی حمید الطّویل بصری، امام نے ان مما لک کا کبھی سفر نہیں کیا اس لیے ان مشائخ سے اخذ واستفادہ کا موقع مدینہ ہی میں ملا ہوگا، کیوں کہ حج وزیارت کی غرض سے اکثر اہل علم کا سال میں ایک بار اور کبھی کبھی کئی کئی بار مدینہ میں آنا ہوتا تھا۔

علم فقہ:

امام مالک نے فقہ کی تعلیم گو نافع وغیرہ شیوخ سے بھی پائی لیکن ابوعثمان ربیعۃ الرای سے خاص طور سے اس کی تحصیل کی، ربیعہ مدینہ کے کبار تابعین میں تھے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دامن تربیت میں تعلیم پائی تھی،

❶ تذکرة الحفاظ : 88/1، ترجمه نافع . ❷ ابن خلکان : 200/2 .

امام مالک، یحییٰ انصاری، شعبہ، اوزاعی، حسن بصری، لیث مصری وغیرہم جو اس طبقہ کے اکابر رجال داعیان علم ہیں ان کے شاگرد ہیں، ربیعہ کے ساتھ امام مالک کا اختصاص اس درجہ تھا کہ تاریخ ورجال میں ''شیخ مالک'' ان کے نام کا جزء ہو گیا ہے، ربیعہ اجتہاد واستنباط اور تفریع ورائے میں اس قدر معروف تھے کہ ''رائی'' ان کا لقب ہو گیا۔

خصوصیات شیوخ مالک:

امام مالک نے صرف ان ہی اساتذۂ فن سے استفادہ کیا جو اہلیت واستحقاق کے مسند نشیں تھے اور صرف ان شیوخ کے حلقۂ درس میں بیٹھے جو صدق وطہارت میں معروف اور حفظ وفقہ میں ممتاز تھے، امام ممدوح ہمیشہ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ میں کبھی کسی غیر فقیہ کی مجلس میں نہیں بیٹھا، امام ابن حنبل فرماتے ہیں کہ ''یہ مخصوص نعمت تھی جو صرف حضرت امام مالک کے حصہ میں آئی۔'' امام صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''اس صحن مسجد (نبوی) میں ان ستونوں کے پاس میں نے ستر شیوخ کو پایا جو قال اللہ اور قال الرسول کہا کرتے تھے لیکن ان میں سے ایک کے پاس بھی نہیں بیٹھا۔'' مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب کی زبان سے ان کا قول سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ''میں نے اس شہر میں بہت سے نیک وصالح لوگوں کو پایا لیکن ان سے میں نے حدیث نہیں سنی۔'' لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ ''جو وہ کہتے تھے وہ سمجھتے نہ تھے۔'' ❶

امام صاحب نے اہل عراق سے کیوں روایت نہیں کی:

امام صاحب کے شیوخ میں کوئی عراقی نہیں ہے، ابومصعب جو امام کے شاگرد اور مشہور محدث ہیں، بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اہل عراق سے کیوں روایت نہیں کی؟ جواب میں فرمایا کہ ''کیا میں ایسے لوگوں سے روایت کروں جن کو میں نے دیکھا ہے کہ یہاں آ کر ان لوگوں سے حدیث سیکھتے ہیں جن پر وثوق نہیں کیا جا سکتا'' امام مالک سے شعیب بن حرب نے کہا کہ آپ لوگ اہل عراق سے کیوں نہیں روایت کرتے، امام صاحب نے فرمایا کہ ''ہمارے بڑوں نے ان کے بڑوں سے روایت نہیں کی اس لیے ہمارے پچھلوں نے بھی ان کے پچھلوں سے روایت نہیں کی۔ ❷

امام مالک جب کسی غیر مدنی شیخ سے اخذ حدیث کرنا چاہتے تھے تو پہلے اس کو پوری طرح جانچ لیتے تھے، امام صاحب کا کوئی شیخ اگر عراقی کہا جا سکتا ہے تو وہ بصرہ کے ایوب سختیانی مشہور تابعی المتوفی 131ھ ہیں جن کی نسبت ابن سعد کہتے ہیں "كان حجة ثقة ثبتا فى الحديث جامع كثير العلم" امام مالک فرماتے ہیں کہ مکہ میں حج کے موقع پر ان کو دو سال میں نے دیکھا، لیکن ان سے کوئی حدیث نہیں لکھی، تیسرے سال دیکھا کہ وہ صحن زمزم میں بیٹھے ہیں، جب آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی لیا جاتا تو وہ روتے کہ مجھ کو رحم آتا تھا، جب یہ حال دیکھا تو ان کی حدیث لکھی۔ ❸

❶ مقدمه اسعاف، ص: 2، 3، 4، 5. ❷ مقدمه اسعاف، ص: 2، 3.

❸ مقدمه اسعاف، ص: 3 تا 5.

اپنے دادا اور بعض فقہائے سبعہ سے کیوں نہیں روایت کی:

امام جب سن رشد کو پہنچے اس وقت آپ کے دادا مالک بن ابی عامر زندہ تھے، ان کی وفات کے وقت امام صاحب کی عمر 12، 13 سال کی تھی، فقہائے سبعہ میں سے سالم بن عبداللہ نے 106ھ میں وفات پائی، جب کہ امام کی عمر 16 برس کی تھی، سلیمان بن یسار نے 107ھ میں انتقال کیا، اس وقت امام 17 سال کے تھے تاہم امام صاحب نے ان بزرگوں سے بلاواسطہ کوئی روایت نہیں کی، اس کا سبب خود انہوں نے بیان فرما دیا ہے کہ ''مدینہ میں بعض ایسے لوگوں کا زمانہ میں نے پایا ہے جو 100 اور 105 برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے لیکن ایسے بوڑھوں کی روایت نہیں لی جاتی ہے اور اگر کوئی لے تو عیب شمار کیا جائے گا۔''

امام مالک کے اس احتیاط وتمیز کا یہ اثر تھا کہ امام مالک جس شیخ سے روایت کرتے تھے وہ ثقاہت وعدالت وحفظ میں نشان سمجھا جاتا تھا، امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ ''ہم لوگ امام کے آگے کیا ہیں؟ ہم لوگ تو ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں، جب کسی شیخ کا نام آتا ہے تو دیکھتے ہیں کہ امام مالک نے اس سے لیا ہے یا نہیں، اگر نہیں لیا ہے تو چھوڑ دیتے ہیں۔'' امام احمد بن حنبل سے کسی نے ایک راوی کی نسبت پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ''میرے نزدیک وہ اچھا ہے کیوں کہ امام مالک نے اس سے روایت کی ہے۔''[1]

اساتذہ آپ کے معترف تھے:

امام مالک فطرۃً قوی الحافظہ تھے، خود فرمایا کرتے تھے کہ کوئی چیز میرے خزانۂ دماغ میں آکر پھر نہ نکلتی[2] اور دوسروں کو بھی اس کا اعتراف تھا، ابو قلابہ کہتے ہیں: كان مالك أحفظ أهل زمانه[3] ''امام مالک اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔'' ایک بار استاذ ربیعہ کی معیت میں امام زہری کی مجلس میں حاضر ہوئے، امام زہری نے اس دن چالیس سے زیادہ حدیثوں کا املا کرایا۔ دوسرے دن پھر مجلس منعقد ہوئی تو امام مالک اپنے استاذ کے ساتھ پھر حاضر ہوئے، امام زہری نے کہا کتاب لاؤ، میں اس سے حدیث بیان کروں، کل جو میں نے بیان کیا تھا اس سے تم کو کیا فائدہ ہوا، ربیعہ نے کہا اس مجلس میں ایک شخص ہے جو کل کی تمام حدیثیں زبانی سنا دے گا، امام زہری نے پوچھا وہ کون ہے؟ ربیعہ نے کہا ابن ابی عامر، زہری نے سنانے کا اشارہ کیا، امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس حدیثیں سنا دیں، زہری نے تعجب سے کہا میرا خیال تھا کہ یہ حدیثیں میرے سوا کسی کو یاد نہیں ہیں۔[4]

مجلس مالک:

فن حدیث میں امام صاحب کے خاص شیخ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نافع تھے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساٹھ برس تک حدیث وفقہ وفتویٰ دار شاد کے مرکز رہے ہیں، سیدنا نافع کامل تیس برس تک سفر و

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے: مقدمه اسعاف .
[2] تذكرة الحفاظ : 188/1، 189 .
[3] تزئين الممالك، ص : 9 مصر .
[4] تزئين الممالك، ص : 9 مصر ص : 10 .

حضرت اور خلوت وجلوت میں ہمیشہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور ان کے بعد ان کی مجلس درس میں ان کے جانشین ہوئے، 117ھ میں وفات پائی۔ امام مالک کم از کم بارہ برس حضرت نافع کے درس میں رہے۔

حضرت نافع کی وفات کے بعد امام مالک ان کے جانشین ہوئے، شعبہ جو کوفہ کے رئیس المحدثین تھے، بیان کرتے ہیں کہ ''نافع کی وفات کے ایک سال بعد مدینہ آیا تو دیکھا کہ مالک ایک حلقہ کے صدر نشین ہیں۔''❶ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب نے ۱۱۷ھ میں اپنی مجلس درس مستقل قائم کی۔

مجلس کی تہذیب:

امام صاحب کی مجلس درس ہمیشہ پرتکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ رہتی تھی، جا بجا شرکائے مجلس کے لیے پنکھے پڑے رہتے تھے، جب حدیث کا درس ہوتا تو انگیٹھی میں عود اور لوبان جلائی جاتی، صفائی کا یہ عالم تھا کہ فرش پر ایک تنکا بھی بار خاطر ہوتا تھا، جب حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے املا کا وقت آتا، پہلے وضو یا غسل کر کے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک زیب تن فرماتے، بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے، اس اہتمام کے بعد مجلس علمی کی صدارت کے لیے باہر تشریف لاتے۔❷

سب لوگ سرنگوں خاموش مؤدب بیٹھتے تھے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ہم لوگ کتاب کے ورق بھی اس ڈر سے نہیں الٹتے تھے کہ کھڑکھڑاہٹ کی آواز نہ ہو۔''❸ جاہ وجلال اور شکوہ سے کاشانۂ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا، طلبہ کا ہجوم، مستفتیوں کا ازدحام، امرا کا ورود، علماء کی تشریف آوری، سیاحوں کا گزر، حاضرین کی مودب نشت، مکان کے پھاٹک پر سواریوں کا انبوہ دیکھنے والوں پر رعب طاری کر دیتا تھا، اسی موقع پر ایک شاعر کا گزر ہوا تو بے اختیار اس کی زبان سے یہ دو شعر نکل گئے:❹

یدع الجواب فما یراجع هیبة
والسائلون نواکس الاذقان

''اگر امام جواب نہیں دیتے تو ہیبت سے پھر پوچھا نہیں جا سکتا، پوچھنے والے سر نیچے کیے رہتے ہیں۔''

ادب الوقار وعز سلطان التقی
فهو المهاب ولیس ذا سلطان

''وقار کا ادب اور سلطان تقویٰ کا جاہ وجلال ہے، لوگ اس سے ڈرتے ہیں حالانکہ یہ صاحب حکومت نہیں ہے۔''

امام مالک صاحب حکومت نہ تھے لیکن صاحب حکومت اس آستانہ پر آ کر جھکتے تھے، امام شافعی نے اپنی تعلیم کے

❶ تذکرة الحفاظ : 188/1.

❷ تزئین الممالك، ص: 13 و 16، بستان المحدثین، ص: 403.

❸ توالی التاسیس، لابن حجر. ❹ تزئین الممالك، ص: 17.

لیے والئ مدینہ کو بہ غرض سفارش جب درِ امامت پر لانا چاہا تو اس نے کہا: ''میرا کہاں وہاں گذر۔''

حدیث کا املا مسجد نبوی یا مجلس درس سے باہر نہیں کرتے تھے، خلیفہ مہدی اور ہارون دونوں نے خیمۂ خلافت میں املاء کی خواہش کی لیکن امام صاحب نے انکار کر دیا، جلدی میں یا کسی کام کی مصروفیت میں یا راہ چلتے ہوئے حدیث نہیں بیان فرماتے تھے کہ خلاف ادب ہے، درحقیقت سماع وفہم حدیث کے لیے اطمینان اور حضور قلب چاہیے جو ان موقعوں پر عموماً مفقود ہوتے ہیں۔

آپ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر اور اوراد وظائف میں مشغول رہتے، طلوع کے بعد لوگ آنا شروع ہوتے، امام صاحب ان کی طرف متوجہ ہو کر خیریت پوچھتے، مجلس کی یہ ترتیب تھی کہ قریب تر اچھے، مستعد اور صاحب فہم طلبہ کو جگہ دیتے، پھر علی قدر مراتب لوگ آ آ کر بیٹھتے جاتے، درس شروع کرنے سے پہلے فرما دیتے کہ ''مشہور اور صاحب فہم لوگ قریب بیٹھیں، املا آہستہ اور سکون کے ساتھ کرتے، ایک حدیث ختم ہو جاتی تو دوسری حدیث شروع کرتے۔''

طریقۂ درس:

مختلف شیوخ کی مجلسوں میں درس کا طرز مختلف تھا، اکثر شیوخ کا دستور تھا کہ وہ خود کسی بلند مقام پر بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے، طلبہ ترتیب کے ساتھ آگے پیچھے قلم دوات لے کر بیٹھ جاتے، شیخ زبانی یا اپنا جزء حدیث ہاتھ میں لے کر اس سے املا کرتا، طلبہ لکھتے جاتے تھے، مجلس درس میں اگر غیر معمولی اجتماع ہوتا تو تھوڑی تھوڑی دور پر مستملی کھڑے ہو کر شیخ کے الفاظ آگے کو پہنچاتے، امام مالک بھی کبھی کبھی اس طریقہ سے درس دیتے تھے، ابن علیہ جو ایک اچھے شاگرد تھے، امام صاحب کے مستملی تھے۔

لیکن مدینہ کے اکثر شیوخ کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنی احادیث وفتاویٰ وتعلیقات کو پہلے قلم بند کر لیتے، یا کسی مستعد اور صاحب فہم شاگرد کو لکھنے پر مامور کرتے، یہ لکھے ہوئے اجزاء کاتب کے ہاتھ میں ہوتے اور وہ مجلس میں اس کو پڑھتا، شیخ جا بجا اس کے مطالب کی تشریح کرتا جاتا، اگر کاتب سے غلطی ہو گئی ہوتی تو اس کی تصحیح کر دیتا، امام صاحب کے کاتب کا نام ابن حبیب تھا، جن کا شمار محدثین کبار میں ہے، کبھی معن بن عیسیٰ یا دوسرے تلامذہ پڑھتے، یہی سبب ہے کہ امام صاحب کے بعض تلامذہ مثلاً یحییٰ جن کی روایت بخاری میں ہے، بجائے حدثنا مالک وأخبرنا مالک کے قرأة علی مالک کہتے ہیں۔

امام صاحب اس اصول کی شدت سے پابندی کرتے تھے، یحییٰ بن سلام اسی بات پر ناراض ہو کر مجلس سے اٹھ گئے کہ ''خود نہیں پڑھتے، شاگردوں سے پڑھواتے ہیں'' یحییٰ بن سلام تو خیر ایک ادنیٰ شاگرد تھے، خود خلیفۂ وقت ہارون نے امین و مامون کے لیے درخواست کی کہ امام پڑھیں اور یہ سنیں تو امام صاحب نے شیوخ مدینہ کا نام گنا کر فرمایا کہ

''ہمارے شہر کے شیوخ کا یہی دستور تھا۔'' ❶

مجلس درس کی شہرت:

ایک تو مدینہ خود اسلام کا گہوارہ اور نسلاً بعد نسل علم دین کا مرکز تھا، دوسرے امام ہمام کا خاندان ابتدا سے علم کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتا تھا، ان اضافی اوصاف کے ساتھ خود ذاتی جوہر نے وہ پروبال نکالے کہ پوری دنیائے اسلام مشرق سے مغرب تک امام کے آوازۂ شہرت سے معمور ہوگئی اور امام کی درس گاہ مزروبوم کے اختلاف و بوقلمونی کا مظہر بن گئی، ایک طرف سیستان دوسری صدی کی مملکت اسلام کا مشرقی گوشہ اور دوسری طرف قرطبہ دنیائے اسلام کا مغربی گوشہ، دونوں کے ڈانڈے مدینۃ الرسول میں آ کر مل گئے، ممالک عرب، ممالک شام، ممالک عراق، ممالک عجم، ممالک ترکستان، ممالک مصر، ممالک افریقہ، ممالک اندلس، و ایشیائے کوچک، الغرض ایشیاء، افریقہ اور یورپ تینوں براعظموں سے طالبان علم کے قافلے مسلسل مدینہ کا رخ کرنے لگے۔

تلامذہ کی خصوصیات:

امام کو اپنے تلامذہ و مستفیدین کی حیثیت سے بھی متعدد خصوصیات حاصل ہیں، جس کثرت، جس رتبہ اور جتنے طبقات کے لوگ امام کے حلقہ فیض میں داخل ہیں وہ محدثین وفقہاء میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں۔

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۱ ﴾ (الحدید : 21)

(1)...... کثرت تعداد کے لحاظ سے امام مالک کے تلامذہ کی تعداد 1300 ہے، فربری کی روایت کے مطابق امام بخاری کے شاگردوں کی تعداد 90000 ہے لیکن ان کا تیرہ سو 1300 منتخب روزگار تلامذہ سے کوئی مقابلہ نہیں، ان میں سے چند (4 یا 5) کے سوا ہر ایک اس فن کا نکتہ داں اور بلند پایہ محدث ہے۔

(2)...... امام بخاری کے نوے ہزار رواۃ میں سے ایک مخصوص تعداد کے سوا باقی کے حالات مجہول و مستور اور نام بنام غیر معلوم ہیں لیکن امام مالک کے تمام رواۃ و تلامذہ نام بنام معلوم و مشہور ہیں، ابو بکر خطیب بغدادی، ابن بشکوال اندلسی، قاضی عیاض، شمس الدین دمشقی اور حافظ سیوطی نے ان کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے رسائل میں جمع کر دیئے ہیں۔

(3)...... دوسرے عام محدثین کے تلامذہ کی دنیا جغرافی حیثیت سے اس قدر وسیع نہیں جس قدر امام مالک کی ہے، ابوحنیفہ کے تلامذہ تمام عجم وعرب میں پھیلے ہوئے تھے لیکن افریقہ و اندلس ان سے بے نیاز رہے، امام اوزاعی کا علم اندلس میں پھیلا لیکن عجمی ممالک ان سے مستفید نہ ہوئے، لیکن امام مالک کے علم و معارف نے دنیائے اسلام کے کسی گوشہ کو بھی اپنی غلامی سے آزاد نہ چھوڑا۔

❶ تذكرة الحفاظ : 190/1، 191.

(4)......لیکن محض تلامذہ کی کثرت اور جغرافی وسعت اس قدر مایہ فخر نہیں ہے، جس قدر ان کا علوئے رتبہٗ رفعت کمال اور کثرت فضل ہے، امام مالک اپنے ہمسروں میں اس حیثیت سے جس قدر ممتاز ہیں، اس کو محض عطیہ الٰہی سمجھنا چاہیے جو صرف عالم مدینہ کے لیے مقدر تھا، ان کے حلقۂ تلامذہ و مستفیدین میں ان کے شیوخ بھی شامل ہیں اور دوسرے ایسے ائمہ کبار وارباب فن بھی، جن میں سے ہر ایک اپنی اپنی اقلیم مستقل کا فرماں روا ہے۔

(5)......اس سے بھی زیادہ عجیب شے یہ ہے کہ امام صاحب کا حلقۂ افادہ اتنے مختلف النوع طبقوں پر مشتمل ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ خلفائے اسلام، امرائے بلاد، تابعین، ائمہ محدثین، ائمہ مجتہدین، فقہاء، قضاۃ، زہاد وصوفیائے کرام، ادباء وشعراء مورخین، مفسرین اور فلاسفہ سب آپ کے حلقۂ مستفیدین میں داخل تھے۔

اس عہد کے بعد کے تمام محدثین کبار بلا استثناء بیک واسطہ یا بدن واسطہ امام مالک کے تلمذ سے مشرف ہیں۔ مسانید وصحاح کے مصنفین میں امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابوداؤد ونسائی، صرف ایک واسطہ سے امام کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہیں اور ان پر ان کو ناز وفخر ہے، یہ فخر آٹھویں صدی تک باقی رہا، چنانچہ محدث کبیر شمس الدین ذہبی فخر یہ لکھتے ہیں کہ ''میں سات واسطوں سے امام کا شاگرد ہوں۔ [1] امام نووی کو بھی ساتویں صدی میں امام صاحب سے قرب نسبت پر ناز ہے، مقدمۂ شرح مسلم میں اپنے استاد کے حال میں لکھتے ہیں ''ایک کتاب کی سند مجھ کو کتب بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی سب سے بہتر ملی اور وہ امام مالک کی مؤطا ہے جو ان تمام محدثین کے شیخ تھے۔ [2]

فقہ وفتاویٰ:

امام مالک رحمہ اللہ کے فقہ وفتاویٰ کی بنیاد فقہ مدینہ پر ہے، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے مصفیٰ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''امام مالک بنائے فقہ برحدیث آنحضرت ﷺ نہادہ است کہ مسند باشد یا مرسل ثقاۃ بعد ازاں قضایائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمل او بعد ازاں برفتاوائے سائر صحابہ وفقہائے مدینہ کہ سعید بن میسّب وغیرہ، بن زبیر، قاسم وسالم وسلیمان بن یسار وابو سلمہ وابوبکر بن عبدالرحمٰن وابوبکر بن عمرو وعمر بن عبدالعزیز''

مؤطا کے طرز استدلال اور احادیث وآثار کا جس نے بغور مطالعہ کیا ہے، وہ یقیناً اس کی تائید کرے گا کہ امام مالک کی فقہ وفتاویٰ کی یہی وہ بنیاد واصول ہیں جن پر امام مالک فقہی فتاویٰ کا جواب دیتے تھے۔

امام مالک کے فضل وکمال کا تمام شیوخ مدینہ کو اعتراف تھا، اس کے باوجود انہوں نے اس قدر احتیاط کی کہ جب تک ستر ۷۰ علمائے عظام نے امام صاحب کی قابلیت واستحقاق کا فتویٰ نہ دیا، انہوں نے اس مرتبۂ عالی پر قدم رکھنے کی ہمت نہ کی، آپ کا معمول تھا کہ جب کسی فتویٰ کا جواب ارشاد فرماتے تو پہلے ما شاء اللّٰہ لا حول ولا قوۃ الا

[1] تذکرۃ الحفاظ : 187/1.
[2] مقدمہ صحیح مسلم، ص: 6 مصر.

باللہ کہتے۔ ❶

حکومت کا اعلان:

نہ صرف مدینہ حجاز بلکہ تمام اطراف ملک سے سائلین کا ازدحام رہتا تھا، موسم حج میں جب پوری دنیائے اسلام عرصۂ عرفات میں جمع اور سارے علمائے دین کوفہ، بصرہ، خراسان وغیرہ سے سمٹ کر حرم مکہ میں جمع ہو جاتے تھے تو حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا کہ ''امام مالک اور ابن ابی ذئب کے سوا اور کوئی فتویٰ نہ دے۔'' ❷

حکومت کے مقابلہ میں آزادی فتویٰ، طلاق مکرہ:

حکومت کی اس تعظیم وتکریم کا اثر شاید دوسروں پر یہ ہوتا کہ وہ کم از کم مختلف فیہ مسائل میں اپنی رائے کے خلاف حکومت کے منشاء کی تعلیم کرتے لیکن امام صاحب اپنی حریت رائے اور اعلان حق میں اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اگر کسی کو زبردستی اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے اور وہ ڈر کر محض جبر سے طلاق دے دے تو امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی لیکن امام مالک اور اکثر اصحاب حدیث اس کے قائل ہیں کہ طلاق واقع نہ ہوگی، والی مدینہ جعفر بن سلیمان عباسی نے جو خلیفہ منصور کا چچا زاد بھائی بھی تھا امام صاحب کو حکم دیا کہ وہ یہ فتویٰ نہ دیں لیکن امام صاحب نے علی الاعلان اپنی رائے کا اظہار کیا اور آخر اس کے لیے کوڑوں کی سزا تک گوارا کی۔

لا ادری:

اس سے بھی زیادہ شدید موقع اعلان حق کا اپنے نفس کے مقابلہ میں ہوتا ہے، مفتی کے لیے جس قدر پہلی قسم کی حریت کی حاجت ہے، اس سے زیادہ دوسری قسم کی حریت کی ضرورت ہے لیکن امام صاحب جس طرح پہلی منزل میں مستقیم تھے، دوسری منزل میں بھی درماندہ نہ تھے، امام صاحب سے جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا اور اس وقت اس کے کسی جز پر اطلاع نہ ہوتی تو نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ فرماتے تھے کہ ''لا ادری'' ''میں نہیں جانتا، امام صاحب کے شاگرد ابن وہب کہتے ہیں کہ: اگر میں امام مالک کی ''لا ادری'' لکھا کرتا تو کتنی تختیاں بھر جاتیں۔ ❸

ابن عبدالبر کی روایت ہے کہ ایک شخص نہایت دور دراز مسافت سے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ایک مسئلہ پوچھا، امام صاحب نے فرمایا کہ ''لا أدری'' ''میں اس کو اچھی طرح نہیں جانتا'' سائل نے کہا کہ ''میں چھ مہینے کی راہ طے کر کے صرف اس مسئلہ کی خاطر حاضر ہوا ہوں جن لوگوں نے مجھ کو بھیجا ہے میں ان کو جا کر کیا جواب

---

❶ تزئين الممالك عن ابن نعيم، ص : 8، تذكرة الحفاظ : 191/2 .

❷ ابن خلكان : 200/2 .

❸ تزئين الممالك، ص : 14 عن أبي نعيم .

دوں گا، امام صاحب نے فرمایا کہ کہہ دینا کہ ''مالک نے کہا کہ میں نہیں جواب دے سکتا۔'' ❶

امام صاحب کی یہ احتیاط درحقیقت شدت تقویٰ اور ایک نہایت دقیق نکتہ پر مبنی تھی، امام صاحب کے ایک مصری دوست نے حیرت سے امام صاحب سے پوچھا کیا آپ ان بیماروں کو جو کوسوں سے مصائب سفر ومصارف برداشت کر کے آتے ہیں، کیوں واپس کر دیتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا یہ صحیح ہے کہ مصری مصر سے، شامی شام سے، عراقی عراق سے آتے ہیں اور پوچھتے ہیں، مگر میں نے جو جواب آج دیا ہے، اس کے بجائے اگر کل مجھ کو کچھ اور جواب معلوم ہو اس وقت کیا ہوگا؟'' حضرت لیث مصری نے جب امام صاحب کا یہ قول سنا تو رو پڑے کہ مالک لیث سے قوی تر ہیں، اور لیث ان سے کمزور تر۔ ❷

رائے پوچھنے پر زجر:

فتوں کے جواب میں اکثر فرماتے تھے کہ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَذَا، سائل نے کہا آپ کی رائے کیا ہے؟ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

(النور : 63)

جب کسی مسئلہ قیاسی کو بیان فرماتے تو پہلے یہ آیت پڑھتے:

﴿ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ ﴾ (الجاثيه : 32)

جواب میں کاوش فکر:

مسائل وفتاویٰ کا جواب ہمیشہ نہایت دقت نظر اور کاوش فکر سے دیتے تھے، ابن ابی اویس کہتے ہیں کہ ایک بار امام صاحب نے فرمایا کہ کبھی کبھی ایسا مسئلہ پیش آجاتا ہے، کہ خواب وخور حرام ہو جاتا ہے، ابن ابی اویس نے کہا کہ آپ کی بات تو لوگوں کو نقش فی الحجر کی طرح تسلیم ہوتی ہے، پھر آپ کیوں یہ مشقت برداشت کرتے ہیں، امام صاحب نکتہ سنجی کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ ''ابن ابی اویس! اس حال میں تو مجھ کو اور بھی کاوش کرنی چاہیے۔'' ❸

وسعت ظرفی اور فتویٰ سے رجوع:

اگر کسی مسئلہ میں غلطی ہو جاتی اور کوئی شخص اس کی اصلاح کرتا تو فوراً تسلیم کر لیتے تھے، ایک شخص نے پوچھا کیا وضو میں پاؤں کی انگلیوں میں تخلیل کرنی چاہیے؟ امام صاحب نے فرمایا: "ليس ذالك على الناس"، ابن وہب امام

❶ جامع بيان العلم ابن عبد البر، ص : 125 مصر .

❷ تزئين الممالك عن ابى نعيم، ص : 14 .

❸ مناقب مالك للزواوى، ص : 39 عن سعيد بن مسيب .

صاحب کے شاگرد بیٹھے تھے، مجلس کے بعد انہوں نے کہا کہ تخلیل کی ایک حدیث میرے پاس موجود ہے، امام صاحب نے حدیث سن کر فرمایا کہ یہ حدیث تو حسن اور اس کے بعد پھر ہمیشہ فتویٰ اس کے موافق دیا۔ ❶

امام مالک تقریباً ساٹھ برس مستقل فقہ و فتاویٰ میں مصروف رہے، تلامذہ نے ان کے مسائل فقہیہ کو مدون بھی کیا ہے، سب سے پہلے کتاب اسد بن فرات قاضی افریقہ کی ''اسدیہ'' ہے اور سب سے ضخیم ابن قاسم متوفی (191ھ) کی المدونہ ہے جو خود امام کی زندگی میں مدون ہو رہی تھی، مدونہ مصر میں چھپ گئی ہے، تیسری کتاب ابن وہب مصری متوفی (197ھ) کی کتاب المجالسات عن مالک ہے، ان کتابوں میں امام صاحب کے ہزاروں مسائل و فتاویٰ مدون ہیں، ابن قاسم مصنف مدونہ کے متعلق مشہور ہے کہ ان کو امام صاحب کے چالیس ہزار مسائل زبانی یاد تھے۔

اہل علم کے اقوال

امام مالک ارباب رائے میں داخل ہیں، محدثین نے ارباب رائے کا کم اعتراف کیا ہے لیکن اس کے باوجود امام صاحب محدثین میں وہی درجہ رکھتے ہیں جو صاحب فن اپنے اتباع اور مقلدین میں رکھتا ہے۔ یحییٰ بن معین جو حدیث و رجال کے ناقد ہیں کہتے ہیں ''مالک اقلیم حدیث کے بادشاہ ہیں''

محدث کبیر سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں کہ ''ہم لوگ مالک کے سامنے کیا چیز ہیں؟ ہم تو ان کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہیں، اگر امام مالک نے کسی شیخ سے روایت کی ہے تو اس سے کرتے ہیں ورنہ چھوڑ دیتے ہیں''

عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے کہ ''روئے زمین پر مالک سے بڑھ کر حدیث کا کوئی امانت دار نہیں۔''

امام شافعی فرمایا کرتے تھے ''علماء میں امام مالک ستارہ ہیں''

محدث ابن نہیک کا قول ہے کہ ''صحت حدیث میں میں مالک پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔''

امام احمد بن حنبل سے ایک شخص نے پوچھا کہ ''اگر کسی کی حدیث وہ زبانی یاد کرنی چاہے تو کس کی کرے؟'' جواب دیا کہ ''مالک بن انس کی''

ابن مہدی سے جو نہایت مشہور محدث ہیں ایک شخص نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ مالک ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہ ہیں'' انہوں نے فرمایا: ''میں نے یہ تو نہیں کہا، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ مالک ابوحنیفہ کے استاد (حماد) سے بھی زیادہ فقیہ ہیں۔''

سفیان بن عینیہ بایں ہمہ علم و فضل، حلال وحرام اور حدیث معمول کا املاء امام مالک کے حلقہ میں بیٹھ کر سنتے اور وہاں سے اٹھ کر اپنے مستفیدین کے حلقہ میں بیٹھتے تھے۔

سفیان ثوری جو مجتہد مستقل ہیں، وہ مناسک حج میں امام کی پیروی کرتے تھے۔

❶ الزواوی، ص: 27.

ابن معین جو نقد حدیث میں امام ہیں، فرماتے ہیں: ''مالک خدا کی طرف سے خلق پر ایک حجت تھے۔''

ابن معین کا دوسرا قول ہے کہ ''اصحاب زہری میں مالک سے بڑھ کر کوئی اثبت نہیں''

یحییٰ بن سعید القطان جو امام حدیث میں فرماتے ہیں کہ ''مالک اس امت کے لیے رحمت تھے''

ابن ابی حازم نے ناقد حدیث در آوری سے پوچھا کہ ''اس خدائے کعبہ کی قسم! مالک سے بڑا کوئی عالم تم نے دیکھا؟'' جواب دیا کہ ''خدایا نہیں۔''

وفات:

امام صاحب اتوار کے روز بیمار پڑے اور تقریباً تین ہفتہ بیمار رہے، مرض کی شدت میں کوئی تخفیف نہ ہوئی، لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب وقت آخر ہے، مدینہ کے تمام علماء و امرا آخری دیدار کے لیے جمع ہو گئے، یحییٰ اندلسی کا بیان ہے کہ مجھے تو اپنی محرومی کا رونا تھا ہی، وہ لوگ بھی جو مدتوں امام کی ملازمت کا شرف حاصل کر چکے تھے وہ بھی روتے تھے، تلامذہ کے علاوہ حدیث و فقہ کے ایک سو ساتھ علماء مؤدب باچشم گریاں آس پاس بیٹھے تھے۔

نبض کی حرکت آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور لب متحرک تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

امام صاحب صحیح روایت کے مطابق 93ھ میں پیدا ہوئے اور 11 ربیع الاول 179ھ کو انتقال فرمایا، 86 برس کی عمر پائی، ۱۱۷ھ میں مسند درس پر قدم رکھا اور 62 برس تک علم و دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

جنازہ میں ایک خلقت کا ہجوم تھا، والی مدینہ عبداللہ بن محمد ہاشمی خود پیادہ شریک تھا اور نعش اٹھانے والوں میں داخل تھا، جنۃ البقیع جس کی خاک میں اسلام کے ارکان عظام و اعلام کرام مدفون ہیں، امام مدینہ کا جسد مبارک بھی اسی خاک کے سپرد ہوا۔ [1]

تصنیفات:

اس عہد میمون میں تصنیف و تالیف کی ابتدا ہو چکی تھی، امام کے دست مبارک سے جو کتابیں ترتیب پائی ہیں، یا ان کی طرف منسوب ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(1) مؤطا کی نسبت مفصل بحث آگے آئے گی، مؤطا اور ان کی دوسری تصنیفات میں پہلا امتیاز یہ ہے کہ مؤطا کی روایت امام کے تلامذہ نے کی ہے اور بقیہ رسائل و کتب صرف تلامذہ کی روایت سے ثابت ہیں۔

(2) رسالة مالك الى الرشيد: یہ خلیفہ ہارون رشید کے نام خط کے طور پر 22 صفحہ کا ایک رسالہ ہے جس

---

[1] ان بیانات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن خلکان : 201/2، تزئين الممالك، ص : 41.

میں امام نے خلیفہ کو ہر قسم کے دینی و دنیاوی و اخلاقی نصائح کیے ہیں۔

بعض علماء نے اس بناء پر اس کی نسبت امام صاحب کی طرف کرنے سے انکار کیا کہ اس میں بعض ضعیف ومنکر حدیثیں ہیں، لیکن اصل یہ ہے کہ اخلاقیات میں محدثین اس قدر احتیاط نہیں کرتے تھے، ابن ندیم نے الفہرست میں اس کا ذکر کیا ہے، یہ رسالہ لاہور میں اردو ترجمہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

(3) احکام القرآن: یہ خود امام کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ ابومحمد مکی بن ابی طالب اندلسی متوفی (437ھ) کی تالیف ہے، امام مالک سے جو احکام قرآن یعنی آیات احکامیہ کی تفسیریں مروی ہیں ان کو علامہ موصوف نے اس میں یکجا کر دیا ہے، اسی لیے اس کا پورا نام کتاب الماثور عن مال فی أحكام القرآن ہے۔ ❶

(4) المدونة الكبرىٰ: فقہ مالکی کی ضخیم کتاب ہے، بعض لوگ اس کو خود امام کی تصنیف بتاتے ہیں، حالانکہ عبد الرحمٰن بن قاسم متوفی 191ھ امام کے ایک شاگرد کی تصنیف ہے، البتہ اس لحاظ سے امام کی تصنیف کہنا درست ہے کہ یہ کتاب درحقیقت ان کے ''ملفوظات فقہیہ'' کا مجموعہ ہے، ابن قاسم نے امام صاحب کے زمانہ میں مدینہ سے واپس آ کر ان کے مجتہدات و اقوال کو ایک کتابی صورت میں مدون کرنا شروع کیا تھا اور شاید اسی زمانہ میں ختم بھی ہوگئی تھی، کیونکہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی دوسری بار مصر سے مدونہ ابن قاسم کو خود امام صاحب سے سننے کے لیے آئے تھے، لیکن افسوس کہ امام صاحب اس وقت بستر مرض پر تھے۔ ❷ مصر میں مدونہ چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے۔

(5) رسالة مالك الى ابن مطرف: غسان بن محمد بن مطرف کے نام ''فتویٰ'' کی بحث پر ایک رسالہ ہے۔

(6) رسالة مالك الى ابن وهب: امام کے شاگرد رشید ابن وہب کے نام سے مسئلہ قضا و قدر پر ایک مشہور رسالہ ہے، قاضی عیاض نے اس رسالہ کی تعریف کی اور لکھا ہے: وهو من خيار الكتب فى هذا الباب الدال على سعة علمه بهذا الشان .

(7) كتاب الاقضية: بعض قاضیوں کے لیے امام صاحب نے یہ رسالہ لکھا غالباً اس میں عہدہ قضا کے متعلق اصول و ہدایات ہوں گے۔

(8) كتاب المناسك: ابوجعفر زہری امام صاحب کے ایک دوست کا بیان ہے کہ یہ امام مالک کی سب سے بڑی تصنیف تھی جس میں حج کے احکام و مسائل تھے۔

(9) تفسير غريب القرآن: اس کی روایت خالد بن عبدالرحمٰن مخزومی نے امام سے کی ہے۔

(10) كتاب المجالسات عن مالك: ابن وہب امام صاحب کے تلمیذ رشید نے امام کی مجالس میں

---

❶ تزئين الممالك، ص: 40، 41.
❷ ابن خلكان، ترجمة ابن قاسم.

احادیث وآثاراوراخلاق کے جومتفرق فوائدونکات سنے ان کواس میں جمع کیا ہے، حافظ سیوطی نے یہ رسالہ دیکھا تھا۔

(11) تفسیر القرآن: قرآن مجید کی تفسیر بروایت احادیث مسندہ ہے، حافظ سیوطی نے اس کو دیکھا تھا اوراس کی تعریف کی ہے لیکن یہ مشکوک ہے کہ آیا یہ خود امام کی تالیف ہے، یا کسی شاگرد نے امام سے اس کی تعلیق کی ہے۔

(12) کتاب المسائل: ان رسائل و کتب کے علاوہ امام صاحب کی اور بھی تصنیفات تھیں، خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ ابوالعباس سفاح کے سامنے بہت سے منتشر اوراق پڑے تھے جس کی نسبت اس نے کہا کہ یہ امام صاحب کے ستر ہزار مسائل کا مجموعہ ہے۔ ❶

مؤطا:

امام کی اصلی تصنیف "مؤطا" ہے جوقرآن پاک کے بعد کتب خانۂ اسلام کی دوسری کتاب ہے، اول کلام خدا ہے اور ثانی کلام رسول اللہ۔

133ھ میں خلافت امویہ مٹ کر خلافت عباسیہ قائم ہوتی ہے اسی کے پس و پیش عہد میں سینکڑوں مجموعہ ہائے حدیث مدون ہوئے، مؤطا کی تالیف کا بھی یہ زمانہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد اکثر صحابہ تعلیم وارشاد اور جہاد وغزایا کی نیت سے بلاد مفتوحہ میں پھیل گئے تھے لیکن صحابہ کا گروہ عظیم جن میں اکابر واجلہ فقہاء داخل تھے مدینہ ہی میں رہا، امام مالک کا عہد وہ ہے جب احادیث و روایات تمام بلاد اسلامیہ میں منتشر تھیں، اس لحاظ سے ان کے عصر میں جن ملکوں میں مجموعہ ہائے حدیث کی تدوین ہوئی وہ اپنے اپنے حدود ملکی کے اندر محدود تھے، مرکز نبوت اور مہبط وحی مدینہ میں جوعلم نبوی کا سب سے بڑا گنجینہ تھا حدیثوں کی جمع وترتیب، جس خوش بخت کی قسمت میں تھی، وہ امام مالک ہیں۔ ❷

مؤطا علم مدینہ کا مجموعہ ہے، جہاں زروجواہر کی اصلی کان تھی، تمام اکابر صحابہ واعاظم تابعین کا مسکن یہی شہر مبارک تھا، اس لیے یہ صحیفہ مقدس انہی بزرگوں کی روایات وفتاویٰ پر مبنی ہے، اس بنا پر یہ صحیفہ حقیقت میں صحیح ترین، موثق ترین اور کامل ترین احکام اسلامیہ کا مجموعہ ہے۔ ❸

تالیف مؤطا:

یہ ظاہر ہے کہ امام مالک ہمیشہ مدینہ ہی میں قیام پذیر فرما رہے، اس لیے تالیف کا مقام معلوم ہے لیکن صحیح زمانہ

---

❶ تزئين الممالك، ص: 40، 41.

❷ ان معلومات کے لیے مقدمہ فتح الباری ملاحظہ ہو۔

❸ مقدمه مسوی شاه ولی الله ، کشف الظنون، 572/2.

متعین نہیں، 130ھ سے زوال بنی امیہ کی تاریخ شروع ہوتی ہے، اس سے پہلے تصنیف و تالیف کا شغل عام نہ تھا، 144ھ میں منصور نے آخری حج کیا ہے، اس وقت مؤطا متداول ومشہور ہو چکی تھی۔ ❶ اس لیے اس کا زمانہ تالیف ان دونوں کا درمیانی زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

امام صاحب جب مؤطا کی تالیف میں مشغول ہوئے اور اس کی خبر دوسرے لوگوں کو پہنچی تو مدینہ کے علماء بھی اپنی اپنی احادیث کا مجموعہ تیار کرنے لگے، لوگوں نے امام صاحب سے جا کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''صرف حسین نیت کو بقا ہے'' یہ پیش گوئی کس قدر صحیح ثابت ہوئی، چنانچہ مؤطا امام مالک کے سوا کوئی مؤطا دنیا میں معلوم و باقی نہیں رہی۔ ❷

امام مالک نے تصنیف سے فارغ ہو کر اس کو شیوخ حدیث کی خدمت میں پیش کیا، سب نے بہ غایت پسند کیا، عام اہل مدینہ کے لیے وہ دن عجیب مسرت کا تھا، جب ان کے مجموعہ فضائل میں ایک اور فضیلت کا اضافہ ہو رہا تھا۔۳

وجہ تسمیہ:

مؤطا کے لغوی معنی ''روندا ہوا'' یا ''چلا ہوا'' کے ہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے ''روندے ہوئے یا چلے ہوئے'' مجازی معنی یہ ہیں کہ ''جس پر عام ائمہ اور علماء اور اکابر چلے ہوں اور جس کو ان سب کے راویوں نے روندا اور پامال کیا ہو یعنی سب نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو اور اس سے اتفاق کیا ہو'' اس طرح گویا اس کے معنی ''متفق'' اور ''مطابق'' کے ہیں، چونکہ تمام شیوخ حدیث نے اس سے اتفاق و مطابقت کی، اس لیے اس کا نام مؤطا مشہور ہو گیا۔ ❹ تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ''مؤطا اس راستہ کو کہتے ہیں جس پر لوگ گزرتے ہوں'' سنت کے معنی بھی راستہ کے ہیں، یہ وہ راستہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ گزرے، مؤطا وہ پامال راستہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ کے بعد تمام صحابہ گزرے، غرض مؤطا کا لفظ اپنی حقیقت کا آپ مفسر ہے کہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر صحابہ کا عمل رہا ہے اور جمہور سلف جن پر چلے ہیں۔

تعداد مرویات:

ابتداء موطا میں دس ہزار حدیثیں تھیں، لیکن امام کے خامۂ صحت پسند نے تقریباً آٹھ ہزار حدیثیں قلم بند کر دیں، باقی 1720 ہیں جن میں سے مسند اور مرفوع 600 ہیں، مرسل 235، موقوف 613، تابعین کے اقوال وفتاویٰ 285، باغیات مالک 75۔ ❺

---

❶ أیضاً، جامع بیان العلم ابن البر، ص: 67.
❷ تهذیب الکمال ترجمه مالك بن انس.
❸ بستان المحدثین ذکر امام مالك، ص: 9.
❹ مقدمه مسوی شاه والی الله، ص: 6.
❺ مقدمه مسوی شاه ولی الله، ص: 1.

موضوع مؤطا:

مؤطا کا موضوع صرف احکام فقیہہ ہیں، اس لیے وہ سینکڑوں ابواب وفصول جو بخاری ومسلم اور ترمذی وغیرہ میں نظر آتے ہیں، مؤطا ان سے خالی ہے، کیونکہ فقیہات سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہے، اس بنا پر بعض محدثین کے مطابق اس کو "کتاب السنن" کہنا چاہیے۔

مؤطا اور اس کی معاصر کتابوں کے ساتھ موازنہ:

مؤطا سے قبل اور خود اس کے زمانہ میں بیسیوں مسانید اور مؤطائیں لوگوں نے لکھیں، جن میں سے بعض اب تک باقی ہیں، لیکن اور مؤطاؤں اور موطائے امام مالک کے موازنہ سے ظاہر ہوسکتا ہے کہ مؤطا اور ان کتابوں میں وہی نسبت ہے جو صحیح بخاری کو مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی سے ہے خود ان کتابوں کا فقدان اور عدم شہرت اس کی سب سے بڑی دلیل ہے، تین خاص وجوہ سے مؤطا کا امتیاز بالکل روشن ہو جاتا ہے۔

(1)......مؤطا سے پہلے جو حدیث کی کتابیں لکھی گئیں ان کا مبنی زیادہ تر صحابہ وتابعین کے آثار وفتاویٰ تھے، امام مالک نے مؤطا میں احادیث صحاح ومسند یا منقطع ومرسل کو بنائے اول اور آثار وفتاویٰ کو بنائے ثانی قرار دیا۔

(2)......دوسرا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا تھا اور مؤطا میں صرف اسی حدیث یا فتویٰ نے جگہ پائی ہے جس کو صحت کا شرف حاصل تھا۔

(3)......تیسری بات یہ ہے کہ مؤطا مدینہ میں تالیف ہوئی ہے، اور اس کے رواۃ حجازی ہیں اور دیگر مسانید اور مؤطائیں کوفہ، بصرہ، واسط، شام، یمن، خراسان، اور رے وغیرہ میں لکھی گئیں، اس لیے ان کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے، اور اس پر تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ حجاز کی حدیثیں صحت، قوت اور جودت اسناد میں سب پر فائق ہیں۔

طبقات کتب حدیث میں مؤطا کا درجہ:

علمائے حدیث نے کتب حدیث کو چار مختلف طبقات میں منقسم کیا ہے، طبقۂ اولیٰ میں وہ تصانیف ہیں جن کے مصنّفین حدیث کے امام اور فن کے نقاد تھے اور جن کی تصنیفات صحت، جودت، اسناد اور قبول محدثین کے لحاظ سے سب سے مقدم ہیں اور جن کے رجال حفظ، ثبوت، وثوق، شہرت میں معروف ہیں، اس طبقہ میں مؤطا، بخاری اور مسلم داخل ہیں۔ عام علماء تو اس کو مسلم بلکہ ترمذی کے بھی بعد جگہ دیتے ہیں لیکن محققین قدماء اور عموماً متاخرین میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز اس کو بخاری سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔

(1)......مؤطا کو سب سے بڑا شرف یہ بھی حاصل ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں کلام اللہ کے بعد جو کتاب آئی وہ کلام الرسول کا یہی اصح ترین مجموعہ تھا، ظاہر ہوئی، کشف الظنون میں ہے "سب سے پہلی کتاب جو اسلام میں لکھی گئی ہے

وہ مؤطا ہے۔'' ❶ قاضی ابوبکر ابن عربی م ۵۴۶ھ مؤطا کی شرح میں لکھتے ہیں یہ ''پہلی کتاب ہے جو شریعت اسلامیہ میں لکھی گئی ہے'' حضرت سفیان کہتے ہیں ''سب سے پہلے مالک نے صحیح تالیف کی۔''

(2)...... باوجود نقش اول ہونے کے بھی اس کے بعد کی کتابیں اس کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتیں، جس کے متعلق ائمہ مجتہدین اور علمائے حدیث کی قوی شہادتیں موجود ہیں، امام شافعی ۲۰۴ھ میں فرماتے ہیں ''روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب مؤطا امام مالک سے زیادہ صحیح نہیں ہے۔'' ابوبکر ابن عربی فرماتے ہیں ''یہ اسلام کی سب سے پہلے کتاب ہے اور سب سے پچھلی بھی، کیونکہ پھر اس کے مثل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔''

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ کتاب الام میں امام شافعی اور کتاب الآثار میں امام محمد کی جو نقاہت ہے وہ مؤطا ہی کے صدقہ میں ہے۔

(3)...... امام مالک سے مؤطا کی روایت کرنے والے جس پایہ کے لوگ ہیں، وہ بخاری اور مسلم کے نہیں ہیں، اس لیے خواص وعوام کی نقل و روایت میں جو فرق ہے وہ یقیناً مؤطا اور دیگر کتب سے نقل و روایت میں ہے۔

(4)...... رسول اللہ ﷺ اور مؤلفین حدیث میں جتنے واسطے کم ہوں گے اسی قدر اس کی تالیفات زیادہ معتبر اور مستند ہوں گی، بخاری و مسلم کی روایتیں عموماً پانچ چھ واسطوں س مروی ہیں، مؤطا کی حدیثیں تین چار واسطوں سے زیادہ کی نہیں ہیں، امام بخاری کو اپنی بیس ثلاثیات پر ناز ہے اور مؤطا کی بنیاد ہی ثلاثیات پر ہے اس کے علاوہ اس میں چالیس ثنائیات ہیں۔

مؤطا کے نسخے:

موطا امام مالک سے تین مختلف طریقوں سے مروی ہے جن میں مشہور نسخے 16 نسخے ہیں، ان میں سے معتبر اور باوثوق گیارہ اور باوثوق تر چار ہیں، یعنی یحییٰ ابن بکیر، ابومصعب اور ابن وہب کے نسخے لیکن متداول ترین اور مشہور ترین یحییٰ بن یحییٰ اندلسی مصمودی کی رویت والا نسخہ ہے، کتاب کی مشہور ترتیب یہ ہے: اول کتاب کتاب الجنائز، وقوت الصلاۃ، پھر کتاب الزکوٰۃ، پھر کتاب الصیام، اس کے بعد تمام نسخے کتاب الحج تک متفق ہیں، کتاب الحج کے بعد سے پھر مختلف الترتیب ہیں۔ ❷ اس قسم کا اختلاف بخاری و مسلم سب میں ہے۔

شروح وتعلیقات:

کسی تصنیف کے قبول و ہردلعزیزی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو شارحین، معلقین ومحشین کی ایک بڑی جماعت ہاتھ آئے اور اس میں کمیت سے زیادہ اصل چیز کیفیت ہو، مؤطا ان دونوں خصوصیات کے لحاظ سے خوش قسمت ہے، تقریباً پچپس علمائے کبار نے اس کی شرح وتعلیق اور دیگر خدمات انجام دی ہیں، قدما میں ابن حبیب مالکی متوفی

❶ كشف الظنون : 572/2 . ❷ بستان المحدثين ، ص : 10 ، 11 .

239ھ، امام ابوسلیمان خطابی م 388ھ، ابن رشیق قیروانی م 456ھ محدث ابن عبد البر، م 463ھ، امام باجی اندلسی متوفی 474ھ، قاضی عیاض متوفی 544ھ، قاضی ابوبکر بن عربی متوفی 546ھ اور متاخرین میں حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ علامہ زرقانی مصری م 1122ھ، شاہ ولی اللہ دہلوی م 1176ھ وغیرہ داخل ہیں۔

امام خطابی، حافظ سیوطی، ابن عبد البر، ابن حزم، ابوالولید باجی نے بحذف فتاویٰ صرف مؤطا کی احادیث کی تلخیص کی ہے، حافظ سیوطی نے رجال مؤطا کو علیحدہ کیا ہے، احمد بن عمران، اخفش بصری اور قاضی عیاض نے مؤطا کے لغات حل کیے ہیں، باجی اور دارقطنی نے مؤطا کے اختلاف نسخ پر بحث کی ہے، ابوالحسن علی بن محمد قابسی نے مؤطا کی صرف متصل الاسناد حدیثیں جمع کی ہیں، ابن بشکوال اور خطیب بغدادی نے صرف ان لوگوں کے حالات لکھے ہیں جنہوں نے امام سے مؤطا کی روایت کی ہے، مؤطا پر جو شروح لکھی گئی ہیں۔

چند شروح کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں:

(1) مشارق الأنوار کے مؤلف قاضی عیاض ہیں، یہ مؤطا اور صحیحین کی شرح ہے۔

(2) کشف المغطا في شرح المؤطا، عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوئی (911ھ) کی تالیف ہے، یہ بڑی مفصل اور جامع شرح ہے۔

(3) تنویر الحوالك شرح مؤطا الإمام مالك کے مؤلف عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی ہیں، یہ تعلیق ہے جسے اس سے مختصر کیا ہے۔

(4) التفصی لحدیث المؤطا اور التمهید کے مؤلف حافظ ابوعمر بن عبد البر یوسف بن عبد اللہ القرطبی ہیں۔

(5) شرح مؤطا کے مؤلف محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان الزرقانی (1122ھ) ہیں متوسط درجے کی مفید شرح ہے، چار جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

(6) المحلی بأسرار المؤطا شیخ سلام اللہ حنفی کی تالیف ہے، یہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی اولاد سے ہیں۔

(7) المسوی کے مؤلف شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں، ان کے اپنے مرتبہ نسخے پر عربی تعلیقات ہیں۔

(8) المصفٰی کے مؤلف بھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں، فارسی ترجمہ اور تعلیقات ہیں۔

(9) شرح المؤطا کے مؤلف علی بن سلطان الحصروی المعروف ملا علی القاری (1014ھ) ہیں، (دو جلدوں پر مشتمل ہیں۔

(10) المنتقی شرح المؤطا، ابوالولید سلیمان الباجی (494ھ) کی تالیف ہے، مطبعة السعادة

مصر میں (1331ھ) میں سات جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔

(11) اوجز المسالك إلى مؤطا امام مالك، مولانا محمد زکریا سہارنپوری کی تالیف ہے، چھ جلدوں میں سہارنپور سے چھپی ہے۔ حنفی مسلک کی اچھی شرح ہے۔

(12) حاشیہ مؤطا کے مؤلف مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی ہیں، کارخانہ (کراچی) نور محمد سے چھپ چکا ہے۔

(13) إضاءة الحالك من الفاظ مؤطا مالك اور دليل السالك کے مؤلف محمد بن حبیب اللہ الشنقیطی ہیں، یہ دونوں کتابیں 1354ھ میں اکٹھی شائع ہوچکی ہیں، اس میں مؤطا سے متعلق مفید معلومات ہیں۔

اس کے علاوہ بھی مؤطا کی شروحات وتعلیقات لکھی گئی ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی (م 1373ھ) نے مؤطا پر ہونے والے اہم کام کی ایک فہرست دی ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

شروح 29	تجرید واسناد مؤطا 17
اختلاف مؤطاءت 2	رجال المؤطا 4
غریب المؤطا 7	روایت المؤطا عن مالک 3
متفرق مباحث 7	
میزان: 66	

جمع و ترتیب

حافظ حامد محمود الخضری

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

1 كِتَابُ مَوَاقِيْتِ الصَّلَاةِ

اوقاتِ نماز کے متعلق کتاب

"كِتَاب" باب كَتَبَ يَكْتُبُ کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ملانا یا جمع کرنا ہے۔ محدثین "کتاب" تحریر کر کے یہ مراد لیتے ہیں، جس میں ایک موضوع سے متعلقہ مختلف پہلو سے متعلق روایات جمع کر دی جائیں۔ "الصلاۃ" کا لغوی معنی "دُعا" ہے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کا اہم ترین جزء دعا پر ہی مشتمل ہے۔ سورۃ الفاتحہ بھی دُعا ہے جو کہ قیام میں تلاوت کی جاتی ہے، رکوع، قومہ، سجدہ اور تشہد ان سب مقامات پر دُعا کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کو دُعا کا نام دیا گیا ہے۔ "مَوَاقِيْتُ" کا واحد "مِيْقَات" ہے۔ نماز جیسی عظیم عبادت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو زمانہ یا وقت مقرر کیا ہے اسے "مِيْقَات" کہا جاتا ہے۔

نماز پنجگانہ کا قرآن وحدیث میں وقت محدود و متعین ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (النساء : 103) "یقیناً نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔"

ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى أَنَّ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسَ مُؤَقَّتَةٌ بِمَوَاقِيْتَ مُحَدَّدَةٍ" (المغنی لإبن قدامة : 412/1) "تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز کی ادائیگی ان کے مقررہ اوقات میں فرض ہے۔" اسی لیے نماز میں سستی کرنے والوں کے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝﴾ (الماعون : 4، 5) "ہلاکت ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز میں سستی کرتے ہیں۔" اس آیت کی تفسیر میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی نماز اصل وقت سے لیٹ پڑھتے ہیں۔ (تفسیر طبری : 404/15، مسند أبویعلی، رقم : 701)

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں 8 ابواب اور تیس (30) روایات ہیں، جن میں سے چودہ (14) مرفوع، بارہ (12) موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور چار (4) مقطوع یعنی فتاویٰ تابعین رحمہم اللہ ہیں۔ ان میں سے بائیس (22) روایات کی اسانید صحیح، دو (2) کی حسن اور چھ (6) ضعیف ہیں۔ اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چھ (6) فتاویٰ جات ہیں۔

1- بَابُ وُقُوْتِ الصَّلَاةِ

اوقاتِ نماز کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں گیارہ (11) روایات ذکر کی ہیں جن میں سے چھ احادیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور چار (4) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ جات ہیں جن میں سے دو (2) کی اسانید ضعیف ہیں اور ایک (1) امام قاسم بن محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔

[1] قَالَ : حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى اللَّيْثِيُّ ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا وَهُوَ بِالْكُوفَةِ فَدَخَلَ عَلَيْهِ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ مَا هَذَا يَا مُغِيرَةُ أَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ جِبْرِيلَ نَزَلَ فَصَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: بِهَذَا أُمِرْتُ . فَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ اعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ بِهِ يَا عُرْوَةُ أَوَ إِنَّ جِبْرِيلَ هُوَ الَّذِي أَقَامَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَقْتَ الصَّلَاةِ قَالَ عُرْوَةُ كَذَلِكَ كَانَ بَشِيرُ بْنُ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ . قَالَ عُرْوَةُ وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِي

ابن شہاب (محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب، المعروف امام زہری رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (جو اس وقت خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں مدینہ منورہ کے امیر تھے) نے ایک روز (عصر کی) نماز ادا کرنے میں (کچھ) تاخیر کر دی تو عروہ بن زبیر رحمہ اللہ اُن کے پاس گئے اور انھیں بتایا کہ بلاشبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے (بھی) ایک دن (عصر کی) نماز میں دیر کردی اور وہ (اس وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مغیرہ عراق کے شہر) کوفہ میں (حاکم) تھے تو حضرت ابو مسعود (عقبہ بن عمرو) انصاری رضی اللہ عنہ اُن کے پاس گئے اور فرمایا کہ اے مغیرہ! یہ (دیر سے نماز ادا کرنا) کیا ہے؟ کیا آپ کو علم نہیں کہ (واقعۂ معراج کے فوراً بعد اگلے ہی دن ظہر کے وقت) جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تو انھوں نے (ظہر کی) نماز ادا کی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے (بھی ان کے ساتھ) نماز ادا فرمائی، پھر اُنھوں نے (عصر کی) نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر انھوں نے

[1] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب مواقیت الصلوۃ وفضلها، حدیث: 521,3221,4007، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب اوقات الصلوات الخمس، حدیث: 610، ابوداؤد: 394، نسائی: 495، ابن ماجه: 668 ...... نیز دیکھیے: بخاری: 522، 544، 545، 546، 3103، مسلم: 611، ابوداود: 407، ترمذی: 159، نسائی: 506

عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ .

(مغرب کی) نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر انھوں نے (عشاء کی) نماز ادا کی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز ادا فرمائی، پھر انھوں نے (فجر کی) نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز ادا فرمائی، پھر جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کو (اور مجھ کو بھی) اسی کا حکم فرمایا گیا ہے ......(یہ حدیث سن کر) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (عروہ رحمہ اللہ سے) کہا کہ جان لو (اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر اور سند کا حوالہ دے کر دھیان سے بتاؤ، وہ خبر) جو تم بیان کر رہے ہو، کیا واقعی جبریل علیہ السلام ہی تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے نماز کے وقت مقرر کیے؟ عروہ رحمہ اللہ نے (جواب میں سند بیان کرتے ہوئے) کہا کہ بشیر بن ابی مسعود رحمہ اللہ اسی طرح اپنے والد (ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ) سے (یہ واقعہ) بیان کرتے تھے (اور ابومسعود رضی اللہ عنہ اسے نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے تھے) عروہ رحمہ اللہ نے (ایک اور دلیل دیتے ہوئے) کہا کہ یقیناً (میری خالہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نمازِ عصر اس حال میں ادا فرمایا کرتے تھے کہ دھوپ (اُن کے حجرے یعنی گھر کی دیوار پر) چڑھنے سے پہلے ابھی حجرے کے اندر (یعنی گھر کے اندرونی صحن میں) ہی ہوتی تھی۔

فائدہ :......اس حدیث مبارکہ سے اصل مقصود یہ سمجھانا ہے کہ نمازِ عصر کو جلدی ادا کر لینا چاہیے، یہ بات مشہور بھی ہے اور ہر حاجی اس کا مشاہدہ بھی کرتا ہے کہ اُمہات المومنین کے حجرے چھوٹے چھوٹے سے تھے، اُن کا اندرونی صحن وسیع نہیں تھا اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے مکانات کی دیواریں خواہ چھوٹی بھی ہوں، سورج کی دھوپ جلد ہی ان کے صحن سے ختم ہو جاتی ہے اور دیواروں پر چڑھ جاتی ہے۔

عصر کا وقت ایک مثل پر شروع ہو جاتا ہے یعنی جب آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے تو نمازِ عصر پڑھی جا سکتی ہے اور یہ ایک مثل سایہ، زوال کے وقت باقی رہنے والے سائے سے زائد ہوتا ہے ...... یاد رہے ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، چنانچہ فرمانِ مصطفیٰ علیہ السلام ہے: ''وَقْتُ الظُّهْرِ مَالَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ'' ''ظہر کا وقت باقی رہے گا جب تک نمازِ عصر نہ آجائے۔'' (مسلم: 173/ 612) نیز اختتامِ ظہر کے متعلق فرمایا: ''وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ'' ''اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے۔'' (مسلم: 173/ 612) ایک روایت میں ہے: ''وَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَهٗ'' ''اور جبریل علیہ السلام نے مجھے نمازِ عصر اس وقت پڑھائی جب سایہ ایک مثل ہو گیا۔'' (ابوداؤد: 393، ترمذی: 149 وغیرہ) یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تمام شاگردوں نے یہی موقف اختیار کیا، خود امام صاحب سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے، مولانا رشید احمد گنگوہی حنفی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالحئی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ نے حاشیہ موطا امام محمد میں اس موقف کی بھرپور تائید کی ہے۔ (مرعاة المفاتيح: 289/2)

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خبرِ واحد حجت ہے، اسی طرح علماء کا حکمرانوں کی اصلاح کے لیے ان

کے پاس جانا درست ہے، بصورتِ دیگر حکمرانوں کی صحبت سے بچنا ہی بہتر ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا دور بہت سنہری تھا، وہ فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو بروقت ادا کرتے تھے اور اس میں غفلت وکوتاہی سے کام نہ لیتے تھے، سنت نبویہ کی ذرہ بھر مخالفت بھی ان کو گوارا نہ تھی، وہ نماز کی ادائیگی میں تھوڑی سی تاخیر پر بھی گرفت کرتے اور حاکموں کے درباروں میں بیباکی سے اظہارِ حق کرتے تھے، وہ یہ باور کراتے تھے کہ اوقاتِ نماز کا معاملہ بہت عظیم ہے جس کی خاطر اللہ نے سید الملائکہ جبریل علیہ السلام کو نازل فرمایا اور پریکٹیکل کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوقاتِ نماز بتائے ...... حدیث مذکور سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی فضیلت اور احتیاط بھی عیاں ہوئی کہ باہمی اختلاف کے حل کے لیے فوراً سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا اور یہی حکم الٰہی ہے (سورۂ نساء 59:4) ...... ہر اُمتی کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب صرف اُسی قول وفعل کو قبول کرے جو قابل حجت سند سے ثابت ہو، کیونکہ بہت سے لوگ مختلف مقاصد کی خاطر جھوٹی روایات گھڑ کر اُن پر حدیث کا لیبل لگا لیتے ہیں، لہٰذا حدیث کے معاملے میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرح ضرور تحقیق کر لینا چاہیے ...... نیز معلوم ہوا کہ مفضول یعنی کم رُتبے والے کے پیچھے افضل شخصیت کی نماز ہو جاتی ہے جیسا کہ جبریل علیہ السلام کے پیچھے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دفعہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنا ثابت ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفين:633)

[2] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنْ وَقْتِ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَالَ فَسَكَتَ عَنْهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى إِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ صَلَّى الصُّبْحَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ مِنَ الْغَدِ بَعْدَ أَنْ أَسْفَرَ ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ. قَالَ هَا أَنَا ذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ . فَقَالَ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ وَقْتٌ .

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ فجر کے وقت کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (کے جواب) سے خاموشی اختیار کی، یہاں تک کہ جب اگلا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز اُسی وقت ادا فرما لی جب فجر (صبح صادق) طلوع ہوئی، پھر اس سے اگلے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز خوب روشنی ہو جانے کے بعد ادا فرمائی، پھر فرمایا: ''نمازِ (فجر) کے وقت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟'' اس (سائل) نے عرض کیا کہ میں یہ

[2] (صحيح لغيره) سنن النسائی ، كتاب المواقيت ، باب اول وقت الصبح ، حديث: 545، مسند احمد: 3/113، 182، 189 ، التمهيد لابن عبدالبر : 332/4، مسند البزار : 193/1، الاوسط لابن المنذر : 347/ 2 ، السنن الكبرى للبيهقى : 377/1، سلسلة الاحاديث الصحيحة للالبانی : 109/3 ...... شیخ سلیم نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے، شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور علامہ البانی نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

ہوں، اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں (وقتوں) کے درمیان میں (نمازِ فجر کا) وقت ہے۔''

فائدہ: ......رسول کریم ﷺ نے دو دِنوں میں نمازِ فجر کو اوّل اور آخر وقت میں پڑھ کر دکھا دیا ہے، لہٰذا یہ دونوں اوقات بھی نمازِ فجر ہی کے ہیں اور ان دونوں کا درمیانی وقت بھی نمازِ فجر کی ادائیگی کا وقت ہے......اس حدیثِ مبارکہ سے شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آشکار ہوتی ہے کہ وہ کس طرح دینی تعلیم کے لیے بے تاب رہتے تھے، یہ بھی معلوم ہوا کہ از روئے مصلحت سائل کو فوری جواب دینا بھی لازم نہیں۔ نیز عمل کے ذریعے جواب دینا سنتِ رسول ﷺ ہے اور زیادہ مؤثر، دیر پا اور دور رس ثابت ہوتا ہے، نیز اساتذہ کو چاہیے کہ طلباء کو اپنی صحبت، رفاقت اور معیت کا شرف بخشنے میں وسعتِ ظرفی کا مظاہرہ کریں۔

[3] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ .

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجۂ پیغمبر ﷺ روایت کرتی ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھتے، پھر عورتیں (جماعت سے فارغ ہو کر) اپنی چادریں لپیٹے ہوئے (گھروں کو) واپس لوٹتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔

فائدہ: ......معلوم ہوا کہ نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنا رسول اللہ ﷺ کا عام معمول تھا، لہٰذا اس نماز کو جلدی اور اندھیرے میں ادا کرنا زیادہ افضل اور مستحب ہے۔ احناف کے علاوہ باقی تمام فقہاء کا یہی موقف ہے، ایک روایت میں ہے کہ لَا يَعْرِفْنَ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا ''(نماز پڑھ کر جانے والی) عورتیں ایک دوسری کو پہچان نہ پاتی تھیں۔'' (بخاری: 872) نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ عورتیں مسجد میں جماعت کے ساتھ کوئی بھی نماز ادا کر سکتی ہیں، اگرچہ ان کے لیے بہترین اور افضل ترین صورت یہ ہے کہ وہ گھر میں ہی کسی خفیہ مقام پر نماز ادا کریں، یہ بھی معلوم ہوا کہ پردے کے لیے بُرقعہ کا استعمال لازمی نہیں ہے، اگرچہ بُرقع کا استعمال پردے کے لیے زیادہ مفید ہے لیکن پورے جسم کو ڈھانپنے والی ایک چادر بھی کافی ہے۔ یاد رہے کہ پردے والی چادر یا برقع کا نقش و نگار والا ہونا پردے کا مقصد فوت کر دیتا ہے۔

[4] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

[3] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب انتظار الناس قیام الامام، حدیث: 867، نیز دیکھیے: 372، 578، 872، صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتها، حدیث: 645، ابوداؤد: 423، ترمذی: 153، نسائی: 546، 547۔

[4] صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب من ادرك ركعة من العصر قبل الغروب، حدیث: 556، 579، صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك الصلاة، حدیث: 608، ابوداود: 412، ترمذی: 186، نسائی: 515-518، ابن ماجه: 699,700

أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ وَعَنِ الأَعْرَجِ، كُلُّهُمْ يُحَدِّثُونَهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ .

نے فرمایا: ''جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے صبح کی نماز میں سے ایک رکعت پالی تو یقیناً اس نے صبح (کی مکمل نماز) کو پالیا اور جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے نمازِ عصر میں سے ایک رکعت پالی تو بلاشبہ اس نے عصر (کی مکمل نماز) کو پالیا۔''

فائدہ:......اس جامع حدیثِ مبارکہ کے دومفہوم ہیں: (1) ایک یہ کہ جوشخص سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے فجر کی ایک رکعت پڑھ سکتا ہوتو اسے نماز شروع کردینی چاہیے، ایسی صورت میں اس کی نماز کو''ادا'' شمار کیا جائے گا نہ کہ قضا، اسی طرح نمازِ عصر کا معاملہ ہے، اگرچہ سورج کے طلوع یا غروب ہوتے ہی ان نمازوں کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کی ایک رکعت کے علاوہ باقی نماز وقت ختم ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے لیکن شریعت نے اس پر رحم وکرم فرماتے ہوئے اس کی ایک رکعت ہی کی برکت سے پوری نماز کو ادا شمار کیا ہے، یادرہے کہ اس مفہوم کے مطابق اس حدیث کا تعلق عذر کی بنا پر نماز مؤخر ہو جانے سے ہے کہ کوئی شخص نیند، سفر یا بھول وغیرہ کی بنا پر نماز کو اول وقت یا درمیان وقت میں نہ پڑھ سکا ہو، جان بوجھ کر نمازِ عصر کو دھوپ زرد ہونے تک مؤخر کرنا منافق کی علامت ہے...... احناف بھائیوں کو چاہیے کہ تعصب چھوڑیں اور اس حدیث کے دونوں حصوں کو قابلِ اِتباع سمجھیں، وہ عصر کے متعلق تو اسے تسلیم کرتے ہیں اور فجر والے حصے کو قیاس کے مخالف سمجھ کر ترک کردیتے ہیں، اللہ سے ڈریے، جب آقا ﷺ کا فرمانِ مبارک صحیح سند سے ثابت ہو چکا تو پھر کیوں کسی امام، فقیہ اور اُمتی کی تقلید میں فرمانِ نبوی ﷺ کو ٹھکرایا جائے، یاد رکھیے اپنے مفاد اور خواہش کی خاطر یا اپنے ذہن اور سوچ کو ترجیح دیتے ہوئے شریعت کا کچھ حصہ مان لینے اور کچھ حصہ چھوڑ دینے والوں کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ۝﴾

(البقرة 85:2)

''تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو، چنانچہ تم میں سے جو کوئی یہ کام کرے گا تو اس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف دھکیلے جائیں گے اور تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ اس سے ہرگز غافل نہیں ہے۔''

احناف نے محض اپنے امام کی تقلید میں اس حدیث میں بہت تاویلات کرنے کی کوشش کی لیکن اس آیت کے پیش نظر دل کہاں مطمئن ہونا تھا، اس لیے بعض نے دوسرے راستے اختیار کرنا چاہے لیکن اپنے امام کا قول بھی نہ چھوڑا تو پھر کچھ نے اس حدیث کو منسوخ کہہ کر بالکل ہی ترک کر دیا اور بعض نے اس حدیث کے واضح الفاظ میں تحریف معنوی کا ارتکاب بھی کیا اور حدیث کے راویوں کو وہم اور سوءِ فہم میں مبتلا قرار دینے کی جسارت بھی کی، احناف میں سے شیخ عبدالحیٔ لکھنوی ہی کو توفیق ملی کہ ''شرح وقایہ'' کے حاشیے میں انھوں نے جمہور فقہاء کی طرح اس حدیث کے دونوں حصوں کو تسلیم کیا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے مرعاۃ المفاتیح: 308/2۔ 311)

(2)......اس حدیث کے جامع الفاظ میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اگر کوئی کافر اس وقت اسلام قبول کرے جب نماز کا وقت ختم ہونے میں صرف ایک رکعت کی ادائیگی کا وقت باقی ہو تو وہ نماز اس کے ذمے لازم ہو جاتی ہے جسے بعد میں پڑھنا اس پر فرض ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بچہ ایسے ہی وقت میں بالغ ہو جائے یا کوئی عورت حیض یا نفاس سے پاک ہو جائے تو وہ نماز ان کے ذمے بھی فرض ہو جاتی ہے۔

[5] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِينَهُ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ . ثُمَّ كَتَبَ أَنْ صَلُّوا الظُّهْرَ إِذَا كَانَ الْفَيْءُ ذِرَاعًا إِلَى أَنْ يَكُونَ ظِلُّ أَحَدِكُمْ مِثْلَهُ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَ مَا يَسِيرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ فَمَنْ نَامَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عاملوں (حکومتی کارندوں) کو لکھا کہ بے شک میرے نزدیک تمھارے تمام معاملات میں سب سے اہم نماز ہے، چنانچہ جس نے نماز (کے ارکان و آداب اور شرائط وغیرہ) کی حفاظت کی (اور انھیں یاد بھی رکھا) اور اس پر پابندی کی تو اس نے اپنے پورے دین کو محفوظ کر لیا اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا (خواہ بالکل ادا نہ کی یا صحیح طریقے سے ادا نہ کی) تو وہ اس کے علاوہ باقی تمام معاملات کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے، پھر انھوں نے (یہ بھی) لکھا: ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب (آفتاب ڈھلنے کے بعد) سایہ ایک ہاتھ کے برابر (لمبا) ہو جائے (اور یہ ظہر کا وقت جاری رہتا ہے) یہاں

[5] (موقوف ضعيف) شرح معاني الآثار للطحاوی: 158/1، مصنف عبدالرزاق: 536/1، السنن الكبرى للبيهقی: 445/1، الأوسط لابن المنذر: 328/2، معرفة السنن والآثار: 462/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے ضعیف اور امام ابن عبدالبرؒ نے منقطع کہا ہے۔

فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُومُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ .

تک کہ تم میں سے کسی کا سایہ اس کے برابر (ایک مثل) ہو جائے، اور نمازِ عصر اس حال میں ادا کرو کہ سورج بلند، سفید اور (زردی سے) صاف ہو، اس اندازے کے مطابق کہ کوئی شتر سوار (نمازِ عصر کے بعد) چھ میل یا نو میل (تقریباً ساڑھے چودہ یا ساڑھے اکیس کلومیٹر) سفر کر سکے اور نمازِ مغرب اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے اور عشاء کی نماز اس وقت ادا کرو جب شفق (غروبِ آفتاب کے بعد آسمان پر نظر آنے والی سرخی) غائب ہو جائے (اور عشاء کا وقت) تہائی رات تک ہے، پھر جو شخص (نمازِ عشاء سے پہلے) سو جائے تو (اللہ کرے کہ) اس کی آنکھ نہ سو سکے۔ (اُسے نیند کا مقصد یعنی سکون و آرام اور استراحت حاصل نہ ہو، پھر دوبار مزید فرمایا:) جو سو جائے اُس کی آنکھ نہ سوئے، جو سو جائے اُس کی آنکھ نہ لگے، اور صبح کی نماز اس حال میں پڑھو کہ تارے ظاہر ہوں اور باہم ملے جلے ہوں۔

فائدہ: ......حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس خط سے معلوم ہوا کہ حاکمِ وقت کو اپنے ماتحت عہدیداروں کی تربیت کرتے رہنا چاہیے، خصوصاً نماز کے اہتمام پر زور دینا چاہیے، جو شخص اس فریضۂ الٰہی کو کما حقہ ادا نہیں کر سکتا وہ کسی بھی دینی و دنیوی اور عوامی و اجتماعی ذمہ داری صحیح طریقے سے ادا کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا......اس روایت میں بھی ظہر کے وقت کا اختتام ایک مثل پر مذکور ہے اور نمازِ عصر کو بھی جلد ادا کر لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ شفق کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اَلشَّفَقُ الْحُمْرَةُ ''شفق سے مراد سُرخی ہے۔'' (مصنف عبدالرزاق: 2122، بیہقی: 373/1۔ سند صحیح ہے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عشاء سے پہلے سو جانے والے کے لیے اس لیے بد دعا کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا نمازِ عشاء سے پہلے سو جانے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔'' (بخاری: 547، مسلم: 647) نیز تاروں کی موجودگی میں نمازِ فجر پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ پوری سلطنتِ اسلامیہ میں نمازِ فجر تاریکی میں ادا کی جائے۔

[6] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، كَتَبَ إِلَى أَبِي مُوسَى أَنْ صَلِّ الظُّهْرَ، إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَهَا صُفْرَةٌ

ابو سہیل (نافع) بن مالک اپنے والد (مالک بن ابی عامر اصبحی) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ظہر کی نماز پڑھو جب سورج ڈھل جائے اور نمازِ عصر اس حال میں پڑھو کہ سورج سفید اور صاف ہو، اس سے پہلے پہلے کہ اس میں

[6] (موقوف صحیح) مصنف عبدالرزاق: 536/1، معرفة السنن والآثار: 463/1، الاوسط لابن المنذر: 375/2، السنن الكبرى للبيهقى: 370/1، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے موقوف صحیح کہا ہے اور امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اسے متصل ثابت قرار دیا ہے۔

وَالْـمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَأَخِّرِ الْعِشَاءَ مَـا لَـمْ تَـنَـمْ وَصَـلِّ الـصُّبْحَ وَالنُّجُومُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِـكَةٌ وَاقْـرَأْ فِيهَـا بِسُورَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ مِنَ الْمُفَصَّلِ.

زردی داخل ہو، اور مغرب کی نماز پڑھو جب سورج غروب ہوجائے، اور عشاء کو مؤخر کردو جب تک تمھیں نیند نہ آئے اور صبح کی نماز پڑھو اس حال میں کہ تارے ظاہر اور آپس میں ملے جلے ہوں اور نماز فجر میں ''مفصل'' میں سے دو لمبی سورتوں کی تلاوت کیا کرو۔

فائدہ :...... ''مفصل'' سے مراد قرآن مجید کی ساتویں منزل ہے، اور اس پوری منزل میں ساٹھ سے زیادہ سورتیں ہیں اور ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جو پارے کے چوتھائی حصے کے برابر ہو، اس لیے احناف کا یہ تاویل کرنا بالکل غلط اور صریح دھوکا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نمازِ فجر کو تاروں کی موجودگی میں یعنی تاریکی ہی میں ادا کرنے کا حکم صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو سورۂ بقرہ جتنی لمبی تلاوت کرنا چاہتے ہوں ......نمازِ عشاء کو نیند کی آمد تک مؤخر کرنے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اسے نصف رات سے بھی لیٹ کر دیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ واضح فرما چکے ہیں کہ وَقْـتُ الْعِشَاءِ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ ''عشاء کا وقت نصف رات تک ہے۔'' (صحیح مسلم:612)

[7] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَـالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَى أَبِـي مُـوسَـى الأَشْـعَـرِيِّ أَنْ صَـلِّ الْـعَصْرَ وَالشَّـمْـسُ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَ مَا يَسِيرُ الرَّاكِبُ ثَلاثَةَ فَرَاسِخَ وَأَنْ صَلِّ الْعِشَاءَ مَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ ثُـلُثِ اللَّيْلِ فَإِنْ أَخَّرْتَ فَإِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے باپ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ نمازِ عصر اس حال میں ادا کرو کہ سورج سفید اور صاف ہو، اتنا وقت ہو کہ (اس کے بعد غروبِ آفتاب سے قبل) اونٹ کا سوار تین فرسخ (نو میل یعنی تقریباً ساڑھے اکیس کلومیٹر) سفر کر سکے اور نمازِ عشاء (آغازِ وقت سے لے کر) تہائی رات تک کے درمیان میں پڑھ لو، پھر اگر اس سے بھی تاخیر کرنا چاہو تو نصف رات تک کر سکتے ہو اور غافلوں میں سے مت ہو جاؤ۔

[8] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ زِيَادٍ، عبداللہ بن رافع رحمہ اللہ جو زوجۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

[7] (موقوف ضعيف) مصنف عبدالرزاق: 353/1- 537، حديث: 2039-2035، السنن الكبرى للبيهقي: 445/1، 446 (2096)، معرفة السنن والآثار: 462/1- شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ روایت موقوف ضعیف ہے، اس کی سند منقطع ہے کیونکہ عُروہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

[8] (موقوف صحيح) مصنف عبدالرزاق: 540/1، الاوسط لابن المنذر: 376/2- شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو موقوف صحیح کہا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابو ہریرہؓ سے اوقاتِ نماز صحیح سند کے ساتھ مرفوعاً بھی مروی ہیں، دیکھیے سنن النسائی، كتاب المواقيت، باب آخر وقت الظهر، حديث: 503، وانظر جامع الترمذی: 151

عَـنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ ، مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّـهُ سَـأَلَ أَبَا هُـرَيْـرَةَ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا أُخْبِرُكَ صَلِّ الظُّهْرَ إِذَا كَـانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ وَالْعَصْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْـلَيْكَ وَالْـمَـغْـرِبَ إِذَا غَـرَبَـتِ الشَّمْـسُ وَالْـعِشَـاءَ مَـا بَيْـنَكَ وَبَيْنَ ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلِّ الصُّبْحَ بِغَبَشٍ . يَعْنِى الْغَلَسَ .

(ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا) کے آزاد کردہ غلام ہیں ، نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے وقت کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں تمھیں (اس کی) خبر دے دیتا ہوں، تو نمازِ ظہر پڑھ جب تیرا سایہ تیرے برابر یعنی ایک مثل ہو جائے اور نمازِ عصر پڑھ جب تیرا سایہ تجھ سے دوگنا یعنی دو مثل ہو جائے اور مغرب کو ادا کر جب سورج ڈوب جائے اور عشاء کو رات کے تہائی حصے تک کے درمیان میں ادا کر اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ لیا کر۔

فائدہ : ...... احناف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فتوے میں نماز عصر کے لیے دو مثل کا لفظ دیکھ کر بڑے خوش ہوتے اور اسے بطور دلیل پیش کرتے ہیں، حالانکہ (1) اس فتویٰ میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو بتاتا ہو کہ نمازِ عصر کا وقت شروع ہی دو مثل سے ہوتا ہے۔ (2) اس فتویٰ میں نمازِ ظہر کو ایک مثل پر پڑھنے کے حکم کو پھر کیوں ترک کیا جاتا ہے؟ کیا ظہر کا وقت ایک مثل پر شروع ہونے کے لیے کوئی حنفی اسے دلیل بنائے گا؟ (3) اس فتوی میں نمازِ فجر کو اندھیرے میں پڑھنے کے حکم سے احناف کیوں اعراض کرتے ہیں؟ (4) نسائی (حدیث: 503، سند صحیح ہے) میں خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے نمازوں کے اوقات کو روایت کیا ہے، جس میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے پہلے دن ظہر کو سورج ڈھلتے ہی ادا کیا اور عصر کو ایک مثل پر پڑھا اور پھر دوسرے دن ظہر ایک مثل پر جبکہ عصر دو مثل پر ادا کی۔

[9] وَحَـدَّثَـنِـى عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْـدِ اللَّهِ بْنِ أَبِى طَلْحَةَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّـهُ قَالَ كُنَّا نُصَلِّى الْعَصْرَ ثُمَّ يَخْرُجُ الإِنْسَانُ إِلَـى بَـنِى عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّونَ الْعَصْرَ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، انھوں نے فرمایا کہ ہم (مدینہ منورہ میں نبی مکرم ﷺ کے ہمراہ) نمازِ عصر ادا کرتے تھے، پھر (ہم میں سے) کوئی شخص بنو عمرو بن عوف کے محلے کی طرف جاتا تو ان کو (ابھی) نماز عصر ادا کرتے ہوئے پالیتا تھا۔

فائدہ : ...... یہ محلّہ مدینہ میں مسجد نبوی سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور اس سے مراد ''بستی قُبا'' ہی ہے جہاں بنو عمرو بن عوف آباد تھے جیسا کہ اگلی روایت میں آ رہا ہے، یہ لوگ کھیتی باڑی والے تھے اور ضروری کاموں سے فارغ ہو کر نمازِ عصر ادا کرتے تھے، الغرض معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ عصر کو اوّل وقت ہی میں ادا فرما لیتے تھے اور یہ

[9] صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة ، باب استحباب التبكير بالعصر ، حديث : 194/ 621، نسائی : 507.

بھی ثابت ہوا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی مسجدوں میں نمازوں کے اوقات یکساں نہیں تھے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ ان میں وسعت ہے۔

[10] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى قُبَاءٍ فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم (معیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں) نمازِ عصر ادا کرتے، پھر کوئی جانے والا قبا کی طرف جاتا تو وہ ان کے پاس اس حالت میں پہنچ جاتا تھا کہ سورج ابھی بلند ہی ہوتا تھا۔

فائدہ: ......قبا مدینہ منورہ کے جنوب میں تین میل کی مسافت پر ہے، بعض روایات میں چار میل دور جانے کا بھی تذکرہ ہے۔ (بخاری: 550، 7329)

[11] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ قَالَ مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ إِلَّا وَهُمْ يُصَلُّونَ الظُّهْرَ بِعَشِيٍّ.

قاسم بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں (صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ) کو صرف اور صرف ایسا (ہی کرتے) پایا کہ وہ ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرتے تھے۔

فائدہ: ...... "عَشِيّ" کا وقت زوال کے فوراً بعد سے لے کر مغرب تک رہتا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے، فقیہِ مدینہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ اپنے اس فرمان سے ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو زوال کے فوراً بعد نمازِ ظہر ادا کرنے کو معمول بناتے ہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زوالِ آفتاب کے بعد کچھ وقت گزار کر ہی ظہر پڑھا کرتے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَتْ قَدْرُ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى خَمْسَةِ اَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى سَبْعَةِ اَقْدَامٍ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ ظہر کا گرمیوں میں اندازہ یہ تھا کہ (آپ اُس وقت اسے پڑھتے جب سورج ڈھلنے کے بعد سایہ) تین سے پانچ قدم تک ہو جاتا اور سردیوں میں پانچ سے سات قدم تک ہو جاتا۔'' (ابوداود: 400، نسائی: 504۔ اس کی سند صحیح ہے)

2- بَابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے وقت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں (2) روایات ذکر کی ہیں جن میں سے ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے۔ نیز

[10] صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر، حديث: 548، 550، 551، 7329، صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب التبكير بالعصر، حديث: 192,193/ 621، ابوداود: 404، ابن ماجه: 682

[11] (مقطوع صحيح) مصنف عبدالرزاق: 546/1، 547 (2067)

اس میں امام مالک کے دو فتوے بھی موجود ہیں۔

فائدہ :...... جمعہ چونکہ نمازِ ظہر کا بدل ہے اس لیے اس کا وقت بھی ہو بہو ظہر والا ہی ہے، یعنی زوالِ آفتاب سے لے کر سایہ ایک مثل ہونے تک رہتا ہے، رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اول وقت ہی میں جمعہ ادا کیا کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعہ کی تیاری اور اس میں جلدی حاضر ہونے کا اس قدر شوق رکھتے اور اہتمام کرتے تھے کہ دو پہر کا کھانا اور قیلولہ جمعہ کے بعد تک مؤخر کر دیتے۔ (صحیح بخاری: 939، صحیح مسلم: 859) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس وقت جمعہ پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا۔ (صحیح بخاری: 904) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جمعہ اس وقت ادا کرتے جب زوالِ آفتاب ہو جاتا۔

(صحیح مسلم:860)

[12] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ أَرَى طِنْفِسَةً لِعَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تُطْرَحُ إِلَى جِدَارِ الْمَسْجِدِ الْغَرْبِيِّ فَإِذَا غَشِيَ الطِّنْفِسَةَ كُلَّهَا ظِلُّ الْجِدَارِ خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَصَلَّى الْجُمُعَةَ - قَالَ مَالِكٌ وَالِدُ أَبِي سُهَيْلٍ - ثُمَّ نَرْجِعُ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَنَقِيلُ قَائِلَةَ الضَّحَاءِ .

ابو سہیل بن مالک رحمہ اللہ اپنے والد مالک بن ابی عامر اصبحی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ایک بوریا (دری) دیکھا کرتا تھا جسے جمعہ کے دن مسجد نبوی کی مغربی دیوار کی طرف ڈال دیا جاتا تو جب ساری دری کو دیوار کا سایہ ڈھانپ لیتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نکلتے اور جمعہ پڑھاتے۔ مالک بن ابی عامر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم نمازِ جمعہ کے بعد واپس لوٹ جاتے اور دو پہر کا قیلولہ کرتے۔

فائدہ :...... مسجد نبوی میں جب قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو دائیں جانب مغرب کی سمت ہے، اسی جانب مسجد کی مغربی دیوار ہے جس کے ساتھ مسجد کے اندر حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی دری بچھا دی جاتی، جب سورج سر پر پہنچ کر مغرب کی طرف ڈھل جاتا تو سایہ دری پر پڑنے لگتا، چنانچہ مزید تھوڑی دیر انتظار کے بعد سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ جمعہ پڑھا دیتے، پھر جن لوگوں نے نمازِ جمعہ کے لیے جلدی آنے کا اجر وثواب پانے کی خاطر دو پہر کا کھانا اور قیلولہ چھوڑا ہوتا تھا، وہ بعد میں جا کر کھانا بھی کھا لیتے اور قیلولہ بھی کر لیتے تھے۔

[13] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ

ابن ابی سلیط (عبداللہ بن اُسید بن عمرو بن قیس رحمہ اللہ) سے

[12] (مقطوع صحیح) تغليق التعليق: 355/2، 356، المُحلّى لابن حزم: 244/3۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے مقطوع صحیح قرار دیا ہے۔

[13] (موقوف حسن) المُحلّى لابن حزم: 244/3، 245۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس موقوف روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

حَيَى الْمَازِنِيِّ، عَنِ ابْنِ أَبِي سَلِيطٍ، أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، صَلَّى الْجُمُعَةَ بِالْمَدِينَةِ وَصَلَّى الْعَصْرَ بِمَلَلٍ.

روایت ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں نمازِ جمعہ ادا کی اور عصر کی نماز ''مَلَل'' نامی جگہ پر ادا کی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ لِلتَّهْجِيرِ وَسُرْعَةِ السَّيْرِ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جمعہ کو جلدی ادا کر لینے اور تیز اور جلدی چلنے کی وجہ سے (ممکن) ہوا۔

فائدہ: ......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زوالِ آفتاب کے فوراً بعد جمعہ ادا کر لیا، پھر اسی وقت مکہ کی طرف چل پڑے اور مکہ و مدینہ کے درمیان ''مَلَل'' جگہ پر عصر کے وقت تک پہنچ گئے جو مدینہ سے 22 میل یعنی تقریباً 53 کلومیٹر دور تھی، بعض نے سترہ یا اٹھارہ میل کا فاصلہ بیان کیا ہے، الغرض اس دور میں جمعہ جلدی ادا کیا جاتا تھا۔

3- بَابُ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ

اس شخص کا بیان جس نے نماز کی ایک رکعت پالی

خلاصۃ الباب اس باب میں چار (4) روایات ذکر کی ہیں جن میں سے ایک مرفوع یعنی حدیث نبوی اور تین موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم جبکہ ان میں سے دو اقوال ضعیف ہیں۔

[14] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے نماز میں سے ایک رکعت پالی تو یقیناً اس نے وہ نماز پالی۔''

فائدہ: ......اس جامع حدیث مبارکہ کے متعدد مفہوم بیان کیے جاتے ہیں، مثلاً: (1) جس نے کسی نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے ایک رکعت ادا کر لی تو اس کی پوری نماز ادا شمار ہوگی، نہ کہ قضا۔ (2) جن لوگوں پر نماز فرض نہ ہو۔ مثلاً نابالغ، مجنون اور حیض و نفاس والی عورت وغیرہ، تو اگر کسی نماز کا وقت ختم ہونے سے صرف ایک رکعت کی مقدار پہلے ان کا عذر ختم ہو جائے تو وہ نماز اُن پر لازم ہو جاتی ہے، چنانچہ اگر مثلاً وقتِ ظہر کے اختتام میں ابھی ایک

[14] صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من ادرك من الصلاة ركعة، حديث: 580، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، حديث: 607، ابوداود: 1121، ترمذي: 524، نسائي: 557-554، ابن ماجه: 1122

رکعت کی ادائیگی کے برابر وقت باقی تھا کہ بچہ بالغ ہوگیا، مجنون کو افاقہ ہوگیا، حیض و نفاس ختم ہو گئے یا کافر مسلمان ہو گیا تو اب نمازِ ظہر ان کے ذمے واجب ہوگی۔ (3) جس نے جماعت کے ساتھ ایک رکعت پالی تو اسے پوری جماعت کا ثواب مل گیا۔ لیکن یہ مطلب اس لیے صحیح نہیں کہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جسے ایک رکعت سے کم جماعت ملی اُسے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا ''جس شخص نے بہترین وضو کیا، پھر (جماعت کی طرف) گیا تو لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ نماز سے فارغ ہو چکے ہیں تو اللہ عزوجل اُسے (اس کی خالص نیت ہی کی وجہ سے) اُس شخص کی طرح اجر عطا فرما دیتے ہیں جس نے جماعت میں حاضر ہو کر نماز ادا کی ہو۔'' یہ روایت زیرِ مطالعہ حدیث کے مخالف و معارض نہیں کیونکہ یہ روایت اس شخص کے بارے میں ہے جو کوشش کر کے آتا ہے اور گھر سے ایک خاص حالت یعنی اچھی طرح وضو کر کے آتا ہے لیکن نماز نہیں پا سکا تو اسے پوری نماز کا ثواب ملے گا، زیرِ مطالعہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو آ کر نماز میں شامل ہو گیا تو ایک رکعت پانے سے وہ مدرکِ نماز شمار ہوگا۔ (ابو داود: 564، نسائی: 856، اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔ نیز دیکھیے ابوداود: 563) (4) جس نے امام کے ساتھ پوری رکعت پالی تو وہ امام کی جماعت والی نماز کا حکم حاصل کر لے گا اور اسے امام کے سجدۂ سہو میں شریک ہونا پڑے گا اور اگر مسافر ہے تو مقیم امام کی طرح چار رکعتیں پڑھے گا ...... لیکن یہ مفہوم بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ آدمی امام کے سلام پھیرنے سے پہلے پہلے اس کے ساتھ شامل ہو جائے تو خواہ اُسے پوری رکعت نہ بھی ملے اُسے امام کے ساتھ سجدۂ سہو وغیرہ کرنا پڑے گا، کیونکہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے: اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ ''یقیناً امام تو صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا تم اس سے اختلاف نہ کرو۔'' (صحیح مسلم: 414 نیز دیکھیے، صحیح بخاری: 378) اور فرمایا: اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْاِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْاِمَامُ ''جب تم میں سے کوئی نماز کو آئے اور امام کسی بھی حالت میں ہو تو اسے وہی کچھ کرنا چاہیے جو امام کر رہا ہو۔'' (ترمذی: 591، الصحیحة: 1188) (5) جس نے نمازِ جمعہ سے ایک رکعت پالی تو اس نے جمعہ کی نماز کا حکم پالیا۔ اب وہ صرف ایک رکعت ہی بعد میں ساتھ ملائے گا۔ جیسا کہ بعض روایات میں اس کی وضاحت ہے۔ (ابن ماجه: 1121۔ اس کی سند صحیح ہے) اور جس نے امام کے ساتھ جمعہ کی پوری رکعت نہ پائی تو وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد نمازِ ظہر کی نیت سے چار رکعات پڑھے گا، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے، لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام ابن حزم رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے ہاں اگر کوئی شخص امام کی کسی بھی نماز میں اس کے سلام پھیرنے سے پہلے پہلے شامل ہو جائے تو وہ امام کی ادا کی ہوئی نماز ہی کا حکم پا کر باقی ماندہ رکعات پوری کرے گا، کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے: فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا ''تو تم جو کچھ امام کے ساتھ پالو وہ پڑھ لو اور جو تم سے رہ گیا ہو وہ بعد میں

پورا کرلو۔''(بخاری: 635، مسلم:602)، رہی ابن ماجہ والی روایت جسے امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے دلیل بنایا ہے تو اس کی وضاحت آگے حدیث: 235 کے فائدہ میں دیکھیے۔(6) رکعت سے مراد رکوع ہو تو مفہوم یہ ہوگا کہ جس شخص نے امام کے ساتھ رکوع میں شرکت کرلی تو اس کی وہ رکعت شمار ہوجائے گی۔یعنی مُدرِکِ رکوع، مُدرِکِ رکعت شمار ہوگا، جیسا کہ جمہور، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ، شیخ ابن باز رحمہ اللہ، علامہ البانی رحمہ اللہ اور سعودی مجلسِ اِفتاء وغیرہ سب اسی کے قائل ہیں۔امام مالک رحمہ اللہ بھی چونکہ یہی موقف رکھتے ہیں اس لیے وہ اس حدیث پاک کے بعد اسی مفہوم کے موافق چند اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم ذکر کر رہے ہیں......لیکن امام بخاری رحمہ اللہ، شوکانی رحمہ اللہ، ابن حزم رحمہ اللہ اور اہل حدیث حضرات کے ہاں وہ رکعت شمار نہیں ہوتی جس میں سورۂ فاتحہ اور قیام نہ ہو کیونکہ فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ''جس کسی نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔''(بخاری: 756، مسلم: 344) اور چونکہ ہر ہر رکعت مستقل نماز کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اہل حدیث کا دعویٰ یہ ہے کہ کسی کی کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی۔(وَاللّٰه اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

[15] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ كَانَ يَقُولُ إِذَا فَاتَتْكَ الرَّكْعَةُ فَقَدْ فَاتَتْكَ السَّجْدَةُ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جب تجھ سے رکوع رہ جائے تو یقیناً تیرا سجدہ بھی رہ گیا۔

فائدہ: ......یعنی اگر امام کے ساتھ رکوع نہ مل سکا تو بعد میں خواہ سجدہ مل بھی جائے۔وہ سجدہ بھی کسی شمار میں نہ آئے گا اور تمھیں وہ رکعت دہرانا ہوگی، البتہ اگر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوگئے تو پھر وہ رکعت شمار ہوجائے گی۔اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف فتاویٰ جات مروی ہیں، بعض رکعت کو شمار کرتے ہیں اور بعض شمار نہیں کرتے اور اگر احادیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جائے تو ان کی روشنی میں سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی رکعت نہیں ہوتی۔واللہ اعلم

[16] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ كَانَا يَقُولَانِ مَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ السَّجْدَةَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم دونوں فرمایا کرتے تھے کہ جس نے رکوع پالیا تو اس نے سجدہ بھی پالیا۔

فائدہ: ......یعنی رکوع میں شمولیت سے پوری رکعت شمار ہوگی لیکن یہ روایت منقطع اور ضعیف ہے۔

---

[15] (موقوف صحیح) السنن الکبری للبیھقی: 296/2 (3620)، مصنف عبدالرزاق: 3361۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[16] (موقوف ضعیف) السنن الکبری للبیھقی: 90/2 (2582-580)، مصنف عبدالرزاق: 278/2 (3355)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے انقطاع کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[17] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ مَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ السَّجْدَةَ وَمَنْ فَاتَهُ قِرَاءَةُ أُمِّ الْقُرْآنِ فَقَدْ فَاتَهُ خَيْرٌ كَثِيرٌ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے رکوع پالیا تو اس نے سجدہ بھی پالیا اور جس شخص سے سورۂ فاتحہ کی قراءت رہ گئی تو یقیناً اس سے بہت ساری خیر و بھلائی رہ گئی۔

فائدہ :...... یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''جزء القراءۃ خلف الامام'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ نقل فرمایا ہے: اِذَا اَدْرَكْتَ الْقَوْمَ رُكُوعًا لَمْ يُعْتَدَّ بِتِلْكَ الرَّكْعَةِ ''جب تو لوگوں کو حالت رکوع میں پالے تو (پھر بھی) وہ رکعت شمار نہ کی جائے گی۔'' (نیل الاوطار: 40/2)

امام بخاری رحمہ اللہ اپنے اس رسالے میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو لوگ قراءت خلف الامام کے وجوب کے قائل ہیں اُن تمام کا یہی موقف ہے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے بھی اور امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: نیل الاوطار: 41/2، 42، المحلّی بالآثار: 274/2، الروضة الندية: 326/1.

4- بَابُ مَاجَاءَ فِي دُلُوْكِ الشَّمْسِ وَغَسَقِ اللَّيْلِ

دُلُوكِ شمْس (سورج کے ڈھلنے) اور غَسَقُ اللَّيْل (رات کے اندھیرے) کی تفسیر میں آنے والے اقوال کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو (2) موقوف روایات یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ذکر کی ہیں جن میں سے ایک قول ضعیف ہے۔

فائدہ :...... اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ اُس آیتِ مبارکہ کے متعلق کچھ تفسیری اقوال ذکر کر رہے ہیں جس میں بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ اوقاتِ نماز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، آیت یہ ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ (بنی اسرائیل 17:78) ''سورج ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کیجیے اور نمازِ فجر بھی۔'' اس آیت مبارکہ میں ''سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک'' میں چار نمازوں کی طرف اشارہ اور اکٹھا تذکرہ ہے، کیونکہ فجر کے علاوہ باقی چاروں نمازوں کے اوقات ایک دوسرے سے متصل ہیں، ایک نماز کا وقت ختم ہوتے ہی دوسری کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ نصف رات تک جاری رہتا ہے اور چونکہ نمازِ فجر کا وقت کسی دوسری نماز کے ساتھ متصل نہیں ہے، نہ پہلے اور نہ بعد میں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ بھی الگ فرمایا، اور پھر چونکہ یہ نماز لمبی قراءت کے ساتھ ممتاز ہے اس لیے اس نماز کا نام ہی قرآن (بمعنی

---

[17] (موقوف ضعیف) السنن الكبرى للبيهقى: 90/2 (2583)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔

قراءت) رکھ دیا اور ''صلاۃ الفجر'' کہنے کی بجائے ''قرآن الفجر'' کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔

[18] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ دُلُوكُ الشَّمْسِ مَيْلُهَا .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ (قرآنی الفاظ) ''دُلُوْكُ الشَّمْس'' سے مراد سورج کا ڈھلنا ہے۔

[19] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ قَالَ أَخْبَرَنِي مُخْبِرٌ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ دُلُوكُ الشَّمْسِ إِذَا فَاءَ الْفَيْءُ وَغَسَقُ اللَّيْلِ اجْتِمَاعُ اللَّيْلِ وَظُلْمَتُهُ .

داود بن حصین رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ کسی خبر دینے والے نے مجھے یہ خبر دی کہ یقیناً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: ''دُلُوْكُ الشَّمْسِ'' اُس وقت ہوتا ہے جب سایہ پلٹ آئے اور ''غَسَقُ الَّيْلِ'' سے مراد رات (کے اندھیروں) کا اکٹھا ہو جانا اور رات کی ظلمت و تاریکی ہے۔

فائدہ:...... جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز کا سایہ سورج کی مخالف سمت یعنی مغرب کی جانب ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ کم ہوتا چلا جاتا ہے اور جب سورج سر کے اوپر سے ہو کر مغرب کی جانب ڈھل جاتا ہے تو سایہ مشرق کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

5- بَابُ جَامِعِ الْوُقُوْتِ
وقتوں کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار (4) روایات ذکر کی ہیں جن میں سے ایک مرفوع یعنی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دو (2) موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم جبکہ ان میں سے ایک قول ضعیف ہے اور ایک مقطوع روایت ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چار (4) فتوے بھی موجود ہیں۔

---

[18] (موقوف صحيح) السنن الكبرى للبيهقى : 358/1، 364، (1678، 1704)، مصنف ابن ابى شيبة : 44/2، 45 (6272، 6277)، الاوسط لابن المنذر: 322/2۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور اس کی سند شیخین کی شرط پر ہے۔

[19] (موقوف ضعيف) السنن الكبرى للبيهقى : 358/1، 364، مصنف ابن ابى شبية : 44/2 (6271، 6773)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت موقوف ضعیف ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرنے والا راوی مجہول ہے۔ امام ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ وہ مجہول راوی دراصل ابن عباس رضی اللہ عنہما کا آزاد کردہ غلام عکرمہؒ ہی ہے۔ (الاستذکار: 271/1) اگر وہ راوی واقعی عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہو، تب بھی یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ داود بن حصین کی عکرمہ سے روایت منکر ہے۔

[20] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَمَالُهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کی نمازِ عصر فوت (قضا) ہوگئی تو گویا اس سے اس کے اہل وعیال اور مال و دولت لوٹ لیے گئے۔''

فائدہ: ......قرآن وحدیث میں نمازِ عصر کی بہت تاکید وارد ہوئی ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى﴾ (البقرة 2:238) ''تمام نمازوں پر پابندی کرو خصوصاً درمیانی نماز (نمازِ عصر) پر'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ''جس نے نمازِ عصر چھوڑ دی تو اس کے عمل ضائع ہوگئے۔'' (صحیح بخاری: 553) ......اگرچہ نمازِ عصر کا مکمل وقت تو سورج ڈوبنے تک باقی رہتا ہے لیکن اسے سورج زرد ہونے سے پہلے پہلے پڑھ لینا چاہیے، مجبوری پیش آجائے تو الگ بات ہے، فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے: تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ ...... ''یہ منافق کی نماز ہے کہ وہ بیٹھا رہتا ہے، سورج کو دیکھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان میں ہو جاتا ہے تو اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور نماز میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر تھوڑا سا۔'' (صحیح مسلم: 622) ......موطا کی روایت میں جو گھر بار اور مال لٹ جانے کا تذکرہ ہے اس کے مختلف مفہوم ہیں، مثلاً نمازِ عصر ترک کرنے سے اتنا عظیم نقصان ہوتا ہے جتنا کہ گھر بار لٹ جانے سے ہوتا ہے، اسے دنیا میں یا آخرت میں اتنا غم لاحق ہوگا جتنا گھر بار لٹنے سے ہوتا ہے، نیز نمازِ عصر ادا نہ کرنے کا وبال یہ بھی پڑتا ہے کہ نہ بیوی بچے آدمی کے قابو میں رہتے ہیں اور نہ مال میں برکت پڑتی ہے۔ واللہ اعلم

[21] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ فَلَقِيَ رَجُلًا لَمْ يَشْهَدِ الْعَصْرَ فَقَالَ عُمَرُ مَا حَبَسَكَ عَنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ فَذَكَرَ لَهُ الرَّجُلُ عُذْرًا فَقَالَ عُمَرُ طَفَّفْتَ.

حضرت یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نمازِ عصر پڑھ کر واپس لوٹے تو ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جو عصر (کی جماعت) میں حاضر نہ ہوا تھا، عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمھیں نمازِ عصر سے کس چیز نے روکے رکھا تھا، اُس آدمی نے ان کے سامنے کوئی عذر پیش

---

[20] صحيح البخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب اثم من فاتته العصر، حدیث: 552، صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب التغليظ فی تفويت صلاة العصر، حدیث: 626، ابوداود: 414، ترمذی: 175، ابن ماجه: 685.

[21] (موقوف ضعيف) التاريخ الكبير: 429/8۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا کہ یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں انقطاع ہے، یحییٰ بن سعید نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے کمی کردی ہے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : وَيُقَالُ لِكُلِّ شَيْءٍ وَفَاءٌ وَتَطْفِيفٌ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (عرب میں) کہا جاتا ہے کہ ہر چیز کے لیے ''وفاء'' (پوری ادائیگی) اور ''تطفیف'' (کمی کرنا) ہے۔

فائدہ :......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بیان کردہ عذر کو معقول یا شرعی عذر نہ جانا، اسی لیے فرمایا کہ تو نے کمی کردی یعنی اپنا ہی ثواب کم کرلیا یا اپنے اعمال کو ناقص بنالیا......امام مالک رحمہ اللہ اپنی وضاحت سے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ عام طور پر ''تطفیف'' کا لفظ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے مستعمل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴾ (المطففين 83:1) ''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے'' لیکن اہل عرب کے ہاں یہ لفظ اور اس کا متضاد یعنی ''وفاء'' دونوں ہر چیز کے لیے اُس کے مناسبِ حال مفہوم کو ملحوظ رکھ کر استعمال کیے جاتے ہیں۔ وفاء کے معنی کسی چیز کو پورا ادا کرنے اور تطفیف کے معنی کم کرنے اور گھٹانے کے ہیں، خواہ وہ چیز حسی ہو یا معنوی۔

[22] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ إِنَّ الْمُصَلِّيَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ وَمَا فَاتَهُ وَقْتُهَا وَلَمَا فَاتَهُ مِنْ وَقْتِهَا أَعْظَمُ أَوْ أَفْضَلُ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: بے شک نمازی کوئی نماز ادا کرتا ہے، اس حال میں کہ (ابھی) اس کا (مکمل) وقت نہیں گزرا ہوتا، لیکن جتنا وقت گزر چکا ہوتا ہے، وہ اس کے گھر والوں اور مال سے زیادہ عظیم اور افضل ہوتا ہے۔

فائدہ :......یعنی نماز کو اول وقت میں ادا کرلینا چاہیے، اگرچہ اوقاتِ نماز میں وسعت رکھی گئی ہے لیکن نماز کا ابتدائی وقت زیادہ فضیلت کا حامل ہوتا ہے اور جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے فضیلت میں کمی آتی رہتی ہے، لہٰذا آدمی کو بیوی بچوں اور مال و دولت میں الجھ کر اس عظمت وفضیلت سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ نیز اگر آدمی کسی فرض نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد اس میں تاخیر کا ارادہ کرے تو یہ اندیشہ موجود رہتا ہے کہ کہیں موت یا کوئی دوسرا حادثہ و آفت ادائیگی میں رکاوٹ نہ بن جائے ...... یاد رہے کہ یہ روایت ایک تابعیؒ کا قول ہے، اس مفہوم کی کچھ روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہیں جن کی سندوں میں کمزوری ہے، البتہ صحیح ترین روایات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ نمازِ ظہر کو تھوڑا سا مؤخر کرکے خصوصاً گرمیوں میں ذرا ٹھنڈے وقت میں پڑھنا اور نمازِ عشاء کو نصف رات تک جتنا ممکن ہو تاخیر سے پڑھنا افضل اور مستحسن ہے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : مَنْ أَدْرَكَ الْوَقْتَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص پر کسی نماز کا وقت اس

---

[22] (مقطوع صحيح) التمهيد لابن عبدالبر : 75/ 342,24/ 4 ، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

وَهُوَ فِي سَفَرٍ ، فَأَخَّرَ الصَّلَاةَ سَاهِياً أَوْ نَاسِياً ، حَتَّى قَدِمَ عَلَى أَهْلِهِ ، أَنَّهُ إِنْ كَانَ قَدِمَ عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ فِي الْوَقْتِ ، فَلْيُصَلِّ صَلَاةَ الْمُقِيمِ ، وَإِنْ كَانَ قَدْ قَدِمَ وَقَدْ ذَهَبَ الْوَقْتُ ، فَلْيُصَلِّ صَلَاةَ الْمُسَافِرِ ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَقْضِي مِثْلَ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ .

حالت میں آجائے کہ وہ سفر میں ہو لیکن غفلت سے یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے بھول کر نماز کو مؤخر کردے یہاں تک کہ اپنے گھر بار میں پہنچ جائے (حالتِ سفر سے حالتِ اقامت میں آجائے تو اس کی دو صورتیں ہیں) چنانچہ اگر تو وہ اس نماز کے وقت کے اندر اندر گھر میں آجائے تو وہ مقیم شخص (جو مسافر نہ ہو) جیسی نماز ادا کرے گا (اُسے چار رکعتی نماز میں قصر اور دوگانہ پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی بلکہ پوری چار رکعات فرض نماز ادا کرے گا) اور اگر وہ اس حال میں گھر پہنچا کہ وقتِ نماز (سفر کے دوران ہی) ختم ہو چکا تھا تو اب (وہ چونکہ قضا نماز پڑھے گا اس لیے) اُسے چاہیے کہ مسافر جیسی نماز پڑھے (یعنی قصر اور دوگانہ کی شکل میں صرف دو رکعات پڑھے) کیونکہ وہ بلاشبہ قضا اُسی چیز کی کرے گا جو (قضا ہوتے وقت) اس پر لازم ہوئی تھی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي مَنْ أَرَادَ سَفَرًا فَأَدْرَكَهُ الْوَقْتُ وَهُوَ فِي أَهْلِهِ ، قَالَ: فَإِنَّهُ إِذَا خَرَجَ وَهُوَ فِي الْوَقْتِ ، صَلَّى صَلَاةَ الْمُسَافِرِ ، وَإِذَا خَرَجَ وَقَدْ ذَهَبَ الْوَقْتُ ، وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى فِي أَهْلِهِ؛ فَلْيُصَلِّ صَلَاةَ الْحَاضِرِ؛ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَقْضِي عَلَى قَدَرِ مَا أُوْجِبَ عَلَيْهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال (گھر) میں موجود ہوا اور ارادۂ سفر کرلے اور نماز کا وقت ہوجائے۔ فرمایا کہ سفر کے لیے نکلتے وقت نماز وقت ہوگیا تو وہ مسافر کی نماز پڑھے گا اور جب وہ نکلے اور وقت گزر چکا ہو اور اس نے اپنے گھر میں نماز نہ پڑھی ہوتو وہ مقیم کی نماز پڑھے گا، کیونکہ وہ اسی چیز کی قضا دے گا جتنی اسی پر واجب ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا الأَمْرُ هُوَ الَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ النَّاسَ وَأَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ وہی حکم اور معاملہ ہے جس پر میں نے لوگوں (تابعینؒ اور تبع تابعینؒ) کو اور اپنے شہر (مدینہ منورہ) کے اہلِ علم حضرات کو (عمل کرتے ہوئے) پایا۔

وَقَالَ مَالِكٌ : الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ الَّتِي فِي الْمَغْرِبِ ، فَإِذَا ذَهَبَتِ الْحُمْرَةُ ، فَقَدْ وَجَبَتْ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَخَرَجْتَ مِنْ وَقْتِ الْمَغْرِبِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور) ''شفق'' سے مراد وہ سرخی ہے جو مغرب کی جانب (سورج ڈوبنے کے بعد پھیلی) ہوتی ہے، جب یہ سرخی ختم ہوجائے گی تو نمازِ عشاء واجب ہو جائے گی اور تم نمازِ مغرب کے وقت سے نکل جاؤ گے۔

[23] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَذَهَبَ عَقْلُهُ فَلَمْ يَقْضِ الصَّلَاةَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر غشی طاری ہوگئی جس سے ان کی عقل جاتی رہی (اور وہ بے ہوش ہوگئے)، چنانچہ انھوں نے اس (بے ہوشی کے وقت والی) نماز کی قضائی نہ دی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ فِيمَا نَرَى - وَاللّٰهُ أَعْلَمُ - أَنَّ الْوَقْتَ قَدْ ذَهَبَ، فَأَمَّا مَنْ أَفَاقَ وَهُوَ فِي الْوَقْتِ فَإِنَّهُ يُصَلِّي.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے خیال کے مطابق جبکہ (حقیقت حال سے اللہ ہی بخوبی واقف ہے) اس وجہ سے ہوا کہ (نماز کا پورا) وقت (بے ہوشی ہی میں) ختم ہوگیا تھا، رہا وہ شخص جسے نماز کے وقت ہی میں افاقہ ہو جائے تو یقیناً اسے وہ نماز پڑھنا ہوگی۔

6- بَاب اَلنَّوْمُ عَنِ الصَّلَاةِ

نماز سے سوئے رہ جانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام صاحب نے دو (2) مرفوع روایات یعنی احادیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ذکر کی ہیں۔

[24] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حِينَ قَفَلَ مِنْ خَيْبَرَ أَسْرَى حَتَّى إِذَا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ: ((اكْلَأْ لَنَا الصُّبْحَ)). وَنَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَصْحَابُهُ وَكَلَأَ بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهُ ثُمَّ اسْتَنَدَ إِلَى رَاحِلَتِهِ وَهُوَ مُقَابِلُ الْفَجْرِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے (جسے وہ دیگر کتب احادیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں) کہ بلاشبہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر سے واپس لوٹے تو (ایک رات) چلتے ہی رہے، حتیٰ کہ جب رات کے آخری حصے میں داخل ہوئے (اور نیند غلبہ پانے لگی) تو پڑاؤ ڈال دیا اور بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ہمارے لیے صبح کی نماز کا خیال رکھنا'' اور (پھر) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے

---

[23] (موقوف صحیح) مصنف عبدالرزاق: 479/2، 480 (4152، 4153، 4158)، سنن الدارقطنی: 81/2، 82، (1843، 1844)، السنن الکبری للبیهقی: 387/1، معرفة السنن والآثار: 418/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

[24] صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها، حديث:680، سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب فی من نام عن صلاة او نسيها، حديث: 435,436، ترمذی: 3163، ابن ماجه: 697، مسند الشافعی: 156/1، شرح السنة للبغوی: 304/2، معرفة السنن والآثار للبيهقی: 84/2، مصنف عبدالرزاق: 3/ 2

رَسُولُ اللّٰـهِ ﷺ وَلَا بِلَالٌ وَلَا أَحَدٌ مِنَ الرَّكْبِ حَتَّى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَفَزِعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ بِلَالٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَ بِنَفْسِكَ . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اقْتَادُوا . فَبَعَثُوا رَوَاحِلَهُمْ وَاقْتَادُوا شَيْئًا ثُمَّ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِلَالاً فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى بِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الصُّبْحَ ثُمَّ قَالَ حِينَ قَضَى الصَّلَاةَ مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾

صحابہ رضی اللہ عنہم سو گئے اور (اِدھر) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اتنی دیر تک خیال رکھتے رہے (اور جاگتے رہے) جتنا اُن کے لیے (اللہ کی جانب سے) مقدر کیا گیا تھا، پھر انھوں نے اپنی اونٹنی کے ساتھ ٹیک لگا لی اور فجر (پو پھوٹنے کے مقام یعنی مشرق) کی طرف منہ کر لیا لیکن اُن کی آنکھوں نے اُن پر غلبہ پالیا (اور وہ بھی سو گئے)، چنانچہ (وقت پر) نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو سکے، نہ بلال رضی اللہ عنہ اور نہ ہی قافلے کا کوئی اور فرد اُٹھ سکا، یہاں تک کہ اُن پر دھوپ پڑنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سب سے پہلے بیدار ہوئے اور) چونک اٹھے، پھر فرمایا: ''اے بلال! یہ کیا (کردیا) ہے؟'' تو بلال رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! میری جان کو اسی (اللہ) نے (نیند کے ذریعے) پکڑ لیا تھا جس نے آپ کی جان کو پکڑے رکھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(یہاں سے) کوچ کر جاؤ (اور سواریوں کو ہانک لے چلو)'' تو انھوں (یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے اپنی سواریوں کو اٹھایا اور تھوڑی دور تک چلایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اذان کہلوائی، وضو کیا، دو سنتیں ادا فرمائیں، پھر) بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انھوں نے اقامت کہی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صبح کی نماز پڑھائی، پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''جو شخص بھی نماز کو بھول جائے تو جب اُسے وہ نماز یاد آئے تو (فوراً) اُسے ادا کر لے، کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ''نماز کو میری یاد کے لیے قائم کیجیے۔''

فائدہ: ...... یہ واقعہ غزوۂ خیبر سے واپسی پر پیش آیا اور صحیح مسلم میں یہ وضاحت موجود ہے کہ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوَّلَهُمُ اسْتِيْقَاظًا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں سب سے پہلے جاگے۔'' (مسلم: 680) مذکورہ حدیث مبارکہ کے اخیر میں آیت ﴿اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ﴾ (طٰہٰ 20:14) سے استدلال کیا گیا ہے، جو اس آیت کی جامعیت، مختلف پہلوؤں اور معانی پر مشتمل ہونے کی بنا پر ہے۔ آیت کا عام مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ فرما رہے ہیں: میری یاد اور میرا ذکر قائم کرنے کے لیے نماز قائم کیجیے، کیونکہ ذکرِ الٰہی کی اعلیٰ ترین صورت نماز ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استدلال لغوی معنی اور محذوف عبارت کے لحاظ سے ہے یعنی اَقِمِ الصَّلَاةَ لِوَقْتِ ذِكْرِ صَلَاتِيْ (نماز کو اس وقت قائم کرو جب میری نماز تمھیں یاد آئے)...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ ''یقیناً میری آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔'' (بخاری: 114، مسلم: 738) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مقدس اور مذکورہ بالا واقعہ کو سامنے رکھیں تو یہ تطبیق اور نتیجہ سامنے آتے ہیں کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نہیں سوتا تھا اس لیے جسمِ

اطہر کے ساتھ پیش آنے والے معاملات مثلاً ہوا کا خارج ہونا، تکلیف پہنچنا، خواب یاد رہنا وغیرہ کا آپ ﷺ کو مکمل شعور رہتا تھا، لیکن وہ معاملات جو جسم مبارک سے ہٹ کر تھے اور آنکھ کے ساتھ دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے مثلاً سورج کا نکلنا، رات کا ختم ہونا، وقت کا گزرنا وغیرہ تو ان کو آپ ﷺ کا قلب مبارک محسوس نہیں کرتا تھا، اسی لیے نیند کی بنا پر آپ ﷺ کی نماز قضا ہوگئی۔ واللہ اعلم بالصواب

[25] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّهُ قَالَ عَرَّسَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً بِطَرِيقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالًا أَنْ يُوقِظَهُمْ لِلصَّلَاةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَرَقَدُوا حَتَّى اسْتَيْقَظُوا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ وَقَدْ فَزِعُوا فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَرْكَبُوا حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْ ذَلِكَ الْوَادِي وَقَالَ: إِنَّ هَذَا وَادٍ بِهِ شَيْطَانٌ . فَرَكِبُوا حَتَّى خَرَجُوا مِنْ ذَلِكَ الْوَادِي ثُمَّ أَمَرَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَنْزِلُوا وَأَنْ يَتَوَضَّئُوا وَأَمَرَ بِلَالًا أَنْ يُنَادِيَ بِالصَّلَاةِ أَوْ يُقِيمَ فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَيْهِمْ وَقَدْ رَأَى مِنْ فَزَعِهِمْ فَقَالَ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ أَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا إِلَيْنَا فِي حِينٍ غَيْرِ هَذَا فَإِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا ثُمَّ فَزِعَ إِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيهَا فِي وَقْتِهَا . ثُمَّ الْتَفَتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ أَتَى بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے (اور وہ دیگر کتب حدیث کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں) کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے راستے پر ایک رات پڑاؤ ڈالا اور بلال رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لگائی کہ وہ آپ ﷺ کو نماز کے لیے جگائیں گے، (لیکن ہوا یوں کہ) پھر بلال رضی اللہ عنہ بھی سوگئے اور وہ سب (اہلِ قافلہ) بھی سوئے رہے، یہاں تک کہ جب وہ بیدار ہوئے تو سورج ان پر طلوع ہو چکا تھا، چنانچہ لوگ اس حال میں نیند سے جاگے کہ وہ (نماز قضا ہوجانے کی وجہ سے) گھبرائے ہوئے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ سوار ہو جائیں (اور چل پڑیں) یہاں تک کہ اس وادی سے نکل جائیں اور فرمایا: ''یقیناً یہ ایسی وادی ہے جس میں شیطان ہے۔'' چنانچہ لوگ سوار ہوئے یہاں تک کہ وہ اس وادی سے نکل گئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم فرمایا کہ (سواریوں سے) اُتر پڑیں اور وضو کرلیں اور بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ نماز کے لیے اذان دیں یا تکبیر (اقامت) کہنے کا حکم دیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر آپ ﷺ (نماز سے فارغ ہو کر اپنا رُخ مبارک موڑتے

[25] (حَسَن لِغَيْرِهِ) التمهيد لابن عبدالبر: 204/5، الاستذكار لابن عبدالبر: 330/1، معرفة السنن والآثار للبيهقي: 87/2، دلائل النبوة للبيهقي: 273/4، 274۔ شیخ سلیم ہلالی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے مرسل صحیح کہا ہے۔ (المشكاة للالبانی: 657)

فَـأَضْـجَـعَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُهَدِّئُهُ كَمَا يُهَدَّأُ الصَّبِيُّ حَتّٰـى نَـامَ . ثُـمَّ دَعَـا رَسُولُ اللّٰـهِ ﷺ بِلَالاً فَأَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مِثْلَ الَّذِي أَخْبَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَبَـا بَكْرٍ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ .

ہوئے) اُن کی طرف پھرے تو ان کی گھبراہٹ کو دیکھا، پھر (اُن کی تسلی کے لیے) فرمایا: ''اے لوگو! بے شک اللہ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور اگر وہ چاہتا تو اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں بھی لوٹا سکتا تھا، لہٰذا جب تم میں سے کوئی نماز سے سویا رہ جائے یا اُسے بھول جائے، پھر اس کی طرف گھبرا کر اُٹھے تو اُسے چاہیے کہ اس نماز کو اسی طرح ہی پڑھے جس طرح کہ وقت میں پڑھا کرتا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: '' یقیناً شیطان بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس حال میں کہ وہ نماز میں کھڑے تھے، پھر (اُس نے نیند کا غلبہ ڈال کر) انھیں لٹا دیا، پھر مسلسل ان کو یوں تھپکیاں دیتا رہا جس طرح بچے کو تھپکایا جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ سو گئے۔ (ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ حقیقت بتا کر پھر خود) بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بلا لیا، تو بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو بالکل اسی طرح خبر سنائی جس طرح رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر سنا چکے تھے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

فائدہ: ...... یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا کہ بلال رضی اللہ عنہ کے بتانے سے پہلے ہو بہو صورتحال سنا دی جو اس بات کی دلیل ہے کہ عرش والی ذات نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اس سے مطلع فرما دیا تھا، اس طرح کے واقعات علامات نبوت میں سے شمار ہوتے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسالتِ پیغمبر ﷺ کا تو بہت پہلے سے کامل یقین تھا لیکن یہ تازہ معجزہ دیکھ کر انھوں نے پھر ایک مرتبہ رسالت کی گواہی دی تاکہ اُن کے ایمان میں مزید اضافہ، پختگی اور تازگی شامل ہو جائے۔

اس حدیث مبارکہ کے ابتدائی الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کے راستے میں پیش آیا، جس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث اور گزشتہ حدیث الگ الگ واقعات کے متعلق ہیں کیونکہ مکہ اور خیبر دونوں مدینہ منورہ سے بالکل الگ الگ سمتوں میں واقع ہیں، چنانچہ مکہ تو مدینہ سے جنوب کی طرف ہے جبکہ خیبر شمال کی جانب ہے۔

تیسرا واقعہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ (بخاری: 344، مسلم: 682) اس روایت کے مطابق پورا لشکر سویا رہا، اس واقعے میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جاگے، عمر رضی اللہ عنہ چوتھے نمبر پر جاگے اور انھوں نے بلند آواز سے تکبیر کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو جگایا، اس واقعے کے الگ ہونے کی اہم دلیل طبرانی کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ اس میں جگانے کی ذمہ داری ذو مخبر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ (زرقانی)

چوتھا واقعہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ (بخاری: 595,7471، مسلم: 681) اس موقع پر صرف سات افراد کی نماز قضا ہوئی جن میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے۔ نیز حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ان میں شامل نہیں تھے...... بعض قرائن سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری دونوں واقعات ایک ہی سفر میں پیش آئے لیکن سفر

کی تعیین منقول نہیں، ممکن ہے کہ سفر تبوک ہو۔ (واللہ اعلم)

7- بَاب: اَلنَّهْيُ عَنِ الصَّلَاةِ بِالْهَاجِرَةِ

ٹھیک دوپہر (نصف النہار) کے وقت نماز کی ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام صاحب نے تین (3) مرفوع روایات یعنی احادیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ذکر کی ہیں۔

[26] حَدَّثَنِي يَحْيَى : عَنْ مَالِكٍ : عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ . وَقَالَ اشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ يَا رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا . فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ فِي كُلِّ عَامٍ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ .

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے، لہٰذا جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو (کچھ تاخیر کے ساتھ ذرا) ٹھنڈے وقت میں ادا کرو۔'' اور فرمایا: ''آگ نے اپنے رب کے حضور شکوہ کیا اور کہا کہ اے میرے رب! میرے بعض حصے نے بعض کو کھا لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اُسے ہر سال دو سانس لینے کی اجازت دے دی، ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں۔''

فائدہ: ...... جو اللہ دوسری مخلوقات کو قوت گویائی دینے پر قادر ہے، یقیناً اُس نے جہنم کو بھی کلام کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی، جہنم کی آگ کے ایک دوسرے کو کھانے سے مراد یہ ہے کہ وہ آپس میں گڈ مڈ ہو چکی ہے اور جو حصہ نسبتاً زیادہ سخت گرم اور تیز ہے وہ آگ کے دوسرے حصوں پر غالب آ گیا ہے۔

[27] وَحَدَّثَنَا مَالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ مَوْلَى الأَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرو کیونکہ بلاشبہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش مارنے کی وجہ سے ہے۔'' اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''بے شک آگ نے اپنے رب کی طرف شکایت کی تو اُس نے اُسے

[26] (صحيح لغيره) التمهيد لابن عبدالبر : 1/ 5- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے، علامہ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (صحيح الجامع الصغير : 441)

[27] صحيح البخاری، کتاب مواقيت الصلاة ، باب الابراد بالظهر فی شدة الحر ، حديث: 536، 537، 3260، صحيح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة ، باب استحباب الابراد بالظهر فی شدة الحر ، حديث: 617، ابوداود: 402، ترمذی: 157، 2592، نسائی : 501۔

شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ . وَذَكَرَ أَنَّ النَّارَ اشْتَكَتْ إِلَى رَبِّهَا فَأَذِنَ لَهَا فِي كُلِّ عَامٍ بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ .

ہر سال دو سانس لینے کی اجازت مرحمت فرما دی، ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں۔''

فائدہ :...... ان احادیثِ مبارکہ میں نماز سے مراد نمازِ ظہر ہے اور نماز کو ٹھنڈا کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ اُسے عصر تک یا اُس سے بھی مؤخر کر دیا جائے، بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ گرمی کا زور ٹوٹ جائے، چنانچہ جب سورج عین سر کے برابر پہنچتا ہے تو اس کی حرارت وتمازت نقطۂ عروج پر ہوتی ہے، پھر جیسے ہی وہ ڈھلتا ہے تو اس کی گرمی وتپش میں فوراً کمی شروع ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح کہ جیسے دودھ دیگچی میں اُبلتا اُبلتا جب باہر گرنے لگتا ہے تو وہ مکمل طور پر شدید گرم ہو چکا ہوتا ہے اور آپ کے چولہا بند کرنے سے وہ بھی فوراً اُبلنا بند کر دیتا ہے کیونکہ اس کی حرارت میں کمی آنا شروع ہو جاتی ہے، اگر چہ وہ اس حالت میں ہم سے پیا نہیں جاتا لیکن وہ لمحہ بہ لمحہ ٹھنڈا ہونا شروع ہو چکا ہوتا ہے...... بعض روایات میں ان دونوں سانسوں کے تذکرے کے بعد یہ الفاظ بھی مروی ہیں: فَهُوَ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ ''تو یہ (سانس) وہ سخت ترین گرمی ہے جو تم (گرمیوں میں) محسوس کرتے ہو اور وہ سخت ترین سردی ہے جو تم (سردیوں میں) محسوس کرتے ہو۔'' (بخاری: 537، مسلم: 617)...... دونوں سانسوں کی کیفیت میں راجح قول یہ ہے کہ جہنم گرمی وسردی میں ایک ایک گرم اور سرد سانس باہر نکالتی ہے، کیونکہ جہنم میں دونوں قسم کا عذاب ہے، سخت گرم بھی اور سخت سرد بھی، دوسرا قول یہ ہے کہ جہنم گرمیوں میں سانس باہر خارج کرتی ہے اور سردیوں میں اندر کھینچتی ہے۔ واللہ اعلم ...... یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات ایک ہی چیز کی تخلیق اور اظہار کے لیے مختلف قسم کے اسباب کو جمع فرما دیتے ہیں لہٰذا گرمی کی شدت کے لیے زمین کا سورج کے ذرا قریب ہو جانا اور اُدھر جہنم کا گرم سانس خارج کر دینا سبب بنا دیے گئے ہیں جس طرح کہ زمین کی سورج سے دوری اور جہنم کا ٹھنڈا سانس سردی کی شدت کے اسباب ہیں۔

[28] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرو کیونکہ شدتِ حرارت جہنم کے جوش سے ہے۔''

فائدہ :...... اس باب کی احادیث سے امام مالک رحمہ اللہ عنوان میں بیان کردہ مسئلے کی طرف اشارہ کر رہے

[28] صحيح البخاری ، كتاب مواقيت الصلاة ، باب الابراد بالظهر فی شدة الحر ، حديث : 533 ، صحيح مسلم ، كتاب المساجد و مواضع الصلاة ، باب استحباب الابراد بالظهر فی شدة الحر ، حديث : 615

ہیں کہ جب زوالِ آفتاب کے بعد بھی کچھ تاخیر سے نماز پڑھنے کا حکم ہے تو دن کے عین درمیان میں جب گرمی کا مکمل عروج ہو، نماز ادا نہیں کرنا چاہیے۔ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے: (1) جب سورج طلوع ہو رہا ہو (2) جب سورج غروب ہو رہا ہو کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان میں طلوع اور غروب ہوتا ہے (یعنی ان دونوں اوقات میں شیطان سورج کے آگے کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ جو لوگ اس کے ورغلانے سے سورج کی پوجا کریں تو اُن کا سجدہ وغیرہ سورج کی بجائے خود شیطان کی طرف ہو) اور (ان دونوں اوقات میں نماز کی ممانعت کا سبب کفار کی مشابہت ہے، فرمانِ نبوی ہے:) وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ''اور اس وقت (سورج کی پوجا کرنے والے) کافر اُسے سجدہ کر رہے ہوتے ہیں۔'' (3) دن کے عین درمیان میں اس وقت جہنم کو بھڑکایا جا رہا ہوتا ہے۔'' (صحیح مسلم: 832) (4) نمازِ فجر کے بعد سے لے کر طلوعِ آفتاب تک اور (5) نمازِ عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ...... پہلے تین اوقات میں کوئی بھی نماز شروع کرنا ممنوع ہے لیکن آخری دونوں اوقات میں قضا ہونے والی فرض نمازیں اور بعض پیش آمدہ اسباب کی بنا پر بعض نفلی نمازیں پڑھنے کی گنجائش ہے۔

8- بَاب: اَلنَّهْيُ عَنْ دُخُوْلِ الْمَسْجِدِ بِرِيْحِ الثَّوْمِ وَتَغْطِيَةِ الْفَمِ فِي الصَّلَاةِ

لہسن کی بُو کے ساتھ مسجد میں داخل ہونے سے ممانعت کا بیان اور نماز میں منہ ڈھانپنے سے ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام صاحب نے دو (2) روایات ذکر کی ہیں جن میں ایک مرفوع یعنی حدیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ایک مقطوع یعنی تابعی کا فتویٰ ہے۔

[29] حَدَّثَنِيْ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرُبْ مَسَاجِدَنَا يُؤْذِيْنَنَا بِرِيْحِ الثَّوْمِ.

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے اس درخت (یعنی لہسن) میں سے (کچا ہی) کھا لیا تو وہ ہماری مسجدوں کے قریب بھی نہ آئے کہ وہ ہمیں لہسن کی بدبو سے اذیت دے۔''

فائدہ : ...... کچا لہسن، کچا پیاز نیز ہر بدبو دار مہک والی چیز مثلاً مولی، گندنا، اور سگریٹ، حقہ وغیرہ استعمال کر کے مسجد میں آنا ممنوع ہے، کیونکہ مساجد فرشتوں کی آماجگاہ ہوتی ہیں اور فرشتوں کو بدبو سے سخت نفرت ہے، نیز نمازیوں کو بھی ان کی مہک سے تکلیف پہنچتی ہے۔ (صحیح مسلم: 564) اس لیے عام معمول میں بھی ان چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے، البتہ اگر پکا کر (یا کسی اور طریقے سے) ان کی بدبو کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے تو پھر انھیں کھانے کی

---

[29] صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب نهى من اكل ثوما او بصلا او كراثا، حديث: 563، سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات و السنة فيها، باب من اكل الثوم فلايقربن المسجد، حديث: 1015، مسند احمد: 264/2، 266، 429.

اجازت ہے۔(ابو داود: 3827 اس کی سند صحیح ہے)

[30] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْمُجَبَّرِ أَنَّهُ كَانَ يَرَى سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ إِذَا رَأَى الإِنْسَانَ يُغَطِّي فَاهُ وَهُوَ يُصَلِّي جَبَذَ الثَّوْبَ عَنْ فِيهِ جَبْذًا شَدِيدًا حَتَّى يَنْزِعَهُ عَنْ فِيهِ .

عبدالرحمٰن بن مجبر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ اپنے منہ کو ڈھانپ کر نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اس کے منہ سے سختی کے ساتھ کپڑا کھینچ لیتے یہاں تک کہ وہ کپڑے کو اس کے منہ سے اُتار دیتے۔

فائدہ: ......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلَاةِ وَاَنْ يُغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ ''یقیناً رسول اللہ ﷺ نے نماز میں کپڑا لٹکانے سے اور اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنے منہ کو ڈھانپ کر رکھے۔'' (ابو داؤد: 643۔اس کی سند حسن ہے)

یہ ڈھانپنا خواہ ہاتھ سے ہو یا کپڑے سے، دونوں طرح ہی منع ہے، کیونکہ منہ کو ہاتھ سے ڈھانپا جائے تو نماز میں ہاتھوں کے رکھنے کے حوالے سے سنتِ نبویہ کا ترک لازم آئے گا اور اگر منہ کو کپڑے سے ڈھانپا جائے تو مجوسیوں سے مشابہت لازم آتی ہے جو بوقت عبادت منہ ڈھانپ لیتے ہیں، البتہ جمائی آجائے تو ہاتھ سے منہ کو ڈھانپنا مستثنیٰ ہے۔
(صحيح مسلم: 2995)

---

[30] (مقطوع صحيح) مصنف ابن ابی شيبة : 131/2 (7300) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

2

كِتَابُ الطَّهَارَةِ

طہارت (کے مسائل) کی کتاب

"طھارۃ" کا لغوی معنی "میل صاف ہونے" نجاست سے پاک ہونے اور ہر عیب دار قول وفعل سے بری ہونے کا نام ہے۔

اصطلاحِ شریعت میں حدثِ اصغر (بے وضو ہونے) کے بعد وضو کرنے اور حدثِ اکبر "جنبی ہونے" کے بعد غسل کرنے کو "طھارۃ" کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ طہارت پانی سے کی جائے گی، نہ ملنے کی صورت میں مٹی سے۔

اسلام طہارت و نظافت اور صفائی وستھرائی کا دین ہے۔ اس میں پیروکاروں کو نجاست اور گندگی سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر اور امت کے ہادی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صفائی وستھرائی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ٥ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ٥﴾ (المدثر: 4، 5) "(اے نبی!) اپنے کپڑے صاف رکھیے اور گندگی سے دور رہیے۔" بایں ہمہ نبی کریم ﷺ کے گھرانے کو بھی ہر اس قول وفعل سے مکمل طور پر پاک صاف کیا جس سے روح کی بالیدگی متاثر ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: 33) "اللہ تو چاہتا ہے کہ تم سے یعنی نبی کے گھرانے والوں سے گندگی کو دور کردے اور تمھیں اچھی طرح پاک صاف کردے۔"

اس طہارت کی تعلیم کے سائے میں پرورش پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف وتوصیف خود اللہ عزوجل نے بیان کی ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾ (التوبۃ: 108) "اس (مسجد قباء) میں ایسے لوگ (نماز پڑھتے) ہیں جو طہارت کو بہت پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ طہارت کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" یہ آیت کریمہ اہل قباء کی شان میں نازل ہوئی جو قضائے حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے تھے اور جنابت کے بعد غسل کرتے تھے۔

اسلام کے اسی نظام طہارت کی شان واہمیت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَلطُّهُوْرُ

شَطْرُ الْإِيْمَانِ)) (صحیح مسلم، کتاب الطهارة، رقم: 223) ''صفائی نصف ایمان ہے۔'' دنیاوی معاملات کی بہ نسبت دینی امور زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور دینی معاملات میں سے اہم ترین ستون نماز ہے اور طہارت نماز میں بنیادی شرط ہے۔اسی وجہ سے مؤلف رحمہ اللہ نے كِتَابُ الصلاة سے پہلے كتاب الطهارة کا ذکر کیا ہے۔

خلاصة الكتاب اس کتاب میں بتیس (32) ابواب اور ایک سو چودہ (114) روایات ہیں، جن میں سے اڑتالیس (48) مرفوع یعنی احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم، سینتالیس (47) یعنی موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور انیس (19) مقطوع یعنی فتاویٰ تابعین رحمہم اللہ ہیں، ایک روایت (107) کے متعلق شک ہے کہ وہ مرفوع ہے یا موقوف۔ان میں سے ایک صد تین (103) صحیح اور حسن درجہ کی ہیں جب کہ گیارہ روایات ضعیف ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چونتیس (34) فتاویٰ جات مذکورہ ہیں۔

1- بَاب: اَلْعَمَلُ فِي الْوُضُوْءِ

وضو کے طریقے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں امام صاحب نے پانچ (5) روایات ذکر کی ہیں ان میں سے چار (4) مرفوع یعنی احادیث پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور ایک موقوف یعنی صحابی کا قول ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک کے تین (3) عدد فتوے بھی ذکر کیے ہیں۔

[31] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُرِيَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ نَعَمْ . فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدِهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ

عمرو بن یحییٰ مازنی رحمہ اللہ اپنے والد (یحییٰ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر) عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے، جو عمرو بن یحییٰ مازنی رحمہ اللہ کے دادا ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، (اُن سے یحییٰ نے) کہا: کیا آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمایا کرتے تھے؟ تو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں، چنانچہ انھوں نے وضو کا پانی منگوایا، پھر اُسے اپنے ہاتھوں پر انڈیلا اور (ہاتھ میں پانی لے کر) دونوں ہاتھوں کو دو دو بار دھویا، پھر تین بار کلی

[31] صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب مسح الرأس كله ، 185,186,191,192,197,199 ، صحيح مسلم، كتاب الطهارة ، باب آخر في صفة الوضوء ، حديث: 235، 236، ابوداود: 120-118 ، ترمذي: 35، 47، نسائي: 97، 98.

مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ إِلَى الْمِرْفَقَیْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِیَدَیْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ .

کی اور ناک میں پانی ڈال کر اُسے جھاڑا، پھر تین بار چہرہ دھویا، پھر دو دو بار دونوں ہاتھوں کو (یعنی بازوؤں کو) کہنیوں سمیت دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا (ایک بار) مسح کیا، اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے لے گئے اور پیچھے سے آگے لے آئے (یعنی) اپنے سر کے اگلے حصے سے مسح شروع کیا، پھر دونوں ہاتھوں کو اپنی گدّی تک لے گئے، پھر ان دونوں کو (سر پر پھیرتے ہوئے) واپس لوٹایا، یہاں تک کہ اُسی جگہ تک لوٹ آئے جہاں سے (مسح کا) آغاز کیا تھا، پھر انھوں نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

فائدہ :......اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کو عمرو بن یحییٰ کا دادا یا نانا قرار دینا وہم اور غلطی ہے جو موطا کو روایت کرنے والوں میں سے کسی سے صادر ہوئی ہے، صحیح بخاری اور دوسری کتب حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کے پاس عمرو بن یحییٰ کے والد (یحییٰ بن عمارہ بن ابی الحسن رحمہ اللہ)، والد کے چچا (عمرو بن ابی الحسن رحمہ اللہ) اور والد کے دادا (ابوالحسن رحمہ اللہ) سب موجود تھے، سب نے مل کر مسائل پوچھے، اُن میں سے عمرو بن ابی الحسن رحمہ اللہ نے وضو کا مسئلہ پوچھا تھا...... یاد رہے کہ صحیح بخاری کی اسی روایت (191) میں بڑی وضاحت سے یہ الفاظ موجود ہیں: مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفَّةٍ وَّاحِدَةً ''ایک ہی ہتھیلی سے کلی بھی کی اور ناک میں پانی بھی چڑھایا، یعنی آدھا چلو کلی کے لیے اور باقی آدھا ناک کے لیے استعمال کیا اور اگلی روایت اس سے بھی واضح ہے کہ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غَرَفَاتٍ مِنْ مَّاءٍ'' انھوں نے تین بار کلی کی، ناک میں پانی چڑھایا اور جھاڑا اور یہ تینوں کام پانی کے صرف تین چلوؤں سے کیے۔ (بخاری : 192) الغرض کلی اور ناک کی صفائی ایک ہی چلو سے اکٹھے کرنا راجح ہے۔ زیادہ تر روایات میں ایک چلو کے ساتھ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کا ذکر آ رہا ہے، ایک روایت میں کلی اور ناک کے لیے الگ الگ پانی لینے کا ذکر بھی ہے (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمة : 1410) اس لیے یہ کہنا مناسب ہے کہ دونوں طرح جائز ہے۔

[32] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی ناک میں پانی ڈالے، پھر اسے جھاڑ کر صاف کرے اور جو

[32] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب الاستجمار وترًا، حدیث: 162، صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الایتار فی الاستنثار والاستجمار، حدیث:20/ 237، ابوداود: 140، نسائی : 86، احمد : 236/2، 242، 254، دارمی: 703.

أَنْفِهِ مَاءً ثُمَّ لِيَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ)) .

شخص ڈھیلوں سے استنجا کرے تو اسے چاہیے کہ طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرے۔''

[33] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص وضو کرے تو ناک میں پانی ڈال کر اُسے جھاڑے اور جو ڈھیلوں سے استنجا کرے تو طاق تعداد میں استعمال کرے۔''

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الرَّجُلِ يَتَمَضْمَضُ وَيَسْتَنْثِرُ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ : إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ اُس شخص کے بارے میں جو ایک ہی چلو سے کلی بھی کرتا ہے اور ناک میں بھی پانی ڈال کر صاف کرتا ہے، فرماتے ہیں: یقیناً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: ......حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نَهَانَا اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' (صحیح مسلم: 262) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: كَانَ يَأْمُرُ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین ڈھیلوں کے ساتھ استنجا کرنے کا حکم فرماتے تھے۔'' (ابوداؤد: 8، نسائی: 40، ابن ماجه: 313۔ اس کی سند حسن ہے) ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ استنجا کرتے وقت طاق تعداد میں ڈھیلے استعمال کرنا زیادہ محبوب و مستحسن ہے، کم از کم تعداد تین ہو، اس سے اوپر جتنے ڈھیلے بھی استعمال کر لیے جائیں، درست ہیں لیکن تعداد طاق ہو۔ (حدیث صاف اور واضح ہے کہ مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ (بخاری: 161، مسلم: 237) جو استنجاء کے لئے ڈھیلے استعمال کرے وہ طاق کرے۔ امر اصل میں وجوب کے لیے ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ صارفہ ہو لیکن ایسی کوئی صحیح یا حسن قابل حجت روایت نہیں ہے اس لیے ڈھیلے کم از کم تین ہوں گے جیسے فائدہ کے تحت پہلی حدیث مذکورہ ہے اور طاق ہوں گے)۔

[34] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ قَدْ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ مَاتَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ يَا عَبْدَ

امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے، اُن کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اُس دن (اپنی ہمشیرہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، جس دن کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے وفات پائی، (وہاں)

[33] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب الاستنثار فی الوضوء، حدیث: 161، صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الایتار فی الاستنثار والاستجمار، حدیث: 22/ 237، نسائی: 88، ابن ماجه: 409

[34] صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب وجوب غسل الرجلین بکمالهما، حدیث: 240، ابن ماجه: 451,452، مسند احمد: 40/6، 81، 84، 99۔

الرَّحْمَنِ أَسْبِغِ الْوُضُوءَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ ((وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ)).

انھوں نے وضو کا پانی منگوایا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: اے عبدالرحمٰن! اچھی طرح وضو کو مکمل کرو، کیونکہ بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''ایڑیوں کے لیے آگ سے ہلاکت ہے۔''

فائدہ :......یعنی اگر ایڑیاں خشک رہ جائیں تو اُن کو جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا، اندازہ کیجیے کہ یہ اُن لوگوں کی سزا ہے جو نماز کے لیے وضو کرتے ہیں لیکن وضو میں کمی کر بیٹھتے ہیں، تو جو لوگ سرے سے ہی نماز اور وضو کے قریب بھی نہیں جاتے اُن کا کیا حال ہوگا، بہرحال تمام اعضائے وضو کا حکم بھی ایڑیوں جیسا ہی ہے، ان کا خاص تذکرہ صرف اس لیے کیا گیا کہ ان کے دھونے میں زیادہ کوتاہی برتی جاتی ہے۔ نیز یہ حدیث اس بارے میں نص ہے کہ وضو کرتے وقت اگر باوضو حالت میں پہنے ہوئے موزے یا جرابیں پاؤں پر پہنی ہوئی نہ ہوں تو مکمل پاؤں کو دھونا لازم ہے، ننگے پاؤں کا مسح قطعاً جائز نہیں اور شیعہ کا ننگے پاؤں پر مسح کرنا باعث جہنم ہے۔

[35] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَحْلَاءَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَتَوَضَّأُ بِالْمَاءِ لِمَا تَحْتَ إِزَارِهِ.

عثمان بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے، اُنھیں اُن کے والد عبدالرحمان بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا: آدمی اپنے ازار کے نیچے والے مقام کو یعنی شرمگاہ کو پانی کے ساتھ دھوئے۔

فائدہ :......بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء سے پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کی کراہت یا ممانعت منقول ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اُن کا رد کر رہا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ سے پانی کے ساتھ استنجاء کرنا بہت سے دلائل سے ثابت ہے، مثلاً بخاری: 150، مسلم: 270، ترمذی: 14، وغیرہ اور اہلِ قباء کے طہارت حاصل کرنے کی اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ: 108 میں تعریف فرمائی ہے اور اُن سے اظہارِ محبت کا اعلان فرمایا ہے اور وہ پانی استعمال کیا کرتے تھے۔ (ابوداود: 44، ترمذی: 3100، ابن ماجہ: 357۔ اس کی سند صحیح ہے)۔

جمہور سلف و خلف اور اہل فتویٰ کا اس پر اجماع ہے کہ پانی اور ڈھیلوں کو اکٹھا کرنا جائز بلکہ افضل ہے یعنی پہلے ڈھیلوں سے صفائی کی جائے، پھر پانی استعمال کیا جائے، اس طرح صفائی بھی مکمل ہو جاتی ہے اور مٹی سے جراثیم کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے، پھر اس سے ذرا کم فضیلت صرف پانی استعمال کرنے سے ملتی ہے اور اس سے بھی کم صرف ڈھیلوں کا

[35] (موقوف حسن) التاريخ الكبير للبخاري: 237/6، الأوسط لابن المنذر: 349/1، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

استعمال ہے، البتہ نبی کریم ﷺ سے دونوں چیزوں کو اکٹھا استعمال کرنا روایات میں منقول نہیں ہے۔

قَالَ يَحْيَى : سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَوَضَّأَ، فَنَسِيَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ قَبْلَ أَنْ يَتَمَضْمَضَ، أَوْ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَ وَجْهَهُ، فَقَالَ: أَمَّا الَّذِي غَسَلَ وَجْهَهُ قَبْلَ أَنْ يَتَمَضْمَضَ، فَلْيُمَضْمِضْ وَلَا يُعِدْ غَسْلَ وَجْهِهِ، وَأَمَّا الَّذِي غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ قَبْلَ وَجْهِهِ، فَلْيَغْسِلْ وَجْهَهُ، ثُمَّ لِيُعِدْ غَسْلَ ذِرَاعَيْهِ حَتَّى يَكُونَ غَسْلُهُمَا بَعْدَ وَجْهِهِ إِذَا كَانَ ذَلِكَ فِي مَكَانِهِ أَوْ بِحَضْرَةِ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو وضو کرتے ہوئے بھول جاتا ہے اور کلی کرنے سے پہلے چہرہ دھولیتا ہے، یا چہرہ دھونے سے پہلے بازوؤں کو دھو لیتا ہے، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے کلی کرنے سے قبل چہرہ دھولیا تو وہ (منہ دھونے کے بعد یاد آتے ہی) کُلی کرلے اور چہرہ دوبارہ نہ دھوئے، رہا وہ شخص جس نے چہرہ دھونے سے قبل بازو دھولیے تھے تو اسے چاہیے کہ (یاد آنے پر) پہلے چہرہ دھوئے، پھر بازوؤں کو دھونے کا اعادہ کرے تاکہ ہاتھوں کا دھونا (قرآن میں مذکور ترتیب کے مطابق) چہرہ دھونے کے بعد ہو جائے (لیکن یہ اعادہ کرنا بھی اس وقت تک لازم ہے) جب تک آدمی اپنی (وضو والی) جگہ پر موجود ہو یا اس کے قریب قریب ہو۔

فائدہ: ...... یعنی اگر بھول کر بغیر ترتیب کے وضو کرلیا اور پھر آدمی وضو والی جگہ سے دور چلا گیا تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دوبارہ ترتیب درست کر کے وضو کرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ترتیب واجب تو ہے لیکن نسیان کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، فقہائے حنفیہ کے نزدیک اعضائے وضو میں ترتیب واجب ہی نہیں۔ جبکہ امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک اعضائے وضو کو اس ترتیب سے دھونا واجب ہے جو قرآن مجید میں (سورۂ مائدہ: 6 میں) موجود ہے، بصورتِ دیگر وضو کا اعادہ لازم ہے، رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک صحابی کو یہی حکم فرمایا تھا: تَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللّٰهُ ''وضو اس طرح کرو جیسے اللہ نے تمھیں حکم فرمایا ہے۔'' (ابو عوانہ: 253/1، بیہقی: 83/1۔ اس کی سند صحیح ہے) خود رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی ترتیب کے ساتھ وضو فرمایا، اگر ترتیب واجب نہ ہوتی تو کبھی ایک بار ہی بیانِ جواز کے لیے بغیر ترتیب کے وضو کر کے دکھا دیتے۔ بلکہ حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا: أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ ''میں اُسی سے آغاز کروں گا جس کا اللہ نے پہلے ذکر فرمایا ہے۔'' (صحیح مسلم: 1218) ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں ترتیب واجب ہے اور غیر مرتب وضو کفایت نہیں کرے گا۔ (السيل الجرار: 87/1، فقه السنة: 33/1، الروضة الندية: 140/1)

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ نَسِيَ أَنْ يَتَمَضْمَضَ وَيَسْتَنْثِرَ، حَتَّى صَلَّى قَالَ: لَيْسَ

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو (وضو میں) کُلی کرنا یا ناک صاف کرنا بھول گیا یہاں تک

عَلَيْهِ أَنْ يُعِيدَ صَلَاتَهُ، وَلْيُمَضْمِضْ وَيَسْتَنْثِرْ مَا يَسْتَقْبِلُ إِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يُصَلِّيَ .

کہ اس نے نماز پڑھ لی، تو انھوں نے فرمایا: اس پر لازم نہیں کہ نماز کو دوبارہ پڑھے، لیکن اگر وہ (اس وضو سے مزید) نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے تو آئندہ کی نماز کے لیے کلی کرلے اور ناک صاف کرلے۔

فائدہ: ......حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے ہاں یہی فتویٰ ہے، کیونکہ وہ کلی اور ناک صاف کرنے کو واجبات میں شمار نہیں کرتے لیکن رسول اللہ ﷺ کا دائمی عمل اور کلی کرنے کا اور ناک صاف کرنے کا حکم دینا ان کے واجب ہونے کی دلیل ہے (ابوداود: 142، 144۔ اس کی سند صحیح ہے) اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ، اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ، شوکانی رحمہ اللہ، البانی رحمہ اللہ اور صدیق حسن خان رحمہ اللہ وغیرہ اسی کے قائل ہیں اور ظاہر بات ہے کہ جب یہ واجب ہے تو ان کے بغیر نہ وضو ہوگا اور نہ نماز۔ واللہ اعلم بالصواب

2- بَابُ: وُضُوءُ النَّائِمِ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاة

سونے والے کے وضو کا بیان جب وہ نماز کے لیے اُٹھے

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام صاحب نے چار (4) روایات ذکر کی ہیں جن میں سے ایک مرفوع یعنی حدیث نبوی، دو موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں ایک قول ضعیف ہے اور ایک مقطوع روایت یعنی تابعی کا فتویٰ ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔

[36] حدثني يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوئِهِ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ))

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اُسے چاہیے کہ اپنا ہاتھ دھولے، پہلے اس سے کہ اُسے اپنے وضو کے پانی میں داخل کرے، کیونکہ بلاشبہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اُس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔''

فائدہ: ......نیند کی حالت میں ممکن ہے کہ ہاتھ شرمگاہ کو بھی لگا ہو، اس لیے اُسے دھولینا چاہیے بلکہ تین بار دھونا چاہیے۔ (صحیح مسلم: 278) اور جس طرح یہ خدشہ رات کی نیند میں ہوتا ہے، اسی طرح دن کی نیند میں بھی اس کا امکان موجود ہے۔

---

[36] صحيح البخاری، کتاب الوضوء، باب الاستجمار وترا، حديث: 162، صحيح مسلم، کتاب الطهارة، باب کراهة غمس المتوضئي وغيره يده المشکوك ......حديث: 278، ابوداود: 103، ترمذی: 24، نسائی: 1، ابن ماجه: 343

[37] وحدثني عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ إِذَا نَامَ أَحَدُكُمْ مُضْطَجِعًا فَلْيَتَوَضَّأْ .

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص لیٹ کر سو جائے تو اُسے چاہیے کہ وضو کرے۔

فائدہ: ...... بہت سے دلائل سے ثابت ہے کہ نیند سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ (ابوداود: 203، ترمذی: 96، ابن ماجہ: 477وغیرہ)لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمازِ عشاء کا انتظار کرتے کرتے سو جاتے، پھر بغیر وضو کیے نماز پڑھ لیتے۔ (مسلم: 376، ابوداود: 200: ترمذی: 78) اسی بنا پر اس مسئلے میں مختلف اقوال ہیں...... ہمارے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ وہ نیند جو گہری ہو اور جس سے آدمی کا شعور واحساس ختم ہو جائے، اُس سے وضوٹوٹ جائے گا، خواہ وہ لیٹ کر ہو یا بیٹھے بیٹھے ہو، اور حقیقت میں نیند کہتے بھی اسی کو ہیں، یعنی نیند ایسا ثقیل پردہ ہے جس کا دل پر اچانک آجانا اُسے ظاہری امور کی معرفت سے کاٹ دیتا ہے، رہی وہ نیند جس سے آدمی کا شعور باقی رہتا ہے جیسا کہ عموماً خطبہ وسبق کے دوران ہوتا ہے کہ سننے والا سو بھی رہا ہوتا ہے اور یہ بھی محسوس کر رہا ہوتا ہے کہ میں سن رہا ہوں اور اس حالت میں اُسے آواز دی جائے تو فوراً جواب بھی دے دیتا ہے، بلکہ تازہ سنے ہوئے بعض الفاظ بھی بتا دیتا ہے تو ایسی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا، خواہ وہ لیٹ کر ہو یا ٹیک لگا کر اور دراصل اسی کو نُعاس یعنی اونگھ کہتے ہیں۔ (فتاوی ابن باز مترجم: 49/1)

[38] وحدثني عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّ تَفْسِيرَ هَذِهِ الآيَةِ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ أَنَّ ذَلِكَ إِذَا قُمْتُمْ مِنَ الْمَضَاجِعِ . يَعْنِي النَّوْمَ .

زید بن اسلم رحمہ اللہ اس آیت: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ ''اے ایمان والو! جب تم نماز کی طرف اٹھو تو اپنے چہروں کو دھولیا کرو اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں تک اور اپنے سروں کا مسح کیا کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھویا کرو۔'' (تو حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ اس) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم بستروں سے یعنی نیند سے اٹھا کرو۔ (تو وضو کیا کرو)۔

---

[37] (موقوف ضعیف) السنن الكبرى للبيهقي : 119/1، معرفة السنن والآثار للبيهقي : 207/1، مصنف ابن ابي شيبة: 123/1، 124، مصنف عبدالرزاق : 129/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے، کیونکہ اس میں انقطاع ہے اور زید بن اسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پایا ہی نہیں ہے۔ امام بیہقیؒ اور بوصیریؒ نے اسے مرسل قرار دیا ہے۔

[38] (مقطوع صحيح) السنن الكبرى للبيهقي : 117/1، معرفة السنن والآثار للبيهقي : 205/1، الاوسط لابن المنذر : 110/1، التمهيد لابن عبدالبر: 237/18۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

فائدہ: ......زید بن اسلم رحمہ اللہ کی یہ تفسیر صرف ایک پہلو کے اعتبار سے ہے، جبکہ تمام دلائل شرعیہ کو سامنے رکھ کر جمہور مفسرین اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں: اِذَا اَرَدْتُّمُ الْقِيَامَ مُحْدِثِيْنَ یعنی جب تم بے وضو ہو اور نماز کی طرف کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو وضو کر لو۔ بہرحال امام مالک رحمہ اللہ اس روایت سے بھی نیند کا ناقضِ وضو ہونا ثابت کر رہے ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّهُ لَا يَتَوَضَّأُ مِنْ رُعَافٍ ، وَلَا مِنْ دَمٍ ، وَلَا مِنْ قَيْحٍ يَسِيلُ مِنَ الْجَسَدِ ، وَلَا يَتَوَضَّأُ إِلَّا مِنْ حَدَثٍ يَخْرُجُ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ دُبُرٍ ، أَوْ نَوْمٍ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک معاملہ اور حکم یہ ہے کہ آدمی نہ تو نکسیر پھوٹنے کی وجہ سے وضو کرے گا، نہ خون نکلنے سے اور نہ اس پیپ سے جو جسم سے بہہ نکلے اور (بلکہ) کسی بھی چیز سے وضو نہیں کرے گا سوائے اُس حَدَث (اور گندگی) کے جو پیٹھ یا عضو مخصوص سے نکلے یا سوائے نیند کے۔

فائدہ: ......جس طرح دونوں شرم گاہوں سے بول و براز، مذی، ودی، ہوا یا خون خارج ہونے سے اور نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح غسل کو واجب کر دینے والی اشیاء مثلاً اجماع اور احتلام وغیرہ سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے، نیز اونٹ کا گوشت کھانے سے اور کسی بھی شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے (مسلم: 360، ابوداؤد: 181، ترمذی: 82، ابن ماجہ: 481، مسند احمد: 223/2) محض شک سے، آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے یا پینے سے، قہقہے سے، شلوار کے ٹخنوں سے نیچے ہو جانے سے اور کسی گناہ کے ارتکاب سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہ حدیث ہے کہ ایک آدمی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا لٹکا کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ (ابوداود: 638) اس حدیث کی سند کو حافظ زبیر علی زئی نے حسن قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسبلِ ازار اپنا وضو اور نماز لوٹائے گا۔

[39] وحدثني عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَنَامُ جَالِسًا ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے بیٹھے سو جایا کرتے تھے، پھر وہ نماز پڑھ لیتے تھے اور (نیا) وضو نہیں کرتے تھے۔

3- بَابُ: اَلطَّهُوْرُ لِلْوُضُوْءِ

وضو کے لیے پاکیزہ پانی کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام رحمہ اللہ نے چار (4) روایات ذکر کی ہیں جن میں سے تین (3) مرفوع روایات یعنی احادیث پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور ایک موقوف روایت یعنی قول صحابی ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔

---

[39] (موقوف صحيح) السنن الكبرى للبيهقي : 120/1، مصنف ابن ابی شیبة: 123/1، مصنف عبدالرزاق : 130/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

[40] حدثني يحيى، عن مالك، عن صفوان بن سليم، عن سعيد بن سلمة، من آل بني الأزرق، عن المغيرة بن أبي بردة، وهو من بني عبد الدار، أنه سمع أبى هريرة يقول جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله إنا نركب البحر ونحمل معنا القليل من الماء فإن توضأنا به عطشنا أفنتوضأ به فقال رسول الله ﷺ ((هو الطهور ماؤه الحل ميتته)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! یقیناً ہم سمندر میں سواری کرتے ہیں اور (زیادہ بوجھ سے بچنے کے لیے) اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی (پینے کے لیے) لے لیتے ہیں، پھر اگر ہم (نماز کے وقت) اسی پانی سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں گے (جس سے جان کا خطرہ ہے اور سمندر کا پانی پینے کے قابل نہیں) تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔''

فائدہ: ......اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کشتی پر بھی نماز جائز ہے بلکہ وہ فرض نمازیں جن کا مکمل وقت سواری پر ہی ختم ہو جاتا ہو جیسے کہ فجر کا مختصر سا وقت ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کی دونوں نمازوں کا مکمل وقت بھی سواری پر ہی گزر جاتا ہو اور اُن کو سواری سے اُتر کر پہلے یا بعد میں جمع کرنے کا وقت بھی نہ ملتا ہو تو ایسی نمازوں کو سواری ہی پر پڑھا جا سکتا ہے جیسا کہ آج کل بحری جہاز، ہوائی جہاز اور ٹرین وغیرہ کے سفر میں یہ صورتحال پیش آتی رہتی ہے...... اس حدیث میں مردار کو سمندر کی طرف منسوب کر کے آپ ﷺ نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ جو جانور سمندر ہی میں رہتے ہیں اور اُن کا جینا مرنا سمندر ہی میں ہے، وہ تمام ہمارے لیے جائز ہیں، خواہ ان کا شکار کیا جائے یا خود بخود مر جائیں اور خواہ وہ مچھلی کی شکل میں ہوں یا کسی اور صورت میں۔

[41] وحدثني عن مالك، عن إسحاق بن

'' حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک رضی اللہ عنہا جو (عبداللہ) بن

[40] (صحيح) سنن ابی داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 83، جامع الترمذی، كتاب الطهارة، باب ماجاء فی ماء البحر انه طهور، حديث: 69، نسائی: 333، ابن ماجه: 386، السنن الكبرى للبيهقی: 3/1، مسند احمد: 237/2، دارقطنی: 36/1، مستدرك حاكم: 140/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے، امام ترمذیؒ اور امام بغویؒ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ (العلل الکبیر: 136/1) امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اور اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے اور امام ابن منذر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ روایت ثابت ہے۔

[41] (صحيح) سنن ابی داود، كتاب الطهارة، باب سؤر الهرة، حديث: 75، جامع الترمذی، كتاب الطهارة، باب ماجاء فی سؤر الهرة، حديث: 92، نسائی: 68، ابن ماجه: 367، مسند احمد: 303/5، دارمی: 736، ابن ابی شيبه: 192/1، عبدالرزاق: 101/1، ابن الجارود: 62/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے، امام ترمذیؒ نے اسے حسن حدیث قرار دیا ہے، امام عقیلیؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ثابت ہے، امام ابن ملقنؒ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح مشہور ہے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ امام بخاری، امام ترمذیؒ، امام عقیلیؒ اور امام دارقطنی رحمہم اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور امام نوویؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ حُمَيْدَةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ فَرْوَةَ، عَنْ خَالَتِهَا كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ - وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ الأَنْصَارِيِّ - أَنَّهَا أَخْبَرَتْهَا أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوءًا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ لِتَشْرَبَ مِنْهُ فَأَصْغَى لَهَا الإِنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَآنِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ أَتَعْجَبِينَ يَا ابْنَةَ أَخِي قَالَتْ فَقُلْتُ نَعَمْ. فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَّافَاتِ))

ابی قتادہ کے نکاح میں تھیں، سے روایت ہے کہ بے شک (اُن کے سسر) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اُن کے پاس تشریف لائے، کبشہ رضی اللہ عنہا نے اُن کے لیے وضو کا پانی انڈیلا، (اتنے میں) ایک بلی آئی (اور پانی کو دیکھنے لگی) تاکہ اس میں سے پی سکے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے برتن اس کے لیے جھکا دیا، یہاں تک کہ بلی نے پانی پی لیا، کبشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا کہ میں اُن کو (تعجب سے) دیکھے جا رہی ہوں تو کہنے لگے: اے میری بھتیجی! کیا تم تعجب کر رہی ہو؟ وہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: جی ہاں، تو انھوں نے جواب دیا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً بلی نجس اور ناپاک نہیں ہے، بلاشبہ وہ تو تم پر چکر لگانے والوں یا چکر لگانے والیوں میں سے ہے۔''

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ بِهِ، إِلَّا أَنْ يُرَى عَلَى فَمِهَا نَجَاسَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بلی کے جھوٹھے (یعنی کھا پی کر چھوڑے ہوئے باقی ماندہ پانی اور کھانے) میں کوئی حرج نہیں ہے، سوائے اس صورت کے کہ تم اس کے منہ پر نجاست دیکھ لو۔

فائدہ: ......جس طرح غلام اور لونڈیاں، خادم اور خادمائیں اور چھوٹے بچے گھروں میں آتے جاتے اور چکر لگاتے ہی رہتے ہیں اسی طرح بلیوں کا معاملہ ہے، چنانچہ اُمت کو مشقت سے بچانے کے لیے آپ ﷺ نے بلی کو پاک قرار دیا ہے یعنی وہ نجس نہیں ہے، احناف بلی کے جھوٹھے کو مکروہ کہنے میں متفرد ہیں ...... یاد رہے کہ پاک و پلید ہونا اور حرام و حلال ہونا دو الگ الگ معاملے ہیں، بلی کے پاک ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کا جسم ناپاک نہیں ہے، یہ مطلب قطعاً نہیں کہ وہ حلال بھی ہے، جس طرح کہ مومن بھی پاک ہے لیکن اس کا گوشت کسی کے لیے حلال نہیں، بلی جس برتن میں منہ مار جائے اُسے بغیر کسی کراہت کے استعمال کریں، سوائے ایک صورت کے کہ جب آپ اُس کے منہ پر ظاہری گندگی کے آثار دیکھیں، چنانچہ اگر وہ کسی چوہے یا کسی دوسری ناپاک چیز کا شکار تازہ تازہ کر کے یا اُسے کھا کر آئی ہو اور فوراً کسی کھانے پینے کی چیز میں منہ ڈال دے تو منہ پر لگی نجاست کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا، البتہ بلی کو تھوڑا سا وقفہ مل جائے تو وہ اپنی زبان سے اپنی مکمل صفائی کر لیتی ہے۔

[42] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَاطِبٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ فِي رَكْبٍ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ حَتَّى وَرَدُوا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِصَاحِبِ الْحَوْضِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ هَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَإِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَيْنَا .

یحییٰ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک (شتر سوار) قافلے میں (کہیں جانے کے لیے) نکلے، اُن میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہاں تک کہ وہ ایک حوض پر پہنچے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حوض والے سے کہا کہ اے حوض والے! کیا تیرے حوض پر درندے بھی (پانی پینے کے لیے) آتے ہیں؟ تو اُس (حوض والے) سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حوض والے! تو ہمیں خبر نہ دے (تجھے ہم کو اس کے متعلق بتانے کی کوئی ضرورت نہیں) کیونکہ بے شک ہم درندوں (کے جانے کے بعد ان کے بچے ہوئے پانی) پر آتے ہیں اور وہ ہم (سے بچے ہوئے پانی) پر وارد ہوتے ہیں۔

فائدہ: ......یعنی یہ مشترکہ حوض ہے جس سے انسان اور جانور باری باری پانی پینے کے لیے آتے ہی رہتے ہیں، اُن کے پانی پینے سے پانی پلید نہیں ہو جاتا لہٰذا حوض والے کا یہ تفصیل بتانا یا نہ بتانا برابر تھا، پیاس اگر نہ بجھائی جائے تو جان جا سکتی ہے اس لیے مجبوراً اور ضرورتاً درندوں کا جوٹھا پانی بھی پاک رکھا گیا ہے۔

یہ روایت منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے، مالکیہ کے ہاں جب تک پانی کا رنگ یا بُو یا ذائقہ تبدیل نہ ہو، وہ پاک ہی رہتا ہے اور کسی بھی نجاست سے تبدیل نہیں ہوتا لیکن باقی تمام فقہاء وائمہ کے ہاں پانی کے قلیل وکثیر ہونے کا اعتبار ہے، کیونکہ فرمانِ نبوی ہے: اِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ ''جب پانی دو مٹکوں کے برابر (تقریباً پانچ من) ہو تو نجاست کو قبول نہیں کرتا۔'' (ترمذی: 67۔ اس کی سند صحیح ہے) لہٰذا جو پانی پانچ من یا اس سے زائد ہو وہ تھوڑی بہت نجاست سے پلید نہ ہوگا یہاں تک کہ اس کا رنگ، بُو یا ذائقہ تبدیل ہو جائے، البتہ اس سے کم مقدار میں پانی، تھوڑی سی نجاست سے بھی ناپاک ہو جائے گا...... یاد رہے کہ حنفیہ کے ہاں اگرچہ قلیل وکثیر پانی کا اعتبار ہے لیکن وہ دس ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لمبے حوض سے کم پانی کو قلیل کہتے ہیں...... قُلَّتَيْنِ والی مذکورہ روایت اُن کے خلاف حجت ہے، جسے حافظ ابن حجر، امام حاکم، ابن مندہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، طحاوی، نووی اور ذہبی رحمہم اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (تخریج

---

[42] (موقوف ضعیف) السنن الكبرى للبيهقى: 250/1، معرفة السنن والآثار للبيهقى: 324/1، مصنف عبدالرزاق: 76/1، 77، المعرفة للشافعى: 324/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو موقوف ضعیف کہا ہے، ابن عبدالہادی نے اس کی سند منقطع قرار دی ہے اور علامہ البانی نے کہا کہ یہ اثر ضعیف ہے، تمام المنۃ: ص 49)

جامع الاصول 65/7، فتح الباری : 277/1، نصب الرایۃ : 107/1، التعلیقات الرضیۃ : 92/1)

[43] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ إِنْ كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَيَتَوَضَّئُونَ جَمِيعًا . نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرد اور عورتیں اکٹھے وضو کیا کرتے تھے۔

فائدہ : ...... ابن ماجہ کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ ایک ہی برتن سے وضو کرتے تھے اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ برتن میں ہاتھ ڈالا کرتے تھے۔ نیز یہ معاملہ یا تو پردے والی آیات کے نزول سے پہلے کا ہے یا پھر مردوں سے مراد خاوند اور محرم رشتہ دار ہیں۔ الغرض ہاتھ دھو کر برتن میں ڈالنے سے پانی نجس نہیں ہوتا، خواہ آدمی جُنبی ہی کیوں نہ ہو؟ مرد اور عورتیں ایک ہی برتن سے اکٹھے وضو کر سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے بھی کر سکتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کیا اور فرمایا: اِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ "یقیناً پانی جُنبی نہیں ہوا کرتا۔" (ترمذی: 65، ابن ماجہ : 370۔ اس کی سند صحیح ہے) رہی وہ حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو عورت کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ وضو کرنے سے منع فرمایا ہے (ابوداود: 82، ترمذی: 64، ابن ماجہ: 373) تو وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہے، یعنی اس سے وضو نہ کرنا بہتر ہے لیکن اگر کر لیا جائے تو جائز ہے، بعض نے اُسے منسوخ یا مرجوح بھی قرار دیا ہے۔

4- بَابُ: مَالَا يَجِبُ فِيهِ الْوُضُوءُ

اُن چیزوں (اور امور) کا بیان جن سے وضو واجب نہیں ہوتا

خلاصۃ الباب اس باب میں امام صاحب نے تین (3) روایات ذکر کی ہیں جن میں سے دو (2) موقوف یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ایک مقطوع یعنی تابعی کا فتویٰ ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتوے موجود ہیں۔

[44] حَدَّثَنِی يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ ابراہیم رحمہ اللہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کی اُمِ وَلَد (لونڈی یعنی

[43] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امراته وفضل وضوء المراة، حدیث: 193، ابوداود، کتاب الطهارة، باب الوضوء بفضل المراة، حدیث: 79,80، نسائی : 71، ابن ماجه : 381، مسند احمد : 4,103,113/ 2۔

[44] (موقوف صحیح) سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب فی الأذی یصیب الذیل، حدیث: 383، جامع الترمذی، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی الوضوء من الموطئی، حدیث: 143، ابن ماجه : 531، مسند احمد : 290/6، 316، دارمی: 742، طبرانی فی المعجم الکبیر: 293/23۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے، امام منذریؒ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام ابن العربی رحمہ اللہ اور امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (جلباب المرأة المسلمة : ص 81)

عُمَارَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أُمِّ وَلَدٍ لِإِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ إِنِّي امْرَأَةٌ أُطِيلُ ذَيْلِي وَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ))

جواُن کے بچے کی ماں تھی) سے روایت ہے، اُس نے زوجۂ رسول ﷺ اُم المومنین اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ بے شک میں ایک ایسی عورت ہوں جو اپنے (کپڑے کے) دامن کو لمبا رکھتی ہوں اور گندگی والی جگہ میں چلتی ہوں (مجھے وہاں سے گزرنا پڑتا ہے اور کپڑا نیچے گھسٹ کر گندا ہو جاتا ہے) تو اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اُس (کپڑے) کو وہ (خشک) جگہ پاک کردے گی جو اس (ناپاک جگہ) کے بعد آئے گی۔''

فائدہ: ......معلوم ہوا کہ زمین خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے اور جس کپڑے یا جوتے وغیرہ کو نجاست لگ جائے اُسے زمین کا خشک حصہ پاک کر دیتا ہے، یہ حدیث مبارکہ خشک اور گیلی نجاست میں فرق کی دلیل کے طور پر بھی پیش کی جاتی ہے، بہرحال امام مالک رحمہ اللہ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ جسم یا کپڑے پر نجاست لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، بنو عبدالاشہل کی ایک عورت نے بارش کے حوالے سے یہی مذکورہ مسئلہ پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيْقٌ هِيَ اَطْيَبُ مِنْهَا ؟ ''کیا اس (گیلی جگہ) کے بعد ایسا راستہ نہیں آتا جو اس سے زیادہ پاکیزہ ہے؟'' اُس نے کہا: کیوں نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: فَهٰذِهٖ بِهٰذِهٖ ''تو یہ اُس کے بدلے میں ہے۔'' (ابوداود: 384۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا وَطِئَ اَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْاَذٰى فَاِنَّ التُّرَابَ لَهٗ طَهُوْرٌ ''جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے سے گندگی کو روندے تو یقیناً مٹی اُسے پاک کرنے والی ہے۔'' (ابوداود: 387-385، اس کی سند صحیح لغیرہ ہے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطِئِ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز ادا کیا کرتے تھے اور (نجاست) روندنے کی وجہ سے (نیا) وضو نہیں کیا کرتے تھے۔'' (ترمذی: 143، ابوداؤد: 204، ابن ماجہ: 1041، حاکم: 139/1۔ اس کی سند صحیح ہے)

[45] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ رَأَى رَبِيعَةَ بْنَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ يَقْلِسُ مِرَارًا وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا يَنْصَرِفُ وَلَا يَتَوَضَّأُ حَتَّى يُصَلِّيَ .

امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ربیعہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انھوں نے کئی مرتبہ پانی کی قے کی (اُن کے منہ سے صفراوی مادہ یعنی پیلا سا پانی نکلا) اس حال میں کہ وہ مسجد (نبوی) میں تھے لیکن نہ تو وہ باہر نکلے اور نہ وضو کیا حتیٰ کہ نماز ادا کر لی۔

---

[45] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

فائدہ : ...... کیونکہ قے ،نکسیر، صفراوی مادہ یا خون اور پیپ وغیرہ کا نکلنا ناقض وضو نہیں ہے، ان سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ قَلَسَ طَعَاماً، هَلْ عَلَيْهِ وُضُوءٌ ؟ فَقَال : لَيْسَ عَلَيْهِ وُضُوءٌ، وَلْيَتَمَضْمَضْ مِنْ ذَلِكَ وَلْيَغْسِلْ فَاهُ.

امام مالک ؒ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کا کھانا اندر سے منہ کو آتا ہے (البتہ قے نہیں ہوتی) کیا اس پر وضو ہے؟ تو امام مالک ؒ نے جواب دیا کہ اس پر وضو لازم نہیں ہے البتہ اُسے چاہیے کہ اس کی بنا پر کلی کرلے اور اپنا منہ دھولے۔

[46] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَنَّطَ ابْنًا لِسَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ وَحَمَلَهُ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

نافع ؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے حضرت سعید بن زید ؓ کے ایک بیٹے (عبدالرحمٰن کی میت) کو خوشبو لگائی اور اسے اٹھایا بھی، پھر مسجد میں داخل ہوئے اور بغیر (نیا) وضو کیے نماز ادا کی۔

فائدہ : ......معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی جو یہ روایت ہے: مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ ''جس نے میت کو غسل دیا وہ غسل کرے اور جو اُسے اٹھائے وہ وضو کرے۔'' (ترمذی: 993- اس کی سند حسن یا صحیح ہے) اس میں بیان شدہ حکم محض استحباب کے لیے ہے، یہ غسل اور وضو مستحب ہیں، واجب نہیں ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ : هَلْ فِي الْقَيْءِ وُضُوءٌ ؟ قَالَ : لَا وَلَكِنْ لِيَتَمَضْمَضْ مِنْ ذَلِكَ وَلْيَغْسِلْ فَاهُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ وُضُوءٌ.

امام مالک ؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا قے میں وضو ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں لیکن اُسے چاہیے کہ اس کے آنے پر کلی کرلے اور اپنا منہ دھولے اور اس (قے والے شخص) پر وضو نہیں ہے۔

5- بَابٌ: تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّار

آگ پر پکی ہوئی چیز کی وجہ سے وضو نہ کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام صاحب نے نو (9) روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں سے تین (3) مرفوع یعنی احادیث پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور چھ (6) موقوف یعنی اقوال صحابہ ؓ ہیں۔

[46] (موقوف صحیح) عبدالرزاق : 408/3، بیہقی : 307/1- شیخ سلیم ہلالی نے کہا کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے، امام ابن حزم، حافظ ابن حجر، امام ابن القطان اور علامہ البانی ؒ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (احکام الجنائز للألبانی: ص 53)

[47] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے بکری کے کندھے کا گوشت کھایا، پھر آپ ﷺ نے نماز ادا کی اور (نیا) وضو نہ کیا۔

فائدہ :...... پہلے پہل رسول اللہ ﷺ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو فرمایا کرتے تھے لیکن بعد میں اسے ترک کر دیا، سوائے اونٹ کے گوشت کے کہ اُسے کھا کر وضو کرنے کا حکم ہے۔

[48] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ خَيْبَرَ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالصَّهْبَاءِ - وَهِيَ مِنْ أَدْنَى خَيْبَرَ - نَزَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا بِالأَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ فَأَمَرَ بِهِ فَثُرِّيَ فَأَكَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ غزوۂ خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (سفر میں) نکلے یہاں تک کہ جب لوگ صہباء نامی جگہ پر پہنچے، اور یہ جگہ خیبر کے قریب (مدینہ والی جانب میں) ذرا نشیب میں ہے، (وہاں) رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ ڈال دیا، پھر نمازِ عصر ادا کی، پھر (پورے لشکر والوں کے) زادِ راہ کو منگوایا (لیکن صورتحال) تو (اتنی تنگی و مشقت والی تھی کہ تھوڑے سے) ستو کے علاوہ کچھ بھی آپ ﷺ کے پاس نہ لایا جاسکا، چنانچہ آپ ﷺ نے اُس کے متعلق حکم دیا تو اُسے پانی سے تر کیا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی (اُسے) کھایا اور ہم سب (لشکر والوں) نے بھی کھایا، پھر آپ ﷺ مغرب کی نماز کی طرف اُٹھے تو صرف کلی فرمائی اور ہم نے بھی کُلّی کی، پھر آپ ﷺ نے نماز ادا کی اور (نیا) وضو نہ فرمایا۔

فائدہ :......سَتُّو بھی دراصل آگ پر بھونے ہوئے دانوں کو پیس کر بنائے جاتے ہیں ......یہ مختلف دلائل اس لیے پیش کیے جا رہے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے دور میں اس مسئلے پر کافی اختلاف رہا تھا اور بالآخر نبی

[47] صحيح البخارى، كتاب الوضوء ، باب من لم يتوضا من لحم الشاة والسويق ، حديث: 207، 5404، 5405، صحيح مسلم، كتاب الحيض ، باب نسخ الوضوء مما مست النار ، حديث: 354، ابوداود: 187، ابن ماجه: 488.

[48] صحيح البخارى ، كتاب الوضوء ، باب من مضمض من السويق ولم يتوضا، حديث: 209، 215، 2981، 4195، 5384، 5390، 5454، 5455، سنن النسائى، كتاب الطهارة ، باب المضمضة من السويق ، حديث : 186، ابن ماجه : 492، احمد: 426/3.

کریم ﷺ سے ثابت شدہ دلائل سامنے آنے سے سب کو یقین و اطمینان ہوگیا کہ بعد میں آقا علیہ السلام نے آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا ترک کردیا تھا۔

[49] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهُدَيْرِ أَنَّهُ تَعَشَّى مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

ربیعہ بن عبداللہ بن ہُدَیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شام کا کھانا کھایا، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔

[50] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَكَلَ خُبْزًا وَلَحْمًا ثُمَّ مَضْمَضَ وَغَسَلَ يَدَيْهِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

ابان بن عثمان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے روٹی اور گوشت تناول فرمایا، پھر کُلّی کی اور اپنے ہاتھ دھوئے اور ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیا، پھر انھوں نے نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔

[51] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَا لَا يَتَوَضَّآنِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ .

امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے، ان کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دونوں ہی اس چیز کو کھا کر (نیا) وضو نہیں کیا کرتے تھے جسے آگ نے چھوا ہوتا۔

[52] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ الرَّجُلِ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يُصِيبُ طَعَامًا قَدْ مَسَّتْهُ النَّارُ أَيَتَوَضَّأُ قَالَ رَأَيْتُ أَبِي يَفْعَلُ ذٰلِكَ وَلَا يَتَوَضَّأُ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو نماز کے لیے وضو کرتا ہے، پھر اس کھانے کو کھا لیتا ہے جو آگ پر پکا ہو، تو کیا وہ نیا وضو کرے گا؟ عبداللہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا کہ وہ ایسا

[49] (موقوف صحیح) شرح معانی الآثار : 68/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

[50] (موقوف صحیح) بیہقی : 157/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[51] (موقوف صحیح) بیہقی : 157/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[52] (موقوف صحیح) بیہقی : 158/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

کرتے تھے اور (نیا) وضو نہیں کرتے تھے۔

[53] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الأَنْصَارِيَّ يَقُولُ رَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ أَكَلَ لَحْمًا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے گوشت کھایا، پھر نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔

[54] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ دُعِيَ لِطَعَامٍ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ خُبْزٌ وَلَحْمٌ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَصَلَّى ثُمَّ أُتِيَ بِفَضْلِ ذٰلِكَ الطَّعَامِ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

محمد بن منکدر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کو کسی کھانے پر دعوت دی گئی، پھر روٹی اور گوشت آپ ﷺ کے قریب کیا گیا، (آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا) تو آپ نے اُس میں سے کچھ کھا لیا، پھر وضو کیا، پھر نماز ادا فرمائی، پھر آپ ﷺ کے پاس اُسی کھانے کا بچا ہوا حصہ لایا گیا، تو آپ نے اس میں سے کھایا، پھر (اگلی) نماز پڑھی اور وضو نہ فرمایا۔

فائدہ :...... یہ واقعہ محمد بن منکدر رحمہ اللہ اور اُن کے چند ساتھیوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ (ابن ماجہ: 489) یہ کھانا پیش کرنے کی سعادت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ (ابو داؤد: 191) یہ دعوت ایک انصاری صحابیہ رضی اللہ عنہا نے ایک بکری ذبح کر کے کی تھی۔ (ترمذی: 80) دعوت کے دوران نماز ظہر کا وقت ہو گیا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے وضو کر کے ادا کیا، پھر واپس آ کر مزید کھانا کھایا اور نمازِ عصر کے لیے نیا وضو نہ بنایا۔ (ابو داود، ترمذی)

[55] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ الأَنْصَارِيِّ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَدِمَ مِنَ الْعِرَاقِ فَدَخَلَ

عبدالرحمٰن بن یزید انصاری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ عراق سے آئے تو اُن کے پاس حضرت ابوطلحہ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہما تشریف لائے، حضرت

[53] (موقوف صحیح) بیهقی : 157/1، عبدالرزاق : 647، ابن ابی شیبة: 521۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[54] صحيح البخاری ، كتاب الاطعمة، باب المنديل ، حديث : 5457، سنن ابی داود ، كتاب الطهارة ، باب في ترك الوضوء مما مست النار، حديث : 191,192، ترمذی : 80، نسائی : 185، ابن ماجه : 489، احمد : 322/3.

[55] (موقوف حسن) عبدالرزاق : 170/1، بیهقی : 158/1، شرح معانی الآثار : 69/1، ابن المنذر : 222/1.

عَلَيْهِ أَبُو طَلْحَةَ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَقَرَّبَ لَهُمَا طَعَامًا قَدْ مَسَّتْهُ النَّارُ فَأَكَلُوا مِنْهُ فَقَامَ أَنَسٌ فَتَوَضَّأَ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ مَا هَذَا يَا أَنَسُ أَعِرَاقِيَّةٌ فَقَالَ أَنَسٌ لَيْتَنِي لَمْ أَفْعَلْ . وَقَامَ أَبُو طَلْحَةَ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَصَلَّيَا وَلَمْ يَتَوَضَّأَ .

انس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے سامنے کھانا حاضر کیا جو کہ آگ پر تیار ہوا تھا، چنانچہ سب نے اُس میں سے کھایا، پھر انس رضی اللہ عنہ اُٹھے اور وضو کیا تو حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کہنے لگے کہ اے انس! یہ کیا ہے؟ کیا یہ عراق سے سیکھی ہوئی چیز ہے؟ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کاش! میں نے یہ (وضو) نہ ہی کیا ہوتا (تاکہ باتیں تو نہ سننا پڑتیں) اور (پھر) حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کھڑے ہوگئے، پھر دونوں نے نماز پڑھی اور (لیکن نیا) وضو نہ کیا۔

6- بَابُ جَامِعِ الْوُضُوْءِ

وضو کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام صاحب نے دس (10) روایات ذکر کی ہیں جو کہ تمام کی تمام مرفوع یعنی احادیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ موجود ہے۔

[56] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ الاسْتِطَابَةِ فَقَالَ ((أَوَلَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ ثَلَاثَةَ أَحْجَارٍ))

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استنجاء کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی تین پتھر (ڈھیلے) نہیں پاتا۔''

[57] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْمَقْبُرَةِ فَقَالَ: ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کی طرف گئے تو (وہاں) فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حِقُوْنَ ''اے مومن قوم کے گھر والو! تم پر سلامتی ہو اور یقیناً ہم بھی

[56] (صحيح لغيره) سنن ابى داود، كتاب الطهارة ، باب الاستنجاء بالحجارة ، حديث: 40، سنن النسائى ، كتاب الطهارة ، باب الاجتزاء فى الاستطابة بالحجارة دون غيرها ، حديث : 44، مسند احمد : 108/6، 133، دارمى : 670، بيهقى فى الخلافيات : 82/2، حميدى : 206/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

[57] صحيح مسلم، كتاب الطهارة ، باب استحباب اطالة الغرة والتحجيل ، حديث: 249، سنن النسائى ، كتاب الطهارة ، باب حلية الوضوء ، حديث: 150، ابن ماجه : 4306، احمد : 300/2.

لَاحِقُونَ وَدِدْتُ أَنِّي قَدْ رَأَيْتُ إِخْوَانَنَا)) فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَسْنَا بِإِخْوَانِكَ قَالَ ((بَلْ أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَإِخْوَانُنَا الَّذِينَ لَمْ يَأْتُوا بَعْدُ وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ)) . فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ يَأْتِي بَعْدَكَ مِنْ أُمَّتِكَ قَالَ ((أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لِرَجُلٍ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ فِي خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ أَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ)) . قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ . قَالَ ((فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنَ الْوُضُوءِ وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ فَلَا يُذَادَنَّ رِجَالٌ عَنْ حَوْضِي كَمَا يُذَادُ الْبَعِيرُ الضَّالُّ أُنَادِيهِمْ أَلَا هَلُمَّ أَلَا هَلُمَّ أَلَا هَلُمَّ فَيُقَالُ إِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ فَسُحْقًا فَسُحْقًا فَسُحْقًا)) .

ان شاءاللہ تم سے ملنے ہی والے ہیں۔'' پھر فرمایا: میں نے یہ تمنا کی ہے کہ بے شک میں نے اپنے بھائیوں کو دیکھ لیا ہوتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ تو فرمایا: ''تم تو میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی تو وہ لوگ ہیں جو ابھی تک (دنیا میں) نہیں آئے اور میں (قیامت کے دن) حوضِ کوثر پر اُن کا پیش رَو ہوں گا۔'' (جو قافلے سے آگے جا کر انتظام کرنے والا ہوتا ہے) لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اُن لوگوں کو کیسے پہچان لیں گے جو آپ کی اُمت میں سے آپ کے بعد آئیں گے؟ فرمایا: ''تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کسی شخص کے سفید پیشانیوں اور سفید ہاتھ پاؤں والے (یعنی پانچ کلیان روشن) گھوڑے، نہایت کالے سیاہ گھوڑوں میں ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو پہچان نہیں سکے گا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً وہ (ہمارے بھائی) بھی قیامت کے دن اس حال میں آئیں گے کہ وضو (کرتے رہنے) کی وجہ سے اُن کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے اور میں حوضِ کوثر پر اُن کا پیش رَو ہوں گا، تو ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ کسی شخص کو میرے حوض سے دھتکار دیا جائے جس طرح کہ (کسی کے) گمشدہ اونٹ کو (اپنے حوض سے) دھتکارا (اور بھگایا) جاتا ہے، پھر میں انھیں آوازیں دوں گا کہ خبردار! اِدھر آؤ، خبردار! اِدھر آؤ، اِدھر آجاؤ، تو یہ کہا جائے گا کہ بے شک ان لوگوں نے آپ کے بعد (دین کو) بدل ڈالا تھا، تب میں بھی کہوں گا: تو دوری ہو، دوری ہو، دوری ہو۔''

فائدہ :...... اس حدیثِ مبارکہ سے جہاں نماز کے لیے وضو کرنے کی عظیم فضیلت عیاں ہوتی ہے کہ اگر حوض کوثر پانا چاہتے ہو تو وضو کو لازم پکڑلو، وہیں اس حدیث سے بدعت اور دین میں اضافے کی قباحت بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ لوگ نمازی ہوں گے، ان کے اعضائے وضو بھی چمکتے ہوں گے لیکن دین محمدی میں خود ساختہ اضافے کی نحوست یہ پڑے گی کہ انھیں حوضِ کوثر سے دھتکار دیا جائے گا اور رحمت للعالمین ﷺ بھی ان کے لیے بد دعا کریں گے، اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امتیازی شان اور نمایاں مقام بھی ثابت ہوتا ہے۔ نیز قبرستان کی زیارت اور وہاں دعا مانگنا سنتِ نبویہ ہے۔

[58] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ جَلَسَ عَلَى الْمَقَاعِدِ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ فَآذَنَهُ بِصَلَاةِ الْعَصْرِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ لأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَوْلَا أَنَّهُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُكُمُوهُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ ((مَا مِنِ امْرِءٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ ثُمَّ يُصَلِّي الصَّلَاةَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ الأُخْرَى حَتَّى يُصَلِّيَهَا)).

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حمران رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (مسجد کے) چبوترے پر (یا سیڑھیوں پر یا دکانوں کے پاس بیٹھنے کی جگہ پر) بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں مؤذن آیا اور اس نے ان کو نمازِ عصر کی اطلاع دی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا، پھر (اس سے) وضو کیا، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! میں ضرور تمھیں ایک حدیث سناؤں گا، اگر اللہ کی کتاب میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں تمھیں وہ حدیث نہ سناتا، پھر انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو کوئی شخص وضو کرے، پھر وضو کو اچھی طرح سے پورا کرے، پھر نماز ادا کرے تو ضرور اس کے وہ تمام گناہ بخش دیے جائیں گے جو اُس (کی اِس نماز) کے اور (بعد میں آنے والی) دوسری نماز کے درمیان میں ہوئے ہوں گے، (اور یہ مغفرت جاری رہے گی) یہاں تک کہ دوسری نماز کو (مکمل) ادا کرلے۔''

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : أُرَاهُ يُرِيدُ هَذِهِ الآيَةَ (وأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ) [هود : 114].

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ آیت مراد لے رہے تھے: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (هود 11:114) ''نماز قائم کیجیے دن کے دونوں کناروں میں اور رات کی کئی گھڑیوں میں، یقیناً نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔''

فائدہ: ......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس آیت کی طرف مذکورہ بالا حدیث میں اشارہ کیا تھا، اُس کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی رائے پیش کی ہے، جبکہ اس بارے میں صحیح ترین قول اسی حدیث کے راوی عروہ رحمہ اللہ کا ہے جنھوں نے حُمران رحمہ اللہ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ آیت مراد لی تھی: إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ

---

[58] صحيح البخارى ، كتاب الوضوء ، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ، حديث: 159، 160، 164، 1934، 6433، صحيح مسلم، كتاب الطهارة ، باب فضل الوضوء والصلاة عقبه ، حديث : 227، نسائى : 146، احمد : 1/ 57(400)

اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ (البقرہ2: 159) ''بے شک جو لوگ ہمارے نازل کردہ صریح دلائل اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں، بعد اس کے کہ ہم نے لوگوں کے لیے ان (باتوں) کو کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔'' (بخاری: 160، مسلم: 6/ 227)

گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ علم کو چھپائے رکھنے کے وبال سے ڈر کر حدیث سنا رہے ہیں۔

[59] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَتَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيهِ وَإِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ أَنْفِهِ فَإِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ يَدَيْهِ فَإِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ أُذُنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ رِجْلَيْهِ - قَالَ - ثُمَّ كَانَ مَشْيُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلَاتُهُ نَافِلَةً لَهُ))

حضرت عبداللہ صُنَابِحِی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مومن بندہ وضو کرنے لگتا ہے، وہ کلی کرتا ہے تو گناہ اس کے منہ سے نکل جاتے ہیں، پھر جب وہ ناک جھاڑتا ہے تو گناہ اس کی ناک سے نکل جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے گناہ نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کی دونوں آنکھوں کی پلکوں کے اُگنے کی جگہوں یعنی پپوٹوں سے بھی نکل جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے ہاتھ (اور بازو) دھوتا ہے تو گناہ اس کے ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے کانوں سے بھی نکل جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں، حتیٰ کہ اس کے دونوں پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔'' فرمایا: ''پھر اس کا مسجد کی طرف چل کر جانا اور نماز ادا کرنا اس کے لیے زائد عمل ہو جاتا ہے۔''

فائدہ :......یعنی نماز کا ایک اہم مقصد گناہوں سے معافی اور پاکی حاصل کرنا ہے اور جب وہ گناہ وضو ہی سے ختم ہو گئے تو اَب یہ مسجد کو جانا اور نماز پڑھنا محض درجات کی بلندی کے لیے ایک اضافی عمل کی حیثیت اختیار کر لیتا

[59] (صحیح لغیرہ) سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب مسح الاذنين مع الراس، حديث: 103، سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ثواب الطهور، حديث: 282، احمد: 348/4۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور امام حاکمؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

ہے، یہ مطلب قطعاً نہیں کہ فرض نماز نفل بن جاتی ہے...... اس حدیث مبارکہ میں معاف ہونے والے گناہوں کی تعیین مذکور نہیں، اس بارے میں راجح بات یہ ہے کہ وضو ہو یا نماز، یا کوئی اور نیک عمل، ان سب سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، رہے کبیرہ گناہ تو وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ ۔'' پانچوں نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک درمیانی گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے۔'' (صحیح مسلم: 233) البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام لانے، ہجرت کرنے اور حج ادا کرنے سے بھی کبیرہ گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم: 121) نیز اللہ اپنی رحمت سے بھی تمام گناہوں کو بخش دینے پر قادر ہے...... مذکورہ بالا متن والی حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح آنکھیں چہرے کا حصہ ہیں، انگلیاں اور ناخن ہاتھوں اور پاؤں کا حصہ ہیں، اسی طرح کان بھی سر کا حصہ ہیں، لہٰذا سر کے مسح کے لیے اور کانوں کے مسح کے لیے ایک ہی پانی کفایت کر جاتا ہے، بہر حال جس طرح وضو جسمانی طہارت کا باعث ہے اسی طرح روحانی طہارت وتزکیہ کا بھی بہترین ذریعہ ہے۔

[60] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ - أَوِ الْمُؤْمِنُ - فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتْ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ - فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتْ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ - حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' جب مسلمان یا مومن بندہ وضو شروع کرتا ہے، پھر اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، (یہ گناہ) پانی کے ساتھ یا (فرمایا کہ) پانی کے آخری قطرے کے ساتھ (نکل جاتے ہیں) یا اسی طرح کا کوئی لفظ فرمایا (کہ اس کے ساتھ گناہ) نکل جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جسے اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا، (یہ گناہ) پانی کے ساتھ یا (فرمایا کہ) پانی کے آخری قطرے کے ساتھ (نکل جاتے ہیں)، پھر جب وہ اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جس کی طرف اس کے پاؤں چل کر گئے تھے، (یہ گناہ) پانی کے ساتھ یا (فرمایا:) پانی

[60] صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء، حديث: 244، جامع الترمذی، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی فضل الطهور، حديث: 2، احمد: 202/2 (8007)، دارمی: 718۔

کے آخری قطرے کے ساتھ (نکل جاتے ہیں)، یہاں تک کہ وہ خود بھی گناہوں سے پاک صاف ہو کر باہر نکل آتا ہے۔''

فائدہ: ...... جو شخص وضو کرتے وقت ان مذکورہ بالا احادیث کو ملحوظ رکھتا ہے، اس کے دل کو اللہ کی وسیع مغفرت و رحمت کا عجیب احساس اور تقویٰ و تزکیہ میں نمایاں اضافہ نصیب ہوتا ہے، جس کی روحانی لذت و شیرینی الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔

[61] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِی طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَحَانَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَالْتَمَسَ النَّاسُ وَضُوءًا فَلَمْ يَجِدُوهُ فَأُتِیَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِوَضُوءٍ فِی إِنَاءٍ فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِی ذَلِكَ الْإِنَاءِ يَدَهُ ثُمَّ أَمَرَ النَّاسَ يَتَوَضَّئُونَ مِنْهُ - قَالَ أَنَسٌ - فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ النَّاسُ حَتَّى تَوَضَّئُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، نمازِ عصر کا وقت قریب تھا، لوگوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا لیکن انھیں پانی نہ ملا، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک برتن میں کچھ پانی وضو کے لیے لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈال دیا، پھر لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ اس سے وضو کریں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی آپ ﷺ کی انگلیوں کے نیچے سے پھوٹ رہا تھا، چنانچہ لوگ وضو کرنے لگے حتیٰ کہ ان میں سے آخری شخص نے بھی وضو کر لیا۔''

فائدہ: ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چونکہ مستقل طور پر تو اُن کو شمار نہ کیا تھا، اس لیے وہ اندازے سے تعداد بیان کیا کرتے تھے، ایک موقع پر تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد تین سو یا اس کے لگ بھگ تھی اور یہ واقعہ زوراء مقام پر پیش آیا جو مسجد نبوی اور مدینہ منورہ کے بازار کے قریب ایک جگہ کا نام تھا۔ (صحیح بخاری: 3572، صحیح مسلم: 6/ 2279) دوسرے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد ستر کے لگ بھگ تھی جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کبھی یوں بیان کرتے: ''ستر یا اس کے لگ بھگ۔'' (صحیح بخاری: 3574) کبھی کہتے: ''ساٹھ سے اَسّی کے درمیان۔'' (صحیح مسلم: 4/ 2279)، کبھی کہتے: ''ستر سے اَسّی کے درمیان۔'' (صحیح بخاری: 200)...... بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ستر اور اَسّی کی تعداد والے بھی دراصل دو واقعات تھے کیونکہ جس قصے میں ''ستر یا اس کے لگ بھگ'' تعداد کی وضاحت ہے اُس کی ایک روایت میں اِس بات کی صراحت و وضاحت ہے کہ یہ واقعہ سفر میں پیش آیا، نیز اس موقع پر آپ ﷺ

[61] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب التماس الوضوء اذا حانت الصلاۃ، حدیث: 169، 195، 200، 3572، 3575، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی ﷺ، حدیث: 2279، ترمذی: 3631، نسائی: 76، احمد: 132/3.

نے پیالے کے اوپر اپنی چار انگلیاں رکھی تھیں۔ (صحیح بخاری : 3574) اور جس روایت میں اَسّی یا اَسّی سے زائد کی تعداد منقول ہے اس میں انگلیوں کو برتن کے اندر رکھنے کا ذکر ہے اور اُس میں مدینہ کے اندر یہ واقعہ پیش آنے کی بھی وضاحت ہے، چنانچہ اُس روایت میں ہے: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيْبَ الدَّارِ مِنَ الْمَسْجِدِ (اِلٰى اَهْلِهٖ) يَتَوَضَّأُ وَبَقِيَ قَوْمٌ ''نماز کا وقت ہوگیا تو جن لوگوں کے گھر مسجد کے قریب تھے وہ اپنے گھر والوں کی طرف وضو کرنے کے لیے چلے گئے اور کچھ لوگ باقی رہ گئے (جن کی تعداد اَسّی یا کچھ زائد تھی)۔'' (بخاری: 3575,195)

الغرض یہ تین واقعات ہیں: زوراء کے مقام پر 300 صحابہ رضی اللہ عنہم والا، مسجد میں 80 افراد والا اور سفر میں 70 صحابہ رضی اللہ عنہم والا اور ان تمام واقعات و معجزات کے ظہور کے وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ موجود تھے اور بعض روایات میں ہے کہ برتن میں پانی اس قدر تھوڑا تھا کہ اس میں بمشکل انگلیاں ڈوبتی تھیں (صحیح مسلم: 7/ 2279) اور برتن بھی اس قدر چھوٹا تھا کہ اس میں ہاتھ پھیلا کر نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ (بخاری : 195,3575)

[62] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَدَنِيِّ الْمُجْمِرِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ فِي صَلَاةٍ مَادَامَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلَاةِ وَإِنَّهُ يُكْتَبُ لَهُ بِإِحْدَى خُطْوَتَيْهِ حَسَنَةٌ وَيُمْحَى عَنْهُ بِالأُخْرَى سَيِّئَةٌ فَإِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمُ الإِقَامَةَ فَلَا يَسْعَ فَإِنَّ أَعْظَمَكُمْ أَجْرًا أَبْعَدُكُمْ دَارًا . قَالُوا لِمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ مِنْ أَجْلِ كَثْرَةِ الْخُطَا .

نعیم بن عبداللہ مجمر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص وضو کرے اور بہترین وضو کرے، پھر وہ نماز کا قصد (اور نیت) کرتے ہوئے نکلے تو یقیناً وہ نماز ہی میں (شمار ہوتا) ہے جب تک کہ وہ نماز کا قصد کیے رکھتا ہے اور بلاشبہ اس کے ہر دو قدموں میں سے ایک کے بدلے اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور دوسرے کے بدلے ایک برائی مٹا دی جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص اقامت کی آواز سنے تو نہ دوڑے (بلکہ سکون سے چلے) یقیناً تم میں سب سے زیادہ اجر والا وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ (مسجد سے) دور گھر والا ہے، لوگوں نے پوچھا کہ اے ابوہریرہ! کیوں؟ تو انھوں نے جواب دیا: قدموں کی کثرت کی وجہ سے۔

فائدہ :...... گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف چلنا بہت فضیلت رکھتا ہے، مسجد اور نماز کی طرف دوڑ کر نہیں آنا چاہیے کیونکہ دوڑنے کی وجہ سے قدموں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اور سکینت و وقار نہ ہو تو نمازی کی شان پر منفی اثر پڑتا ہے۔

---

[62] صحيح البخاری ، كتاب الصلاة ، باب الصلاة فی مسجد السوق ، حديث: 477، 647، 2119، صحيح مسلم ، كتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب فضل الصلاة المكتوبة فی جماعة ، حديث: 644، سنن ابی داؤد: 556

[63] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیدٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَعِیدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ یُسْأَلُ عَنِ الْوُضُوءِ مِنَ الْغَائِطِ بِالْمَاءِ فَقَالَ سَعِیدٌ إِنَّمَا ذَلِكَ وُضُوءُ النِّسَاءِ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کو سنا، جن سے پاخانہ کرنے کے بعد پانی استعمال کرنے کے متعلق سوال کیا جا رہا تھا، تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو عورتوں کی طہارت کا طریقہ ہے۔

فائدہ : ......اس جواب کے دو مفہوم ممکن ہیں، ایک یہ کہ عام طور پر عورتیں استنجاء کرتے وقت پانی استعمال کرتی ہیں، جبکہ مردوں کا عام معمول ڈھیلے استعمال کرنا ہے، دوسرا مفہوم یہ ہے کہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ بھی مردوں کے لیے پانی سے استنجاء کرنا معیوب و مکروہ سمجھتے تھے جیسا کہ حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی بات منقول ہے، لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور تمام مسالک کے جمہور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پانی سے استنجاء کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ افضل بھی ہے، کیونکہ متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ثابت ہے۔ (دیکھیے گزشتہ روایت: 35، اور اس کا فائدہ)

[64] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِی الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ ((إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِی إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْیَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پی جائے تو اُسے وہ برتن سات بار دھونا چاہیے۔''

فائدہ : ......صحیح مسلم کی روایت میں تین چیزوں کا ذکر ہے: (1) اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ یعنی کتا صرف منہ ہی ڈال دے تو بھی برتن کو دھونا لازم ہے، (2) فَلْیُرِقْهُ یعنی برتن میں موجود ساری چیز کو پھینک دینا چاہیے اور (3) أُوْلَاهُنَّ بِالتُّرَابِ یعنی پہلی بار مٹی کے ساتھ مل کر دھونا چاہیے۔ (صحیح مسلم: 279) اور سنن ترمذی کی روایت (91) میں یہ بھی اجازت ہے کہ پہلی بار مٹی سے دھویا جائے یا آخری بار۔

[65] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ

امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے، ان کو خبر پہنچی کہ رسول

[63] (صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[64] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب اذ اشرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبعا، حدیث: 172، صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب حکم ولوغ الکلب، حدیث: 279، ابوداود: 7371، ترمذی: 91، نسائی: 336، ابن ماجه: 363

[65] (صحیح لغیره) سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب المحافظة علی الوضوء، حدیث: 277، احمد: 276/5، دارمی: 655، 656، المعجم الکبیر للطبرانی: 101/2، ابن حبان: 311/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((اسْتَقِيمُوا وَلَنْ تُحْصُوا وَاعْمَلُوا وَخَيْرُ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ))

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سیدھی راہ پر قائم رہو (استقامت اختیار کیے رکھو) اور تم ہرگز (اس کا ثواب) شمار نہیں کرسکو گے (اور نہ ہی تم استقامت کا مکمل احاطہ اور حق ادائیگی کر پاؤ گے) اور (مایوس نہ ہو جانا بلکہ) عمل کرتے رہنا اور تمہارے اعمال میں سب سے بہترین نماز ہے اور وضو پر مومن کے علاوہ کوئی اور پابندی (حفاظت اور توجہ) نہیں کرتا۔''

فائدہ: ......یعنی تمہاری کوشش تو یہی ہو کہ استقامت کا اور سیدھی راہ پر قائم رہنے کا مکمل حق ادا ہو جائے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (آل عمران 3:102) ''اللہ سے یوں ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔'' لیکن ہم سب انسان چونکہ نقائص سے بھرپور ہیں اور ہر جانب دنیوی الجھنیں اور دلچسپیاں ہمارے لیے رکاوٹ بنتی رہتی ہیں، اس لیے یہ بھی فرما دیا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن 16:64) ''اللہ سے اس قدر ڈرو جتنی تم میں طاقت ہے۔'' نیز ثابت ہوا کہ حفاظت و احتیاط سے وضو کرنا ایمان کی نشانی ہے اور جو کوتاہی کرے اس کے ایمان میں کمی ہے۔

7- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسْحِ بِالرَّأْسِ وَالْأُذُنَيْنِ

اُن روایات کا بیان جو سر اور کانوں کے مسح کے متعلق وارد ہوئی ہیں

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام صاحب نے چار (4) روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں سے دو (2) موقوف یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور دو (2) مقطوع یعنی تابعین کے فتاویٰ ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتوے بھی موجود ہیں۔

[66] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَأْخُذُ الْمَاءَ بِأُصْبُعَيْهِ لِأُذُنَيْهِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے دونوں کانوں (کے مسح) کے لیے اپنی دو انگلیوں سے پانی لیتے تھے۔

فائدہ: ......اس روایت کی بنا پر محققین علماء کے ہاں کانوں کے مسح کے لیے الگ پانی لینا جائز ہے اور بیہقی وحاکم کی جو روایت اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے پیش کی جاتی ہے، وہ اس سند سے صحیح مسلم (حدیث: 236) میں موجود ہے اور اس میں سر کے لیے نیا پانی لینے کا تذکرہ ہے، نہ کہ کانوں کے لیے، اسی لیے محدثین نے بیہقی وحاکم کی روایت کو شاذ قرار دیا ہے، بہرحال کانوں کے لیے نیا پانی نہ لینا بہتر اور افضل ہے اور لے لینا صرف جائز ہے کیونکہ نبی

[66] (موقوف صحیح) السنن الکبری للبیهقی: 65/1، 66، ابن ابی شیبة: 18/1، الاوسط لابن المنذر: 397۔
شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

کریم ﷺ سے کانوں کے لیے الگ پانی لینا ثابت نہیں ہوسکا بلکہ پیچھے موطا کی روایت: 59 سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ کان تو سر ہی کا حصہ ہیں، لہٰذا سر والا پانی کانوں کے لیے کافی ہے۔

[67] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الأَنْصَارِيَّ سُئِلَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ فَقَالَ لَا حَتَّى يُمْسَحَ الشَّعْرُ بِالْمَاءِ .

''امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے پگڑی پر مسح کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ایسا کرنا درست نہیں، یہاں تک کہ پانی کے ساتھ بالوں کا مسح کیا جائے۔''

فائدہ: ......اس عبارت سے ایک مفہوم تو یہ نکلتا ہے کہ پگڑی پر مسح درست ہی نہیں، اسے اتارو، پھر بالوں کا مسح کرو، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ آئندہ روایات سے یہی مفہوم ثابت کر رہے ہیں...... دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اکیلی پگڑی پر مسح درست نہیں، ہاں اگر کچھ مسح بالوں پر بھی ہو جائے تو پھر درست ہے...... امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اکیلی پگڑی پر مسح کے قائل نہیں ہیں، اور امام احمد رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں، اس مسئلے میں راجح قول یہ ہے کہ صرف سر کا مسح، صرف پگڑی کا مسح یا سر کے چوتھائی حصے (یعنی ناصیہ) پر مسح کر کے باقی مسح پگڑی پر کر لینا سب درست اور جائز ہے۔(نیل الاوطار: 257/1، تحفۃ الاحوذی: 358/1، الروضۃ الندیۃ: 129/1) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: اَنَّهُ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ یعنی رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور سر کے اگلے حصے کے بالوں پر اور پگڑی پر مسح فرمایا۔(مسلم: 81/ 274) جبکہ حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ (بخاری: 205) اور خود حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (ترمذی: 100) کی روایات میں رسول اللہ ﷺ سے اکیلی پگڑی پر مسح کرنا ثابت ہے۔

[68] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ أَنَّ أَبَاهُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يَنْزِعُ الْعِمَامَةَ وَيَمْسَحُ رَأْسَهُ بِالْمَاءِ .

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ (سر سے) پگڑی اُتار لیتے تھے اور پانی کے ساتھ اپنے سر کا مسح کرتے تھے۔

[69] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّهُ رَأَى صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ امْرَأَةَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے آقا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اہلیہ صفیہ بنت ابی عبید رحمہا اللہ کو دیکھا

[67] (موقوف ضعیف) جامع الترمذی، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی المسح علی العمامة، حدیث: 102، بیهقی: 61/1، ابن ابی شیبة: 29/1 ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

[68] (مقطوع صحیح) بیهقی: 61/1، ابن ابی شیبة: 30/1، عبدالرزاق: 190/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

[69] (مقطوع صحیح) بیهقی: 61/1، ابن ابی شیبة: 30/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

تَـنْـزِعُ خِـمَارَهَا وَتَمْسَحُ عَلَى رَأْسِهَا بِالْمَاءِ وَنَافِعٌ يَوْمَئِذٍ صَغِيرٌ .

کہ وہ اپنا دوپٹا اتار لیتیں اور پھر پانی کے ساتھ اپنے سر کا مسح کرتیں اور نافع رحمہ اللہ اس وقت چھوٹے (اور نابالغ) تھے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْخِمَارِ ، فَقَالَ : لَا يَنْبَغِي أَنْ يَمْسَحَ الرَّجُلُ وَلَا الْمَـرْأَةُ عَلَى عِمَامَةٍ وَلَا خِمَارٍ ، وَلْيَمْسَحَا عَلَى رُؤُوسِهِمَا .

امام مالک رحمہ اللہ سے پگڑی اور دوپٹے پر مسح کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ کسی مرد اور عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ پگڑی اور دوپٹے پر مسح کریں، ان کو چاہیے کہ وہ اپنے سروں کا مسح کیا کریں۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَوَضَّأَ ، فَنَسِيَ أَنْ يَمْسَحَ عَلَى رَأْسِهِ حَتَّى جَفَّ وَضُوءُهُ ؟ قَالَ: أَرَى أَنْ يَمْسَحَ بِرَأْسِهِ ، وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ .

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے وضو کیا اور اپنے سر کا مسح کرنا بھول گیا، یہاں تک کہ (اعضائے وضو سے) وضو کا پانی خشک ہو گیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ اپنے سر کا مسح کر لے اور اگر نماز ادا کر چکا ہے تو اس کو دوبارہ پڑھے۔

فائدہ :...... اسے مسئلہ ''موالاۃ'' (یعنی پے در پے اور لگا تار وضو کرنا) کہتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وضو میں موالات واجب نہیں ہے، درمیان میں وقفہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ چیز واجب تو ہے لیکن بھول کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، جبکہ امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک وضو میں ''موالاۃ'' واجب ہے اور اگر درمیان میں اتنا وقفہ آ جائے کہ اعضائے وضو خشک ہو جائیں تو وضو کو لوٹانا واجب ہے، چنانچہ جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے قدم پر صرف ناخن کے برابر جگہ خشک رہ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا: اِرْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوْءَكَ ''واپس لوٹ جاؤ اور اپنے وضو کو درست کرو۔'' (مسلم : 243)، دوسری روایت میں مزید وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ اَنْ يُّعِيْدَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلَاةَ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے حکم دیا کہ وضو بھی لوٹائے اور نماز بھی۔'' (ابوداود: 175، مسند احمد: 146/3۔ اس کی سند صحیح ہے)...... مذکورہ بالا فتویٰ میں امام مالک رحمہ اللہ نے نسیان کی وجہ سے وضو دہرانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ صرف مسح کر لینے کا حکم دیا کیونکہ مسح کرنا فرض ہے اور اس کے بغیر وضو مکمل نہیں ہوتا اور چونکہ وضو مکمل نہیں ہوا تھا اسی لیے نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔

8- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

اُن روایات کا بیان جو موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں آئی ہیں

خلاصۃ الباب اس باب میں امام صاحب نے چار (4) روایات ذکر کی ہیں جن میں سے دو (2) مرفوع یعنی احادیث پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور دو (2) موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین (3)

فتاویٰ جات بھی ہیں۔

[70] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ زِيَادٍ مِنْ وَلَدِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذَهَبَ لِحَاجَتِهِ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ - قَالَ الْمُغِيرَةُ - فَذَهَبْتُ مَعَهُ بِمَاءٍ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَسَكَبْتُ عَلَيْهِ الْمَاءَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثُمَّ ذَهَبَ يُخْرِجُ يَدَيْهِ مِنْ كُمَّيْ جُبَّتِهِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ مِنْ ضِيقِ كُمَّيِ الْجُبَّةِ فَأَخْرَجَهُمَا مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ يَؤُمُّهُمْ وَقَدْ صَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ عَلَيْهِمْ فَفَزِعَ النَّاسُ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((أَحْسَنْتُمْ))

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک (کے سفر) میں قضائے حاجت کے لیے گئے، مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی آپ ﷺ کے ہمراہ پانی لے کر گیا، پھر جب آپ ﷺ (فارغ ہوکر) آئے تو میں نے آپ پر پانی انڈیلا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک دھویا، پھر آپ ﷺ شروع ہوئے (اور) اپنے ہاتھوں کو اپنے جبے کی آستینوں سے نکالنے لگے، لیکن آستینوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے، تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو جبہ کے نیچے سے نکال لیا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں (یعنی بازوؤں کو دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا اور موزوں پر بھی مسح ہی کیا، پھر رسول اللہ ﷺ (لوگوں کے پاس) اس حال میں آئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کرا رہے تھے اور ان کو ایک رکعت پڑھا چکے تھے، چنانچہ (جماعت ختم ہونے کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے اپنی وہ رکعت ادا کی جو (نماز فجر میں سے) باقی رہتی تھی، تو (یہ صورتحال دیکھ کر) لوگ گھبرا گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز پوری کرلی تو فرمایا: ''تم نے اچھا کیا۔''

فائدہ: ......یعنی گھبرانے کی ضرورت نہیں، تم نے میرے بغیر ہی نماز کو وقت میں شروع کر کے درست کام ہی کیا ہے۔ یہ نمازِ فجر تھی، بعض روایات میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافی دیر انتظار کرتے رہے تھے، پھر نماز کے قضا ہو جانے کے خوف سے، کافی روشنی پھیل جانے کے بعد وہ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ (ابن سعد، زرقانی) اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کسی شاگرد وغیرہ کو اپنی خدمت کے لیے ساتھ رکھا جا سکتا ہے، بول و براز کا غلبہ ہو تو اُن سے

[70] صحيح البخاری ، کتاب الصلاة ، باب الصلاة فی الجبة الشامية ، حديث: 363، 2918، 4421، 5798، 5799، نیز دیکھیے: 388،203،206، صحيح مسلم ، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين ، حديث: 274، ابوداود : 149، ترمذی: 98، نسائی : 107، 108، 123، 124، ابن ماجه : 545

فارغ ہوکر ہی نماز ادا کرنا چاہیے، تنگ کفوں والا جبہ اور قمیض پہننا جائز تو ہے لیکن اس کے کہنیوں سے اوپر نہ جانے کا بہانہ کر کے تیمّم کرنا جائز نہیں، مفضول یعنی کم فضیلت والے کے پیچھے افضل کی نماز ہوسکتی ہے، شاگردوں اور ساتھیوں کے دینی اجتہاد اور نیک جستجو پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے اور ان کی گھبراہٹ و بے چینی کا ازالہ کرنا سنتِ نبوی ہے، یہ حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی شان وفضیلت بھی واضح کر رہی ہے، جنھیں خادمِ رسول ہونے کا اعزاز حاصل ہوا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ بھی واضح ہو رہا ہے، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کا شرف نصیب ہوا، یہی شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نصیب میں بھی آیا، چنانچہ ایک دفعہ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت چھوڑ کر پیچھے آ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جائے نماز پر پہنچ کر امامت کرانے لگے تھے، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں بنوعمرو بن عوف کے لوگوں کی صلح کراتے ہوئے لیٹ ہوگئے تھے۔ (بخاری: 684، مسلم: 421)، مرض الوفات میں ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب امام کے طور پر بیٹھ کر نماز میں شامل ہوئے۔ (بخاری: 683، مسلم: 418) اور ایک دفعہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ (ترمذی: 362، نسائی: 787۔ اس کی سند صحیح ہے) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آخری نماز تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی چادر کو جسم مبارک پر لپیٹے ہوئے تھے۔ (نسائی: 786، ترمذی: 363)

نوٹ: ...... اگرچہ یہ حدیث صحیح ترین سندوں سے ثابت ہے لیکن موطا کی سند میں امام مالک رحمہ اللہ کو دو وہم لاحق ہوئے ہیں (1) ایک یہ کہ انھوں نے عباد بن زیاد رحمہ اللہ کو مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں شمار کیا ہے، حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ وہ ان کے غلام تھے اور ان کی اولاد میں سے نہ تھے بلکہ بعض محدثین کی تحقیق کے مطابق عباد رحمہ اللہ کا مغیرہ رضی اللہ عنہ سے نہ تو سماع ثابت ہے اور نہ رؤیت اور (2) دوسرا یہ کہ عباد رحمہ اللہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کا راوی حذف ہوگیا ہے اور وہ عروہ بن مغیرہ رحمہ اللہ ہے، بعض سندوں میں عروہ رحمہ اللہ کا بھائی حمزہ بن مغیرہ رحمہ اللہ بھی ساتھ مذکور ہے...... ذرا غور کیجیے کہ موطا کی سند میں عباد رحمہ اللہ کے والد کا نام زیاد بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے یعنی عباد بن زیاد، لیکن اس کے باوجود بعد میں ''عن ابیہ المغیرۃ'' کہا گیا۔ الغرض اصل سند یوں ہے: " عباد بن زیاد، عن عروة بن المغيرة، عن ابيه المغيرة بن شعبة۔"

[71] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَدِمَ الْكُوفَةَ عَلَى سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَهُوَ

نافع رحمہ اللہ اور عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کوفہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، جو کوفہ کے امیر (حاکم) تھے،

[71] صحيح البخاری، کتاب الوضوء باب المسح علی الخفين، حديث: 202، سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفين، حديث: 121، 122، احمد: 14/1.

أَمِيرُهَا فَرَآهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَأَنْكَرَ ذَلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ سَلْ أَبَاكَ إِذَا قَدِمْتَ عَلَيْهِ فَقَدِمَ عَبْدُ اللّٰهِ فَنَسِيَ أَنْ يَسْأَلَ عُمَرَ عَنْ ذَلِكَ حَتَّى قَدِمَ سَعْدٌ فَقَالَ أَسَأَلْتَ أَبَاكَ فَقَالَ لَا . فَسَأَلَهُ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ عُمَرُ إِذَا أَدْخَلْتَ رِجْلَيْكَ فِي الْخُفَّيْنِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ فَامْسَحْ عَلَيْهِمَا . قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَإِنْ جَاءَ أَحَدُنَا مِنَ الْغَائِطِ فَقَالَ عُمَرُ نَعَمْ وَإِنْ جَاءَ أَحَدُكُمْ مِنَ الْغَائِطِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو دیکھا کہ وہ موزوں پر مسح کر رہے ہیں، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان پر اس فعل کا انکار (کیا اور ان پر اعتراض) کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم اپنے باپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ تو اُن سے (اس بارے میں) پوچھنا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ (واپس مدینہ) آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھنا بھول گئے، یہاں تک کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی آ گئے تو انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تو نے اپنے باپ سے سوال کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں ۔ پھر عبداللہ نے اپنے باپ سے پوچھا، تو انھوں نے فرمایا: جب تم موزوں میں اپنے پاؤں اس حال میں داخل کرو کہ وہ باوضو ہوں تو ان پر مسح کر لیا کرو، عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ خواہ ہم میں سے کوئی پاخانہ سے (فارغ ہو کر) آئے (تو پھر بھی مسح کرے)؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، اگرچہ تم میں سے کوئی پاخانہ سے ہو کر آئے۔

فائدہ :...... دراصل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ذہن میں یہ تھا کہ صرف سفر کے دوران موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، چنانچہ جب انھوں نے سفر کے علاوہ حضر اور حالتِ اقامت میں بھی موزوں پر مسح ہوتے دیکھا تو تعجب کیا...... موزے یا جرابیں اگر بغیر وضو کے پہنی ہوں تو پھر ان پر مسح جائز نہیں، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَّلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيْمِ ''رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لیے تین دن رات اور مقیم کے لیے ایک دن رات کو (مسح کے لیے مدت) مقرر فرمایا ہے۔ (صحيح مسلم: 276)

[72] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ بَالَ فِي السُّوقِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ رَأْسَهُ ثُمَّ دُعِيَ لِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا حِينَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بازار میں پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور (اس میں) اپنے چہرے اور بازوؤں کو دھویا اور اپنے سر کا مسح کیا، پھر جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو ان کو ایک جنازے کی طرف بلایا گیا تا کہ وہ اس پر نماز ادا کریں، چنانچہ انھوں نے اپنے

[72] (موقوف صحيح) السنن الكبرى للبيهقي: 84/1، معرفة السنن والآثار: 182/1، الأوسط لابن المنذر: 421/1، الأم للشافعي: 226/7، وفي المسند: ص 222۔ شیخ سلیم ہلالی، امام بیہقی رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ (المجموع للنووي: 455/1)

موزوں پر مسح کیا اور پھر اس (میت) پر نمازِ جنازہ پڑھی۔

فائدہ: ...... مسجد نبوی بازار کے قریب ہی تھی، ممکن ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما موزوں پر مسح کرنا بھول گئے ہوں یا کسی عذر کی بنا پر جھک نہ سکتے ہوں، اس لیے انھوں نے مسجد میں آ کر مسح کیا، بہرحال امام احمد رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے ہاں اعضائے وضو میں موالاۃ یعنی پے در پے دھونا اور مسح کرنا واجب ہے اور مسح کو مؤخر کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی (موالاۃ) ثابت ہے، یاد رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر آدمی بھول جائے تو پھر موالاۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ موالات سے مراد یہ ہے کہ اعضائے وضو کو دھونے یا مسح کرنے کے دوران اتنا وقفہ نہ کیا جائے کہ پہلے دھوئے ہوئے اعضاء خشک ہو جائیں۔

[73] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رُقَيْشٍ أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَتَى قُبَا فَبَالَ ثُمَّ أُتِيَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثُمَّ جَاءَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى .

سعید بن عبدالرحمٰن بن رُقیش اشعری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ قُبا میں آئے، (وہاں انھوں نے) پیشاب کیا، پھر ان کے پاس وضو کا پانی لایا گیا، (جس سے) انھوں نے وضو کیا، چنانچہ انھوں نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا، اپنے سر کا مسح کیا اور موزوں پر بھی مسح کیا، پھر مسجد قُبا میں آئے تو نماز ادا کی۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَوَضَّأَ وُضُوءَ الصَّلَاةِ، ثُمَّ لَبِسَ خُفَّيْهِ، ثُمَّ بَالَ، ثُمَّ نَزَعَهُمَا، ثُمَّ رَدَّهُمَا فِي رِجْلَيْهِ أَيَسْتَأْنِفُ الْوُضُوءَ؟ فَقَالَ لِيَنْزِعْ خُفَّيْهِ، ثُمَّ لِيَتَوضَّأْ وَلْيَغْسِلْ رِجْلَيْهِ، وَإِنَّمَا يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ مَنْ أَدْخَلَ رِجْلَيْهِ فِي الْخُفَّيْنِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ بِطُهْرِ الْوُضُوءِ، وَأَمَّا مَنْ أَدْخَلَ رِجْلَيْهِ فِي الْخُفَّيْنِ وَهُمَا غَيْرُ طَاهِرَتَيْنِ بِطُهْرِ الْوُضُوءِ، فَلَا يَمْسَحْ عَلَى الْخُفَّيْنِ .

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو نماز والا وضو کرتا ہے، پھر اس نے اپنے دونوں موزے پہن لیے، پھر پیشاب کیا، پھر موزوں کو اتار لیا، پھر دوبارہ ان کو پاؤں میں ڈال لیا، تو کیا وہ شخص نئے سرے سے وضو کرے؟ (یعنی کیا آئندہ نماز کے لیے اُسے پاؤں دھونا پڑیں گے یا مسح کافی ہوگا؟) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (اب) اُسے موزے اتار دینا چاہئیں، پھر اُسے چاہیے کہ وضو کرے اور اپنے پاؤں دھولے، کیونکہ بلاشبہ موزوں پر مسح وہی شخص کرسکتا ہے جس نے پاؤں کو موزوں میں اس حال

[73] (موقوف صحيح) معرفة السنن والآثار للبيهقي: 339/1، 420، مسند الشافعي: ص 22، الأمّ للشافعي: 226/7۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

میں داخل کیا ہو کہ وہ وضو والی پاکی سے پاک ہوں (یعنی باوضو حالت میں ہوں)، رہا وہ شخص جس نے اپنے پاؤں کو موزوں میں اس حال میں داخل کیا کہ وہ وضو والی پاکیزگی کے ساتھ پاک نہ تھے تو وہ موزوں پر مسح نہیں کرسکتا۔

قَالَ : وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَوَضَّأَ وَعَلَيْهِ خُفَّاهُ، فَسَهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ حَتَّى جَفَّ وَضُوءُهُ وَصَلَّى ؟ قَالَ : لِيَمْسَحْ عَلَى خُفَّيْهِ وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ، وَلَا يُعِيدُ الْوُضُوءَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال ہوا جس نے وضو کیا اور اس (کے پاؤں) پر موزے تو تھے لیکن وہ موزوں پر مسح کرنا بھول گیا، یہاں تک کہ (اعضائے وضو پر) وضو کا پانی خشک ہوگیا اور اس نے نماز بھی پڑھ لی؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اسے چاہیے کہ موزوں پر مسح کرکے نماز کو لوٹا لے اور وضو کو نہ لوٹائے۔

فائدہ :...... اگر کوئی شخص اعضائے وضو میں سے کسی عضو کو دھونے یا مسح کرنے میں اتنی تاخیر کردے کہ اعضائے وضو خشک ہوجائیں تو وضو کو دوبارہ لوٹانا لازم ہے، کیونکہ اس میں ''موالاۃ'' برقرار نہیں رہتی جیسا کہ پیچھے روایت: 22 کے فائدہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔ بہرکیف امام مالک رحمہ اللہ نے وضو کا اعادہ نہ کرنے کا اس لیے فتویٰ دیا کہ ان کے نزدیک نسیان کی وجہ سے ''موالاۃ'' ساقط ہوجاتی ہے، باقی رہی نماز تو وہ چونکہ ایک نامکمل وضو سے ادا کی گئی اس لیے اُس کا لوٹانا لازم قرار دیا۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ غَسَلَ قَدَمَيْهِ، ثُمَّ لَبِسَ خُفَّيْهِ، ثُمَّ اسْتَأْنَفَ الْوُضُوءَ ؟ فَقَالَ : لِيَنْزِعْ خُفَّيْهِ، ثُمَّ لْيَتَوَضَّأْ وَلْيَغْسِلْ رِجْلَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے پہلے اپنے پاؤں دھوئے، پھر اُن پر موزے پہن لیے پھر (باقی ماندہ) وضو شروع کیا؟ تو انھوں نے فرمایا: وہ اپنے موزے اتار دے، پھر (پورا) وضو کرے اور پاؤں بھی دھوئے۔

فائدہ :...... چونکہ اعضائے وضو کو ترتیب سے دھونا امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی واجب ہے اس لیے جب تک پورا وضو ترتیب سے نہ کیا جائے گا، موزوں کو (مسح کی سہولت کے لیے) پہننا جائز ہی نہیں۔ دوسرے لفظوں میں بوقتِ لُبس طہارت کاملہ شرط ہے، یعنی موزے پہنتے وقت یہ لازم ہے کہ پورا وضو ہوچکا ہو، احناف کے ہاں چونکہ ترتیب واجب نہیں اس لیے اُن کے نزدیک سوال میں پوچھی گئی صورت جائز ہے اور وہ کہتے ہیں کہ بوقتِ مسح طہارتِ کاملہ شرط ہے یعنی جب موزوں پر مسح کرنا ہو اس وقت یہ دیکھا جائے گا کہ اس سے پہلے پورا وضو ہوچکا تھا، خواہ موزوں کو پہنتے وقت آدھا غیر مرتب وضو ہی کیا گیا ہو۔ بہرحال سنتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جمہور اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔

9- بَابٌ: اَلْعَمَلُ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پرمسح کرنے کے طریقے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام صاحب نے دو (2) روایات ذکر کی ہیں جو کہ مقطوع یعنی فتاویٰ تابعین رحمہم اللہ ہیں۔ نیز اس باب میں امام احمد رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔

[74] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ أَنَّهُ رَأَى أَبَاهُ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ، قَالَ: وَكَانَ لَا يَزِيدُ إِذَا مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ، عَلَى أَنْ يَمْسَحَ ظُهُورَهُمَا، وَلَا يَمْسَحُ بُطُونَهُمَا.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے باپ (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) کوموزوں پرمسح کرتے ہوئے دیکھا، وہ جب موزوں پرمسح کرتے تو اُن کی پشت یعنی صرف اوپر والے حصے کامسح کرتے، اس سے زیادہ کچھ نہ کرتے اورموزوں کی نچلی جانب مسح نہ کرتے۔

فائدہ: ......حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّاْيِ لَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ، وَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ اگر دین کا دارومدار رائے اور عقل پر ہوتا تو پھر موزوں کی نچلی جانب مسح کرنا اوپر کی بہ نسبت زیادہ لائق (اور قرین قیاس) تھا (لیکن صورتحال یہ ہے کہ) یقیناً میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ اپنے موزوں کے اوپر والے حصے پرمسح فرمارہے تھے۔(ابوداؤد: 162 علامہ البانی رحمہ اللہ (مشکاۃ: 501 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (التلخیص الحبیر: 282/1) نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

[75] عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَاَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ كَيْفَ هُوَ فَاَدْخَلَ ابْنُ شِهَابٍ اِحْدٰى يَدَيْهِ تَحْتَ الْخُفِّ وَالْاُخْرٰى فَوْقَهٗ ثُمَّ اَمَرَّهُمَا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب زُہری رحمہ اللہ سے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا کہ وہ کس طرح ہوتا ہے؟ تو ابن شہاب رحمہ اللہ نے اپنا ایک ہاتھ موزے کے نیچے رکھا اور دوسرا اوپر، پھر اُن دونوں کو (موزے پر پھیرتے ہوئے) گزار دیا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَقَوْلُ ابْنِ شِهَابٍ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن شہاب رحمہ اللہ کا قول مجھے ان تمام اقوال سے زیادہ پسند ہے جو میں نے اس مسئلے میں سنے ہیں۔

---

[74] (مقطوع صحیح) الأمّ للشافعي: 226/7۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[75] (مقطوع صحیح) الأم للشافعي: 226/7، سنن الكبرىٰ للبيهقي: 291/1، معرفة السنن والآثار: 339/1، الخلافيات: /226۔ 261 (998)۔ شیخ سلیم ہلالی اور حامد احمد طاہر نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

فائدہ: ......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت (جو پچھلی حدیث کے فائدہ میں گزر چکی ہے) کے علاوہ مسح کی کیفیت کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، لہٰذا عملِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اضافہ کرنے سے بچنا چاہیے، ممکن ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کو حدیث علی رضی اللہ عنہ نہ پہنچی ہو۔

10- بَابُ مَاجَاءَ فِي الرُّعَافِ وَالْقَيْءِ

اُن روایات کا بیان جو نکسیر پھوٹنے اور قے کے بارے میں آئی ہیں

خلاصة الباب: اس باب میں امام صاحب نے تین (3) روایات ذکر کی ہیں جن میں سے دو (2) موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور ایک مقطوع یعنی تابعی کا فتویٰ ہے۔ ان تین روایات میں سے دو (2) صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

فائدہ: ......قے کا لفظ اکثر نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے، آگے پورے باب میں بھی اس کے متعلق کچھ بیان نہیں ہوا، اس لیے ممکن ہے کہ یہ لفظ غلطی سے چھپ گیا ہو، یا پھر واقعی موجود ہو اور امام مالک رحمہ اللہ نے باب کے عنوان میں اس کا ذکر کر کے یہ اشارہ کیا ہو کہ جو حکم نکسیر پھوٹنے کا ہے اُن کے نزدیک وہی حکم قے کا بھی ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ باب کے عنوان میں اس لفظ کا تذکرہ اس لیے کیا کہ بعض روایات میں دونوں کا اکٹھا ذکر موجود ہے۔ (واللہ اعلم)

[76] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا رَعَفَ انْصَرَفَ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ رَجَعَ فَبَنَى وَلَمْ يَتَكَلَّمْ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جب نکسیر پھوٹتی تو (نماز وہیں چھوڑ کر) چلے جاتے، پھر وضو کرتے، پھر واپس آتے، پھر (گزشتہ نماز پر) بنیاد رکھتے (اور باقی ماندہ نماز پوری کرتے اور اس دورانیے میں) وہ گفتگو نہیں کرتے تھے۔

[77] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَرْعُفُ، فَيَخْرُجُ فَيَغْسِلُ الدَّمَ عَنْهُ، ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَبْنِي عَلَى مَا قَدْ صَلَّى.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نکسیر پھوٹتی تو وہ باہر چلے جاتے، پھر (صرف) خون صاف کرتے، پھر (بغیر وضو کیے) واپس آجاتے اور جو نماز وہ پہلے پڑھ چکے ہوتے اُس پر بنیاد رکھتے (اور باقی ماندہ نماز پوری کر لیتے)۔

---

[76] (موقوف صحیح) السنن الكبرى للبيهقي: 256/2، معرفة السنن والآثار للبيهقي: 108/2، عبدالرزاق 3604، ابن ابی شیبة: 5901، مسند الشافعي: 105/1، الأوسط لابن المنذر: 169/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[77] (موقوف ضعیف) بیهقی: 257/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ میں نے کہیں نہیں پایا کہ کسی نے اسے موصول بیان کیا ہو۔

[78] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ اللَّيْثِيِّ: أَنَّهُ رَأَى سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ رَعَفَ وَهُوَ يُصَلِّي، فَأَتَى حُجْرَةَ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأُتِيَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ رَجَعَ فَبَنَى عَلَى مَا قَدْ صَلَّى.

یزید بن عبداللہ بن قُسیط لیثی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی نکسیر اس حال میں پھوٹ گئی جب وہ نماز پڑھ رہے تھے، چنانچہ وہ زوجۂ رسول ﷺ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پاس آئے، ان کے پاس وضو والا پانی لایا گیا، تو انھوں نے وضو کیا، پھر واپس چلے گئے اور جو نماز پہلے پڑھ چکے تھے، اُسی پر (باقی ماندہ نماز کی) بنا کر لی۔

فائدہ: ......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی روایات میں بھی وضو سے مراد لغوی معنیٰ لیے گئے ہیں یعنی خون صاف کرنا، شرعی وضو مراد نہیں ہے، چونکہ نکسیر پھوٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی لیے انھوں نے نیا وضو نہیں کیا بلکہ صرف خون صاف کر کے باقی نماز ادا کر لی، احناف کے ہاں زیادہ نکسیر آنے اور منہ بھر کر قے آنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اُن کی دلیل یہ روایت ہے: مَنْ اَصَابَهُ قَيْءٌ اَوْ رُعَافٌ اَوْ قَلْسٌ اَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لْيَبْنِ عَلٰى صَلَاتِهِ وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ ''جسے (نماز میں) قے آ جائے یا نکسیر پھوٹ پڑے، یا پیٹ کے اندر کی کوئی چیز (صفراوی مادہ وغیرہ) منہ تک آ پہنچے یا مذی آ جائے تو اسے چاہیے کہ چلا جائے، پھر وضو کرے، پھر اپنی (گزشتہ) نماز پر بنا کر لے اور وہ اس عرصے میں (کسی سے) گفتگو نہ کرے۔'' (ابن ماجہ: 1221)

لیکن امام احمد، ابن حجر، البانی، بوصیری اور زیلعی رحمہم اللہ وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ضعیف راوی ہے، لہٰذا نہ تو یہ ثابت ہوا کہ قے، نکسیر یا منہ تک آنے والا کھانا یا پانی ناقضِ وضو ہیں اور نہ گزشتہ نماز پر باقی ماندہ نماز کی بنیاد رکھنے والا مسئلہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہوا، البتہ مذی کا ناقضِ وضو ہونا دوسری احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، ہاں قے آنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کا وضو کرنا ثابت ہے۔ (ترمذی: 87، اس کی سند صحیح ہے)

اس سے بعض نے محض لغوی وضو یعنی منہ دھونا مراد لیا ہے، جبکہ اکثر کے نزدیک نماز والا وضو ہی مراد ہے، لیکن یہ بات اصول میں ثابت شدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا محض فعل، یعنی کسی کام کو کرنا اُس کو واجب قرار نہیں دیتا، اس لیے راجح موقف یہی ہے کہ قے ناقضِ وضو یعنی وضو توڑنے والی چیز تو نہیں ہے لیکن پھر بھی اس کے بعد وضو کر لینا مستحب ہے۔

---

[78] (مقطوع صحیح) بیہقی: 257/2، عبدالرزاق: 3614، ابن ابی شیبة: 5913۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

11- بَابٌ: اَلْعَمَلِ فِيْ الرُّعَافِ

نکسیر پھوٹنے پر کیے جانے والے عمل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام صاحب نے دو (2) مقطوع روایات یعنی فتاویٰ تابعین رحمہم اللہ ذکر کی ہیں۔ ان میں سے ایک صحیح اور ایک حسن درجہ کی ہے۔

[79] حَـدَّثَـنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الـرَّحْـمَـنِ بْـنِ حَرْمَلَةَ الأَسْلَمِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْـتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَرْعُفُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الدَّمُ، حَتَّى تَخْتَضِبَ أَصَابِعُهُ مِنَ الدَّمِ الَّذِي يَخْرُجُ مِنْ أَنْفِهِ، ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ.

عبدالرحمٰن بن حرملہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کو دیکھا، ان کی نکسیر پھوٹ رہی تھی اور اس سے خون نکل رہا تھا، یہاں تک کہ ناک سے نکلنے والے خون سے ان کی انگلیاں رنگین ہوگئیں (لیکن) پھر بھی وہ نماز پڑھتے رہے اور وضو کے لیے نہ گئے۔

[80] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْـنِ الْـمُـجَبَّـرِ، أَنَّـهُ رَأَى سَـالِمَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَـخْـرُجُ مِـنْ أَنْـفِـهِ الـدَّمُ، حَتَّـى تَخْتَضِبَ أَصَابِعُهُ، ثُمَّ يَفْتِلُهُ، ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ

عبدالرحمٰن بن مجبر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سالم رحمہ اللہ بن عبداللہ بن عمر کو دیکھا، ان کی ناک سے خون نکلتا، یہاں تک کہ ان کی انگلیاں رنگین ہو جاتیں، وہ اس (خون) کو مل دیتے، پھر نماز پڑھتے رہتے اور وضو نہ کرتے تھے۔

فائدہ: ......مقصد یہ ہے کہ نکسیر سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے اس بارے میں دو صورتیں منقول ہیں، چنانچہ کبھی تو وہ ناک سے نکلنے والے خون کو محض انگلیوں سے صاف کر لیتے اور نماز کو جاری رکھتے اور کبھی وہ باہر جا کر خون صاف کر آتے اور پھر واپس آ کر باقی ماندہ نماز پڑھ لیتے۔

12- بَابٌ: اَلْعَمَلِ فِيْمَنْ غَلَبَهُ الدَّمُ مِنْ جُرْحٍ اَوْ رُعَافٍ

اس شخص کے عمل کا بیان جس پر زخم یا نکسیر پھوٹنے سے خون کا غلبہ ہو جائے

خلاصۃ الباب اس باب میں امام صاحب نے دو (2) روایات ذکر کی ہیں۔ ان میں سے ایک موقوف یعنی قول صحابی رضی اللہ عنہ اور دوسری مقطوع ہیں یعنی تابعی کا فتویٰ ہے۔ دونوں روایات صحیح ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو عدد (2) فتویٰ بھی موجود ہیں۔

---

[79] (مقطوع حسن) معرفة السنن والآثار للبيهقي: 238/1، الخلافيات للبيهقي: 323/2، عبدالرزاق 557، ابن ابی شيبة: 1464۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

[80] (مقطوع صحيح) معرفة السنن والآثار للبيهقي: 238/1، الخلافيات للبيهقي: 234/2، ابن ابی شيبة: 31/2، الشافعي في كتابه القديم كما في المعرفة: 237/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[81] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْـنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَـرَهُ : أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مِنَ اللَّيْـلَةِ الَّتِـي طُعِنَ فِيهَا ، فَأَيْقَظَ عُمَرَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ ، فَقَـالَ عُـمَـرُ : نَعَمْ وَلَا حَظَّ فِي الإِسْلَامِ لِـمَـنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ . فَصَـلَّـى عُمَرُ وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ دَماً

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس اُس رات کو گئے جس میں اُنھیں زخمی کر دیا گیا تھا تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نمازِ فجر کے لیے جگایا، تو عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہاں (ٹھیک ہے) ، اور اسلام میں اُس شخص کا کوئی حصہ نہیں جو نماز کو چھوڑ دے ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حال میں نماز پڑھی کہ ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

فائدہ :...... اس روایت سے بھی اُن علماء وفقہاء نے دلیل پکڑی ہے جو بے نماز کو کافر اور اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، ہمارے معاشرے میں جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں، قرآن کو مانتے اور آخرت میں جزا وسزا کا تصور رکھتے ہیں، ان میں نماز کے حوالہ سے کچھ یا زیادہ سستی پائی جاتی ہے تو ان کو نماز کی طرف لانے کے لیے بھرپور انداز میں دعوت پیش کرنی چاہیے، نیز ثابت ہوا کہ جسم سے خون کا نکلنا یا نکل کر بہنا ناقضِ وضو نہیں ہے۔

[82] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَـعِيدٍ ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ : مَا تَرَوْنَ فِيمَنْ غَلَبَهُ الدَّمُ مِنْ رُعَافٍ فَلَمْ يَنْقَطِعْ عَنْهُ ؟

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے (ہم سے سوال پوچھتے ہوئے) کہا کہ تمھارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جس پر نکسیر کا خون غالب آ جائے یعنی مسلسل بہتا رہے اور بند ہی نہ ہو۔

قَـالَ مَـالِكٌ : قَـالَ: يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ، ثُمَّ قَالَ سَـعِيـدُ بْـنُ الْـمُسَيَّبِ : أَرَى أَنْ يُومِئَ بِرَأْسِهِ إِيمَاءً .

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر خود ہی سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے جواب دیا: میری رائے یہ ہے کہ وہ اپنے سر کے اشارے سے نماز پڑھ لے۔

قَـالَ يَـحْيَـى: قَـالَ مَـالِكٌ: وَذَلِكَ أَحَبُّ مَـا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ اس بارے جو میں نے سنا ہے یہ سب سے اچھی رائے ہے۔

فائدہ :......یعنی رکوع اور سجدہ نہ کرے کیونکہ ان حالتوں میں خون اور تیزی سے بہے گا اور جسم، کپڑے اور

---

[81] (موقوف صحیح) بیہقی : 357/1، دار قطنی : 223/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے، علامہ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (ارواء الغلیل : 226/1) .

[82] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق : 149/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

جگہ کے زیادہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے......الغرض مالکی فقہاء کے ہاں خون نکلنے اور نکسیر پھوٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہی موقف راجح ہے، جبکہ احناف کے ہاں زیادہ نکسیر ناقضِ وضو ہے، قلیل غیر ناقض ہے اور لگاتار بہنے والی نکسیر کا حکم استحاضے کے حکم جیسا ہے۔

13- بَابٌ: اَلْوُضُوْءُ مِنَ الْمَذْيِ

مذی (نکلنے) سے وضو (کرنے) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین (3) روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں سے ایک (1) مرفوع یعنی حدیث مصطفیٰ ﷺ، دو (2) موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، دو (2) روایات صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

[83] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الأَسْوَدِ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَهُ أَنْ يَسْأَلَ لَهُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ إِذَا دَنَا مِنْ أَهْلِهِ، فَخَرَجَ مِنْهُ الْمَذْيُ مَاذَا عَلَيْهِ، قَالَ عَلِيٌّ: فَإِنَّ عِنْدِي ابْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَأَنَا أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَهُ. قَالَ الْمِقْدَادُ: فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: ' إِذَا وَجَدَ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَنْضَحْ فَرْجَهُ بِالْمَاءِ وَلْيَتَوَضَّأْ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اُن کے لیے رسول اللہ ﷺ سے اُس شخص کے متعلق سوال کریں جو اپنی اہلیہ کے قریب ہو تو اس سے مذی نکل آئے، اس پر کیا لازم ہوگا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی میرے نکاح میں ہیں، اس لیے میں آپ ﷺ سے (خود براہِ راست) پوچھنے میں شرم محسوس کرتا ہوں، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اسے پائے تو اسے چاہیے کہ اپنی شرم گاہ کو پانی سے دھو لے اور نماز والے وضو کی طرح وضو کر لے۔''

فائدہ: ......یعنی جب عضو مخصوص سے مذی نکلے اور اس کے بعد نماز پڑھنا ہو تو آدمی عضو کو اور جہاں جہاں جسم پر مذی لگی ہو اُسے دھو لے اور نماز پڑھ لے فَلْيَنْضَحْ کے معنی دھونے یا پانی چھڑکنے کے ہوتے ہیں، چنانچہ بخاری ومسلم کی درج ذیل حدیث کے الفاظ سے دھونے کے معنی متعین ہوجاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ

[83] صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من استحيا فامر غيره بالسؤال، حديث: 132، 178، 269، صحيح، مسلم، كتاب الحيض، باب المذى، حديث: 303، ابوداود: 206، ترمذى: 114، نسائى: 152، 153، 154، 156، 157، ابن ماجه: 504.

ذَكَرَكَ ''وضو کر اور اپنے عضو کو دھو ڈال۔'' (بخاری : 269، مسلم: 303)

عضو سے جو پانی اُچھل کر اور کود کر نکلتا ہے، جس کے نکلنے کے بعد شہوت کم یا ختم ہو جاتی ہے اُسے ''منی'' کہتے ہیں اور وہ لیس دار بالکل سفید شیشے کی طرح کا پانی جو شہوت کے خیالات سے یا جماع سے قبل کھیل کود سے بغیر اُچھلنے کے نکلتا ہے اور جس کے نکلنے سے شہوت کم نہیں ہوتی اُسے ''مذی'' کہتے ہیں، جبکہ وہ لیس دار سفید یا گدلا، غیر بدبودار پانی جو پیشاب کے بعد بیماری کی وجہ سے آتا ہے اُسے ''ودی'' کہتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ سوال حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا اور بعض میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کا تذکرہ ہے، ایک روایت میں ہے: تَذَاكَرَ عَلِيٌّ وَالْمِقْدَادُ وَعَمَّارٌ یعنی حضرت علی، حضرت مقداد اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم نے آپس میں اس مسئلے پر بات چیت کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں کو حکم دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھیں (نسائی: 436) ......بہرحال ان تمام روایات میں دو طرح سے تطبیق دی گئی ہے: (1) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں سے مسئلہ پوچھنے کے لیے کہا لیکن انھوں نے تاخیر کر دی تو خود ہی مسئلہ پوچھ لیا، پھر اُن دونوں نے بھی موقع ملنے پر مسئلہ پوچھ کر بتا دیا، یا (2) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مسئلہ تو ان دونوں نے ہی پوچھا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اس سوال کو مجازاً منسوب کر دیا گیا کیونکہ مسئلہ پوچھنے کا سبب وہی تھے۔ واللہ اعلم ......یاد رہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے والد کا نام تو عمرو (بن ثعلبہ) تھا لیکن وہ مقداد بن عمرو کی بجائے مقداد بن اَسود کے نام سے اس لیے زیادہ مشہور ہوئے کہ اسود بن عبد یغوث نے اُن کو اپنا لے پالک بنا رکھا تھا۔

[84] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: إِنِّي لأَجِدُهُ يَنْحَدِرُ مِنِّي مِثْلَ الْخُرَيْزَةِ، فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَغْسِلْ ذَكَرَهُ وَلْيَتَوَضَّأْ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ. يَعْنِي الْمَذْيَ

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد اسلم رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک میں اس (مذی) کو یوں محسوس کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے اس طرح گرتی ہے جیسے کوئی شفاف اور چمکدار چیز (بلور کا دانہ وغیرہ) جب تم میں سے کوئی اسے پائے تو اپنے عضو کو دھولے اور نماز کے وضو جیسا وضو کر لے، وہ مذی کو مراد لے رہے تھے۔

فائدہ :......''خُریزۃ'' سے مراد چمکدار نگینہ یا شیشہ نما پتھر ہے یا بلور اور بلور بھی ایک شفاف قسم کے جوہر یا خاص قسم کے شیشے کو کہتے ہیں۔

[85] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ

جندب رحمہ اللہ، جو کہ عبداللہ بن عیاش رحمہ اللہ کے آزاد کردہ غلام

[84] (موقوف صحیح) بیهقی : 356/1، معرفة السنن والآثار : 266/1، عبدالرزاق : 605۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[85] (موقوف ضعیف) بیهقی : 356/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ جندب مولیٰ عبداللہ بن عیاش مجہول ہے۔

أَسْلَمَ، عَنْ جُنْدَبٍ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَيَّاشٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ الْمَذْيِ، فَقَالَ: إِذَا وَجَدْتَهُ فَاغْسِلْ فَرْجَكَ وَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ.

ہیں، سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مذی کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: جب تم اسے محسوس کرو تو اپنی شرمگاہ کو دھولو اور نماز کے وضو جیسا وضو کرلو۔

فائدہ: ......جسم پر مذی لگی ہو تو اسے دھو لینا چاہیے اور اگر کپڑے کو بھی لگی ہو تو اس کے متعلق حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: يَكْفِيكَ بِأَنْ تَأْخُذَ كَفًّا مِنْ مَّاءٍ فَتَنْضَحَ بِهَا مِنْ ثَوْبِكَ حَيْثُ تُرَىٰ أَنَّهُ أَصَابَهُ ''تمھیں اتنا ہی کافی ہے کہ پانی کا ایک چلو لے کر اپنے کپڑے پر اس جگہ چھڑک دو جہاں تم مذی کو لگا ہوا دیکھتے ہو۔'' (ابوداؤد: 210، ترمذی: 115، ابن ماجہ: 506، مسند احمد: 485/3، دارمی: 184/1، ابن خزیمہ: 291۔ اس کی سند حسن صحیح ہے) ''تُرٰی'' کا لفظ رُویت سے ماخوذ ہے اور چونکہ یہ افعال قلوب میں سے بھی ہے، اس لیے اس حدیث مبارکہ کا یہ مفہوم بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جس جس جگہ واضح طور پر مذی نظر آرہی ہو، کپڑے کے اس حصے کو دھونا ضروری ہے اور باقی کپڑے پر جہاں جہاں مذی کا پانی لگنے کا خیال یا گمان ہو تو وہاں صرف چھینٹے مارنا کافی ہے، محض گمان کی بنا پر اور شک کی وجہ سے پورا کپڑا دھونے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

14- بَابٌ: اَلرُّخْصَةُ فِيْ تَرْكِ الْوُضُوْءِ مِنَ الْوَدْيِ

ودی کے نکلنے سے وضو نہ کرنے کی رخصت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے دو (2) مقطوع صحیح روایات یعنی فتاویٰ تابعین رحمہم اللہ ذکر کی ہیں۔

[86] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَمِعَهُ وَرَجُلٌ يَسْأَلُهُ فَقَالَ: إِنِّي لَأَجِدُ الْبَلَلَ وَأَنَا أُصَلِّي، أَفَأَنْصَرِفُ؟ فَقَالَ لَهُ سَعِيدٌ: لَوْ سَالَ عَلَى فَخِذِي مَا انْصَرَفْتُ حَتَّى أَقْضِيَ صَلَاتِي.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کسی شخص کو سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے یہ مسئلہ پوچھتے ہوئے سنا کہ میں اُس وقت تری (عضو سے پانی کو نکلتا ہوا) محسوس کرتا ہوں جب میں نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں تو کیا میں نماز سے نکل جایا کروں؟ تو سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے اُسے جواب دیا کہ اگر یہ تری (مجھ سے نکل کر) میری ران پر بھی بہہ نکلے تو میں نماز سے نہیں نکلوں گا یہاں تک کہ میں نماز کو مکمل کرلوں۔

[86] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 159/1، 160۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[87] وَحَـدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ الصَّلْتِ بْنِ زُيَيْـدٍ ، أَنَّهُ قَالَ : سَأَلْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ عَنِ الْبَـلَـلِ أَجِدُهُ ، فَقَالَ : انْضَحْ مَا تَحْتَ ثَوْبِكَ بِالْمَاءِ وَالْهَ عَنْهُ .

صلت بن زُیَید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے اُس تری کے بارے میں پوچھا جسے میں پاتا ہوں، تو انھوں نے کہا کہ اپنے کپڑے کے نیچے (یعنی مقامِ ستر پر، تہبند یا ازار پر) پانی چھڑک لے اور اس (تَری کے خیال) سے غافل ہو جا (اور اس کی پروا بھی نہ کر)۔''

فائدہ : ......اس بات پر علمائے امت کا اجماع ہے کہ کسی بھی شرم گاہ سے کوئی بھی چیز نکل آئے تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے تو پھر سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ کے فتاوٰی جات کا کیا مطلب ہے؟...... چنانچہ اس مذکورہ فتویٰ کے دو مفہوم ممکن ہیں اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں: (1) اگر کسی شخص کو سلسل البول یعنی پیشاب کے قطرات کے مسلسل بہتے رہنے کا عارضہ ہو، یا مذی یا ودی اس کثرت سے نکلتی ہو کہ عضو کے آگے تری محسوس ہوتی ہی رہتی ہے تو ایسا شخص مستحاضہ عورت کی طرح معذور شمار ہوگا، وہ کسی بھی نماز کے وقت میں ایک بار وضو کر کے وقت ختم ہونے تک نمازیں پڑھ سکتا ہے، ایک وضو ایک نماز کے مکمل وقت کے لیے کافی ہے اور اس کے قطرات نکلتے رہنے کے باوجود وہ باوضو ہی شمار ہوگا، اور یہی صورتحال اس مرد و عورت کی ہے جسے مسلسل ہوا خارج ہوتے رہنے کا عارضہ لاحق ہو، اہل حدیث حضرات اور احناف کا یہی موقف ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں یہ معذور افراد ہر نماز کے لیے الگ الگ وضو کرتے رہیں گے خواہ وہ نمازیں کسی ایک نماز کے وقت ہی میں پڑھی جائیں ......الغرض سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا فتویٰ میں اسی عذر والے مسئلے کی طرف اشارہ ہے۔

(2) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کو قطرات نکلنے کی بیماری نہ ہو، اُس کی دو صورتیں ہیں، یا تو اُسے عضو سے تری نکلنے کا یقین ہوگا یا شک، اگر یقین ہے تو اُسے چاہیے کہ عضو اور کپڑا دھو کر نیا وضو کرے اور اگر اُسے محض شک یا وسوسہ ہے کہ معلوم نہیں عضو سے کچھ نکلا بھی ہے یا نہیں تو اُس کا وضو نہیں ٹوٹے گا ، یہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہے جو آدمی کو اس طرح نماز ہی سے دور رکھنا چاہتا ہے (اور یہ اصول ہے کہ یقینی چیز پر اگر شک وارد ہو تو شک سے یقین زائل نہ ہوگا، وضو جو کہ یقیناً کیا گیا تھا وہ اس پیش آنے والے شک سے ختم نہیں ہوگا)، ہر شخص کو چاہیے کہ جب وہ وضو کرے تو وضو کے اختتام پر ایک چلو پانی لے کر اپنے ازار کے اُس حصے پر چھینٹے مارے جو شرمگاہ کے آس پاس ہے، اور وضو کے بعد جس قدر بھی قطرات نکلنے کا شک یا وسوسہ آئے اُس کی قطعاً پروا نہ کرے، اور ایسے شک اور وسوسہ کے موقع پر کپڑے پر تری نظر آ بھی جائے تو یہی سمجھے کہ یہ تری اُس چلو کی ہے جس سے چھینٹے مارے تھے، حضرت سلمان بن یسار رحمہ اللہ کے فتویٰ

[87] (مقطوع صحيح) التاريخ الكبير للبخاری : 301/4، 302۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

میں اسی کی طرف اشارہ ہے ......حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب شروع اسلام میں جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طریقۂ نماز و وضو سکھایا تو فَلَـمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوْءِ اَخَذَ غَرْفَةً مِنَ الْمَاءِ فَنَضَحَ بِهَا فَرْجَهٗ ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا ایک چُلّو لیا اور اسے شرم گاہ پر چھڑک دیا۔'' (مسند احمد: 161/4، دارقطنی: 111/1۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے، اگرچہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے، لیکن متعدد شواہد کی بنا پر یہ روایت حسن لغیرہ ہے، نیز دیکھیے، ابوداود: 166، ترمذی: 50، نسائی: 134,135، ابن ماجہ: 461، 463 وغیرہ اور دیکھیے صحیح ابی داؤد للألبانی: 159) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بڑی وضاحت سے ان چھینٹوں کا مقصد بیان کیا گیا ہے، اکثر نمازی حضرات جوان وسوسوں میں مبتلا ہیں اسے یاد رکھیں، فرمانِ نبوی ہے: عَلَّمَنِیْ جِبْرَائِیْلُ الْوُضُوْءَ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَنْضَحَ تَحْتَ ثَوْبِیْ لِمَا یَخْرُجُ مِنَ الْبَوْلِ بَعْدَ الْوُضُوْءِ ''جبرائیل علیہ السلام نے مجھے وضو کا طریقہ سکھایا اور مجھے حکم دیا کہ اپنے کپڑے کے نیچے چھینٹے مارلوں، پیشاب کے ان قطرات کی وجہ سے جو وضو کے بعد نکلتے رہتے ہیں۔'' (ابن ماجہ: 462۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے)

ویسے پیشاب کے بعد کچھ دیر تک نکلتے رہنے والے قطرات سے بہت سے لوگوں کو مندرجہ ذیل طبی نسخوں کے استعمال سے اللہ نے نجات بھی عطا فرما دی: (1) کشتہ سہ دھاتہ اور پوٹاشیم برومائیڈ برابر مقدار میں لے کر ایک چنے کے برابر صبح نہار منہ تازہ پانی سے تین دن یا پانچ یا سات دن تک استعمال کریں۔ (2) یا پھٹکڑی بریاں (آگ پر سفوف بنائی ہوئی پھٹکڑی) لے کر 500 ملی گرام کے کیپسول بھرلیں اور روزانہ نہار منہ کچی لسی سے دو کیپسول چودہ دن تک استعمال کریں۔ ان شاء اللہ۔ افاقہ ہوجائے گا، بہتر تو یہی ہے کہ کسی ماہر حکیم سے رابطہ کرلیں۔

15- بَابٌ: اَلْوُضُوْءُ مِنْ مَسِّ الْفَرْجِ

شرم گاہ کو چھونے سے وضو لازم ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے چھ (6) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک (1) مرفوع یعنی حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، چار (4) موقوف یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ایک مقطوع یعنی تابعی کا فتویٰ ہے۔ تمام روایات صحیح درجہ کی ہیں۔

[88] حَدَّثَنِی یَحْیَی، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے عروہ

[88] (صحیح) سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب الوضوء من مس الذكر، حديث: 181، جامع الترمذی، کتاب الطهارة، باب الوضوء من مس الذكر، حديث: 82، سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب الوضوء من مس الذكر، حديث: 163، 164، سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة و سننها، باب الوضوء من مس الذكر، حديث: 479۔ ابن حبان: 396/3، دارمی: 724، التمهيد لابن عبدالبر: 186/17، السنن الكبرى للبيهقی: 128/1، ⇦⇦

بْـنِ أَبِـى بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُ: دَخَلْتُ عَلَى مَـرْوَانَ بْـنِ الْـحَـكَـمِ فَتَذَاكَرْنَا مَا يَكُونُ مِنْهُ الْـوُضُـوءُ، فَـقَـالَ مَرْوَانُ: وَمِنْ مَسِّ الذَّكَرِ الْوُضُوءُ. فَـقَالَ عُرْوَةُ: مَا عَلِمْتُ هَذَا. فَقَالَ مَـرْوَانُ بْـنُ الْـحَـكَـمِ: أَخْبَرَتْنِى بُسْرَةُ بِنْتُ صَفْوَانَ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِذَا مَسَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ

بن زبیر رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں مروان بن حکم رحمہ اللہ کے پاس گیا، ہم نے آپس میں اُن چیزوں کا تذکرہ کیا جن سے وضو لازم ہو جاتا ہے، چنانچہ مروان رحمہ اللہ نے کہا کہ عضو مخصوص کو چھو لینے سے بھی وضو کرنا پڑتا ہے، عروہ رحمہ اللہ نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، تو مروان رحمہ اللہ بن حکم نے کہا کہ مجھے حضرت بُسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے عضو کو چھو لے تو اسے چاہیے کہ وضو کرے۔''

فائدہ:...... امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو احادیث متواترہ میں شمار کیا ہے اور یہ مسئلہ سترہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ (زرقانی)

اس مسئلہ میں سلف وخلف کے درمیان اختلاف چلا آ رہا ہے، کیونکہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت (ابـو داؤد: 182، تـرمذی: 85، ابـن مـاجـہ: 483۔اس کی سند بھی صحیح ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ شرم گاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، ان دونوں متعارض نظر آنے والی روایات میں بعض نے تطبیق دی ہے کہ دونوں (بُسرہ رضی اللہ عنہا اور طلق رضی اللہ عنہ کی) روایات کا مفہوم ہی الگ الگ ہے اور دونوں ہی صحیح ہیں، چنانچہ اگر ننگے عضو اور شرم گاہ کو ہاتھ لگ جائے تو بُسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر ہاتھ اور شرمگاہ کے درمیان میں کپڑا یا کوئی اور چیز حائل ہو تو پھر طلق رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق وضو نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں فرمانِ نبوی ہے: مَـنْ اَفْضٰی بِیَدِہٖ اِلٰی ذَکَرِہٖ لَیسَ دُوْنَہٗ سَتْرٌ فَقَدْ وَجَبَ عَلَیْهِ الْوُضُوْءُ ''جو شخص اپنے عضو تناسل کو ہاتھ لگائے اور اس پر پردہ نہ ہو تو اس پر وضو واجب ہو گیا۔'' (مسند احمد: 333/2، طحاوی: 74/1، الاُمّ للشافعی: 131/1، 3431، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

بعض علمائے کرام نے کچھ اصولی وجوہات کی بنا پر تطبیق کی بجائے ''نسخ'' کے ذریعے یہ مسئلہ حل کیا ہے کہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ کی روایت منسوخ ہے اور حضرت بُسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت ناسخ ہے، جبکہ بعض علمائے محققین نے اصول وقواعد کی روشنی میں نسخ کی بجائے ترجیح کے ساتھ مسئلہ حل کیا ہے کہ طلق رضی اللہ عنہ کی روایت مرجوح ہے اور بُسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت راجح

⇦⇨ معالم التنزیل للبغوی: 224/2، شرح السنة للبغوی: 240/1 الاعتبار للحازمی: 221/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، نیز امام احمد، بخاری، یحیٰی بن معین، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی، حاکم، بیہقی، ابن حزم، ابن عبدالبر، ابن دقیق العید، ابن ملقن، ذہبی، ابن حجر اور البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز دیکھیے، صحیح موارد الظمآن: 173، 174.

ہے کیونکہ اس کی سند کے تمام راوی بخاری ومسلم کے راویوں میں سے ہیں جبکہ طلق رضی اللہ عنہ کی روایت کے راوی اس درجہ کے نہیں ہیں...... الغرض ننگے بدن کسی بھی شرم گاہ کو ہاتھ لگنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔

[89] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ, عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أُمْسِكُ الْمُصْحَفَ عَلَى سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ فَاحْتَكَكْتُ، فَقَالَ سَعْدٌ: لَعَلَّكَ مَسِسْتَ ذَكَرَكَ؟ قَالَ فَقُلْتُ: نَعَمْ. فَقَالَ: قُمْ فَتَوَضَّأْ، فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ، ثُمَّ رَجَعْتُ.

مصعب رحمہ اللہ بن سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں قرآن مجید کا مصحف (اپنے والد) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے پکڑے رکھتا تھا، (میں قرآن پکڑ لیتا اور وہ اس سے دیکھ کر پڑھتے رہتے یا مطلب یہ ہے کہ وہ زبانی پڑھتے اور میں قرآن سے دیکھ کر سنتا رہتا تھا) تو (ایک روز) میں نے خارش کی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ شاید تم نے اپنے عضو کو چھولیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، تو انھوں نے فرمایا: اٹھو، وضو کرو، چنانچہ میں اٹھا، پھر وضو کیا، پھر واپس لوٹ آیا۔

[90] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا مَسَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: جب تم میں سے کوئی اپنے عضو کو چھو لے تو یقیناً اس پر وضو واجب ہوگیا۔

فائدہ: ...... مسند بزار میں یہ روایت مرفوع ہے یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔

[91] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ, أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: جس نے اپنے عضو کو چھولیا تو بلاشبہ اس پر وضو واجب ہوگیا۔

فائدہ: ...... مسند بزار میں ہے کہ عروہ رحمہ اللہ اس روایت کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور وہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتی ہیں۔

---

[89] (موقوف صحيح) بيهقي: 88/1، 131، عبدالرزاق: 414، 415۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے ثابت کہا ہے۔

[90] (موقوف صحيح) بيهقي: 131/1، عبدالرزاق: 421۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[91] (مقطوع صحيح) بيهقي: 131/1، عبدالرزاق: 445۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[92] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ أَبِي عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَغْتَسِلُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَتِ أَمَا يَجْزِيكَ الْغُسْلُ مِنَ الْوُضُوءِ؟ قَالَ: بَلَى وَلَكِنِّي أَحْيَاناً أَمَسُّ ذَكَرِي فَأَتَوَضَّأُ

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ غسل کر رہے تھے، پھر (غسل سے فارغ ہو کر) انھوں نے وضو کیا تو میں نے کہا کہ ابا جان! کیا آپ کے لیے (یہ وضو سمیت کیا ہوا) غسل (نئے) وضو سے کفایت نہیں کرتا؟ تو انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں (غسل ہی کافی ہوتا ہے اور نئے وضو کی ضرورت نہیں ہوتی) لیکن کبھی کبھار (غسل کے دوران یا بعد میں) میرا ہاتھ عضو کو لگ جاتا ہے تو وضو کر لیتا ہوں۔

[93] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ فِي سَفَرٍ، فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ تَوَضَّأَ، ثُمَّ صَلَّى, قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ هَذِهِ لَصَلَاةٌ مَا كُنْتَ تُصَلِّيهَا. قَالَ: إِنِّي بَعْدَ أَنْ تَوَضَّأْتُ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ مَسِسْتُ فَرْجِي، ثُمَّ نَسِيتُ أَنْ أَتَوَضَّأَ، فَتَوَضَّأْتُ وَعُدْتُ لِصَلَاتِي.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں (اپنے والد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھا۔ میں نے ان کو (ایک دن) سورج نکلنے کے بعد دیکھا کہ انھوں نے وضو کیا، پھر نماز پڑھی، میں نے اُن سے کہا کہ یقیناً یہ ایسی نماز ہے جسے آپ (پہلے تو) نہیں پڑھا کرتے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ بے شک نماز فجر کا وضو کر لینے کے بعد میرا ہاتھ شرمگاہ کو لگ گیا تھا، پھر میں نیا وضو کرنا بھول گیا، اس لیے میں نے (اب) وضو کیا اور اپنی نماز (فجر) کو لوٹایا ہے۔

فائدہ: ......مرد و عورت کی دونوں شرمگاہوں کا حکم یکساں ہیں اور شرمگاہ سے مراد صرف پیشاب و پاخانے کے مقام ہیں باقی جسم کا کوئی حصہ مراد نہیں، خواہ اُسے چھپانا شرعاً واجب ہی ہو، حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ مَسَّ فَرْجَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ ''جس نے اپنی شرم گاہ کو چھوا وہ وضو کرے۔'' (ابن ماجہ: 481، بیهقی: 130/1، شرح معانی الآثار: 75/1، ارواء الغلیل: 117۔ اس کی سند صحیح ہے۔) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: أَيُّمَا رَجُلٍ مَسَّ فَرْجَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مَسَّتْ فَرْجَهَا فَلْتَتَوَضَّأْ ''جو کوئی مرد اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے اور جو کوئی عورت اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ بھی وضو

[92] (موقوف صحیح) بیهقی: 131/1، عبدالرزاق: 419۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

[93] (موقوف صحیح) بیهقی: 131/1، عبدالرزاق: 417، 418۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

کرے۔'' (مسنداحمد: 223/2، دارقطني: 147/1، ابن الجارود: 19، بيهقي: 132/1، شرح معاني الآثار: 75/1، الاعتبار للحازمي: ص 44، ارواء الغليل: حديث 117 کے تحت......اس کی سند صحیح ہے)......ان دونوں احادیث میں ''فرج'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو پیشاب و پاخانے کے دونوں مقامات پر مشتمل ہے۔ (القاموس المحيط: ص 184) بہرحال شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضوٹوٹنے کا مسئلہ متواتر ہے، حضرت بُسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو موطا امام مالک اور دوسری کتب احادیث میں موجود ہے، کے علاوہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے، امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے، امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے، امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت اروٰی بنت انیس رضی اللہ عنہا سے، امام ابن مندہ رحمہ اللہ نے حضرت اُبی بن کعب، حضرت انس، حضرت قبیصہ، حضرت معاویہ بن حیدہ اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم سے یہی مسئلہ روایت کیا ہے۔

16- بَابٌ: اَلْوُضُوْءُ مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ امْرَاَتَهٗ

آدمی کا اپنی بیوی کو بوسہ دینے سے وضو کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے تین (3) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے دو (2) موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم، اور ایک مقطوع یعنی تابعی کا فتویٰ ہے۔ تمام روایات صحیح ہیں۔

[94] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ، وَجَسُّهَا بِيَدِهِ مِنَ الْمُلَامَسَةِ، فَمَنْ قَبَّلَ امْرَأَتَهُ أَوْ جَسَّهَا بِيَدِهِ، فَعَلَيْهِ الْوُضُوءُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: مرد کا اپنی بیوی کو بوسہ دینا اور اُس کو ہاتھ سے چھونا ''مُلَامَسَہ'' میں سے ہے، لہٰذا جو کوئی اپنی بیوی کو بوسہ دے یا اُسے اپنے ہاتھ سے چھوئے تو اس پر وضو لازم ہے۔

فائدہ: ......''مُلَامَسَہ'' کے لفظ سے درج ذیل آیت مبارکہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (النساء 4:43) ''یا تم عورتوں کو چھوؤ۔'' آیت مذکورہ میں اس مسئلے کو قضائے حاجت کے ساتھ ذکر فرما کر کہا گیا ہے کہ پھر اگر پانی نہ ملے تو تیمّم کرلو۔ اس آیت سے امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ عورتوں

[94] (موقوف صحيح) بيهقي: 124/1، مسند الشافعي: ص 11، الأمّ للشافعي: 12/1، دارقطني: 53/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی صحت میں کوئی شک نہیں۔

کو ہاتھ لگانا وضو توڑ دیتا ہے، البتہ امام مالک نے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ یہ چھونا شہوت سے ہو تو وضو ٹوٹے گا ورنہ نہیں، لیکن باقی تمام فقہاء ومحدثین کرام نے لٰمَسْتُمْ بمعنیٰ جَامَعْتُمْ مراد لیا ہے۔

[95] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ: مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ الْوُضُوءُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی پر اپنی بیوی کو بوسہ دینے سے وضو لازم ہو جاتا ہے۔

[96] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ الْوُضُوءُ.

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ آدمی کے اپنی بیوی کو بوسہ دینے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔

فائدہ: ...... یہ مذکورہ بالا تمام اقوال دراصل آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور موقوف روایات ہیں جو کہ مرفوع کے حکم میں بھی نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان میں اجتہاد اور رائے کی گنجائش ہے اور انھوں نے آیتِ مبارکہ سے یہ مفہوم استنباط کیا ہے، جبکہ صحیح اور صریح احادیث میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نہ تو عورت کو بوسہ دینے سے وضو ٹوٹتا ہے، نہ مرد کے عورت کو ہاتھ لگانے سے اور نہ عورت کے مرد کو ہاتھ لگانے سے، چنانچہ انھی احادیثِ نبویہ نے اس آیتِ مبارکہ کے معنی کو متعین اور خاص کر دیا ہے کہ اس سے محض چھونا مراد نہیں ہے بلکہ جماع کے ساتھ چھونا مراد ہے، البتہ اگر چومنے یا چھونے کے وقت شہوت کی وجہ سے مذی خارج ہو جائے تو وہ مذی وضو کو لازم کرے گی نہ کہ چومنے یا چھونے کا فعل ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کو بوسہ دیا، پھر نماز کی طرف چلے گئے اور وضو نہ کیا۔'' (ابوداؤد: 178، ترمذی: 86، نسائی: 170، ابن ماجه: 502، مسند احمد: 210/6، دارقطنی: 139/1۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے صحیح ابن ماجه: 406، نیز دیکھیے مرعاۃ المفاتیح: 38/2۔ 41) ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سو رہی ہوتی تھی، میرے پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلے والی جگہ پر ہوتے تھے تو فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ ''پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو مجھے چھوتے تو میں پاؤں پیچھے کر لیتی۔'' (بخاری: 382، مسلم: 272/ 512)، ایک روایت میں ہے کہ جب آپ وتر کا ارادہ فرماتے تو مجھے اپنا پاؤں مبارک لگا دیتے۔ (نسائی: 166۔ اس کی سند صحیح ہے) ...... ایک رات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے غائب پایا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگیں، یہاں تک کہ ان کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کی اندرونی جانب پڑا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرما رہے تھے۔ (مسلم: 486) نیز آیت کی تفسیر کے لیے دیکھیے: تفسیر فتح القدیر: 602/1، نیل الاوطار: 247/1،

[95] (موقوف صحيح) بیهقی: 124/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

[96] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

التلخیص الحبیر: 229/1۔

17- بَابٌ: اَلْعَمَلُ فِيْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ

غسل جنابت کے طریقے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے چار (4) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے تین (3) مرفوع یعنی احادیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ایک موقوف یعنی صحابی کا قول ہے۔ تمام روایات صحیح ہیں۔

[97] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ، فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُولَ شَعْرِهِ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ يُفِيضُ الْمَاءَ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ.

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب غسلِ جنابت کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دھونے سے ابتدا کرتے، پھر اسی طرح وضو کرتے جس طرح نماز کے لیے کرتے تھے، پھر اپنی انگلیوں کو پانی میں داخل (کر کے ان کو تر) کرتے، پھر ان (تر) انگلیوں کے ساتھ اپنے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے تین چلو بھر کر اپنے سر مبارک پر ڈالتے، پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہا لیتے۔

[98] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ إِنَاءٍ، هُوَ الْفَرَقُ، مِنَ الْجَنَابَةِ.

"اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کا غسل اُس برتن سے (پانی لے کر) کرتے تھے جسے "فَرَق" کہتے ہیں۔"

فائدہ: ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اسی برتن کے پانی سے غسل کرتیں۔ (بخاری: 261، مسلم: 41/ 319) "فَرَق" چھوٹا سا ٹب نما برتن ہوتا تھا جس میں تین صاع کی مقدار پانی آتا تھا اور مدینہ منورہ میں ایک صاع کی مقدار 2 سیر 4 چھٹانک یعنی 2.09 کلوگرام تھی، یوں تین صاع کی مقدار 6 سیر 12 چھٹانک یعنی

[97] صحیح البخاری ، کتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل ، حدیث: 248,272، صحیح مسلم، کتاب الحیض ، باب صفة غسل الجنابة ، حدیث: 316، ابوداود: 242، ترمذی: 104، نسائی: 420,423، ابن ماجه: 574، دارمی: 191/1، بیهقی :165/1، احمد:52/6، عبدالرزاق:997، مسند حمیدی : 163، ابو یعلی : 4430.

[98] صحیح البخاری ، کتاب الغسل ، باب غسل الرجل مع امراته ، حدیث: 250، 261، 263، 273، 299، 5956، 7339 ، صحیح مسلم، کتاب الحیض ، باب القدر المستحب من الماء ، حدیث: 319، ابوداود: 238، نسائی: 414-410، ابن ماجه: 376، احمد: 37/6 .

6.27 کلوگرام بنتی ہے، صرف سوا چھ کلو پانی سے رسول اللہ ﷺ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا غسل جنابت کیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کبھی اس سے بھی کم مقدار کے ساتھ غسل فرمالیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰى خَمْسَةِ اَمْدَادٍ ''آپ ﷺ ایک صاع (یعنی چار مُدّ) سے لے کر پانچ مُدّ تک پانی سے غسل فرمالیتے تھے۔'' (بخاری: 201، مسلم: 325) ایک مُدّ حجازی کی مقدار 9 چھٹانک یعنی 524.88 گرام ہے، یعنی آدھ کلو سے کچھ زائد۔

[99] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدِهِ الْيُمْنَى، فَغَسَلَهَا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَنَضَحَ فِي عَيْنَيْهِ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى، ثُمَّ الْيُسْرَى، ثُمَّ غَسَلَ رَأْسَهُ، ثُمَّ اغْتَسَلَ وَأَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب غسل جنابت کرتے تو سب سے پہلے اپنے دائیں ہاتھ پر پانی انڈیلتے، اُسے دھو کر پھر اپنی شرمگاہ کو دھوتے، پھر کلی کرتے اور ناک صاف کرتے، پھر اپنے چہرے کو دھوتے اور اپنی آنکھوں میں چھینٹے مارتے، پھر اپنا دایاں ہاتھ (بازو) دھوتے، پھر بایاں ہاتھ (کہنی تک) دھوتے، پھر سر کو دھوتے، پھر باقی سارے بدن پر پانی بہا کر غسل کر لیتے۔

فائدہ: ......آنکھوں میں چھینٹے مارنا لازم نہیں ہے، البتہ آنکھوں کے کناروں کو مل کر اچھی طرح صاف کر لینا چاہیے۔

(غسل میں سر کا مسح) اس باب کی پہلی روایت سے یہ استدلال تو کیا جاتا ہے کہ نماز کے وضو جیسا مکمل وضو کرنے کے بعد غسل کرنا چاہیے لیکن دوسری روایات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وضو میں پاؤں نہیں دھوتے تھے۔ بلکہ نہانے کے بعد غسل والی جگہ سے ہٹ کر انھیں دھوتے تھے۔ (بخاری: 259، 249,257، مسلم: 317) تو کیا پاؤں کی طرح سر کا مسح بھی مستثنیٰ ہے یا نہیں، راجح بات یہ ہے کہ غسل سے پہلے سر کا مسح کرنا رسول اللہ ﷺ سے صراحت و وضاحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے، محض استدلال ہی کیا جاتا ہے، ہاں بازو دھونے کے بعد انگلیاں تر کر کے سر کے بالوں کا خلال ثابت ہے، جیسا کہ اس باب کی پہلی روایت میں مذکور ہے، البتہ امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حوالے سے یہ عنوان قائم کیا ہے: بَابُ تَرْكِ مَسْحِ الرَّأْسِ فِي الْوُضُوْءِ مِنَ الْجَنَابَةِ ''جنابت کے وضو میں سر کا مسح نہ کرنے کا بیان''، پھر انھوں نے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے غسلِ جنابت کے وضو کا جو طریقہ بتایا اُس کے آخر میں ہے: حَتّٰى اِذَا بَلَغَ رَاْسَهٗ

[99] (موقوف صحیح) بیهقی: 177/1، معرفة السنن والآثار: 272/1، عبدالرزاق: 990، 991۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

لَـمْ يَـمْسَحْ وَاَفْرَغَ عَلَيْهِ الْمَاءَ ''یہاں تک کہ جب سر مبارک تک پہنچے تو آپ ﷺ نے اس کا مسح نہ کیا اور اس پر پانی انڈیل لیا۔'' (سنن نسائی: 422) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (363/1، حدیث: 249 کے تحت بحث) میں لکھتے ہیں: وَلَـمْ يَقَعْ فِيْ شَيْءٍ مِنْ طُرُقِ هٰذَا الْحَدِيْثِ التَّنْصِيْصُ عَلٰى مَسْحِ الرَّاْسِ فِيْ هٰذَا الْوُضُوْءِ ''اس حدیث کی سندوں میں سے کسی بھی سند کے ساتھ اس بات پر نص (اور واضح عبارت) وارد نہیں ہوئی کہ اس (جنابت والے) وضو میں بھی سر کا مسح کیا جائے۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس موقوف روایت میں شرمگاہ کو دھونے کے بعد ہاتھ دھونے کا ذکر نہیں۔ جب کہ صحیح بخاری کی مرفوع روایت (620) میں ہے کہ آپ نے غسل جنابت میں شرمگاہ کو دھونے کے بعد اپنا ہاتھ دیوار پر لگا کر اسے دھویا۔

[100] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَائِشَةَ سُئِلَتْ عَنْ غُسْلِ الْمَرْأَةِ مِنَ الْجَنَابَةِ، فَـقَـالَـتْ: لِتَحْفِنْ عَلَى رَأْسِهَا ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ مِنَ الْمَاءِ، وَلْتَضْغَثْ رَأْسَهَا بِيَدَيْهَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سیدہ عائشہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا سے عورت کے غسلِ جنابت کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: اُسے چاہیے کہ اپنے سر پر تین لپیں (دونوں ہاتھوں کے تین چلو بھر بھر کر) ڈال لے اور اپنے ہاتھوں سے سر کو مل لے۔

فائدہ :...... غسلِ جنابت یا غسلِ حیض کے دوران سر کی مینڈھیاں کھولنا عورت پر لازم نہیں، اگر کھول لے تو یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے، البتہ احرام باندھنے کے غسل میں کھولنا ضروری ہے، اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا: اَفَـانْـقُـضُهُ لِلْحَيْضَةِ وَالْجَنَابَةِ؟ ''کیا میں بالوں کو حیض اور جنابت (کے غسل) کے لیے کھولوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: لا، اِنَّـمَـا يَكْفِيْكِ اَنْ تَحْثِيْ عَلٰى رَاْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ''نہیں، یقیناً تجھے بس اتنا ہی کافی ہے کہ تم اپنے سر پر (دونوں ہاتھوں کی) تین لپیں ڈال لو۔'' (صحیح مسلم: 330) ...... لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کا غسلِ اِحرام کی روایت پیش کر کے اُس سے غسلِ حیض میں مینڈھیاں کھولنے کا استدلال نا قابل قبول ہے، دیکھیے صحیح البخاری، کتاب الحیض، باب: 16، حدیث: 317۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرے کا احرام باندھا تھا، حیض شروع ہونے کی بنا پر چونکہ وہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے قابل نہ رہیں تو رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں حج کا احرام باندھنے اور اس کے لیے غسل وغیرہ کرنے کا حکم فرما دیا تاکہ وہ طواف کے علاوہ باقی کام تو کر سکیں۔ یہ غسل یقیناً حیض سے فراغت کا نہیں تھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ مسجد حرام میں جا کر طواف کر لیتیں اور احرام بدلنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

[100] صحيح البخاري، كتاب الغسل، باب من بدأ بشق راسه الايمن فى الغسل، حديث: 277، سنن ابى داود، كتاب الطهارة، باب المراة هل تنقض شعرها عند الغسل، حديث: 253

18- بَابٌ: وَاجِبُ الْغُسْلِ إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ

جب مرد وعورت کے مقامِ ختنہ باہم مل جائیں تو اسی سے غسل واجب ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے پانچ (5) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک (1) مرفوع یعنی حدیث پیغمبر علیہ السلام اور چار (4) موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ تمام روایات صحیح ہیں۔

[101] حَـدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانُوا يَقُولُونَ: إِذَا مَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہی فرمایا کرتے تھے کہ جب ختنہ ختنے کو چھو لے تو یقیناً غسل واجب ہو گیا۔

فائدہ: ......یعنی مرد کے عضو کا سر (حشفہ) عورت کی شرمگاہ میں غائب ہو جائے تو غسل لازم ہو جاتا ہے، خواہ اس کے فوراً بعد وہ ہم بستری کا عمل ختم بھی کر دیں۔

[102] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ مَا يُوجِبُ الْغُسْلَ، فَقَالَتْ: هَلْ تَدْرِي مَا مَثَلُكَ يَا أَبَا سَلَمَةَ، مَثَلُ الْفَرُّوجِ يَسْمَعُ الدِّيَكَةَ تَصْرُخُ، فَيَصْرُخُ مَعَهَا، إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ انھوں نے زوجۂ رسول ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کون سی چیز غسل کو واجب کرتی ہے؟ تو انھوں نے کہا: اے ابوسلمہ! کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری مثال کیا ہے؟ تیری مثال اس چوزے جیسی ہے جو مرغ کو چیختے ہوئے (بانگ دیتے ہوئے) سنتا ہے تو اس کے ساتھ چیخنے لگتا ہے، (تیرے سوال کا جواب یہ ہے کہ) جب مرد کا ختنہ عورت کے ختنے سے تجاوز کرے تو غسل یقیناً واجب ہو گیا۔

فائدہ: ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوسلمہ رحمہ اللہ پر غصہ کرتے ہوئے یہ مثال دی کیونکہ ابوسلمہ رحمہ اللہ کا موقف

---

[101] (موقوف صحیح) بیہقی: 166/1، عبدالرزاق: 245/1، شرح معانی الآثار: 57/1، الاعتبار للحازمی: ص 32، شافعی فی کتابه القدیم کما فی المعرفة: 263/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

[102] (موقوف صحیح) بیہقی: 166/1، عبدالرزاق: 246/1، شرح معانی الآثار: 60/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

یہ نہیں تھا کہ ختنوں کے مقام کے ملنے ہی سے یعنی عضو کے فرج میں غائب ہونے ہی سے غسل واجب ہوتا ہے اور وہ ان حضرات کی تقلید کرتے تھے جو اس صورت میں غسل واجب نہ ہونے کے قائل تھے، گویا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنا چاہتی تھیں کہ جس طرح چوزے کو مرغ کے بانگ دینے کا سبب معلوم نہیں ہوتا، بلکہ دیکھا دیکھی میں وہ بھی بولنا اور چیخنا شروع کر دیتا ہے، اسی طرح ابوسلمہ رحمہ اللہ کا حال تھا کہ علم کے بغیر ہی فتوے شروع کر دیے...... یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ابوسلمہ رحمہ اللہ کو چوزہ کہنے سے یہ مقصد تھا کہ وہ ابھی نابالغ تھے لیکن لوگوں کی دیکھا دیکھی جماع کے مسائل پوچھنے لگے تھے۔

یاد رہے کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا موقف یہ تھا کہ محض ختنوں کے مقام ملنے سے بلکہ محض ہم بستری سے غسل واجب نہیں ہوتا یہاں تک کہ منی خارج ہو جائے ان کی دلیل یہ حدیثِ مبارکہ ہے جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے: اِنَّـمَـا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ ''یقیناً (غسل کا) پانی (استعمال کرنا تو منی کا) پانی (نکلنے) سے (واجب ہوتا) ہے۔'' (مسلم: 343) لیکن یہ شروع اسلام میں تھا، بعد میں مباشرت کے معاملے میں اس کا حکم منسوخ ہو گیا، البتہ احتلام کے متعلق اس کا حکم باقی ہے کہ کپڑوں پر منی نظر آئے گی تو غسل واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ (ترمذی: 112)

[103] وَحَـدَّثَـنِی عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيـدٍ ، عَـنْ سَعِيـدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّ أَبَـا مُوسَى الأَشْعَرِیَّ أَتَى عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ فَـقَـالَ لَهَا : لَقَدْ شَقَّ عَلَیَّ اخْتِلَافُ أَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ فِی أَمْرٍ ، إِنِّی لأُعْظِمُ أَنْ أَسْتَقْبِلَكِ بِهِ ، فَقَالَتْ : مَا هُوَ ؟ مَا كُنْتَ سَائِلاً عَنْهُ أُمَّكَ فَسَـلْـنِی عَنْهُ ، فَقَالَ : الرَّجُلُ يُصِيبُ أَهْلَهُ ، ثُـمَّ يُـكْسِـلُ وَلَا يُـنْـزِلُ ، فَقَالَتْ : إِذَا جَاوَزَ الْـخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ . فَقَالَ أَبُو مُـوسَـى الأَشْـعَرِی : لَا أَسْأَلُ عَنْ هَذَا أَحَداً بَعْدَكِ أَبَداً

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ زوجۂ پیغمبر ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کا ایک معاملے میں اختلاف مجھ پر بہت سخت گزر رہا ہے (اور وہ معاملہ ایسا ہے کہ) بے شک میں (اس بات کو) بہت بڑا سمجھتا ہوں (اور شرماتا ہوں) کہ آپ کے سامنے اس کا تذکرہ کروں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ وہ مسئلہ جو تو اپنی ماں سے پوچھ سکتا ہے وہ مجھ سے بھی پوچھ لے (کیونکہ میں بھی تم سب مومنوں کی ماں ہوں)، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ایک آدمی اپنی اہلیہ کے پاس جاتا ہے (اور مباشرت کرتا ہے لیکن) پھر وہ سست پڑ جاتا ہے اور اُسے انزال نہیں ہوتا (تو وہ غسل کرے گا یا نہیں)؟ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جب ختنہ ختنے سے تجاوز کر جائے تو بلاشبہ غسل واجب ہو گیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں آپ کے بعد اس مسئلے کے متعلق کسی سے کبھی نہیں پوچھوں گا۔

[103] صحیح مسلم، کتاب الحیض ، باب نسخ الماء من الماء ، حدیث: 349، 350، جامع الترمذی، کتاب الطھارۃ ، باب ماجاء اذا التقی الختانان وجب الغسل ، حدیث: 108، 109، مسند الشافعی : 11/1 .

فائدہ :......صحیح مسلم میں یہ روایت ذرا تفصیل سے ہے کہ انصار و مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بارے میں اختلاف ہوگیا، انصار کہتے تھے کہ غسل واجب نہیں ہوتا جب تک کہ منی خارج نہ ہو، تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس مسئلے کی تشفی اور تحقیق کے لیے اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ وَمَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ ''جب مرد، عورت کی چار شاخوں (ہاتھ پاؤں) کے درمیان میں بیٹھے اور ایک کا مقامِ ختنہ دوسرے کے مقامِ ختنہ کو چھولے تو تحقیق غسل واجب ہوگیا۔'' (مسلم: 349)

[104] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبٍ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، أَنَّ مَحْمُودَ بْنَ لَبِيدٍ الْأَنْصَارِيَّ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ عَنِ الرَّجُلِ يُصِيبُ أَهْلَهُ، ثُمَّ يُكْسِلُ وَلَا يُنْزِلُ؟ فَقَالَ زَيْدٌ: يَغْتَسِلُ. فَقَالَ لَهُ مَحْمُودٌ: إِنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ كَانَ لَا يَرَى الْغُسْلَ، فَقَالَ لَهُ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: إِنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ نَزَعَ عَنْ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ.

عبداللہ بن کعب رحمہ اللہ جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، سے روایت ہے کہ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے، پھر سست پڑ جاتا ہے اور اُسے انزال نہیں ہوتا؟ تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ غسل کرے گا، حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (اس صورت میں) غسل کے قائل نہ تھے، تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل اس فتویٰ سے رجوع کرلیا تھا۔

[105] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جب ختنہ ختنے سے تجاوز کر جائے تو یقیناً غسل واجب ہوگیا۔

فائدہ :......دراصل عہدِ نبوی میں آہستہ آہستہ شریعت نازل ہو رہی تھی، مختلف اوقات میں مختلف مسائل، ان کی نوعیتیں اور تفصیلات اُترتی رہتی تھیں اور سارے عرب کے صحابہ رضی اللہ عنہم بیک وقت خدمتِ نبوی میں موجود نہیں ہوتے تھے،

[104] (موقوف صحیح) بیہقی: 166/1، عبدالرزاق: 250/1، الاوسط لابن المنذر: 78/2۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

[105] (موقوف صحیح) بیہقی: 166/1، ابن ابی شیبۃ: 88/1، عبدالرزاق: 247/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

چنانچہ جس صحابی کو جو مسئلہ معلوم ہو جاتا وہ اس پر عمل کرتا رہتا، یہاں تک کہ جب اُن کو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مسئلے کے متعلق بعد میں نازل ہونے والے نئے حکم کا علم اور یقین ہو جاتا تو پھر وہ اپنا موقف چھوڑ دیتے، پھر جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا، علم بھی پھیلتا گیا اور تمام مسائل کے متعلق تمام ہدایات نبویہ بھی سامنے آتی گئیں، تو اختلاف بھی کم ہوتا چلا گیا۔

19- وُضُوءُ الْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ أَوْ يَطْعَمَ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ

جنبی شخص کے وضو کا بیان جب کہ وہ غسل کرنے سے پہلے سونے کا یا کھانے کا ارادہ کرے

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے تین (3) روایات ذکر کی ہیں، ایک (1) مرفوع یعنی حدیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام، ایک (1) موقوف یعنی قول صحابی رضی اللہ عنہ ہے، ایک روایت (107) مؤطا میں موقوف ہے لیکن وہ روایت بخاری و مسلم میں مرفوع بھی ثابت ہے۔ تمام روایات صحیح ہیں۔

[106] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ تُصِيبُهُ جَنَابَةٌ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ: تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ، ثُمَّ نَمْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے تذکرہ کیا کہ انھیں رات کے وقت جنابت لاحق ہوتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: ''وضو کرلو اور اپنے عضو کو دھولو، پھر سو جاؤ۔''

فائدہ: ......ائمہ اربعہ رحمہ اللہ اور جمہور علماء کے ہاں یہ حکم استحباب کے لیے ہے، البتہ بعض علمائے ظاہر اس وضو کو واجب قرار دیتے ہیں، اور اس وضو سے اگرچہ بعض علماء نے لغوی معنیٰ مراد لیتے ہوئے صرف ہاتھ منہ دھونے کو کافی قرار دیا ہے لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت وضو کے اصطلاحی مفہوم کو متعین کر دیتی ہے، وہ فرماتی ہیں: "أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ" ''یقیناً رسول اللہ ﷺ جب اس حال میں سونے کا ارادہ فرماتے کہ آپ ﷺ جنبی ہوتے تو سونے سے قبل نماز کے وضو کی طرح وضو فرما لیا کرتے تھے۔'' (صحیح مسلم: 305)

[107] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ

حضرت عائشہ زوجۂ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، وہ کہا کرتی

---

[106] صحیح البخاری، کتاب الغسل، باب الجنب یتوضا ثم ینام، حدیث: 290، نیز دیکھیے 287,289، صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له، حدیث: 25/ 306، ابوداود: 221، ترمذی: 120، نسائی: 260,261، ابن ماجه: 585

[107] یہ حدیث مرفوع بھی ثابت ہے، دیکھیے صحیح البخاری، کتاب الغسل، باب کینونة الجنب فی البیت اذا توضا، حدیث: 268، 288، صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب جواز نوم الجنب، حدیث: 305، 307، ابوداود: 222، ترمذی: 118، 119، نسائی: 224، ابن ماجه: 584۔

عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا كَانَتْ تَقُولُ: إِذَا أَصَابَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَنَامَ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ، فَلَا يَنَمْ حَتَّى يَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ.

تھیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے مباشرت کرے، پھر غسل کرنے سے پہلے سونا چاہے تو نہ سوئے یہاں تک کہ نماز کے وضو جیسا وضو کرلے۔

[108] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ أَوْ يَطْعَمَ، وَهُوَ جُنُبٌ، غَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ طَعِمَ أَوْ نَامَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حالتِ جنابت میں سونے یا کھانے کا ارادہ کرتے تو اپنے چہرے کو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لیتے اور سر کا مسح کر لیتے پھر کھالیتے یا سو جاتے۔

فائدہ :......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں دھوئے بغیر کچھ کھا پی لینا غالباً یہ بتانے کے لیے ہے کہ جنبی شخص کے لیے یہ وضو واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ انھوں نے کسی عذر کی بنا پر پاؤں نہ دھوئے تھے۔ واللہ اعلم ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے: كَانَ إِذَا أَجْنَبَ فَأَرَادَ أَنْ يَنَامَ تَوَضَّأَ أَوْ تَيَمَّمَ ''جب رسول اللہ ﷺ حالت جنابت میں ہوتے پھر سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو یا تیمّم کر لیتے تھے۔'' (امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ زرقانی)

20- إِعَادَةُ الْجُنُبِ الصَّلَاةَ وَغُسْلُهُ إِذَا صَلَّى وَلَمْ يَذْكُرْ وَغَسْلُهُ ثَوْبَهُ

جب جنبی شخص نماز پڑھ لے اور اسے (غسل کرنا) یاد نہ رہے تو اس کا نماز کو لوٹانا اور غسل کرنا، اور جنبی کے اپنے کپڑے کو دھونے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے پانچ (5) روایات ذکر کی ہیں، ایک مرفوع یعنی حدیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور چار (4) موقوف یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، تین روایات صحیح اور دوضعیف ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک عدد فتویٰ بھی موجود ہے۔

[109] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

[108] (موقوف صحیح) بیہقی: 200/1، عبدالرزاق: 1074۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[109] صحيح البخاري، كتاب الغسل، باب اذا ذكر فى المسجد انه جنب، حديث: 275، 639، 640، صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة، حديث: 605، ابوداؤد: 233، 234، نسائى: 793، احمد: 237/2.

إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَبَّرَ فِي صَلَاةٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ ، ثُمَّ أَشَارَ إِلَيْهِمْ بِيَدِهِ أَنِ امْكُثُوا فَذَهَبَ ، ثُمَّ رَجَعَ وَعَلَى جِلْدِهِ أَثَرُ الْمَاءِ

نمازوں میں سے کسی نماز میں تکبیر تحریمہ کہہ ڈالی، پھر لوگوں کو اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ (اپنی جگہوں پر) ٹھہرے رہو، پھر آپ ﷺ گھر چلے گئے، پھر اس حال میں واپس آئے کہ آپ کے بدن مبارک پر پانی کا نشان تھا۔

فائدہ : ...... یہ نماز فجر کا واقعہ ہے جیسا کہ امام ابوداود اور امام ابن حبان رحمہما اللہ کی روایات میں وضاحت ہے ......بعض روایات میں تکبیر تحریمہ کہہ لینے کا تذکرہ ہے کہ تکبیر کہہ لینے کے بعد آپ ﷺ نے جا کر غسل فرمایا، لیکن بخاری و مسلم کی روایات میں وضاحت کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ ابھی آپ نے تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی، صرف اقامت ہی ہوئی تھی کہ آپ ﷺ چلے گئے ...... چنانچہ ان دونوں قسم کی روایات کے مابین موافقت اور تطبیق یوں دی گئی ہے کہ یا تو یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں یا پھر بخاری و مسلم کی روایات راجح ہیں اور باقی مرجوح ہیں ...... بخاری کی روایت میں ہے: ثُمَّ خَرَجَ اِلَيْنَا وَرَاْسُهٗ يَقْطُرُ ’’پھر آپ ﷺ واپس تشریف لائے، اس حال میں کہ آپ کے سر مبارک سے قطرے گر رہے تھے۔‘‘ (بخاری: 275) معلوم ہوا کہ ماءِ مستعمل یعنی وضو اور غسل میں جسم پر استعمال ہونے والا پانی پاک ہے، اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں اس پانی کے قطرے گرنے کی پروا نہیں کی۔ نیز معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی بشر تھے، آپ ﷺ کو نسیان بھی لاحق ہو جاتا تھا اور آپ ﷺ عالم الغیب بھی نہ تھے، اگر غیب دان ہوتے تو حالت جنابت میں نہ مسجد آتے، نہ اقامت کہلواتے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنبی آدمی بھول کر مسجد میں آ جائے تو مسجد پلید نہیں ہوتی، نیز جب کسی کو اپنی حالتِ جنابت کا علم ہو جائے تو اُسے فوراً مسجد سے نکل جانا چاہیے اور غسل کر لینا چاہیے، یہ نہ ہو کہ اپنی شرم یا خفت سے بچنے کے لیے مسجد کا تقدس پامال کیا جائے اور آدمی حالتِ جنابت ہی میں لوگوں کو نماز پڑھاتا رہے یا اُن کے ساتھ پڑھتا رہے، اگر لوگ امام کے واپس آنے تک خوشی سے انتظار کر سکیں تو ٹھیک ہے، ورنہ امام کو چاہیے کہ کسی اور شخص کو اپنا نائب بنا جائے تاکہ فتنہ کھڑا نہ ہو اور لوگ بھی تاخیر سے پریشان نہ ہوں ...... یہ حدیث مبارکہ اس بات کی تو واضح دلیل ہے کہ کسی وجہ سے اقامت اور نماز کے درمیان میں کچھ فاصلہ ہو سکتا ہے۔

[110] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ زُبَيْدِ بْنِ الصَّلْتِ ، أَنَّهُ قَالَ : خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِلَى الْجُرُفِ فَنَظَرَ ، فَإِذَا هُوَ قَدِ احْتَلَمَ وَصَلَّى وَلَمْ

زُبید بن صلت رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جُرُف نامی جگہ کی طرف نکلا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی (کپڑوں پر) نظر پڑی تو دیکھا کہ ان کو تو احتلام ہو چکا ہے اور انھوں نے بغیر غسل کیے نماز

[110] (موقوف صحیح) بیهقی : 70/1، 405، عبدالرزاق : 3644، الأم للشافعي : 37/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

يَغْتَسِلْ ، فَقَالَ : وَاللَّهِ مَا أَرَانِي إِلَّا احْتَلَمْتُ وَمَا شَعَرْتُ ، وَصَلَّيْتُ وَمَا اغْتَسَلْتُ قَالَ ، فَاغْتَسَلَ وَغَسَلَ مَا رَأَى فِي ثَوْبِهِ ، وَنَضَحَ مَا لَمْ يَرَ ، وَأَذَّنَ أَوْ أَقَامَ ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ارْتِفَاعِ الضُّحَى مُتَمَكِّناً .

بھی ادا کرلی ہے، تو وہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! میں اپنے متعلق خیال نہیں کرتا مگر یہی کہ مجھے احتلام ہو چکا ہے اور مجھے اس کی خبر نہ ہوسکی، (خواب ہی نہ آیا یا خواب یاد ہی نہ رہا) اور میں بغیر غسل کیے نماز بھی پڑھ چکا ہوں۔ زُبید بن صلت رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے غسل کیا اور اپنے کپڑے میں جس نشان کو دیکھا اُسے دھوڈالا اور جو نظر نہ آیا وہاں چھینٹے مار دیے، پھر اذان یا اقامت کہی، پھر نماز ادا کی، (اور یہ سارے کام) چاشت کے (وقت سورج کے) بلند ہو جانے کے بعد اطمینان سے (ادا کیے)۔‘‘

فائدہ: ...... جُرُف ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ کے شمال میں تین میل کے فاصلے پر تھی ......منی کو کپڑے سے صاف کرنا چاہیے، خواہ پانی سے دھوکر یا کسی چیز سے کھرچ کر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کپڑے کے باقی ماندہ حصے پر چھینٹے مارنا یا تو صفائی میں مبالغے کے لیے تھا یا شک کو دور کرنے کے لیے، لیکن یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اسی لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ چھینٹے نہیں مارے جائیں گے اور منی والا مقام دھوکر باقی کپڑا پاک ہی تصور کیا جائے گا (چھینٹے مارنا صرف مذی نکلنے کی صورت میں ثابت ہے، جس کی تفصیل پیچھے روایت: 85 کے فائدے میں گزر چکی ہے)، رہی یہ صورت کہ آدمی کو احتلام ہونے کا یقین تو ہو لیکن کپڑوں پر اس کی جگہ معلوم نہ ہو رہی ہو جیسا کہ بعض رنگ دار کپڑوں میں پتلی منی کے خشک ہو جانے کی صورت میں ایسا ہو جاتا ہے تو ایسے کپڑے کے اتنے حصے کو دھو لینا چاہیے کہ یہ یقین ہو جائے کہ منی والی جگہ بھی دھوئی جا چکی ہے۔

[111] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ غَدَا إِلَى أَرْضِهِ بِالْجُرُفِ ، فَوَجَدَ فِي ثَوْبِهِ احْتِلَامًا ، فَقَالَ : لَقَدِ ابْتُلِيتُ بِالِاحْتِلَامِ مُنْذُ وُلِّيتُ أَمْرَ النَّاسِ. فَاغْتَسَلَ وَغَسَلَ مَا رَأَى فِي ثَوْبِهِ مِنَ الِاحْتِلَامِ ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ .

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صبح کے وقت جُرُف نامی جگہ میں اپنی زمین پر گئے (وہاں) انھوں نے اپنے کپڑے میں احتلام (کا نشان) دیکھا تو کہنے لگے: یقیناً میں احتلام (کے مرض) میں مبتلا ہوگیا ہوں جب سے کہ لوگوں کے معاملے کا متولی یعنی خلیفہ بنایا گیا ہوں، چنانچہ انھوں نے غسل کیا اور اپنے کپڑے میں موجود احتلام کے نشان کو دھویا، پھر سورج طلوع ہونے کے بعد نماز فجر پڑھی۔

---

[111] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق : 244/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں انقطاع ہے۔

فائدہ :......یعنی جب سے خلافت کی ذمہ داری اُن کے سر پر آئی، اُن کو بیویوں سے صحبت کرنے کی فرصت بھی نہ ملتی، اسی لیے بار بار احتلام ہوتا رہتا۔

[112] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ صَلَّى بِالنَّاسِ الصُّبْحَ، ثُمَّ غَدَا إِلَى أَرْضِهِ بِالْجُرُفِ، فَوَجَدَ فِي ثَوْبِهِ احْتِلَاماً فَقَالَ: إِنَّا لَمَّا أَصَبْنَا الْوَدَكَ لَانَتِ الْعُرُوقُ. فَاغْتَسَلَ وَغَسَلَ الاِحْتِلَامَ مِنْ ثَوْبِهِ، وَعَادَ لِصَلَاتِهِ

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (مدینہ میں) لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی، پھر جُرُف مقام پر اپنی زمین میں آئے تو انھوں نے اپنے کپڑے میں احتلام کا نشان دیکھا، کہنے لگے کہ جب سے ہم چربی پانے (اور کھانے) لگے ہیں ہماری تو رگیں ہی نرم ہوگئی ہیں، پھر انھوں نے غسل کیا اور اپنے کپڑے سے احتلام کا نشان دھویا اور اپنی نماز کو دوبارہ پڑھ لیا۔

فائدہ :......نماز کے صحیح ہونے کے لیے طہارت کاملہ شرط ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص مسح بھول جائے یا وضو میں کوئی عضو دھونا بھول جائے یا غسل وغیرہ نہ کر سکے اور نماز پڑھ لے تو اُسے نماز کو دہرانا ہوگا کیونکہ جب طہارت ہی حاصل نہ ہوئی تو نماز کا آغاز ہی ناقابل قبول ٹھہرا، لیکن یہ معاملہ صرف اُس وقت ہوگا جب بندے کو اپنی طہارت کے ناقص ہونے کا بعد میں یقینی علم حاصل ہو جائے اور اگر اُسے پہلے یا بعد میں اس کا علم ہی نہ ہوا تو پھر اللہ درگزر فرمائیں گے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ2: 286) ''اللہ کسی کو بھی اس کی وسعت سے زیادہ مکلّف (اور پابند) نہیں ٹھہراتا'' ......کیا مقتدیوں کو بھی امام کی طرح نماز دہرانا پڑے گی یا نہیں؟ اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو اُن پر بھی اعادہ لازم قرار دیتے ہیں جبکہ باقی تینوں ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مقتدیوں کی نماز صحیح تھی اور ان پر اعادہ لازم نہیں، یہی بات راجح ہے کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (فاطر35: 18) ''کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی نہ وہاں اپنے ساتھ جانے والوں کو نماز دہرانے کا حکم دیا اور نہ مدینہ منورہ میں اعلان کروایا کہ اُن کی اقتدا میں نمازِ فجر ادا کرنے والے اعادہ کریں۔

[113] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ

''یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ

[112] (موقوف ضعیف) السنن الكبرى للبيهقي: 170/1، الأمّ للشافعي: 37/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ سلیمان بن یسار اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان میں انقطاع ہے۔

[113] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 935، شرح معانی الآثار: 52/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَاطِبٍ، أَنَّهُ اعْتَمَرَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَرَّسَ بِبَعْضِ الطَّرِيقِ، قَرِيباً مِنْ بَعْضِ الْمِيَاهِ، فَاحْتَلَمَ عُمَرُ وَقَدْ كَادَ أَنْ يُصْبِحَ، فَلَمْ يَجِدْ مَعَ الرَّكْبِ مَاءً، فَرَكِبَ حَتَّى جَاءَ الْمَاءَ، فَجَعَلَ يَغْسِلُ مَا رَأَى مِنْ ذَلِكَ الاِحْتِلَامِ حَتَّى أَسْفَرَ، فَقَالَ لَهُ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ أَصْبَحْتَ وَمَعَنَا ثِيَابٌ، فَدَعْ ثَوْبَكَ يُغْسَلُ. فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: وَاعَجَباً لَكَ يَا عَمْرُو بْنَ الْعَاصِ لَئِنْ كُنْتَ تَجِدُ ثِيَاباً، أَفَكُلُّ النَّاسِ يَجِدُ ثِيَاباً، وَاللَّهِ لَوْ فَعَلْتُهَا لَكَانَتْ سُنَّةً، بَلْ أَغْسِلُ مَا رَأَيْتُ وَأَنْضِحُ مَا لَمْ أَرَ.

(یحیٰی کے والد) ایک شُتر سوار قافلے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے کے لیے گئے، اُن میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رات راستے میں کسی جگہ کسی چشمے کے قریب پڑاؤ کیا تو ان کو احتلام ہوگیا، قریب تھا کہ صبح ہو جاتی لیکن اُن کو قافلے میں پانی نہ ملا، چنانچہ وہ سوار ہو کر چشمے پر گئے (وہاں غسل کیا) اور اپنے کپڑے سے اس احتلام کا نشان دھونے لگے، یہاں تک کہ کافی روشنی ہوگئی تو ان سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آپ نے (کپڑے دھوتے دھوتے اتنی) صبح کردی ہے حالانکہ ہمارے پاس کئی کپڑے موجود ہیں، آپ اپنے کپڑے کو چھوڑ دیجیے، اسے دھو دیا جائے گا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے عاص کے بیٹے! تجھ پر تعجب ہے، اگر تو کپڑے رکھتا ہے تو کیا لوگوں میں سے ہر کسی کے پاس (مزید) کپڑے ہیں؟ اللہ کی قسم! اگر میں ایسا کرتا تو یہ (میرے ماتحتوں اور رعایا کے لیے) ایک سنت (اور جاری ہو جانے والا طریقہ) بن جاتا (اور کتنے ہی لوگوں کو مشقت کا سامنا کرنا پڑتا، اس لیے میں نیا کپڑا نہ لوں گا) بلکہ (اسی پہنے ہوئے کپڑے سے) میں اُس نشان کو دھو ڈالوں گا جسے کہ دیکھ لوں گا اور جسے دیکھ نہ پاؤں گا اُس پر چھینٹے مارلوں گا۔

فائدہ: ......اس روایت کی سند میں "عَنْ اَبِيْهِ" کے الفاظ موطا لکھنے والوں سے رہ گئے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمرہ ادا کرنے والے یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ نہیں تھے بلکہ اُن کے والد عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ تھے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق (935) کی سند میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ (زرقانی، کشف الغطا)

......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی احتلام والے کپڑوں سے منی صاف کر کے انھی میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اَفْرُكُهٗ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَيُصَلِّيْ فِيْهِ "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسی میں نماز ادا فرما لیتے تھے۔" (صحیح مسلم: 288) بلکہ فرماتی ہیں: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

كَانَ يَغْسِلُ الْمَنِيَّ ثُمَّ يَخْرُجُ اِلَى الصَّلَاةِ فِيْ ذٰلِكَ الثَّوْبِ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلٰى اَثَرِ الْغَسْلِ فِيْهِ ''یقیناً رسول اللہ ﷺ منی دھوتے ، پھر اسی کپڑے میں نماز کی طرف نکل کھڑے ہوتے اور میں اس میں دھونے کے نشان کو دیکھ رہی ہوتی تھی۔'' (صحیح مسلم: 289، نیز دیکھیے بخاری: 232-229) ......ان احادیث مصطفیٰ ﷺ اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کو سامنے رکھیے اور آج کل کے تکلفات کا جائزہ لیجیے کہ نماز کو قضا کر دیا جاتا ہے لیکن ان تکلفات کو ضرور پورا کیا جاتا ہے، جن میں سے دو چیزوں کو تو اپنے اوپر لازم اور مسلط ہی کر لیا گیا ہے، یعنی صابن کا استعمال اور کوئی دوسرا دُھلا ہوا سوٹ، حالانکہ یہ کام بعد میں بھی ہو سکتے ہیں، ان کے پیچھے پڑ کر نماز کو قضا نہیں کرنا چاہیے، پھر بہت سارے لوگ استری کو بھی نہیں چھوڑتے اور متعدد لوگ سردیوں میں بغیر حمام کے غسل نہیں کرتے خواہ دن چڑھ جائے، اگر انسان کو نماز کی فکر ہو اور موت کے کسی بھی لمحے آ پہنچنے کا یقین ہو تو ایسا نہ کرے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ وَجَدَ فِي ثَوْبِهِ أَثَرَ احْتِلَامٍ، وَلَا يَدْرِي مَتَى كَانَ, وَلَا يَذْكُرُ شَيْئاً رَأَى فِي مَنَامِهِ، قَالَ: لِيَغْتَسِلْ مِنْ أَحْدَثِ نَوْمٍ نَامَهُ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ النَّوْمِ، فَلْيُعِدْ مَا كَانَ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ النَّوْمِ، مِنْ أَجْلِ أَنَّ الرَّجُلَ رُبَّمَا احْتَلَمَ, وَلَا يَرَى شَيْئاً، وَيَرَى وَلَا يَحْتَلِمُ، فَإِذَا وَجَدَ فِي ثَوْبِهِ مَاءً فَعَلَيْهِ الْغُسْلُ، وَذَلِكَ أَنَّ عُمَرَ أَعَادَ مَا كَانَ صَلَّى لِآخِرِ نَوْمٍ نَامَهُ، وَلَمْ يُعِدْ مَا كَانَ قَبْلَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اپنے کپڑے میں احتلام کا نشان پا لیتا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ کب کا ہے؟ اور نہ ہی اُسے کوئی ایسی چیز یاد ہے جو اس نے خواب میں دیکھی ہو، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُسے چاہیے کہ جو تازہ ترین اور آخری آخری نیند سویا ہے اُس (کو ذہن میں رکھ کر اُس کے اعتبار) سے غسل کر لے، پھر اگر تو اس آخری نیند کے بعد وہ کوئی نماز (یا نمازیں) پڑھ چکا ہو تو ان کا اعادہ کرے اور دوبارہ پڑھے۔ (کپڑوں پر احتلام کے نشانات دیکھ کر غسل کرنا لازم ہے) اس وجہ سے کہ آدمی کو بسا اوقات احتلام ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ کوئی خواب نہیں دیکھتا اور (بعض اوقات) وہ خواب تو دیکھتا ہے لیکن اُسے احتلام نہیں ہوتا لہٰذا (خواب دار و مدار نہیں بلکہ کپڑوں پر منی کے نشانات پر غسل کے واجب ہونے کا انحصار ہے تو) جو شخص اپنے کپڑے میں منی پا لے اُس پر غسل لازم ہے، اور یہ (آخری نیند ہی سے نمازوں کو دہرانے کا فتویٰ) اس وجہ سے ہے (اور اس کی دلیل یہ ہے) کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صرف اسی نماز کو دہرایا تھا جسے وہ اپنی آخری آخری نیند کے بعد پڑھ چکے تھے اور انھوں نے اس آخری نیند سے پہلے کی کسی نماز کا اعادہ نہیں کیا، (اگرچہ یہ احتمال تھا کہ شاید احتلام اس آخری نیند میں نہ ہوا ہو بلکہ اس سے بھی پہلے کی کسی نیند میں ہوا ہو لیکن اس احتمال کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا)۔

21- بَابٌ: غُسْلُ الْمَرْأَةِ إِذَا رَأَتْ فِي الْمَنَامِ مِثْلَ مَا يَرَى الرَّجُلُ

عورت کے غسل کا بیان جب کہ وہ بھی خواب میں وہی کچھ دیکھے جو مرد دیکھتا ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے دو (2) مرفوع صحیح یعنی احادیث پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ذکر کی ہیں۔

[114] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ قَالَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ: الْمَرْأَةُ تَرَى فِي الْمَنَامِ مِثْلَ مَا يَرَى الرَّجُلُ، أَتَغْتَسِلُ؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: نَعَمْ فَلْتَغْتَسِلْ. فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ: أُفٍّ لَكِ، وَهَلْ تَرَى ذَلِكَ الْمَرْأَةُ, فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَرِبَتْ يَمِينُكِ، وَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ عورت جو نیند میں وہی کچھ دیکھے جو مرد دیکھتا ہے، کیا وہ غسل کرے گی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اُسے فرمایا: ''ہاں اُسے چاہیے کہ وہ غسل کرے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرتِ اُم سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: تجھ پر افسوس! (کیسی ناممکن چیز کا سوال کرکے عورتوں کو رسوا کر رہی ہو،) بھلا، کیا عورت بھی اسے دیکھتی ہے (اور کیا اُسے بھی احتلام ہوسکتا ہے)؟ تو رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو (پیار سے ہلکی سی زجر کے انداز میں) فرمایا: تیرا داہنا ہاتھ خاک آلود ہو، اور (اگر عورت میں منی نہ ہوتو پھر) کہاں سے (بچے کی ماں کے ساتھ) مشابہت ہوتی ہے؟''

فائدہ:...... دوسری روایات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بجائے اُم المؤمنین اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام مذکور ہے، اگرچہ راجح بھی اسے ہی قرار دیا گیا ہے لیکن یوں ممکن ہے کہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے سوال کے وقت وہ دونوں یہیں موجود ہوں، (نیز دیکھیے صحیح مسلم: 310) حضرت اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا کی حق سیکھنے کی تڑپ، بے خوفی اور ذہانت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انھوں نے سوال سے قبل یوں تمہید باندھی: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ ''بے شک اللہ بھی حق بات سے نہیں شرماتا۔'' جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے......سیدہ عائشہ اور سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کا تعجب اور انکار اس وجہ سے تھا کہ ایک تو عورتوں میں سے شاذ و نادر ہی کسی کو احتلام ہوتا ہے اس لیے اکثر عورتیں اس سے ناواقف ہوتی ہیں، دوسری بات یہ کہ پیارے پیغمبر ﷺ کی تمام ازواجِ مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں میں بھی پاکیزہ رکھا ہوا تھا...... ''تیرا داہناں ہاتھ خاک آلود ہوں'' اس قسم کے کلمات ظاہر دیکھنے میں بد دعا ہوتے ہیں لیکن یہ محض تنبیہ کے لیے ہوتے ہیں یا اپنے حلقۂ احباب میں پیار بھری ڈانٹ مقصود ہوتی ہے اور کبھی کبھار تکیہ کلام اور بے تکلفی کی وجہ سے بھی انھیں بول دیا جاتا ہے

(114) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المراة بخروج المنى منها، حديث: 314، نیز دیکھیے: 310، سنن ابی داود، كتاب الطهارة، باب المراة ترى مايرى الرجل، حديث: 237، نسائى: 196، احمد: 92/6، دارمى: 763۔

......رسول اللہ ﷺ نے بچے کی ماں کے ساتھ مشابہت کو اس بات کی دلیل بنایا کہ عورت میں بھی منی ہوتی ہے تو ایسی صورت میں یہ بھی بعید از عقل نہ رہا کہ عورت کو بھی احتلام ہو۔

[115] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ.

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی اُم سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا، (اس لیے میں بھی بغیر شرمائے یہ پوچھتی ہوں کہ) کیا عورت پر بھی غسل واجب ہوگا جب اُسے احتلام ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، جب کہ وہ پانی دیکھے۔''

فائدہ: ......یعنی صرف خواب دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوگا بلکہ وُجوبِ غسل کے لیے ضروری ہے کہ عورت بھی اپنے جسم یا کپڑوں پر احتلام کے آثار اور منی کے نشانات دیکھے۔

22- بَابٌ: جَامِعُ غُسْلِ الْجَنَابَةِ

غسل جنابت کے (مختلف مسائل کا مجموعہ اور) متفرق امور کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے تین (3) موقوف صحیح یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم ذکر کیے ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین (3) فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[116] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: لَا بَأْسَ أَنْ يُغْتَسَلَ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ، مَا لَمْ تَكُنْ حَائِضاً أَوْ جُنُباً.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی مرد، عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ غسل کرے، جب تک کہ وہ عورت حیض والی اور جنابت والی نہ ہو۔

فائدہ: ......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک جس عورت کو حیض سے فراغت کا یا جنابت کا غسل کرنا لازم ہو، اس کے غسل سے بچے ہوئے باقی ماندہ پانی کے ساتھ مرد غسل نہ کرے، لیکن راجح بات یہ ہے کہ کسی بھی عورت کی

[115] صحيح البخاري، كتاب العلم، باب الحياء في العلم، حديث: 130، 282، 3328، 6091، 6121، صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المراة بخروج المنى منها، حديث: 313، نیز دیکھیے: 311، ابوداود: 237، ترمذی: 122، نسائی: 197، ابن ماجه: 600

[116] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 107/1- شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

طہارت سے بچا ہوا پانی بغیر کسی کراہت کے استعمال کرنا جائز ہے، جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ اور فقہائے امت کا یہی موقف ہے سوائے امام احمد کے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس سے منع فرمایا تھا لیکن پھر خود ہی اپنی بیویوں کے ساتھ مل کر ایک ہی برتن سے پانی لے کر غسل فرما لیتے تھے، عورت بھی استعمال کر رہی ہوتی تھی اور برتن میں سے اُس کے پانی نکالنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں سے پانی لے لے کر نہاتے، بلکہ ایک دفعہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک ٹب سے پانی لے کر غسل کیا، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے بھی اُسی ٹب کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرمایا۔ (صحیح مسلم: 323) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اِنَّ الْمَاءَ لَا يَجْنُبُ ''یقیناً پانی جنبی نہیں ہوتا۔'' (ابوداود: 68، ترمذی: 65، ابن ماجہ: 370۔ اس کی سند صحیح ہے)

[117] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَعْرَقُ فِي الثَّوْبِ وَهُوَ جُنُبٌ، ثُمَّ يُصَلِّي فِيهِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کپڑے میں پسینہ آجاتا، اس حال میں کہ وہ جنبی ہوتے تھے، پھر وہ اسی (جنابت کی حالت میں آئے ہوئے پسینے والے کپڑے) میں نماز پڑھ لیتے۔

فائدہ: ......لہٰذا ثابت ہوا کہ مومن نجس نہیں ہوتا، حالتِ جنابت میں بھی اس کا پسینہ پاک ہے، اس سے ہاتھ ملانا، ملاقات کرنا، اس کا باہر نکل کر کہیں آنا جانا، اس کے ساتھ مل بیٹھنا سب جائز ہے، نیز دیکھیے (صحیح بخاری: 283، صحیح مسلم: 371)

[118] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَغْسِلُ جَوَارِيهِ رِجْلَيْهِ، وَيُعْطِينَهُ الْخُمْرَةَ وَهُنَّ حُيَّضٌ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی لونڈیاں اُن کے پاؤں دھویا کرتی تھیں اور ان کو (جائے نماز کے طور پر چھوٹی) چٹائی بھی (پکڑ کر) دیتی تھیں حالانکہ وہ حالتِ حیض میں ہوتی تھیں۔

فائدہ: ......حالتِ حیض و نفاس میں مبتلا عورتوں کے بدن نجس نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ حیض والی اپنی بیویوں کے ساتھ مل کر کھاتے پیتے، لیٹتے اور گفتگو کرتے۔ ایک دفعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ ''مجھے مسجد سے چٹائی پکڑاؤ'' انھوں نے عرض کیا کہ حضور! میں تو حیض والی ہوں، تو

---

[117] (موقوف صحیح) السنن الكبرى للبيهقي: 187/ 1، معرفة السنن والآثار: 1/ 274، ابن ابی شيبة: 1/ 191، الاوسط لابن المنذر: 177/2، دارمی: 258/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[118] (موقوف صحیح) دارمی: 263/1، 265، عبدالرزاق: 327/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

فرمایا: ''تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم: 299) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا حَائِض ''میں حالت حیض میں رسول اللہ ﷺ کے سر میں کنگھی کیا کرتی تھی۔'' (صحیح بخاری: 295، مسلم: 247) نیز انھوں نے بیان کیا کہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يَتَّكِئُ فِیْ حَجْرِیْ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ ''یقیناً نبی کریم ﷺ میری گود میں ٹیک لگا دیتے جبکہ میں حالتِ حیض میں ہوتی تھی، پھر آپ ﷺ قرآن کی تلاوت کرتے رہتے۔'' (صحیح بخاری: 297)......آج کل کے معاشرے میں بہت سے لوگ حالتِ حیض والی عورتوں کو منحوس سمجھتے ہیں اور اُن کے ساتھ مل جل کر کھاتے بھی نہیں، خصوصاً حالتِ نفاس میں تو عورت بے چاری کی چارپائی کے بھی قریب سے نہیں گزرتے، یہ سب معاملات شریعت محمدی کے خلاف ہیں۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ لَهُ نِسْوَةٌ وَجَوَارِی، هَلْ يَطُوْهُنَّ جَمِيعاً قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ، فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِأَنْ يُصِيبَ الرَّجُلُ جَارِيَتَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ، فَأَمَّا النِّسَاءُ الْحَرَائِرُ فَيُكْرَهُ أَنْ يُصِيبَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ الْحُرَّةَ فِی يَوْمِ الأُخْرَى، فَأَمَّا أَنْ يُصِيبَ الْجَارِيَةَ، ثُمَّ يُصِيبَ الأُخْرَى وَهُوَ جُنُبٌ فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کی کئی بیویاں اور لونڈیاں ہوں، تو کیا وہ غسل کرنے سے پہلے ان تمام کے ساتھ ہم بستری کرسکتا ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی غسل کرنے سے قبل اپنی لونڈی سے بھی جماع کرلے، رہیں آزاد عورتیں (یعنی بیویاں) تو یقیناً یہ مکروہ اور ناپسندیدہ عمل ہے کہ آدمی آزاد عورت کے ساتھ کسی دوسری بیوی کی باری میں جماع کرے، لیکن (اگر یہ صورت ہو کہ) آدمی کسی لونڈی سے جماع کرے، پھر حالت جنابت ہی میں کسی دوسری لونڈی سے بھی مباشرت کرلے تو اس پر کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے۔

فائدہ: ......اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کے درمیان باری تقسیم کرتے وقت ایک دن مشترکہ رکھ لے تو پھر بھی یہ عمل مکروہ نہ رہے گا کہ ایک ہی غسل کے ساتھ سب سے مباشرت کرے اور اسی طرح کسی بیوی کی باری میں اس کی اجازت کے ساتھ کسی دوسری بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے میں بھی کراہت نہ رہے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ يَطُوْفُ عَلَى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ'' آپ ﷺ اپنی تمام عورتوں (9 بیویوں) سے ایک ہی غسل کے ساتھ ہم بستری کرلیتے تھے۔'' (بخاری: 268،274، مسلم: 309) اس لیے غسل سے پہلے دوسری بیوی کے پاس جانا یقیناً جائز ہے لیکن کسی بیوی کے حق کو پامال کرنا جائز نہیں، نیز غسل کرنے سے چونکہ طاقت بحال ہو جاتی ہے اس لیے غسل کرلینا بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو طاقت کی بحالی کے لیے غسل کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اتنی بیویوں سے ایک ہی رات میں جماع کرنا بھی آپ ﷺ کا ایک معجزہ تھا۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ جُنُبٍ، وُضِعَ لَهُ مَاءٌ

امام مالک رحمہ اللہ سے اُس جنبی شخص کے متعلق سوال کیا گیا

يَـغْتَسِلُ بِهِ فَسَهَا ، فَأَدْخَلَ أَصْبُعَهُ فِيهِ لِيَعْرِفَ حَرَّ الْمَاءِ مِنْ بَرْدِهِ .

جس کے لیے پانی رکھ دیا گیا، (اس مقصد کے لیے کہ) وہ اس سے غسل کرلے گا، لیکن وہ (اپنا جنبی ہونا) بھول گیا اور اُس نے اپنی انگلی اس پانی میں داخل کردی تا کہ یہ پہچان سکے کہ وہ پانی گرم ہے یا ٹھنڈا، (تو کیا پانی ناپاک تو نہیں ہوگیا؟)

قَـالَ مَالِكٌ : إِنْ لَمْ يَكُنْ أَصَابَ أَصْبُعَهُ أَذًى ، فَلا أَرَى ذَلِكَ يُنَجِّسُ عَلَيْهِ الْمَاءَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر اس شخص کی انگلی پر نجاست و گندگی نہ لگی ہوتو پھر میں نہیں سمجھتا کہ یہ عمل اُس کے پانی کو اس کے لیے نجس بنا دے گا۔

فائدہ :...... کیونکہ مومن باوجود جنبی ہونے کے پاک ہی رہتا ہے۔ جب مدینہ منورہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حالت جنابت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو وہ آنکھ بچا کر کھسک گئے اور غسل کر کے واپس آئے، پھر دریافت کرنے پر کہنے لگے کہ میں جُنُبی تھا، اس لیے میں نے ناپسند جانا کہ اس حالت میں آپ کے ساتھ بیٹھوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب کرتے ہوئے فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ ! اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ ''سبحان اللہ! اے ابوہریرہ! بے شک مومن نجس (پلید اور ناپاک) نہیں ہوتا۔'' (بخاری: 285، مسلم: 371)، لہٰذا جنبی آدمی کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں ہمیں بھی احتیاط کرنا چاہیے اور معاشرے کی موافقت کرتے ہوئے جُنُبی کو ناپاک کہنے سے رُکنا اور روکنا چاہیے۔

23- بَابُ فِي التَّيَمُّمِ

تیمّم کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے صرف ایک (1) مرفوع روایت ذکر کی ہے جو کہ صحیح ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ (5) فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[119] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الـرَّحْـمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ ، أَنَّهَا قَالَتْ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ

''اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی سفر میں نکلے، یہاں تک کہ جب ہم بیداء یا ذات الجیش نامی جگہ پر

---

[119] صحيح البخاری، كتاب التيمُم ، باب قول اللّٰه تعالى فلم تجدوا ماء فتيمموا ، حديث: 334، 336، 367، 3673، 4583، 4607، 4608، 5164، 5250، 5882، 6844، 6845، صحيح مسلم ، كتاب الحيض، باب التيمم ، حديث: 367، ابوداود: 317، نسائی: 311، ابن ماجه: 568، مسند احمد: 179/6، دارمی: 746۔

اللَّهِ ﷺ فِى بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ، أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ، انْقَطَعَ عِقْدٌ لِى، فَأَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْتِمَاسِهِ، وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَأَتَى النَّاسُ إِلَى أَبِى بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، فَقَالُوا: أَلَا تَرَى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ، أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبِالنَّاسِ، وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُم مَاءٌ. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلَى فَخِذِى قَدْ نَامَ، فَقَالَ: حَبَسْتِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَالنَّاسَ، وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَعَاتَبَنِى أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُولَ، وَجَعَلَ يَطْعُنُ بِيَدِهِ فِى خَاصِرَتِى، فَلَا يَمْنَعُنِى مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى فَخِذِى، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى آيَةَ التَّيَمُّمِ، فَتَيَمَّمُوا. فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ: مَا هِىَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِى بَكْرٍ. قَالَتْ: فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِى كُنْتُ عَلَيْهِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ

پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ گیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش کے لیے ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہی ٹھہرے رہے، نہ تو وہ کسی پانی کے چشمے پر (پڑاؤ کیے ہوئے) تھے اور نہ ہی ان کے پاس پانی تھا، تو لوگ (میرے والد) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ (آپ کی بیٹی) عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا ہے؟ اُس نے رسول اللہ ﷺ کو بھی ٹھہرا لیا ہے اور لوگوں کو بھی، جبکہ لوگ نہ تو کسی پانی (کے چشمے) پر ہیں اور نہ اُن کے پاس پانی ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (میرے پاس) آ گئے اور (اس وقت) رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک میری ران پر رکھے ہوئے نیند فرما رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ (عائشہ!) تو نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو روک رکھا ہے، حالانکہ نہ وہ کسی چشمے پر ہیں اور نہ اُن کے پاس پانی ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے ڈانٹنے لگے اور اپنے ہاتھ سے میرے پہلو میں مارنے لگے، (مجھے تکلیف تو کافی ہو رہی تھی لیکن) مجھے ہلنے اور حرکت کرنے سے صرف اور صرف یہ چیز روک رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا، رسول اللہ ﷺ سوئے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے پانی کے بغیر ہی صبح کی تو اللہ تعالیٰ نے تیمم والی آیت نازل فرما دی، (اللہ کی طرف سے پوری اُمتِ محمدیہ کو عطا ہونے والے اس انعام اور رخصت کو دیکھ کر) حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اے ابوبکر کے گھر والو! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (جس سے پوری اُمت کو فائدہ ہوا ہو بلکہ تمہاری وجہ سے اس سے پہلے بھی بڑی برکات نازل ہوتی رہی ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (پہلے تو لوگ ہار کو اِدھر اُدھر تلاش کرتے رہے لیکن وہ نہ مل سکا، پھر جب روانگی کے لیے) ہم نے اُس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہم نے اس گلوبند (ہار کو) اس کے نیچے پا لیا۔

فائدہ : ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار دو سفروں میں گم ہوا تھا، پہلی بار 5 یا 6 ھ میں غزوہ بنی الـمُـصْـطَلِق، جسے غزوۂ مُـرَیْسِیع بھی کہتے ہیں، کے موقع پر گم ہوا، اس سفر میں واقعۂ اِفک پیش آیا جس کا سورۂ نور میں تذکرہ ہے، پھر غزوۂ خیبر کے بعد 7 ھ میں غزوۂ ذات الرِ قاع سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب دوسری بار ہار گم ہوا اور اس موقع پر تیمّم کی رخصت نازل ہوئی، یہ ہار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بڑی ہمشیرہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریتاً لیا تھا...... بیداء اُس ٹیلے کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے مکہ کی طرف جانے والے راستے پر صرف چھ میل کے فاصلے پر ذوالحلیفہ مقام کے بالکل سامنے ہے، ذاتُ الجیش بھی مکہ ہی کے راستے پر مدینہ سے بارہ میل دور ایک جگہ کا نام ہے ......رہا یہ سوال کہ تیمّم کی آیت کون سی ہے؟ تو دراصل دو آیات میں تیمّم کا تذکرہ ہے، سورۂ نساء کی آیت: 43 اور سورۂ مائدہ کی آیت: 6۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتابُ التفسیر میں دونوں جگہ اس واقعے کی روایت ذکر کردی ہے، لیکن صحیح بخاری کی حدیث: 4608 میں نہایت وضاحت سے آیت تیمّم مذکور ہے اور وہ یہ ہے: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ (المائدة 6:5) ......اس مذکورہ قصے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ آدمی اپنی اولاد کو بالغ ہونے کے بعد حتیٰ کہ شادی کے بعد بھی ڈانٹ ڈپٹ کرسکتا ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، ہر پریشانی میں مضمر حکمتوں کو اللہ ہی جانتا ہے، نیز ہر تنگی کے بعد آخر کار آسانیوں کا سلسلہ شروع ہو ہی جاتا ہے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَيَمَّمَ لِصَلَاةٍ حَضَرَتْ، ثُمَّ حَضَرَتْ صَلَاةٌ أُخْرَى، أَيَتَيَمَّمُ لَهَا، أَمْ يَكْفِيهِ تَيَمُّمُهُ ذَلِكَ؟ فَقَالَ: بَلْ يَتَيَمَّمُ لِكُلِّ صَلَاةٍ، لأَنَّ عَلَيْهِ أَنْ يَبْتَغِيَ الْمَاءَ لِكُلِّ صَلَاةٍ، فَمَنِ ابْتَغَى الْمَاءَ فَلَمْ يَجِدْهُ، فَإِنَّهُ يَتَيَمَّمُ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے حاضر ہونے والی کسی (موجودہ) نماز کے لیے تیمّم کیا، پھر دوسری نماز کا وقت آگیا تو کیا وہ اس کے لیے نیا تیمّم کرے گا یا وہی پہلے والا تیمّم ہی کافی ہے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ وہ ہر نماز کے لیے (الگ الگ) تیمّم کرے گا، کیونکہ اس پر لازم ہے کہ ہر نماز کے لیے پانی تلاش کرتا رہے، پھر جو شخص پانی تلاش کرے لیکن اُسے نہ پا سکے تو یقیناً وہ تیمّم کرلے۔

فائدہ : ......امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور مشہور قول کے مطابق امام احمد کا بھی یہی موقف ہے کہ ایک نماز کا وقت گزرنے سے تیمّم ختم ہو جاتا ہے، جبکہ احناف اور اہل حدیث کے نزدیک چونکہ تیمّم وضو کا قائم مقام ہے، اس لیے جس طرح ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اُسی طرح تیمّم سے بھی کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پاک مٹی کا نام ہی ''وضوء'' رکھا ہے، فرمایا: اَلـصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَمْ يَجِدِ الْـمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ ''پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے اگرچہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے۔'' (نسائی: 323، ابوداود:

332، ترمذی: 124، مسند احمد: 18/5، 146، 155، 180۔ اس کی سند صحیح ہے۔)لہٰذا مٹی سے تیمّم اور پانی سے وضو ایک جیسے احکام رکھنے والی چیزیں ہیں، دونوں ہی سے طہارتِ کاملہ حاصل ہوتی ہے، صرف یہ فرق ہے کہ پانی ہو تو وضو کریں گے اور نہ ہو تو تیمّم کریں گے اور جو جو کام وضو سے کیے جاتے ہیں وہ تمام کے تمام تیمّم سے بھی ہو جائیں گے، اس کے خلاف کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے اور وقت گزرتے ہی تیمّم ٹوٹ جانے کا دعویٰ بے دلیل ہے۔ (نیز دیکھیے السیل الجرار: 141/1، مرعاۃ المفاتیح: 228/2)

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَيَمَّمَ، أَيَؤُمُّ أَصْحَابَهُ وَهُمْ عَلَى وُضُوءٍ؟ قَالَ: يَؤُمُّهُمْ غَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ، وَلَوْ أَمَّهُمْ هُوَ لَمْ أَرَ بِذَلِكَ بَأْساً.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے تیمّم کیا ہو، کیا وہ اپنے اُن ساتھیوں کی امامت کرا سکتا ہے جنھوں نے وضو کر رکھا ہو؟ تو امام صاحب نے جواب دیا کہ اُس کے علاوہ کوئی اور (یعنی باوضو) شخص امامت کرائے تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے، البتہ اگر وہ تیمّم والا آدمی ہی امامت کرا دے تو میں اس میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ تَيَمَّمَ حِينَ لَمْ يَجِدْ مَاءً، فَقَامَ وَكَبَّرَ وَدَخَلَ فِي الصَّلَاةِ، فَطَلَعَ عَلَيْهِ إِنْسَانٌ مَعَهُ مَاءٌ. قَالَ: لَا يَقْطَعُ صَلَاتَهُ بَلْ يُتِمُّهَا بِالتَّيَمُّمِ، وَلْيَتَوَضَّأْ لِمَا يُسْتَقْبَلُ مِنَ الصَّلَوَاتِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اُس وقت تیمّم کرتا ہے جب وہ پانی نہیں پاتا، اُس نے کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہی اور نماز میں داخل ہو گیا، پھر (نماز کے دوران میں) اس کے پاس کوئی ایسا شخص آ پہنچا جس کے پاس پانی ہے، امام صاحب نے فرمایا کہ وہ اپنی نماز کو نہ توڑے بلکہ اُسے تیمّم کے ساتھ ہی پورا کرے البتہ آگے آنے والی نمازوں کے لیے اُسے وضو ہی کرنا چاہیے۔

فائدہ: ...... یہ موقف امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کا موقف یہ ہے کہ اگر نماز کے دوران میں بھی پانی کے استعمال پر قدرت حاصل ہو جائے (قدرت کا حصول شرط ہے) تو تیمّم ختم ہو جائے گا، کیونکہ ایک تو اصل کی موجودگی میں نائب چیز کی نیابت ختم ہو جاتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مندرجہ ذیل حدیثِ مبارکہ کے جامع الفاظ بھی اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَإِذَا وَجَدْتَّ الْمَاءَ فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ ''پھر جب تو پانی پالے تو اُسے اپنے (جسم کے) چمڑے پر لگا۔'' (ابوداود: 332، 333، ترمذی: 124۔ اس کی سند صحیح ہے)

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: مَنْ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمْ يَجِدْ مَاءً، فَعَمِلَ بِمَا أَمَرَهُ اللَّهُ بِهِ مِنَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص نماز کی طرف کھڑا ہوا لیکن اُس نے پانی نہ پایا تو اس نے تیمّم پر عمل کر لیا جس کا

التَّيَــمُّـمِ ، فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ، وَلَيْسَ الَّذِي وَجَدَ الْـمَـاءَ بِـأَطْهَرَ مِنْهُ ، وَلَا أَتَمَّ صَلَاةً ، لأَنَّهُمَا أُمِـرَا جَـمِـيعاً ، فَكُلٌّ عَمِلَ بِمَا أَمَرَهُ اللَّهُ بِهِ ، وَإِنَّمَا الْعَمَلُ بِمَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ مِنَ الْوُضُوءِ لِمَنْ وَجَـدَ الْمَاءَ, وَالتَّيَمُّمِ لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ فِي الصَّلَاةِ .

اللہ نے اُسے حکم فرمایا ہے تو یقیناً اُس نے اللہ عزوجل ہی کی اطاعت کی ہے اور وہ شخص جس نے پانی پایا (اور وضو کر کے نماز ادا کی) تو وہ (وضو والا) اس (تیمّم والے) سے نہ تو طہارت میں زیادہ ہے اور نہ ہی اس کی نماز (اِس کی نماز سے) زیادہ مکمل (اور زیادہ فضیلت کی حامل) ہے، کیونکہ بلاشبہ ان میں دونوں ہی کو (الگ الگ حیثیت میں) حکم دیا گیا تو ہر ایک نے اُسی چیز پر عمل کیا جس کا اللہ نے اُسے حکم فرمایا تھا اور یقیناً اُس وضو پر عمل کرنا جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، (وضو کے حکمِ الٰہی پر عمل) صرف اُس شخص کے لیے ہے جو پانی پائے اور تیمّم (کے حکمِ الٰہی پر عمل) اس شخص کے لیے ہے جو نماز میں داخل ہونے سے پہلے (تک) پانی نہ پا سکے۔

وَقَـالَ مَـالِكٌ فِـي الرَّجُلِ الْجُنُبِ : إِنَّهُ يَتَيَمَّمُ وَيَـقْـرَأُ حِزْبَهُ مِنَ الْقُرْآنِ ، وَيَتَنَفَّلُ مَا لَمْ يَجِدْ مَـاءً ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ فِي الْمَكَانِ الَّذِي يَجُوزُ لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ بِالتَّيَمُّمِ .

امام مالک رحمہ اللہ جنابت والے شخص کے متعلق فرماتے ہیں کہ بے شک وہ بھی تیمّم کر لے اور قرآن مجید (کی تلاوت) میں سے اپنا متعین حصہ پڑھ لے اور جب تک پانی نہیں پاتا نفل ادا کرتا رہے، اور بلاشبہ یہ (تیمّم سے تلاوت کرنا اور نوافل ادا کرنا) اُسی جگہ میں (جائز) ہے جہاں اُس کے لیے تیمّم کے ساتھ (فرض) نماز پڑھنا جائز ہے۔

24- بَابٌ: اَلْعَمَلُ فِيْ التَّيَمُّمِ

تیمّم کے طریقے کا بیان

خلاصۃ الباب امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں دو (2) موقوف صحیح روایات یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم ذکر کیے ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔

[120] حَـدَّثَـنِـي يَـحْـيَـى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَـافِـعٍ: أَنَّـهُ أَقْبَـلَ هُـوَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ مِنَ الْـجُـرُفِ ، حَتَّى إِذَا كَانَا بِالْمِرْبَدِ ، نَزَلَ عَبْدُ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ اور (اُن کے آقا) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جُرُف نامی جگہ (میں اپنی زمین) سے واپس آئے، حتیٰ کہ جب وہ دونوں مربد (بکریوں کے ایک

[120] (موقوف صحيح) صحيح البخاري ، كتاب التيمم ، باب : 3، قبل حديث: 337 تعليقًا ، مصنف عبدالرزاق : 229/1، الأم للشافعي: 247/7، معرفة السنن والآثار للبيهقي : 285/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

اللَّهِ فَتَيَمَّمَ صَعِيدًا طَيِّبًا ، فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ، ثُمَّ صَلَّى .

مشہور باڑے کے مقام) پر پہنچے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نیچے اترے، پھر انھوں نے پاکیزہ مٹی سے تیمّم کیا (اس طرح کہ اُس پر ہاتھ مار کر) اپنے چہرے پر اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کا مسح کر لیا، پھر نماز پڑھ لی۔

فائدہ: ......اس روایت میں ایک تو یہ ثابت ہوا کہ تیمّم کے لیے لمبے سفر کی شرط نہیں ہے، جُرف کا فاصلہ مدینہ سے صرف تین میل ہے، جبکہ مربد کا فاصلہ ایک یا دو میل ہے، بلکہ اگر کوئی شخص اپنے علاقے ہی میں یعنی حضر میں اور حالتِ اقامت میں ہو اور تندرست بھی ہو تو وہ نماز کے قضا ہو جانے کے خوف سے تیمّم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے ......بخاری شریف کی کتاب التیمم کے دوسرے باب میں ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی جسے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے راستے ہی میں پڑھ لیا، پھر جب وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو ابھی سورج بلند ہی تھا لیکن انھوں نے نماز کو دوبارہ نہ پڑھا...... دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے (اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حسن بصری رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ سے) یہ عمل ثابت ہے کہ وہ تیمّم کے لیے دو مرتبہ ہاتھ مارتے تھے اور کہنیوں تک بازوؤں کا مسح کرتے تھے، امام مالک رحمہ اللہ، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے۔

[121] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَتَيَمَّمُ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہنیوں تک تیمّم کیا کرتے تھے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ كَيْفَ التَّيَمُّمُ ، وَأَيْنَ يَبْلُغُ بِهِ ؟ فَقَالَ يَضْرِبُ ضَرْبَةً لِلْوَجْهِ , وَضَرْبَةً لِلْيَدَيْنِ ، وَيَمْسَحُهُمَا إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ .

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ تیمّم کیسے کیا جائے اور کہاں تک کیا جائے؟ تو انھوں نے فرمایا: (پاک مٹی پر) ایک دفعہ ہاتھ مار کر اپنے چہرے کا مسح کر لے اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کر لے۔

فائدہ: ......حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تیمّم کا طریقہ پوچھا تو فَأَمَرَنِي ضَرْبَةً وَّاحِدَةً لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے لیے صرف ایک بار ہاتھ مارنے کا حکم دیا۔''(ابوداود: 327، ترمذی: 144، احمد: 263/4، دارمی: 190/1، ابن خزیمہ: 267۔ اس کی سند صحیح ہے) تمام دلائل کو ملحوظ رکھ کر منصفانہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مٹی پر دو دفعہ ہاتھ مارنے اور کہنیوں تک مسح کرنے کی گنجائش تو ہے لیکن اسی طریقے کو واجب کہنا اور دوسرے طریقے یعنی ایک ضرب ہی سے چہرے اور صرف

[121] (موقوف صحیح) السنن الکبری للبیہقی: 207/1، الأمّ للشافعی: 50/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

ہتھیلیوں کی پشت کے مسح کے کافی ہونے کا انکار کرنا درست نہیں اور راجح یہی ہے کہ صرف ایک مرتبہ پاک مٹی پر ہاتھ مار کر صرف ہتھیلیوں اور چہرے کا مسح کرلیا جائے، صحیح بخاری میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا يَكْفِيْكَ هٰكَذَا ، وَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ ''تجھے اس طرح کرلینا کافی ہے۔ اور (یہ کہہ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور اُن میں پھونک لگائی، پھر اُن کو اپنے چہرے پر اور ہتھیلیوں (کی پشت) پر پھیر لیا۔'' (بخاری: 338، مسلم: 368) نیز یہ بھی فرمایا: يَكْفِيْكَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ ''تمھیں (تیمّم میں) چہرہ اور ہتھیلیاں ہی کافی ہیں۔'' (بخاری: 341) اور ایک روایت میں ہے: ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ اِلَى الْاَرْضِ ضَرْبَةً وَّاحِدَةً ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو زمین پر ایک ہی بار مارا۔'' (صحيح مسلم: 368) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ہاتھوں کو زمین پر مارنے کے بعد ثُمَّ نَفَضَهَا ''پھر ان کو جھاڑا۔'' (صحيح بخاري: 347)

25- بَابٌ: تَيَمُّمُ الْجُنُبِ

جنابت والے شخص کے تیمّم کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے ایک مقطوع صحیح روایت یعنی تابعی رحمہ اللہ کا فتویٰ ذکر کیا ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین (3) فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

[122] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَرْمَلَةَ ، أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ ، عَنِ الرَّجُلِ الْجُنُبِ يَتَيَمَّمُ ، ثُمَّ يُدْرِكُ الْمَاءَ ، فَقَالَ سَعِيدٌ : إِذَا أَدْرَكَ الْمَاءَ فَعَلَيْهِ الْغُسْلُ لِمَا يُسْتَقْبَلُ .

عبدالرحمٰن بن حرملہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے اُس جنبی شخص کے متعلق سوال کیا جو تیمّم کرتا ہے، پھر پانی کو پالیتا ہے، تو انھوں نے فرمایا: جب وہ پانی کو پالے تو اس پر آئندہ (نمازوں) کے لیے غسل لازم ہے۔

فائدہ: ......یعنی تیمّم سے نماز پڑھ لینے کے بعد اگر نماز کے وقت کے اندر اندر پانی مل جائے تو نماز کا اعادہ نہیں کرے گا، البتہ پانی پالینے کے بعد اس پر غسل کرنا لازم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِيمَنِ احْتَلَمَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ ، وَلَا يَقْدِرُ مِنَ الْمَاءِ إِلَّا عَلَى قَدْرِ الْوُضُوءِ ، وَهُوَ لَا يَعْطَشُ حَتَّى يَأْتِيَ الْمَاءَ ، قَالَ : يَغْسِلُ بِذَلِكَ فَرْجَهُ ، وَمَا أَصَابَهُ مِنْ ذَلِكَ الأَذَى ،

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں کہا جسے احتلام ہو جائے، اس حال میں کہ وہ سفر میں ہو اور پانی پر قدرت نہ رکھتا ہو سوائے وضو کی مقدار کے، (صرف اتنا پانی اس کے پاس ہے جس سے وضو ہوسکتا ہے لیکن غسل نہیں ہوسکتا)

[122] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 123/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

ثُمَّ يَتَيَمَّمُ صَعِيداً طَيِّباً كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ.

اور پانی کے کسی چشمے پر پہنچنے تک اُسے پیاس کا بھی خطرہ نہیں، تو امام مالک ﷫ نے فرمایا: وہ اس پانی سے اپنی شرمگاہ کو اور اس نجاست کو دھولے جو اس کے جسم پر لگی ہو، پھر وہ پاکیزہ مٹی سے اسی طرح تیمّم کرے جس طرح اللہ عزوجل نے اُسے حکم فرمایا ہے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ جُنُبٍ، أَرَادَ أَنْ يَتَيَمَّمَ، فَلَمْ يَجِدْ تُرَاباً إِلَّا تُرَابَ سَبَخَةٍ، هَلْ يَتَيَمَّمُ بِالسِّبَاخِ، وَهَلْ تُكْرَهُ الصَّلَاةُ فِي السِّبَاخِ؟ قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ بِالصَّلَاةِ فِي السِّبَاخِ، وَالتَّيَمُّمِ مِنْهَا، لِأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ: (فَتَيَمَّمُوا صَعِيداً طَيِّباً) [المائدة: 6] فَكُلُّ مَا كَانَ صَعِيداً، فَهُوَ يُتَيَمَّمُ بِهِ، سِبَاخاً كَانَ أَوْ غَيْرَهُ.

امام مالک ﷫ سے ایک جُنُبی شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو تیمّم کا ارادہ تو رکھتا ہے لیکن سوائے شور والی (کھاری) مٹی کے اور کوئی مٹی نہیں پاتا، کیا وہ اس (شوریلی مٹی یعنی کلر) سے تیمّم کرسکتا ہے اور کیا ایسی شور زدہ زمین پر نماز مکروہ ہے؟ تو امام مالک ﷫ نے فرمایا: شور زدہ زمین پر نماز پڑھنے اور اس سے تیمّم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''پاکیزہ مٹی کا قصد کرو۔'' تو ہر وہ چیز جو پاکیزہ مٹی ہو اُس سے تیمّم کیا جاسکتا ہے، خواہ وہ شور زدہ نمکین مٹی ہو یا اس کے علاوہ ہو۔

فائدہ: ......جس طرح کہ خود مدینہ منورہ کا حال تھا کہ اُسے ''طابہ'' اور ''طیبہ'' کے نام بھی دیے گئے جن کے معنیٰ ''پاک'' کے ہیں اور اُسے زبان نبوت سے شور زدہ علاقہ بھی کہا گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قَدْ أُرِيتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ رَأَيْتُ سَبِخَةً ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَابَتَيْنِ ''مجھے تمہاری ہجرت گاہ دکھائی گئی، میں نے ایک کھجوروں والی شور زدہ زمین دیکھی جو دو پتھریلے میدانوں کے درمیان میں ہے۔'' (بخاری: 2297) اور فرمایا: هٰذِهِ طَابَةُ ''یہ طابہ ہے۔'' (بخاری: 1872) اسی طرح فرمایا: إِنَّهَا طَيْبَةُ ''بے شک یہ طیبہ ہے۔'' (ترمذی: 3028۔ اس کی سند صحیح ہے) اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ ''صعید'' زمین کی اوپر والی سطح کو کہتے ہیں، خواہ اُس پر مٹی ہو یا نہ، خواہ ریت ہی ریت ہو یا صاف پتھریلی سطح ہو، ارشادِ الٰہی ہے: وَإِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا (الکھف 18:8) ''اور جو کچھ بھی اس (زمین) پر ہے، بلاشبہ یقیناً ہم اسے چٹیل میدان بنانے والے ہیں۔'' اسی طرح فرمایا: فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا (الکھف 40:18) ''تو وہ (باغ) چٹیل پھسلن والا میدان ہو جائے۔''

26- بَابُ مَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ مِنَ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ

اس کام کا بیان جو مرد کے لیے اپنی بیوی سے کرنا جائز ہے جبکہ وہ حالت حیض میں ہو

خلاصۃ الباب: امام مالک ﷫ نے اس باب میں چار (4) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے دو (2) مرفوع یعنی احادیث پیغمبر ﷺ، ایک موقوف یعنی قولِ صحابی ﷛ اور ایک مقطوع یعنی تابعی ﷫ کا فتویٰ ہے۔ ایک روایت صحیح

اور تین (3) صحیح لغیرہ درجہ کی ہیں۔

[123] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ: أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: مَا يَحِلُّ لِي مِنِ امْرَأَتِي وَهِيَ حَائِضٌ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ' لِتَشُدَّ عَلَيْهَا إِزَارَهَا، ثُمَّ شَأْنَكَ بِأَعْلَاهَا.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور کہا کہ میرے لیے میری بیوی سے کیا جائز ہے جس وقت وہ حیض سے ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُسے چاہیے کہ وہ اپنے اوپر اپنا تہبند مضبوطی سے باندھ لے، پھر تیرے لیے اس کے اوپر اوپر (لذت اٹھانا) جائز ہے۔''

فائدہ: ......یعنی حالتِ حیض میں عورتوں سے جماع تو حرام ہے لیکن جماع کے علاوہ کچھ دوسری لذتیں اٹھانا جائز ہے، مثلاً اکٹھے لیٹنا، بوس وکنار کرنا وغیرہ، لیکن احتیاطاً عورت ازار ضرور باندھ لے۔ بِأَعْلَاهَا سے مراد عورت کا ازار سے اوپر والا بدن ہے، کیونکہ '' ھا'' ضمیر عورت کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ ازار کی طرف ......اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں: ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ (البقرہ 2:222) ''تو حیض (کی حالت) میں عورتوں سے تم الگ رہو اور (ہم بستری کے لیے) اُن کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے اس کی وضاحت فرما دی کہ عورتوں سے الگ رہنے اور اُن کے قریب نہ جانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُن سے جماع نہ کرو اور ہم بستری کرنے کے لیے اُن کے قریب نہ جاؤ، البتہ باقی تمام جائز کام حالتِ حیض میں بھی جائز ہیں، فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے: اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ ''(حیض والیوں سے) سب کچھ کر سکتے ہو سوائے ہم بستری کے۔'' (صحیح مسلم: 302)

[124] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ مُضْطَجِعَةً مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَأَنَّهَا قَدْ وَثَبَتْ وَثْبَةً شَدِيدَةً، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ' مَا لَكِ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ؟ يَعْنِي الْحَيْضَةَ. فَقَالَتْ:

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک زوجۂ رسول ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی کپڑے میں لیٹی ہوئی تھی، (کہ اچانک) وہ بہت تیزی سے کود کر اُٹھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تجھے کیا ہوا، لگتا ہے کہ تمھیں حیض آ گیا ہے؟'' انھوں نے عرض کیا کہ جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[123] (صحیح لغیرہ) بیہقی: 191/7، دارمی: 258/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں، اسی لیے شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (صحیح ابوداود: 197)

[124] (صحیح لغیرہ) مسند احمد: 65/6، بیہقی: 311/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔

نَـعَـمْ . قَالَ : شُدِّی عَلَی نَفْسِكِ إِزَارَكِ ، ثُمَّ عُودِی إِلَی مَضْجَعِكِ

''اپنا تہبند اپنے اوپر باندھ لو اور پھر اپنے بستر کی طرف لوٹ آؤ۔''

فائدہ: ......حیض کی حالت میں عورتوں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرنے میں بہت سی حکمتیں مضمر ہیں، مثلاً: (1) یہودیوں کی مخالفت، (2) عورت کو احساس کمتری سے بچانا، (3) عورت کی محبت کا حصول، (4) مرد کو بے قابو ہوجانے اور دردر کی ٹھوکریں کھانے اور منہ کالا کرنے کی بجائے جائز لذتوں تک رسائی دینا اور وہیں محدود کرنا وغیرہ۔

[125] وَحَـدَّثَـنِـی عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عُبَيْـدَ الـلَّهِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ ، أَرْسَلَ إِلَی عَـائِشَةَ يَسْـأَلُهَـا ، هَـلْ يُبَاشِرُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَهِـیَ حَـائِـضٌ ، فَـقَالَتْ لِتَشُدَّ إِزَارَهَا عَلَی أَسْفَلِهَا ، ثُمَّ يُبَاشِرُهَا إِنْ شَاءَ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبید اللہ رحمہ اللہ بن عبداللہ بن عمر نے زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف (پیغام) بھیجا، وہ اُن سے یہ سوال کر رہے تھے کہ کیا مرد اپنی بیوی کے ساتھ اس کی حالت حیض میں مباشرت کرسکتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ عورت کو چاہیے کہ اپنے نچلے بدن پر ازار باندھ لے، پھر اگر خاوند چاہے تو اس سے مباشرت کرلے۔

فائدہ: ...... ہماری اردو زبان میں تو مباشرت سے عام طور پر جماع ہی مراد لیا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں اس کے دو مفہوم ہیں: (1) جماع کرنا اور (2) جماع کے بغیر محض جسم سے جسم ملانا، یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں۔

[126] وَحَـدَّثَـنِـی عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ سَـالِـمَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ سُئِلَا عَـنِ الْحَائِضِ ، هَلْ يُصِيبُهَا زَوْجُهَا إِذَا رَأَتِ الـطُّهْــرَ قَبْـلَ أَنْ تَـغْتَسِلَ ؟ فَقَـالَا: لَا حَتَّـی تَغْتَسِلَ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ دونوں سے حیض میں مبتلا عورت کے متعلق سوال کیا گیا کہ جب وہ حالتِ طہر کو دیکھ لے (حیض سے فارغ ہوکر پاک ہوجائے) تو کیا اُس کا خاوند اُس کے غسل حیض کرنے سے قبل اُس سے جماع کرسکتا ہے؟ تو دونوں نے کہا کہ نہیں (کرسکتا)، یہاں تک کہ وہ غسل کرلے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور علمائے اہل حدیث کا یہی موقف ہے، البتہ

---

[125] (موقوف صحیح) دارمی: 258/1، بیہقی: 190/7۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے، نیز دیکھیے، بخاری: 302، مسلم:293، ابو داود: 268

[126] (مقطوع صحیح لغیرہ) بیہقی: 310/1، ابن ابی شیبۃ: 92/1، عبدالرزاق: 331/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو مقطوع صحیح لغیرہ کہا ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ اگر دس دن گزرنے کے بعد حیض بند ہو تو بغیر غسل کیے جماع جائز ہے اور اگر دس دنوں سے پہلے خون بند ہو اور عورت پر ایک نماز کے لازم ہونے کے بعد دوسری کا وقت شروع ہو جائے تو بھی بغیر غسلِ حیض کے اُس سے مباشرت ہو سکتی ہے، لیکن جمہور کا موقف راجح ہے، کیونکہ قرآن مجید میں تَطَهَّرْنَ کے راجح معنیٰ غسل کر لینے ہی کے ہیں، نیز کسی چیز میں اباحت اور تحریم دونوں کا احتمال ہو تو تحریم ہی کو مقدم سمجھا جاتا ہے، واللہ اعلم ...... ہدایہ ص 65,66 پر لکھا ہے کہ مستحب یہی ہے کہ غسل سے پہلے عورت کے قریب نہ جایا جائے، کیونکہ اللہ نے "تَطَهَّرْنَ" کو مبالغہ کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے۔

27- بَابٌ :طُهْرُ الْحَائِضِ

حیض والی عورت کے پاک ہونے کا بیان

خلاصۃ الباب امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں دو (2) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک موقوف یعنی صحابی رضی اللہ عنہ کا قول اور ایک مقطوع یعنی تابعی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے، ایک روایت حسن اور ایک ضعیف ہے۔ نیز اس باب میں امام صاحب کا ایک (1) فتویٰ بھی موجود ہے۔

[127] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهِ مَوْلَاةِ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ النِّسَاءُ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ بِالدِّرَجَةِ، فِيهَا الْكُرْسُفُ، فِيهِ الصُّفْرَةُ مِنْ دَمِ الْحَيْضَةِ، يَسْأَلْنَهَا عَنِ الصَّلَاةِ، فَتَقُولُ لَهُنَّ: لَا تَعْجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ. تُرِيدُ بِذَلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ.

علقمہ بن ابی علقمہ رحمہ اللہ اپنی والدہ اُمِ علقمہ (جن کا نام مرجانہ تھا) جو اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھی، سے روایت کرتے ہیں کہ عورتیں اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ڈبیاں بھیجتی تھیں، اُن میں روئی ہوتی تھی اور اس روئی پر حیض کے خون کا زرد نشان ہوتا تھا، (وہ اپنے جسم سے نکلنے والے خون کا رنگ روئی پر لگا کر کسی کے ہاتھ بھیج کر دراصل) اُم المؤمنین سے نماز کے بارے میں پوچھا کرتی تھیں (کہ آیا ابھی ہم حالتِ حیض میں شمار ہیں یا نہیں؟) تو وہ اُن سے کہتیں کہ جلد بازی مت کرو، (انتظار کرو) یہاں تک کہ تم بالکل سفید دھبہ دیکھ لو، وہ اس سے حیض سے پاک ہونا مراد لیتی تھیں۔

فائدہ: ......اَلْقَصَّةُ الْبَيْضَاءُ سے مراد وہ سفید سا پانی ہے جو حیض کے ختم ہونے پر رحم سے نکلتا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ تھا کہ جب تم اس روئی پر بالکل سفیدی دیکھو، شرم گاہ سے نکلنے والی رطوبت بھی بالکل سفید ہو اور

[127] (موقوف حسن) بیهقی: 335/1، 336، عبدالرزاق: 301/1، 302۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (ارواء الغليل: 218/1، 219).

اس کا روئی پر رنگ نہ چڑھے تو سمجھ لو کہ تم حالتِ حیض سے نکل کر حالتِ طہر میں آ گئی ہو۔ "اَلْـقَـصُّ" چونے کو بھی کہتے ہیں اور رحم سے نکلنے والے پانی کو رنگت میں چونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

[128] وَحَـدَّثَـنِـي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْـنِ أَبِـي بَـكْرٍ، عَنْ عَمَّتِهِ، عَنِ ابْنَةِ زَيْدِ بْنِ ثَـابِـتٍ، أَنَّـهُ بَـلَـغَهَـا، أَنَّ نِسَاءً كُنَّ يَدْعُونَ بِـالْـمَـصَابِيحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، يَنْظُرْنَ إِلَى الـطُّهْرِ، فَكَانَتْ تَعِيبُ ذَلِكَ عَلَيْهِنَّ وَتَقُولُ: مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هَذَا.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیٹی (اُمِ کلثوم رحمہا اللہ جو سالم رحمہ اللہ بن عبداللہ بن عمر کی بیوی تھیں) سے روایت ہے، ان کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک کچھ عورتیں رات کے درمیان میں بھی چراغ منگواتی اور حالتِ طہر دیکھتی ہیں، تو اُمِ کلثوم ان کے اس عمل کو ان کے لیے معیوب سمجھتیں اور کہتیں کہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی) عورتیں تو ایسا (تکلف) نہیں کرتی تھیں۔

فائدہ: ...... اگرچہ وہ عورتیں تو یہ کام احتیاط کی خاطر کرتی تھیں لیکن یہ حد سے زیادہ تکلف ہے، اُن کو چاہیے کہ محض سوتے وقت دیکھ لیں کہ حیض ختم ہوگیا ہے یا نہیں، اگر جاری ہو تو سو جائیں، پھر صبح اٹھ کر دیکھ لیں، اگر صبح ہونے سے پہلے پہلے حیض ختم ہو چکا ہو تو صرف صبح کی نماز پڑھ لیں اور نمازِ عشاء نہ پڑھیں۔

وَسُـئِـلَ مَـالِكٌ عَنِ الْحَائِضِ تَطْهُرُ فَلَا تَجِدُ مَـاءً، هَـلْ تَتَيَـمَّـمُ؟ قَالَ نَعَمْ: لِتَتَيَمَّمْ، فَإِنَّ مِثْلَهَا مِثْلُ الْجُنُبِ، إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً تَيَمَّمَ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس حیض والی کے بارے میں پوچھا گیا جو پاک ہو جائے، لیکن پانی نہ پائے تو کیا وہ تیمّم کرسکتی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ہاں، یقیناً اس کی مثال جنابت والے کی سی ہے کہ جب اُسے پانی نہ ملے تو تیمّم کرلیتا ہے۔

28- بَابٌ: جَامِعُ الْحَيْضَةِ

حیض کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب: امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں چار (4) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے دو (2) مرفوع یعنی احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ایک روایت موقوف یعنی قولِ صحابی رضی اللہ عنہ اور ایک روایت مقطوع یعنی تابعی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے۔ تین روایات صحیح اور ایک روایت حسن درجہ کی ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

---

[128] (مقطوع ضعیف) بیهقی: 336/1، ابن ابی شیبة: 90/1، 91۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

[129] حَـدَّثَـنِـي يَـحْيَـى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّـهُ بَـلَـغَهُ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَـالَـتْ: فِي الْمَرْأَةِ الْحَامِلِ تَرَى الدَّمَ أَنَّهَا تَدَعُ الصَّلَاةَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حاملہ عورت کے متعلق جو خون دیکھے، فرمایا: یقیناً وہ نماز چھوڑ دے گی۔

فائدہ: ......شوافع اور مالکیہ کا یہی موقف ہے کہ حاملہ عورت کو کبھی کبھار حیض آ سکتا ہے لیکن احناف اور حنابلہ کے ہاں حاملہ عورت کو جو خون آتا ہے وہ استحاضہ یا کسی اور بیماری کا ہوتا ہے لہٰذا نماز نہیں چھوڑے گی اور یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم

[130] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَالِكٍ: أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَـابٍ عَـنِ الْمَرْأَةِ الْحَامِلِ تَرَى الدَّمَ؟ قَالَ: تَكُفُّ عَنِ الصَّلَاةِ.

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ الأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے اُس حاملہ عورت کے متعلق سوال کیا جو خون دیکھتی ہے تو انھوں نے کہا کہ وہ نماز سے رُک جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے (یعنی اہلِ مدینہ کے) ہاں یہی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور زہری رحمہ اللہ کے قول کے مطابق) معاملہ (راجح) ہے۔

[131] وَحَـدَّثَـنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُـرْوَةَ، عَـنْ أَبِيـهِ، عَـنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَـا قَـالَـتْ: كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا حَائِضٌ.

زوجۂ پیغمبر ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سرِ مبارک میں کنگھی کیا کرتی تھی حالانکہ (اس وقت) میں حیض سے ہوتی تھی۔

فائدہ: ......معلوم ہوا کہ حیض ونفاس والی عورتوں کا بدن اور پسینہ وغیرہ پاک ہی ہوتا ہے۔

[132] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت

---

[129] (موقوف حسن) بیهقی: 423/7، دارمی: 924، 928، 929، عبدالرزاق: 1214، ابن ابی شیبة: 6043۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

[130] (مقطوع صحیح) دارمی: 921، عبدالرزاق: 1209، ابن ابی شیبة: 6052۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو مقطوع صحیح کہا ہے۔

[131] صحیح البخاری، کتاب الحیض، باب غسل الحائض راس زوجها وترجیله، حدیث: 295، 296، 2046، 5925، صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض راس زوجها وترجیله، حدیث: 297، ابوداود: 3467، 3468، ترمذی: 804.

[132] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الدم، حدیث: 227، 307، صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب نجاسة الدم وکیفیة غسله، حدیث: 291، ابوداود: 3602، 362، ترمذی: 138، نسائی: 294، ابن ماجه: 629.

عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ بْنِ الـزُّبَيْرِ ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ ، أَنَّهَا قَالَتْ : سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ، فَقَالَتْ : أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ ، كَيْفَ تَصْنَعُ فِيهِ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ، ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِالْمَاءِ ، ثُمَّ لِتُصَلِّي فِيهِ .

نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ہمیں بتائیے کہ ہم میں سے کسی عورت کے کپڑے کو جب حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون پہنچ جائے تو اُسے چاہیے کہ اُسے مل دے، پھر اسے پانی سے دھو ڈالے، پھر اُس (کپڑے ہی) میں نماز پڑھ لے۔

فائدہ : ...... چونکہ حیض کا خون کپڑے میں جذب ہو جاتا ہے اس لیے اُسے مَل کر دھونا لازم ہے، صابن کا استعمال بہتر ہے، لازم نہیں ہے، اور اگر کپڑے میں کچھ نشان رہ بھی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ...... یاد رہے کہ اس حدیث کی سند میں غلطی سے ''عَـنْ اَبِيْـهِ '' کی عبارت لکھی گئی ہے اور یہ غلطی امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ ہی سے ہوئی ہے۔

29- مَاجَاءَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ

مستحاضہ عورت کا بیان

خلاصۃ الباب امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں پانچ (5) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے تین (3) مرفوع یعنی احادیث پیغمبر ﷺ ، اور دو (2) مقطوع یعنی فتاویٰ تابعین رحمہم اللہ ہیں، تمام روایات صحیح ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو (2) فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ : ......عورتوں کو تین قسم کے خون آتے ہیں: (1) صحت مند بالغ عورت کو ہر ماہ سیاہ بدبودار خون رحم سے نکل کر آتا ہے، اسے حیض کہتے ہیں جس کی موجودگی میں عورت نہ نماز ادا کرسکتی ہے نہ روزہ، نہ مسجد میں جاسکتی ہے اور نہ ہی اُس سے جماع جائز رہتا ہے۔ (2) بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم سے آنے والے خون کو نفاس کہتے ہیں اور اس کے سب احکام خونِ حیض ہی کی طرح ہیں۔ (3) حیض ونفاس کے علاوہ آنے والا ہر خون بیماری کا ہوتا ہے جو نکلتا اگرچہ شرمگاہ سے ہے لیکن وہ کسی رگ کے پھٹنے سے آتا ہے اور بسا اوقات سالہا سال تک جاری رہتا ہے، یہ خون استحاضہ کا خون کہلاتا ہے اور اس میں مبتلا عورت کو مستحاضہ کہتے ہیں، اس پر نماز، روزہ، مسجد اور جماع وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

نبی مکرم ﷺ کے زمانے میں مختلف عورتیں اس مرض میں مبتلا تھیں، مثلاً (1) اُم المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ

(ابوداود، ابن خزیمہ)، (2) اُم المومنین زینب بنت جحش (بخاری)، (3) حمنہ بنت جحش (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ)، (4) اُمِ حبیبہ بنت جحش (بخاری، مسلم)، (5) فاطمہ بنت ابی حبیش (بخاری، مسلم)، (6) اسماء بنت عمیس (ابوداود، دارقطنی)، (7) سہلہ بنت سہیل (ابوداؤد)، (8) اسماء بنت مرشد (بیہقی) اور () بادیہ بنت غیلان (ابن مندہ) وغیرہ رضی اللہ عنہن۔

مستحاضہ کی اقسام: مستحاضہ عورت چار قسم کی ہوسکتی ہے، کیونکہ بعض عورتیں خونِ حیض اور خونِ استحاضہ میں فرق، پہچان اور شناخت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور بعض نہیں، اسی طرح بعض عورتوں کو ہر ماہ چاند کی مخصوص تاریخوں ہی میں ایک روٹین (اور عادت) سے حیض آتا ہے اور بعض کو نہیں، یوں مندرجہ ذیل چار صورتیں سامنے آتی ہیں:

(1) مُـمَيِّزَہ غَيْر مُعْتَادَہ (یہ عورت خون کی شناخت اور تمیز کرسکتی ہے لیکن استحاضہ شروع ہونے سے قبل اُس کی حیض کی کوئی روٹین اور پکی عادت نہ تھی،) یہ عورت خونوں کی شناخت ہی کے ساتھ معاملہ حل کرے گی، چنانچہ جب حیض کا خون دیکھے تو نماز چھوڑ دے اور جب دیکھے کہ حیض کے خون کے اثرات ختم ہوچکے ہیں اور عام خون بہنے لگا ہے تو اُسے استحاضہ شمار کرکے نمازیں پڑھنا شروع کردے۔

(2) مُـعْتَـاده غَيْر مُمَيِّزَہ: (جس کی استحاضہ سے قبل حیض آنے کی عادت اور روٹین پکی تھی لیکن دونوں قسم کے خونوں میں شناخت اور تمیز نہیں کرسکتی تو) یہ عورت اپنی پرانی روٹین کا اعتبار کرے گی اور صرف اپنی حیض والی پکی تاریخوں میں نماز ترک کرے گی۔

(3) مُـمَيِّـزَہ مُعْتَـادہ: (جو شناخت وتمیز بھی کرسکتی ہے اور اس کی حیض والی تاریخیں بھی پکی تھیں تو) اگر اس کی شناخت کے مطابق ایام مخصوصہ ہی میں حیض آئے تو پھر کوئی اشکال نہیں لیکن اگر شناخت کے مطابق تو خونِ حیض اور دنوں میں محسوس ہو اور ایام مخصوصہ کوئی اور ہوں تو پھر اکثر فقہاء کے نزدیک گزشتہ پکے ایام مخصوصہ والی تاریخوں ہی میں نماز چھوڑے گی۔

(4) غَيْـر مُـمَيِّزَہ ، غَيْر مُعْتَادَہ : (جس بے چاری کو نہ خونوں کی الگ الگ پہچان ہو اور نہ استحاضہ کی بیماری سے قبل اُس کی حیض کی کوئی پکی روٹین تھی، مثلاً بالغ ہوتے ہی اُسے استحاضہ بھی شروع ہوجائے، اِسے ''مُبْتَدِئہ '' کہتے ہیں یا اس کی خاص روٹین اور پکی عادت تو تھی لیکن وہ اُسے بھول گئی ہو، اِسے '' مُتَحَيِّرہ '' کہتے ہیں،) ایسی عورت کے بارے میں علماء وفقہاء کی آراء کافی مختلف ہیں، بہرحال اسے خونوں کی شناخت، فرق اور تمیز کرنے کی صلاحیت کے لیے محوِ کوشش رہنا چاہیے اور جب تک یہ صلاحیت حاصل نہیں ہوتی اُسے چاہیے کہ اپنے آبائی خاندان کی عورتوں کی روٹین دیکھے کہ ان کو عموماً کون سے اور کتنے دنوں میں حیض آتا ہے، چنانچہ انھی کی موافقت کرتے ہوئے نماز میں ناغہ کرے، نیز عمر رسیدہ ماہر عورتوں سے ضرور مدد لے۔

[133] حَـدَّثَـنِـی یَـحْیَـی ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَـامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِیهِ ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ ، أَنَّهَـا قَـالَـتْ : قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِـی حُبَیْـشٍ : یَـا رَسُـولَ اللَّهِ إِنِّی لَا أَطْهُرُ ، أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ ؟ فَـقَـالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ' إِنَّـمَـا ذَلِكِ عِـرْقٌ وَلَیْسَـتْ بِـالْحَیْضَةِ ، فَإِذَا أَقْبَـلَتِ الْحَیْضَةُ فَاتْرُكِی الصَّلَاةَ ، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِی الدَّمَ عَنْكِ وَصَلِّی .

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یقیناً میں تو پاک ہی نہیں ہوتی، (ہر وقت خون آتا ہی رہتا ہے) تو کیا میں نماز کو بھی (ہمیشہ کے لیے) چھوڑے رکھوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''بے شک یہ تو صرف اور صرف ایک رگ (کا خون) ہے اور حیض نہیں ہے (بلکہ استحاضہ ہے،) تو جب (استحاضہ کے دوران) حیض کا خون (بھی) آ جائے تو نماز کو چھوڑ دے، پھر جب خونِ حیض کی مدت گزر جائے تو اپنے جسم سے اس خون کو دھو ڈال اور (غسلِ حیض کر کے) نماز پڑھ۔''

[134] وَحَـدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ سُـلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ ، أَنَّ امْـرَأَةً كَانَتْ تُهْرَاقُ الدِّمَاءَ فِی عَهْدِ رَسُـولِ اللَّهِ ﷺ ، فَـاسْتَـفْتَـتْ لَهَا أُمُّ سَلَمَةَ رَسُـولَ اللَّـهِ ﷺ فَـقَالَ : ' لِتَـنْـظُـرْ إِلَی عَدَدِ اللَّیَـالِـی وَالْأَیَّـامِ الَّتِی كَانَتْ تَحِیضُهُنَّ مِنَ الشَّهْـرِ قَبْـلَ أَنْ یُصِیبَهَا الَّذِی أَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ قَدْرَ ذَلِكِ مِنَ الشَّهْرِ ، فَإِذَا خَلَّفَتْ ذَلِكِ فَـلْتَـغْتَسِـلْ ، ثُـمَّ لِتَسْتَثْـفِرْ بِثَوْبٍ ، ثُمَّ

زوجۂ رسول ﷺ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانۂ رسول ﷺ میں ایک عورت کا خون بہت بہتا تھا تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ سے (مسئلہ پوچھا اور) فتویٰ طلب کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اُسے چاہیے کہ اُن (گزشتہ) دنوں اور راتوں کی تعداد پر غور کرے جن میں وہ ہر مہینے کا حیض گزارتی تھی، قبل اس کے کہ اس کو وہ بیماری پہنچتی جو کہ اسے لگ چکی ہے، (یعنی استحاضہ اور لیکوریا کی بیماری سے پہلے کے اپنے ایامِ مخصوصہ کو ذہن میں رکھ کر) انھی کے بقدر ہر مہینے سے نماز کو چھوڑ

---

[133] صحیح البخاری ، کتاب الوضوء ، باب غسل الدم ، حدیث: 228، 306، 320، 325، 331، صحیح مسلم ، کتاب الحیض ، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها ، حدیث: 333، ابوداود: 282، ترمذی: 125، ابن ماجه: 621۔

[134] (صحیح) سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب فی المراة تستحاض، حدیث: 274، 275، سنن النسائی، کتاب الحیض، باب المراة تکون لها ایام معلومة تحیضها کل شهر، حدیث: 354، ابن ماجه: 623، مسند احمد: 293/6، دارمی: 780۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، امام نووی، ابن ترکمانی اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (صحیح ابی داود: 244)

لِتُصَلِّی . دے، پھر جب وہ (اپنے مخصوص ایام والی مدت کے برابر) اس مقدار کو پیچھے چھوڑ دے (یعنی اتنے ہی دن گزر جائیں) تو اسے چاہیے کہ (حیض سے فراغت کا) غسل کر لے، پھر (استحاضہ کے خون سے اپنے لباس کو بچانے کے لیے) کسی کپڑے کے ساتھ لنگوٹ باندھ لے، پھر اسی حالت میں نماز ادا کرتی رہے۔''

فائدہ : ......آج کل بازار سے اس مقصد کے لیے خصوصی تیار شدہ کپڑے بھی دستیاب ہیں، اسی طرح انڈرویئر بھی کفایت کرسکتا ہے، خون زیادہ ہو تو کچھ روئی یا مزید پرانے کپڑے رکھ لیے جائیں۔

[135] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّهَا رَأَتْ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ الَّتِي كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَكَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّی .

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے زینب (کی بہن اُم حبیبہ) بنت جحش رضی اللہ عنہا کو دیکھا جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور مرضِ استحاضہ میں مبتلا تھیں، تو وہ غسل کرتی اور نماز پڑھتی تھیں۔

فائدہ : ......ایک روایت میں ہے: فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ ''وہ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔'' (بخاری: 327، مسلم: 344) مستحاضہ عورت پر غسل تو صرف اس وقت واجب ہے جب اس کا حیض ختم ہو، لیکن پھر بعد میں اگر وہ ہر نماز کے لیے غسل اور وضو کرے تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت اُم حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کرتی تھیں اور اگر وہ ہر نماز کے لیے صرف وضو کرے تو بھی درست ہے، فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ ''پھر تُو (اے فاطمہ بنت ابی حبیش!) ہر نماز کے لیے وضو کرلیا کر۔'' (بخاری: 228) لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پسند طریقہ وہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ مستحاضہ عورت ہر دن تین غسل اور پانچ وضو کرے، اس طرح کہ فجر کے لیے الگ غسل اور وضو کرے، پھر ظہر کو مؤخر کر کے یوں پڑھے کہ ادھر نماز سے فارغ ہو اور اُدھر عصر کا وقت شروع ہو جائے لیکن پہلے غسل کر کے وضو کرے، پھر ظہر پڑھے، پھر نیا وضو کر کے عصر پڑھے، اسی طرح مغرب و عشاء کو جمع کر کے ایک غسل اور دو وضو کرے۔ (ابوداود: 287، ترمذی: 128، ابن ماجہ: 627، احمد: 439/6۔ اس کی سند حسن صحیح ہے)

یاد رہے کہ اس روایت کی سند میں بھی ایک غلطی ہے اور وہ یہ کہ ''بنت جحش'' سے پہلے ''زینب'' کا لفظ لکھ دیا گیا ہے اور اس کے غلط ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ موطا کو روایت کرنے والوں میں سے بعض راویوں نے صرف ''بنت

[135] صحيح البخاري، كتاب الحيض، باب عرق الاستحاضة، حديث:327، صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، حديث: 334، دارمي: 898.

جحش‘‘ کے الفاظ ذکر کیے ہیں اور اس سے پہلے کوئی نام ذکر نہیں کیا، دوسری اور اہم دلیل یہ ہے کہ آگے اِس بنتِ جحش کی وضاحت میں یہ مذکور ہے کہ وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور سیرت و تاریخ اور حدیث کی کتابوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا نام اُمِ حبیبہ بنت جحش تھا نہ کہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شادی کر لی، وہ کبھی بھی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے نکاح میں نہیں رہیں، البتہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا واقعی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔

[136] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ الْقَعْقَاعَ بْنَ حَكِيمٍ وَزَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ أَرْسَلَاهُ إِلَى سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ يَسْأَلُهُ، كَيْفَ تَغْتَسِلُ الْمُسْتَحَاضَةُ، فَقَالَ: تَغْتَسِلُ مِنْ طُهْرٍ إِلَى طُهْرٍ، وَتَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ، فَإِنْ غَلَبَهَا الدَّمُ اسْتَثْفَرَتْ

سمی رحمہ اللہ جو کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کے آزاد کردہ غلام تھے، روایت کرتے ہیں کہ قعقاع بن حکیم رحمہ اللہ اور زید بن اسلم رحمہ اللہ نے اُسے سعید بن میسّب رحمہ اللہ کی طرف بھیجا کہ (اُن کے پاس جا کر) اُن سے یہ سوال کرے کہ مستحاضہ عورت کس طرح (یعنی کب کب) غسل کرے گی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ ظہر سے ظہر تک غسل کرے گی اور ہر نماز کے لیے (الگ الگ) وضو کرے گی، پھر اگر اُس پر خونِ استحاضہ کا غلبہ ہو تو (نیچے) کپڑا باندھ لے گی۔

فائدہ:......موطا کے نسخوں میں ’’ظہر‘‘ کا لفظ نقطے کے ساتھ اور بغیر نقطے کے ’’طہر‘‘ بھی مروی ہے، اگر یہ بغیر نقطے کے ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ وہ جب حالت حیض سے حالت طُہر میں آئے گی تو اُس پر غسل واجب ہے، اُس کے بعد پھر آئندہ جب اگلے حیض سے پاک ہوگی تو غسل واجب ہوگا، اس کے سوا اُس پر کوئی غسل واجب نہیں، اگرچہ یہ مفہوم بالکل درست ہے لیکن مختلف قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ’’ظہر‘‘ ہے، (اور یہی راجح ہے) اور اس فتویٰ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مستحاضہ عورت پر وضو تو ہر فرض نماز کے لیے روزانہ پانچ دفعہ الگ الگ واجب ہے لیکن روزانہ صرف ایک بار ظہر کے وقت غسل کر لینا بہتر ہے۔

[137] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے باپ عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے

136] (مقطوع صحيح) سنن ابی داود، كتاب الطهارة، باب من قال المستحاضة تغتسل من ظهر الى ظهر، حديث: 301، دارمی: 808، عبدالرزاق: 304/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[137] (مقطوع صحيح) بيهقى: 350/1، كتاب الأمّ للشافعى: 209/7۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

عُـرْوَةَ ، عَـنْ أَبِيـهِ ، أَنَّـهُ قَالَ : لَيْسَ عَلَى الْـمُسْتَـحَاضَةِ إِلَّا أَنْ تَغْتَسِلَ غُسْلاً وَاحِداً ، ثُمَّ تَتَوَضَّأُ بَعْدَ ذَلِكَ لِكُلِّ صَلَاةٍ .

ہیں، انھوں نے کہا کہ مستحاضہ عورت پر اس کے علاوہ اور کچھ لازم نہیں کہ وہ صرف ایک غسلِ (حیض) کرلے، پھر وہ اس کے بعد ہر نماز کے لیے (صرف) وضو کرتی رہے۔

قَـالَ يَـحْيَـى : قَـالَ مَـالِكٌ : الأَمْـرُ عِنْدَنَا أَنَّ الْـمُسْتَـحَـاضَةَ إِذَا صَـلَّـتْ ، أَنَّ لِزَوْجِهَا أَنْ يُـصِيبَهَـا ، وَكَذَلِكَ النُّفَسَاءُ إِذَا بَلَغَتْ أَقْصَى مَـا يُـمْسِكُ النِّسَاءَ الدَّمُ ، فَإِنْ رَأَتِ الدَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ فَـإِنَّهُ يُصِيبُهَا زَوْجُهَا ، وَإِنَّمَا هِيَ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْتَحَاضَةِ .

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ مستحاضہ عورت جب نماز پڑھنے لگے تو یقیناً اس کے خاوند کے لیے جائز ہے کہ اس سے ہم بستری کرے اور یہی صورتحال نفاس والی عورت کے لیے ہے کہ جب وہ اُس انتہائی مدت (جو کہ چالیس دن مشہور ہے،) تک پہنچ جائے کہ (جس تک نفاس کا) خون عورتوں کو (نمازوں سے) روکے رکھتا ہے، (لیکن وہ) اس کے بعد پھر خون دیکھے، (تو وہ استحاضہ کا خون ہوگا) اور اس کے خاوند کے لیے جائز ہوگا کہ اس سے مباشرت کرے، یقیناً وہ تو مستحاضہ ہی کی طرح ہے۔

قَـالَ يَـحْيَـى : قَـالَ مَـالِكٌ : الأَمْـرُ عِنْدَنَا فِي الْـمُسْتَـحَـاضَةِ عَلَى حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَـنْ أَبِيـهِ ، وَهُـوَ أَحَـبُّ مَـا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مستحاضہ عورت کے بارے میں ہمارے ہاں (راجح) حکم اور موقف ہشام بن عروہ رحمہ اللہ کی روایت کے موافق ہے، جسے وہ اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں (یعنی اس باب کی پہلی حدیث)، اور میرے نزدیک یہی وہ سب سے پسندیدہ ترین قول ہے، اُن تمام اقوال میں سے جو میں نے اس مسئلے میں سنے ہیں۔

فائدہ : ...... بہت سی عورتیں اس عارضے میں مبتلا ہوتی ہیں اور مسلسل خون بہنے سے کمر درد وغیرہ بھی شدت سے محسوس کرتی ہیں، اس کے مختلف علاج موجود ہیں، اگر کسی عورت پر کوئی بھی علاج کارگر ثابت نہ ہو رہا ہو تو آخری آخری علاج اور نہایت سستا نسخہ دو قسم کا ہے، کسی حکیم سے رابطہ کر کے اس کی خوراک کی مقدار کی تعیین کروالیں، (ورنہ زیادہ مقدار نقصان دہ ہے) (1) بریاں کی ہوئی (توے پر آگ کے ذریعے سفوف بنائی ہوئی) پھٹکڑی اور (2) جس کیکر کی مسواک استعمال ہوتی ہے اُس کی پھلیوں کو خشک کر کے بنایا ہوا سفوف، یہ پھلیاں اس وقت اتاریں جب اُن میں تازہ تازہ بیج پیدا ہو چکا ہو اور سائے میں خشک کرلیں، چودہ دن سے زیادہ استعمال نہ کریں، دودھ کا استعمال لازم ہے اور صبح نہار منہ درمیانی قسم کا کیپسول لینا ہے...... جن عورتوں کے ایام حیض کی روٹین پکی نہ بن رہی ہو، یا کبھی حیض بند ہو جانے کا عارضہ لاحق ہو جائے تو وہ تین چار بار اونٹنی کا خالص دودھ لے کر اُس میں پرانا گڑ ڈال کر شکم سیر ہو کر پیے اور اللہ کی

قدرت کے نظارے کرے۔

30- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ بَوْلِ الصَّبِيِّ

بچے کے پیشاب کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے دو (2) مرفوع صحیح روایات یعنی احادیث پیغمبر ﷺ ذکر کی ہیں۔

[138] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: أُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِصَبِيٍّ، فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجۂ رسول ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا، اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس پیشاب پر (اس طرح) ڈال دیا (کہ صرف چھینٹے مارنے پر اکتفا کیا)۔"

فائدہ: ...... یہ اجازت صرف بچے کے لیے ہے، بچی کے لیے نہیں، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِيْ بَوْلِ الرَّضِيْعِ يُنْضَحُ بَوْلُ الْغُلَامِ وَيُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ "یقیناً نبی کریم ﷺ نے دودھ پینے والے بچے کے متعلق فرمایا: بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔" (ابن ماجہ: 525، ترمذی: 610، نیز دیکھیے ابوداود: 378، احمد: 76/1، دارقطنی: 129/1، حاکم: 160/1، ابن خزیمہ: 284، ابن حبان: 247۔ اس کی سند صحیح ہے) احناف کا بچے اور بچی کے پیشاب کو دھونے کا موقف اس حدیث کے خلاف ہے۔

[139] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ: أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى

حضرت اُم قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے اس چھوٹے بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اُسے اپنی گود مبارک میں بٹھا لیا، اُس نے آپ ﷺ کے

---

[138] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب بول الصبیان، حدیث: 222، 5468، 6112، 6355، صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب حکم بول الرضیع وکیفیۃ غسلہ، حدیث: 286، نسائی: 304، ابن ماجہ: 523

[139] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب بول الصبیان، حدیث: 223، 5693، صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب حکم بول الرضیع وکیفیۃ غسلہ، حدیث: 287، ابوداود: 374، ترمذی: 71، نسائی: 303، ابن ماجہ: 524، دارمی: 741۔

رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَأَجْلَسَهُ فِي حَجْرِهِ، فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ

کپڑے پر پیشاب کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوا کر اُسے (کپڑے پر) چھڑک دیا اور اُسے دھویا نہیں۔

فائدہ: ......اتنی واضح احادیث کی بنا پر یہی موقف راجح اور برحق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہماری امت پر عظیم احسان ہے کہ ہمیں کس قدر تنگی اور حرج سے بچالیا۔ چھوٹے بچوں کو اکثر لوگ عموماً پیار سے اٹھا لیتے ہیں، جبکہ بچیوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا، نیز بچے کا پیشاب اُس کی جسمانی ساخت کی بنا پر لمبی دھار کی شکل میں زیادہ پھیل سکتا ہے، جبکہ بچی کے پیشاب میں یہ مسئلہ درپیش نہیں، اور پھر بچی کا پیشاب ہوتا بھی زیادہ بدبودار ہے......یاد رہے کہ کپڑے، بستر اور کمبل وغیرہ بچے کے پیشاب پر محض چھینٹے مارنے سے پاک تو ہو جاتے ہیں لیکن اگر عرصۂ دراز تک انھیں بالکل نہ دھویا جائے تو پورے گھر میں پیشاب کی عجیب مہک پھیل جاتی ہے، اس لیے وقتاً فوقتاً لحاف اور بچھونے کو دھوتے بھی رہنا چاہیے۔

31- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْبَوْلِ قَائِمًا وَغَيْرِهِ

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے اور اس کے علاوہ (پیشاب کے متعلقہ احکام) کا بیان

خلاصة الباب امام مالک ﷫ نے اس باب میں دو (2) روایات ذکر کی ہیں، ایک مرفوع صحیح، جبکہ دوسری موقوف صحیح یعنی صحابی ﷜ کا قول ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک ﷫ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[140] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلَ أَعْرَابِيٌّ الْمَسْجِدَ، فَكَشَفَ عَنْ فَرْجِهِ لِيَبُولَ، فَصَاحَ النَّاسُ بِهِ حَتَّى عَلَا الصَّوْتُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اتْرُكُوهُ فَتَرَكُوهُ، فَبَالَ، ثُمَّ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِذَنُوبٍ مِنْ مَاءٍ، فَصُبَّ عَلَى ذَلِكَ الْمَكَانِ.

یحیٰ بن سعید ﷫ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی صحابی ﷜) مسجد (نبوی) میں داخل ہوا، اس نے اپنے ستر سے کپڑا ہٹایا تاکہ پیشاب کرلے، (یہ دیکھتے ہی) لوگ اس پر (یعنی اس کے در پے ہو کر) چیخنے لگے، یہاں تک کہ (لوگوں کی) آواز بلند ہوگئی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اُسے چھوڑ دو'' تو لوگوں نے اُسے (ٹوکنا اور روکنا) چھوڑ دیا، چنانچہ اُس نے پیشاب کرلیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے پانی کا ایک ڈول لانے کا حکم دیا، پھر اُسے اُس (پیشاب والی) جگہ پر بہا دیا گیا۔

---

[140] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب ترک النبی ﷺ والناس الاعرابی حتی فرغ من بولہ، حدیث: 219، 221، 6025، نیز دیکھیے: 220،6128، صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات، حدیث: 284، 285، نسائی 55-53، نیز دیکھیے: 56، ابن ماجہ: 528، نیز دیکھیے: 529، دارمی: 740۔

فائدہ: ......صحیح بخاری میں ہے: قَـامَ اَعْرَابِیٌّ فَبَالَ فِی الْمَسْجِدِ ''ایک اعرابی کھڑا ہوا، پھر اُس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔'' (بخاری: 220) اور صحیح مسلم میں مزید وضاحت یوں آئی ہے: اَنَّ اَعْـرَابِیًّا قَامَ اِلٰی نَاحِیَةٍ مِـنَ الْمَسْجِدِ ''یقیناً ایک اعرابی مسجد کے ایک کونے کی طرف کھڑا ہوا۔'' (مسلم: 284) اگرچہ اس نے اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ حیا کیا کہ اُٹھ کر مسجد کے کونے کی طرف چلا گیا، لیکن چونکہ بالکل نیا نیا مسلمان ہوا تھا اس لیے ابھی اُسے مسجد کے مکمل آداب معلوم نہ تھے، چنانچہ جب وہ فارغ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اُسے بلا کر فرمایا: ''بلاشبہ یہ مسجدیں اس طرح کی پیشاب اور گندگی جیسی چیزوں کے لیے مناسب نہیں ہیں، یہ تو صرف اور صرف اللہ عزوجل کے ذکر، نماز اور تلاوتِ قرآن کے لیے ہیں۔'' (مسلم: 285)

یہ حدیثِ مبارکہ رسول اللہ ﷺ کے کمال رحم، حسنِ خُلق اور شفقت کی دلیل ہے، نیز اس میں کمال حکمت و دانشمندی کا پہلو بھی واضح ہے کہ اگر اس کو فوراً مسجد سے نکالتے یا مارتے تو وہ بددل ہو جاتا اور اس کی اصلاح بھی نہ ہوتی، اگر اس کا پیشاب بیچ میں روک دیا جاتا تو پورے جسم کا نظام درہم برہم ہو جاتا، اور اگر وہ پیشاب کو نہ روک پاتا اور لوگوں سے گھبرا کر حالتِ پیشاب میں گھوم جاتا یا بھاگ پڑتا تو مسجد کا احترام وتقدس مزید پامال ہو جاتا۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ نے اُسے مسجد میں پیشاب کرنے سے تو بعد میں منع فرما دیا تھا، لیکن کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع نہیں کیا۔

[141] وَحَـدَّثَـنِـی عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْـنِ دِيـنَارٍ ، أَنَّهُ قَالَ : رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَبُولُ قَائِمًا .

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر پیشاب کر رہے تھے۔

فائدہ: ......حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اَتَی النَّبِیُّ ﷺ سُبَـاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا ''نبی کریم ﷺ لوگوں کے کوڑے کے ڈھیر پر آئے، تو کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔'' (بخاری: 224، مسلم: 273) ان مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا تو جائز ہے، البتہ اس صورت میں چھینٹوں سے بچنے کا زیادہ اہتمام کرنا پڑے گا، اور وہ تمام روایات جن میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے ممانعت مذکور ہے وہ سب ضعیف ہیں، رہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بعض روایات میں یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ صرف بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے، تو دراصل وہ اپنے علم کے مطابق بات کر رہی ہیں، جبکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا منظر بیان کیا ہے۔

قَـالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ ، عَنْ غَسْلِ الْفَرْجِ مِنَ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ ، هَلْ جَاءَ فِيهِ أَثَرٌ ، فَقَالَ :

امام مالک رحمہ اللہ سے پیشاب اور پاخانے کے بعد شرم گاہ کو دھونے کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا اس مسئلے میں کوئی

[141] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبة: 115/1، بیهقی: 102/1، شرح معانی الآثار: 268/4۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

بَلَغَنِی أَنَّ بَعْضَ مَنْ مَضَى كَانُوا يَتَوَضَّؤُونَ مِنَ الْغَائِطِ ، وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَغْسِلَ الْفَرْجَ مِنَ الْبَوْلِ .

روایت آئی ہے؟ تو انھوں نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض وہ لوگ جو گزر چکے ہیں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) وہ پاخانے کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے، اور میں تو پیشاب کے بعد (بھی) شرمگاہ کو دھونا پسند کرتا ہوں۔

فائدہ :...... گزر جانے والوں سے مراد انھوں نے یا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لیا ہے جیسا کہ پیچھے روایت: 35 میں گزر چکا ہے، یا پھر اہلِ قُبا کو مراد لیا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تعریف فرمائی ہے...... معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کی جتنی روایات بھی امام مالک رحمہ اللہ کو معلوم تھیں وہ اُن سے پاخانے کے بعد کا استنجاء مراد لیتے تھے، کیونکہ انھوں نے مذکورہ فتویٰ میں روایات کا تعلق اسی سے جوڑا ہے اور پیشاب کے بعد استنجاء میں پانی استعمال کرنے پر اپنی ذاتی رائے اور ترجیح ذکر کی ہے۔

32- بَابُ مَا جَاءَ فِي السِّوَاكِ

مسواک کا بیان

خلاصۃ الباب امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں تین (3) روایات ذکر کی ہیں، دو روایات مرفوع یعنی احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ایک روایت موقوف یعنی صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ دو (2) روایات صحیح اور ایک روایت ضعیف ہے۔

[142] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنِ ابْنِ السَّبَّاقِ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ : ' يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ ، إِنَّ هَذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللَّهُ عِيداً فَاغْتَسِلُوا ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيبٌ ، فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ ، وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ .

عبید بن سباق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعوں میں سے کسی جمعہ میں فرمایا: ''اے مسلمانوں کی جماعت! بے شک یہ ایسا دن ہے جسے اللہ نے عید بنایا ہے، (یہ بار بار لوٹ کر ہمیں خوشی مہیا کرتا ہے) لہٰذا (اس میں) غسل کرلیا کرو اور جس کسی کے پاس خوشبو ہو تو اُسے اس خوشبو میں سے کچھ لگا لینا نقصان نہیں دے گا اور مسواک کو لازم پکڑو۔''

فائدہ :...... لغت میں ''عید'' ہر اس دن یا جگہ کو کہتے ہیں جس میں کوئی بڑی یاد یا خوشی یا تہوار منایا جائے

[142] (ضعيف) سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب ماجاء فى الزينة يوم الجمعة، حديث: 1098، مسند احمد: 265/1، المسند للشافعي : 289/1، السنن الكبرى للبيهقي : 243/3، معرفة السنن والآثار : 524/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند مرسل ہے۔ (المشكاة: 107/2)

اور جمعہ کا دن بھی مسلمانوں کا خصوصی عبادت والا مقرر دن ہے......اس روایت میں تین کاموں کا حکم ہے اور راجح قول کے مطابق غسلِ جمعہ سنتِ مؤکدہ ہے اور فرض کے قریب قریب ہے، جبکہ خوشبو لگانا اور مسواک کرنا مستحب اعمال ہیں ......خوشبو لگانے سے نقصان نہ ہونے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جنات یا نظرِ بد کا جمعہ کے دن خدشہ نہیں ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ ترغیب دے رہے ہیں کہ خوشبو لگانے سے نہ تمہارے مال میں کمی آئے گی، نہ شخصیت پر کوئی منفی اثر پڑے گا بلکہ تمہاری عزت ہی بڑھے گی اور نہ ہی اس کے لگانے میں کوئی حرج، گناہ اور کوئی دوسری رکاوٹ ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا: ''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس قدر ممکن ہو پاکی وطہارت اختیار کرے پھر تیل یا خوشبو لگائے، پھر جمعہ کو جائے اور دو (اکٹھے بیٹھے ہوئے نمازیوں) کے درمیان (میں گھس کر) جدائی نہ ڈالے، پھر جتنی مقدر میں ہو نماز پڑھے، پھر جب امام (خطبے کے لیے) نکلے تو خاموش رہے تو (اس جمعہ سے) دوسرے (گزشتہ) جمعہ تک اس کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔'' (بخاری: 910) نیز فرمایا: اَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ ''میں تمھیں مسواک کا بہت کہہ چکا ہوں۔'' (بخاری: 888)

[143] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو ان کو مسواک کا (وجوبی) حکم دے دیتا۔''

فائدہ: ......اگرچہ حکم تو بہت دفعہ دیا لیکن وہ محض ترغیب واستحباب کے لیے ہے، عمل تو یہ اتنا پیارا اور اہم ہے کہ اس کا وجوبی حکم دیا جاسکتا تھا لیکن چونکہ ہر جگہ، ہر حالت اور ہر وقت میں اس کا بندوبست مشکل ہوسکتا تھا اس لیے اسے فرض نہ کیا، البتہ فضائل کافی بیان فرمائے۔

[144] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: لَوْلَا أَنْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر آپ ﷺ کی امت پر مشکل اور شاق نہ ہوتا تو آپ ﷺ ان کو ہر وضو کے ساتھ مسواک کا (وجوبی) حکم فرما دیتے۔

---

[143] صحيح البخاری، کتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، حديث: 887، 7240، صحيح مسلم، کتاب الطهارة، باب السواك، حديث: 252، ابوداود: 46، ترمذی: 22، نسائی: 7، ابن ماجه: 287، دارمی: 683۔

[144] (موقوف صحيح) مسند احمد: 460/2، السنن الكبرى للنسائی: 198/2۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

يَشُقَّ عَلَى أُمَّتِهِ لأَمَرَهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوءٍ.

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو مسواک آپ ﷺ کے منہ میں ہوتی تھی۔ (مسلم: 253) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا تَسَوَّكَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي قَامَ الْمَلَكُ خَلْفَهُ فَتَسَمَّعَ لِقِرَاءَتِهِ فَيَدْنُو مِنْهُ حَتَّى يَضَعَ فَاهُ عَلَى فِيهِ ، فَمَا يَخْرُجُ مِنْ فِيهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا صَارَ فِي جَوْفِ الْمَلَكِ فَطَهِّرُوا أَفْوَاهَكُمْ لِلْقُرْآنِ ''یقیناً جب بندہ مسواک کرتا ہے، پھر نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہو کر اس کی قراءت پر کان لگا دیتا ہے، پھر وہ اس کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اپنا منہ اُس بندے کے منہ پر رکھ دیتا ہے، پھر بندے کے منہ سے قرآن کا جو بھی لفظ نکلتا ہے وہ فرشتے کے پیٹ میں منتقل ہوتا جاتا ہے، لہٰذا قرآن مجید کی خاطر اپنے مونہوں کو صاف رکھا کرو۔'' (مسند البزار محقق: 603، الترغیب والترھیب: 329۔ اس کی سند حسن صحیح ہے)

3

كِتَابُ الصَّلَاةِ

نماز (کے مسائل) کی کتاب

امام مالک رحمہ اللہ طہارت اور اس سے متعلق دیگر احکام و مسائل بیان کرنے کے بعد ایسی عبادت سے متعلق احکام و مسائل بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے پہلے شرط ہے اور وہ عبادت نماز ہے۔ جس کی بابت احادیث میں مروی ہے کہ دین اسلام میں شہادتین کے اقرار کے بعد نماز دین کا اہم ترین رکن ہے۔

"صلاۃ" (نماز) کے لغوی معنی ''دُعا'' کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (التوبة: 103) ''ان کے لیے آپ دعا کریں، یقیناً آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے۔'' چونکہ یہ عبادت (نماز) دعا پر مشتمل ہے، اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ (سبل السلام: 193/1)

اصطلاح شریعت میں نماز چند اقوال و افعال کا نام ہے جن کا آغاز چند مخصوص شرائط کے ساتھ تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے اور اختتام سلام پر۔ (الفقه على المذاهب الأربعة، ص: 103، طبع جديد دار ابن الهيثم)

توحید و رسالت کے بعد ایک بالغ مسلمان مرد و عورت پانچ وقت اقامت صلاۃ کا پابند ہے، نیز نماز ارکان خمسہ میں سے اسلام کا دوسرا اہم رکن ہے، لہٰذا جو شخص جانتے بوجھتے اس کی فرضیت کا منکر ہو، وہ بالاتفاق دائرۂ اسلام سے خارج ہوگا۔ نماز مومن کی ایک اہم پہچان ہے۔ یہ برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ اس کی مداومت و محافظت پر اللہ تعالیٰ نے فلاح و فوز کا وعدہ کیا ہے۔ بلوغت سے تادمِ حیات انسان اس کا پابند ہے۔ عذر کی صورت میں کیفیت ادا میں اس کی تخفیف ہے لیکن معافی قطعاً نہیں۔

بہرحال قرآن کریم کی بیسیوں آیات میں نماز کا حکم اس کی اہمیت کے لیے کافی ہے۔ علاوہ ازیں احادیث میں اس کے احکام و اوامر اس کی اہمیت و وقعت کو چار چاند لگا دیتے ہیں، لہٰذا تارک صلاۃ یا اس کے حق میں سستی برتنے والے کے لیے بالکل گنجائش کا کوئی راستہ نہیں نکلتا۔ یاد رہے! نماز کی ادائیگی کے لیے ''اقامت'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اپنے اندر وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نماز اپنی حدود و قیود، فرائض و واجبات، شرائط اور مسنون طریقے کے مطابق ادا کی

جائے تب صحیح فوائد وثمرات کا حصول ممکن اور اقامت صلاۃ کا اہتمام ہوسکتا ہے وگرنہ مرض یا وقت گزاری کی نماز عند اللہ شرف قبولیت حاصل نہیں کرسکتی۔

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں اٹھارہ (18) ابواب اور اناسی (79) روایات ہیں، جس میں سے چالیس (40) مرفوع یعنی احادیث مصطفیٰ ﷺ، انتیس (29) موقوف یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور دس (10) مقطوع یعنی فتاویٰ تابعین رحمہم اللہ ہیں۔ نیز اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے پندرہ عدد (15) فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

1- بَابُ مَاجَاءَ فِيْ النِّدَاءِ لِلصَّلَاةِ

اُن روایات کا بیان جو نماز کی پکار یعنی اذان کے متعلق آئی ہیں

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے نو (9) روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں سے سات (7) مرفوع روایات یعنی احادیث مصطفیٰ ﷺ، ایک موقوف یعنی قولِ صحابی رضی اللہ عنہ اور ایک مقطوع یعنی تابعی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے۔ آٹھ (8) روایات صحیح ہیں اور ایک ضعیف۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے (8) فتاویٰ جات بھی ہیں۔

[145] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ أَرَادَ أَنْ يَتَّخِذَ خَشَبَتَيْنِ يُضْرَبُ بِهِمَا لِيَجْتَمِعَ النَّاسُ لِلصَّلَاةِ فَأُرِيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ ثُمَّ مِنْ بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ خَشَبَتَيْنِ فِي النَّوْمِ فَقَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ لَنَحْوٌ مِمَّا يُرِيدُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقِيلَ أَلَا تُؤَذِّنُونَ لِلصَّلَاةِ فَأَتَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حِينَ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ لَهُ ذَلِكَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالْأَذَانِ.

یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ ارادہ فرما چکے تھے کہ دو لکڑیاں لے لیں، جن کو (ایک دوسری کے ساتھ) ضرب لگائی جائے (جس سے آواز پیدا ہو کر لوگوں تک پہنچے) تاکہ لوگ نماز کے لیے اکٹھے ہو جائیں، (لیکن ہوا یوں کہ اتنے میں) حضرت عبداللہ بن زید (بن عبد ربّہ) انصاری رضی اللہ عنہ جو بنو حارث بن خزرج، خاندان سے تھے، اُنھیں خواب میں دو لکڑیاں دکھائی گئیں تو انھوں نے کہا: بے شک یہ دونوں تو بالکل اسی طرح کی ہیں جن کا رسول اللہ ﷺ ارادہ رکھتے ہیں، تو کہا گیا کیا تم نماز کے لیے اذان نہیں کہتے؟ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اُس وقت آئے جبکہ بیدار ہوئے، پھر آپ ﷺ کے سامنے اس (مکمل خواب) کا تذکرہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اذان کا حکم فرما دیا۔

فائدہ :......ہجرت کے فوراً بعد 1ھ ہی میں تعمیر مسجد نبوی کے بعد اذان کی ابتدا ہوئی۔ (تهذيب التهذيب:

---

[145] (مرسل صحيح الاسناد) سنن ابی داود، كتاب الصلاة، باب كيف الاذان، حديث: 499، جامع الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی بدء الاذان، حديث: 189، ابن ماجه: 706، احمد: 42/4، دارمی: 1187۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت مرسل صحیح الاسناد ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ (ارواء الغليل: 246)

224/5) تمام روایات کو سامنے رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت مدینہ کے بعد نماز کے لیے اکٹھے ہونے کے سلسلے میں مشورے کرتے رہتے تھے، ایک دن کسی نے کہا کہ دولکڑیوں کو آپس میں بجا کر یہ مقصد حاصل کرلیا جائے لیکن اس میں عیسائیوں کی مشابہت تھی، پھر دوسرا مشورہ یہ سامنے آیا کہ ایک سینگ لے کر اس سے آواز نکالی جائے یعنی باجے اور ہارن کی صورت میں بلند آواز سے لوگوں کو مطلع کیا جائے لیکن اس میں یہودیوں کی مشابہت تھی، پھر آگ جلانے کا مشورہ مجوسیوں کی مشابہت کی بنا پر ترک کردیا گیا، چوتھا مشورہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا کہ ایک آدمی کو مقرر کیا جائے جو لوگوں کو نماز کا وقت آجانے کی اطلاع دے دیا کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمالیا اور حکم بھی دے دیا (بخاری: 603، 604، مسلم: 377، 378، ابوداود: 508، ترمذی: 193، نسائی: 628، ابو الشیخ بحوالہ مرعاۃ المفاتیح: 245/2) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں والا طریقہ مقرر کرنے کا حکم جاری کیا کیونکہ مسلمانوں کے سب سے قریب یہی لوگ ہیں، لیکن اُسی رات حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں اذان سکھا دی گئی اور پھر اسے ہی مقرر کردیا گیا، اذان کی آواز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے بھی بالکل اسی طرح کا خواب دیکھا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا فرمایا۔ (ابوداود: 499، ترمذی: 189، ابن ماجہ: 706۔ اس کی سند حسن ہے)

[146] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہا کرو جس طرح مؤذن کہتا ہے۔''

فائدہ: ......سوائے حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے، کیونکہ ان کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہیں گے۔ (بخاری: 613، مسلم: 385) ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ، ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ ''پھر اذان کے بعد مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اُس کے عوض اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر (درود کے بعد) میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا (سب سے خصوصی) مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا، تو جو کوئی میرے لیے مقامِ وسیلہ کا سوال کرے گا

---

[146] صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب ما يقول اذا سمع المنادى، حديث: 611، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، حديث: 383، ابوداود: 522، ترمذي: 208، نسائي: 674، ابن ماجه: 720، احمد: 6/3۔

اُس کے لیے (قیامت کے دن میری) شفاعت لازم ہوگئی۔'' (مسلم: 384)......امت مسلمہ دین سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے لیکن پھر بھی کچھ افراد دین سے وابستہ رہ کر بقائے دین کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، البتہ کچھ امور ایسے ہیں جن میں دین دار طبقہ بھی بہت سستی وغفلت دکھاتا ہے جن میں سے ایک ''اذان کا جواب دینا'' ہے، کاش! ہم سب اپنے آقا علیہ السلام کے اس مبارک حکم کی لاج رکھ لیں اور بے شمار فضائل کے استحقاق کے لیے ساری زندگی مؤذن کے ساتھ ساتھ جواب دینے کو بھی اپنا معمول بنالیں۔اذان کا جواب دینے کا حکم ہے زیر مطالعہ حدیث میں بھی امر کا صیغہ ہے اس لیے اذان کا جواب دینا فرض ہے۔

[147] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو وہ (اجر وثواب اور فضیلت) معلوم ہو جائے جو اذان دینے اور صفِ اول (میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے) میں ہے، پھر وہ (اس فضیلت کے حصول کے لیے اور کوئی طریقہ) نہ پائیں سوائے اس کے کہ اُن کو قرعہ اندازی کرنا پڑے تو ضرور وہ قرعہ بھی ڈال لیں، اور اگر لوگوں کو وہ (اجر وثواب) معلوم ہو جائے جو ظہر کی نماز کی طرف چلنے (یا نمازوں کو اول وقت میں ادا کرنے) میں ہے تو وہ اس کی طرف ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگیں، اور اگر لوگ اس (عظیم ثواب) کو جان لیں جو نمازِ عشاء اور نمازِ فجر (باجماعت ادا کرنے) میں ہے تو وہ ضرور ان دونوں میں پہنچیں، اگرچہ اُن کو گھٹنوں (یا سُرینوں) کے بل (گھسٹ کر) آنا پڑے۔''

فائدہ: ......اذان میں قرعہ کی نوبت اس طرح ممکن ہے کہ بہت سے لوگ اذان کے خواہشمند ہوں اور ان کی آوازیں خوبصورتی اور بلندی میں ایک جیسی ہوں اور صف اوّل میں یہ نوبت اس طرح آسکتی ہے کہ چند لوگ بیک وقت صفِ اوّل تک پہنچ جائیں، پاؤں صف پر آجائیں لیکن جگہ کم ہونے کی وجہ سے سب کھڑے نہ ہو سکتے ہوں اور کوئی بھی اس کے اجر سے محروم رہنے کے لیے تیار نہ ہو تو پھر قرعہ ہی اس کا حل ہے...... ''تَهْجِيْر'' کے دو مفہوم ممکن ہیں، ایک یہ کہ ظہر کی نماز کے لیے مسجد آنا، چونکہ نمازِ ظہر کے وقت آدمی قیلولے یا کام کاج کی وجہ سے ہونے والی تھکاوٹ کو

[147] صحيح البخاری، كتاب الاذان، باب الاستهام فی الاذان، حديث: 615، 654، 721، 2689، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف واقامتها وفضل الاول فالاول منها، حديث: 437، ترمذی: 225، 226، نسائی: 541، 672، ابن ماجه: 797,998، مسند احمد: 236/2۔

دور کرنے کے لیے آرام کی طرف مائل ہوتا ہے اور سخت گرمی بھی نماز میں مانع ہوسکتی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی خصوصی ترغیب دی اور اگر ''تہجیر'' سے مراد سب نمازوں کی طرف جلدی کرنا اور انھیں جلد ادا کرنا ہو تو پھر اس سے عشاء مستثنیٰ ہے اور نمازِ ظہر بھی، کیونکہ اسے گرمیوں میں (سورج ڈھلتے ہی پڑھ لینے کی بجائے کچھ تاخیر سے پڑھنا افضل ہے......نمازِ فجر اور نمازِ عشاء کو باجماعت ادا کرنے کی عظیم فضیلت اور ان میں سستی کے وبال کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ان پر خصوصی رغبت دلائی، چنانچہ فرمایا: لَيْسَ صَلاةٌ اَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْيَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَا تَوْهُمَا وَلَوْحَبْوًا ''منافقوں پر فجر وعشاء سے بڑھ کر کوئی نماز زیادہ بھاری نہیں اور اگر انھیں پتا چل جائے کہ ان میں کیا اجر ہے تو وہ ان دونوں کو ضرور آئیں، خواہ انھیں گھسٹ کر آنا پڑے۔'' (بخاری: 657، مسلم: 651) نیز ارشادِ پیغمبر ﷺ ہے: مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَانَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ ''جس نے نمازِ عشاء کو باجماعت ادا کیا تو گویا اُس نے آدھی رات (تہجد کا) قیام کیا اور جس نے نمازِ فجر کو باجماعت ادا کیا تو گویا اُس نے پوری رات کا قیام کیا۔'' (مسلم: 656)

[148] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ أَبِيهِ وَإِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ فَلَا تَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَأْتُوهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا فَإِنَّ أَحَدَكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلَاةِ)) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو نماز کی طرف اس حالت میں نہ آؤ کہ تم دوڑ رہے ہو بلکہ اس طرح نماز کو آؤ کہ تم سکینت و اطمینان کو لازم پکڑے ہوئے ہو، پھر تم جو (حصہ نماز امام کے ساتھ) پالو اُسے (جماعت کے ساتھ) پڑھ لو اور جو کچھ تم سے رہ جائے اُسے (بعد میں) پورا کرلو، (نماز کی طرف دوڑ کر آنا ممنوع ہے) کیونکہ بلاشبہ جب تم میں سے کوئی نماز کی طرف (آنے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے) کا قصد کرلیتا ہے تو وہ نماز ہی میں (شمار) ہوتا ہے۔''

فائدہ:......یعنی جس طرح نماز کی حالت میں دوڑنا منع ہے اسی طرح نماز کی طرف آتے ہوئے دوڑنا بھی منع ہے، اس حدیث مبارکہ سے اُن لوگوں نے استدلال کیا ہے جو مدرکِ رکوع کی رکعت نہ ہونے کے قائل ہیں، چنانچہ

[148] صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب لا یسعی الی الصلاۃ ولیاتہا بالسکینۃ والوقار، حدیث: 636، 908، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب استحباب اتیان الصلاۃ بوقار وسکینۃ، حدیث: 602، ابوداود: 572، ترمذی: 327، نسائی: 862، ابن ماجہ: 775، دارمی: 1282۔

جو شخص امام کے ساتھ حالتِ رکوع میں ملا ہو اُس کی رکعت نہیں ہوگی کیونکہ اس حدیثِ مبارکہ کے مطابق چونکہ اُس کا قیام بھی رہ گیا ہے اور قراءت بھی رہ گئی ہے، اس لیے اُسے جماعت ختم ہونے کے بعد اُسے دہرانا پڑے گا ......نیز فَاَتِمُّوْا کے لفظ سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا، یہ لفظ ''اِتْمَام '' سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے ''باقی ماندہ چیز کو پورا کرنا'' لہٰذا مقتدی کو امام کے ساتھ جتنی رکعتیں بھی مل جائیں وہ اس کی پہلی رکعتیں شمار ہوں گی اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی اپنی باقی ماندہ رکعات کو آخری رکعتیں سمجھ کر دہرائے گا، اور ان میں صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کرے گا اور اسی لحاظ سے رکعتوں کی ترتیب شمار کر کے تشہد پڑھے گا، مثال کے طور پر مقتدی کو نمازِ عشاء سے صرف ایک رکعت ملی تو وہ جماعت ختم ہونے کے بعد صرف ایک رکعت پڑھ کر تشہد ادا کرے گا، کیونکہ اُس کی دو رکعتیں اب پوری ہوئی ہیں اور اس تشہد کے بعد وہ آخری دو رکعات ادا کرتے ہوئے اُن میں صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کرے گا ......اور وہ احادیث جن میں فَاقْضُوْا کا لفظ آیا ہے جس سے احناف استدلال کر کے قضائی دینے کے معنی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مقتدی امام کے ساتھ جو کچھ پڑھتا ہے وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہوتا ہے اور جماعت کے بعد وہ اپنی نماز کی ابتدائی رکعتوں کو بطور قضا پڑھے گا، جبکہ درحقیقت اس ''فَاقْضُوْا'' کے معنی قضائی دینے کے نہیں ہیں بلکہ ''فَاَتِمُّوْا'' کا لفظ اس کے معنی کو متعین کر رہا ہے، کیونکہ '' فَاقْضُوْا ''(جو قَضٰی یَقْضِیْ سے مشتق ہے) کے معنیٰ صرف قضا کرنے کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنیٰ ادا کرنے یا پورا کرنے کے بھی ہوتے ہیں اور بعض مقامات پر قضائی دینے کے معنیٰ ممکن ہی نہیں ہوتے مثلاً ارشادِ الٰہی ہے: ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ﴾ (البقرة : 200/2) ''پھر جب تم اپنے ارکانِ حج پورے کر چکو'' اور فرمایا: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ (الجمعة : 10/62) ''پھر جب نماز پوری کر دی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ'' اسی طرح فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے: فَاِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ اَقْبَلَ ''پھر جب اذان کر دی جاتی ہے تو شیطان (پھر واپس) آجاتا ہے۔'' (صحیح بخاری: 608، صحیح مسلم: 389)

[149] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ الأَنْصَارِيِّ ثُمَّ الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ قَالَ لَهُ: ((إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ بِالصَّلَاةِ فَارْفَعْ

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ انصاری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل (کی زندگی) سے محبت رکھتے ہو، لہٰذا جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو اور نماز کے لیے اذان دینے لگو تو اذان کے ساتھ اپنی آواز کو (خوب) بلند کیا کرو، کیونکہ مؤذن کی آواز کی انتہا تک جو

[149] صحیح البخاری ، کتاب الاذان ، باب رفع الصوت بالنداء ، حدیث: 609، سنن النسائی ، کتاب الاذان ، باب رفع الصوت بالاذان، حدیث: 645، ابن ماجه: 723، مسند احمد: 6/3، 35، 43 .

صَـوْتَكَ بِـالـنِّدَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْـمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَـوْمَ الْـقِيَـامَةِ)) . قَالَ أَبُو سَعِيدٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ .

کوئی جن اور انسان یا کوئی بھی دوسری چیز اُسے سنتی ہے وہ ضرور قیامت کے دن اُس کے حق میں گواہی دے گی۔ پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔

فائدہ : ......سب سے بہتر اور قابل رشک زندگیاں اور فتنوں سے حفاظت کی جگہیں دو ہی ہیں: (1) کفار سے جہاد کی جگہ یعنی محاذِ جنگ اور (2) جنگل میں یا پہاڑ پر بکریوں کے ساتھ رہنا۔ (صحیح مسلم: 1889) لیکن ان دونوں میں سے بھی جہاد بہتر ہے کیونکہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ کے مطابق جہاد میں صرف کھڑے ہونا ہی، گھر میں ادا کردہ ستر سال کی نمازوں سے افضل، مغفرت الٰہیہ کا باعث اور دخولِ جنت کی کنجی ہے۔ (ترمذی: 1650۔ اس کی سند صحیح ہے)

......مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہا شخص بھی اذان دے سکتا ہے اور اقامت بھی کہہ سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يَـعْـجَـبُ رَبُّكَ عَـزَّوَجَلَّ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّيْ ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : انْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا ، يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ لِلصَّلَاةِ ، يَخَافُ مِنِّيْ ، قَـدْغَـفَـرْتُ لِـعَبْدِيْ وَادْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ ''تمہارا رب عزوجل بکریوں کے اس چرواہے پر تعجب (اور خوشی کا اظہار) فرماتا ہے جو پہاڑ کی کسی چوٹی کے کنارے پر ہو، نماز کے لیے اذان دیتا ہو اور نماز ادا کرتا ہو، تو اللہ عزوجل (اپنے فرشتوں سے) فرماتے ہیں: دیکھو میرے اس بندے کو جو نماز کے لیے اذان بھی دیتا ہے اور اقامت بھی کہتا ہے، وہ مجھ سے ڈرتا ہے، یقیناً میں نے اپنے (اس) بندے کو معاف بھی کر دیا اور اسے جنت میں داخلہ بھی عطا فرما دیا۔'' (ابوداؤد: 1203 ، نسائی: 667۔ اس کی سند صحیح ہے)

[150] وَحَـدَّثَـنِـي عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَـنِ الأَعْـرَجِ عَـنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ ((إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَـهُ ضُـرَاطٌ حَتَّـى لَا يَسْمَعَ النِّدَاءَ فَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ حَتَّى إِذَا قُـضِـيَ التَّثْـوِيـبُ أَقْبَـلَ حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ يَقُولُ اذْكُرْ كَذَا اذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر اس حال میں بھاگتا ہے کہ اس کی ہوا آواز کے ساتھ نکل رہی ہوتی ہے، (پھر اتنی دور جگہ چلا جاتا ہے) یہاں تک کہ اذان کی آواز اُسے سنائی نہیں دیتی، پھر جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو وہ واپس آ جاتا ہے، یہاں تک کہ جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے وہ (پھر)

[150] صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل التاذین، حدیث: 608، 1222، 1231، 3285، صحیح مسلم، کتاب الصلاة ، باب فضل الاذان وهرب الشیطان عند سماعه، حدیث: 389، ابوداود: 516، ترمذی: 397۔

یَـكُـنْ يَـذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ يَدْرِى كَمْ صَلَّى .)) پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے، حتیٰ کہ جب اقامت پوری ہو جاتی ہے تو وہ (آجاتا ہے اور) آدمی اور اس کے دل کے درمیان (حائل ہوکر) وسوسہ ڈالنے لگتا ہے، آدمی سے کہتا ہے کہ فلاں چیز کو یاد کر، فلاں چیز کو یاد کر، اُن چیزوں کے بارے میں (وسوسے ڈالتا اور یاد کراتا ہے) جو آدمی کو یاد نہیں ہوتیں، حتیٰ کہ آدمی (کا حال) ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ یہ بھی نہیں جانتا (اور یہ بھی یاد نہیں رکھ پاتا) کہ اُس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔"

فائدہ:......اس حدیثِ مبارکہ سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اذان کو بلند سے بلند تر آواز میں کہنا زیادہ بہتر ہے اور دوسرا یہ کہ شیطانوں اور جنات کو بھگانے کا مؤثر ترین ذریعہ اذان ہے۔

[151] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَـارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ قَالَ سَـاعَتَـانِ يُفْتَحُ لَهُمَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَقَلَّ دَاعٍ تُـرَدُّ عَـلَيْـهِ دَعْـوَتُـهُ حَـضْـرَةُ النِّدَاءِ لِلصَّلَاةِ وَالصَّفُّ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ .

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: دو گھڑیاں (دو اوقات) ایسے ہیں کہ اُن میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور بہت کم (نہ ہونے کے برابر) ہیں ایسے دعا مانگنے والے کہ (ان ساعتوں میں بھی) اُن کی دعا اُن پر رد کردی جاتی ہو، ایک تو نماز کے لیے (دی جانے والی) اذان کا وقت ہے اور دوسرا اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) صف بندی (کا وقت)۔"

فائدہ:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: ثِـنْـتَـانِ لَا تُـرَدَّانِ الـدُّعَـاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ الْبَـأْسِ حِينَ يَلْحُمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا "دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں، ایک تو اذان کے وقت کی دعا اور دوسری جنگ کے وقت کی دعا جب لوگ ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہوتے ہیں۔" (ابوداود: 2540، حاکم: 113/2، صحیح الجامع الصغیر: 590/1، حدیث: 3079) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثِنْتَانِ مَا تُرَدَّانِ الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَتَـحْـتَ الْـمَـطَـرِ "دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں، اذان کے وقت کی دعا اور بارش کے وقت کی دعا" (ابوداود: 2540، صحیح الجامع الصغیر: 590/1، حدیث: 3078) ایک دفعہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلدُّعَاءُ بَيْـنَ الْاَذَانِ وَالْإِقَامَةِ مُسْتَجَابٌ فَادْعُوْا "اذان و اقامت کے درمیان کی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا تم دعا کیا کرو۔" (مسند احمد: 155/3، 225، ابن حبان: 255، صحیح الجامع الصغیر: 641/1، حدیث:

---

[151] (موقوف صحیح) سنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب الدعاء عند اللقاء، حدیث: 2540، دارمی: 120، ابن حبان: 1720۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (صحیح ابوداود: 2290، صحیح الترغیب: 226/1)

3405، ابـو يعلىٰ: 354/6، حديث: 3680) نیز اقامت کے دوران بھی دعا کی قبولیت کا وقت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إِذَا ثُـوِّبَ بِـالـصَّلَاةِ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَاسْتُجِيْبَ الدُّعَاءُ ''جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دعا قبول کی جاتی ہے۔'' (مسـنـد احمد: 342/3، سـلسلة الاحاديث الصحيحة: 1413۔ اس کی سند صحیح لغیرہ ہے)

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ النِّدَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، هَلْ يَكُونُ قَبْلَ أَنْ يَحِلَّ الْوَقْتُ؟ فَقَالَ: لَا يَكُونُ إِلَّا بَعْدَ أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ.

امام مالک رحمہ اللہ سے جمعہ کے دن اذان کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہ (اذان) وقت شروع ہونے سے پہلے ہوسکتی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ نہیں، جمعہ کی اذان سورج ڈھلنے (اور زوال ہو جانے) کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ تَثْنِيَةِ الأَذَانِ وَالإِقَامَةِ، وَمَتَى يَجِبُ الْقِيَامُ عَلَى النَّاسِ حِينَ تُقَامُ الصَّلَاةُ؟ فَقَالَ: لَمْ يَبْلُغْنِي فِي النِّدَاءِ وَالإِقَامَةِ إِلَّا مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ عَلَيْهِ، فَأَمَّا الإِقَامَةُ فَإِنَّهَا لَا تُثَنَّى، وَذَلِكَ الَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا، وَأَمَّا قِيَامُ النَّاسِ حِينَ تُقَامُ الصَّلَاةُ، فَإِنِّي لَمْ أَسْمَعْ فِي ذَلِكَ بِحَدٍّ يُقَامُ لَهُ، إِلَّا أَنِّي أَرَى ذَلِكَ عَلَى قَدْرِ طَاقَةِ النَّاسِ، فَإِنَّ مِنْهُمُ الثَّقِيلَ وَالْخَفِيفَ، وَلَا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يَكُونُوا كَرَجُلٍ وَاحِدٍ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اذان اور اقامت کو دہرا کہنے کے متعلق سوال کیا گیا اور یہ بھی پوچھا گیا کہ جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے تو لوگوں پر کھڑے ہونا کب واجب ہوتا ہے؟ (کیا اقامت سے پہلے یا شروع ہوتے ہی یا قَدْ قَامَتِ الصَّلَاة پر؟) تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اذان اور اقامت کے بارے میں مجھے کوئی حدیث تو نہیں پہنچی، مگر میں نے (اسے شہر مدینہ کے) لوگوں کو جس طریقے پر پایا ہے (وہی جانتا ہوں)، رہی اقامت تو اسے دہرا نہیں کہا جائے گا اور یہی ہے وہ عمل جس پر ہمارے شہر کے اہلِ علم ہمیشہ سے قائم ہیں، رہا لوگوں کے اس وقت کھڑا ہونے کا مسئلہ جب کہ نماز کی اقامت ہونے لگے، تو یقیناً میں نے اس کے متعلق بھی کوئی ایسی حد بندی نہیں سنی جس کو متعین کرکے اُسی وقت ہی کھڑا ہوا جائے، مگر میری اس بارے میں رائے یہ ہے کہ یہ معاملہ لوگوں کی طاقت (اور سہولت) پر منحصر ہے، کیونکہ بلاشبہ ان میں سے کچھ بھاری بدن والے ہوتے ہیں (جو جلدی کھڑے نہیں ہوسکتے) اور کچھ ہلکے ہوتے ہیں اور (بہرحال) وہ تمام کے تمام یہ طاقت نہیں پاسکتے کہ ایک ہی شخص کی طرح (کھڑے) ہو جائیں۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ کے اس فتویٰ سے بھی معلوم ہوگیا کہ ہر محدث، مجتہد اور عالم دین کو تمام احادیث کا پہنچنا لازم نہیں اور نہ کوئی عالم اس کا دعویٰ ہی کرسکتا ہے، پھر ان مجتہدین ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا زمانہ تو چونکہ کافی پہلے کا تھا اور اس وقت تک تمام احادیث اکٹھی نہیں ہوئی تھیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مختلف علاقوں میں پھیل کر وفات پا چکے

تھے اُن کا علم اور احادیث آہستہ آہستہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل ہو رہی تھیں، اسی لیے سب ائمہ کرام رحمہم اللہ یہ فرما گئے کہ جب کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ مل جائے تو وہی ہمارا مذہب ہوگا اور لوگوں کو چاہیے کہ ہماری رائے اور قیاس کو چھوڑ کر احادیث پر عمل کریں، لیکن وائے ناکامی! لوگ سیاسی چکروں میں الجھ کر اپنے اپنے مسلک پر مر مٹتے ہیں اور امام کی رائے کو ثابت کرنے کے لیے احادیث میں تحریف کی جسارت کا ارتکاب کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

دوہری اور اکہری اذان: نبی کریم ﷺ کے تین مشہور مؤذن تھے، مدینہ میں حضرت بلال اور حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہما اور مکہ میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ یکم ہجری میں جب اذان کا آغاز ہوا تو اس وقت اذان و اقامت اکہری ہوا کرتی تھیں، پھر جب آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوگیا اور جنگ حنین بھی ہوگئی تو اس وقت حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو دوہری اذان سکھائی گئی اور وہ باقی ماندہ عہد نبوی میں اور بعد میں بھی اپنی موت تک مکہ میں ہمیشہ دوہری اذان اور دوہری اقامت کہتے رہے جبکہ مدینہ میں صرف اکہری اذان و اقامت چلتی رہی ......اکثر احناف کے سوا تمام امت ان دونوں طریقوں کے مستحب ہونے کی قائل ہے، احناف دوہری اذان کو مستحب نہیں کہتے اور عجیب عجیب تاویلات کا سہارا لیتے ہیں اور ان پر تعجب ہے کہ اقامت دوہری ہی کہتے ہیں اور اکہری اقامت کو ناقص یا غیر مستحب اور مرجوح قرار دیتے ہیں، پھر صحیح ترین اور واضح احادیث نبویہ کے مقابلے میں ضعیف روایات، احتمالات، اقوال اور مجمل الفاظ پیش کرتے ہیں ......دوہری اذان سے مراد یہ ہے کہ شہادتین کے کلمات کو ذرا آہستہ دو دو بار کہہ کر پھر دوبارہ بلند آواز سے اُنھیں دو دو بار کہا جائے، اور یہی وہ طریقہ ہے جس کے بارے میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَهُ هٰذَا الْاَذَانَ ''یقیناً نبی کریم ﷺ نے انھیں یہ اذان سکھائی۔'' (مسلم: 379) پھر آپ ﷺ نے انھیں خانۂ کعبہ کا مؤذن مقرر فرمایا، چنانچہ وہ وفات نبوی کے بعد 49 سال تک وہاں یہی اذان دیتے رہے اور کروڑوں مسلمانوں نے اسے سنا اور کسی نے کبھی انکار نہ کیا۔

اگر اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو اذان میں دو دو بار کہہ کر پھر دو دو بار نہ کہا جائے تو اسے اکہری اذان کہتے ہیں۔ (ابوداود: 499، ابن ماجه: 706۔ اس کی سند صحیح ہے) اور یہ وہی طریقہ ہے جو حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ نے خواب میں دیکھا تھا، محدثین اور فقہاء کی اصطلاح میں دوہری اذان کو'' ترجیع والی اذان'' اور اکہری اذان کو'' بغیر ترجیع کے اذان'' کہا جاتا ہے ......دوہری اذان کا تعلق صرف شہادت کے کلمات کو دوبارہ دہرانے سے ہے، یہ مطلب نہیں کہ اذان کے اخیر میں لا الہ الا اللہ کو بھی دو بار کہا جائے جیسا کہ شیعہ کرتے ہیں، تمام علمائے اہل سنت اور فقہائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ شروع والے کلمات تکبیر کو چار بار اور آخر میں لا الہ الا اللہ کو صرف ایک بار کہا جائے گا، کیونکہ صحیح وصریح احادیث سے یہی ثابت ہے۔

دوہری اور اکہری اقامت: دوہری اقامت سے مراد یہ ہے کہ تمام کلماتِ اقامت کو اذان ہی کی طرح دو دو بار کہا جائے اور اکہری اقامت سے مراد انھیں ایک ایک بار کہنا ہے سوائے شروع اور آخر والے ''اللہ اکبر'' کے کہ اُسے دو دو بار ہی کہا جائے گا۔ اسی طرح قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃ بھی دو بار ہی کہا جائے گا۔ اگر اذان دوہری ہو تو اقامت بھی دوہری کہنا چاہیے اور اگر اذان اکہری ہو تو اقامت بھی اکہری ہو، عہد نبوی میں یہی دونوں طریقے رائج تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ یُّوْتِرَ الْاِقَامَۃَ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات کو دو دو بار (جفت تعداد میں) کہیں اور اقامت (کے کلمات) کو ایک ایک بار کہیں۔'' (صحیح بخاری: 603، صحیح مسلم: 378) ایک روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَمَرَ بِلَالاً ''یقیناً رسول اللہ ﷺ (ہی) نے بلال رضی اللہ عنہ کو (یہ) حکم فرمایا تھا۔'' (نسائی: 628) یہ تو تھی مدینہ منورہ کے مؤذن کی صورت حال، رہے مکہ مکرمہ کے مؤذن حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ تو وہ کہتے ہیں: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَّمَہُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشْرَۃَ کَلِمَۃً وَالْاِقَامَۃَ سَبْعَ عَشْرَۃَ کَلِمَۃً ''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اذان کے اُنیس کلمات اور اقامت کے سترہ کلمات سکھائے۔'' (ابوداود: 502، ترمذی: 192، نسائی: 631، ابن ماجہ: 709۔ اس کی سند حسن صحیح ہے۔) علامہ انور شاہ کشمیری بخاری شریف کی شرح فیض الباری میں لکھتے ہیں: لَمْ یَسْنَحْ لِیْ تَرْجِیْحُ تَثْنِیَۃِ الْاِقَامَۃِ بَعْدُ ، مَعَ ثُبُوْتِ کِلَا الْاَمْرَیْنِ قَطْعًا ''اقامت کو دوہرا کہنے ہی کو راجح قرار دینا ابھی تک میرے لیے ظاہر نہیں ہوسکا (نہ طبیعت اسے قبول کرنے کو تیار ہوئی ہے اور نہ ذہن آمادہ ہوا ہے) جب کہ دونوں معاملے (اقامت کو اکہرا اور دوہرا کہنا) قطعی طور پر ثابت ہیں۔'' (فیض الباری بحوالہ مرعاۃ المفاتیح: 2/ 345، 346)

اقامت سن کر کھڑے ہونا: امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں اس بارے میں وسعت ہے، جب چاہو کھڑے ہو جاؤ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں لوگ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کی آواز سن کر کھڑے ہوں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر امام موجود ہو تو پھر اقامت پوری ہونے کے بعد لوگ کھڑے ہوں اور اگر امام ابھی مصلّٰی پر نہ آیا ہو اور اقامت کہہ دی جائے تو امام کو دیکھ لینے سے پہلے لوگ کھڑے نہ ہوں ......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پہلے پہل یہ معمول تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے جائے نماز تک پہنچنے سے پہلے ہی صفیں سیدھی کر لیتے تھے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ خَرَجَ وَقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلَاۃُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوْفُ ''یقیناً رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اس حال میں کہ نماز کی اقامت ہو چکی تھی اور صفیں سیدھی کر دی گئی تھیں۔'' (بخاری: 275، 639، 640، مسلم: 605) چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس عمل کی یوں اصلاح فرمائی: اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلَاۃُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِیْ ''جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو کھڑے نہ ہوا کرو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو۔'' (بخاری: 637، مسلم: 604) ......اس حدیث مبارکہ سے دو اہم باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ امام کے نکلنے سے پہلے اور جائے نماز تک پہنچنے سے پہلے بھی اقامت کہی جا سکتی ہے،

(بشرطیکہ امام اسے سن رہا ہو اور اس عمل کی خود ہی اجازت بھی دے چکا ہو، مرعاۃ) دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ لوگوں کے کھڑے ہونے کا دار و مدار امام کو دیکھنے پر ہے، جیسے ہی اس پر نظر پڑے، مقتدی کھڑے ہو کر صف بندی کر لیں، لیکن یہ اُس وقت ہے جب امام عین نماز کے وقت اپنے حجرے سے یا مسجد کے باہر سے مسجد میں داخل ہوتا ہو، اور اگر وہ پہلے ہی سے مسجد میں موجود ہو تو پھر کب کھڑے ہونا ہے، اس بارے میں مختلف آراء ہیں، راجح یہی ہے کہ اس بارے میں وسعت ہے، البتہ اقامت شروع ہوتے ہی اُٹھ کھڑے ہونا مستحب ہے۔ جیسا کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی عمل نقل کیا ہے۔ (زرقانی)

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ قَوْمٍ حُضُورٍ أَرَادُوا أَنْ يَجْمَعُوا الْمَكْتُوبَةَ ، فَأَرَادُوا أَنْ يُقِيمُوا وَلَا يُؤَذِّنُوا ؟ قَالَ مَالِكٌ : ذَلِكَ مُجْزِءٌ عَنْهُمْ ، وَإِنَّمَا يَجِبُ النِّدَاءُ فِي مَسَاجِدِ الْجَمَاعَاتِ الَّتِي تُجْمَعُ فِيهَا الصَّلَاةُ.

امام مالک رحمہ اللہ سے ایسے لوگوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو مقیم ہوں (مسافر نہ ہوں)، وہ یہ ارادہ کریں کہ فرض نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں، (لیکن اس کے لیے) انھوں نے چاہا کہ صرف اقامت کہہ لیں اور اذان نہ دیں (تو کیا یہ درست ہے؟) تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ عمل اُن سے کفایت کر جائے گا (اگر چہ مستحب تو یہی ہے کہ وہ اذان کہہ کر اقامت کہیں اور جماعت کروائیں) اور اذان کہنا تو صرف اور صرف اُن جامع مسجدوں میں واجب ہے جہاں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہو۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ کہنا چاہتے ہیں کہ اذان کا وجوب مساجد کے ساتھ خاص ہے، مساجد کے علاوہ جگہوں اور سفر میں اذان کہنا واجب نہیں ہے، البتہ جائز کا درجہ ہے ...... ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ اذان کہنا سفر میں بھی سنتِ مؤکدہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ہمیشہ سفروں میں اذان کا اہتمام کروایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور اُن کے چچا زاد بھائی کو مدینہ سے واپس سفر شروع کرتے وقت فرمایا: اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِیْمَا ''جب تم دونوں سفر کرو تو اذان بھی کہو اور اقامت بھی۔'' (ترمذی: 205، نسائی: 782، نیز دیکھیے، بخاری: 630، مسلم: 293/ 674)

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ تَسْلِيمِ الْمُؤَذِّنِ عَلَى الإِمَامِ ، وَدُعَائِهِ إِيَّاهُ لِلصَّلَاةِ ، وَمَنْ أَوَّلُ مَنْ سُلِّمَ عَلَيْهِ ؟ فَقَالَ : لَمْ يَبْلُغْنِي أَنَّ التَّسْلِيمَ كَانَ فِي الزَّمَانِ الأَوَّلِ.

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ مؤذن کا (اذان کے بعد جا کر) امام کو سلام کہنا اور اسے نماز کے لیے بلانا کیسا ہے؟ اور سب سے پہلے وہ کون سا شخص تھا جس پر اس طرح سلام کیا گیا؟ تو امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بے شک مجھے یہ خبر نہیں پہنچی کہ پہلے دور (دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عصر صحابہ رضی اللہ عنہم) میں (مؤذن کی طرف سے اس طرح امام کو) سلام کہا جاتا ہو۔

فائدہ: ......اوّل زمانہ سے مرادعہدِ نبوی ﷺ اور دورِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہے، اس وقت کوئی تکلف نہیں تھا، امام از خود ہی پہنچا کرتا تھا، ہاں اگر امام کسی کام میں مشغول ہو کر لیٹ ہو رہا ہوتا تو مؤذن آ کر سادہ طریقے سے نماز کی اطلاع دے دیتا، نہ اُس میں کوئی تکلف اختیار کیا جاتا اور نہ ہی اسے معمول بنایا جاتا اور نہ ہی اسے اُمراء نے فیشن بنایا تھا، بعد میں یہ تکلفات عام ہوتے چلے گئے، ان سے بچنا چاہیے، کیونکہ یہ تکبر اور فخر سے تعلق رکھنے والی صورتیں ہیں جبکہ نماز تو تکبر مٹانے، امیر و مامور اور حاکم و محکوم کو ایک ہی صف میں برابر کھڑا کر کے عاجزی پیدا کرنے والی چیز ہے اور اگر امیر، امام بھی بنتا ہے تو یہ نماز اُسے مزید پابند اور ذمہ دار بناتی ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں تو ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مکہ مکرمہ آئے اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اذان کے بعد خصوصی اطلاع دی تو وہ اُن پر سخت ناراض اور غضبناک ہوئے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ کام سب سے پہلے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے شروع کیا تھا جسے بعد میں بنواُمیہ کے حکمرانوں نے معمول بنا لیا۔ (زرقانی)

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ مُؤَذِّنٍ أَذَّنَ لِقَوْمٍ، ثُمَّ انْتَظَرَ هَلْ يَأْتِيهِ أَحَدٌ، فَلَمْ يَأْتِهِ أَحَدٌ، فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى وَحْدَهُ، ثُمَّ جَاءَ النَّاسُ بَعْدَ أَنْ فَرَغَ، أَيُعِيدُ الصَّلَاةَ مَعَهُمْ؟ قَالَ : لَا يُعِيدُ الصَّلَاةَ، وَمَنْ جَاءَ بَعْدَ انْصِرَافِهِ فَلْيُصَلِّ لِنَفْسِهِ وَحْدَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس مؤذن کے متعلق سوال کیا گیا جس نے لوگوں (کو بلانے) کے لیے اذان کہی، پھر وہ انتظار میں رہا کہ کیا کوئی شخص اس کے پاس آتا ہے (یا نہیں) تو کوئی بھی اس کے پاس (مسجد میں) نہ آیا، چنانچہ اس نے خود ہی اقامت کہہ کر اکیلے ہی نماز ادا کر لی، پھر اس کے نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد لوگ آئے، تو کیا وہ مؤذن اُن کے ہمراہ نماز کو دہرائے گا؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے جواب دیا: وہ نماز کو دوبارہ نہیں پڑھے گا، اور اس کے سلام پھیر لینے کے بعد جو بھی آئے گا وہ اپنے لیے اکیلا ہی نماز ادا کرے گا۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ جس مسجد میں ایک دفعہ جماعت ہو جائے، وہاں دوبارہ جماعت کرانا مکروہ ہے، بعد میں آنے والے اکیلے اکیلے ہی نماز ادا کریں، جبکہ امام احمد رحمہ اللہ اور اکثر اہل حدیث اس کے جواز بلا کراہت کے قائل ہیں، کیونکہ ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے، وہاں نماز ہو چکی تھی تو انھوں نے خود ہی اذان دے کر اقامت کہی اور جماعت کی صورت میں نماز ادا کی۔ (صحیح بخاری، قبل از حدیث: 645، مسند ابی یعلی: 351/7، مصنف ابن ابی شیبہ: 321/2، مصنف عبدالرزاق: 291/2، السنن الکبری للبیہقی: 70/3۔ اس کی سند صحیح ہے) ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو

اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: اَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهٗ ''کیا کوئی شخص نہیں ہے جو اس پر صدقہ کرے (اس طرح کہ) وہ اس کے ساتھ (جماعت کی شکل میں) نماز پڑھ لے؟'' (ابو داود: 574، ترمذی: 220۔ اس کی سند صحیح ہے۔) بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کہیں گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے تو جماعت ہو چکی تھی تو آپ ﷺ نے مسجد کی بجائے گھر میں جا کر گھر والوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ (مجمع الزوائد: 45/2، تمام المنة، ص 155۔ اس کی سند بھی حسن ہے۔) اسی طرح ہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا کرنا ثابت ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: 409/2، حدیث: 3883، العمجم الكبير للطبرانی: 9380) نبی کریم ﷺ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسجد میں دوبارہ جماعت نہ کرانا اس عمل کی کچھ نہ کچھ کراہت کی دلیل بنایا گیا ہے اور فقہائے کرام اس وجہ سے اس سے منع کرتے ہیں کہ اگر عام اجازت دے دی جائے تو لوگ اس عمل کو تماشا بنالیں گے اور امام کی قدر و منزلت اور اس کے وقار کو پسِ پشت ڈال دیں گے، تھوڑی تھوڑی اونچ نیچ پر لوگ الگ الگ جماعتیں کرانا شروع کر دیں گے، اسی طرح دنیوی کاروبار کو جماعت کی خاطر ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔ بلکہ بدعتی اور فتنہ باز لوگ اس عمل کے جواز کو دلیل بنا کر اسے معمول بنالیں گے اور امام کی جماعت کے بعد اکٹھے ہو کر اپنی الگ جماعت کروائیں گے اور مسلمانوں میں تفریق و انتشار کی راہ ہموار کریں گے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ''صدقہ والی حدیث'' (ابو داود: 574، ترمذی: 220) سے لوگ دوبارہ جماعت کا استدلال عام کرتے ہیں لیکن یہ حدیث ان کی قطعاً دلیل نہیں ہے، اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص پہلے فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کر چکا ہو وہ بعد میں آنے والے کی اقتداء میں نماز پڑھ سکتا ہے (هداية الرواة: 16/ 2) مولانا عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمارے نزدیک راجح ترین قول یہ ہے کہ جو شخص ایسی مسجد میں آئے جس میں وہاں کے مستقل امام نے جماعت کرا دی ہو اور بعد میں آنے والے اس شخص کی نماز بھی کسی عذر کی بنا پر رہ گئی ہو تو وہ بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے اور اس کے لیے یہ عمل مباح یعنی بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔'' (مرعاة المفاتيح: 107/4، حديث: 1153) عذر کی قید اس لیے لگائی کہ یہ روایت مسند احمد: 145/3، اور بیہقی: 69/3 میں ذرا تفصیل سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھا لی تو ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے، آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ ''اے فلاں! تمھیں نماز سے کس چیز نے روکا؟'' تو اس نے کوئی عذر پیش کر دیا، پھر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز ادا کرے'' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھ کر اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے......الغرض یہ سارا اختلاف صرف اس مسجد کے متعلق ہے جس کا کوئی مستقل امام مقرر ہو اور وہاں جماعت ہوتی ہو، رہیں وہ مساجد جو راستوں، اڈوں اور سٹیشنوں پر مسافروں کی سہولت کے لیے بنائی گئی ہوں اور وہاں کوئی امام مقرر نہ ہو تو پھر بغیر کسی کراہت کے وہاں بار بار بھی جماعت

کروائی جا سکتی ہے۔

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ مُؤَذِّنٍ أَذَّنَ لِقَوْمٍ، ثُمَّ تَنَفَّلَ، فَأَرَادُوا أَنْ يُصَلُّوا بِإِقَامَةِ غَيْرِهِ؟ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِذَلِكَ، إِقَامَتُهُ وَإِقَامَةُ غَيْرِهِ سَوَاءٌ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس مؤذن کے بارے میں پوچھا گیا جس نے لوگوں کے لیے اذان دی، پھر نفل پڑھنے لگا، (اس دوران) لوگوں نے ارادہ کرلیا کہ اس کے علاوہ کسی اور شخص سے اقامت کہلوا کر نماز (باجماعت شروع کر کے) پڑھ لیں، امام مالک رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اس (مؤذن) کی اور اس کے علاوہ کی اقامت برابر (کا درجہ رکھتی) ہیں۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر چہ یہ جائز ہے لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ مؤذن ہی اقامت کہے، یہی دوسرا موقف ہی راجح ہے کیونکہ ایک تو اسی میں نظم وضبط کا اہتمام ممکن ہے اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساری زندگی یہی معمول رہا کہ جس سے اذان کہلوائی اسی سے اقامت کہلوائی، بعض قولی روایات میں مؤذن کے علاوہ کسی اور شخص کے اقامت کہنے کی اجازت اور بعض میں ممانعت منقول ہے لیکن وہ سب ضعیف ہیں ...... یاد رہے کہ احادیثِ مبارکہ تین اقسام پر مشتمل ہیں: قولی، فعلی اور تقریری۔ تقریری سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا گیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے برقرار رکھیں۔ چنانچہ مذکورہ مسئلے میں قولی روایات ضعیف ہیں، فعلی روایات موجود ہی نہیں ہیں، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریری روایات سے ذخیرۂ احادیث بھرا پڑا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو مؤذن اذان کہتا وہی اقامت کہتا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اُسی کو اذان کا حکم دیتے اور پھر اقامت کا بھی حکم دیتے (اور ان آخر الذکر روایات کو قولی احادیثِ صحیحہ کے ضمن میں پیش کیا جا سکتا ہے)

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : لَمْ تَزَلِ الصُّبْحُ يُنَادَى لَهَا قَبْلَ الْفَجْرِ، فَأَمَّا غَيْرُهَا مِنَ الصَّلَوَاتِ فَإِنَّا لَمْ نَرَهَا يُنَادَى لَهَا، إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَحِلَّ وَقْتُهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیشہ ہی سے صبح کی نماز کے لیے فجر سے پہلے اذان کہی جاتی رہی ہے، رہیں فجر کے علاوہ باقی نمازیں تو یقیناً ہم نے نہیں دیکھا کہ ان کا وقت آنے سے قبل اذان کہی جاتی ہو۔

فائدہ :...... لہٰذا باقی تمام نمازوں کی اذان اُن کا وقت شروع ہونے کے بعد ہی دی جائے گی، امام مالک رحمہ اللہ کے سوا باقی کسی بھی امام کے نزدیک اذانِ فجر قبل از وقت درست نہیں، ہاں فجر سے پہلے اذان کا ہونا تو احادیث سے ثابت ہے لیکن وہ اذان نمازِ فجر کے لیے نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ تو سحری کی اذان ہے جسے لوگ تہجد کی اذان کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض اوقات حضرت بلال رضی اللہ عنہ سحری کی اذان دیتے اور حضرت عبداللہ بن اُمِ

مکتوم رضی اللہ عنہ فجر کے لیے اذان کہتے تھے۔ (بخاري: 617، مسلم: 1092)

[152] عَـنْ مَـالِكٍ أَنَّـهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَاءَ إِلَـى عُـمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يُؤْذِنُهُ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهُ نَائِمًا فَقَالَ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ . يَا اَمِيْرَ الْمُوْمِنِيْنَ فَأَمَرَهُ عُمَرُ أَنْ يَجْعَلَهَا فِي نِدَاءِ الصُّبْحِ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک مؤذن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ انھیں نمازِ فجر کی اطلاع دینا چاہتا تھا، اُس نے اُنھیں سوئے ہوئے پایا تو کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! نماز نیند سے بہتر ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے حکم دیا کہ اسے (یعنی اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کی صدا کو) صبح کی اذان ہی میں رہنے دو۔''

فائدہ :......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان میں کہے جانے والے اس مخصوص جملے کو اذان کے علاوہ جگہ پر کہنا مکروہ جانا، بلکہ انھوں نے تو اذان ہو جانے کے بعد امیر اور حکمران کو دوبارہ جا کر اطلاع دینا بھی ناپسند جانا تھا ......لوگوں میں یہ بات بالکل غلط مشہور ہو چکی ہے کہ اذانِ فجر میں ان الفاظ کو شامل کرانے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے،مؤطا کی زیرِ مطالعہ حدیث کا ظاہری مطلب تو یہی بنتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ''الصلاة خير من النوم'' کا جملہ سن کر فرمایا کہ یہ فجر کی اذان میں کہا کرو لیکن یہ سنداً ضعیف ہے،اس لیے اس سے استدلال درست نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کلمہ عہدِ نبوی میں حضرت بلال اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہما کی اذانوں میں مکہ و مدینہ کی فضاؤں میں گونجتا رہا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس سے غافل رہے ہوں، چنانچہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ حکم فرمایا تھا: فَإِنْ كَانَ صَلَاةُ الصُّبْحِ قُلْتَ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ''پھر اگر فجر کی نماز (کے لیے تو اذان دے رہا) ہو تو تم ''اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' کہو۔ (ابو داود: 500، 501، 504، نسائي: 634، 648۔ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی اسی طرح کا حکم فرمایا تھا۔ (ترمذي: 198، ابن ماجه: 715) اس کی سند تو ضعیف ہے لیکن معنی و مفہوم صحیح ہے کیونکہ حضرت ابو محذورہ، حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایات اس کی تائید کرتی ہیں، چنانچہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ابن خزیمہ، دارقطنی اور بیہقی نے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو امام بیہقی اور امام ابن سکن نے صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ (مرعاة المفاتيح: 2/ 351، 352) اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ والی حدیث تو بیان ہو ہی چکی ہے ......(متن میں امام مالک رحمہ اللہ کی ذکر کردہ روایت والا قصہ ثابت بھی نہیں) امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اسے ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند میں اسماعیل نامی راوی مجهول ہے۔ (ابن عبدالبر، زرقانی) امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔ (زرقانی) لیکن اُن میں سے ایک میں ''عمری'' راوی ضعیف ہے اور دوسری میں مدلس راوی کا عنعنہ ہے۔)

---

[152] (ضعیف) اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[153] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ النَّاسَ إِلَّا النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ .

امام مالک رحمہ اللہ اپنے چچا ابوسہیل رحمہ اللہ بن مالک سے اور وہ اپنے باپ مالک رحمہ اللہ (بن ابی عامر اصحی رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جن چیزوں پر میں نے لوگوں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو (عمل کرتے ہوئے) پایا تھا، میں اُن میں سے کسی چیز کو (اب اس کی اصلی حالت پر باقی) نہیں دیکھ رہا سوائے نماز کی پکار (یعنی اذان) کے۔

فائدہ :...... یہ تابعین کرام رحمہم اللہ کے زمانے کی بات ہے اور مدینہ منورہ کا ایک تابعی عالم یہ بات کہہ رہا ہے کہ لوگ ہر چیز میں سستی وغفلت یا کمی بیشی کے مرتکب نظر آتے ہیں، البتہ اذان کا سلسلہ ابھی تک ہو بہو قائم ہے، خود اندازہ کیجیے کہ پھر آج کل کی صورتحال کیا ہوگی، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو آج کے ان پُر آشوب اور فتنوں سے بھرپور حالات میں بھی کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی گزارنے کے متمنی ہیں اور کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا کیے بغیر کتاب وسنت پر عمل پیرا ہیں...... نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لوگوں کے ذاتی اعمال حجت نہیں ہوتے، ہاں حجت ودلیل تو صرف وہی چیز ہے جو اسانیدِ صحیحہ سے ثابت شدہ احادیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تک پہنچیں۔

[154] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سَمِعَ الْإِقَامَةَ وَهُوَ بِالْبَقِيعِ فَأَسْرَعَ الْمَشْيَ إِلَى الْمَسْجِدِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (مسجد کی طرف آتے ہوئے) اقامت کی آواز سنی، اس وقت وہ بقیع (جگہ) میں تھے (جو مسجد سے تھوڑا سا پیچھے ہے) تو انھوں نے مسجد کی طرف تیز چلنا شروع کر دیا۔

فائدہ :...... مسجد کی طرف دوڑنا بھی منع ہے اور وقار وسکینت کے خلاف چلنا بھی ممنوع ہے، لیکن اگر کوئی شخص وقار وسکینت کو ملحوظ رکھ کر ذرا تیز قدم اٹھائے تو یہ منع نہیں ہے۔

2- بَابٌ: اَلنِّدَاءُ فِي السَّفَرِ وَعَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ

حالتِ سفر میں اور بغیر وضو کے اذان کہنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے چار (4) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک مرفوع یعنی

---

[153] (مقطوع صحیح) جامع بيان العلم وفضله لابن عبدالبر: 1221/2۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

[154] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3411، ابن ابی شیبۃ: 7394، الشافعی فی الام: 250/7۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

حدیث پیغمبر ﷺ ، ایک موقوف یعنی صحابی رضی اللہ عنہ کا قول اور دو (2) مقطوع یعنی فتاویٰ تابعین رحمہم اللہ ہیں۔ تمام روایات صحیح ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک (1) فتویٰ موجود ہے۔

فائدہ :...... اس باب میں صرف مسافر کی اذان کا تذکرہ ہے اور ''بغیر وضو کے اذان کہنے'' کے الفاظ بھی امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے صرف یحییٰ بن یحییٰ نے ذکر کیے ہیں، موطا کے کسی اور راوی نے یہ الفاظ بیان ہی نہیں کیے، جن روایات میں بغیر وضو کے اذان دینے سے منع کیا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں، اس لیے راجح قول کے مطابق بغیر وضو کے اذان کہنے کی گنجائش ہے، لیکن افضل اور بہتر یہی ہے کہ باوضو ہو کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر اذان دی جائے، کیونکہ اذان بھی تو اللہ کا ذکر ہی ہے اور ایک دفعہ آپ ﷺ کو حضرت مہاجر بن قُنفذ رضی اللہ عنہ نے سلام عرض کیا، اس وقت آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فارغ ہو کر پہلے وضو کیا، پھر جواب دیا اور یہ عذر پیش کیا: اِنِّـــیْ کَـرِهْتُ اَنْ اَذْکُرَ اللّٰهَ اِلَّا عَلٰی طُهْرٍ ''یقیناً مجھے یہ ناپسند لگا کہ باوضو ہونے کے بغیر اللہ کا ذکر کروں۔'' (ابوداود: 17، نسائی: 38، ابن ماجہ: 350، دارمی: 287۔ اس کی سند صحیح ہے)

[155] حَـدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيحٍ فَقَالَ أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ بَارِدَةٌ ذَاتُ مَطَرٍ يَقُولُ: ((أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ))

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ایسی رات میں نماز کے لیے اذان دی جو سردی اور آندھی والی تھی تو انھوں نے اذان کے ساتھ ہی یہ بھی کہا: اَلَا صَـلُّـوْا فِی الرِّحَالِ ''خبردار! (اپنی اپنی) قیام گاہوں میں نماز ادا کرلو۔'' پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے (دلیل کے طور پر) کہا کہ یقیناً جب کوئی رات ٹھنڈی اور بارش والی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ مؤذن کو حکم دیتے کہ وہ ''اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ'' کہے۔

فائدہ :...... جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ اذان دی وہ اُس وقت مسافر تھے اور مکہ مکرمہ سے 25 میل دور ضجنان نامی پہاڑ کے قریب تھے، سخت سردی، آندھی، طوفان، بارش وغیرہ کی صورت میں امت مسلمہ کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں، اذان میں یہ الفاظ کہنے کی دو جگہیں منقول ہیں: (1) ان کلمات کو اذان مکمل ہو جانے کے بعد دو بار کہا جائے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: ثُـمَّ یَـقُوْلُ عَلٰی اِثْرِهٖ ''پھر وہ اذان

[155] صحيح البخاري، كتاب الاذان، باب الاذان للمسافرين اذا كانوا جماعة، حديث: 632، 666، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الصلاة في الرحال في المطر، حديث: 697، ابوداود: 1060، نسائی: 655، ابن ماجه: 937، احمد: 4/2، دارمی: 1275

کے اختتام پر کہے'' (صحیح بخاری: 632) ایک روایت میں ہے: فِیْ اٰخِرِ نِدَائِهِ ''اپنی اذان کے آخر میں۔'' (صحیح مسلم: 697) (2) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلَاةِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کی جگہ پر یہ کلمات چار بار کہے جائیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔ (صحیح بخاری: 616، صحیح مسلم: 699) ...... یہ کلمات بھی مختلف طریقوں سے ثابت ہیں چنانچہ: (ا) ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں الفاظ یوں آئے ہیں: اَلَا صَلُّوْا فِیْ رِحَالِكُمْ ، اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ (ب) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: اَلصَّلَاةُ فِی الرِّحَالِ ۔ (صحیح بخاری: 616) (ج) اور بعض سندوں سے یہ الفاظ آئے ہیں: صَلُّوْا فِیْ بُيُوْتِكُمْ ۔ (صحیح بخاری: 901,699) ، الغرض دونوں طریقوں سے (اذان کے بعد یا اذان کے بیچ میں) یہ کلمات کہنا درست ہے، البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہما والے طریقے کے زیادہ بہتر ہونے کی دو وجہیں بیان کی جاسکتی ہیں: ایک یہ کہ اس کے ساتھ اذان کے نظم اور ترتیب و الفاظ پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور دوسرے یہ کہ اس میں لوگوں کو اختیار مل جاتا ہے کہ چاہیں تو حَیَّ عَلَی الصَّلَاةِ پر عمل کر کے مسجد میں آنے کے فضائل پالیں اور چاہیں تو گھر میں پڑھنے کی رخصت قبول کر لیں۔

یہاں ایک تیسرا موقف بھی ہے کہ یہ کلمات اذان کے اندر حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد اور اذانِ فجر میں اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے بعد کہے جائیں، نیز جس حدیث مبارکہ میں یہ طریقہ منقول ہے اس میں الفاظ بھی کچھ اور ہی مروی ہیں، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند کے ساتھ نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے ایک ٹھنڈی رات میں صبح کی اذان کہی۔ میں نے خواہش کی کہ کاش! وہ یہ بھی کہہ دے: وَمَنْ قَعَدَ فَلَا حَرَجَ ''اور جو گھر ہی میں رہے تو کوئی حرج نہیں۔'' چنانچہ جب مؤذن نے اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہا تو اس نے یہی الفاظ کہہ دیے۔ غرضیکہ سب طریقے اور سب الفاظ جائز ہیں اور ان الفاظ کو سن کر مقتدیوں کو مسجد میں آنے یا نہ آنے کا اختیار مل جاتا ہے۔ (زرقانی، مرعاۃ المفاتیح)

[156] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَزِيدُ عَلَى الْإِقَامَةِ فِی السَّفَرِ إِلَّا فِی الصُّبْحِ فَإِنَّهُ كَانَ يُنَادِی فِيهَا وَيُقِيمُ وَكَانَ يَقُولُ إِنَّمَا الْأَذَانُ لِلْإِمَامِ الَّذِی يَجْتَمِعُ النَّاسُ إِلَيْهِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر کے دوران اقامت سے زیادہ کچھ نہ کرتے تھے (یعنی صرف اقامت کہہ کر نماز پڑھ لیتے اور اذان نہ کہتے تھے) سوائے فجر کے، اس میں وہ اذان بھی کہتے اور اقامت بھی کہتے تھے اور وہ فرماتے کہ اذان تو صرف اور صرف اس امام کے لیے ہے جس کی طرف لوگ (آتے اور) جمع ہوتے ہیں۔

[156] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبۃ : 197/1، بیہقی : 411/1، ابن المنذر فی الاوسط: 48/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

فائدہ: ......جبکہ جمہور اور امام شافعی رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سفر میں بھی اذان کہنا مسنون ہے، حتیٰ کہ صرف دو آدمی بھی ہوں تو دورانِ سفر انھیں ہر نماز کے لیے اذان و اقامت کا اہتمام کرنا چاہیے، چنانچہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اَتَی رَجُلَانِ النَّبِیَّ ﷺ یُرِیْدَانِ السَّفَرَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِذَا اَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِیْمَا ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمَا اَکْبَرُکُمَا ''دو آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، وہ دونوں (واپسی کے) سفر کا ارادہ رکھتے تھے تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: '' جب تم دونوں (سفر میں) نکلو تو تم اذان بھی دینا اور اقامت بھی کہنا، پھر تم میں سے امامت وہ کرائے جو تم میں سے عمر میں بڑا ہے۔''(بخاری: 630، مسلم: 293/ 674)

[157] وَحَدَّثَنِی یَحْیَی عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ لَهُ إِذَا كُنْتَ فِی سَفَرٍ فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تُؤَذِّنَ وَتُقِيمَ فَعَلْتَ وَإِنْ شِئْتَ فَأَقِمْ وَلَا تُؤَذِّنْ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اُن کے والد عروہ رحمہ اللہ نے اُن سے کہا کہ جب تو سفر میں ہو، تو اگر تُو اذان اور اقامت دونوں کو کہنا چاہے تو کہہ لینا، اور اگر تُو چاہے تو صرف اقامت کہہ لینا اور اذان نہ دینا۔

فائدہ: ......یعنی تجھے سفر میں اذان دینے یا نہ دینے کا اختیار ہے لیکن اقامت ضرور کہتے رہنا ......یہ عروہ رحمہ اللہ کا موقف ہے ورنہ نماز تو بغیر اقامت کے بھی ہو تو جائے گی لیکن مستحب اور بہتر یہی ہے کہ اکیلا آدمی بھی اذان اور اقامت کا اہتمام کرے جیسا کہ پیچھے روایت: 149 میں بکریوں کے چرواہے والی روایت میں بیان ہو چکا ہے۔

قَالَ یَحْیَی : سَمِعْتُ مَالِكاً یَقُولُ : لَا بَأْسَ أَنْ یُؤَذِّنَ الرَّجُلُ وَهُوَ رَاكِبٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی سواری پر سوار حالت میں اذان کہے۔

[158] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیدٍ عَنْ سَعِیدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ أَنَّهُ كَانَ یَقُولُ مَنْ صَلَّى بِأَرْضِ فَلَاةٍ صَلَّى عَنْ یَمِینِهِ مَلَكٌ وَعَنْ شِمَالِهِ مَلَكٌ فَإِذَا أَذَّنَ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ أَوْ أَقَامَ صَلَّى وَرَاءَهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ أَمْثَالُ الْجِبَالِ .

سعید بن میسّب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص کسی صحرائی زمین میں (یعنی صحرا میں یا جنگل میں اکیلا ہی) نماز پڑھتا ہے (اور اذان و اقامت نہیں کہتا) تو ایک فرشتہ اس کے دائیں جانب اور ایک فرشتہ اس کے بائیں جانب نماز ادا کرتا ہے، اور اگر وہ اذان اور اقامت بھی کہہ لے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کی مانند (کثرت سے) فرشتے نماز ادا کرتے ہیں۔

فائدہ: ......حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا كَانَ الرَّجُلُ

[157] (مقطوع صحیح) ابن ابی شیبۃ: 197/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔
[158] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق : 510/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

بِاَرْضٍ فِيٍّ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَلْيَتَوَضَّأْ ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ مَاءً فَلْيَتَيَمَّمْ ، فَإِنْ اَقَامَ صَلّٰى مَعَهٗ مَلَكَاهُ ، وَاِنْ اَذَّنَ وَاَقَامَ صَلّٰى خَلْفَهٗ مِنْ جُنُوْدِ اللّٰهِ مَالَا يُرٰى طَرَفَاهُ ''جب کوئی شخص کسی صحرایا جنگل کے علاقے میں ہواور نماز کا وقت آ جائے تو اُسے چاہیے کہ وضو کرلے، اگر پانی نہ پائے تو تیمّم کرلے، پھر اگر تو وہ صرف اقامت کہہ کر نماز پڑھے گا تو اس کے ساتھ اس کے دونوں فرشتے بھی نماز ادا کریں گے اور اگر وہ اذان اور اقامت دونوں کہے گا تو اس کے پیچھے اللہ کے اس قدر لشکر نماز پڑھیں گے کہ جن کے دونوں کنارے نہیں دیکھے جاسکتے۔''(مصنف عبدالرزاق: 510/1، 511، حدیث: 1955، المعجم الکبیر للطبرانی: 305/8، حدیث: 6120، ابن ابی شیبہ موقوفاً: 219/1۔ اس کی سند صحیح ہے الترغیب و الترھیب، کتاب الصلاۃ، باب: 1، حدیث: 375۔ صحیح الترغیب للالبانی: 249)

3- بَابٌ: قَدْرُ السُّحُوْرِ مِنَ النِّدَاءِ

سحری کا اذان کے ذریعے اندازہ لگانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے دو (2) مرفوع روایات یعنی احادیث پیغمبر ﷺ ذکر کی ہیں، دونوں روایات صحیح ہیں۔

فائدہ:...... فجر کی پہلی اذان کے ذریعے یہ اندازہ لگانا کہ سحری کا وقت ختم ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اسی لیے یہ اذان، فجر کی اذان سے تھوڑا سا پہلے ہی دی جاتی تھی ...... یا اس عنوان کا مفہوم یہ ہے کہ فجر کی (یعنی دوسری) اذان کی وجہ سے سحری کے اختتام کو مقرر کرنا درست ہے اور دوسری اذان کو اختتامِ سحری کی علامت کہا جاسکتا ہے۔

[159] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((إِنَّ بِلَالاً يُنَادِي بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ .))

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں، لہٰذا تم کھاتے پیتے رہو، یہاں تک کہ (عبداللہ) ابن اُمِ مکتوم اذان کہیں۔''

[160] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول

---

[159] صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الاذان بعد الفجر، حدیث: 620، 7428، سنن النسائی، کتاب الاذان، باب المؤذنان للمسجد الواحد، حدیث: 638، احمد: 9/2، دارمی: 1190۔

[160] صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب اذان الاعمی، اذا کان له من یخبره، حدیث: 617، 2656، نیز دیکھیے: 623،1918، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر، حدیث: 1092، ترمذی: 203، نسائی: 639۔

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((إِنَّ بِلَالاً يُنَادِي بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ)) . قَالَ وَكَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ رَجُلاً أَعْمَى لَا يُنَادِي حَتَّى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ .

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک بلال رات (ہی) میں اذان دیتے ہیں (کیونکہ سحری اور تہجد کا وقت رات ہی کا آخری حصہ ہے) لہٰذا (اُن کی اذان کے وقت) تم کھاتے پیتے رہو، یہاں تک کہ ابنِ اُمِ مکتوم (فجر کی) اذان کہے (تو کھانے پینے سے رُک جاؤ)۔ سالم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا شخص تھے اور وہ خود بخود اذان نہیں کہتے تھے، یہاں تک کہ اُن کو بتا دیا جاتا کہ آپ صبح کے وقت میں داخل ہوگئے ہیں، آپ نے صبح کر لی ہے۔

فائدہ :......معلوم ہوا کہ نابینا شخص کو مؤذن مقرر کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اُسے وقت بتانے کا کوئی ذمہ دار ہو، یا وہ خود ہی ذمہ داری سے وقت کا خیال رکھنے اور اس کی تصدیق کرنے والا ہو، نیز فجر کی دو اذانوں کا ثبوت بھی اس حدیث پاک میں موجود ہے، خوش نصیب ہیں جو اس سنت کو بھی زندہ کرتے ہیں، اور چونکہ سارا سال ہی اہلِ اسلام میں روزوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس لیے یہ اذان بھی سارا سال معمول سے کہی جاسکتی ہے، البتہ مسنون یہی ہے کہ دونوں اذانوں کے درمیان کا وقفہ تھوڑا سا ہو۔ (صحیح بخاری: 1918، 1919، صحیح مسلم: 1092)

سحری کی اذان کون دیتا تھا اور فجر کی کون؟ اس بارے میں مختلف روایات مروی ہیں، چنانچہ بعض نے بخاری ومسلم اور موطا وغیرہ کی مذکورہ بالا روایات کو ترجیح دی ہے کہ پہلی اذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ دیتے تھے اور دوسری حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ......بعض نے اس کے الٹ قول کو ترجیح دی ہے، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے یوں تطبیق دی ہے کہ دونوں کی باریاں بدلتی رہتی تھیں اور جب باری بدلنا ہوتی تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نام لے کر بتا دیتے کہ کس نے کون سی اذان دینی ہے......چونکہ متعدد روایات میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اذانِ فجر کہنے کا تذکرہ تو موجود ہی ہے اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک تطبیق یوں دی ہے کہ شروع شروع میں صرف فجر کی اذان کہی جاتی تھی جس کے لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ مقرر تھے۔ (ابوداؤد: 519- اس کی سند حسن ہے۔ نسائی: 643- اس کی سند صحیح ہے)، پھر سحری کی اذان شروع ہوئی لیکن وہ حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کے ذمے تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بدستور فجر کی اذان کہتے رہے (ابن خزیمہ وابن حبان وابن منذر من حدیث اُنَیْسَۃ، واحمد وابن خزیمہ من حدیث عائشہ) پھر بعد میں ڈیوٹیاں تبدیل ہوگئیں۔ واللہ اعلم بالصواب (فتح الباری، زرقانی)

4- بَابٌ: اِفْتِتَاحُ الصَّلَاةِ

نماز کے آغاز کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے سات (7) روایات ذکر کی ہیں، چار (4) مرفوع یعنی احادیث پیغمبر ﷺ، دو (2) موقوف یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ایک مقطوع روایت یعنی تابعی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے، پانچ

(5) روایات صحیح، ایک روایت مرسل مگر صحیح الإسناد اور ایک صحیح لغیرہ ہے۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چار (4) فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

[161] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ أَيْضًا وَقَالَ ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ)). وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو رفع الیدین کرتے تھے، (دونوں ہاتھوں کو) کندھوں کے برابر تک (بلند فرماتے)، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی دونوں ہاتھوں کو اسی طرح بلند فرماتے، اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے یعنی اللہ نے اُس شخص (کی حمد) کو سن لیا جس نے اُس کی حمد بیان کی، اے ہمارے رب! تیرے ہی لیے ہر حمد ہے، اور آپ ﷺ سجدے میں ایسا نہ کرتے۔ (نہ سجدے کو جاتے وقت رفع یدین کرتے اور نہ سجدے سے اٹھتے وقت)۔''

فائدہ: ......زبان سے تکبیر کہنا اور ہاتھوں کو اٹھانا یعنی رفع الیدین کرنا تین طرح سے ثابت ہے، ایک یہ کہ ہاتھ پہلے اٹھا لینا اور بعد میں تکبیر کہہ لینا، دوسرا یہ کہ ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے تکبیر کہنا یا اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھانا۔ (نووی) ہاتھوں کی مٹھی بند کرنے کی بجائے انھیں کھول کر اوپر کی طرف لمبا کر کے بلند کرنا چاہیے۔ (ابوداود: 753، ترمذی: 240۔ اس کی سند صحیح ہے) انگلیاں نہ زیادہ کھلی ہوں اور نہ بالکل آپس میں ملی ہوئی ہوں۔ (صحیح ابن خزیمہ: 459)......اس مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رکوع سے اٹھ کر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کے بعد امام اور منفرد رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ بھی کہے، مقتدی کے لیے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہنا راجح ہے۔ آپ ﷺ کا عمل حدیث میں بیان ہوا ہے کہ آپ ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے تھے اور آیت ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' کے مطابق آپ کا عمل ہمارے لیے نمونہ ہے اور آپ کی حالت جس طرح امام والی ثابت ہے، مقتدی والی بھی ثابت ہے۔ اب اس عمل کو صرف آپ کی امام والی حالت کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل نہیں......رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کے الفاظ چار طرح سے ثابت ہیں: (۱) رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (بخاری: 789) (2) رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ (بخاری: 789) (3) اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (بخاری: 796) (4) اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ (بخاری: 795) ان میں سے کسی

[161] صحيح البخاری، كتاب الاذان، باب رفع اليدين فی التكبيرة الاولى، حديث: 735، 736، 738، 739، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين، حديث: 390، ابوداود: 721، ترمذی: 255,256، ابن ماجه: 858۔

ایک پر اکتفاء بھی کیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد دوسری احادیث سے ثابت شدہ دعائیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

مسئلہ رفع الیدین

(1) چار جگہوں پر...... رسول اللہ ﷺ سے نماز میں چار جگہوں پر رفع الیدین کرنا ثابت ہے، موطا امام مالک رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا حدیث میں صرف دو جگہوں کا تذکرہ ہے، لیکن ہمارے ہاں یہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ کا نسخہ متداول ہے، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے دوسرے تمام شاگردوں یعنی ابن وہب، ابنِ قاسم، ابن مہدی، محمد بن حسن، عبداللہ بن یوسف اور ابنِ نافع رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے اس روایت میں تین جگہوں کا ذکر کیا ہے یعنی تکبیر تحریمہ، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تمام ساتھیوں نے بھی امام ابن شہاب زُہری رحمہ اللہ سے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے تین جگہوں کا تذکرہ کیا ہے، معلوم یہی ہوتا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ سے وَإِذَا رَكَعَ کے الفاظ چھوٹ گئے ہیں۔ ان تین جگہوں میں رفع یدین کا ثبوت مندرجہ ذیل مشہور احادیث میں بھی ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث (بخاری: 735، مسلم: 390)، مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث (بخاری: 737، مسلم: 391)، حدیثِ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ (مسلم: 401) حدیث ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ (ابوداؤد: 730، ترمذی: 304، 305۔ اس کی سند صحیح ہے) وغیرہ...... چوتھی جگہ دو رکعتوں کے بعد اٹھ کر تیسری رکعت کا آغاز ہے، اس جگہ رفع یدین کرنا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یوں مروی ہے: وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ ''اور جب آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو بھی رفع یدین کرتے۔'' (بخاری: 739) اور ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں آیا ہے: ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ''پھر جب آپ ﷺ دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے یہاں تک کہ انھیں اپنے کندھوں کے برابر کر لیتے جس طرح کہ نماز کے آغاز میں تکبیر کہا کرتے تھے۔'' (ابوداود: 730، ترمذی: 304۔ اس کی سند صحیح ہے)

(ب) احناف کا دعویٰ نسخ: امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور سب کے سب رکوع میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت رفع یدین کی مشروعیت کے قائل اور فاعل ہیں۔ صرف اور صرف احناف مقلدین اس مسئلے میں اُمت سے الگ ہیں اور اس بارے میں اُن کے مختلف اقوال و آراء ہیں لیکن متاخرین احناف میں امام طحاوی رحمہ اللہ اور ابن ہمام رحمہ اللہ کی پیروی میں نسخ کا قول بہت مشہور ہو گیا ہے، احادیث کو تو وہ رد نہ کر سکے اس لیے انھوں نے رفع یدین کو تسلیم کر کے پھر اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کر دیا جس کو آج تک خود متعدد حنفی علماء بھی رد کرتے چلے آ رہے ہیں ...... ہماری تحقیق کے مطابق احناف کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے کیونکہ:

(ا) رفع الیدین کو روایت کرنے والوں میں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کچھ ہی عرصہ پہلے اسلام لائے، چنانچہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ 9ھ میں اسلام لائے اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی 9ھ

میں مسلمان ہوئے اور پھر 10 ھ میں سردیوں کے موسم میں دوبارہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو انھوں نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو چادروں میں رفع یدین کرتے دیکھا۔ (نسائی: 1160) گویا دس ہجری تک بھی یہ عمل منسوخ نہ ہوا۔

(2) ابو قلابہ رحمہ اللہ تابعی ہیں، انھوں نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا (بخاری: 737، مسلم: 391)، نافع رحمہ اللہ بھی تابعی ہیں، انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا۔ (بخاری: 739) اور یہ پکی بات ہے کہ تابعی کا زمانہ نبی کریم ﷺ کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی تین جگہوں والی رفع یدین عہد نبوی کے بعد بھی منسوخ نہ ہوئی۔

(3) حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے ایک محفل میں یہ دعویٰ کیا: اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ''میں تم میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کا علم رکھنے والا ہوں۔'' وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد دس تھی جن میں ابوحمید، ابو اُسید، ابو ہریرہ، ابوقتادہ، سہل بن سعد اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ پھر حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی نماز کی تمام کیفیات کا تفصیلی نقشہ کھینچا جس میں چار جگہوں پر رفع یدین کرنے کا بھی تذکرہ کیا تو بعد میں سب اہلِ محفل صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: صَدَقْتَ ، هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ ﷺ ''تو نے سچ کہا، اسی طرح ہی آپ ﷺ نماز ادا فرماتے رہے۔'' (ابوداود: 734-730، ترمذی: 305۔ اس کی سند صحیح ہے) اگر رفع یدین منسوخ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر تصدیق کی مہر نہ لگاتے بلکہ تردید اور وضاحت کر دیتے کیونکہ اس محفل میں تابعین بھی موجود تھے۔

(4) احناف کا دعویٰ بے دلیل ہے، اسی لیے متعدد احناف علماء نے خود ہی اس کی تردید کر دی ہے، اگر نسخ کی بات صحیح ہوتی تو بڑے بڑے احناف علماء اس کی تردید نہ کرتے، اُن میں سے بعض کے اقوال چند سطور کے بعد آ رہے ہیں۔

(ج) احناف کے بعض اہم دلائل کا محاکمہ:

(1) رسول اللہ ﷺ نے نماز میں رفع یدین کرنے کو سرکش گھوڑوں کی دُموں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اس سے روکتے ہوئے فرمایا ہے کہ نماز میں سکون اختیار کرو۔ (مسلم: 430,431)

احناف کو چاہیے کہ پھر تکبیر تحریمہ، وتر اور عید کی رفع یدین بھی ترک کر دیں کیونکہ پھر تو وہ بھی سرکش گھوڑوں کی دموں جیسی اور نماز کے سکون کے منافی شمار ہوگی ......دراصل اس حدیث کو اس مسئلے میں دلیل بنانا ایک صریح دھوکا ہے، کیونکہ خود صحیح مسلم کی اس حدیث (431) میں وضاحت موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلام پھیرتے وقت دائیں اور بائیں ہاتھ سے اشارہ کر کے سلام کرتے تھے تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا، اس میں تو نہ رکوع میں جاتے وقت کی رفع یدین کا ذکر ہے اور نہ اٹھتے وقت کا...... نیز سب جانتے ہیں کہ گھوڑا اپنی دُم کو دائیں بائیں ہلاتا ہے نہ کہ اوپر نیچے اور سلام پھیرتے وقت کی رفع یدین دائیں بائیں ہوتی تھی بالکل گھوڑے کی دم کی طرح، تو اس سے منع فرما دیا گیا جبکہ رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت کی رفع یدین تو اوپر نیچے ہوتی ہے، اُس کی تو گھوڑے کی دُم کے ساتھ تشبیہ بنتی ہی نہیں،

بلکہ اس سے تشبیہ دینا فصاحتِ پیغمبر ﷺ پر انگلی اٹھانا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کسی کو علم کا کوئی حصہ نصیب ہوا ہے وہ رفع یدین کے ترک پر اس حدیث سے دلیل نہیں پکڑ سکتا۔ شیخ عابدین احمد سندھی حنفی ''المواهب اللدنية'' میں کہتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال کرنا مناسب ہی نہیں ہے۔

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز نہ پڑھاؤں، پھر انھوں نے صرف ایک بار رفع یدین کی۔ (ابوداود: 738، ترمذی: 257)

حالانکہ خود امام ابوداود رحمہ اللہ نے اسے پیش کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث ایک طویل حدیث کا اختصار ہے اور ان الفاظ اور اس مفہوم کے ساتھ یہ صحیح (ثابت) نہیں ہے، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے، ابو حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ خطا ہے، امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے، دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے، ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ اہلِ کوفہ کی سب سے بہترین دلیل ہے حالانکہ درحقیقت یہ ضعیف ترین چیز ہے کیونکہ اس میں ایسی علتیں ہیں جو اسے باطل قرار دیتی ہیں ......امام ترمذی رحمہ اللہ کا تساہل سے کام لے کر اسے حسن قرار دینا اِن باقی ماندہ ائمہ جرح وتعدیل اور جہابذہ محدثین کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا، احناف اس بات کو بہت اچھالتے ہیں کہ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، حالانکہ ترمذی شریف میں کتنی ہی ایسی احادیث ہیں جنھیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن بلکہ صحیح بھی قرار دیا ہے لیکن وہ چونکہ اِن مقلدین کے حق میں نہیں ہوتیں اس لیے وہاں خاموشی سے گزر جاتے ہیں مثلاً جرابوں پر مسح (حدیث: 99) ایک ضرب سے صرف ہتھیلیوں اور چہرے پر تیمّم (144)، اکہری اقامت (193)، وتروں کی دعائے قنوت (464)، تین سے زائد یا کم وتر (458,461)، مسجد میں دوبارہ جماعت (220)، عیدین میں بارہ تکبیرات (536) وغیرہ جیسے مسائل کی احادیث۔

(3) گزشتہ روایت کے مفہوم والی ایک اور روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں (دارقطنی: 295/1، بیہقی: 79/2) حالانکہ امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اُسے ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کی سند میں محمد بن جابر ضعیف راوی ہے اور امام بیہقی نے بھی اسے مرسل موقوف قرار دیا ہے۔

(4) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس مفہوم والی ایک روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''الخلافيات'' میں ذکر کیا ہے، پھر امام حاکم رحمہ اللہ سے اس کا موضوع اور من گھڑت ہونا بھی خود ہی نقل کر دیا، چنانچہ حافظ علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔

(5) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی پیش کی جانے والی روایت میں یزید بن ابی زیاد نے اپنی طرف سے ثُمَّ لَا يَعُوْدُ (پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے) کا اضافہ کیا ہے اور حفاظ محدثین اس کلام کے مدرج ہونے کے قائل ہیں۔ (ابوداؤد: 749، ضعیف ابی داود: 156-153، نیل الاوطار: 695/1)

(6) احناف عوام میں یہ بھی مشہور ہے کہ ابتدائے اسلام میں بعض لوگ نماز پڑھتے ہوئے بغلوں میں بت رکھ لیتے تھے، اس لیے شروع میں رفع یدین کا حکم دیا گیا پھر بعد میں منسوخ کر دیا گیا...... حالانکہ یہ دعویٰ قطعاً بے دلیل ہے جو کسی صحیح حدیثِ نبوی ﷺ یا قولِ صحابی رضی اللہ عنہ تو در کنار کسی ضعیف وموضوع روایت میں بھی مذکور نہیں۔

چند علمائے احناف کا اعتراف

(1) علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرے نزدیک دونوں طریقے (رفع یدین کرنا اور نہ کرنا) ثابت ہیں، اس بات کی تردید نہیں کی جاسکتی اور اگر اختلاف ہے تو صرف اس میں کہ ان میں سے افضل اور بہتر کیا ہے، جائز ہونے میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں۔ (فیض الباری: 257/1)

(2) ابوبکر جصاص رازی حنفی رحمہ اللہ بھی رفع یدین کے جواز کے قائل ہیں۔ (فیض الباری: 257/1)

(3) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک حق یہ ہے کہ ہر طریقہ (رفع یدین کرنا اور نہ کرنا) سنت ہے اور رفع یدین کرنے والے میرے نزدیک زیادہ محبوب ہیں کیونکہ رفع یدین کی احادیث تعداد میں زیادہ اور ثبوت میں قوی ہیں۔ (حجة الله البالغة : 8/2)

(4) شیخ سندھی حنفی رحمہ اللہ ابن ماجہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: نسخ کا دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ اگر نسخ کو فرض کرلیا جائے تو معاملہ الٹ ہوگا یعنی رفع یدین نہ کرنا منسوخ ہوگا کیونکہ رفع یدین کے راوی متأخر الاسلام ہیں۔ (حاشیہ ابن ماجہ: 282/1)

(5) شیخ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: دونوں معاملے ہی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، البتہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے رفع یدین کو روایت کرنے والا ایک جمِ غفیر (بہت بڑا گروہ) ہے اور رفع یدین نہ کرنے والے تھوڑے سے ہی لوگ ہیں اور ان سے مروی روایات بھی صحیح سندوں والی نہیں ہیں سوائے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے (التعليق الممجد: ص 89) بلکہ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ رفع یدین کرنے کا ثبوت بھی زیادہ ہے اور یہ ہے بھی زیادہ راجح، اور طحاوی رحمہ اللہ، ابن ہمام رحمہ اللہ اور عینی رحمہ اللہ کا دعویٔ نسخ قابل اطمینان دلائل نہیں رکھتا۔ (ص 89)

رفع یدین کی حدیث متواتر ہے: امام سیوطی رحمہ اللہ ''اَلْاَزهارُ الْمُتَناثِرة فِي الْاَخْبَارِ الْمُتَواترة'' میں لکھتے ہیں کہ رفع یدین کی حدیث نبی کریم ﷺ سے متواتر سند کے ساتھ ثابت ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری ومسلم میں ہے، وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مسلم میں، علی رضی اللہ عنہ کی ابوداود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ میں، سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، ابو اُسید رضی اللہ عنہ، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ابوداود میں انس رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ، عمیر لیثی رضی اللہ عنہ کی ابن ماجہ میں، حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ کی مسند احمد میں، ابوبکر رضی اللہ عنہ، براء رضی اللہ عنہ کی بیہقی میں، عمر رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی دارقطنی میں، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طبرانی میں اور ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی

ابوداود اور ترمذی وغیرہ میں ہے۔

مسئلہ:...... رفع الیدین کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (1) اَلتَّحْقِيقُ الرَّاسِخُ فِيْ اَنَّ اَحادِيثَ رَفْعِ الْيَدَينِ لَيس لَهَا ناسخ ''(حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ) (2) نُورُ الْعَيْنَيْن فی مسئلۃِ رَفْعِ اليدين (حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ) (3) جزء رفع الیدین (امام بخاری رحمہ اللہ) (4) انسائیکلو پیڈیا آف اثبات رفع الیدین (مولانا خالد گھرجاکھی) (5) 12 مسائل (حکیم عبدالرحمٰن خلیق) (6) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ) (7) تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی (عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ) (8) میں رفع الیدین کیوں کروں (ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی، حافظ حامد محمود الخضری)

[162] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُكَبِّرُ فِي الصَّلَاةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ تَزَلْ تِلْكَ صَلَاتَهُ حَتَّى لَقِيَ اللّٰهَ .

علی زین العابدین رحمہ اللہ جو کہ حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے لخت جگر ہیں، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں جب بھی جھکتے اور جب بھی اُٹھتے تو اللہ اکبر کہتے تھے، پھر مسلسل آپ ﷺ کی یہی نماز (جاری) رہی یہاں تک کہ آپ ﷺ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

فائدہ:...... سوائے رکوع سے اُٹھتے وقت کے، کیونکہ اُس وقت آپ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے تھے جیسا کہ پیچھے گزرا، یادرہے کہ محدثین کرام رفع یدین کے مسئلے سے الگ اللہ اکبر کہنے کا مسئلہ بھی بڑی اہمیت کے ساتھ مستقل طور پر بیان کرتے تھے، جس کا سبب یہ تھا کہ بنواُمیہ کے حکمرانوں نے ان تکبیرات کو چھوڑ دیا تھا، یا تو وہ انھیں کہتے ہی نہیں تھے، یا پھر بلند آواز سے نہیں کہا کرتے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تھا، جب وہ کافی عمر رسیدہ اور کمزور ہوگئے اور غلبۂ حیا تو ان میں پہلے ہی سے تھا، اس لیے وہ اپنی آواز کو زیادہ بلند نہیں کرپاتے تھے، بعض روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اور بعض میں زیاد کا نام آیا ہے، ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اور زیاد نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیروی میں ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم (زرقانی)

[163] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ .

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔

---

[162] (مرسل صحيح الاسناد) ابن ابی شیبه: 218/1، بیهقی: 67/2- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت مرسل صحیح الاسناد ہے۔

[163] (صحيح لغيره) ابن ابی شيبة: 212/1- شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح کہا ہے۔

[164] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ وَاللَّهِ إِنِّي لأَشْبَهُكُمْ بِصَلاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

ابوسلمہ رحمہ اللہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ یقیناً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (جب) ان کو نماز پڑھاتے تو جب بھی جھکتے اور جب بھی اٹھتے تو اللہ اکبر کہا کرتے تھے، پھر جب نماز سے فارغ ہوتے تو فرماتے کہ اللہ کی قسم! بے شک میں تم میں سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی نماز سے مشابہت رکھنے والا ہوں۔

[165] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلاةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز میں جب بھی جھکتے اور اُٹھتے تو اللہ اکبر کہتے تھے۔''

[166] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا دُونَ ذَلِكَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر بلند کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھوں کو اس سے ذرا نیچے تک بلند کرتے تھے۔

فائدہ: ......ابوداود کی روایت میں ہے کہ ابن جریج رحمہ اللہ نے نافع رحمہ اللہ سے اس موقع پر ہاتھ اٹھانے کی حد کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ پہلی بار ہاتھوں کو ذرا زیادہ بلند کرتے تھے؟ تو نافع رحمہ اللہ نے کہا کہ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب نافع رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ امام مالک رحمہ اللہ کو بتایا تو اُن کو یہ مسئلہ یاد تھا اور جب ابن جریج رحمہ اللہ نے پوچھا تو وہ اسے بھول چکے تھے۔ واللہ اعلم

نبی کریم ﷺ سے ہاتھوں کو تین جگہوں تک اٹھانے کا تذکرہ ملتا ہے: (1) کندھوں کے برابر جیسا کہ پیچھے احادیث

---

[164] صحيح البخاری، كتاب الاذان، باب اتمام التكبير فی الركوع، حديث: 785، 803، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب اثبات التكبير فی كل خفض ورفع فی الصلاة، حديث: 392، ابوداود: 836، ترمذی: 254، نسائی: 1156، 1157.

[165] (موقوف صحيح) ابن ابی شيبة: 217/ 1، عبدالرزاق فی المصنف: 64/ 2، ابن المنذر فی الاوسط: 135/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مرفوع کے لیے دیکھیے، نسائی: 1321۔

[166] (موقوف صحيح) سنن ابی داود: كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، حديث: 741، 742، للشافعی فی المسند: 931/1، وفی الأم: 200/7، معرفة السنن والآثار للبيهقی: 541/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

گزر چکی ہیں۔(2) حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ ''یہاں تک کہ ہاتھوں کو کانوں کے اوپر والے کنارے کے برابر کر لیتے۔'' (مسلم: 26/ 391) (3) انگوٹھوں کو کانوں کی لَو (یعنی نچلے کنارے) تک برابر کر لیتے۔ (ابوداود: 737، نسائی: 883۔ اس کی سند منقطع ہے) ان روایات میں تطبیق عموماً یہ دی جاتی ہے کہ ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھائے، اس طرح کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہو جائیں، انگوٹھے کانوں کی لَو (نچلے کنارے) تک اور ہاتھ کی انگلیاں کانوں کے برابر ہو جائیں۔

[167] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِی نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ كَانَ يُعَلِّمُهُمُ التَّكْبِيرَ فِی الصَّلَاةِ . قَالَ فَكَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُكَبِّرَ كُلَّمَا خَفَضْنَا وَرَفَعْنَا .

ابونعیم وہب بن کیسان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ان کو نماز میں اللہ اکبر کہنا سکھایا کرتے تھے۔ ابونعیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم جب بھی (نماز میں) جھکیں اور جب بھی اٹھیں تو اللہ اکبر کہا کریں۔

فائدہ :......نماز کے ایک رُکن اور مقام سے دوسرے رُکن میں منتقل ہوتے وقت کہی جانے والی تکبیرات کو تکبیرات انتقال کے نام سے پکارا جاتا ہے، جن میں بنوامیہ کے حکمرانوں نے سستی جاری رکھی تو علماء نے ان کی بھرپور مخالفت کی اور عوام کو اس سے خوب متعارف کرایا۔

[168] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ إِذَا أَدْرَكَ الرَّجُلُ الرَّكْعَةَ فَكَبَّرَ تَكْبِيرَةً وَاحِدَةً أَجْزَأَتْ عَنْهُ تِلْكَ التَّكْبِيرَةُ .

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے تھے کہ جب آدمی (امام کے ساتھ امام کے سر اٹھانے سے پہلے) رکوع پالے، پھر وہ (مقتدی) ایک تکبیر (یعنی اپنی نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر) کہہ لے (اور امام کے ساتھ رکوع میں شرکت کر لے) تو وہ تکبیر اس آدمی (کی تکبیر تحریمہ کے طور پر اس) سے کافی ہو جائے گی۔

فائدہ :...... یعنی خواہ وہ خاص تکبیر تحریمہ کی نیت نہ بھی کرے تو پھر بھی کفایت ہو جائے گی، یہ امام زہری رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَذٰلِكَ إِذَا نَوَى بِتِلْكَ التَّكْبِيرَةِ افْتِتَاحَ الصَّلَاةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (ہمارے ہاں یہ تب کافی ہوگی) جب وہ اس تکبیر سے نماز کے آغاز (والی تکبیر تحریمہ) کی نیت بھی کرے۔

---

[167] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبۃ: 216/1، 217۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[168] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

فائدہ :...... یہ بات تو متفقہ ہے کہ کوئی مقتدی نماز کے دوران کسی بھی جگہ امام کے ساتھ آ کر ملے اور وہ اپنی نماز وہیں سے شروع کر دے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الصَّلَاۃَ وَالْاِمَامُ عَلٰی حَالٍ فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ ''جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے اور امام کسی بھی حالت میں ہو تو اسے وہی کچھ کرنا چاہیے جیسا کہ امام کر رہا ہو۔''(ترمذی: 591۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة: 1188) (بہرحال مقتدی کہیں بھی آ کر ملے) تو وہ امام کے ساتھ شامل ہونے سے پہلے رفع الیدین کرتے ہوئے اللہ اکبر کہہ کر امام والے رُکن میں چلا جائے گا، پھر اگر امام قیام کے علاوہ کہیں اور ہو تو مقتدی بھی ہاتھ باندھے بغیر وہاں چلا جائے، پھر جب امام اپنی اگلی رکعت کے لیے کھڑا ہو تو مقتدی کو نئے سرے سے تکبیر تحریمہ اور اس کی رفع یدین کی ضرورت نہیں، رہا یہ مسئلہ کہ امام کو رکوع میں پالینے سے رکعت ہوتی ہے یا نہیں تو اس کی تفصیل پیچھے روایت: 14 میں گزر چکی ہے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ دَخَلَ مَعَ الإِمَامِ، فَنَسِيَ تَكْبِيرَةَ الافْتِتَاحِ وَتَكْبِيرَةَ الرُّكُوعِ، حَتَّى صَلَّى رَكْعَةً، ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ كَبَّرَ تَكْبِيرَةَ الافْتِتَاحِ، وَلَا عِنْدَ الرُّكُوعِ، وَكَبَّرَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ؟ قَالَ: يَبْتَدِئُ صَلَاتَهُ أَحَبُّ إِلَيَّ، وَلَوْ سَهَا مَعَ الإِمَامِ عَنْ تَكْبِيرَةِ الافْتِتَاحِ، وَكَبَّرَ فِي الرُّكُوعِ الأَوَّلِ، رَأَيْتُ ذَلِكَ مُجْزِياً عَنْهُ إِذَا نَوَى بِهَا تَكْبِيرَةَ الافْتِتَاحِ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو امام کے ساتھ (نماز میں) داخل ہوا اور آغاز والی تکبیر (تکبیر تحریمہ) اور رکوع والی تکبیر کہنا بھول گیا، یہاں تک کہ اس نے (پوری) رکعت ادا کر لی، پھر اسے یاد آیا کہ اس نے تو تکبیر تحریمہ بھی نہیں کہی اور نہ رکوع والی تکبیر کہی ہے، (چنانچہ) اس نے دوسری رکعت میں تکبیر کہہ لی ...... تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ نماز کو نئے سرے سے شروع کرلے تو یہ مجھے زیادہ محبوب (اور میرے نزدیک زیادہ بہتر) ہے، البتہ اگر آدمی امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ بھول گیا ہو، لیکن اس نے پہلے ہی رکوع میں (جاتے وقت) تکبیر کہہ لی ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس سے کفایت کر جائے گی اور یہ (بھی اُسی صورت میں کافی ہوگی) جب وہ اس (رکوع والی تکبیر) کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی نیت کرے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يُصَلِّي لِنَفْسِهِ، فَنَسِيَ تَكْبِيرَةَ الافْتِتَاحِ: إِنَّهُ يَسْتَأْنِفُ صَلَاتَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اُس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنے لیے (یعنی اکیلا ہی) نماز پڑھتا ہے اور تکبیر تحریمہ بھول جاتا ہے، تو وہ نئے سرے سے نماز کا آغاز کرے۔

فائدہ :......یعنی جہاں اُسے یاد آئے وہاں سے تکبیر تحریمہ کہہ کر وہیں سے نماز کا آغاز سمجھے۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي إِمَامٍ يَنْسَى تَكْبِيرَةَ الافْتِتَاحِ، حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ: أَرَى أَنْ يُعِيد،

امام مالک رحمہ اللہ نے اس امام کے متعلق فرمایا جو تکبیر تحریمہ بھول جائے یہاں تک کہ (مکمل) نماز (پڑھ کر اس) سے فارغ

وَيُعِيدُ مَنْ خَلْفَهُ الصَّلَاةَ ، وَإِنْ كَانَ مَنْ خَلْفَهُ قَدْ كَبَّرُوا ، فَإِنَّهُمْ يُعِيدُونَ.

ہو جائے، فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ وہ (خود بھی) نماز کا اعادہ کرے گا اور جو اس کے پیچھے (مقتدی نماز پڑھنے والے) ہوں وہ بھی نماز کو دہرائیں گے، اگرچہ انھوں (مقتدیوں) نے تکبیر تحریمہ کہی ہو وہ پھر بھی نماز لوٹائیں گے۔

فائدہ :......ان گزشتہ بالا فتاوٰی جات کا سبب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنا نماز کا رُکن ہے، بلکہ جب تک اُسے کہہ نہ لیا جائے آدمی نماز ہی میں داخل نہیں ہوتا۔

5- بَابٌ: اَلْقِرَاءَةُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء میں قراءت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے پانچ (5) روایات ذکر کی ہیں، تین (3) روایات مرفوع یعنی احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور دو (2) موقوف یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ تمام روایات صحیح ہیں۔

[169] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ بِالطُّورِ فِي الْمَغْرِبِ.

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ مغرب میں سورۂ طُور کی تلاوت فرمائی۔

[170] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الْحَارِثِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ (وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفاً) [المرسلات: 1] فَقَالَتْ لَهُ : يَا بُنَيَّ لَقَدْ ذَكَّرْتَنِي بِقِرَاءَتِكَ هَذِهِ السُّورَةَ إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (اُن کی والدہ) اُم الفضل (لُبابہ) بنتِ حارث رضی اللہ عنہا نے اُن کو سورۂ "وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا" پڑھتے ہوئے سنا تو اُن سے کہنے لگیں: اے میرے پیارے بیٹے! تو نے یہ سورت پڑھ کر مجھے یاد دلا دیا کہ یقیناً یہی وہ آخری سورت ہے جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (آپ کی وفات سے پہلے) سنا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نمازِ مغرب میں پڑھا تھا۔

---

[169] صحيح البخاري، كتاب الاذان باب الجهر فى المغرب، حديث: 765، 3050، 4023، 4854، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة فى الصبح، حديث: 463، ابوداود: 811، نسائى: 988، ابن ماجه: 832-

[170] صحيح البخاري، كتاب الاذن، باب القراءة فى المغرب، حديث: 763، 4429، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة فى الصبح، حديث: 462، ابوداود: 810، ترمذى: 308، نسائى: 987، ابن ماجه: 831-

يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ.

فائدہ: ......ایک دفعہ تو رسول اللہ ﷺ نے نمازِ مغرب میں سوا پارے کے برابر لمبی سورۂ اعراف کی تلاوت فرمائی اور اسے دونوں رکعتوں میں تقسیم کرکے پڑھا (نسائی: 992، بخاری: 764) معلوم ہوا کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول نمازِ مغرب میں چھوٹی سورتوں کو تلاوت کرنا تھا لیکن بسا اوقات آپ لمبی سورتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

[171] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ عَنْ قَيْسِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَصَلَّيْتُ وَرَاءَهُ الْمَغْرِبَ فَقَرَأَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ سُورَةٍ مِنْ قِصَارِ الْمُفَصَّلِ ثُمَّ قَامَ فِي الثَّالِثَةِ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنَّ ثِيَابِي لَتَكَادُ أَنْ تَمَسَّ ثِيَابَهُ فَسَمِعْتُهُ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَبِهَذِهِ الْآيَةِ: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [آل عمران: 8].

ابوعبداللہ (عبدالرحمٰن بن عُسیلہ) صُنابحی رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ منورہ آیا تو میں نے اُن کے پیچھے نمازِ مغرب ادا کی، انھوں نے پہلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ''قِصارِ مُفصل'' میں سے ایک ایک سورت پڑھی، پھر وہ تیسری رکعت میں کھڑے ہوئے تو میں اُن کے اتنا نزدیک ہوا کہ قریب تھا کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں کو چھونے لگیں۔ چنانچہ میں نے سنا کہ انھوں نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی اور یہ آیت بھی پڑھی: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران 3:8) ''اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے۔''

فائدہ: ......''قصارِ مفصل'' سے مراد سورۂ بینہ سے سورۂ ناس تک قرآن مجید کی آخری سترہ سورتیں ہیں۔ ''قصار'' کے معنی چھوٹی سورتوں کے ہیں اور ''مفصل'' سے مراد مالکیہ، شافعیہ، حنفیہ اور اہل حدیث کے نزدیک قرآن مجید کی آخری منزل ہے، پھر آخری منزل کا آغاز تو سورۂ ق سے ہوتا ہے لیکن اکثر شارحین اور محدثین سورۂ حجرات کو بھی مفصل میں شمار کرتے ہیں...... پھر اس ''مفصل'' (قرآن مجید کی آخری منزل، سورۃ نمبر 50 یا نمبر 49 سے آخر قرآن تک 65 یا 66 سورتوں) کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: (1) ''طِوَال مُفَصَّل'' (لمبی سورتیں) سورۂ حجرات یا

[171] (موقوف صحیح) تحفة الاشراف: 298/ 5، عبدالرزاق: 6298، ابن المنذر فی الاوسط: 112/3۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

سورۂ ق سے سورۂ بُروج 85 تک، (2) ''اَوْسَاطِ مُفَصَّل '' (درمیانی سورتیں) سورۂ بُروج سے سورۂ بینہ تک، اور (3) ''قِصَارِ مُفَصَّل '' (چھوٹی سورتیں) سورۂ بینہ سے سورۂ ناس تک ......امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے ہاں ہر کسی نمازی پر ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ فرض ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک امام اور اکیلے شخص کے لیے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض اور رُکنِ نماز ہے، جب کہ احناف کے ہاں امام اور منفرد کے لیے سورۂ فاتحہ محض واجب ہے اور واجب کی کمی تو اُن کے ہاں سجدۂ سہو سے پوری ہو جاتی ہے اور ان کے ہاں مقتدی کے لیے کسی بھی نماز میں کسی بھی رکعت میں فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ کون کون سی رکعت میں سورۂ فاتحہ سے زائد تلاوت کرنا کس کس کے لیے کب جائز ہے؟ تو اس میں کچھ تفصیل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور امام جہری نمازوں (فجر و مغرب اور عشاء) میں صرف پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور قراءت ثابت ہے، مغرب و عشاء کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، البتہ سری نمازوں (ظہر و عصر) میں یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفا کیا، (بخاری: 776، مسلم: 451) اور کبھی ظہر کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ سے زائد تلاوت بھی کی۔ (مسلم: 452) امام کے حوالے سے صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں یہ تذکرہ ہے کہ انھوں نے مغرب کی تیسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ سے زائد تلاوت کی، چنانچہ اس عمل صحابی رضی اللہ عنہ سے کچھ گنجائش نکلتی ہے، بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ تو انھوں نے قنوتِ نازلہ کے طور پر دعا مانگی تھی، حالانکہ قنوتِ نازلہ رکوع کے بعد ثابت ہے نہ کہ پہلے اور اُسے بآواز بلند کیا جاتا ہے۔

منفرد شخص کے احکام بھی امام ہی کی طرح ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے آگے آنے والی روایت میں ثابت ہو رہا ہے کہ انھوں نے اکیلے نماز پڑھتے وقت ظہر اور عصر دونوں کی آخری دونوں رکعتوں میں بھی سورۂ فاتحہ سے زائد تلاوت کی ......رہا مقتدی کا مسئلہ تو اس بارے میں راجح یہ ہے کہ وہ جہری نمازوں (فجر و مغرب اور عشاء) میں کسی بھی رکعت میں سوائے فاتحہ کے کچھ نہ پڑھے۔ البتہ سری نمازوں میں سے ظہر کی چاروں رکعتوں میں اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں وہ فاتحہ سے زائد بھی پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ (1) ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نمازِ ظہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سورۂ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى '' کی تلاوت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر تو اعتراض کیا کہ اس کی قراءت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت الجھ گئی اور مشابہ پڑنے لگا لیکن اُسے قراءت سے منع نہیں کیا۔ (صحیح مسلم: 398) ظاہر بات ہے کہ اس نے یہ تلاوت اونچی آواز سے کی تھی تبھی تو حدیث کے راوی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کو اس سورت کا علم ہوا اور اونچی آواز ہی کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشابہ پڑا، اگر مقتدیوں کی آہستہ اور مخفی تلاوت سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشابہ پڑتا پھر تو ہر نماز ہی میں حتی کہ ہر رُکن کے اذکار و تسبیحات سے بھی ایسا ہوتا۔ (2) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ظہر وعصر کی نمازوں میں آپ ﷺ کے قیام کی لمبائی کا اندازہ لگاتے کہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں کا قیام تیس آیات یعنی سورۂ سجدہ کے برابر ہوتا، ظہر کی آخری دو اور عصر کی پہلی دو کا قیام اس سے نصف یعنی پندرہ آیات اور عصر کی آخری دو رکعات کا قیام اس نصف سے بھی نصف یعنی سات آیات کے برابر ہوتا۔ (مسلم: 452) چنانچہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سورۂ سجدہ کو پڑھ کر اندازہ لگاتے۔ (3) نبی کریم ﷺ نے صرف اس وقت مقتدی کو فاتحہ سے زائد پڑھنے سے روکا ہے جب امام جہراً قراءت کر رہا ہو...... الغرض نمازِ ظہر میں امام کے پیچھے ہر رکعت میں اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ سے زائد تلاوت ہوسکتی ہے اور جہری نمازوں میں بالکل نہیں ہوسکتی کیونکہ ان نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں تو رسول اللہ ﷺ نے مقتدیوں کو فاتحہ سے زائد پڑھنے کی ممانعت فرما دی ہے اور بعد والی رکعتوں میں خود رسول اللہ ﷺ ہی سے فاتحہ سے زائد کا ثبوت نہیں ہے، احناف کے ہاں کسی کے لیے جائز نہیں کہ تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ سے زائد تلاوت کرے ورنہ اس پر سجدہ سہو واجب ہو جائے گا، یعنی احناف کے ہاں سجدۂ سہو تو واجب نہ ہوگا البتہ یہ عمل مکروہ ہے اور بعض کے ہاں نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ ہے۔ (مرعاة المفاتيح: 132/3)

[172] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا صَلَّى وَحْدَهُ يَقْرَأُ فِي الأَرْبَعِ جَمِيعاً فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ وَكَانَ يَقْرَأُ أَحْيَاناً بِالسُّورَتَيْنِ وَالثَّلَاثِ فِي الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنْ صَلَاةِ الْفَرِيضَةِ وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ كَذَلِكَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ سُورَةٍ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب اکیلے (ظہر وعصر کی) نماز ادا کرتے تو تمام کی تمام، چاروں رکعتوں میں سے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرآن مجید کی کوئی اور سورت بھی تلاوت کرتے اور کبھی کبھار فرضی نماز کی ایک رکعت میں دو اور (کبھی) تین سورتیں پڑھتے، اور مغرب کی (پہلی) دو رکعتوں میں بھی اسی طرح سورۂ فاتحہ اور ایک ایک سورت پڑھتے۔

فائدہ :......موطا امام محمد کے نسخے میں امام محمد رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے اس روایت میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے: مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما ظہر وعصر کی نمازوں میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے زائد بھی پڑھتے۔

[173] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ الأَنْصَارِي عَنِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ عشاء ادا کی تو

---

[172] (موقوف صحیح) بيهقى : 64/2، الشافعى فى المسند: 205/1 ، ابن ابى شيبة: 367/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[173] صحيح البخارى، كتاب الاذان، باب الجهر فى العشاء، حديث: 767، 769، 4952، 7546، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة فى العشاء، حديث: 464، ابوداود: 1221، ترمذى: 310، نسائى: 1002۔

الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّهُ قَالَ : صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَاءَ، فَقَرَأَ فِيهَا (بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ) آپ ﷺ نے اس میں سورۂ "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ" کی تلاوت کی۔

فائدہ : ...... یہ سورت آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں پڑھی تھی۔ (نسائی: 1002) اور دوسری رکعت میں سورۂ "اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ" پڑھی تھی۔ (زرقانی، فتح الباری)

6- بَابٌ: اَلْعَمَلُ فِي الْقِرَاءَةِ

قراءت کے (متعلقہ بعض امور کے) طریقۂ کار کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے چھ (6) روایات ذکر کی ہیں، تین (3) روایات مرفوع یعنی احادیث پیغمبر ﷺ اور دو (2) موقوف یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ایک مقطوع یعنی تابعی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے، تمام روایات صحیح ہیں۔

[174] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي الرُّكُوعِ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے ریشمی دھاریوں والے کپڑے، کُسم سے رنگے ہوئے کپڑے اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور حالتِ رکوع میں قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے سے منع فرمایا۔

فائدہ : ......رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهْبُ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ وَاُحِلَّ لِاِنَاثِهِمْ "ریشم اور سونے کا پہننا میری امت کے مردوں پر حرام اور ان کی عورتوں کے لیے حلال کیا گیا ہے۔" (ترمذی: 1720، احمد: 392/4۔ اس کی سند صحیح ہے) اور آپ ﷺ نے فرمایا: "جو دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں اسے نہیں پہن سکے گا" (بخاری: 5834، مسلم: 2069) البتہ رسول اللہ ﷺ نے صرف دو یا تین یا چار انگلیوں کے بقدر ریشم کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ (بخاری: 5829، مسلم: 2069) اسی طرح خارش کی بیماری میں بھی ریشمی لباس کی اجازت ہے۔ (بخاری: 5839، مسلم: 2076)، بہرحال زیادہ سے زیادہ چار انگلیوں کے بقدر ریشم کے ساتھ کڑھائی وغیرہ کرائی جاسکتی ہے۔ (مسلم: 2069)...... "قَسِيّ" کپڑے کی یہ قسم "قَسّ" نامی جگہ کی طرف منسوب ہے، جو مصر میں دِمیاط کے قریب ساحلِ سمندر پر واقع ہے، وہاں ریشم سے مخلوط کپڑے بنتے تھے ......"اَلْمُعَصْفَر" کا لفظ "عُصْفُر" سے مشتق ہے، جو ایک زرد رنگ کی بوٹی کا نام ہے، اسے اردو میں اور ہندی زبان میں کُسُم یا کُسُمبھ کہا جاتا ہے، اس کے پھولوں سے کپڑے رنگے جاتے ہیں جو سرخ زردی مائل ہوتے ہیں،

[174] صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب النهى عن لبس الرجل الثوب المعصفر، حديث: 2078، سنن ابى داود، كتاب اللباس، باب من كرهه، حديث: 4044، ترمذى: 264۔

ان کی ممانعت بھی مردوں کے لیے ہے، یاد رہے کہ ایسا کپڑا جس کا رنگ سرخ ہو لیکن وہ عُصْفُر بوٹی سے رنگا ہوا نہ ہو تو وہ جائز ہے، چنانچہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ لباس میں دیکھا۔'' (بخاری: 3551، مسلم: 2337) مردوں کے لیے کپڑوں میں سے صرف کُسُم سے رنگا ہوا ہی ممنوع ہے، اس کے علاوہ ہر رنگ جائز ہے خواہ سبز ہو یا سیاہ، یہ الگ بات ہے کہ کسی مشرک و کافر قوم کے مخصوص مذہبی علامت والے لباسوں کی مشابہت سے بچنا بھی لازم ہے۔ نیز بالوں میں صرف کالے رنگ کی ممانعت ہے، باقی ہر رنگ لگانا جائز ہے۔

[175] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ التَّمَّارِ عَنِ الْبَيَاضِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَقَدْ عَلَتْ أَصْوَاتُهُمْ بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ: ((إِنَّ الْمُصَلِّيَ يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلْيَنْظُرْ بِمَا يُنَاجِيهِ بِهِ، وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ)).

حضرت (فروہ بن عمرو) بیاضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس آئے، اور وہ (لوگ) نماز پڑھ رہے تھے اور قراءت کے ساتھ اُن کی آوازیں بلند ہو چکی تھیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً نمازی اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، لہٰذا اُسے دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس (انداز اور کن الفاظ) کے ساتھ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اور تم میں سے کوئی بھی قرآن پڑھنے (کے وقت) میں کسی دوسرے پر آواز بلند نہ کرے۔''

فائدہ: ...... کیونکہ تمہارے بلند آواز سے پڑھنے کی بنا پر یہ ممکن ہے کہ دوسرا شخص تکلیف محسوس کرے، یا اُس کی توجہ تمہاری طرف ہونے سے وہ اپنی نماز و تلاوت پر پورا دھیان نہ دے سکے اور خصوصاً ایسا کرنے سے تم اپنی نماز کا مقصد کھو بیٹھو گے، کیونکہ نماز تو سرگوشی ہے جس میں تمہاری اپنے اللہ کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں، تو تم دوسروں کو یہ باتیں کیوں سنواتے ہو، لہٰذا مکمل حضورِ قلب اور خشوع و خضوع سے نہایت خوبصورت انداز میں صحیح ادائیگی کے ساتھ تلاوت کے ذریعے رب سے سرگوشی کیا کرو۔

[176] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: قُمْتُ وَرَاءَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَكُلُّهُمْ كَانَ لَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے (نماز میں) کھڑا ہوا، تو ان میں سے کوئی بھی جب نماز

[175] (صحیح) بیهقی: 11/3، التاریخ الکبیر: 244/3، احمد: 344/3۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[176] صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب ما یقول بعد التکبیر، حدیث: 743، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب حجۃ من قال لا یجهر بالبسملۃ، حدیث: 399، ابوداود: 782، ترمذی: 246، نسائی: 903، ابن ماجه: 813، احمد: 101/3۔

يَـقْرَأُ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ) إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ .

شروع کرتا تو ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' نہیں پڑھتا تھا۔

فائدہ :......ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی میں نے بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا (مسلم: 399)، یہی وہ روایات ہیں جن کی بنا پر امام مالک رحمہ اللہ آہستہ یا بلند آواز سے دونوں طرح بسم اللہ پڑھنا مکروہ جانتے تھے...... حالانکہ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری روایات میں اس کی وضاحت موجود ہے، جس سے شاید امام مالک رحمہ اللہ نا آشنا رہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے: فَكَانُوْا لَا يَجْهَرُوْنَ ''وہ (بسم اللہ کو) بآوازِ بلند نہیں پڑھتے تھے۔'' (مسند احمد: 179/3، نسائی: 908، دارقطنی: 315/1) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بلوغ المرام (حدیث: 277) میں فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: وَكَانُوْا يُسِرُّوْنَ ''وہ اسے مخفی آواز میں پڑھا کرتے تھے۔'' ...... بہرحال بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا حصہ ہے اور اسے نماز میں ضرور پڑھنا ہے، البتہ اس کا مخفی و پست آواز سے پڑھنا راجح اور افضل ہے کیونکہ اس کے متعلق روایات زیادہ اور قوی ہیں، ہاں بعض روایات سے بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کا استدلال بھی کیا جاتا ہے۔ (نسائی: 906، ابن خزیمہ: 499) غرضیکہ قراءتِ فاتحہ سے قبل بسم اللہ کو سِرًّا پڑھنا افضل اور جہراً پڑھنا جائز اور چھوڑنا ناجائز ہے۔

[177] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ : كُنَّا نَسْمَعُ قِرَاءَةَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عِنْدَ دَارِ أَبِي جَهْمٍ بِالْبَلَاطِ .

امام مالک رحمہ اللہ اپنے چچا ابوسہیل بن مالک رحمہ اللہ سے اور وہ اپنے باپ مالک بن ابی عامر اصبحی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ ہم بلاط جگہ میں حضرت ابوجہم (عامر یا عبید بن حذیفہ) رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قراءت (کی آواز) سن لیتے تھے۔ (جب کہ وہ مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے ہوتے تھے۔)''

فائدہ :......''بلاط'' مدینہ منورہ کے بازار اور مسجد کے درمیان ایک جگہ کا نام تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز چونکہ اونچی تھی اس لیے دور دور تک سنائی دیتی تھی، معلوم ہوا کہ امام کو ممکنہ حد تک بلند آواز سے قراءت کرنا چاہیے۔

[178] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا فَاتَهُ شَيْءٌ مِنَ الصَّلَاةِ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جب امام کے ساتھ نماز میں سے کوئی چیز (یعنی

[177] (موقوف صحیح) السنن الکبری للنسائی: 8826، بیہقی: 159/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح کہا ہے۔

[178] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 228/2، بیہقی: 296/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

مَعَ الإِمَامِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ الإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ أَنَّهُ إِذَا سَلَّمَ الإِمَامُ قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَرَأَ لِنَفْسِهِ فِيمَا يَقْضِي وَجَهَرَ .

رکعت) رہ جاتی، وہ نماز کہ جس میں امام نے جہری قراءت کی ہوتی، تو جب امام سلام پھیر لیتا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کھڑے ہو جاتے اور اپنے لیے (یعنی اکیلے ہی) اس رکعت میں جہری قراءت کرتے جس کی وہ قضائی دے رہے ہوتے تھے۔

فائدہ :...... یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل ہے جس کے ذریعے وہ جہری قراءت کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور فضیلت کو حاصل کرنا چاہتے تھے، ورنہ تو وہ یہ بات کھل کر کہا کرتے تھے کہ تم امام کے ساتھ جو پاؤ گے وہ تمہاری نماز کا ابتدائی حصہ ہوگا۔ (بیھقی، سندحسن ہے، مرعاۃ المفاتیح: 390/2) ......دراصل اس مسئلے میں تین موقف ہیں کہ امام کے ساتھ پڑھی ہوئی رکعات تمہاری نماز کا ابتدائی حصہ ہوں گی یا آخری۔ چنانچہ (1) احناف اسے آخری حصہ شمار کرتے ہیں اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اُٹھ کر اپنی نماز کے ابتدائی حصے کی قضائی دیتے ہیں۔ (2) امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک امام کے ساتھ پڑھی ہوئی رکعتیں ابتدائی شمار ہوں گی اور بعد میں نماز کا باقی ماندہ آخری حصہ پورا کیا جائے گا، اس مسئلے کے متعلق کافی بحث پیچھے روایت: 148 میں گزر چکی ہے ......اس دوسرے موقف کے راجح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تکبیر تحریمہ نماز کی پہلی رکعت کے ساتھ مشروع ہے، لہٰذا جب آدمی امام کے ساتھ کسی بھی رکعت میں ملتا ہے تو اسے تکبیر تحریمہ تو کہنا ہی پڑے گی، اس لیے اس کے بعد وہ رکعت بھی پہلی ہی پڑھے گا، یہ استدلال امام ابن منذر رحمہ اللہ کا ہے، اسی طرح ایک دلیل یہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ ادا کی ہوئی نماز، آخری حصہ ہوتی اور بعد میں نماز کا ابتدائی حصہ قضا کرنا ہوتا تو پھر دوبارہ تشہد نہ پڑھا جاتا کیونکہ مقتدی امام کے ساتھ آخری تشہد تو پڑھ چکا ہوتا ہے۔ (3) تیسرا موقف امام مالک رحمہ اللہ کا ہے کہ امام کے ساتھ والی نماز افعال کے لحاظ سے تو ابتدائی حصہ ہے اور اقوال کے لحاظ سے آخری حصہ ہے۔ یہ موقف دوسرے موقف کے قریب قریب ہے اور غالباً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی کے قائل تھے۔ واللہ اعلم

[179] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ أَنَّهُ قَالَ : كُنْتُ أُصَلِّي إِلَى جَانِبِ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ فَيَغْمِزُنِي فَأَفْتَحُ عَلَيْهِ وَنَحْنُ نُصَلِّي .

یزید بن رومان رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ وہ نافع رحمہ اللہ بن جبیر بن مطعم کی ایک جانب نماز پڑھتے تھے، وہ (نافع رحمہ اللہ) مجھے اشارہ کر دیتے تو میں ان کو لقمہ دے دیتا (جہاں بھول جاتے میں بتا دیتا) اور ہم دونوں (اس وقت) نماز میں ہوتے تھے۔

[179] (مقطوع صحیح) ابن ابی شیبۃ: 418/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح کہا ہے۔

فائدہ: ......یعنی اپنی اپنی الگ الگ نمازیں پڑھ رہے ہوتے تھے لیکن جب نافع رحمہ اللہ کہیں بھول جاتے یا اُن کو مشابہ پڑ جاتا تو اپنے پاس کھڑے یزید بن رومان رحمہ اللہ کو اشارے سے متوجہ کرتے اور وہ ان کو بھولی ہوئی آیت بتا دیتے، معلوم ہوا کہ جب امام کے علاوہ شخص کو لقمہ دیا جا سکتا ہے تو امام کو بِـالْاَوْلٰی لقمہ دینا جائز ہے، جبکہ احناف اپنے امام کو بھی لقمہ دینا ناپسند جانتے ہیں، البتہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے ہاں امام کی بھول پر لقمہ دینا درست ہے۔

7- بَابٌ: اَلْقِرَاءَةُ فِی الصُّبْحِ

نمازِ فجر میں قراءت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے چار (4) روایات ذکر کی ہیں، چاروں روایات موقوف یعنی اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، دو (2) روایات صحیح، ایک روایت صحیح لغیرہ اور ایک حسن درجہ کی ہے۔

[180] حَـدَّثَـنِی یَحْیَی عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِیهِ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّیقَ صَلَّی الـصُّبْـحَ فَقَرَأَ فِیهَا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِی الرَّكْعَتَیْنِ كِلْتَیْهِمَا.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ (اُن کے نانا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (ایک دفعہ) صبح کی نماز پڑھائی تو اس کی دونوں رکعتوں میں (پوری) سورۂ بقرہ کی قراءت کی۔

فائدہ: ......حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد اُن سے کہا گیا کہ قریب تھا کہ سورج نکل آتا تو وہ فرمانے لگے کہ اگر سورج نکل آتا تو ہمیں غافل نہ پاتا (زرقانی) زیادہ لمبی قراءت کی اجازت صرف اُس وقت ہے جب مقتدی راضی ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: وَاقْتَـدِ بِـأَضْـعَفِهِمْ ''اور تو اُن (مقتدیوں) میں سے سب سے کمزور (کا لحاظ کر کے نماز کو لمبا کر اور اس) کی اقتدا کر۔'' (ابوداود: 531، نسائی: 673۔ اس کی سند صحیح ہے) یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازِ فجر میں نسبتاً لمبی قراءت کی جائے اور اسے اندھیرے میں شروع کرنا دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں عام معمول تھا۔

[181] وَحَـدَّثَـنِـی عَـنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِیهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ

عروہ رحمہ اللہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رحمہ اللہ کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے حضرت عمر

[180] (موقوف صحیح لغیرہ) عبدالرزاق: 2711، ابن ابی شیبۃ: 3545، الشافعی فی المسند: ص 215، بیہقی: 389/2، شرح معانی الاثار: 182/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔

[181] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2715، ابن ابی شیبۃ: 3548، بیہقی: 389/2 (4017)، طحاوی: 180/1، الشافعی فی المسند: 205/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

رَبِيعَةَ يَقُولُ : صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيهَا بِسُورَةِ يُوسُفَ وَسُورَةِ الْحَجِّ قِرَاءَةً بَطِيئَةً فَقُلْتُ : وَاللهِ إِذَنْ لَقَدْ كَانَ يَقُومُ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ ، قَالَ : أَجَلْ .

بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی تو انھوں نے اس میں سورۂ یوسف اور سورۂ حج کی ٹھہر ٹھہر کر (ترتیل کے ساتھ) قراءت کی، (عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! پھر تو یقیناً لوگ اُسی وقت (نماز کے لیے) کھڑے ہوگئے ہوں گے جب فجر (صبح صادق) طلوع ہوئی ہوگی تو انھوں (عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ) نے فرمایا: ہاں۔

فائدہ :......سورۂ یوسف تقریباً پون پارے کے برابر ہے، جبکہ سورۂ حج نصف پارے کے برابر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت والی روایت میں ہے: رُبَّمَا قَرَأَ بِسُورَةِ يُوْسُفَ اَوِ النَّحْلِ اَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى ''وہ بسا اوقات (فجر کی) پہلی رکعت میں سورۂ یوسف یا سورۂ نحل یا ان کے برابر کوئی اور سورت پڑھا کرتے تھے۔(بخاری: 3700) اور یہ بھی تبھی ممکن ہے جب اندھیرے میں نماز شروع کی جائے۔

[182] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَرَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَنَّ الْفُرَافِصَةَ بْنَ عُمَيْرٍ الْحَنَفِي قَالَ : مَا أَخَذْتُ سُورَةَ يُوسُفَ إِلَّا مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ إِيَّاهَا فِي الصُّبْحِ مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يُرَدِّدُهَا لَنَا .

قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ فرافصہ بن عمیر حنفی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے تو سورۂ یوسف صرف اور صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قراءت (سن سن کر محض سننے ہی) سے یاد کرلی، (کیونکہ) وہ نمازِ فجر میں کثرت سے اور بار بار اسے پڑھ کر ہماری جماعت کراتے تھے۔

فائدہ :......خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنے مقتدیوں کا شوق ذوق اور رغبت دیکھ کر ہی اتنی لمبی قراءت کرتے تھے، کاش! آج پھر اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو ایسا ہی شوق نصیب فرما دے، بہرحال ہر امام کو اپنے مقتدیوں کی حالت دیکھ کر تخفیف سے نماز پڑھانی چاہیے، لیکن تخفیف کا یہ مطلب بھی نہیں کہ نماز میں چوری شروع کردی جائے اور کوے کی طرح ٹھونگیں ماری جائیں، بلکہ ہر رکن میں طمانیت اختیار کرنا بھی فرض اور رُکنِ نماز ہے، جیسا کہ مُسِیءُ الصَّلَاۃ یعنی حضرت خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنھوں نے مسجد نبوی میں تین بار نماز پڑھی اور تینوں دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مسترد کردیا اور فرمایا: اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ''لوٹ جا، پھر نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز پڑھی ہی نہیں۔'' (بخاری: 757، مسلم: 397) وہ دراصل نماز کے ارکان میں اطمینان واعتدال اور ٹھہراؤ اختیار نہیں کر رہے تھے اور

[182] (موقوف حسن) بیهقی : 389/2 (4018) شرح معانی الآثار : 182/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے حسن کہا ہے۔

جب اُس نے اپنی اصلاح کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے نماز کے ہر رکن میں بار بار اطمینان کا نام لے کر اُسے نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

[183] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ فِي السَّفَرِ بِالْعَشْرِ السُّوَرِ الأُوَلِ مِنَ الْمُفَصَّلِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر کے دوران نمازِ فجر میں ''مُفَصَّل'' میں سے شروع والی دس سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے، وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک ایک سورت پڑھتے تھے۔''

فائدہ: ......''مُفَصَّل'' کی وضاحت پیچھے روایت: 171 کے فائدہ میں گزر چکی ہے...... رسول اللہ ﷺ سے مختلف نمازوں میں مختلف سورتوں کی قراءت ثابت ہے، مثلاً:

(1) نماز فجر میں آپ ﷺ عموماً ساٹھ سے سو آیات تک تلاوت فرماتے تھے۔ (بخاری:541، مسلم: 647) سورہ ق (مسلم: 458)، سورۂ تکویر ''اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ'' (مسلم: 456)، سورۂ مومنون کے پہلے تین رکوع (مسلم: 455)، سورۂ روم (نسائی: 948۔ اس کی سند حسن ہے)، جمعہ کے دن سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر (بخاری:891، مسلم: 880)، سورۂ طور (بخاری: 1619، مسلم: 1276)، سورۂ فلق اور سورۂ ناس (ابوداؤد: 1462، نسائی: 953۔ اس کی سند صحیح ہے) اور دونوں رکعتوں میں سورۂ زلزال (ابوداود: 816۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز طِوَال مُفَصل یعنی سورہ حجرات سے سورۂ بُروج تک (نسائی: 983۔ اس کی سند حسن ہے)۔

(2) ظہر: سورۂ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى (مسلم: 459)، سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (مسلم: 460) پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ (نسائی: 973)، سورۂ بروج، سورۂ طارق اور ان جیسی سورتیں (ترمذی: 307۔ اس کی سند حسن صحیح ہے)، سورۂ لقمان، سورۂ ذاریات (نسائی: 972، ابن ماجہ: 830)۔

(3) عصر: سورۂ لیل (مسلم: 459) سورۂ بروج، سورۂ طارق اور ان جیسی سورتیں (ترمذی: 307۔ سند حسن صحیح ہے)

(4) مغرب: سورۂ مرسلات (بخاری: 763، مسلم: 462) سورۂ طُور (بخاری: 765، مسلم: 463)، سورۂ اعراف (نسائی: 992، بخاری: 764)، قِصارِ مُفَصَّل سورۂ بینہ سے سورۂ ناس تک (نسائی: 983۔ اس کی سند حسن ہے)۔

(5) عشاء: پہلی رکعت میں سورۂ وَالتِّيْنِ (بخاری: 767، مسلم: 464)، سورۂ انشقاق: اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ (بخاری: 766، مسلم:578)، سورۂ شمس (ترمذی: 309، نسائی: 1000۔ اس کی سند حسن ہے)، اَوْسَاطِ مُفَصّل سورۂ بروج سے سورۂ بَيِّنه تک (نسائی: 983۔ اس کی سند حسن ہے)، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نمازِ عشاء میں مندرجہ

[183] (موقوف صحیح) عبدالرزاق : 2723۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

ذیل سورتیں پڑھنے کا حکم فرمایا: سورۂ اعلیٰ، سورۂ شمس، سورۂ لیل (بخاری: 705,6106، مسلم: 465)، سورۂ ضحیٰ (مسلم: 465)، سورہ علق (ابن ماجه: 836)

8- بَابُ مَاجَاءَ فِي اُمِّ الْقُرْاٰنِ

سورۂ فاتحہ کے متعلق آنے والی روایات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے دو (2) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک مرفوع یعنی حدیث پیغمبر ﷺ ہے اور دوسری موقوف یعنی قول صحابی رضی اللہ عنہ ہے۔ ایک روایت صحیح اور دوسری صحیح لغیرہ کا درجہ رکھتی ہے۔

[184] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ مَوْلَى عَامِرِ بْنِ كُرَيْزٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَادَى أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَهُوَ يُصَلِّي فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ لَحِقَهُ فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَهُ عَلَى يَدِهِ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَخْرُجَ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ: ((إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ لَا تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى تَعْلَمَ سُورَةً مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الإِنْجِيلِ وَلَا فِي الْقُرْآنِ مِثْلَهَا)). قَالَ أُبَيٌّ: فَجَعَلْتُ أُبْطِئُ فِي الْمَشْيِ رَجَاءَ ذَلِكَ ثُمَّ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ السُّورَةَ الَّتِي وَعَدْتَنِي. قَالَ: ((كَيْفَ تَقْرَأُ إِذَا افْتَتَحْتَ الصَّلَاةَ)). قَالَ: فَقَرَأْتُ (الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) حَتَّى أَتَيْتُ عَلَى آخِرِهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هِيَ هَذِهِ السُّورَةُ وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُعْطِيتُ)).

ابوسعید رحمہ اللہ جو کہ عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دی، وہ نماز پڑھ رہے تھے، پھر جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھ آ ملے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اُن کے ہاتھ پر رکھا، اور آپ ﷺ مسجد سے باہر نکلنے کا ارادہ فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً میں امید رکھتا ہوں کہ تم مسجد سے باہر نہ نکلو گے یہاں تک کہ تم ایک ایسی سورت کا علم حاصل کرلو گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جیسی کوئی سورت نہ تورات میں نازل فرمائی، نہ انجیل میں اور نہ ہی قرآن میں۔'' حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس (حصولِ علم) کی امید کی بنا پر چلنے میں سستی کرنے لگا، (آہستہ آہستہ چلنے لگا کہ کہیں تیز چلنے کی وجہ سے مسجد سے جلدی باہر نہ نکل جاؤں اور رسول اللہ ﷺ کہیں بھول نہ جائیں،) پھر (آخر کار) میں نے (جب دیکھا کہ آپ ﷺ باہر نکلنے ہی والے ہیں تو میں نے) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ سورت جس (کے بتانے) کا آپ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا تھا (مجھے بتا دیجیے)،

[184] (صحیح لغیرہ) حاکم: 557/1، بیہقی: 375/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح اور علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ نیز دیکھیے ترمذی: 3124، 3125.

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم نماز شروع کرتے ہو تو کس طرح پڑھتے ہو؟'' حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو سورۂ فاتحہ سنانا شروع کردی، یہاں تک کہ میں اُس کے اخیر تک پہنچ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ یہی سورت ہے اور یہی وہ سَبْع مَثَانِی (بار بار دہرائی جانے والی سات آیات) اور وہ قرآن عظیم ہے جو میں عطا کیا گیا ہوں۔''

فائدہ: ...... رسول اللہ ﷺ دراصل مندرجہ ذیل آیت مبارکہ کی طرف اشارہ فرما رہے تھے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (الحجر 15:87) ''اور یقیناً ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم عطا کیا ہے'' ......اس آیتِ مبارکہ میں سورۂ فاتحہ کے دو نام مذکور ہیں: (1) سبع مثانی۔ ''سبع'' سات کو کہتے ہیں اور ''مثانی'' سے مراد بار بار دہرائی جانے والی چیز ہے اور چونکہ سورۂ فاتحہ سات آیات پر مشتمل ہے اور ہر نماز کی ہر رکعت میں بلکہ اس کے علاوہ بھی بار بار پڑھی جاتی ہے اس لیے اس کا یہ نام رکھ دیا گیا۔ (2) قرآنِ عظیم بھی سورۂ فاتحہ کا نام ہے۔ کل بول کر جزو مراد ہے، سورۂ فاتحہ ہے تو قرآن مجید کا ایک حصہ اور جزو، لیکن اتنا اہم حصہ ہے کہ پورے قرآن مجید کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے، گویا کوزے میں سمندر بند ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے تمام آسمانی کتابوں اور الٰہی پیغامات میں سے افضل ترین قرار دیا ہے ......اس مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے تعلیم و تربیت اور وعظ و تدریس میں زبردست تاثیر کا حامل طریقہ اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ اصل مقصود بتانے سے قبل اس کا تمہیدی الفاظ میں تذکرہ کیا جائے، قبل از وضاحت اس کی اہمیت باور کرائی جائے، سوالیہ انداز اختیار کیا جائے، شاگردوں اور سامعین سے جواب طلب کیا جائے اور اُن کو ایسے اشارے دیے جائیں جن سے وہ صحیح جواب جان جائیں، یہ تمام انداز اور اسلوب تجسس اور شوق بڑھانے والے ہیں، نیز اس سے اصل مقصود خوب پختگی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے......اسی طرح کا واقعہ حضرت ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا، (بخاری: 4474) غور کیجیے، یہ دونوں صحابی (اُبی اور ابوسعید رضی اللہ عنہما) نماز میں مصروف تھے، جب آقا علیہ السلام کا حکم ہوا تو وہ نفلی عبادت میں مصروف رہے، پھر جب آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا: اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ (الانفال 8:24) ''تم اللہ اور اس کے رسول (کی بات) کو قبول کرو (فوراً جواب دو) جب وہ تمھیں بلائیں۔'' چنانچہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا کہ میں آئندہ ایسی تاخیر نہیں کروں گا۔ (زرقانی) پھر آقا علیہ السلام نے مانوسیت بڑھانے، محبت میں اضافہ کرنے اور کچھ دیر پہلے ہونے والی کوتاہی کا غم اور خوف ہلکا کرنے کے لیے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُنھیں سورۂ فاتحہ کی عظمتِ شان سے متعارف کرایا۔

[185] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِی نُعَیْمٍ ابونعیم وہب بن کیسان رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے

[185] (موقوف صحیح) جامع الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی ترك القراء ة خلف الامام اذا جھر، حدیث: 313، بیھقی: 160/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا وَرَاءَ الإِمَامِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے کوئی رکعت اس طرح ادا کی کہ اس میں اس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز ہی نہیں پڑھی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

فائدہ :......حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بالکل صحیح سند سے ثابت ہے، وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے قائل نہ تھے، البتہ مقتدی کے علاوہ ہر کسی کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کو رُکن سمجھتے تھے۔ نماز میں قراءت کے متعلق فقہاء کا اختلاف کئی پہلوؤں پر مشتمل ہے جن کی نوعیت الگ الگ ہے، اگر ان تمام کی جدا جدا حیثیت ذہن میں رکھ کر اس مسئلے پر روشنی ڈالی جائے تو آسانی سے یہ مسئلہ واضح اور ذہن نشین ہو جاتا ہے، اس لیے ہم آگے آنے والے دو ابواب کے بعد ذرا تفصیل سے اسے بیان کریں گے ان شاء اللہ...... یاد رہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی بھی مقتدی کسی بھی نماز میں کوئی بھی قراءت نہیں کرے گا، خواہ نماز سِرّی (ظہر وعصر کی) ہو یا جہری (فجر، مغرب، عشاء، جمعہ، عید وغیرہ کی) ہو......امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف جہری نماز میں مقتدی کوئی قراءت نہیں کرے گا البتہ سِرّی نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے گا...... اور امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک مقتدی پر بھی ہر نماز کی ہر رکعت میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، جہری نمازوں میں صرف فاتحہ اور سِرّی نماز میں کچھ اور بھی پڑھ سکتا ہے جیسا کہ پیچھے روایت: 171 کے فائدے میں بیان ہوا ہے۔

9- بَابٌ: اَلْقِرَاءَةُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيمَا لَا يَجْهَرُ فِيهِ بِالْقِرَاءَةِ

امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ کی) قراءت کرنے کا بیان، اس نماز میں کہ جس میں امام بلند آواز سے قراءت نہیں کرتا

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے چار (4) روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں سے ایک مرفوع یعنی حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور تین (3) مقطوع یعنی فتاویٰ تابعین رحمہم اللہ ہیں۔ تمام روایات صحیح ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :......یعنی سِرّی نمازوں (ظہر وعصر) میں ''فاتحہ خلف الامام'' کا ثبوت۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب اور آئندہ آنے والے باب کے عنوانات میں اپنا موقف پیش کیا ہے، انھوں نے اس مسئلے میں وارد ہونے والی مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہوئے ایسا کیا ہے۔ چنانچہ جن روایات میں امام کے پیچھے قراءت کرنے کا تذکرہ ہے اُن سے امام مالک رحمہ اللہ نے سِرّی نمازیں مراد لی ہیں اور جن میں ممانعت کا ذکر ہے اُن سے جہری نمازیں مراد لی ہیں ...... یہ الگ بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں عموم ہے اور یہ تطبیق وہاں مناسب حال نہیں رہتی اور جن اقوالِ تابعین سے انھوں نے دلیل پکڑی ہے، آپ دیکھیں گے کہ اُن میں بھی فاتحہ کا نام ہی نہیں ہے۔

[186] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْـنِ عَبْـدِ الـرَّحْـمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا السَّـائِبِ مَـوْلَـى هِشَـامِ بْـنِ زُهْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَـقُـولُ: ((مَـنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ هِيَ خِدَاجٌ هِيَ خِدَاجٌ غَيْـرُ تَمَامٍ)). قَـالَ: فَـقُـلْـتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ إِنِّي أَحْيَـانـاً أَكُونُ وَرَاءَ الإِمَامِ قَالَ: فَغَمَزَ ذِرَاعِي ثُـمَّ قَـالَ: اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ يَا فَارِسِيُّ فَإِنِّي سَـمِـعْـتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَـقُـولُ: قَالَ اللّٰهُ تَبَـارَكَ وَتَـعَـالَى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْـدِي نِـصْفَيْنِ فَنِصْفُهَا لِي وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي وَلِـعَبْـدِي مَا سَأَلَ . قَـالَ رَسُـولُ اللّٰـهِ ﷺ: ((اقْـرَؤُوا، يَـقُـولُ الْعَبْدُ: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْـعَـالَـمِـيـنَ﴾ يَـقُـولُ الـلّٰـهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: حَـمِـدَنِي عَبْدِي، وَيَقُولُ الْعَبْدُ: ﴿الرَّحْمَنِ الـرَّحِيـمِ﴾ يَـقُـولُ الـلّٰـهُ: أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي وَيَـقُـولُ الْـعَـبْـدُ: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ يَقُولُ اللّٰهُ: مَجَّدَنِي عَبْدِي يَقُولُ الْعَبْدُ: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ فَهَذِهِ الآيَةُ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِـعَبْـدِي مَـا سَـأَلَ يَـقُـولُ الْـعَبْدُ: ﴿اهْدِنَا الـصِّـرَاطَ الْـمُسْتَـقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس کسی نے کوئی ایسی نماز پڑھی جس میں اُس نے سورۂ فاتحہ کی قراءت نہ کی تو وہ ناقص ہے، وہ ناتمام ہے، وہ نامکمل ہے۔'' وہ (ابوسائب عبداللہ بن سائب رحمہ اللہ جو ہشام بن زُہرہ کے آزاد کردہ غلام اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے ابوہریرہ! بے شک میں بعض اوقات امام کے پیچھے ہوتا ہوں (تو اس وقت کیا کروں؟) تو انھوں نے میرے بازو کو دبایا، پھر کہنے لگے کہ اے فارس کے رہنے والے! تو اُسے اپنے نفس میں پڑھ (یعنی آہستہ آواز سے پڑھ)، کیونکہ بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے نماز کو اپنے درمیان اور اپنے بندے کے درمیان میں تقسیم کرلیا ہے، چنانچہ اس کا نصف حصہ میرے لیے ہے اور نصف حصہ میرے بندے کے لیے ہے، اور (اِس نماز میں) جو اُس نے (مجھ سے) مانگا وہ میرے بندے کے لیے (میری طرف سے عطا ہوچکا) ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے (اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے) فرمایا: ''(سورۂ فاتحہ کو) پڑھا کرو (کیونکہ اسی سورت کا نام اللہ نے ''نماز'' رکھا ہے، اور اللہ کے ساتھ بندے کی تقسیم اسی سورت میں ہوتی ہے کہ اس کا پہلا حصہ اللہ کی حمد وثنا پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ بندے کی دعا والتجا پر مشتمل ہے، تو

[186] صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، حديث: 395، سنن ابى داود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة فى صلاته بفاتحة الكتاب، حديث: 821، ترمذی: 2953، نسائی: 910، ابن ماجه: 838، مسند احمد: 241/2.

عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ فَهَؤُلَاءِ لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ)). جب بندہ کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (ہر قسم کی الوہیت والی تعریف (حمد) تمام جہانوں کے پالنے والے اللہ ہی کے لیے خاص ہے) تو اللہ (تعالیٰ بندے کو جواب دیتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے، (پھر) بندہ کہتا ہے: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (وہ بے حد مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے) تو اللہ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری ثنا بیان کی ہے، (پھر) بندہ کہتا ہے: مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ (وہ بدلے کے دن کا مالک ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری بزرگی (وعظمت اور شان) بیان کی ہے، (پھر) بندہ کہتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (خاص تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں) تو اللہ فرماتے ہیں کہ یہ (آیت) میرے اور میرے بندے کے درمیان (ایک معاہدہ بھی ہے اور اسی میں تقسیم بھی شروع ہوگئی) ہے (کہ میری شان بیان کرتے کرتے اب اُس نے مجھ سے مانگنا شروع کر دیا ہے) اور میرے بندے کے لیے وہ (سب کچھ عطا ہو گیا) ہے جو اُس نے مانگا، (پھر) بندہ کہتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور اس پر مضبوطی عطا فرما، (یعنی) اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا (جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ ہیں) نہ اُن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ وہ گمراہ ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:) یہ کلمات میرے بندے کے لیے ہیں اور میرے بندے کے لیے وہ سب کچھ (پکا ہو گیا اور میری طرف سے عطا ہو گیا) ہے جو اس نے مانگا ہے۔''

فائدہ :......اس حدیث مبارکہ میں ''مَنْ'' اور ''صَلَاةً'' کے الفاظ عام ہیں، چنانچہ امام ومقتدی، مسافر ومقیم، مرد وعورت اور منفرد سب کے سب ان میں شامل ہیں اور سرّی و جہری اور فرض ونفلی تمام نمازیں بھی ان میں شامل ہیں...... ''خِدَاجٌ'' ناقص وادھورا ہونے کو کہتے ہیں، دراصل یہ مصدر ہے اور اونٹنی کا حمل ساقط ہو جانے پر بولا جاتا ہے اور جو حمل ساقط ہو جائے وہ کسی کام کا نہیں ہوتا بلکہ اونٹنی نے جو اتنی تکلیف ومشقت برداشت کی ہوتی ہے وہ بھی بے کار چلی جاتی ہے، بالکل اسی طرح جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ ہوگی وہ بھی ایسی فاسد ہوگی کہ فاسد اور باطل قرار پائے گی، چنانچہ مناوی، عزیزی، زمخشری، خطاب، جزری اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہی مفہوم ذکر کیا ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح: 3/ 111، 112) احناف اس سے صرف ناقص ہونا تو مراد لیتے ہیں لیکن نماز کو باطل نہیں کہتے جبکہ دارقطنی، ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ یہ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے: لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ لَا یُقْرَأُ فِیهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ''وہ نماز کفایت ہی نہیں کرے گی جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔'' اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی ''کتاب القراءۃ'' میں یہی الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ذکر کیے ہیں۔

یہ حدیث مبارکہ نماز کی شان بیان کر رہی ہے کہ شہنشاہ کائنات سے گفتگو کا شرف ہر نمازی کو نصیب ہو جاتا ہے اور

خصوصاً سورۂ فاتحہ کی عظمت وفضیلت بھی عیاں ہو رہی ہے کہ اسی کو پڑھ کر اللہ سے سرگوشی اور شرفِ مناجات نصیب ہوتا ہے اور اس سورت کا نام ہی نماز رکھ دیا گیا ہے۔خوش قسمت ہیں وہ جو ہر روز بار بار یہ سعادت حاصل کرتے ہیں......اس حدیث مبارکہ کے الفاظ چونکہ عام ہیں جو جہری و سرّی ہر نماز پر مشتمل ہیں اس لیے امام مالک رحمہ اللہ کا اسے صرف سرّی نمازوں کے ساتھ خاص کرنا بلا دلیل اور نا قابل قبول ہے......اس حدیث سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ '' سورۂ فاتحہ کا حصہ نہیں ہے، حالانکہ یہ حدیث تو زیادہ سے زیادہ صرف یہ بتاتی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے کون کون سے الفاظ کے بدلے میں اللہ تعالیٰ بندے سے خطاب کرتے ہیں، اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ جس آیت کے بعد اللہ نے جواب نہیں دیا اُسے آیت ہی نہ شمار کیا جائے......اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمہ اللہ موطا امام مالک رحمہ اللہ کے حاشیہ (نمبر 1، درسی نسخہ، ص 67) میں لکھتے ہیں کہ ''لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ احناف بغیر فاتحہ کے نماز کے جائز ہونے کے قائل ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے، احناف نے کبھی بھی بغیر فاتحہ کے نماز کے جائز ہونے کی بات نہیں کی، اللہ بھلا کرے احناف کا، وہ تو صرف اور صرف وہی کہتے ہیں جو حدیث میں آیا ہے کہ ایسی نماز ناقص ہے، عیب ونقص والی ہے، جسے دوبارہ پڑھنا واجب ہے......'' (اگر واقعی یہی بات ہے تو پھر الفاظ میں الجھنے کا کیا فائدہ؟)

[187] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ فِيمَا لَا يَجْهَرُ فِيهِ الإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے باپ عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ امام کے پیچھے اس نماز میں قراءت کر لیتے تھے جس میں امام بآوازِ بلند قراءت نہیں کرتا تھا (یعنی سرّی نمازوں میں)۔

[188] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَعَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِی عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ كَانَ يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ فِيمَا لَا يَجْهَرُ فِيهِ الإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق امام کے پیچھے اس نماز میں قراءت کرتے تھے جس میں امام بلند آواز سے قراءت نہیں کرتا تھا۔

[189] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ

نافع بن جبیر بن مطعم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً وہ امام

---

[187] (مقطوع صحيح) ابن ابی شيبة: 329/1، بيهقی: 171/2۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

[188] (مقطوع صحيح) اس کی سند صحیح ہے۔

[189] (مقطوع صحيح) ابن ابی شيبة: 329/1۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

رُومَانَ : أَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ كَانَ يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ فِيمَا لَا يَجْهَرُ فِيهِ بِالْقِرَاءَةِ.

کے پیچھے اس نماز میں قراءت کرتے تھے جس میں امام جہراً قراءت نہیں کرتا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ : وَذَلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی قول مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اُن تمام اقوال اور روایات میں سے جو میں نے اس مسئلے میں سنے ہیں۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ نے چند تابعین کرام رحمہم اللہ کے مذکورہ بالا اقوال اور عمل سے سورۂ فاتحہ کی قراءت مراد لی ہے، حالانکہ ان تینوں میں سے کسی بھی روایت میں سورۂ فاتحہ کا نام نہیں ہے، قراءت کا لفظ عام ہے جو فاتحہ کی قراءت پر بھی بولا جاسکتا ہے اور مَا فَوْقَ الفاتحہ یعنی سورۂ فاتحہ سے زائد تلاوت پر بھی یہ لفظ بولا جاسکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مقدسہ کو ملحوظ رکھ کر ہم ان مذکورہ روایات سے یہ مفہوم مراد لیں گے کہ یہ تابعین کرام رحمہم اللہ فاتحہ تو ہر نماز میں پڑھتے تھے کیونکہ اس کے بغیر تو کسی کی کوئی رکعت ہوتی ہی نہیں، البتہ سِرّی نمازوں میں وہ سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت بھی کرلیا کرتے تھے۔

10- بَابٌ: تَرْكُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْمَا جَهَرَ فِيْهِ

امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ کی) قراءت نہ کرنے کا بیان، اس نماز میں جس میں امام جہری قراءت کرے

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے دو (2) روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں سے ایک مرفوع یعنی حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری روایت موقوف یعنی قول صحابی رضی اللہ عنہ ہے۔ دونوں روایات صحیح ہیں۔ نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔

[190] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا سُئِلَ : هَلْ يَقْرَأُ أَحَدٌ خَلْفَ الإِمَامِ ؟ قَالَ : إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الإِمَامِ وَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ. قَالَ : وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب یہ سوال کیا جاتا کہ کیا کوئی شخص امام کے پیچھے قراءت کرسکتا ہے؟ تو وہ کہتے کہ جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قراءت ہی کافی ہے، البتہ جب وہ اکیلا نماز پڑھے تو پھر اسے قراءت کرلینا چاہیے۔ نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔

---

[190] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 139/2، بیھقی : 161/2۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : الأَمْرُ عِنْدَنَا أَنْ يَقْرَأَ الرَّجُلُ وَرَاءَ الإِمَامِ فِيمَا لَا يَجْهَرُ فِيهِ الإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ، وَيَتْرُكُ الْقِرَاءَةَ فِيمَا يَجْهَرُ فِيهِ الإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہی حکم ہے کہ آدمی امام کے پیچھے اس نماز میں قراءت کرے جس میں امام بلند آواز سے قراءت نہیں کرتا (یعنی ظہر وعصر میں) اور وہ اس نماز میں قراءت کو ترک کردے جس میں امام جہری قراءت کرتا ہو۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے تو تطبیق دینے کے لیے یہ مفہوم نکال لیا ہے جبکہ اس روایت میں سرّی و جہری نماز کا کوئی فرق ذکر نہیں ہوا، نیز اگر اس قراءت سے مراد سورۂ فاتحہ کی قراءت ہو تو پھر یہ روایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کی دلیل بنتی ہے کیونکہ اس میں جہری و سرّی نمازوں کے فرق کی نہ کوئی دلیل ہے اور نہ کوئی اشارہ...... بہرحال فرامینِ نبویہ صحیحہ وصریحہ کی روشنی میں ہم تو یہی کہیں گے کہ اس طرح کی تمام روایات میں قراءت کا لفظ عام ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ جس قراءت کی نفی کر رہے ہیں وہ فاتحہ کی نہیں بلکہ "مَا فَوْقَ الْفَاتِحه" یعنی فاتحہ سے زائد قراءت کی نفی ہے۔

[191] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ أُكَيْمَةَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنْ صَلاةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ : ((هَلْ قَرَأَ مَعِي مِنْكُمْ أَحَدٌ آنِفاً)). فَقَالَ : رَجُلٌ نَعَمْ أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ : فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :((إِنِّي أَقُولُ مَا لِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ)). فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فِيمَا جَهَرَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالْقِرَاءَةِ حِينَ سَمِعُوا ذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دفعہ) ایک نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ ﷺ نے جہری قراءت کی تھی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ساتھ قراءت کی تھی؟" ایک آدمی نے عرض کیا کہ جی ہاں، اے اللہ کے رسول! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بے شک میں بھی کہوں (میں بھی دل میں سوچ رہا تھا) کہ مجھے کیا ہوگیا ہے کہ مجھ سے قرآن چھینا جا رہا ہے (تو وہ تمہاری قراءت تھی جو میرے لیے الجھاؤ اور پریشانی کا باعث بن رہی تھی)، چنانچہ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی تو وہ آپ کے ساتھ اُن نمازوں میں قراءت کرنے سے رُک گئے جن میں آپ جہری قراءت فرماتے تھے۔

---

[191] (صحيح) سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب من کره القراءة بفاتحة الكتاب اذا جهر الامام، حديث: 826، جامع الترمذی ، کتاب الصلاة ، باب ماجاء فی ترك القراءة خلف الامام اذا جهر الامام بالقراءة، حديث: 312، نسائی: 920، ابن ماجه: 848۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

فائدہ : ......امام مالک رحمہ اللہ نے اسی روایت سے جہری اور سرّی نمازوں کا فرق کیا ہے، احناف بھی بڑے زور وشور سے اس حدیث کو اپنی دلیل بناتے ہیں، حالانکہ یہ روایت تو ان کے خلاف پڑتی ہے، کیونکہ اس روایت سے صرف جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت نکلتی ہے جبکہ احناف جہری کے ساتھ ساتھ سرّی نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قراءت کے قائل نہیں ہیں ...... بہرحال یہ حدیث نہ تو امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل بن سکتی ہے اور نہ احناف کی، کیونکہ (1) پہلی بات یہ ہے کہ اس میں بھی لفظِ قراءت عام ہی استعمال ہوا ہے جبکہ ہمارا اُن کا اختلاف خاص چیز یعنی سورۂ فاتحہ میں ہے، خاص کے لیے خاص دلیل چاہیے، یہ دلیل تب بنتی جب اس میں یہ ہوتا کہ لوگ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے رک گئے، لہٰذا تمام روایات کو ملحوظ رکھ کر ہمیں یہ معنیٰ کرنا ہوں گے کہ لوگ سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت کرنے سے رُک گئے۔ (2) دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس سے سورۂ فاتحہ بھی مراد لے لی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسے جہراً پڑھنے پر تنبیہ کی اور ناراضی کا اظہار فرمایا اور وہ بھی صرف اس شخص پر جس نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ اونچی آواز میں پڑھا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قراءت کرنا بھاری ہوگیا تھا، باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخفی پڑھ رہے تھے اس لیے اُن کو نہیں روکا اور اس شخص کو بھی یہ حکم نہیں دیا کہ تم پڑھا ہی نہ کرو بلکہ صرف اونچی آواز سے پڑھنے کا نتیجہ ذکر فرمایا۔ (3) تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کے آخری الفاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قراءت سے رُک جانے کی دلیل پکڑی جاتی ہے، حالانکہ یہ الفاظ ''مدرج'' کلام ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ قطعاً نہیں ہیں جیسا کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت فرمادی ہے (ابوداؤد: 827)، اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''معرفۃُ السُّنَن'' میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ''جزء القراءۃ'' میں یہی واضح کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ کس طرح ہوسکتے ہیں؟ وہ تو خود امام کے پیچھے قراءت کرنے کے قائل تھے، اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''اَلسُّنَنُ الْکُبْرٰی'' (157/2۔ 159) میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''اَلتَّلْخِیص الْحَبِیر'' میں یہی بات ثابت کی ہے۔

بہرحال یہ الفاظ اگرچہ امام زُہری رحمہ اللہ کے ہیں، پھر بھی یہ احناف اور موالک کی دلیل نہیں بنتے، کیونکہ اس کلام میں مختلف احتمالات ہیں، مثلاً لوگ جہراً قراءت کرنے سے رُک گئے اور آہستہ آواز سے پڑھنے لگے، یا وہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ مزید قراءت کرنے سے رُک گئے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھنے سے رُک گئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقف کرتے تو وہ پڑھ لیتے ...... واللہ اعلم۔ اور یہ اصول ہے کہ ''اِذَا جَاءَ الاِحْتِمَالُ بَطَلَ الاِسْتِدْلَالُ'' ''جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہوجاتا ہے۔''

مسئلہ فاتحہ خلف الامام

نماز میں قراءت کے حوالے سے فقہائے کرام میں جو اختلاف ہے ہم اس میں سے چار مسائل کو زیادہ اہم سمجھتے

ہیں: (1) (سورۂ فاتحہ کی بحث کو چھیڑے بغیر) نماز میں قراءت کا حکم اور حیثیت، (2) نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کی حیثیت اور حکم، (3) امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قراءت کا حکم اور (4) امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ سے زائد (مَا فَوْقَ الْفَاتِحَه) کی قراءت کا حکم۔

(1) رہا پہلا مسئلہ کہ نماز میں قرآن مجید کی قراءت کا حکم کیا ہے؟ تو اتنی بات سب کے ہاں متفقہ ہے کہ نماز میں قراءت فرض اور رُکن ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کم از کم کتنی قراءت فرض ہے، چنانچہ جمہور کے نزدیک وہ کم از کم مقدار سورۂ فاتحہ ہے اور قدرت رکھنے کے باوجود جو اسے نہیں پڑھے گا اُس کی نماز باطل ہے، جبکہ احناف کے نزدیک کم از کم مقدار ایک آیت ہے (ہدایہ)، البتہ بعض احناف کے ہاں آیت لمبی ہو تو ایک ہی کافی ہے اور چھوٹی ہوں تو تین آیات کافی ہیں۔

(2) رہا دوسرا مسئلہ کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کی کیا حیثیت ہے؟ تو اس بارے میں جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث نماز میں قراءتِ فاتحہ کو فرض اور رُکنِ نماز قرار دیتے ہیں کہ جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور ان کی دلیل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (بخاری: 756، مسلم: 394)، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (مسلم: 395) اور مُسِیْء الصلاۃ حضرت خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ (ابنِ حبان / مواردُ الظمان: 484، مسند احمد: 100/1، ابوداود: 859) کی روایات ہیں، جبکہ احناف سورۂ فاتحہ کو فرض نہیں کہتے بلکہ واجب قرار دیتے ہیں اور اُن کے ہاں فرض اور واجب میں فرق ہے، چنانچہ ان کے اصول کے مطابق اگر نماز سے فرض چیز رہ جائے تو نماز نہیں ہوگی اور اگر کوئی واجب رہ جائے تو سجدۂ سہو سے اس کی کمی پوری ہوجائے گی (لیکن پیچھے حدیث: 186 کے فائدے میں مذکور کاندھلوی صاحب کے قول پر تعجب ہے کہ واجب کہنے کے باوجود نماز دہرانے کا حکم دیتے ہیں)۔

(3) تیسرا مسئلہ ''فاتحہ خلف الامام'' کا ہے، یاد رہے کہ گزشتہ دوسرے مسئلے میں بیان کردہ اختلاف امام اور منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والے) کے متعلق ہے کہ ان کے لیے سورۂ فاتحہ فرض یا واجب ہے، رہا امام کے پیچھے مقتدی کا فاتحہ پڑھنا تو اس میں تین مشہور اقوال ہیں، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں کسی بھی جہری و سِرّی نماز میں مقتدی کوئی بھی قراءت نہیں کرے گا، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ صرف سِرّی نمازوں میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور جہری نماز میں منع کرتے ہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے ہاں مقتدی پر بھی ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

(4) رہا چوتھا مسئلہ کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ تو امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی کے لیے ہر نماز میں یہ منع ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک سِرّی نمازوں میں جائز ہے۔

اہل حدیث کا دعویٰ اور دلائل

اہل حدیث کا دعوی یہ ہے کہ کسی کی کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی، ہمارا دعویٰ بھی عام ہے اور اس کی دلیل بھی عام ہے، چنانچہ کوئی امام ہو یا مقتدی یا منفرد، مسافر ہو یا مقیم، مرد ہو یا عورت اور اس کی نماز فرض ہو یا نفل، سرّی ہو یا جہری، دن کی ہو یا رات کی، کسی بھی نماز کی کوئی بھی رکعت بغیر فاتحہ کے نہ ہوگی، ہمارے اس دعویٰ میں کس قدر عموم اور جامعیت ہے، اس لیے ان لوگوں کی بات غلط ہے جو کہتے ہیں کہ اہل حدیث کا دعویٰ خاص ہے لیکن دلیل عام پیش کرتے ہیں، بہرحال ہمارے موقف کے اہم دلائل حسبِ ذیل ہیں:

(1) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے فاتحہ نہ پڑھی۔'' (بخاری: 756، مسلم: 394، ابوداؤد: 822، ترمذی: 247، نسائی: 911، ابن ماجہ: 837)

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو موطا امام مالک رحمہ اللہ میں پیچھے گزر چکی ہے (روایت: 186 نیز دیکھیے مسلم: 395، ابوداود 821، نسائی فی الکبری: 8012، احمد: 285/2، ابن خزیمہ: 489) اس روایت میں ہے کہ ابوسائب رحمہ اللہ کے سوال پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے فارس کے رہنے والے! تو اُسے (یعنی سورۂ فاتحہ کو امام کے پیچھے) اپنے نفس میں پڑھ (یعنی بغیر آواز نکالے آہستہ سے پڑھا کرو)......ان دونوں روایات میں ''مَــــنْ'' اور ''صَلَاةَ'' کے الفاظ عام ہیں۔

(3) جب ایک صحابی (حضرت خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ) کی مسجد نبوی میں تین بار پڑھی ہوئی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالعدم قرار دے دیا تو اُن کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقۂ نماز بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ''پھر تم قرآن مجید کا جو حصہ آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ لو۔'' (بخاری: 757، مسلم: 397) اور دوسری احادیث میں ان الفاظ کی وضاحت یوں موجود ہے: ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ وَبِمَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَقْرَا ''پھر تم سورۂ فاتحہ پڑھو اور جو اللہ چاہے وہ بھی پڑھو۔'' (ابوداود: 859۔ سند صحیح ہے) ایک روایت میں ہے: اِقْــرَأْ بِــأُمِّ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا شِئْتَ ''سورۂ فاتحہ پڑھو پھر جو چاہو پڑھو۔'' (ابن حبان/موارد الظمان 484، مسند احمد: 100/1۔ سند صحیح ہے) چونکہ وہ صحابی اکیلے نماز ادا کر رہے تھے، اس لیے ان کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور پڑھنے کا بھی حکم فرمایا، پھر ایک رکعت کا پورا طریقہ سکھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا ''پھر تم اپنی (باقی ساری کی) ساری نماز میں یہی (سب کچھ) کرو۔'' (بخاری: 757، مسلم: 397) معلوم ہوا کہ پوری نماز کی کسی ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ناکافی ہے بلکہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم ہے۔

(4) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم نمازِ فجر (جو کہ جہری قراءت والی نماز ہے)

میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے قراءت کی تو وہ آپ پر بوجھل ہوگئی، آپ نے نماز سے فارغ ہوکر پوچھا: ''لگتا ہے کہ تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟'' ہم نے کہا: جی ہاں، تو فرمایا: لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهٗ لَا صَلَاةَ لِمَنْ يَقْرَأْبِهَا ''ایسا نہ کیا کرو، سوائے سورۂ فاتحہ کے، کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا اُس کی کوئی نماز نہیں۔'' (ابوداود: 823، ترمذی: 311، حاکم: 238/1۔ امام ترمذی، دارقطنی، خطابی، ابن حجر، حاکم، بیہقی، ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمہم اللہ نے اس حدیث کو حسن یا صحیح قرار دیا ہے، احناف میں سے مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ نے " اَلسِّعَايَة " میں اسے قوی سند والی صحیح حدیث قرار دیا ہے، مرعاة المفاتیح: 162/3)

(5) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی۔'' (کتاب القراءة للبیہقی 56، امام بیہقی رحمہ اللہ نے نیز مولانا انور شاہ کشمیری حنفی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ فصل الخطاب: 147)

(6) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟'' لوگوں نے کہا کہ جی ہاں، اے اللہ کے رسول! یقیناً ہم اسے ذرا تیزی سے پڑھتے ہیں، تو فرمایا: فَلَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ ''تو پھر سورۂ فاتحہ کے سوا ایسا نہ کیا کرو۔'' (جزء القراءة للبخاری، کتاب القراءة للبیہقی، مرعاة المفاتیح: 164/3۔ اس کی سند حسن ہے)

(7) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اِقْرَأْ خَلْفَ الْإِمَامِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ''امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھا کر۔'' (کتاب القراءة للبیہقی: 77۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

(8) امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلے پر باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے: بَابُ وُجُوْبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَامُوْمِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيْهَا وَمَا يُخَافَتُ ''امام اور مقتدی کے لیے حضر و سفر کی سب جہری و سری نمازوں میں قراءت کے وجوب کا بیان'' (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب: 95، حدیث: 755 سے پہلے۔)

(9) حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے الفاظ یوں مروی ہے: لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ''وہ نماز کفایت ہی نہیں کرتی جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔'' (ابن حبان، ابن خزیمہ، دارقطنی، مرعاة المفاتیح: 104/3۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

(10) حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، انھوں نے نماز میں کسی کی چھینک کا جواب دے دیا اور کچھ اور گفتگو بھی کی تو جماعت سے فارغ ہوکر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ ، اِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ

''بے شک یہ جو نماز ہے اس میں لوگوں کی کوئی بھی گفتگو درست نہیں، یہ تو صرف اور صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن کی قراءت (کا مجموعہ) ہے۔'' (صحیح مسلم: 537) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کو جماعت کے دوران امام کے پیچھے قراءت کا بھی حکم دیا ہے، معلوم ہوا کہ مقتدی جس طرح تسبیح و تکبیر اپنے اپنے مقام پر کرتا ہے، اسی طرح وہ قراءت بھی ضرور کرے گا۔

احناف کے اہم دلائل کا محاکمہ

(الف) احناف سورۂ فاتحہ کی قراءت فرض نہ ہونے کے مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (المزمل 20:73) ''تو قرآن میں سے جتنا آسان ہو اُسے پڑھو۔'' احناف کہتے ہیں کہ اس آیت میں سورۂ فاتحہ کا نام نہیں ہے، لہٰذا کہیں سے بھی قرآن پڑھ لیا جائے تو کافی ہوگا...... حالانکہ قرآنِ مجید کا اسلوب اور ان الفاظ کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ یہ حکم نماز تہجد کے متعلق ہے کہ تم لمبی تہجد کی بجائے جتنی میسر ہو پڑھ لو، اور چونکہ نمازِ تہجد میں خصوصاً اور ہر نماز میں عموماً قراءت کی بڑی اہمیت ہے اس لیے نماز کی جگہ لفظ ہی قراءت کا بول دیا گیا اور جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے، جس طرح کہ بعض آیات میں رکوع بول کر نماز مراد لی گئی ہے، کہیں قیام اور کہیں سجدہ کے الفاظ بول کر پوری نماز مراد ہے مثلاً: ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ (البقرۃ: 43/2) ''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' اور ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ (البقرۃ: 238/2) ''اور اللہ کے حضور عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہو۔'' اور فرمایا: ﴿وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ (الحجر: 98/15) ''اور آپ سجدہ گزاروں میں سے ہو جائیے۔''

دوسری بات یہ کہ اگر اس آیت کا تعلق ہمارے مسئلہ سے ہو تو ہم کہیں گے کہ اس آیت میں عموم تھا جس کی تخصیص نبی کریم ﷺ کی احادیث سے ہوگئی ہے، نیز اگر اسے فاتحہ سے خاص نہ کریں گے تو پھر حفاظ و قرائے کرام جن کے لیے پورا قرآن پڑھنا آسان ہو تو اُن کو پھر نماز میں پورا قرآن پڑھنا ہوگا۔

(2) نبی کریم ﷺ نے مُسِیْءُ الصَّلَاۃ (نماز کو خراب کرنے والے) شخص کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''پھر تو قرآن کا وہ حصہ پڑھ جو تیرے لیے آسان ہو۔'' (بخاری: 757، مسلم: 397)...... احناف کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اُسے عام اجازت دی تھی، سورۂ فاتحہ کو خاص نہ کیا تھا، حالانکہ اگر اسے خاص نہ کریں گے تو حافظوں کے لیے سارا قرآن لازم ہو جائے گا، نیز پیچھے گزر چکا ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ (484)، مسند احمد: (100/1) اور ابو داود (859) کی روایات میں بڑی وضاحت سے سورۂ فاتحہ کا نام لے کر آپ ﷺ نے اُسے حکم فرمایا تھا۔

(3) احناف کہتے ہیں کہ لَا صَلَاۃَ میں لا نفی کمال کا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ نماز بغیر فاتحہ کے کامل نہیں ہوتی، ہو جاتی ہے لیکن ناقص رہتی ہے...... حالانکہ ابن حبان رحمہ اللہ، ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور دارقطنی رحمہ اللہ کی اسی روایت میں نہایت

وضاحت سے کہا گیا ہے کہ لَا تُـجْزِئُ صَلَاۃٌ ”(بغیر فاتحہ کے) نماز کفایت ہی نہیں کرے گی“......دوسری بات یہ ہے کہ بعض الفاظ کے حقیقی معنیٰ بھی ہوتے ہیں اور مجازی بھی، اور یہ اصول ہے کہ اگر حقیقی معنیٰ مراد لینا ممکن ہوں تو وہی لیے جائیں گے نہ کہ مجازی، اور پھر اگر مجازی معنیٰ بھی مختلف ہوں تو جو مجازی معنیٰ حقیقی معنیٰ کے زیادہ قریب ہوں انھی کو مراد لیا جائے گا نہ کہ بعید کو......”لا“ کے حقیقی معنیٰ یہ ہیں کہ یہ کسی چیز کی حقیقت اور وجود کی نفی بیان کرتا ہے اور مجازی معنی دو ہیں، ایک تو اس چیز کے صحیح ہونے کی نفی بیان کرنا اور دوسرے اس کے کامل ہونے کی نفی کرنا، چنانچہ اس حدیثِ مبارکہ کے حقیقی معنی یہ بنتے ہیں کہ جس نماز میں فاتحہ نہ ہو وہ بالکل باطل اور بے حقیقت ہوتی ہے اور اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اور چونکہ دوسری احادیث سے بھی یہی معنی نکلتے ہیں اس لیے یہی معنیٰ مراد لیے جائیں گے......اور اگر مجازی معنیٰ مراد لینا ہو تو حقیقی معنیٰ کے زیادہ قریب یہ مجازی معنیٰ ہیں کہ وہ نماز صحیح ہی نہیں ہوتی جس میں سورۂ فاتحہ نہ ہو، (مختصراً یوں کہیں گے کہ لا کے حقیقی معنیٰ ہیں ”نفی حقیقت“ کے اور اس کے قریب تر مجازی معنیٰ ”نفی صحت“ کے ہیں اور ”نفی کمال“ ذرا دور والے مجازی معنیٰ ہیں)۔

(4) فَهِيَ خِدَاجٌ کا احناف کے ہاں یہ مفہوم ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص اور نا تمام ہوتی ہے لیکن باطل نہیں ہوتی، جس طرح کہ جب اونٹنی کا حمل ساقط ہوتا ہے تو یہ ضائع ہونے والا بچہ ناقص تو ہوتا ہے لیکن اس کا وجود بھی تو ہوتا ہے، لہٰذا اسی طرح اگر سورۂ فاتحہ نہ ہو تو نماز کا وجود تو ہوگا لیکن ناقص ہوگا......حالانکہ پیچھے حدیث: 186 میں گزر چکا ہے کہ اس سے مراد ایسا نقص ہے جو چیز کو فاسد اور باطل کر دیتا ہے، نیز حمل ساقط ہونے سے مردہ بچہ بجائے کوئی فائدہ دینے کے کئی اور مصائب کا باعث بنتا ہے، مثلاً غم اور پریشانی علیحدہ ہوتی ہے، اونٹنی کی مشقت بے کار چلی جاتی ہے، اس مردہ بچے پر فخر کرنا تو درکنار، کوئی اُسے اپنے پاس رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اسی طرح فاتحہ سے خالی نماز نقصان در نقصان کا سبب بنتی ہے۔

(5) ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اِنِّـيْ لَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اٰخُذَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْئًا فَعَلِّمْنِيْ مَا يُجْزِئُنِيْ ”یقیناً میں قرآن مجید میں سے کچھ بھی یاد کرنے کی طاقت نہیں پاتا، لہٰذا آپ مجھے وہ چیز سکھا دیجیے جو مجھے کافی ہو جائے، تو آپ ﷺ نے اُسے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ وغیرہ سکھا دیے۔ (ابو داود: 832، نسائی: 925۔ اس کی سند حسن ہے) احناف کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر فاتحہ فرض ہوتی تو اس کی جگہ کوئی اور چیز کفایت نہ کرتی، نیز مُسِیْءُ الصَّلَاۃ والی روایت میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَاِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ وَاِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ”پھر اگر تو تجھے قرآن یاد ہو تو پڑھ ورنہ اللہ کی حمد، تکبیر اور تہلیل (لا الہ الا اللہ) بیان کر۔“ (ترمذی: 302۔ اس کی سند حسن ہے۔)......حالانکہ ان احادیث کا تعلق معذور افراد سے ہے جو سورۂ فاتحہ پڑھ ہی نہ سکتے ہوں اور یقیناً عذر کی بنا پر حکم تبدیل ہو جاتا ہے، جس طرح کہ فرض نمازوں میں قیام فرض ہے، جو شخص باوجود طاقت کے اس فرض کو ادا نہ کرے گا اس کی نماز باطل ہے لیکن معذور آدمی مستثنیٰ ہے۔ اور جس طرح کہ نماز کے لیے طہارت شرط ہے لیکن جس عورت کو استحاضہ یا لیکوریا کا مرض لاحق ہو یا جس شخص کو مسلسل ہوا خارج ہوتے رہنے یا پیشاب کے قطرات نکلتے

رہنے کا عذر ہو اُن کے لیے حکم کی نوعیت بدل جاتی ہے کہ وہ ایک دفعہ وضو کر کے رب کے دربار میں آ جائیں اُن کی حاضری قبول ہو جاتی ہے، اسی طرح وہ شخص جو نیا نیا مسلمان ہوا ہو یا بہت زیادہ بڑھاپے یا کمزوریٔ حفظ کی بنا پر کچھ بھی نہ تلاوت کر سکتا ہو تو اس کے لیے رب کے دربار میں حاضری کا یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ نماز میں سبحان اللہ وغیرہ پڑھتا رہے، لیکن نماز ترک نہ کرے، البتہ اس پر یہ لازم ہوگا کہ سورۂ فاتحہ کو یاد کرنے کی کوشش بھی جاری رکھے اور جب اُسے یہ سورت یاد ہو جائے گی پھر کوئی اور چیز اس کی جگہ کفایت نہیں کرے گی۔

(ب) امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کے متعلق احناف مندرجہ ذیل دلائل پر زیادہ زور دیتے ہیں:

(1) فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (الاعراف 204/7) ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے توجہ سے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' ...... پہلی بات یہ ہے کہ احناف اس آیت کو ناقابلِ عمل سمجھتے ہیں کیونکہ انھوں نے یہ اصول بنا رکھا ہے: إِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا ''جب دو آیات آپس میں متعارض ہو جائیں اور ایک دوسرے کے الٹ ہو جائیں تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں۔ (نور الانوار، از ملا جیون) اور پھر انھوں نے اس کی مثال کے طور پر دو آیات پیش کیں، ایک یہی مذکورہ بالا آیت اور دوسری سورۂ مزمل کی آیت: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (المزمل 20:73) (''پھر جتنا قرآن آسان ہو تم اُسے پڑھ لو'') پیش کرتے ہیں، اندازہ کیجیے کہ کس قدر جسارت اور دیدہ دلیری ہے کہ اللہ کی کتاب میں تعارض ڈھونڈ نکالا جو اہلِ مکہ کو بھی نہ مل سکا تھا اور یہ سب کچھ محض مسلکی تعصب اور دفاعِ حنفیت کی خاطر کیا جاتا ہے ...... دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کا جماعت میں قراءت نہ کرنے سے کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ جماعت تو مدینہ منورہ میں آنے کے بعد شروع ہوئی جبکہ سورۂ اعراف کی یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی اور یہ دراصل سورۂ حٰم السجدۃ کی آیت: 26 میں مذکور کفار کے اس قول اور سازش کے جواب میں اتری تھی، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ (حم السجدة 26:41) ''اور کافروں نے کہا کہ تم اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور ڈالو تا کہ تم غلبہ پاؤ۔'' تو اللہ نے فرمایا کہ تم کان لگا کر سنو، خاموش رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے، الفاظ پر غور کر لیجیے خود بخود مناسبت معلوم ہو جائے گی، انھوں نے کہا: نہ سنو، اللہ نے فرمایا: کان لگا کر سنو، انھوں نے کہا: شور مچاؤ، اللہ نے فرمایا: خاموش رہو، انھوں نے کہا تا کہ تم غلبہ پاؤ، اللہ نے فرمایا: تا کہ تم رحمت پاؤ ...... تیسری بات یہ کہ اگر اس کا تعلق امام کے پیچھے قراءت کرنے سے تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کا تعلق سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت کے ساتھ ہوگا، کیونکہ احادیث صحیحہ اس عموم میں تخصیص کر دیں گی اور سورۂ فاتحہ کو مستثنیٰ کیا جائے گا، بالکل اس طرح جیسے ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا﴾ (النور 2:24) (زانی مرد اور زانیہ عورت کو کوڑے مارو) کے عموم سے شادی شدہ زانی مستثنیٰ ہیں اور ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدة 38:5) ''چور مرد و عورت کے ہاتھ کاٹ دو'' کے عموم سے وہ

چور مستثنٰی ہیں جن کی چوری، دینار (4 ماشہ 4 رتی سونا) کے چوتھے حصے (ایک ماشہ ایک رتی سونے) کی قیمت سے کم ہوتی ہے...... چوتھی بات یہ کہ خاموش رہنا دوطرح کا ہوتا ہے، ایک یہ کہ آدمی خاموش بھی ہو یعنی آواز بھی نہ نکالے اور زبان کو بھی حرکت نہ دے اور کچھ نہ پڑھے اور دوسرا یہ کہ آدمی آواز تو بلند نہ کرے لیکن اپنی زبان سے چپکے چپکے کچھ پڑھے، تو جو شخص امام کے پیچھے خاموش رہ کر سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے وہ خاموش رہنے کے حکم کے خلاف نہیں کر رہا ہوتا...... پانچویں بات یہ کہ احناف کا خود اس آیت پر عمل نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اگر امام کی جہری قراءت کے وقت فاتحہ نہ پڑھنا مراد ہو تو احناف اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر سری نمازوں میں بھی فاتحہ نہیں پڑھتے، نیز اگر امام کی سری قراءت بھی مقتدیوں کے لیے کافی ہے تو پھر امام کی تمام تکبیرات اور اذکار بھی کافی سمجھ لینا چاہیے۔

(2) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وَاِذَا قَــرَاَ فَـــاَنْصِتُوْا ''جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو'' (ابوداود: 604، مسلم: 63/ 404)......ان الفاظ کے عموم کو بھی دوسری احادیثِ مبارکہ سے خاص سمجھا جائے گا یعنی امام جہری قراءت کرے تو تم خاموش رہ کر اور آواز بلند کیے بغیر صرف سورۂ فاتحہ پڑھو اور اس سے زیادہ کچھ نہ پڑھو، ویسے بھی خاموش رہنے کا حکم زبان سے مخفی طور پر کچھ پڑھنے کے منافی ہی نہیں ہے جس طرح کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: اِسْـکَاتُكَ بَیْنَ التَّکْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاءَ ةِ مَا تَقُوْلُ فِیْهِ ؟ ''آپ کی وہ خاموشی جو تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان میں ہوتی ہے اس میں آپ کیا کہتے ہیں؟'' تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں بتایا کہ میں اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ...... الخ (والی دعا) پڑھتا ہوں (بخاری: 744، مسلم: 598) یہ نہ فرمایا کہ تم غلط کہہ رہے ہو، کیا بھلا خاموشی میں بھی پڑھا جا سکتا ہے؟ بلکہ اُن کو جواب دے کر ثابت کر دیا کہ آدمی خاموش رہتے ہوئے بھی پڑھ سکتا ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم خاموش رہ کر اور آواز بلند نہ کر کے اس مذکورہ حدیث پر عمل کریں اور امام کے پیچھے مخفی آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دوسری احادیث پر عمل کریں۔

(3) احناف کہتے ہیں کہ لَا صَلَاةَ لِـمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ (جس نے فاتحہ نہ پڑھی اُس کی کوئی نماز نہیں) یہ حدیث صرف امام اور منفرد کے لیے ہے، مقتدی کے لیے نہیں......احناف کی یہ تاویل باطل ہے، ان کا تو ویسے ہی اس پر بھی ایمان نہیں کہ امام اور منفرد کے لیے فاتحہ لازم ہو، کیونکہ ان کے نزدیک تو کم از کم ایک آیت سے بھی نماز کفایت کر جاتی ہے۔ (ہدایہ) احناف کو چاہیے کہ یا تو ''ہدایہ شریف'' میں بیان کردہ اس اصول کو ترک کر دیں یا پھر اس حدیثِ مبارکہ کو...... نیز احناف کی یہ تاویل دوسری احادیثِ مبارکہ صحیحہ صریحہ کے بھی خلاف ہے۔

(4) احناف کی ایک اہم دلیل یہ روایت ہے: مَـنْ کَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَ ةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَ ةٌ ''جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لیے بھی قراءت ہوگی''...... پہلی بات یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت اگر صحیح ہوتی تو دوسری احادیث سے تطبیق دینے کے لیے اس سے مراد سورۂ فاتحہ کے بعد والی قراءت ہوتی......لیکن دراصل یہ

روایت نہایت کمزور ہے، اس کی سند میں جابر جعفی وہ ضعیف راوی ہے جسے خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی مذمت کا نشانہ بنایا ہے ...... تیسری بات یہ ہے کہ اصول کے مطابق ضمیر کا مرجع قریب ترین لفظ ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ ہو اور یہاں "لَـهُ" سے متصل پہلے امام کا لفظ ہے، تو معنیٰ یوں ہوں گے کہ جس کا کوئی امام ہو (وہ بھی اپنی قراءت خود کرے) کیونکہ امام کی قراءت تو اس کے اپنے لیے ہی ہوتی ہے۔

(5) احناف اِقْـرَاْبِهَـافِـيْ نَفْسِكَ (تو سورۂ فاتحہ کو اپنے نفس میں پڑھ) سے مراد یہ لیتے ہیں کہ اس کے معنیٰ و مفہوم میں غور و تدبر کرے ...... احناف کا مسلم شریف کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت میں یہ تاویل کرنا بھی باطل ہے کیونکہ دل میں غور وفکر کرنے اور سوچنے کو "قراءت اور پڑھنا" کہتے ہی نہیں ہیں، لہٰذا اپنے جی میں، اپنے دل میں، اپنے نفس میں پڑھنے کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ اس طرح مخفی آواز سے پڑھو کہ بس تمہیں خود ہی پتا چلے ...... دوسری بات یہ کہ اگر دل میں سوچنا بھی پڑھنا شمار ہوتا ہو تو کیا قضائے حاجت کی حالت میں کہیں سے سنائی دینے والی تلاوت کی طرف توجہ اور دھیان ہو جانے کو بھی قراءت شمار کریں گے؟ اسی طرح جنبی شخص اور حیض و نفاس میں مبتلا عورت کے لیے قرآن میں غور و تدبر کرنا سب کے نزدیک جائز ہے اور کوئی بھی اُن کے اس غور وفکر اور تدبُر کو قراءت نہیں کہتا، لہٰذا جب بھی "فِـيْ نَفْسِكَ" کے الفاظ قراءت کے ساتھ ملا کر استعمال ہوں تو مخفی وسری طور پر پڑھنا مراد ہوتا ہے چنانچہ شرح مشکاۃ میں ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ اور شیخ عبدالحق دہلوی حنفی رحمہ اللہ نے بھی یہی معنی کیے ہیں۔

اس موضوع پر مزید تفصیل جاننے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہے: (1) جزء القراءۃ خلف الامام (امام بخاری رحمہ اللہ) (2) کتاب القراءۃ خلف الامام (امام بیہقی رحمہ اللہ) (3) تحقیق الکلام (عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ) (4) ابکار المنن (عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ) (۵) توضیح الکلام (مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ)

11- بَابُ مَاجَاءَ فِي التَّأْمِيْنِ خَلْفَ الْإِمَامِ

امام کے پیچھے آمین کہنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے چار (4) مرفوع صحیح روایات یعنی احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کی ہیں۔

[192] حَـدَّثَـنِـي يَـحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَـابٍ عَـنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْـنِ عَبْـدِ الـرَّحْـمَـنِ : أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کیونکہ بلاشبہ جس شخص کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے سے موافقت

[192] صحيح البخارى، كتاب الاذان، باب جهر الامام بالتامين، حديث: 780، 6402، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التسميع والتحميد والتامين، حديث: 410۔

هُـرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُـولَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ:((إِذَا أَمَّنَ الإِمَـامُ فَـأَمِّـنُوا ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْـمَلائِـكَةِ غُـفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) . قَالَ ابْـنُ شِهَـابٍ : وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((آمِينَ)) .

کرلے (اور اُن سے مل جائے) تو اُس کے وہ گناہ اس کے حق میں بخش دیے جائیں گے جو گزر چکے ہیں۔'' (اس روایت کی سند میں امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی آمین کہا کرتے تھے۔

فائدہ: ......اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ امام کو بھی آمین کہنا چاہیے اور بآواز بلند کہنا چاہیے کیونکہ جب تک وہ بلند آواز سے نہ کہے گا تو مقتدیوں کو اس کا پتا کیسے چلے گا، یہ بھی معلوم ہوا کہ مقتدیوں کی آمین امام کی آمین سے مؤخر ہونی چاہیے، لیکن صرف آغاز میں، یعنی پہلے امام آمین کہنا شروع کرے، پھر مقتدی شروع کریں، جس طرح کہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے: وَاِذَا رَكَـعَ فَارْكَعُوْا ''اور جب امام رکوع (شروع) کرے تو تم بھی رکوع کرو۔'' (بـخاری: 689، مسـلـم: 412) البتہ اگر کوئی شخص امام کے بالکل ساتھ ہی آمین شروع کرلے تو اس کی گنجائش آئندہ والی روایت سے نکلتی ہے، ہاں یہ بالکل منع ہے کہ امام کے آمین شروع کرنے سے قبل ہی آمین شروع کردی جائے ...... یہ حدیثِ مبارکہ آمین کہنے کی فضیلت اور اہمیت واضح کررہی ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو بھی آمین کہنے پر مقرر کررکھا ہے اور امام کی آمین کے وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں تو ہمیں بھی ان کے ساتھ شامل ہونے کا حکم دیا گیا ہے، یوں خاکی و نوری مخلوقات کے آمین کہنے میں موافقت ہو جائے گی۔ اس موافقت سے مراد صرف وقت میں موافقت ہے، نہ کہ انسانوں کو سنائی دینے میں، جو لوگ اونچی آواز سے آمین کہنے کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ جس طرح فرشتوں کی آمین سنائی نہیں دیتی اسی طرح تم بھی آہستہ آواز سے آمین کہا کرو...... یہ محض اپنے مسلک کے دفاع اور بے جا تقلید کی بنا پر غلط تشریح کی جاتی ہے، کیونکہ ایک تو حدیثِ پاک کا اسلوب بتا رہا ہے کہ یہ موافقت وقت میں ہونی چاہیے، دوسرے یہ کہ فرشتے خواہ جس قدر بھی اونچی آواز سے آمین کہیں یا باتیں کریں ہمیں تو وہ پھر بھی سنائی نہیں دیں گی جیسا کہ ذکرِ الٰہی کی فضیلت والی لمبی حدیث میں ہے کہ جب ذکرِ الٰہی والی کوئی محفل کسی فرشتے کو نظر آتی ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کو پکار پکار کر اس کی طرف بلاتا ہے، فرمانِ پیغمبر ﷺ ہے: تَـنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُم ''وہ ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہیں کہ اپنے مقصود کی طرف آجاؤ۔'' (بخاری: 6408) چنانچہ احناف یا تو اس حدیث کا انکار کریں یا پھر ہمیں ان فرشتوں کی آوازیں سنا دیں پھر ہم بھی ان کو فرشتوں کی آمین کی آواز سنا دیں گے، جو جواب احناف ہمیں دیں گے، ہم اُن کو وہی جواب لوٹا دیں گے۔

[193] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

[193] صـحيـح البـخـاری، كتاب الاذان، باب جهر الماموم بالتامين، حديث: 782، 4475، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التسميع والتحميد والتامين، حديث: 76/ 410۔

أَبِی بَکْرٍ عَنْ أَبِی صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :((إِذَا قَالَ الإِمَامُ : (غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّینَ) فَقُولُوا : آمِینَ ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِکَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))۔

فرمایا: ''جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہہ لے تو پھر تم آمین کہا کرو، کیونکہ بلاشبہ جس کا (یہ آمین کہنے کا) قول فرشتوں کے قول کے موافق آ گیا اُس کے تمام پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

[194] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِی الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :((إِذَا قَالَ أَحَدُکُمْ : آمِینَ ، وَقَالَتِ الْمَلَائِکَةُ فِی السَّمَاءِ : آمِینَ ، فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَی غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان پر آمین کہتے ہیں، یوں ایک آمین دوسری آمین سے مل جاتی ہے تو آدمی کے گزشتہ گناہوں کی مغفرت فرما دی جاتی ہے۔''

فائدہ: ......مختلف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نماز کے لیے جماعت کھڑی ہوتی ہے تو فرشتے زمین میں بھی نمازیوں کے ہمراہ کھڑے ہوتے ہیں اور کچھ فرشتے آسمان میں بھی صف بندی کر کے اس جماعت کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہیں ...... یاد رہے کہ وہ تمام اعمال جن کی فضیلت میں گزشتہ گناہوں کے معاف کر دیے جانے کی خوشخبری دی گئی ہے اُن سے صرف صغیرہ گناہ مراد ہیں، کیونکہ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کی شرط ہے، نیز پیچھے حدیث: 59 کا فائدہ بھی دیکھ لیجیے۔

آمین بالجہر کے دلائل

اس بات میں تو فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ امام کے ''وَلَا الضَّآلِّيْن'' کہہ لینے کے بعد ہر مقتدی بھی آمین کہے گا، لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ باآواز بلند کہے یا مخفی آواز سے ...... چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ سے آمین کو جہراً کہنا منقول ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مخفی و پوشیدہ آواز سے آمین کہنا مروی ہے۔ (الفقه الاسلامی وادلّته : 880/2، نیل الاوطار : 48/2) اہل حدیث بھی باآواز بلند آمین کہنے کے قائل ہیں، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) موطا امام مالک رحمہ اللہ کی اس باب میں مذکور پہلی روایت سے آمین کو جہراً کہنا ثابت ہوتا ہے کہ امام کی آمین کا

---

[194] صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل التامین ، حدیث: 781، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب التسمیع والتحمید والتامین، حدیث: 74,75/ 410۔

تبھی پتا چلے گا جب وہ اسے بلند آواز سے کہے گا۔

(2) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ مَا حَسَدَتْكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَالتَّأْمِيْنِ ''یہودی تم سے کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جس قدر کہ وہ سلام کہنے اور آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں۔'' (ابن ماجه: 856، سلسلة الاحاديث الصحيحة : 691۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اور ظاہر ہے کہ یہودیوں کے کان تک آمین کی آواز پہنچے گی تو وہ حسد کریں گے، اگر آمین مخفی آواز سے ہو اور کسی کو اس کا پتا ہی نہ چلتا ہو تو اس پر ردِعمل کیسے ہوگا؟

(3) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ وَقَالَ اٰمِيْنَ وَمَدَّبِهَا صَوْتَهٗ ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہا اور (پھر) آمین کہی اور آمین کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کیا۔ (ترمذی : 248۔ اس کی سند صحیح ہے۔) احناف کہتے ہیں کہ '' مَدّ '' کے معنیٰ آواز بلند کرنے کے نہیں بلکہ مد کے ساتھ ہمزہ کو ادا کرنا مراد ہے...... احناف کی یہ تاویل باطل ہے کیونکہ یہی روایت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ان لفظوں سے بیان کی ہے: رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کیا۔'' (ابو داود: 932) ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: فَجَهَرَ بِاٰمِيْنَ '' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کو جہراً (اونچی آواز سے) کہا۔'' (ابو داود: 933) ان دونوں روایات کی سندیں بھی صحیح ہیں اور ان میں الفاظ بھی نہایت صریح اور واضح ہیں جن میں مد والی تاویل بھی ناممکن ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ اگر احناف والے معنیٰ مراد لے لیے جائیں تو پھر بھی آمین کو جہراً اونچی آواز سے کہنا ہی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ وائل رضی اللہ عنہ نے '' سَمِعْتُ '' کا لفظ بولا ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا تھا اور ظاہر بات ہے کہ ان تک آمین کی آواز پہنچی تو انھوں نے سنا...... تیسری بات یہ کہ انھیں مد کے ساتھ آمین کے ہمزے کو ادا کرنا بھی تبھی معلوم ہوا جب آقا علیہ السلام نے اُسے اونچی آواز سے کہا۔

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز بلند کر کے آمین کہتے تھے۔ (دارقطني: ص 127، مستدرك حاكم: 223/1۔ امام دارقطنی، امام بیہقی اور امام حاکم رحمہم اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

(5) نُعیم مُجْمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی، اس میں انھوں نے آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی ...... پھر بعد میں انھوں نے فرمایا کہ میں نماز کے اعتبار سے تم سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت رکھتا ہوں، (نسائي: 906۔ اس کی سند صحیح ہے، دیکھیے مرعاة المفاتيح : 152/3، التعليق على السيل الجرار: 486/1)

(6) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہتے تو اسے پہلی صف سن لیتی اور اس کے ساتھ مسجد گونج اٹھتی۔ (ابوداود: 934، ابن ماجه: 853) حنفی علامہ نیموی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو حسن لغیرہ تسلیم کیا ہے، دیکھیے ان کا رسالہ ''اَلْحَبل المتین'' صفحہ 16,17۔

(7) حضرت اُم حصین رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ عورتوں کی صف میں تھیں اور (وہاں) انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین کو سن لیا۔ (مسند اسحاق بن راھویه، بحواله مرعاة: 152/3، 153) اس حدیث کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''اَلـــدِّرَایَةُ'' میں، علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ نے ''عمدة القاری'' میں اور حافظ زیلعی حنفی رحمہ اللہ نے ''نصب الرایۃ: 1/ 371 میں ذکر کیا ہے اور اس پر جرح نہیں کی، کیونکہ اس کے راوی اسماعیل بن مسلم مکی سے مراد وہ نہیں جو ضعیف ہے، بلکہ یہ راوی مخزومی ہے اور صدوق کا درجہ رکھتا ہے، اس لیے اس پر جرح نہ ہوئی۔

(8) حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے مقتدیوں نے اس طرح آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی۔ (عبدالرزاق: 96/2، الاوسط لابن المنذر: 132/3، بخاری: 780 سے پہلے) نیز عطاء رحمہ اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے اس مسجد میں دوسو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی، میں نے سب کی آمین کی آواز اور گونج سنی۔ (بیهـقـی، فتـح البارى، مرعاة المفاتيح: 122/ 3) ہم احناف ہی کے بعض استدلالات کی طرح یہاں کہتے ہیں کہ یہ عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوتا رہا، کسی نے اُن پر انکار نہ کیا بلکہ موافقت کی اور مسجد میں گونج پیدا ہوگئی، لہٰذا آمین بآواز بلند کہنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہوگیا۔

(9) گزشتہ روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح احادیث سے بحیثیت امام بلند آواز کے ساتھ آمین کہنا ثابت ہو چکا ہے اور فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اِنَّـمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ امام کو تو صرف اور صرف اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے (بخاری: 689، مسلم: 412) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صَـلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ ''نماز اُس طرح پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔'' (بـخـــاری: 631، 6008) لہٰذا جب امام کے لیے جہراً آمین ثابت ہے تو مقتدیوں کے لیے بھی اس کا ثبوت مل گیا۔

(10) اکثر محدثین نے فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ (تو تم آمین کہو) ہی کے الفاظ سے آمین بالجہر کا استدلال کیا ہے، اس کے معنیٰ ہیں: ''تو تم آمین کہو۔'' قال اور قُوْلُوْا کے الفاظ قَوْل سے ماخوذ ہیں جو جہراً بھی ہوسکتا ہے اور سِرّاً بھی، لیکن جب یہ لفظ (قول) بغیر کسی قید کے استعمال ہو تو اس سے ''جہراً کچھ کہنا'' مراد ہوتا ہے یعنی ایسی بات کہنا جسے دوسرے لوگ بھی سن لیں یا کم از کم خود کو آواز آئے اور اگر اس سے مخفی بات کہنا اور پوشیدہ قول مقصود ہو تو پھر لازم ہے کہ اس کے ساتھ وہ لفظ بھی ضرور بولا جائے گا جو اس کے مخفی اور پوشیدہ کہنے پر دلالت کرے۔ اور چونکہ ان احادیث میں ''قَالَ اٰمِیْن'' اور ''قُوْلُوْا اٰمِیْن'' کے ساتھ سِرًّا وغیرہ الفاظ نہیں ہیں لہٰذا ان سے جہراً آمین کہنا ہی ثابت ہوتا ہے۔

احناف کے دلائل اوران کی حقیقت

(1) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں: وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کو پست آواز سے کہا۔'' (ترمذی: 248) ...... حالانکہ یہ الفاظ ''شاذ'' ہیں، جو ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔ روایت ایک ہی ہے جسے تین ثقہ راویوں نے اپنے استاد سے نقل کیا تو آمین بالجہر کا ذکر کیا جبکہ سلمہ بن کہیل کے چوتھے شاگرد شعبہ رحمہ اللہ نے کبھی خَفَضَ کا لفظ بولا، کبھی يَخْفِضُ اور کبھی اَخْفٰى کہا، جن کے معنی مخفی اور پست آواز کے ہیں، چنانچہ خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اور امام ابوزُرعہ رحمہ اللہ سے اس روایت کی تردید اور اس پر جرح نقل کی ہے اور واضح کیا ہے کہ اس روایت میں شُعبہ رحمہ اللہ کو تین غلطیاں لاحق ہوئی ہیں جن میں سے ایک خَفَضَ وغیرہ کا لفظ بولنا ہے ...... بہرحال یہ متفقہ اصول ہے کہ جب ایک ثقہ راوی زیادہ ثقات راویوں کی مخالفت کرے تو ثقہ راوی کی روایت شاذ (جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے) اور باقی ثقہ راویوں کی روایت محفوظ ہوتی ہے۔

(2) حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ، بِسْمِ اللّٰهِ اور آمین اونچی آواز سے نہ کہنا مروی ہے ...... حالانکہ اس روایت کی سند میں سعید بن مرزبان بقال ضعیف راوی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ (ابکار المنن: 201، میزان الاعتدال: 228/3، مرعاۃ المفاتیح: 155/3)

(3) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے بھی آمین کو مخفی کہنا منقول ہے اور ثابت بھی ہے ...... جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت شدہ قول وفعل کے مقابلے میں کسی تابعی رحمہ اللہ کا قول وفعل کچھ حیثیت نہیں رکھتا، جیسا کہ مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی ''اَلسِّعَايَة'' میں کہا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت مرفوع روایات کے برابر درجہ نہیں پا سکتا۔

(4) فرشتوں کی آمین بھی سنائی نہیں دیتی لہٰذا ہمیں انھی کی موافقت کرنا چاہیے ...... احناف کے اس دعویٰ کے باطل ہونے کی وضاحت پیچھے اسی باب کی پہلی حدیث (192) کے فائدہ میں گزر چکی ہے۔

(5) آمین دعا ہے اور دعا میں اصل یہ ہے کہ اُسے آہستہ کیا جائے، تو جب روایات متعارض ہیں اس لیے ہم اس اصل کی طرف رجوع کریں گے ...... حالانکہ پہلی بات یہ ہے کہ روایات کے متعارض ہونے کا بہانہ تب درست ہوتا جب دونوں طرف کی روایات صحیح اور ثابت ہوتیں، اگر ہر ضعیف روایت کو اسی طرح صحیح روایات کے متعارض کہہ کر بات کی جائے گی تو پھر پوری شریعت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا جائے گا، لہٰذا ضعیف روایت کو پیش کر کے صحیح احادیث کو بھی ٹھکرانا بالکل باطل ہے ...... دوسری بات یہ ہے کہ آمین بذاتِ خود دعا نہیں بلکہ تتمہ دعا ہے، کیونکہ بغیر کچھ مانگے آمین آمین کہتے چلے جانا ایک بے کار امر ہے، اگر یہ خود دعا ہوتی تو ایسا نہ ہوتا، ہاں یہ دعا کا تتمہ اور دعا کی تابع چیز ہے، اس لیے اگر دعا جہراً ہوگی تو اسے بھی جہراً کہا جائے گا اور اگر دعا مخفی مانگی جائے تو آمین بھی مخفی کہی جائے گی ...... تیسری بات یہ ہے کہ اگر ہم

آمین کو بذاتِ خود ایک مستقل دعا سمجھ لیں تو دعا کے متعلق یہ قانون ہی غلط ہے کہ دعا آہستہ ہی مانگی جا سکتی ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ سے بے شمار دعائیں بلند آواز سے مانگنا ثابت ہے ...... یا ہم یوں کہیں گے کہ اگر دعا میں یہی قانون اور اصل قاعدہ ہے کہ اسے مخفی کیا جائے تو پھر احادیثِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں آمین کو مستثنیٰ اور مخصوص قرار دیا جائے گا، جس طرح کہ خود سورۂ فاتحہ بھی دعا بلکہ دعاؤں کا مجموعہ ہے لیکن پھر بھی اسے جہری نمازوں میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے۔

(6) احناف یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ آمین کا جہراً کہنا صرف تعلیم اور سکھانے کے لیے تھا، اسے معمول بنانا مقصود نہ تھا...... یہ دعویٰ بھی بالکل بے بنیاد ہے، کیا یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ فقیہ اور سمجھ دار ہیں یا علم غیب کے دعویدار ہیں؟ اگر یہی بات تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ خود اسے معمول بناتے، نہ ان کی مسجدیں آمین کی آواز سے گونجتیں اور نہ ہی وہ امت تک یہ عملی نمونہ منتقل کرتے۔

(7) بعض احناف کہتے ہیں کہ شروع شروع میں آمین جہراً کہی جاتی تھی جسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا...... کس قدر بے اصل اور بے دلیل ہے یہ دعویٰ، مسلکی تعصب اور تقلید شخصی کے سوا بھلا اس دعویٰ کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے بعد کسی منسوخ چیز پر اجماع نہیں کرتے تھے، اور پھر اس دعویٰ کے بے بنیاد ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے خود نبی کریم ﷺ سے سن کر آگے روایت کیا ہے، اُن میں متاخر الاسلام راوی شامل ہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سات ہجری میں مسلمان ہوئے اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے ایک سال سے کچھ زائد عرصہ قبل 9ھ میں مسلمان ہوئے۔

بعض احناف علماء کا اعترافِ حق

(1) شیخ مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ احناف کے خود ساختہ دلائل کی تردید کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ آمین کو جہراً کہنے کا موقف ہی زیادہ صحیح ہے۔ (السعایۃ) نیز وہ کہتے ہیں: اَلْاِنْصَافُ اَنَّ الْجَهْرَ قَوِیٌّ مِنْ حَیْثُ الدَّلِیْلِ ''انصاف یہی ہے کہ آمین کو اونچی آواز سے کہنا ہی دلیل کے اعتبار سے قوی ہے۔ (التعليق الممجد: 101)

(2) شارح ہدایہ علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اونچی آواز کے ساتھ آمین کہنا سنت ہے۔ (فتح القدير: 107/1)

(3) علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احناف بھی آمین بالجہر کے معترف ہیں۔ (فتاوٰی رشيديه: 280، فتاوى شامى: 134/1)

[195] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَیٍّ مَوْلَی أَبِی بَكْرٍ عَنْ أَبِی صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم

[195] صحيح بخاری، كتاب الأذان، رقم: 796، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، رقم: 76/409.

هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِذَا قَالَ الإِمَامُ : سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا : اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))' اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہا کرو، کیونکہ بلاشبہ شان یہ ہے کہ جس شخص کا قول فرشتوں کے قول سے مل جائے تو اس کے لیے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

فائدہ : ......اس کے متعلق کچھ وضاحت پیچھے روایت: 161 کے فائدہ میں گزر چکی ہے کہ یہ کلمہ چار طرح کہا جا سکتا ہے، شروع میں اَللّٰهُم کے ساتھ یا اس کے بغیر اور رَبَّنَا کے بعد واؤ کے اضافہ کے ساتھ یا اس کے بغیر۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ کچھ فرشتے زمین و آسمان میں لوگوں کی جماعت کے ساتھ ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور خاکی و نوری مخلوق کے اس اجتماع کی برکت سے بندوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں...... اس حدیث کا باب کے عنوان سے کوئی تعلق نہیں ہے البتہ یہ مناسبت ضرور ہے کہ جو فضیلت آمین کی ہے وہی رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد کی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک امام صرف سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ پر اکتفا کرے گا اور مقتدی صرف رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہے گا، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک امام، مقتدی اور منفرد سب نمازی دونوں کلمات کہیں گے ...... رسول اللہ ﷺ سے امام ہونے کی حالت میں دونوں کلمات پڑھنا ثابت ہے، (بخاری: 789، مسلم: 392) مقتدی کے لیے کسی بھی صحیح حدیث میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ بھی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے، البتہ بعض روایات سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ''اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ ''(بخاری: 782، مسلم: 410) پر قیاس کر کے اسے ثابت کیا ہے اور بعض علماء نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ ''امام تو صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔''(بخاری: 689، مسلم: 412)

بہرحال الفاظِ حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا ہو تو مقتدی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ نہ کہے اور اگر دوسری احادیث کے مفہوم سے استدلال کرنا ہو تو پھر مقتدی اسے کہہ سکتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی کبھی کبھار ایسا ہو جاتا تھا کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم الفاظِ نبوی کے ظاہر پر عمل کرتے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مفہوم سے استدلال کر کے عمل کر لیتے، جیسا کہ غزوۂ بنی قریظہ کے متعلق حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ ''تم ہرگز عصر نہ ادا کرنا مگر بنو قریظہ (کے محلے) میں (پہنچ کر ہی پڑھنا)۔'' چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وقت نکلتا دیکھ کر بھی ظاہری الفاظ کی پابندی کی اور وہیں پہنچ کر ہی نماز ادا کی اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ نتیجہ اور مفہوم اخذ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا اس تاکیدی حکم سے مقصد صرف یہ تھا کہ ہم فوراً مدینہ سے نکل کر بنو قریظہ کی طرف چل پڑیں تو ان لوگوں نے یہ استدلال کر کے راستے ہی میں وقت نکلتا دیکھ کر نماز ادا کر لی، پھر جب رسول اللہ ﷺ کو اس صورت حال کی خبر دی گئی تو فَلَمْ يُعَنِّفْ اَحَدًا مِّنْهُمْ ''آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کو بھی نہ ڈانٹا۔''(بخاری: 446، مسلم: 1770)......

بالکل اس طرح کہ جیسے روایات میں موجود صرف لفظ ''بِسْمِ اللہ'' کو دیکھ کر بعض علماء وضو اور کھانے وغیرہ کے شروع میں صرف اتنا ہی کہتے ہیں جبکہ دوسرے علماء کے نزدیک یہ لفظ دراصل نام ہے پوری بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا، اس لیے وہ پوری بسم اللہ پڑھ لیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

12- بَابٌ: اَلْعَمَلُ فِي الْجُلُوْسِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں بیٹھنے کے طریقے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے پانچ (5) روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے تین (3) مرفوع یعنی احادیث پیغمبر ﷺ اور دو (2) موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ تمام روایات صحیح ہیں۔

[196] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُعَاوِيِّ أَنَّهُ قَالَ : رَآنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَأَنَا أَعْبَثُ بِالْحَصْبَاءِ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفْتُ نَهَانِي وَقَالَ : اصْنَعْ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُ . فَقُلْتُ : وَكَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُ ؟ قَالَ : كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَأَشَارَ بِأَصْبُعِهِ الَّتِي تَلِي الإِبْهَامَ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى وَقَالَ : هَكَذَا كَانَ يَفْعَلُ.

علی بن عبدالرحمٰن معاوی رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے دیکھا، میں نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو انھوں نے مجھے (اس سے) منع کیا اور فرمایا کہ اس طرح کیا کرو جیسے رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے، میں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کیا کیا کرتے تھے؟ تو انھوں نے بتایا کہ جب آپ ﷺ نماز میں بیٹھتے تو اپنی دائیں ہتھیلی کو اپنی دائیں ران پر رکھ لیتے اور اپنی (دائیں ہاتھ والی) ساری انگلیاں بند کر لیتے اور اس (شہادت کی) انگلی سے اشارہ فرماتے جو انگوٹھے کے قریب ہے اور اپنی بائیں ہتھیلی کو اپنی بائیں ران پر رکھ لیتے اور (ابن عمر رضی اللہ عنہما نے) کہا کہ آپ ﷺ اسی طرح ہی کیا کرتے تھے۔

فائدہ: ...... یہ حدیث اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے ہی نماز میں بیٹھتے تھے فوراً اپنے ہاتھ کی یہی کیفیت بنا لیتے تھے، چونکہ ''اِذَا'' میں عموم ہے اس لیے خواہ یہ بیٹھنا آخری تشہد کا ہو یا درمیانی تشہد کا، دو سجدوں کے درمیان کا ہو یا جلسۂ استراحت کا، آپ ﷺ جب بھی بیٹھتے دائیں ہاتھ کی مخصوص کیفیت اور اشارہ شروع کر دیتے ......اور یہ جو فقہائے حنفیہ اور عوام میں مشہور طریقہ اور عمل ہے کہ صرف ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ'' کہتے وقت انگلی

[196] صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب صفة الجلوس فى الصلاة، حديث: 116/ 580، سنن ابى داود، كتاب الصلاة ، باب الاشارة فى التشهد، حديث: 987، نسائى: 1161، مسند احمد: 10/2 .

اٹھا لی اور ''اِلَّا اللّٰہ'' پر واپس جھکا لی اور ہاتھ پھیلا کر رکھ لیا یا اس کلمۂ شہادت کے موقع پر تین چار بار انگلی کے اشارے کو حرکت دے کر اور صرف اسی دوران مٹھی سی بنا کر پھر دوبارہ ہاتھ پھیلا کر رکھ لیا، یہ طریقے خلافِ سنت ہیں اور اس کی کوئی دلیل حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ......رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: لَهِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ ''یہ انگلی شیطان پر لوہے سے بھی زیادہ سخت (اور تکلیف دہ) ہے۔'' (مسند احمد: 119/2۔ اس کی سند حسن ہے۔) حالتِ تشہد میں نمازی کی نظر، شہادت کی انگلی اور اس کے اشارے کی طرف ہونی چاہیے، (ابوداود: 990۔اس کی سند صحیح ہے۔) اور انگلی کو مکمل اکڑانے کی بجائے تھوڑا سا جھکا ہوا رکھنا چاہیے (ابوداؤد: 991، نسائی: 1275) آپ ﷺ اپنی کہنی کو ران کے بالکل اوپر کر کے لیکن ران سے کچھ اوپر اٹھا کر رکھتے تھے، یعنی دائیں کہنی نہ تو ران سے دائیں بائیں ہوتی اور نہ ران کے اوپر ساتھ ملا کر رکھی ہوئی ہوتی، اور آپ ﷺ انگشت شہادت (کے ساتھ اشارہ بھی کرتے اور وقتاً فوقتاً اس) کو حرکت بھی دیتے رہتے تھے۔ (ابوداود: 957، ابن ماجہ: 912، ترمذی: 292، نسائی: 1160۔ اس کی سند صحیح ہے)

[197] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ وَصَلَّى إِلَى جَنْبِهِ رَجُلٌ فَلَمَّا جَلَسَ الرَّجُلُ فِي أَرْبَعٍ تَرَبَّعَ وَثَنَى رِجْلَيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ عَبْدُ اللّٰهِ عَابَ ذَلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ الرَّجُلُ: فَإِنَّكَ تَفْعَلُ ذَلِكَ. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: فَإِنِّي أَشْتَكِي.

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا، (ہوا یوں تھا) کہ ایک آدمی نے اُن کے پہلو میں نماز پڑھی، پھر جب وہ آدمی چار رکعتوں کے بعد بیٹھا تو وہ چار زانو ہو کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنے پاؤں موڑ لیے (اس سے مراد تورُک ہے جو سلام والے تشہد ہی میں کیا جاتا ہے)، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے اس عمل کو اس آدمی کے لیے معیوب جانا، وہ آدمی کہنے لگا کہ بے شک آپ خود تو یہ عمل کرتے ہیں، تو انھوں نے کہا کہ یقیناً میں تو بیمار ہوں۔

فائدہ: ......چار زانو ہو کر بیٹھنے کے دو طریقے ہیں، ایک وہ ہے جسے چوکڑی مارنا یا آلتی پالتی مار کر بیٹھنا کہا جاتا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ تشہد کی عام حالت میں بیٹھ کر اپنا بایاں پاؤں جسم کے نیچے سے ہٹا کر دائیں قدم کے نیچے سے دائیں جانب باہر نکال دینا اور اپنے سرین کو زمین کے ساتھ لگا کر بیٹھنا، اس حالت کو تورُّک کہا جاتا ہے ...... اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے عذر اور بیماری پر محمول کیا ہے لیکن دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے بغیر عذر کے بھی

[197] صحيح البخاری، كتاب الاذان، باب سنة الجلوس فی التشهد، حديث:827۔

مسنون جانا ہے، دراصل یہ عمل رسول اللہ ﷺ سے بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہے لیکن صرف اُس تشہد میں کہ جس میں سلام ہو...... امام مالک رحمہ اللہ دونوں تشہدوں میں تورّک کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کسی میں بھی قائل نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ پہلے تشہد میں پاؤں پر بیٹھنے اور دوسرے میں تورّک کے قائل ہیں جبکہ امام احمد رحمہ اللہ صرف اس نماز کے ساتھ تورّک کو خاص کرتے ہیں جس میں دو تشہد ہوں ...... امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے جس کی دلیل حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ (بخاری: 282، ابوداود: 730، 731، ترمذی: 304) کی حدیث ہے، احناف اُن روایات سے دلیل لیتے ہیں جن میں پہلے یا دوسرے تشہد کا نام لیے بغیر بائیں پاؤں پر بیٹھنے کا تذکرہ ہے، حالانکہ یہ اصول ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ نیز ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طریقے پر مہر تصدیق ثبت کی۔ (دیکھیے ابوداود: 730، 733، 734)

[198] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ صَدَقَةَ بْنِ يَسَارٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ حَكِيمٍ أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَرْجِعُ فِي سَجْدَتَيْنِ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ ذَكَرَ لَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ : إِنَّهَا لَيْسَتْ سُنَّةَ الصَّلَاةِ وَإِنَّمَا أَفْعَلُ هٰذَا مِنْ أَجْلِ إِنِّي أَشْتَكِي .

مغیرہ بن حکیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، وہ نماز میں دونوں سجدوں کے درمیان اپنی انگلیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، چنانچہ جب وہ فارغ ہوئے تو اُن سے اس کا تذکرہ کیا گیا، وہ کہنے لگے کہ یہ نماز کی سنت اور طریقہ نہیں ہے، میں تو صرف اور صرف اس لیے یہ عمل کرتا ہوں کہ میں بیمار ہوں۔

[199] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ قَالَ : فَفَعَلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ فَنَهَانِي عَبْدُ اللّٰهِ وَقَالَ : إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتَثْنِيَ رِجْلَكَ الْيُسْرَى. فَقُلْتُ لَهُ : فَإِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ. فَقَالَ : إِنَّ رِجْلَيَّ لَا تَحْمِلَانِّي .

عبید اللہ رحمہ اللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز میں آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے دیکھا کرتے تھے، کہتے ہیں کہ میں نے بھی ایسا ہی کرلیا، میں ان دنوں کمسن (اور نوعمر) ہی تھا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا کہ یقیناً نماز (میں بیٹھنے) کی سنت یہ ہے کہ تو اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کرلے اور بائیں پاؤں کو موڑ لے (اور اس کے اوپر بیٹھ جائے)، میں نے اُن سے کہا کہ بے شک آپ خود تو ایسا کرتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔

[198] (موقوف صحیح) عبدالرزاق فی المصنف: 2/194۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[199] صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب سنة الجلوس فی التشهد، حدیث: 827۔

فائدہ: ......موطا کے اکثر نسخوں میں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں راوی کا نام عبید اللہ کی بجائے عبداللہ رحمہ اللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہے۔

[200] وَحَـدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْـنِ سَـعِيـدٍ : أَنَّ الْـقَـاسِـمَ بْنَ مُحَمَّدٍ أَرَاهُمُ الْـجُـلُوسَ فِي التَّشَهُّدِ فَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَثَـنَـى رِجْـلَـهُ الْيُسْـرَى وَجَلَسَ عَلَى وَرِكِهِ الْأَيْسَـرِ وَلَـمْ يَـجْـلِـسْ عَـلَـى قَدَمِهِ ثُمَّ قَالَ : أَرَانِـي هَـذَا عَبْـدُ الـلّٰـهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِي أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے اُن (شاگردوں) کو تشہد میں بیٹھنا سکھایا، انھوں نے اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرلیا اور بائیں پاؤں کو موڑ (کر اسے دائیں کے نیچے سے باہر نکال) لیا، وہ اپنے بائیں سرین پر بیٹھ گئے اور پاؤں کے اوپر نہ بیٹھے، پھر فرمایا کہ مجھے یہ کیفیت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر نے دکھائی تھی، انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

فائدہ: ......تورُّک کے دو طریقے اور بھی صحیح ثابت ہیں: (1) بائیں سرین کو زمین کے ساتھ لگا کر بیٹھنا اور دونوں پاؤں کو ایک ہی جانب (یعنی دائیں طرف) سے باہر نکال دینا یعنی دایاں پاؤں کھڑا رکھنے کی بجائے اُسے بھی زمین پر بچھا دینا۔ (ابـوداود: 731) (2) بائیں پاؤں کو دائیں ران اور پنڈلی کے درمیان میں کرلینا اور دائیں پاؤں کو بچھا دینا۔ (صحیح مسلم: 579)......نماز میں دونوں ایڑیوں پر بیٹھنا بھی ثابت ہے اور اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: هِيَ سُنَّةُ نَبِيِّكَ ''یہ تو تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (مسلم: 536) اس کی مشہور تفسیر یہ ہے کہ دونوں پاؤں کو بچھاتے ہوئے اندر کی جانب موڑ کر اُن کی ایڑیوں اور تلووں پر بیٹھنا، بعض نے یہ مفہوم بھی اس میں شامل کیا ہے کہ دونوں پاؤں کو کھڑا کر کے اُن کی ایڑیوں پر بیٹھنا اور انگلیوں کو قبلہ رُخ موڑ لینا۔ نیز اس روایتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما میں دونوں سجدوں کے درمیان کی تخصیص بھی نہیں ہے۔

بیٹھتے وقت ہاتھوں کے رکھنے کی جگہ کے متعلق مندرجہ ذیل صورتیں ثابت ہیں: (1) دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھنا۔ (مسـلـم: 116/ 580) (2) دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھنا۔ (مسـلـم: 114,115/ 580) (3) دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھنا۔ (مسـلـم: 112/ 579) (4) دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھنا اور بائیں ہاتھ سے مکمل بائیں گھٹنے کو اس طرح مضبوط پکڑ لینا جیسے منہ میں پورا لقمہ داخل کیا جاتا ہے۔ (مسلم: 579)

دائیں ہاتھ کی کیفیت بھی مختلف طریقوں سے ثابت ہے، مثلاً (1) ترپین (53) کی گرہ باندھنا، جس کا طریقہ یہ ہے کہ شہادت کی انگلی کھلی رکھنا، باقی تین انگلیوں کو اس طرح بند کرنا کہ اُن کے سرے اُن کی جڑوں کے قریب رہیں اور

[200] (موقوف صحیح) بیہقی: 130/2، طحاوی: 257/1۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت موقوف صحیح ہے۔

انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ کے پاس رکھنا۔ (صحیح مسلم: 115/ 580) (2) تمام انگلیوں کو بند کر لینا اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا۔ (صحیح مسلم: 116/ 580) (3) شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا، بڑی انگلی اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر دائرہ بنالینا اور چھوٹی دونوں انگلیوں کو بند کر لینا۔ (ابو داود: 726۔ اس کی سند صحیح ہے)

بائیں ہاتھ کے صرف دو طریقے ہیں: (1) اُسے ران یا گھٹنے پر پھیلا کر رکھنا۔ (مسلم: 114/ 580) (2) اس کے ساتھ بائیں گھٹنے کو یوں پکڑ لینا جس طرح منہ میں لقمہ پکڑ لیا جاتا ہے، گویا گھٹنا ہاتھ کے لیے لقمہ سا بن جائے۔ (صحیح مسلم: 113/ 579)

نبی کریم ﷺ سے بیماری کے موقع پر حالتِ نماز میں آلتی پالتی مار کر چوکڑی کی حالت میں چارزانو ہو کر بیٹھنا بھی ثابت ہے۔ (نسائی: 1662، ابن خزیمہ: 978/2۔ اس کی سند صحیح ہے)

13- بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں تشہد کا بیان

خلاصۃ الباب امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں پانچ روایات ذکر کی ہیں جن کی سندیں صحیح ہیں، پہلی چار موقوف (صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول) اور ایک مقطوع (تابعی رحمہ اللہ سے منقول) ہے، پہلی چار میں حضرت عمر، حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے کلماتِ تشہد بیان کیے ہیں اور آخری روایت میں امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے دو شیوخ سے امام کی اتباع میں زائد تشہد پڑھنے کا فتویٰ نقل کیا ہے۔

[201] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يُعَلِّمُ النَّاسَ التَّشَهُّدَ يَقُولُ: قُولُوا: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰه، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ

عبدالرحمٰن بن عبد رحمہ اللہ جو قارہ قبیلے کے شخص ہیں (اور جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر بیت المال تھے)، بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ منبر پر لوگوں کو تشہد سکھا رہے تھے، فرما رہے تھے: (لوگو! یہ) پڑھا کرو: ''اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُاَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ

[201] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبۃ: 1/ 293، (2992) حاکم: 1/ 265، بیہقی: 2/ 144، شرح معانی الاثار للطحاوی: 1/ 261، الشافعی فی المسند: 1/ 225۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، امام زیلعی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (صفة صلاة النبی: ص145)

الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ""تمام قولی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں، تمام اعمال صالحہ اللہ کے لیے ہیں، تمام مالی (اور) بدنی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں، اے نبی! آپ پر سلامتی، اللہ کی رحمت اور اس کی برکات (نازل) ہوں، ہم پر بھی اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی سلامتی (نازل) ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

فائدہ :...... اس حدیث کے راوی کا نام عبدالرحمان بن عبد ہے، جنھیں قارہ قبیلے کی طرف نسبت کر کے "اَلْقَارِیّ" کہتے ہیں، عربی عبارت پڑھتے وقت "عَبْدٍ" کے آخر میں تنوین کو ظاہر کرنا لازم ہے، چنانچہ دال پر صرف کسرہ ادا کر کے نونِ تنوین کو کسرہ دے کر آگے ملائیں اور یوں پڑھیں "عَبْدِنِ الْقَارِیِّ"، یاء پر تشدید پڑھنا بھی لازم ہے، اسے "عَبْدِ الْقَارِیْ" پڑھنا نہایت فحش غلطی ہے...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک "اَلتَّحِيَات"، یعنی تشہد کے جتنے بھی کلمات احادیث میں آئے ہیں، اُن میں سے وہ راجح ہیں جن میں "اَلزَّاكِيَات" کا لفظ آیا ہے۔

[202] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰه بْنَ عُمَرَ كَانَ يَتَشَهَّدُ فَيَقُولُ: بِاسْمِ اللّٰه، التَّحِيَّاتُ لِلّٰه، الصَّلَوَاتُ لِلّٰه، الزَّاكِيَاتُ لِلّٰه، السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰه وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰه الصَّالِحِينَ، شَهِدْتُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، شَهِدْتُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰه. يَقُولُ هَذَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الأُولَيَيْنِ، وَيَدْعُو إِذَا قَضَى تَشَهُّدَهُ بِمَا بَدَا لَهُ، فَإِذَا جَلَسَ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ تَشَهَّدَ كَذَلِكَ أَيْضاً، إِلَّا أَنَّهُ يُقَدِّمُ التَّشَهُّدَ، ثُمَّ يَدْعُو بِمَا بَدَا لَهُ، فَإِذَا قَضَى تَشَهُّدَهُ وَأَرَادَ أَنْ يُسَلِّمَ قَالَ: السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰه

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تشہد پڑھتے وقت یوں کہا کرتے تھے: بَسْمِ اللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ شَهِدْتُّ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ شَهِدْتُّ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ "اللہ کے نام سے آغاز کرتا ہوں، تمام قولی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں، تمام فعلی (بدنی) عبادتیں اللہ کے لیے ہیں، اور تمام اعمال صالحہ (یا مالی عبادتیں) اللہ کے لیے ہیں، نبی ﷺ پر سلامتی، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر اور اللہ کے (سب) نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو، میں نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور میں نے یہ بھی شہادت دی کہ

---

[202] (موقوف صحيح) سنن ابى ابو داود، كتاب الصلاة، باب التشهد، حديث: 971، بيهقى: 2/ 142، ابن المنذرفى الاوسط :3/ 210 (1522)، معرفة السنن والآثار:2/ 35۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ عَنْ يَمِينِهِ، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَى الإِمَامِ، فَإِنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ أَحَدٌ عَنْ يَسَارِهِ رَدَّ عَلَيْهِ.

بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ یہ کلمات پہلی دو رکعتوں (کے بعد والے تشہد) میں کہتے اور جب اسے پورا کر لیتے تو جو اُن کے لیے ظاہر ہوتا یعنی جو دل کرتا دعا مانگتے، پھر جب نماز کے آخر میں بیٹھتے تو بھی (انھی کلمات کے ساتھ) اسی طرح تشہد پڑھتے مگر (اس میں کچھ ترتیب یوں الٹ دیتے کہ) پہلے صرف تشہد (پر دلالت کرنے والے کلمات یعنی شَهِدتُّ اَنْ لَّا ......الخ) پڑھتے، پھر جو اُن کا دل کرتا دعا مانگتے، پھر جب اپنا تشہد (یعنی نماز کا آخری بیٹھنا) پورا کر لیتے اور سلام پھیرنے کا ارادہ کرتے تو (قبل از سلام) اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ...... سے اَلصَّالِحِيْنَ تک پڑھتے، پھر اپنی دائیں جانب (منہ پھیر کر) اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہتے، پھر (اگر امام کے ساتھ ہوتے تو چونکہ امام بھی اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہہ چکا ہوتا تھا اس لیے) امام کے سلام کا جواب دیتے، پھر اگر ان کی بائیں جانب (کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہوتا اور وہ اس طرف) سے ان کو سلام کرتا تو اس کو بھی جواب دیتے۔

فائدہ: ......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ان کلماتِ تشہد اور ان کے مکمل طریقہ تشہد وسلام میں متعدد ایسی چیزیں ہیں جو عام احادیث میں نہیں ہیں، بہر حال چونکہ یہ معاملہ وسعت والا ہے اس لیے ان سب کی گنجائش تو ضرور ہے لیکن بہترین طریقہ وہی ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، الفاظ نبویہ تو ہم آگے چل کر بیان کریں گے، فی الحال اس روایت کے ان مسائل کو دیکھتے ہیں جو مزید دلائل سے بھی ثابت ہیں۔(1) درمیانی تشہد میں دعا مانگنا، چنانچہ اس تشہد میں نبی کریم ﷺ سے بھی درود اور دعا دونوں کا ثبوت ملتا ہے۔ (نسائی: 1721، ابوعوانہ: 2/ 424، ابن ماجہ: 1911۔ اس کی سند صحیح ہے) اور محدثین کے ہاں یہ ایک اصول ہے کہ کسی ایک بھی نماز میں کوئی عمل ثابت ہو جائے تو وہ دیگر نفلی وفرض نمازوں میں مشروع قرار پاتا ہے، اس میں فرض ونفل کا کوئی فرق نہیں، جو اس کا دعویٰ کرتا ہے اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے...... ہاں نبی کریم ﷺ نے خود کسی مخصوص عمل کو فرض یا نفل کے ساتھ خاص کیا ہو تو الگ بات ہے اور جسے آپ ﷺ نے خاص نہیں کیا اُسے ہم بھی خاص نہیں کر سکتے۔(2) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کچھ یوں ترتیب سکھائی ہے: پہلے حمد وثناء یعنی ''اَلتَّحِيَّاتُ'' کے کلمات توحید ورسالت کی گواہی سمیت پڑھیں، پھر درود اور پھر آخر میں دعا مانگیں۔ (ابو داؤد: 1481، نسائی: 1285، ترمذی: 593، 3476۔ ان تمام کی سندیں حسن یا صحیح ہیں۔)، (3) نماز میں ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ'' کے الفاظ کی جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ''اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ'' کہنا متعدد روایات سے ثابت ہے، (بخاری: 6265، نیز ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ، ابو عوانہ رحمہ اللہ، بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اسے صحیح اسانید سے ذکر کیا ہے۔ زرقانی) دونوں طرح ہی درست ہے، البتہ اگر (اعراب حکائی کی مانند) پہلے الفاظ پڑھیں تو زیادہ بہتر ہے، لیکن عقیدہ وہی ہو جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور نہ سمیع وعلیم ہے، اسی

عقیدے کی بدولت بعض صحابہ ''عَلَيْكَ'' اور ''أَيُّهَا'' کے الفاظ چھوڑ دیتے تھے،......اھلُ السُّنَّة وَالْجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن ان کی یہ زندگی برزخی ہے اور دنیوی نہیں ہے، آپ ﷺ کی دنیوی زندگی ختم ہو چکی ہے، اسی لیے تو آپ ﷺ کی عمر کی تعیین 63 سال کے ساتھ کی جاتی ہے، اور اسی لیے آپ ﷺ کو دفنایا گیا، البتہ آپ ﷺ کی برزخی زندگی یقیناً ثابت ہے جو شہداء سے بھی کامل ترین اور اعلیٰ ہے لیکن ہماری سمجھ سے بالا ہے، جو لوگ آپ ﷺ کے متعلق حاضر ناظر ہونے یا ہر پکار سننے یا حاجت روائی کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ صفات الٰہیہ میں مخلوق کو شریک ٹھہرانا چاہتے ہیں...... (4) امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے نزدیک ایک طرف سلام واجب ہے اور دوسری طرف سنّت ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف ایک سلام ہی مسنون ہے، البتہ اگر امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے اور بائیں جانب بھی کوئی شخص ہو تو امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں تین دفعہ سلام کہا جائے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سلام کہنا محض مسنون ہے، واجب نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص عمداً نماز کے منافی کوئی عمل کر لے تو وہ نماز سے فارغ شمار ہوگا ...... جمہور کا موقف راجح ہے جس کی کچھ وضاحت آگے آ رہی ہے۔

[203] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا كَانَتْ تَقُولُ: إِذَا تَشَهَّدَتْ التَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰه وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰه الصَّالِحِينَ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ.

زوجہ پیغمبر ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب وہ تشہد پڑھتیں تو یہ کہا کرتی تھیں: التَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ (پھر نماز سے فارغ ہونے کے لیے کہتیں:) السَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔''

[204] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ

قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ

---

[203] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبه: 1/ 261 ، بیهقی: 2/ 144، شرح معانی الآثار: 1/ 262۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

[204] (موقوف صحیح) بیهقی: 2/ 144 ، معرفة السنن والآثار: 2/ 35، ابن ابی شیبه: 1/ 293 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

سَعِيدٍ الأَنْصَارِي، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تَقُولُ: إِذَا تَشَهَّدَتْ: التَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ.

پیغمبر ﷺ جب تشہد پڑھتیں تو یہ کہتیں: التَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ (پھر آخر میں کہتیں:) ''السَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔''

فائدہ: ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ روایات اور اس روایت کے الفاظ میں دو فرق ہیں، ایک یہ کہ ہندی نسخوں میں یہاں 'وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ' کا اضافہ نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ یہاں ''أَشْهَدُ'' کا لفظ دوبار آیا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صرف ایک سلام کہا کرتی تھیں، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتی کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے بھی ایک سلام پر اکتفا کرنے کا ثبوت ملتا ہے، مدینہ منورہ میں اسی پر عمل تھا، اور ایک سلام ہی مشہور تھا، اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ بھی ایک ہی سلام کو مسنون کہتے تھے، دراصل نبی کریم ﷺ سے مختلف طریقوں سے سلام کہنے کا ثبوت ہے، مثلاً: (1) دونوں جانب سلام کہتے، یہاں تک کہ پیچھے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلام کے دوران آپ ﷺ کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتے۔ (مسلم: 582، اور ابوداؤد: 996، ترمذی: 295)۔ (2) صرف ایک سلام کہتے اور وہ بھی سامنے ہی کی جانب کہتے۔ (مسلم: 746، اور ترمذی: 296، ابن ماجہ: 919، ابن خزیمہ: 729، ابن حبان: 1995۔ اس کی سند صحیح ہے۔)......رسول اللہ ﷺ سے دونوں طرف ''السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' کہنا بھی ثابت ہے۔ (ابوداؤد: 996، ترمذی: 295۔ اس کی سند صحیح ہے)، اور صرف دائیں طرف ''وَبَرَكَاتُهُ'' کا اضافہ بھی ثابت ہے۔ (ابوداؤد: 997،) اور آپ ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صرف ''السَّلَامُ عَلَيْكُمْ'' کہنا بھی ثابت ہے۔ (مسلم: 431/ 121) الغرض یہ تمام الفاظ اور طریقے درست ہیں اور صرف ایک بار سلام والی روایات ہی کے پیش نظر یہ موقف راجح ہے کہ واجب سلام صرف ایک ہے اور دوسرا سلام سنت کا درجہ رکھتا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ کلماتِ تشہد

(حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے) ''التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا

اللّٰهُ وَاَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ۔''(بخاری:831، مسلم:402)۔(1) (حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت سے) ''التَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ...... الخ'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی روایت کی طرح ہے۔(مسلم:404)(3) (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے) ''التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ اللّٰه السَّلَامُ عَلَيْكَ ......الخ'' آگے آخر تک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہی کی طرح ہے، سوائے اس کے کہ اس کے آخر میں ''عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' کی جگہ ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' کالفظ ہے۔(مسلم:403)......

امام احمد رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول الفاظ کو، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رحمہ اللہ کے بیان کردہ الفاظ کو اور امام مالک رحمہ اللہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ والے الفاظ کو افضل تشہد کہتے ہیں۔

[205] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ وَنَافِعاً مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ دَخَلَ مَعَ الإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ، وَقَدْ سَبَقَهُ الإِمَامُ بِرَكْعَةٍ، أَيَتَشَهَّدُ مَعَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ وَالأَرْبَعِ، وَإِنْ كَانَ ذَلِكَ لَهُ وِتْراً؟ فَقَالَا: نَعَم لِيَتَشَهَّدْ مَعَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے اور حضرت ابن عمر رحمہ اللہ کے آزاد کردہ غلام نافع رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو امام کے ساتھ نماز میں (جب) داخل ہوا (تو) امام اس سے پہلے ایک رکعت پڑھا چکا تھا، تو کیا وہ (نماز میں داخل ہونے کے بعد) امام کے ساتھ دو رکعتوں اور چار رکعتوں (کے بعد) میں تشہد پڑھے گا، اگر چہ یہ رکعتیں اس (بعد میں آنے والے) کی طاق رکعتیں ہیں (جب امام کی دو ہوئیں تو اس کی ایک ہوئی، اور امام کی چار پر اس کی تین ہوئیں)؟ تو دونوں (ابن شہاب رحمہ اللہ اور نافع رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ اُسے چاہیے کہ امام کے ساتھ تشہد پڑھے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهُوَ الأَمْرُ عِنْدَنَا.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔

فائدہ: ......کیونکہ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤتَمَّ بِهٖ فَلَاتَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ ''امام تو صرف اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا اس سے اختلاف نہ کیا کرو۔''(بخاری:722، مسلم: 414) جس طرح امام کی اقتدا میں بعض اوقات زائد سجدہ وتشہد کرنے پڑتے ہیں، اسی طرح امام کی اقتدا ہی کی نیت سے اس زائد تشہد میں زائد اذکار بھی ہو سکتے ہیں، چنانچہ اگر امام کا آخری تشہد ہو تو جن مقتدیوں کی ابھی کچھ نماز باقی ہو وہ اس تشہد میں درود اور دعائیں پڑھیں گے۔

---

[205] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

14- باب مَا يَفْعَلُ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ

اِس حکم کا بیان کہ وہ شخص کیا کرے جو امام سے قبل ہی (رکوع وسجدہ سے) اپنا سر اٹھا لے؟

خلاصۃ الباب امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں صرف ایک موقوف روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی صورت میں ذکر کی ہے، اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے، اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا اپنا ایک فتوی موجود ہے۔

[206] حَـدَّثَـنِـي يَـحْـيَـى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُـحَـمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ مَلِيحِ بْنِ عَبْـدِ اللّٰه السَّعْدِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ: الَّـذِي يَـرْفَـعُ رَأْسَـهُ وَيَـخْفِضُهُ قَبْلَ الإِمَامِ، فَإِنَّمَا نَاصِيَتُهُ بِيَدِ شَيْطَانٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اٹھالیتا ہے اور جھکا لیتا ہے تو یقیناً (بات یہی ہے کہ) اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔

فائدہ: ......یعنی جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نکل جائے وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، پھر شیطان اُسے قابو کر کے جو چاہتا ہے اس سے کراتا رہتا ہے......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَمَـا يَـخْشَـى الَّـذِیْ يَـرْفَـعُ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ ''وہ شخص جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھالیتا ہے، کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا سر بنادے۔'' (بخاری: 691، مسلم: 427) لہٰذا معلوم ہوا کہ امام سے مسابقت کرنا حرام ہے،''انـمـا جعل الامام ليوتم به'' حدیث کا تقاضا یہی ہے کہ امام سے نہ آگے بڑھا جائے اور نہ ہی برابری کی جائے بلکہ اقتدا کی جائے، اس سے پیچھے رہا جائے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہوتے تو ہم میں سے کوئی بھی اپنی پشت کو موڑتا بھی نہیں تھا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی مبارک زمین پر رکھ لیتے (تو پھر ہی ہم سجدے کے لیے جھکتے تھے)۔ (بخاری: 811، مسلم: 474)

قَـالَ مَـالِكٌ: فِيْـمَـنْ سَهَا، فَرَفَعَ، رَأْسَهُ قَبْلَ الْاِمَـامِ فِي رُكُوْعٍ -أَو سُجُوْدٍ-: إِنَّ السُّنَّةَ فِي ذٰلِكَ أَنْ يَـرْجِـعَ رَاكِـعًـا ـ أَو سَاجِدًا ـ، وَلَا يَـنْـتَـظِرُ الْإِمَامَ، وَذٰلِكَ خَطَأٌ مِمَّنْ فَعَلَهُ؛ لأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِـهِ؛ فَـلَا تَـخْتَـلِفُوْا عَلَيْهِ. وَقَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ:

مسئلہ: امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو بھول کر امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھالیتا ہے (فرمایا:) یقیناً اس بارے میں درست طریقہ یہی (چلا آرہا) ہے کہ وہ پھر رکوع یا سجدے میں واپس لوٹ جائے اور (بھول کر سر اٹھانے کے بعد اسی حالت میں) امام (کے سر اٹھانے) کا انتظار نہ کرتا رہے، اور جس نے بھی ایسا کیا

[206] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 2/ 373 (3753)، حمیدی: 989، بزار: 485، طبرانی فی الاوسط: 8692، شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ سند ضعیف ہے کیونکہ ملیح بن عبداللہ السعدی مجہول راوی ہے۔

الَّذِیْ یَرْفَعُ رَأْسَهُ وَیَخْفِضُهُ قَبْلَ الْإِمَامِ، فَإِنَّمَا نَاصِیَتُهُ بِیَدِ شَیْطَانٍ.

ہے اس نے خطا ہی کی ہے، کیونکہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ ''امام تو صرف اور صرف اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی اور اقتدا کی جائے، لہٰذا اس سے اختلاف نہ کرو۔'' اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی کہا ہے کہ جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا یا جھکاتا ہے تو یقیناً یہی بات ہے کہ اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔

فائدہ:...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والا قول رسول اللہ ﷺ سے بھی مروی ہے جسے دراوردی اور بزار نے روایت کیا ہے۔ (زرقانی) امام احمد رحمہ اللہ اور ظاہریہ کے نزدیک جان بوجھ کر ایسا کرنے والے کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

15- باب مَا یَفْعَلُ مَنْ سَلَّمَ مِنْ رَکْعَتَیْنِ سَاهِیًا

اس بات کا بیان کہ وہ آدمی کیا کرے جو بھول کر دو رکعتوں ہی پر سلام پھیر دے؟

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار احادیث مصطفیٰ ﷺ مذکور ہیں اور سب کی سب، باب میں مذکور سندوں سے یا دوسری کتب حدیث میں مذکور سندوں سے صحیح ثابت ہیں، نیز باب کے اخیر میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔

[207] حَدَّثَنِی یَحْیَی، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَیُّوبَ بْنِ أَبِی تَمِیمَةَ السَّخْتِیَانِیِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیرِینَ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَیْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُو الْیَدَیْنِ: أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِیتَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَصَدَقَ ذُو الْیَدَیْنِ؟ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ. فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلَّى رَکْعَتَیْنِ أُخْرَیَیْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ کَبَّرَ، فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ، ثُمَّ کَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ (چار رکعتوں والی نماز سے) دو رکعتیں ہی پڑھ کر فارغ ہوگئے تو حضرت ذُوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے (لوگوں سے) دریافت فرمایا کہ ''کیا ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے؟'' لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں، تو رسول اللہ ﷺ (نماز کے لیے کھڑے) ہوگئے اور بعد والی دو رکعتیں بھی ادا فرمائیں، پھر سلام پھیرا، پھر اللہ اکبر کہا اور اپنے (عام) سجدے کی طرح یا اس سے ذرا لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا، پھر اللہ اکبر کہا اور اپنے (عام) سجدے کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا۔

---

[207] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب هل یا خذالامام اذاشك بقول الناس، حدیث: 482، 714، 715، 1227، 1229، 6051، 7250، وصحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو فی الصلاة والسجودله، حدیث:573، ابوداؤد:1008، ترمذی:394، 399، نسائی:1226، ابن ماجه:1214.

فائدہ :......اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز میں بھول لاحق ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اور انبیاء بھی بشر ہی ہوتے ہیں اور ان سے بھی سہوونسیان صادر ہو جاتا ہے......اس حدیث کی رو سے سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کرنا چاہیے، (اگرچہ حدیث کے لحاظ سے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے کی گنجائش ہے،) یہ بھی معلوم ہوا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تحقیق کرنے کا حکم دے رکھا ہے اس لیے رسول مکرم ﷺ کی طرح ہمیں بھی تصدیق کروالینی چاہیے، اور سب سے اہم مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ نماز میں بھول کر کلام کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ابھی کچھ حصہ باقی تھا اور آپ اس کے دوران بھول کر کلام فرماتے رہے لیکن بعد میں مکمل نماز نہیں پڑھی، ہاں جو گفتگو عمداً ہو اُس کی دو قسمیں ہیں، اگر تو وہ اسی بھول کی تحقیق کے لیے ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے، البتہ اگر تحقیق ہو جانے کے بعد قصداً ادھر ادھر کی باتیں کی جائیں تو پھر مکمل نماز کو نئے سرے سے شروع کرنا ہوگا۔

[208] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْعَصْرِ، فَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيْنِ، فَقَامَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالَ: أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَمْ نَسِيتَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ. فَقَالَ: قَدْ كَانَ بَعْضُ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ. فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ فَقَالُوا نَعَمْ. فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَأَتَمَّ مَا بَقِيَ مِنَ الصَّلَاةِ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ التَّسْلِيمِ وَهُوَ جَالِسٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے (ہمیں) عصر کی نماز پڑھائی تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا، (پھر رسول اللہ ﷺ مسجد کے سامنے ایک لکڑی پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے، لوگوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے مگر وہ گفتگو چھیڑنے سے ڈر گئے) تو حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور (چونکہ وحی کے ذریعے احکام تبدیل ہوتے رہتے تھے اس لیے) عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ کو بھول لاحق ہوگئی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں کاموں میں سے کوئی بھی نہیں ہوا۔'' وہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! پھر یقیناً ان میں سے کوئی نہ کوئی کام ضرور ہوا ہے، تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کیا ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے؟'' لوگوں نے کہا کہ جی ہاں، تو رسول اللہ ﷺ (نماز میں) کھڑے ہو گئے اور نماز کا جو حصہ باقی تھا اُسے پورا فرمایا، پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے ہی دو سجدے کر لیے۔

---

[208] (صحیح) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو فی الصلاة والسجود له، حدیث: 573/99 سنن نسائی، کتاب السهو، باب مایفعل من سلم من رکعتین ناسیا ویتشهد، حدیث: 1227۔

فائدہ : ......بعض روایات میں ظہر کا لفظ ہے، بعض میں عصر کا، اور بعض میں تعیین نہیں ہے، یہ شک اگرچہ ابن سیرین کو ہوا تھا، لیکن سنن نسائی کی روایت (1225) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خود بھی نماز کی تعیین میں نسیان لاحق ہوگیا تھا......حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ قصہ دو دفعہ پیش آیا، ایک کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر کر مسجد کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے اور دوسرے واقعہ کو حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر کی تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر کر گھر چلے گئے تھے، ......حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا نام خِرباق بن عَمرو ہے۔ (مسلم: 574، بروایت عمران بن حُصَین رضی اللہ عنہ) اور ان کا تعلق بنو سُلیم قبیلے سے تھا۔ (مسلم: 573/99۔ بروایت ابو هریره رضی اللہ عنہ) اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں وفات پائی، ان کے ہاتھ ذرا لمبے تھے، اس لیے ان کو ذوالیدین (ہاتھوں والا) کہا جاتا ہے ......ایک دوسرے صحابی حضرت ذُوالشِّمالین رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، جن کا نام عمیر بن عبد عمرو تھا ان کا تعلق بنو زُہرہ سے تھا اور وہ جنگ بدر میں شہید ہو چکے تھے جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر (سن 2ھ) سے پانچ سال بعد یعنی سات ہجری میں مسلمان ہوئے اور وہ خود اس قصے میں موجود تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں بھولنے کا واقعہ حضرت ذُوالشِّمالین کی شہادت کے بعد پیش آیا۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ نماز میں خواہ عمداً کلام کیا جائے یا سہواً، ہر دو طرح سے نماز باطل ہو جائے گی، وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگرچہ شروع اسلام میں نماز کے دوران گفتگو کرنا جائز تھا جسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا، لہٰذا اب جو شخص بھی کلام کرے گا اس کی نماز باطل ہوگی...... یہ مذکورہ بالا واقعہ احناف کے خلاف ہے کیونکہ اس میں گفتگو کا بھی ثبوت ہے اور نماز بھی اس سے باطل نہ ہوئی، اگر نماز باطل ہو جاتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکمل نماز کو دوبارہ دہراتے ......اس لیے اب احناف یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس واقعہ کو ابتدائے اسلام کا ثابت کریں اور اس مقصد کے لیے وہ ذُوالشِّمالین رضی اللہ عنہ کے لفظ سے سہارا لیتے ہیں، جو بعض روایات میں امام زہری رحمہ اللہ کے وہم سے شامل ہوگئے، چنانچہ احناف کے ہاں ذُوالیدین سے مراد ذُوالشِّمالَین ہی ہیں جو کہ شروع اسلام میں جنگ بدر کے موقع پر شہید ہوگئے تھے...... حالانکہ دونوں کا نام بھی، قبیلہ بھی اور سن وفات بھی مختلف ہے۔

[209] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي

ابوبکر رضی اللہ عنہ بن سلیمان بن ابی حَثمہ سے روایت ہے، ان کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کی دو نمازوں میں سے

[209] (صحيح لغيره) سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب السهو فی السجدتين، حديث:1013، سنن النسائی، کتاب السهو، باب ما يفعل من سلم من ركعتين ناسياويتشهد، حديث:1231، 1232، مسنداحمد:2/ 271، دارمی: 1497، عبد الرزاق: 2/ 196، معرفة السنن والآثار:2/ 186۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔

حَثْمَةَ ، قَالَ ، بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ مِنْ إِحْدَى صَلَاتَيِ النَّهَارِ - الظُّهْرِ أَوِ الْعَصْرِ - فَسَلَّمَ مِنَ اثْنَتَيْنِ ، فَقَالَ لَهُ ذُو الشِّمَالَيْنِ : أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللّٰه أَمْ نَسِيتَ ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰه ﷺ : مَا قَصُرَتِ الصَّلَاةُ وَمَا نَسِيتُ . فَقَالَ ذُو الشِّمَالَيْنِ قَدْ كَانَ بَعْضُ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰه . فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ : أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ ؟ فَقَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰه . فَأَتَمَّ رَسُولُ اللّٰه ﷺ مَا بَقِيَ مِنَ الصَّلَاةِ ، ثُمَّ سَلَّمَ .

کسی ایک میں، ظہر میں یا عصر میں دو رکعتیں پڑھائیں، پھر سلام پھیر دیا، تو بنو زُہرہ قبیلے کے ایک آدمی حضرت ذُوالشِمالین رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ نماز کم ہوئی ہے اور نہ میں بھولا ہوں۔'' تو حضرت ذُوالشِمالین رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! یقیناً ان میں سے کوئی نہ کوئی کام ضرور ہوا ہے، تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا: ''کیا ذُوالیَدَین نے سچ کہا ہے؟'' لوگوں نے کہا کہ جی ہاں، اے اللہ کے رسول! چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے باقی ماندہ نماز کو پورا کیا، پھر سلام پھیرا۔

فائدہ :...... اس روایت میں ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کو وہم لاحق ہوا ہے اوراس پر ائمہ محدثین کا اتفاق ہے۔ (زرقانی، فتح الباری) ورنہ یہ بات قطعی ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں پیش آیا اور اس وقت حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ تو دنیا ہی میں نہیں تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے موجود ہونے کی دلیل اُن کے یہ الفاظ ہیں: صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔'' (بخاری: 482، مسلم: 97/573، 98)، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ ''رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے نماز پڑھائی۔'' (مسلم: 573/ 99) بعض روایات میں ہے: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ ''ہمیں نبی ﷺ نے نماز پڑھائی۔'' (بخاری: 1227، 6051)، اوران سب سے بڑھ کر واضح الفاظ یوں مذکور ہیں: بَيْنَا اَنَا اُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ''اسی دوران کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔'' (مسلم: 573/ 100) بہرکیف جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ واقعہ سات ہجری یا اس کے بعد کا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ بھول کر نماز میں کلام کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

[210] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ مِثْلَ ذَلِكَ .

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔

---

[210] (صحيح لغيره) معرفة السنن والآثار للبيهقي: 2/ 186، ابن خزيمه في صحيحه: 2/ 126۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔

فائدہ: ...... ان دونوں شیوخ سے بھی ابن شہاب رحمہ اللہ نے گزشتہ حدیث روایت کی ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے متصل سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : كُلُّ سَهْوٍ كَانَ نُقْصَاناً مِنَ الصَّلَاةِ، فَإِنَّ سُجُودَهُ قَبْلَ السَّلَامِ، وَكُلُّ سَهْوٍ كَانَ زِيَادَةً فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ سُجُودَهُ بَعْدَ السَّلَامِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہر وہ بھول جس سے نماز میں کمی کی صورت میں واقع ہو، اس کا سجدہ (سہو) سلام پھیرنے سے پہلے کیا جائے گا اور ہر وہ بھول جس سے نماز میں زیادتی واقع ہوئی ہو، اس کا سجدہ سلام کے بعد کیا جائے گا۔

فائدہ: ...... یہ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ہے، حالانکہ مذکورہ بالا احادیث میں نماز میں کمی کے واقعات کا تذکرہ ہے لیکن پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کیا، امام شافعی رحمہ اللہ ہر بھول میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرنے کے قائل ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہر بھول کے موقع پر سلام کے بعد سجدہ سہو کرنے کے قائل ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بھول کے جو واقعات تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں اُن میں اُسوۂ رسول ﷺ پر ہی عمل کیا جائے ، جہاں آپ ﷺ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا، ہم بھی پہلے کریں گے اور جہاں بعد میں کیا، ہم بھی بعد میں کریں گے، اور ان کے علاوہ باقی ہر صورت میں سلام پھیرنے سے قبل سجدہ کریں گے...... نبی مکرم ﷺ سے چار واقعات تو صراحتاً ثابت ہیں: (1) ظہر یا عصر کی دو رکعتوں پر سلام (موطا کی روایات، بخاری:482، مسلم:573)۔ (2) عصر کی تین رکعتوں پر سلام۔ (مسلم:574)۔ (3) ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھا دیں۔ (بخاری:1226، مسلم: 572/ 91) ...... ان تینوں مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کیا...... (4) نماز ظہر کا درمیان والا تشہد بھول گیا تو اس موقع پر سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کیا۔ (بخاری:1224، مسلم:570)، باقی جتنی بھی روایات ہیں اُن میں سے بعض میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کا تذکرہ ہے۔ (مسلم:571، ترمذی: 398، ابن ماجہ: 1209۔ اس کی سند حسن ہے۔) اور بعض میں سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرنے کا ذکر ہے۔ (بخاری: 401، اور ابو داؤد: 1038۔ اس کی سند بھی حسن ہے۔) ...... ہمارے نزدیک راجح موقف یہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں جو طریقہ جس سہو کے ساتھ بیان کیا گیا وہاں اُسی طرح عمل کرنا ضروری ہے، ان کے علاوہ باقی ہر صورت میں ہر طرح جائز ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

16- باب إِتْمَامِ الْمُصَلِّي مَا ذَكَرَ إِذَا شَكَّ فِي صَلَاتِهِ

نمازی کو جب اپنی نماز میں شک لاحق ہو، تو جو چیز اسے یاد آئے اُسے پورا کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے ایک حدیث مصطفیٰ ﷺ ہے، دو موقوف روایات

ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ جات ہیں اور ایک روایت میں ایک صحابی اور ایک تابعی رحمہ اللہ کا متفقہ فتویٰ ہے، سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

[211] حَـدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْـنِ أَسْـلَـمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ ، إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ ، فَـلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ، أَثَلَاثاً أَمْ أَرْبَعاً ، فَلْيُصَلِّ رَكْـعَةً ، وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ التَّسْـلِيـمِ ، فَـإِنْ كَـانَـتِ الـرَّكْعَةُ الَّتِي صَلَّى خَـامِسَةً ، شَـفَـعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ ، وَإِنْ كَانَتْ رَابِعَةً فَالسَّجْدَتَانِ تَرْغِيمٌ لِلشَّيْطَانِ .

عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پڑ جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، تین یا چار، تو اسے چاہیے کہ ایک رکعت اور پڑھ لے اور سلام پھیرنے سے پہلے پہلے بیٹھے بیٹھے ہی دو سجدۂ سہو کر لے، چنانچہ اگر وہ رکعت جو اس نے (شک کی بنا پر) پڑھی ہے، (وہ درحقیقت) پانچویں تھی تو وہ ان دو سجدوں کے ساتھ اُسے ایک جوڑا بنا لے گا اور اگر وہ رکعت چوتھی ہی تھی تو دونوں سجدہ سہو شیطان کی (ناک خاک آلود کرنے اور اس کی) ذلت (کا باعث) ہو جائیں گے۔''

فائدہ :...... کیونکہ شیطان نے نماز میں شک اس لیے ڈالا تھا کہ نماز قابل قبول نہ رہے یا بندہ پریشان ہو کر نماز ہی ترک کر دے، لیکن اللہ کی رحمت سے نماز بھی درست ہوگئی اور وہ دونوں سجدے یا تو ایک مکمل رکعت کے قائم مقام ہو کر اس کی زائد رکعت سے مل کر دو نفلوں کے زائد اجر کا باعث بن گئے یا کم از کم دو سجدوں کی فضیلت کا سبب بن گئے اور سجدے سے شیطان چڑتا ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں شیطان کو ذلت ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے...... اس حدیث مبارکہ میں کسی بھی قسم کے شک اور حتی کہ نماز میں اضافہ ہو جانے کے باوجود سلام پھیرنے سے قبل سجدۂ سہو کرنے کا حکم ہے، جو سجدۂ سہو کے معاملے میں وُسعت و سہولت عطا کر رہا ہے۔

[212] وَحَـدَّثَـنِـي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عُمَرَ بْنِ مُـحَـمَّدِ بْنِ زَيْدٍ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، أَنَّ

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: جب تم میں سے کسی کو نماز

---

[211] (صـحـيـح) صـحـيـح مسـلـم، كتـاب الـمسـاجـد ومواضع الصلاة، باب السهو فى الصلاة والسجودله، حديث: 571، سـنـن ابـى داؤد كتاب الصلاة، باب اذا شك فى الثنتين والثلاث، حديث: 1024، ترمذى: 396، نسائى:1239، ابن ماجه:1210، دارمى:1495۔

[212] (مـوقوف صحيح) عبدالرزاق: 3469 ، ابن ابى شيبة: 4409 ، بيهـقـى فى السنن الكبرى: 2/ 333 ۔ شرح معانى الآثار للطحاوى:1/ 435 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ ، فَلْيَتَوَخَّ الَّذِي يَظُنُّ أَنَّهُ نَسِيَ مِنْ صَلَاتِهِ فَلْيُصَلِّهِ ، ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَهُوَ جَالِسٌ.

میں شک لاحق ہوتو اسے چاہیے کہ اس چیز کا قصد کرے جس کے متعلق اسے گمان ہے کہ وہ نماز میں اُسے بھول گیا تھا، پھر اُسے ادا کرے، پھر بیٹھے بیٹھے ہی دوسجدۂ سہو کرلے۔

فائدہ: ...... "فَلْيَتَوَخَّ" کے معنی "فَلْيَتَحَرَّ" کے ہیں، یعنی ذہن پر زور دے کر یا قرائن سے اندازہ لگا کر درست اور اصل صورتحال معلوم کرنے کی جستجو اور کوشش کرے اور پھر ذہن میں جو چیز پختہ ہو یا جس کا غالب گمان ہو اُس کے مطابق عمل کرے اور باقی ماندہ نماز کی اُسی پر بنیاد رکھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں شک میں مبتلا ہو جانے والے کو حکم دیا کہ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ "اسے چاہیے کہ درستی کو تلاش کرے۔" (بخاری:401، مسلم:572/ 89) اور حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ "اُسے چاہیے کہ شک کو چھوڑ دے اور جس کا اُسے یقین ہو اُسی پر بنیاد رکھے۔" چنانچہ اگر تو قرائن سے یا ذہن پر زور دینے سے واقعی اور یقینی تعداد معلوم ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ رکعتوں کی تعداد کے متعلق جن دو عددوں میں شک پڑا ہوا اُن میں سے چھوٹا عدد یقینی شمار ہوگا، چنانچہ تین یا چار میں شک ہو تو تین رکعتیں یقینی شمار ہوں گی اور چار کے عدد کو شک والا قرار دیا جائے گا، لہٰذا ایسی صورت میں ایک رکعت مزید پڑھ لی جائے، اگر دو یا تین میں شک ہو تو دو کا عدد یقینی اور تین کا عدد شک والا شمار ہوگا، اس لیے وہ دو رکعتیں مزید پڑھ لے، امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے اور یہی راجح ہے۔

[213] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَفِيفِ بْنِ عَمْرٍو السَّهْمِيِّ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، أَنَّهُ قَالَ : سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَكَعْبَ الْأَحْبَارِ عَنِ الَّذِي يَشُكُّ فِي صَلَاتِهِ ، فَلَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى ، أَثَلَاثاً أَمْ أَرْبَعاً ؟ فَكِلَاهُمَا قَالَ : لِيُصَلِّ رَكْعَةً أُخْرَى ، ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ.

عطاء بن یسار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور کعب احبار رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا جسے نماز میں شک لاحق ہوا تو وہ نہ جان سکا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، تین یا چار، تو دونوں نے جواب دیا کہ اُسے چاہیے کہ (تین رکعتیں شمار کرکے) ایک رکعت اور بھی ادا کرے، پھر بیٹھے بیٹھے دو سجدۂ سہو کرلے۔

---

[213] (موقوف صحيح) ابن ابی شيبة: 2/ 26 ، بيهقی: 2/ 333 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

[214] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰه بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا سُئِلَ عَنِ النِّسْيَانِ فِي الصَّلَاةِ قَالَ: لِيَتَوَخَّ أَحَدُكُمُ الَّذِي يَظُنُّ أَنَّهُ نَسِيَ مِنْ صَلَاتِهِ فَلْيُصَلِّهِ.

نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب بھی نماز میں بھول جانے کے متعلق سوال ہوتا تو فرماتے کہ تم میں سے (اس صورت حال میں مبتلا ہونے والے) کسی بھی شخص کو چاہیے کہ اُس چیز کا قصد کرے (اور اُس چیز کی جستجو کرے) جس کے متعلق اُسے گمان ہے کہ وہ اُسے اپنی نماز میں بھول گیا ہے، پھر اُسے پڑھ لے۔

17- بابُ مَنْ قَامَ بَعْدَ الإِتْمَامِ أَوْ فِي الرَّكْعَتَيْنِ

اُس شخص کا بیان جو نماز پوری ہوجانے کے بعد یا دو رکعتوں کے بعد (بغیر تشہد پڑھے) کھڑا ہوجائے

خلاصۃ الباب امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں دو احادیث ذکر کی ہیں اور دونوں ہی بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں، نیز امام صاحب کا اپنا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[215] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰه ابْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰه ﷺ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَجْلِسْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ وَنَظَرْنَا تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ التَّسْلِيمِ، ثُمَّ سَلَّمَ.

حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نمازِ (ظہر) کی دو رکعتیں پڑھائیں، پھر (سیدھے) کھڑے ہوگئے اور (تشہد کے لیے) نہ بیٹھے، چنانچہ لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہی کھڑے ہوگئے، پھر جب آپ ﷺ نے اپنی نماز پوری کرلی اور ہم آپ کے سلام پھیرنے کا انتظار کررہے تھے تو آپ نے تکبیر کہی، پھر سلام پھیرنے سے قبل ہی بیٹھے بیٹھے دو سجدے کرلیے، پھر سلام پھیر دیا۔

فائدہ: ......معلوم ہوا کہ درمیانی تشہد نماز کا رُکن نہیں بلکہ سنّت ہے، جو اگر رہ جائے تو سہو کے دو سجدے

---

[214] (موقوف صحیح) شرح معانی الاثار للطحاوی: 1/ 435، بیھقی: 2/ 333۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

215۔(صحیح) صحیح البخاری، کتاب السھو، باب ماجاء فی السھو اذاقام من رکعتی الفریضۃ، حدیث: 1224، 1225، 1230، 6670، اور 824، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب السھو فی الصلاۃ والسجود لہ، حدیث: 570، ابوداؤد: 1034، ترمذی: 391، نسائی: 1178، 1179، ابن ماجہ: 1206، احمد: 5/ 345، دارمی: 1499۔

اس کی کمی پوری کر دیتے ہیں، جمہور اسی کے قائل ہیں،البتہ امام احمد رحمہ اللہ اسے واجب کہتے ہیں، اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام کی بھول اور سہو سے مقتدیوں کے لیے بھی سجدہ لازم ہو جاتا ہے، پھر چونکہ امام کی اقتدا لازم ہے اس لیے اگر کوئی مقتدی امام کی بھول کے بعد بھی نماز میں شریک ہوا ہوا سے بھی امام کی اقتدا میں سجدۂ سہو کرنا پڑیں گے۔

[216] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الظُّهْرَ، فَقَامَ فِي اثْنَتَيْنِ، وَلَمْ يَجْلِسْ فِيهِمَا، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ.

حضرت عبداللہ بن بُحَینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی تو دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کے بعد نہ بیٹھے، پھر جب آپ ﷺ نے نماز پوری کر لی تو دو سجدے کیے، پھر اس کے بعد سلام پھیر دیا۔

فائدہ: ......کسی صحیح روایت میں سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھنا ثابت نہیں ہے، جن روایات میں اس کا ذکر ہے وہ ضعیف یا شاذ ہیں، اس لیے اس تشہد کو لازم نہیں کہا جا سکتا، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر سجدۂ سہو سلام سے پہلے ہو تو پھر ان کے بعد نیا تشہد نہ پڑھا جائے، امام مالک رحمہ اللہ سے اس صورت میں دونوں اقوال مروی ہیں اور اگر سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا جائے تو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا موقف نیا تشہد پڑھنے کا ہے، ہماری تحقیق کے مطابق راجح موقف یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھنے کی گنجائش تو ہے لیکن افضل یہی ہے کہ تشہد نہ پڑھے۔

قَالَ مَالِكٌ فِيمَنْ سَهَا فِي صَلَاتِهِ، فَقَامَ بَعْدَ إِتْمَامِهِ الْأَرْبَعَ فَقَرَأَ، ثُمَّ رَكَعَ، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ رُكُوعِهِ، ذَكَرَ أَنَّهُ قَدْ كَانَ أَتَمَّ: إِنَّهُ يَرْجِعُ فَيَجْلِسُ، وَلَا يَسْجُدُ، وَلَوْ سَجَدَ إِحْدَى السَّجْدَتَيْنِ لَمْ أَرَ أَنْ يَسْجُدَ الْأُخْرَى، ثُمَّ إِذَا قَضَى صَلَاتَهُ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ بَعْدَ التَّسْلِيمِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی نماز میں بھول گیا اور چار رکعتیں پوری کر لینے کے بعد پھر کھڑا ہو گیا، چنانچہ اس نے قراءت بھی کی، پھر رکوع بھی کر لیا، پھر جب اس نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا تو اسے یاد آیا کہ وہ نماز کو (پہلے ہی) پورا کر چکا ہے، (امام صاحب نے فرمایا:) تو وہ وہیں سے واپس لوٹ جائے اور (آخری تشہد کے لیے) بیٹھ جائے اور (حتی کہ) اگر اس نے ایک سجدہ کر لیا ہو (پھر اسے یہی بات یاد آ جائے) تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ دوسرا سجدہ کرے (بلکہ پہلے سجدہ کے بعد یاد آتے ہی)

---

[216] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب السهو، باب ماجاء فی السهو اذا قام من ركعتی الفريضة، حديث: 1225، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو فی الصلاة والسجودله، حديث: 570/ 87، ابن ماجه: 1207۔

بعد دو سجدۂ سہو کرلے۔

فائدہ : ...... یہ بات امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے موقف کے مطابق کی ہے کہ اگر نماز میں کچھ اضافہ ہوا ہو تو سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے ورنہ پہلے، ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ احادیث میں منقول طریقوں پر ہو بہو عمل کیا جائے، جبکہ باقی ہر سہو میں اختیار ہے......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر چوتھی رکعت (یا آخری رکعت) کے بعد آدمی نہ بیٹھے اور بھول کر کھڑا ہو جائے، پھر اگر تو وہ سجدہ کرنے سے پہلے پہلے (تشہد کے لیے) واپس لوٹ جائے تو ٹھیک ہے (اس کی نماز درست رہے گی، صرف سجدۂ سہو ہی کرنا پڑے گا)، ورنہ اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو اس کی نماز بالکل فاسد اور باطل ہو جائے گی اور وہ نئے سرے سے نماز لوٹائے گا، ہاں اگر وہ چار رکعتوں کے بعد بیٹھ چکا ہو لیکن سلام پھیرنے کی بجائے بھول کر پھر کھڑا ہو گیا، پھر اگر تو وہ سجدہ کرنے سے قبل لوٹ جائے تو صرف سجدۂ سہو کرے گا اور نماز درست ہو گی، لیکن اگر وہ پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلے تو اُسے اب ایک رکعت اور پڑھنا ہو گی، پھر یہ دونوں زائد رکعتیں نفل بن جائیں گی اور پہلی چار رکعتیں فرض ہوں گی......لیکن یہ موقف حدیثِ پاک کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ یوں ہوا کہ "اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰی الظُّهْرَ خَمْسًا "،" بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھا دیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا نماز میں اضافہ کر دیا گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "کیا ہوا؟" تو ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھا دی ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نے نہ تو اپنی نماز کو فاسد و باطل قرار دیا اور نہ چھٹی رکعت ساتھ ملائی بلکہ آپ) نے دو سجدے کرلیے اور بس۔ (بخاری: 1226، مسلم: 572/ 91)...... یاد رہے کہ آدمی درمیانی قعدہ (تشہد کے لیے بیٹھنا) بھول جائے، اور اگلی رکعت کے لیے اٹھنے لگے، تو اگر وہ کھڑا ہونے کے قریب پہنچ چکا ہو تو یاد آجانے کے باوجود تشہد کے لیے واپس نہ ہو گا، ہاں اگر اس سے پہلے پہلے یعنی آدھا کھڑا ہونے سے پہلے پہلے اُسے یاد آجائے تو پھر واپس بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کی بھی ضرورت نہیں......یہی صورتحال امام کی ہے کہ اگر بیٹھنے کے قریب ہو تو خود یاد آنے پر یا مقتدیوں کے سُبحان اللہ کہنے سے یاد آنے پر واپس بیٹھ جائے، لیکن اگر کھڑا ہونے کے قریب پہنچ چکا ہو تو مقتدیوں کے سُبْحَانَ اللّٰه کہنے کے باوجود واپس نہ ہو گا، بلکہ مقتدیوں کے لیے اٹھ کھڑا ہونا لازم ہو گا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن بُحَینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بعض سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ لوگ سُبْحَانَ اللّٰه کہتے رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی تشہد کے لیے واپس نہ لوٹے۔ (اس مسئلے کے لیے ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ قَرِیْبُ الشَّیْء کو عَیْنُ الشَّیْء شمار کیا جاتا ہے، یعنی ایک چیز دوسری چیز کے قریب ہو گی تو اُسی کا حکم پالے گی، چنانچہ بھولنے والا شخص قیام یا قعود میں سے جس کے قریب ہو گا اُسی میں شمار ہو گا)......رہا آخری تشہد کا مسئلہ تو اس میں بھول کر کھڑا ہونے والے کو جہاں یاد آئے وہ وہیں سے واپس لوٹ آئے اور اگر یہی بھول امام کو لاحق ہو تو مقتدیوں کو اس کے ساتھ کھڑا نہیں ہونا چاہیے، درمیانی تشہد کے بعد تو ابھی

کچھ نماز باقی ہوتی ہے اس لیے وہاں کھڑے ہو جانا نماز کی تکمیل کے لیے ہے جبکہ آخری تشہد کے بعد نماز ختم ہو جاتی ہے ، لہٰذا امام آخری تشہد پڑھ کر یا پڑھے بغیر کھڑا ہو جائے تو مقتدی کھڑے نہ ہوں اور بیٹھے بیٹھے مسلسل ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہتے رہیں تاوقتیکہ وہ واپس لوٹ آئے ، امام اور جو مقتدی اس کے ساتھ بھول کر کھڑے ہوگئے اُن کی نماز تو درست ہوگی لیکن جو مقتدی نماز پوری ہوجانے کا علم اور یقین رکھنے کے باوجود کھڑے ہوں گے وہ امام کی اقتدا کوضروری خیال کرتے ہیں تو امید ہے اس کے کھڑے ہونے پر اس کی نماز باطل نہ ہوگی ۔ واللہ اعلم ۔

18- بَابُ النَّظَرِ فِي الصَّلَاةِ إِلَى مَا يَشْغَلُكَ عَنْهَا

نماز میں اس چیز کی طرف دیکھنے کا بیان جو تمھیں اس (نماز) سے غافل کر دے

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے دو احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے ، اوران میں سے ایک کی سند صحیح اور دوسری کی حسن ہے ، پھر دو مزید واقعات ذکر کیے ہیں ، جن میں سے ایک حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جو عہد نبوی میں پیش آیا اور دوسرا واقعہ ایک انصاری شخص کا ہے جو خلیفہ سوم کے دور میں پیش آیا ، البتہ ان دونوں واقعات کی سندیں ضعیف ہیں ۔

فائدہ :......سہو اور نسیان کے متعلقہ مسائل میں اس باب کو ذکر کرنے کا مقصد یا تو یہ ہے کہ نماز میں کسی چیز کی طرف نظر اٹھ جانا ، یا کوئی سوچ آ جانا سجدۂ سہو کو لازم نہیں کرتا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک چادر کی طرف چلی گئی اور کچھ توجہ نماز سے ہٹ گئی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ سہو نہ کیا ، سجدۂ سہو تو تبھی لازم ہوگا جب ہم نماز کی کسی چیز کو کسی وجہ سے بھول جائیں ...... یا پھر امام صاحب اس باب سے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ نماز میں اِدھر اُدھر توجہ کے بکھرنے ہی سے نماز میں بھول لاحق ہوتی ہے ، لہٰذا اس پر جتنا ممکن ہو کنٹرول کرلو ، حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ! یقیناً شیطان میرے درمیان اور میری نماز اور قراءت کے درمیان حائل ہو کر اُسے مجھ پر خلط ملط کر دیتا ہے ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خِنْزَبٌ فَإِذَا اَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفُلْ عَلٰى يَسَارِكَ ثَلٰثًا '' یہ ایک (خاص) شیطان ہے جسے خِنْزَب کہا جاتا ہے ، جب تم اُسے محسوس کرو تو اس سے اللہ کی پناہ پکڑو یعنی ''اَعُوْذُ بِاللّٰه'' پڑھو اور اپنے جسم کے بائیں حصے پر (یعنی سینے کی بائیں جانب دل کے مقام پر) تین بار ہلکا ہلکا تھوک دو ۔'' (مسلم : 2203)

[217] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوجُہم بن

---

[217] (حسن) احمد : 6/ 177 ، ابن حبان : 6/ 107 (2338) ، بیہقی فی السنن الکبریٰ : 2/ 349 ، وفی معرفۃ السنن والآثار : 2/ 180 (1149) ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے ۔

عَـلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ ، [عَنْ أُمِّهِ]: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَـالَـتْ : أَهْدَى أَبُو جَهْمِ بْنُ حُـذَيْفَةَ لِرَسُولِ اللّٰه ﷺ خَمِيصَةً شَامِيَّةً لَهَا عَـلَـمٌ ، فَشَهِـدَ فِيهَـا الصَّلَاةَ ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَـالَ : رُدِّي هَـذِهِ الْـخَمِيصَةَ إِلَى أَبِي جَهْمٍ ، فَـإِنِّـي نَظَرْتُ إِلَى عَلَمِهَا فِي الصَّلَاةِ ، فَكَادَ يَفْتِنُنِي .

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ملک شام کی بنی ہوئی ایک (دھاری دار سُرخ یا سیاہ، باریک) چادر کا ہدیہ پیش کیا جس میں نشانات (یعنی نقش ونگار) تھے، آپ ﷺ اسی چادر میں نماز کے لیے حاضر ہوئے، پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: ''اس چادر کو ابوجُہم ہی کی طرف واپس لوٹا دو، کیونکہ میں نے نماز میں اس کے بیل بوٹوں کو دیکھا (یعنی میری نظر اس کے نقش ونگار کی طرف چلی گئی) تو قریب تھا کہ یہ مجھے فتنے میں ڈال دیتی (یعنی اللہ اور نماز سے غافل کر دیتی)۔''

فائدہ : ......تفصیلی روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: وَائْتُوْنِيْ بِاَنْبِجَانِيَّةِ اَبِيْ جَهْمٍ ''اور میرے پاس ابوجُہم کی سادہ (موٹی) چادر لے آؤ۔'' (بخاری: 373، مسلم: 556) اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز میں نظر کا یا توجہ کا تھوڑا بہت اِدھر اُدھر ہو جانا نہ نماز کو باطل کرتا ہے نہ سجدۂ سہو کو لازم کرتا ہے...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھر کی ایک دیوار پر نقش ونگار والا پردہ لٹکا لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُ تَعْرِضُ لِيْ فِيْ صَلَاتِيْ ''اپنے اس پردے کو ہم سے دور ہٹا دے کیونکہ بلاشبہ تصویریں مسلسل میری نماز میں آڑے آتی رہی ہیں۔'' (بخاری: 374) چونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی نمازوں کا اعادہ نہیں کیا اس لیے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نقش ونگار والے کپڑوں، چادروں یا مُنقّش جائے نماز، چٹائی اور قالین پر، یا مُنقّش پردوں اور دیواروں کے پاس نماز ہو تو جاتی ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ ان سے بچا جائے، جب کائنات کی سب سے زیادہ خشوع اور تقویٰ والی ذات کی توجہ ان چیزوں سے ہٹ گئی تھی تو ہمارا کیا حال ہوگا؟

[218] وَحَـدَّثَـنِـي مَـالِكٌ ، عَنْ هِشَـامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَـنْ أَبِيـهِ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ لَبِسَ خَـمِيـصَةً لَهَـا عَـلَـمٌ ، ثُمَّ أَعْطَاهَا أَبَا جَهْمٍ ، وَأَخَـذَ مِـنْ أَبِي جَهْمٍ أَنْبِجَانِيَّةً لَهُ ، فَقَالَ : يَا

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ اپنے والد عُروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک (باریک، دھاری دار سرخ یا سیاہ) چادر پہنی جس میں نشان (بیل بوٹے) تھے، پھر آپ ﷺ نے وہ چادر

[218] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا صلی فی ثوب له اعلام ونظر الی علمها، حدیث: 373، 752، 5817، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب کراهة الصلاۃ فی ثوب له اعلام، حدیث: 556، ابوداؤد: 914، 915، 4052، 5053، نسائی: 772۔

رَسُولَ اللّٰہ وَلِمَ ؟ فَقَالَ : إِنِّی نَظَرْتُ إِلَی عَلَمِهَا فِی الصَّلَاةِ .

حضرت ابوجُہم رضی اللہ عنہ کو دے دی اور ابوجہم رضی اللہ عنہ سے ان کی موٹی اُونی چادر لے لی ، انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ! آخر ایسا کیوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً نماز میں میری نظر اس کے نقش ونگار کی طرف چلی گئی تھی۔''

فائدہ : ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقش ونگار والی چادر واپس کی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہدیہ میں کوئی شرعی قباحت ہوتو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہم کی دلجوئی کے لیے اورطرح کی چادر دینے کا کہا تو اس نے وہ چادر دے دی تھی اور آپ نے اسے قبول فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں غافل کر دینے والی ہر چیز سے ہر ممکن پرہیز فرماتے، یہ بھی معلوم ہوا کہ تصویریں اور ظاہری اشیاء انسان کے دل پر اثر کرتی ہیں حتی کہ افضل واعلیٰ تقویٰ والی ہستیاں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

[219] وَحَدَّثَنِی مَالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰه بْنِ أَبِی بَكْرٍ ، أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِیَّ كَانَ يُصَلِّی فِی حَائِطِهِ ، فَطَارَ دُبْسِیٌّ ، فَطَفِقَ يَتَرَدَّدُ يَلْتَمِسُ مَخْرَجاً ، فَأَعْجَبَهُ ذَلِكَ ، فَجَعَلَ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ سَاعَةً ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَی صَلَاتِهِ ، فَإِذَا هُوَ لَا يَدْرِی كَمْ صَلَّی فَقَالَ : لَقَدْ أَصَابَتْنِی فِی مَالِی هَذَا فِتْنَةٌ . فَجَاءَ إِلَی رَسُولِ اللّٰه ﷺ ، فَذَكَرَ لَهُ الَّذِی أَصَابَهُ فِی حَائِطِهِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰه هُوَ صَدَقَةٌ لِلّٰه : فَضَعْهُ حَيْثُ شِئْتَ .

عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ (بن محمد بن عمرو بن حزم) سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک فاختہ نما (یا کبوتر نما خاکی) پرندہ اُڑا ،(چونکہ باغ بہت ہی گھنا تھا اس لیے) وہ اِدھر اُدھر اڑ کر نکلنے کی راہ ڈھونڈنے لگا، حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ (زید بن سہل) رضی اللہ عنہ کو اس منظر نے حیرت (وخوشی) میں ڈال دیا، توانھوں نے بھی کچھ دیر تک اس کے پیچھے اپنی نگاہ کو دوڑانا شروع کر دیا، پھر جب وہ اپنی نماز کی طرف لوٹے (اور دوبارہ نماز کی طرف متوجہ ہوئے) تو ناگہاں وہ (تو بھول کا شکار ہو چکے تھے اور وہ) یہ نہ جان سکے کہ کتنی نماز پڑھ لی ہے، چنانچہ (نماز ہی میں یا بعد میں اپنے دل میں) کہنے (اور سوچنے) لگے کہ یقیناً میرے اس مال میں آزمائش آ پہنچی ہے، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اُس آزمائش کا تذکرہ کیا جو اُن کو اپنے باغ میں پہنچی تھی اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول ! یہ (سارے کا سارا باغ میں نے) اللہ کی خاطر صدقہ

[219] (ضعیف) عبداللّٰه بن مبارك فی الزهد: 185، 186(526) ، السنن الكبری للبيهقی: 2/ 349، معرفة السنن والآثار: 2/ 180، (1150)، ضعيف الترغيب والترهيب للألبانی: 286۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں انقطاع ہے۔

(کردیا) ہے، لہٰذا آپ جہاں چاہیں اسے رکھ دیجیے (یعنی تقسیم اور خرچ کر دیجیے)۔

[220] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ : عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ : أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يُصَلِّي فِي حَائِطٍ لَهُ بِالْقُفِّ - وَادٍ مِنْ أَوْدِيَةِ الْمَدِينَةِ - فِي زَمَانِ الثَّمَرِ ، وَالنَّخْلُ قَدْ ذُلِّلَتْ ، فَهِيَ مُطَوَّقَةٌ بِثَمَرِهَا ، فَنَظَرَ إِلَيْهَا فَأَعْجَبَهُ مَا رَأَى مِنْ ثَمَرِهَا ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى صَلَاتِهِ ، فَإِذَا هُوَ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى فَقَالَ : لَقَدْ أَصَابَتْنِي فِي مَالِي هَذَا فِتْنَةٌ . فَجَاءَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ - وَهُوَ يَوْمَئِذٍ خَلِيفَةٌ - فَذَكَرَ لَهُ ذَلِكَ وَقَالَ : هُوَ صَدَقَةٌ فَاجْعَلْهُ فِي سُبُلِ الْخَيْرِ . فَبَاعَهُ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ بِخَمْسِينَ أَلْفاً ، فَسُمِّيَ ذَلِكَ الْمَالُ الْخَمْسِينَ .

عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص پھل (پک جانے) کے زمانے میں ”قُفّ“ مقام پر واقع اپنے باغ میں نماز ادا کر رہا تھا، قُفّ مدینہ منورہ کی وادیوں میں سے ایک وادی کا نام ہے، کھجوروں کے درخت (یعنی اُن کی ٹہنیوں پر لگے ہوئے پھل) جھکے ہوئے تھے، یوں لگتا تھا کہ ان درختوں کو ان کے پھلوں کے ہار پہنا دیے گئے ہیں، اس انصاری شخص نے ان کو دیکھا تو وہ پھل جسے وہ دیکھ رہے تھے اُنھیں بہت اچھا اور بھلا لگا، پھر وہ اپنی نماز کی طرف لوٹے تو اچانک وہ جان ہی نہ سکے کہ کتنی نماز پڑھی ہے؟ تو کہنے لگے کہ مجھے میرے اس مال میں فتنہ پہنچ گیا ہے، چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جو کہ اُن دنوں خلیفہ تھے، اُن کے سامنے اس کا تذکرہ کیا اور کہا کہ یہ (سب کا سب) صدقہ ہے، (اب) آپ اسے نیکی (کی راہوں) میں خرچ کر دیجیے، تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اُسے پچاس ہزار میں فروخت کر دیا، (جس کی وجہ سے) اس مال (یعنی باغ) کا نام ہی ”خَمْسِین“ (پچاس) رکھ دیا گیا۔

[220] (موقوف ضعيف) الزهد لعبد الله بن المبارك:186 (527)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

4

كِتَابُ السَّهْوِ

سہو کی کتاب

"اَلسَّهْوُ" یہ نَصَرَ باب سے مصدر ہے۔ ناقص واوی ہے۔ عربی میں بھول جانے کے لیے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک سَهْو دوسرا نسیان۔ ان میں معمولی فرق ہے۔ سَهْو افعال میں بھول جانے پر بولتے ہیں اور نسیان معلومات میں کمی وبیشی پر بولتے ہیں۔ کبھی دونوں الفاظ بھی بھول پر استعمال ہوجاتے ہیں۔

نماز میں سہو کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں کسی چیز سے غفلت ہوجانا۔ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر سہو کے بعد "فِيْ" ہو تو اس کے معنی ہیں: بغیر علم کے کسی چیز کو چھوڑنا اور اگر "عَنْ" آئے تو اس کے معنی ہیں: جان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑنا اور غفلت برتنا، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ (الماعون : 5) "وہ لوگ جو اپنی نماز سے غفلت اختیار کرتے ہیں۔" جب نمازی اپنی نماز میں بھول کر کسی واجب میں کوئی کمی یا بیشی کر بیٹھے اور یاد آنے یا کسی کے یاد دلانے پر سلام سے پہلے یا بعد میں زمین (یا اس کے قائم مقام جگہ) پر دو سجدے کرے تو اسے سجود و سہو اور عرف عام میں سجدۂ سہو کہتے ہیں۔

سجدۂ سہو کا حکم: اس کے وجوب اور عدم وجوب کی بابت اہل علم کا اختلاف ہے۔ شوافع اسے مسنون کہتے ہیں اور احناف کے نزدیک واجب ہے جیسا کہ صاحبِ ہدایہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (الهداية : 80/1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "شوافع کے نزدیک سجدۂ سہو ہر حال میں مسنون اور احناف کے نزدیک واجب ہے۔ مالکیہ کمی کی صورت میں واجب سمجھتے ہیں اور اضافے کی صورت میں افضل۔ حنابلہ کے ہاں ارکان کے علاوہ واجبات میں قدرے تفصیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی واجب بھول کر رہ جائے تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے۔ اسی طرح اگر بھول کر کسی فعل کا اضافہ کرلیا، مثلاً: ایک رکعت زیادہ پڑھ لی یا سجدہ زیادہ کرلیا وغیرہ یا کسی قول کا اضافہ کرلیا، مثلاً رکوع میں قرأت یا نماز میں کلام وغیرہ کا اضافہ کرلیا تو پھر سجدۂ سہو واجب ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: ((إِذَا زَادَ الرَّجُلُ أَوْ نَقَصَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ)) (صحيح مسلم، كتاب المساجد،

رقم: 96/57) ''جب آدمی (نماز میں بھول کر) کوئی کمی بیشی کردے تو وہ دوسجدے کرے۔'' نیز اگر کوئی آدمی نماز میں جان بوجھ کر کمی بیشی کرے تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ (فتح الباری: 120/3 تحت حدیث: 1224)

دلائل کی رو سے راجح مؤقف یہی ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے، نماز میں کمی ہو یا اضافہ۔ نبی اکرم ﷺ کے فعل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی آپ کو نماز میں سہو ہوا تو آپ نے سجدۂ سہو کیا۔ واللہ اعلم

1- بَابُ الْعَمَلِ فِي السَّهْوِ

نماز میں بھول جانے کے وقت عمل کا بیان

خلاصۃ الباب امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں دو احادیث مصطفیٰ ﷺ ذکر کی ہیں جن میں سے پہلی کی سند صحیح اور دوسری کی ضعیف ہے، نیز ایک تابعی کا فتویٰ بھی منقطع سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

[221] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتَّى لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تم میں سے کوئی جب کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگتا ہے تو اس کے پاس شیطان آ کر (نماز کے معاملے کو) اس پر خلط ملط کر دیتا (اور بھلا دیتا) ہے، یہاں تک کہ اُسے یہ بھی یاد نہیں ہوتا کہ اُس نے کتنی نماز پڑھ لی ہے، چنانچہ جب تم میں سے کوئی یہ صورتحال پائے تو اسے چاہیے کہ (نماز کے اخیر میں) بیٹھے بیٹھے دو سجدے کر لے۔''

[222] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنِّي لَأَنْسَى أَوْ أُنَسَّى لِأَسُنَّ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک میں بھولتا ہوں یا (فرمایا کہ) میں بھلایا جاتا ہوں تاکہ (اُمت کے لیے) ایک طریقہ جاری کر دوں۔''

فائدہ: ......یعنی لوگوں کا بھولنا شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ پر شیطان کا زور نہیں چلتا تھا، البتہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ کے تحت آپ ﷺ پر اس لیے بھول کو طاری فرما دیتے تاکہ آپ ﷺ کی اُمت کو سہو

[221] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب السهو، باب السهو فی الفرض والتطوع، حدیث: 608، 1222، 1231، 1232، 3285، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب فضل الاذان وهرب الشیطان، حدیث 389، ابوداؤد: 1030، ترمذی: 397، نسائی: 1253، ابن ماجه: 1216۔

[222] (ضعیف) الصلاة ومقا صد ها للحکیم الترمذی: ص 89، وصل بلاغات مالك لابن الصلاح: 2/ 920۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

کے مسائل معلوم ہو جائیں......ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اُن چار روایت میں سے ہے جو موطا امام مالک کے سوا کہیں نہیں مل سکی اور منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔

[223] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلاً ، سَأَلَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ فَقَالَ إِنِّي أَهِمُ فِي صَلَاتِي فَيَكْثُرُ ذَلِكَ عَلَيَّ . فَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ امْضِ فِي صَلَاتِكَ فَإِنَّهُ لَنْ يَذْهَبَ عَنْكَ حَتَّى تَنْصَرِفَ وَأَنْتَ تَقُولُ مَا أَتْمَمْتُ صَلَاتِي .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ ایک آدمی نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رحمہ اللہ سے کہا کہ بے شک میں نماز میں وہم کا شکار ہو جاتا ہوں اور یہ وہم مجھے کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے تو قاسم بن محمد رحمہ اللہ کہنے لگے کہ (وہم کے باوجود) اپنی نماز میں جاری رہا کرو کیونکہ بلاشبہ وہ تو ہرگز تجھ سے نہ جائے گا یہاں تک کہ تو نماز سے اس حال میں فارغ ہوگا کہ تو کہہ رہا ہوگا کہ میں نے اپنی نماز کو پورا ہی نہیں کیا۔

فائدہ: ......یعنی جب رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ حالت نماز میں ایک خاص شیطان یہی وہم اور وسوسہ ڈالنے کا کام کرتا ہی رہتا ہے، اس لیے یہ سلسلہ تو ختم ہونے والا نہیں اور پھر شیطان کا مقصد بھی تو یہی ہے کہ بندہ آخر کار تنگ آ کر نماز ہی ترک کر دے، لہٰذا تم اس کی چال کو یوں ناکام بناؤ کہ خواہ کچھ بھی ہو نماز نہ چھوڑو، دوسرا یہ کہ مستقل مزاجی سے کام کرتے رہو، کیونکہ وہم کی بات نہ ماننا ہی وہم کا علاج ہے......ایسے شخص کو چاہیے کہ ''اَعُوْذُ بِاللّٰه'' پڑھ کر اپنے سینے کی بائیں جانب ہلکا ہلکا تھوک دیا کرے جیسا کہ حدیث: 217 سے پہلے گزر چکا ہے۔

---

[223] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

5

كِتَابُ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے مسائل کی کتاب

خلاصة الكتاب اس کتاب میں نو(9)ابواب اور بائیس (22)روایات ہیں،جن میں سے دس مرفوع یعنی احادیث مصطفیٰ ﷺ ،آٹھ موقوف یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور تین مقطوع یعنی فتاویٰ تابعین رحمہم اللہ ہیں،ایک روایت (244) کے متعلق امام صاحب کو شبہ ہے کہ وہ مرفوع ہے یا موقوف......ان میں سے بیس روایات کی اسانید صحیح اور دو حسن ہیں......اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تیرہ (13) فتاوی جات بھی ہیں،چوتھا اور چھٹا باب تو صرف امام مالک رحمہ اللہ کے فتاوی پر ہی مشتمل ہے۔

1- بَابُ الْعَمَلِ فِي غُسْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن غسل کے طریقے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں امام صاحب نے پانچ روایات ذکر کی ہیں جن میں سے چار احادیث پیغمبر ﷺ اور ایک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے،سب کی سندیں صحیح ہیں،نیز اس میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتوے بھی موجود ہیں۔

فائدہ: ...... جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ کے لیے مشروع ہے،بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ اس کے واجب ہونے کے قائل تھے کیونکہ احادیث میں خود رسول اللہ ﷺ سے واجب کے الفاظ اور امر کے صیغے مروی ہیں جیسا کہ موطا کی روایات میں بھی آرہا ہے،لیکن حضرت **سَمُرہ** رضی اللہ عنہ کی حدیث (ابوداود: 354، ترمذی: 497، اس کی سند حسن ہے)،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (مسلم: 857/ 27)، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (بخاری: 403، مسلم: 847) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث (ابوداود: 353، اس کی سند حسن ہے،) سے **معلوم** ہوتا ہے کہ غسل جمعہ فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت موکدہ ہے،اور اس کی تاکید اس قدر زیادہ ہے کہ وہ فرض کے قریب پہنچا دیتی ہے، اس لیے بلاعذر اس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے،ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور جمہور اس غسل کے سنت موکدہ ہونے ہی کے قائل ہیں۔

[224] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي صَالِحِ السَّمَّان، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الأُولَى فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے جمعہ کے دن غسل جنابت جیسا غسل کیا، پھر وہ پہلی گھڑی میں مسجد کی طرف گیا تو گویا اُس نے ایک اونٹ قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے صدقہ کیا، اور جو دوسری گھڑی میں گیا تو اس نے گویا ایک گائے قرب الٰہی کے لیے صدقہ کی، اور جو تیسری گھڑی میں گیا تو اس نے گویا سینگوں والا مینڈھا قرب الٰہی کی خاطر صدقہ کیا، اور جو چوتھی گھڑی میں گیا تو گویا اس نے ایک مرغ قرب الٰہی پانے کے لیے صدقہ کیا، اور جو پانچویں گھڑی میں گیا تو گویا اُس نے ایک انڈہ تقربِ الٰہی کے لیے صدقہ کیا، پھر جب امام (خطبہ دینے کے لیے) نکلتا ہے تو فرشتے (لکھنا بند کر کے خطبے میں) حاضر ہو جاتے ہیں اور ذکرِ الٰہی (پر مبنی خطبہ جمعہ) کی طرف کان لگا دیتے ہیں۔''

فائدہ: ......غسل جمعہ کا طریقہ کار بالکل وہی ہے جو غسل جنابت کا ہے، نیز بعض احادیث سے اشارۃً بھی یہ بات نکلتی ہے کہ جمعہ کے دن وظیفہ زوجیت ادا کر کے غسل کرنا باعث فضیلت ہے، بلکہ بعض روایات میں تو اس کا صریح بھی ذکر ہے۔ (بیہقی بحوالہ زرقانی)...... حدیث پاک کے لفظ ''قَرَّبَ'' کے معنیٰ قربانی کرنا نہیں ہیں، بلکہ قُرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے صدقہ کرنا مراد ہے، لہٰذا اس حدیث کو مرغی اور انڈے کی بھی قربانی کے لیے دلیل بنانا صحیح نہیں ہے، اگر ان دونوں کی قربانی ہو سکتی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا عملاً ثبوت ملتا، نیز قربانی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کی دو دانتا ہونے کی ہدایات بھی دی ہیں، اور بھلا مرغی میں اور انڈے میں یہ چیز کہاں سے آئے؟ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور کی آنکھیں اور کان غور سے دیکھنے کا حکم فرمایا ہے اور بھلا انڈے میں یہ بات کہاں؟ ویسے بھی قربانی ''بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ'' یعنی چار ٹانگوں والے چار قسم کے مشہور پالتو جانوروں ہی کی ہوتی ہے اور اس حدیث مبارکہ میں تو صرف اور صرف تشبیہ دی گئی ہے...... یہ حدیث جمعہ کے لیے غسل کر کے جلدی جانے کی فضیلت

---

[224] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب فضل الجمعة، حديث: 881، صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، حديث: 850، ابوداؤد: 351، ترمذي: 499، نسائي: 1389، ابن ماجه: 1092۔

بیان کررہی ہے،اس میں مذکور پانچ گھڑیوں اوراوقات سے مراد یقیناً سب سے پہلے آنے والے پانچ اشخاص نہیں ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان پانچوں میں سے ہر ہر گھڑی میں جتنے بھی اشخاص آئیں وہ اس گھڑی اور وقت والا اجر پالیں گے، لیکن یہ اوقات ہیں کون کون سے؟اس بارے میں راجح موقف یہ ہے کہ چونکہ جمعہ کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے،اس لیے زوال سے لے کر خطبہ جمعہ شروع ہونے تک جتنا بھی وقت ہو،خواہ دس منٹ یا ایک گھنٹہ یا کم وبیش،تو اس کے پانچ حصے کیے جاتے ہیں اور ہر حصے میں آنے والوں کو حدیث میں مذکور ترتیب سے اجر ملتا ہے......امام کے نکلنے سے مراد اُس کا خطبہ کے لیے نکلنا ہے،خواہ وہ اپنے خاص کمرے سے نکل کر مسجد میں داخل ہو،یا وہ مسجد میں پہلے ہی سے موجود ہو اور وہاں سے اٹھ کر خطبہ کے لیے آئے،چنانچہ اس کے نکلتے ہی فرشتے اپنے رجسٹر بند کر کے خطبہ سننے کے لیے محفلِ جمعہ میں شریک ہو جاتے ہیں،جبکہ اس سے قبل وہ لوگوں کے زائد اجر لکھنے کے لیے مسجد کے دروازوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ حدیث میں مذکور صدقے کا اجر، جمعہ کی ادائیگی کے اجر سے زیادہ ہوتا ہے،حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خطبہ شروع ہونے کے بعد آنے والوں کا جمعہ نہیں ہوتا،جمعہ پالینے کا اجر تو اس شخص کو بھی مل جاتا ہے جو امام کو سلام پھیرنے سے پہلے پہلے جماعت میں شامل ہو جائے،ہاں جتنا زیادہ یا کم وقت امام کے ساتھ ملے گا اُسی کے حساب سے اجر میں کمی بیشی ہوگی ......یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ہر علمی محفل یعنی قرآن وسنت کے بیان اور وعظ ونصیحت کی محفل بھی محفلِ ذکر ہی شمار ہوتی ہے۔

[225] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ كَغُسْلِ الْجَنَابَةِ.	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کے دن کا غسل، جنابت کے غسل کی طرح کرنا ہر بالغ شخص پر واجب ہے۔''

فائدہ: ...... رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ احادیث میں اگر ظاہراً تعارض وتضاد محسوس ہو رہا ہو تو سب سے پہلے اُن میں تطبیق دی جاتی ہے،وہ ممکن نہ ہو تو پھر ناسخ ومنسوخ کو دیکھتے ہیں،اگر اس کا علم نہ ہو تو پھر راجح مرجوح کا پتا لگایا جاتا ہے، چونکہ نبی کریم ﷺ ہی سے صرف وضو کے ساتھ جمعہ ادا ہو جانا ثابت ہو چکا ہے،اس لیے ہم روایات میں یوں تطبیق دیں گے کہ غسل جمعہ فرض نہیں ہے، بلکہ سنت ہے،البتہ اس کی فضیلت واہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے خوب پُر زور انداز میں اس کے متعلق تاکید فرمائی ہے،اس کے فرض نہ ہونے کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے: مَنْ تَوَضَّأَ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ ''جس نے صرف وضو کیا اس نے سنت کو لازم پکڑا اور

[225] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3/ 198 (5305) الاوسط لابن المنذر: 4/ 40۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

یہ اچھی سنت ہے اور جس نے غسل کیا تو غسل (وضو سے) افضل ہے۔'' (ابوداؤد : 354، ترمذی: 497، اس کی سند حسن ہے۔)

[226] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰه، أَنَّهُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَخْطُبُ فَقَالَ عُمَرُ أَيَّةُ سَاعَةٍ هَذِهِ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ انْقَلَبْتُ مِنَ السُّوقِ فَسَمِعْتُ النِّدَاءَ فَمَا زِدْتُ عَلَى أَنْ تَوَضَّأْتُ . فَقَالَ عُمَرُ وَالْوُضُوءَ أَيْضًا وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ .

''سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک (مہاجر) شخص جمعہ کے دن آئے، اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (منبر ہی پر خطبہ کے دوران میں) اُن سے پوچھا کہ (جمعہ کے لیے آنے کا) یہ کون سا وقت ہے؟ تو انھوں جواب دیا کہ اے امیر المومنین! میں تو بازار سے (سیدھا مسجد ہی کی طرف) لوٹا ہوں، میں نے اذان سنی تو میں نے اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں کیا کہ وضو کیا (اور مسجد میں آ گیا، میں تو گھر بھی نہ جا سکا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ (صرف) وضو (پر ہی اکتفا کرنا یہ) بھی (تمھارا دوسرا قصور ہے)، حالانکہ تمھیں علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ (جمعہ کے) غسل کا (تاکیدی) حکم فرمایا کرتے تھے۔''

فائدہ :......صحیح مسلم (کی حدیث:845/2) میں وضاحت ہے کہ یہ داخل ہونے والے شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ غسلِ جمعہ فرض نہیں ہے، اگر فرض ہوتا تو عثمان رضی اللہ عنہ اس کے بغیر جمعہ کو نہ آتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اُن کو فوراً واپس بھیج دیتے، ہاں چونکہ اس کی تاکید بہت زیادہ آئی ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذرا سخت لہجہ اختیار کیا......اس حدیث مبارکہ سے مزید مسائل بھی مستنبط ہوتے ہیں، مثلاً امام وخطیب کو اپنے مقتدیوں پر نظر رکھنی چاہیے اور ان کی کوتاہیوں پر موقع محل اور افراد کی مناسبت سے اصلاح کرتے رہنا چاہیے، فضائل کے حصول پر ترغیب اور توجہ دلاتے رہنا چاہیے، خطبہ کے دوران امام کسی مقتدی کو مخاطب کر سکتا ہے، مقتدی خطبہ کے دوران کسی سے گفتگو کرے تو حرام ہے سوائے امام کے کہ اُس سے براہِ راست گفتگو ہو سکتی ہے، خطبہ کے دوران امام کی طرف سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے سے خطبہ اور جمعہ فاسد نہیں ہوتے۔

[226] (صحيح) صحيح البخارى ، كتاب الجمعة ، باب فضل الغسل يوم الجمعة وهل على الصبى شهود يوم الجمعة ، حديث:878 ، 882 ، صحيح مسلم ، كتاب الجمعة ، باب وجوب الجمعة ، حديث : 845 ، ابوداؤد: 340 ، ترمذى : 493 ، 494 ، احمد : 1/ 29۔

[227] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُـلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِی سَعِيدٍ الْـخُـدْرِیِّ، أَنَّ رَسُـولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّمَ قَالَ: غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ مرد پر واجب ہے۔''

فائدہ: ...... چونکہ یہ موقع مسلمانوں کے اجتماع کا ہے، جہاں اپنے پسینے کی بدبو وغیرہ سے کسی دوسرے مومن کو اذیت پہنچانے سے گریز کرنا بھی لازم ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاکیدی الفاظ کے ساتھ غسلِ جمعہ کا حکم دیتے اور اس پر رغبت دلاتے تھے۔

[228] وَحَـدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْـنِ عُـمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کو آئے تو غسل کرلے۔''

فائدہ: ......معلوم ہوا کہ اس دن کا غسل پورے خطبہ جمعہ کے لیے ہے نہ کہ پورے دن کے لیے، لہٰذا اسے خُطبے سے قبل اُسی میں شمولیت کی نیت سے کرنا چاہیے، اگر یہ غسل پورے دن کے لیے ہوتا تو اس کا یہ مطلب نکلتا کہ شام تک جب چاہو غسل کرلو، لیکن یہ حدیث مبارکہ واضح کررہی ہے کہ غسل خطبہ جمعہ میں حاضری کے لیے اور لوگوں کے اجتماع میں صاف ستھرے ہوکر شامل ہونے کے لیے ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ابـــوداؤد:353) اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (بـخاری: 403، مسـلـم:847) کی احادیث میں تو بڑی وضاحت موجود ہے کہ یہ غسل شروع بھی اسی مقصد کے لیے ہوا تھا۔

قَـالَ مَـالِكٌ: مَـنِ اغْتَسَـلَ يَـوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلَ نَهَارِهِ، وَهُوَ يُرِيدُ بِذَلِكَ غُسْلَ الْجُمُعَة، فَإِنَّ

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے جمعہ کے روز، دن کے شروع ہی میں غسل کرلیا اور وہ اس غسل کے ساتھ

[227] (صـحيـح) صحيح البخاری، كتاب الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة وهل على الصبی شهود يوم الـجمعة، حديث: 858، 879، 886، 895، اور 2665، صـحـيـح مسـلـم، كتاب الجمعة، باب و جوب غسل الـجمعة على كل بالغ من الرجال، حديث: 846، ابوداؤد: 341، نسائی: 1376، ابن ماجه: 1089، احمد: 3/ 6۔

[228] (صـحيـح) صـحيح البخاری، كتاب الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة وهل على الصبی شهود يوم الجمعة، حديث: 877، 894، 919، صـحـيـح مسلم، كتاب الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة، حديث: 844، ترمذی: 492، نسائی: 1377، ابن ماجه: 1088۔

ذَلِكَ الْغُسْلَ لَا يَجْزِي عَنْهُ، حَتَّى يَغْتَسِلَ لِرَوَاحِهِ، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِي حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ: "إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ.

غسل جمعہ ہی کی نیت کرتا ہے،تو یقیناً یہ غسل اُس سے کفایت نہیں کرے گا، یہاں تک کہ وہ جمعہ کے لیے جاتے وقت (متصل پہلے) غسل کرے (تو تبھی یہ غسل کافی ہو گا)، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کو آئے تو غسل کر لے۔''

فائدہ: ...... گویا امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث میں غسلِ جمعہ کے لیے جمعہ کی طرف آنے کا وقت متعین کر دیا گیا ہے......لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ غسل طلوع فجر کے بعد بھی کفایت کر جائے گا، اگرچہ افضل یہی ہے کہ جمعہ کی طرف نکلنے سے متصل پہلے یہ غسل کیا جائے، امام مالک رحمہ اللہ نے لفظِ "اِذَا" سے یہ فتویٰ اخذ کیا ہے، حالانکہ ''اِذَا'' کے استعمال میں یہ شرط نہیں کہ دونوں کام متصل ہوں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا....﴾ (المائدة 6:5) یعنی جب تم نماز کے لیے اٹھو تو وضو کر لیا کرو، اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ وضو کو نماز سے متصل پہلے کرنا بھی جائز ہے اور کافی پہلے بھی، الغرض جمعہ کے دن کا غسل ہونا تو جمعہ کے دن ہی میں چاہیے، دن شروع ہونے سے پہلے نہ ہو، البتہ شروع دن میں بھی اس کی گنجائش ہے، لیکن جس قدر خطبہ جمعہ کی طرف جانے کے قریب ہوگا اُسی قدر افضل ہے تاکہ لوگوں کے اجتماع میں جسم تر و تازہ ہو اور نسبتاً کم پسینہ آئے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مُعَجِّلاً أَوْ مُؤَخِّراً، وَهُوَ يَنْوِي بِذَلِكَ غُسْلَ الْجُمُعَةِ، فَأَصَابَهُ مَا يَنْقُضُ وُضُوءَهُ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا الْوُضُوءُ، وَغُسْلُهُ ذَلِكَ مُجْزِءٌ عَنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے دن جلدی یا دیر سے غسل کیا جس سے اس کی نیت غسلِ جمعہ کی ہو، (لیکن ہوا یوں کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد) پھر اُسے کوئی ایسی چیز پہنچ گئی جس نے اس کا وضو ختم کر دیا تو (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) اس پر اب وضو کے سوا کچھ لازم نہیں اور وہی غسل اس سے کافی ہو جائے گا۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ کے گزشتہ فتویٰ کی روشنی میں اس مسئلے کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے جمعہ کے لیے جلدی جانا تھا یا دیر سے نکلنا تھا، اسی حساب سے اس نے جمعہ کے لیے جانے سے متصل پہلے غسل کر لیا، پھر ابھی وہ نکلا نہیں تھا کہ وضو ٹوٹ گیا، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے غسل پر اثر نہیں پڑے گا۔

2- باب مَا جَاءَ فِي الإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ

جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران، خاموش رہنے کے متعلق آنے والی روایات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے چھ روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک حدیثِ مصطفیٰ ﷺ ہے، تین موقوف روایات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں اور تابعین کے دو فتاوٰی جات ہیں، سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

[229] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ أَنْصِتْ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ لَغَوْتَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو نے اپنے ساتھی سے یہ کہہ دیا کہ خاموش ہو جاؤ، اس حال میں کہ (تمھارے ایسا کہنے کے وقت) امام خطبہ دے رہا ہو تو تم نے ایک لغو حرکت کی۔''

فائدہ: ......یعنی یہ شخص دوسرے کی خاموشی کا خواہشمند ہے اور خود کلام کرنے کا مرتکب ہو رہا ہے، جو شخص خطبہ کے دوران لوگوں کو کلام کرتا دیکھے تو انھیں خود خاموش کرانے کی بجائے امام سے بات کرے اور پھر امام لوگوں کو چپ کروائے، متعدد احادیث میں کسی مقتدی کا امام سے براہِ راست مخاطب ہونا ثابت ہے، جیسا کہ ایک بدوی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے خطبہ کے دوران بارش کی دعا کے لیے درخواست کی اور پھر بارش کی بندش کے لیے بھی اگلے جمعہ کے خطبے میں آپ ﷺ سے درخواست کی گئی۔ (بخاری: 1016، 1017، مسلم: 897)

فَقَدْ لَغَوْتَ کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: (1) جمعہ کی فضیلت ضائع کر لی، اگرچہ جمعہ ہو گیا۔ (2) لغو حرکت کا ارتکاب کر کے اپنے اجر میں کمی کر لی، (3) جمعہ ہی باطل ہو گیا اور اب اُسے نمازِ ظہر پڑھنا ہو گی......لیکن جن روایات سے یہ آخری مفہوم اخذ کیا گیا ہے، وہ ضعیف ہیں، مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت (مسند احمد: 1 / 230) کی سند میں مجالد بن سعید ضعیف ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت (ابو داؤد: 1051) میں عطاء خراسانی کی بیوی کا مولی مجہول ہے......لہٰذا راجح مفہوم یہ ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں اِنصات (خاموشی) کی خلاف ورزی کرنے والا جس قدر کلام وغیرہ کرے گا اُسی لحاظ سے اُس کے اجر میں کمی آئے گی اور وہ ممنوع کام کا ارتکاب کرنے کی بنا پر گناہ گار شمار ہو گا، جمہور علماء و محدثین کے ہاں خطبہ جمعہ کے وقت لوگوں کا خاموش رہنا واجب ہے۔

---

[229] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الانصات يوم الجمعة، حديث: 934، صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب في الانصات يوم الجمعة في الخطبة، حديث: 851، ابو داؤد: 1112، ترمذي: 512، نسائي: 1403، ابن ماجه: 1110۔

[230] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِی مَالِكٍ الْقُرَظِیِّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُمْ، كَانُوا فِی زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يُصَلُّونَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَخْرُجَ عُمَرُ فَإِذَا خَرَجَ عُمَرُ وَجَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ - قَالَ ثَعْلَبَةُ - جَلَسْنَا نَتَحَدَّثُ فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُونَ وَقَامَ عُمَرُ يَخْطُبُ أَنْصَتْنَا فَلَمْ يَتَكَلَّمْ مِنَّا أَحَدٌ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَخُرُوجُ الإِمَامِ يَقْطَعُ الصَّلَاةَ وَكَلَامُهُ يَقْطَعُ الْكَلَامَ .

ثعلبہ بن ابی مالک قرظی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کے دن (پہلے سے آکر) نماز پڑھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (خطبہ کے لیے) باہر تشریف لے آتے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نکلتے اور منبر پر بیٹھ جاتے اور مؤذن اذانیں دے رہے ہوتے تو ثعلبہ کہتے ہیں کہ (چونکہ ابھی خطبہ شروع نہ ہوتا تھا اس لیے) ہم بیٹھے گفتگو کر لیتے تھے، پھر جب مؤذن خاموش ہو جاتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگتے تو ہم خاموش ہو جاتے اور ہم میں سے کوئی بھی گفتگو نہ کرتا، (اس حدیث کے راوی) ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (دورِ فاروقی میں صحابہ وتابعین کے اس عمل سے ثابت ہوا کہ) امام کا (خطبہ کے لیے) باہر نکلنا (لوگوں کے) نماز (پڑھنے) کو موقوف کر دے گا اور امام کا (خطبہ میں) کلام کرنا (لوگوں کے) کلام کو موقوف کر دے گا۔

فائدہ: ......یعنی یہ طریقہ کار کسی شخص کی رائے اور اجتہاد سے سامنے نہیں آیا بلکہ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے بقول مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں کا یہی معمول چلا آرہا تھا......امام کے نکلنے کے بعد مزید نماز نہیں پڑھنا چاہیے، البتہ جو شخص خطبہ کے دوران مسجد میں پہنچے تو اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اِذَاجَاءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اس حال میں آئے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے اور ان کو اختصار سے ادا کرے۔'' (مسلم: 875/ 54، نیز دیکھیے، بخاری: 1166) ......اس مذکورہ بالا حدیثِ موطا میں ''مُؤَذِّنُوْنَ'' جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اگرچہ امام محمد رحمہ اللہ کے نسخے میں یہ لفظ مفرد ہے، لیکن باقی تمام نسخوں میں یہ جمع ہی آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی اجتماع والی جگہ میں بیک وقت مختلف موذن مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر اذانیں دے سکتے ہیں۔

---

[230] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 5352، ابن ابی شیبہ: 5296، معرفۃ السنن والآثار: 2/ 477، الاوسط لابن المنذر: 4/ 92، 1837، شرح معانی الآثار: 1/ 370، السنن الکبری للبیھقی: 3/ 192، 193۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[231] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ، أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، كَانَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ قَلَّمَا يَدَعُ ذَلِكَ إِذَا خَطَبَ إِذَا قَامَ الإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاسْتَمِعُوا وَأَنْصِتُوا فَإِنَّ لِلْمُنْصِتِ الَّذِي لَا يَسْمَعُ مِنَ الْحَظِّ مِثْلَ مَا لِلْمُنْصِتِ السَّامِعِ فَإِذَا قَامَتِ الصَّلاةُ فَاعْدِلُوا الصُّفُوفَ وَحَاذُوا بِالْمَنَاكِبِ فَإِنَّ اعْتِدَالَ الصُّفُوفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلاةِ . ثُمَّ لَا يُكَبِّرُ حَتَّى يَأْتِيَهُ رِجَالٌ قَدْ وَكَّلَهُمْ بِتَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ فَيُخْبِرُونَهُ أَنْ قَدِ اسْتَوَتْ فَيُكَبِّرُ .

مالک بن ابن عامر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب خطبہ دیتے تو اپنے خطبہ میں (اکثر یہ) کہا کرتے تھے اور بہت ہی کم ان کلمات کو ترک کرتے، (فرماتے:) جب جمعہ کے دن امام کھڑا ہو کر خطبہ دینے لگے تو توجہ سے کان لگالیا کرو اور خاموش رہا کرو کیونکہ بلاشبہ اس خاموش رہنے والے کے لیے جو (بہرے پن کی وجہ سے یا خطیب سے دور ہونے کی وجہ سے اس کی آواز) نہیں سن پاتا (اس کے لیے بھی) اتنا ہی اجر کا حصہ ہے جتنا کہ خاموش رہ کر (امام کی آواز) سننے والے کو ملتا ہے، پھر جب نماز کھڑی ہو (اور نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے) تو صفیں (سیدھی اور) برابر کرلو اور اپنے کندھوں کو (بھی ایک دوسرے کی سیدھ میں) برابر کرلو، کیونکہ یقیناً صفوں کو برابر کرنا نماز کی تکمیل میں شامل ہے، پھر (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اقامت ہو جانے کے باوجود) تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے حتیٰ کہ وہ لوگ جن کو آپ نے صفیں برابر کرنے پر مقرر کیا ہوتا، وہ آپ کے پاس آ کر بتاتے کہ صفیں برابر ہوگئی ہیں تو پھر وہ تکبیر تحریمہ کہتے، پھر (جب) وہ ان کو یہ بتا دیتے کہ صفیں سیدھی ہو چکی ہیں تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔

فائدہ :...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اے اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفیں سیدھی اور برابر کیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ ضرور تمھارے چہروں کے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔'' (مسلم: 436/ 128)، نیز فرمایا: ''اپنی صفوں کو سیدھا کیا کرو کیونکہ بلاشبہ صف کو سیدھا کرنا نماز کو پورا کرنے میں سے ہے۔'' (مسلم: 433) ایک اور روایت میں ہے: ''کیونکہ بلاشبہ صفوں کو سیدھا کرنا نماز کو قائم کرنے میں شامل ہے۔'' (بخاری: 723) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی کا خصوصی اہتمام فرماتے اور خود صفوں کو اس طرح بالکل سیدھا کر دیتے کہ گویا ٹیڑھے تیروں کو اِن کے ذریعے سے سیدھا کیا جا سکتا تھا۔ (مسلم: 438/ 128) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے لوگوں کے کندھوں کو چھو چھو کر صفیں سیدھی فرماتے۔ (مسلم: 432) لہٰذا امام کو خود بھی اس سنت کو زندہ کرنا چاہیے اور کچھ بندوں کو بھی صفیں سیدھی کرانے کے لیے مقرر کیا جا سکتا ہے، جس کی بنیاد اس فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہے: لِيْنُوْا فِيْ اَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ ''اپنے

[231] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 5373، الشافعی فی الام: 1/ 203، الاوسط لابن المنذر: 4/ 69، السنن الکبری للبیهقی: 3/ 220۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ۔'' (مسند احمد: 5/ 262۔ اس کی سند صحیح ہے۔) آپ ﷺ کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَكَانَ اَحَدُنَا يَلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ ''اور ہم میں سے ہر کوئی اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنے پاؤں کو اس کے پاؤں کے ساتھ ملا دیتا تھا۔'' (بخاری:725)

[232] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، رَأَى رَجُلَيْنِ يَتَحَدَّثَانِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَحَصَبَهُمَا أَنِ اصْمُتَا.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دو آدمیوں کو دیکھا کہ وہ آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور امام خطبہ دے رہا ہے تو انھوں نے دونوں کو کنکریاں ماریں، (تاکہ) وہ چپ ہو جائیں۔

فائدہ :...... یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ذاتی عمل ہے جس کی وجہ تائید احادیث مبارکہ سے نہیں ہوتی، بہت سی احادیث نبویہ سے یہ بات ظاہر عیاں ہے کہ اشارہ کرنا بھی کلام اور گفتگو کے قائم مقام ہوتا ہے، بلکہ اشارہ بذات خود ایک مستقل طریقہ گفتگو ہے اور ظاہر بات ہے کہ دورانِ خطبہ کسی قسم کا کلام کرنا لغو حرکت ہے، اور دورانِ خطبہ میں کنکری پکڑ کر مارنا تو بہت بڑا عمل ہے، رسول اللہ ﷺ نے تو یہاں تک فرمادیا ہے: وَمَنْ مَسَّ الْحَصىٰ فَقَدْ لَغَا ''اور جس نے کنکریوں کو ہاتھ لگایا تو اس نے لغو حرکت کی۔'' (مسلم:857/ 27)

[233] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلاً، عَطَسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَشَمَّتَهُ إِنْسَانٌ إِلَى جَنْبِهِ فَسَأَلَ عَنْ ذَلِكَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَنَهَاهُ عَنْ ذَلِكَ وَقَالَ لاَ تَعُدْ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے جمعہ کے دن چھینک ماردی، اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا تھا، تو اس کے پہلو میں موجود ایک شخص نے اُسے ''يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہہ کر دعا دی، پھر اس نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے اُسے اس سے منع کر دیا اور کہا کہ پھر ایسا نہ کرنا۔

فائدہ :...... امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دورانِ خطبہ سلام اور چھینک کا جواب دینا درست ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ممنوع ہے، دراصل اس اختلاف کا باعث دو قسم کے فرامینِ نبویہ

---

[232] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3/ 225، 5426، 5427، ابن ابی شیبہ: 1/ 452، 2/ 117۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[233] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 3/ 227، 5439، ابن ابی شیبہ: 2/ 121، 5266۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

ہیں: (1) ایک طرف خطبہ جمعہ میں خاموش رہنے کا حکم ہے اور (2) دوسری طرف بوقتِ آمد سلام کہنا، سلام کا جواب دینا، چھینک پر ''الحمدللہ'' کہنا، سننے والے کا "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہنا اور پھر چھینکنے والے کا "يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" کہنا، پیغمبر ﷺ کا نام سن کر درود پڑھنا اور دعا سن کر آمین کہنا بھی متعدد دلائل سے ثابت ہے بلکہ لازم قرار دیا گیا ہے...... چنانچہ بعض نے پہلی قسم کے فرامین کو دیکھ کر منع کا فتویٰ جاری کیا اور بعض نے دوسری احادیث دیکھ کر ان کاموں کو مستثنیٰ قرار دے دیا...... ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ بوقتِ خطبہ جس کلام سے منع کیا گیا ہے وہ لوگوں کا آپس میں ہم کلام ہونا ہے، ذکرِ الٰہی سے منع نہیں کیا گیا، تمام دلائل کو سامنے رکھ کر یہ تطبیق سامنے آتی ہے کہ بغیر آواز نکالے زبان سے کچھ پڑھنا خاموشی کے منافی نہیں ہے، تو اگر کوئی شخص ہر حکم پر عمل اور ہر ممانعت سے اجتناب کرنا چاہتا ہے تو وہ یوں کرے کہ مذکورہ بالا کام یعنی سلام یا چھینک کا جواب وغیرہ بلند آواز سے نہ دے تاکہ خاموشی بھی قائم رہے اور مسلمان بھائی کے حقوق بھی ادا ہو جائیں، البتہ یہ خیال رہے کہ کانوں کو امام ہی کی طرف لگائے رکھے اور اپنی توجہ کو خطیب پر مرکوز رکھے، یوں تمام احادیث پر عمل ہو جائے گا۔

[234] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الْكَلَامِ ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذَا نَزَلَ الْإِمَامُ عَنِ الْمِنْبَرِ ، قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ ، . فَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ جمعہ کے دن امام منبر سے نیچے آ چکا ہو تو اس کے تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے گفتگو کرنا کیسا ہے؟ تو ابن شہاب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

3- بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً يَوْمَ الْجُمُعَةِ

اس شخص کے متعلق آنے والی روایات کا بیان جو جمعہ کے دن (امام کے ساتھ) ایک رکعت پا لے

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک روایت ہے اور وہ بھی ایک تابعی کا فتویٰ ہے، جس کی سند صحیح ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتوے بھی موجود ہیں۔

[235] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ مَنْ أَدْرَكَ مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيُصَلِّ إِلَيْهَا أُخْرَى . قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَهِيَ السُّنَّةُ .

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جس نے جمعہ کی نماز سے ایک رکعت پالی تو وہ اس کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لے۔ ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہی سنت ہے۔

---

[234] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق :3/ 208 ، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

235۔(مقطوع صحیح) عبدالرزاق :3/ 235، ابن ابی شیبہ : 1/ 462 ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

فائدہ :......امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا موقف یہی ہے کہ اگر نماز جمعہ میں سے ایک مکمل رکعت مل جائے تو پھر جمعہ ادا ہو جائے گا اور آدمی جمعہ کی صرف دو رکعتیں پڑھے گا، اور اگر ایک رکعت سے کم حصہ ملے تو پھر نماز کو ظہر شمار کر کے چار رکعتیں پڑھے گا، یوں وہ جمعہ کی نماز اور فضیلت سے محروم ہو جائے گا اور ان کی دلیل ابن ماجہ کی حدیث (1121) ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی یوں وضاحت فرمائی ہے کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی تو وہ اس کے ساتھ دوسری ملا لے، باقی جو روایات پیش کی جاتی ہیں وہ ضعیف ہیں، اور ابن ماجہ کی اس روایت سے بھی یہ مفہوم ہی نکالا گیا ہے کہ اگر ایک رکعت سے کم جمعہ کی نماز ملی تو پھر ایسا نہ کرے گا......جبکہ اہل حدیث حضرات اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں مسئلہ یوں ہے کہ جو شخص امام کے سلام پھیرنے سے پہلے پہلے نماز میں شریک ہو گیا تو اس نے امام کی نماز والا حکم پالیا اور اب وہ اسی کا اعتبار کر کے باقی ماندہ نماز پڑھے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''پھر جو تم (امام کے ساتھ) پالو اُسے پڑھ لو اور جو تم سے رہ جائے اُسے (بعد میں) پورا کر لو۔'' (بخاری: 635، مسلم: 602) رہی ابن ماجہ والی روایت تو اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں صرف ایک رکعت پالینے والے کے متعلق صراحت ووضاحت ہے، اس سے کم نماز پانے والے کے بارے میں صراحت نہیں ہے بلکہ صرف مفہوم نکالا جاتا ہے جبکہ بخاری ومسلم کی روایت میں صراحت ہے، دوسری بات یہ کہ ابن ماجہ والی روایت کے ظاہری الفاظ زیادہ سے زیادہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو جمعہ کا خطبہ نہ ملے بلکہ صرف جمعہ کی ایک رکعت ملے تو اس کا جمعہ ہو جائے گا اور جمعہ ادا ہونے کے لیے خطبہ کا سننا شرط نہیں ہے، یہ حدیث اس بارے میں خاموش ہے کہ جسے ایک رکعت سے کم ملے تو وہ کیا کرے گا؟ چنانچہ اس کی وضاحت بخاری ومسلم کی روایت سے ہو گئی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَعَلَى ذَلِكَ أَدْرَكْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا ، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ قَالَ : مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً ، فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ .

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو اسی موقف پر پایا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جس نے نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے یقیناً وہ نماز پالی۔''

فائدہ :......اس حدیث کا مطلب ہے کہ اس نے ایک رکعت پالینے سے اس نماز کا وقت پالیا، یا اس نماز کا حکم پالیا یا فضیلت پالی، یہ حدیث بخاری ومسلم میں ہے جس پر تفصیلی بیان پیچھے روایت : 14 کے فائدہ میں گزر چکا ہے، تابعین رحمہم اللہ میں سے بعض وہ حضرات مثلاً مجاہد اور عطاء، جو کہتے ہیں کہ جس نے خطبہ نہ پایا اُس کا جمعہ ہی نہیں ہوگا اُن کا مسلک مرجوح ہے اور یہ حدیث ہر نماز کو شامل ہے، نماز جمعہ بھی چونکہ نماز ہی ہے اس لیے جو نماز میں مل گیا اُسے اب جمعہ کی دو رکعتیں ہی پڑھنا ہوں گی۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يُصِيبُهُ زِحَامٌ يَوْمَ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو جمعہ کے

الْـجُمُعَةِ ، فَيَرْكَعُ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَسْجُدَ ، حَتَّـى يَـقُـومَ الإِمَـامُ ، أَوْ يَـفْرُغَ الإِمَـامُ مِنْ صَلَاتِهِ ، إِنَّهُ إِنْ قَدَرَ عَلَى أَنْ يَسْجُدَ ، إِنْ كَانَ قَـدْ رَكَـعَ فَـلْيَسْـجُدْ إِذَا قَامَ النَّاسُ ، وَإِنْ لَمْ يَـقْـدِرْ عَلَى أَنْ يَسْجُدَ حَتَّى يَفْرُغَ الإِمَامُ مِنْ صَلَاتِـهِ ، فَـإِنَّـهُ أَحَـبُّ إِلَيَّ أَنْ يَبْتَدِئَ صَلَاتَهُ ظُهْراً أَرْبَعاً.

دن ہجوم (رش اور بھیڑ) میں پھنس جائے، پھر وہ رکوع تو کر لے لیکن سجدہ کرنے پر قدرت نہ پا سکے، یہاں تک کہ امام (سجدوں سے فارغ ہو کر) کھڑا ہو جائے (تو لوگوں کے کھڑا ہونے سے اب نیچے خالی جگہ مل جاتی ہو) یا یہاں تک کہ امام نماز ہی سے فارغ ہو جائے (پھر جا کر اُس آدمی کو سجدہ کرنے کا موقع مل سکتا ہو، تو ایسے شخص کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:)اگر تو وہ رکوع کر چکا ہو، پھر سجدہ کرنے کا موقع پا سکتا ہو تو جب (امام کے ساتھ) لوگ کھڑے ہو جائیں تو وہ سجدہ کر لے، اور اگر وہ امام کے نماز سے فارغ ہو جانے تک سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے ظہر کی چار رکعتیں پڑھ لے۔

فائدہ : ......دراصل مکہ مکرمہ اور مسجد نبوی میں خصوصاً جمعہ کے دن ایسی صورتحال پیش آتی رہتی ہے، آج کل مسجد نبوی میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ اس کی توسیع بھی بہت ہو چکی ہے اور زائرین کی ایک مخصوص تعداد ہی مدینہ میں رکھی جاتی ہے، البتہ مسجد حرام یعنی بیت اللہ والی مسجد میں تو ہر نماز کے موقع پر یہ رش والی صورت پیش آتی رہتی ہے، خصوصاً حرم کے صحن میں اُترنے والی سیڑھیوں پر لوگ پھنس جاتے ہیں اور بعض طواف کرنے والے افراد بھی نماز کے وقت صفوں کے بیچ میں پھنس جاتے ہیں، بہرحال امام صاحب نے تو اپنا فتویٰ ذکر فرما دیا ہے......لیکن ہمارے نزدیک ایسا شخص جو سجدہ کرنے کی طاقت نہ پا سکتا ہو وہ معذور شمار ہوگا، اس لیے وہ کچھ جھک کر یا پھر کسی دوسرے شخص کی پشت پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر لے اور وہ یہ عمل امام کے ہمراہ ہی کرے، چنانچہ اگر وہ کسی رکن کو امام کے ساتھ ساتھ ادا نہ کر سکا تو اُسے پوری رکعت بعد میں دہرانا ہوگی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ امام کسی بھی حالت میں ہو "فَـلْيَـصْـنَـعْ كَـمَا يَصْنَعُ الْإِمَـامُ" "مقتدی کو بھی اسی طرح کرنا چاہیے جس طرح امام کر رہا ہو۔" (ترمذی: 591۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز فرمایا: "یقیناً امام تو صرف اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، چنانچہ جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔" (بخاری: 378، مسلم: 411)

4- بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ رَعُفَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

اس شخص کا بیان جسے جمعہ کے دن ناک سے خون آنے لگے

خلاصۃ الباب یہ باب صرف اور صرف امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات پر مشتمل ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ : مَنْ رَعَفَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس شخص کا جمعہ کے دن ناک

يَخْطُبُ ، فَخَرَجَ فَلَمْ يَرْجِعْ حَتَّى فَرَغَ الإِمَامُ مِنْ صَلاتِهِ ، فَإِنَّهُ يُصَلِّي أَرْبَعاً .

سے خون بہنے لگے،جس وقت کہ امام خطبہ دے رہا ہو، پھر وہ باہر چلا جائے اور واپس نہ آ سکے یہاں تک کہ امام جمعہ کی نماز سے بھی فارغ ہو جائے تو یہ (نکسیر والا شخص جب واپس آئے گا تو ظہر کی نیت کر کے) چار رکعتیں ادا کرے گا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يَرْكَعُ رَكْعَةً مَعَ الإِمَامِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ، ثُمَّ يَرْعُفُ فَيَخْرُجُ ، فَيَأْتِي وَقَدْ صَلَّى الإِمَامُ الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا : أَنَّهُ يَبْنِي بِرَكْعَةٍ أُخْرَى مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ .

امام مالک رحمہ اللہ اُس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے جمعہ کے دن امام کے ساتھ (نماز جمعہ کی ایک رکعت پڑھ لی ، پھر اس کی نکسیر پھوٹ گئی تو وہ باہر (خون صاف کرنے کے لیے) نکل آیا، پھر جب وہ (واپس) آیا تو امام دونوں رکعتیں پڑھا چکا تھا،تو وہ (اپنی گزشتہ ایک رکعت پر) بنیاد رکھتے ہوئے صرف دوسری رکعت (نماز جمعہ ہی کی نیت سے) ادا کرے گا (اور اسے ظہر نہیں پڑھنا ہوگی) بشرطیکہ اس نے (خون صاف کرنے کے لیے آتے جاتے کسی سے) کوئی گفتگو نہ کی ہو۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ نے جس حدیث کے پیش نظر مذکورہ فتویٰ دیا ہے اس کی سند میں اسماعیل بن عبّاس ضعیف راوی ہے،اس مسئلہ کی تفصیلی بحث دیکھنے کے لیے پیچھے "كتَابُ الطَّهَارَة" کے دسویں باب کی تیسری روایت (78) کا فائدہ پڑھ لیجیے، چونکہ وہ روایت ہی ضعیف ہے،اس لیے نہ نکسیر کا ناقضِ وضو ہونا ثابت ہوا اور نہ ہی بنیاد رکھنے والا مسئلہ ثابت ہو سکا، جسے نکسیر آئے وہ نماز میں جاری رہ سکتا ہے کیونکہ اُس کا وضو بحال ہی رہتا ہے،لیکن اگر کوئی شخص نکسیر یا کسی دوسرے عارضے کی وجہ سے نمازِ جمعہ سے نکل کر چلا گیا تو اس کی پہلی نیت ختم ہوگئی ،اب وہ دوبارہ اگر تو نماز جمعہ کے سلام سے پہلے پہلے واپس آ کر مِل جائے تو وہ اُٹھ کر جمعہ کی دو رکعتیں ہی ادا کرے گا اور اگر امام فارغ ہو چکا ہو تو اسے نماز ظہر پڑھنا ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ عَلَى مَنْ رَعَفَ ، أَوْ أَصَابَهُ أَمْرٌ لا بُدَّ لَهُ مِنَ الْخُرُوجِ ، أَنْ يَسْتَأْذِنَ الإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی نکسیر پھوٹ پڑے یا کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے کہ جس کی بنا پر اُسے مسجد سے لازماً نکلنا پڑے تو اس پر کچھ لازم نہیں کہ جمعہ کے دن وہ جب نکلنے کا ارادہ کرے تو امام سے اجازت طلب کرے۔

فائدہ :...... جمہور علماء وفقہاء کا یہی موقف ہے ،بعض لوگوں نے مندرجہ ذیل آیت کے پیش امام سے اجازت لینا لازم قرار دیا ہے: ﴿وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ﴾ (النور 24:62) ''اور وہ جب آپ ﷺ کے ساتھ کسی اجتماعی کام پر ہوتے ہیں تو آپ سے اجازت لیے بغیر نہیں جاتے۔'' لیکن یہ آیت

مبارکہ ایک تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے جس میں مومنوں کا طرزِ عمل، منافقوں سے امتیاز اور فرق کرنے کے لیے ہوا ہے، جو کہ آنکھ بچا کر کھسک جایا کرتے تھے، دوسرا مفسرین نے اس آیت کا تعلق جہاد سے قرار دیا ہے، تیسرا یہ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کا وضوٹوٹ جائے تو اپنی ناک پکڑ کر چلا جائے۔'' (ابو داؤد: 1114، ابن ماجہ: 1222۔ اس کی سند صحیح ہے) آپ ﷺ نے اُسے امام سے اجازت لینے کا حکم نہیں دیا۔

5- بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّعْيِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن (نماز اور خطبے کی طرف) ''سعی'' کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک موقوف روایت صحیح سند سے ثابت شدہ مذکور ہے، نیز امام مالک کے دو فتوے بھی اس باب میں موجود ہیں اور ''سعی'' کے لفظ کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ لفظ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

[236] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ قَوْلِ اللهِ، عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ فَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقْرَؤُهَا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَامْضُوا إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق سوال کیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الجمعه 62:9) ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف کوشش کرو۔'' تو ابن شہاب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے: فَامْضُوا إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ۔

فائدہ: ......یعنی ''فَاسْعَوْا'' کے معنی ''فَامْضُوْا'' کے ہیں یعنی جاری ہو جاؤ اور چل پڑو......امام مالک رحمہ اللہ دراصل ایک اشکال کو دور کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ ''فَاسْعَوْا'' کے مشہور معنی دوڑنے کے ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے نماز کی طرف دوڑ کر آنے سے منع فرمایا: فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةَ ۔ ''تو تم نماز کو دوڑ کر نہ آؤ۔ (بلکہ) چلتے ہوئے نماز کو آؤ اور سکون کو لازم پکڑ لو۔'' (بخاری: 908، مسلم: 602)، الغرض ''فَاسْعَوْا'' جس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ ''(اللہ کے ذکر یعنی خطبے کی طرف) دوڑو'' مذکورہ بالا حدیث

[236] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3/ 207، 5348، ابن ابی شیبه: 1/ 482، بیهقی: 3/ 227، الشافعی فی المسند: 1/ 293، وفی الامّ: 1/ 196، الاوسط لابن المنذر: 4/ 53۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

کے پیشِ نظر امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی ایک غیر متواتر قراءت سے اس لفظ کے معنیٰ متعین کیے ہیں، دراصل ''سعی'' کے لفظ سے مراد کوشش کرنا اور عمل کرنا بھی ہوتا ہے اور یہاں بھی یہی مراد ہے کہ جیسے ہی جمعہ کی اذان سنو تو خطبہ سننے کے لیے چل پڑو......اس آیت مبارکہ میں نداء یعنی اذانِ جمعہ سے مراد وہ اذان ہے جو خطیب کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے......یادرہے کہ کوئی بھی قراءت جو مصحفِ قرآن میں نہ ہو اور اس کی سند متواتر کی بجائے خبر واحد جیسی ہو تو اگر اس کی سند حسن یا صحیح کے درجے کو پہنچتی ہو تو اس کو بطور تفسیر ذکر کرنا جائز ہے لیکن قرآن سمجھ کر اس کی تلاوت کرنا جائز نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا السَّعْيُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ الْعَمَلُ وَالْفِعْلُ ، يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى : ﴿وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ﴾ [البقرة : 205] وَقَالَ تَعَالَى : ﴿وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى وَهُوَ يَخْشَى﴾ [عبس : 8,9] وَقَالَ : ﴿ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَى﴾ [النازعات : 22] وَقَالَ : ﴿إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى﴾ [الليل : 4] .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی کتاب میں (اور بھی بہت سی جگہوں پر) ''سعی'' (کے لفظ اور اس سے بنے ہوئے دوسرے الفاظ) سے مراد عمل کرنا (یا کوشش کرنا) ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرہ 2:205) ''اور جب وہ پلٹتا ہے تو زمین میں (فساد پھیلانے کی) کوشش کرتا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى﴾ (عبس:80:8، 9) ''اور جو شخص آپ کے پاس کوشش کرتا ہوا آیا اور وہ ڈرتا بھی ہے۔'' نیز فرمان ربانی ہے: ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى﴾ (النّٰزعٰت 22:79) ''پھر وہ (فساد کی) کوشش کرتا ہوا پلٹا'' اور اسی طرح اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا: ﴿اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى﴾ (اللیل 4:92) ''بے شک تمھاری کوشش البتہ مختلف ہے۔''

قَالَ مَالِكٌ : فَلَيْسَ السَّعْيُ الَّذِي ذَكَرَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ بِالسَّعْيِ عَلَى الْأَقْدَامِ ، وَلَا الاِشْتِدَادَ ، وَإِنَّمَا عَنَى الْعَمَلَ وَالْفِعْلَ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الغرض جس ''سعی'' کا اللہ نے اپنی کتاب میں تذکرہ فرمایا ہے اس سے پاؤں پر دوڑنا اور بھاگنا مراد نہیں بلکہ اللہ نے تو صرف اور صرف عمل کرنا اور کام کرنا ہی مراد لیا ہے۔

6- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِمَامِ يَنْزِلُ بِقَرْيَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي السَّفَرِ

دورانِ سفر میں امام کا جمعہ کے دن کسی بستی میں پڑاؤ ڈالنے کا بیان

خلاصۃ الباب یہ باب امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات پر مشتمل ہے جن میں بستیوں میں اور مسافر پر جمعہ کی حیثیت کے متعلق بیان ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : إِذَا نَزَلَ الإِمَامُ بِقَرْيَةٍ تَجِبُ فِيهَا الْجُمُعَةُ ، وَالإِمَامُ مُسَافِرٌ, فَخَطَبَ وَجَمَّعَ بِهِمْ ، فَإِنَّ أَهْلَ تِلْكَ الْقَرْيَةِ وَغَيْرَهُمْ يُجَمِّعُونَ مَعَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب امام کسی بستی میں پڑاؤ ڈالے جس میں جمعہ واجب ہو اور امام خود مسافر ہو، پھر امام خطبہ دے اور ان کو جمعہ پڑھائے تو یقیناً اس بستی والے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس کے ہمراہ جمعہ ادا کریں گے۔

فائدہ : ...... کیونکہ اس بستی والوں نے تو جمعہ ادا کرنا ہی ہے اور امام اگرچہ مسافر ہے جس پر جمعہ واجب نہیں ،لیکن اگر وہ جمعہ ادا کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، چنانچہ جب وہ جمعہ کا ارادہ کرلے تو چونکہ وہ امام ہے اس لیے اب اُس بستی والوں کو بھی اسی کی اقتدا میں جمعہ ادا کرنا ہوگا اور بستی کا وہ خطیب جو امام کی طرف سے اُن کے ہاں نائب کا کام کر رہا ہے وہ جمعہ نہیں پڑھائے گا، ہاں اگر پڑھانا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ کم فضیلت ورتبے والے کے پیچھے افضل شخص نماز پڑھ سکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنْ جَمَّعَ الإِمَامُ وَهُوَ مُسَافِرٌ بِقَرْيَةٍ لا تَجِبُ فِيهَا الْجُمُعَةُ, فَلَا جُمُعَةَ لَهُ ، وَلَا لأَهْلِ تِلْكَ الْقَرْيَةِ ، وَلَا لِمَنْ جَمَّعَ مَعَهُمْ مِنْ غَيْرِهِمْ ، وَلْيُتَمِّمْ أَهْلُ تِلْكَ الْقَرْيَةِ وَغَيْرُهُمْ مِمَّنْ لَيْسَ بِمُسَافِرٍ الصَّلَاةَ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر (یہ صورت بنے کہ) مسافر امام ایسی بستی میں جمعہ پڑھائے جس پر جمعہ واجب نہیں تو پھر نہ امام کا جمعہ ہوگا ، نہ بستی والوں کا اور نہ ان کے ساتھ جمعہ ادا کرنے والے دوسرے لوگوں کا، (کیونکہ اس بستی میں جمعہ کی بجائے اُن پر نمازِ ظہر ادا کرنا واجب ہے،تو مذکورہ صورت میں اگرچہ سب نے جمعہ کی شکل میں نماز شروع کی ہے لیکن اب وہ یوں کریں گے کہ) اس بستی والے اور دوسرے وہ تمام لوگ جو مسافر نہ ہوں وہ (ظہر کی) نماز (کی چار رکعتوں) کو پورا کریں گے (اور جو مسافر ہیں وہ دو پر ہی سلام پھیر دیں گے لیکن جمعہ کی دو رکعتوں کی نیت سے نہیں بلکہ مسافر کے لیے ظہر میں دو رکعت نمازِ قصر کی نیت سے)۔

فائدہ : ...... چونکہ اہل حدیث کے نزدیک ہر بستی میں جمعہ ہوسکتا ہے،اس لیے ان کے ہاں مذکورہ بالا صورت میں تمام لوگ جمعہ کی دو رکعتیں پڑھیں گے۔

گاؤں اور بستی میں جمعہ: قرآن وحدیث میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے کسی خاص جگہ کی قید نہیں ہے لیکن فقہاء کرام اس میں شرطیں لگاتے ہیں، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب سے اُس جگہ کی حد بندی میں متعدد اقوال مروی ہیں جہاں اُن کے نزدیک جمعہ واجب ہوتا ہے،احناف تو اس بڑے شہر کی صرف جامع مسجد ہی میں جمعہ کے قائل ہیں کہ جس شہر میں منڈی لگتی ہو اور عدالت وغیرہ کا انتظام ہو، وغیرہ وغیرہ......البتہ مالکیہ بعض بستیوں میں جمعہ کے قائل ہیں اور بعض میں نہیں ،لیکن یہ تمام فقہی موشگافیاں صحیح وصریح احادیث کے خلاف ہیں، یہی وجہ ہے کہ

اب ہمارے علاقوں میں ہر جگہ دیہاتوں اور گاؤں میں احناف نے بھی جمعہ کے خطبے شروع کر رکھے ہیں، تاکہ کہیں لوگ اہل حدیث کے پیچھے جمعہ پڑھ کر اپنے عقائد کو فقہی بندشوں سے آزاد نہ کرالیں، آیئے ذرا بستیوں میں جمعہ کی نماز کے دلائل قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ وتابعین کی روشنی میں دیکھ لیں۔

(1)......اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا حکم دیتے ہوئے یہ الفاظ ذکر فرمائے ہیں: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا﴾ ''اے ایمان والو!'' (سورۂ جمعہ 9:62) تو جس طرح شہروں والے لوگ اس خطاب میں شامل ہیں اسی طرح دیہاتوں والے مومن لوگ بھی اس کے تحت داخل ہیں۔

(2)......اللہ نے فرمایا: ﴿وَذَرُوا ٱلْبَيْعَ﴾ ''اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو۔'' (الجمعہ 9:62) چنانچہ جس طرح شہروں میں خرید وفروخت کا سلسلہ رہتا ہے، اسی طرح گاؤں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، ریڑھیوں والے، پھیری والے، دوکانوں والے حتی کہ ہوٹل اور حمام تک کی سہولت بھی میسر آجاتی ہے، لہٰذا ان کو بھی حکم ہے کہ کاروبار بند کریں اور جمعہ میں پہنچیں۔

(3)......اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُوا فِى ٱلْأَرْضِ وَٱبْتَغُوا مِن فَضْلِ ٱللَّهِ﴾ (الجمعة 10:62) ''پھر جب (جمعہ کی) نماز پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' چنانچہ جس طرح ان الفاظ پر شہروں میں عمل ہوسکتا ہے، اسی طرح بستیوں میں بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر اپنی زمینوں، فصلوں، باغات وغیرہ میں یا دوسرے کاروبار مثلاً آٹا پیسنا، تیل نکالنا، پھیری لگا کر بیچنا، دکان، کلینک وغیرہ کھول لیں۔

(4)...... خود مدینہ منورہ کو احادیث میں بستی قرار دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبُ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ ''مجھے ایک ایسی بستی (کی طرف ہجرت) کا حکم دیا گیا ہے جو دوسری بستیوں کو کھا جائے گی (یعنی اُن پر غلبہ پا کر حکومت کرے گی)، یوں لوگ اُسے یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ (کہلانے کی زیادہ مستحق) ہے۔'' (بخاری: 1871، مسلم: 1382) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: آخِرُ قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى الْاِسْلَامِ خَرَاباً الْمَدِيْنَةُ ۔ ''اسلام کی بستیوں میں سب سے آخر میں ویران ہونے والی بستی مدینہ ہے۔'' (ترمذی: 3919۔ اس کی سند حسن ہے۔)

(5)......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں پڑھا گیا وہ ''مَسْجِدِ عَبْدِالْقَيْسِ بَجُوَاثٰى مِنَ الْبَحْرَيْنِ'' ''عبدالقیس قبیلے کی مسجد تھی جو مُلک بحرین کے علاقے جُوَاثٰی میں تھی۔'' (بخاری: 892) اور دوسری روایت میں ہے۔ بِجُوَاثَاءَ قَرْيَةً مِنْ قُرَى الْبَحْرَيْنِ ''جُوَاثا جو کہ بحرین کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔'' (ابوداود: 1068۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

(6)......امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے۔ بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرىٰ وَالْمُدُن (بستیوں اور شہروں میں جمعہ کا بیان) اور امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس پر یہ عنوان بنایا ہے: بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرىٰ (بستیوں میں جمعہ کا بیان)۔

(7)......حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا قول منقول ہے: اَنْ جَمِّعُوْا حَيْثُ مَا كُنْتُمْ۔ ''تم جہاں کہیں بھی موجود ہو جمعہ پڑھ لیا کرو۔'' (فتح الباری: 1/ 486)

(8)......مصر کے شہر اسکندریہ کے گردونواح کے لوگ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں ان کے حکم سے جمعہ پڑھا کرتے تھے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ (بیہقی: 3/ 178، التعلیق المغنی علی الدار قطنی: 1/ 166)

(9)......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دیہاتوں میں جمعہ پڑھنے والوں کو ملامت نہیں کیا کرتے تھے۔ (عبدالرزاق: 3/ 178، فتح الباری: 1/ 486۔ التعلیق المُغْنِي: 1/ 166)

(10)......خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مالک کے گاؤں میں نماز پڑھائی۔ (عون المبعود: 1/ 414)

رہا یہ مسئلہ کہ کم از کم کتنے آدمی ہوں تو وہ جمعہ کا اہتمام کریں، تو اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے 40، مالکیہ نے 12، بعض نے 4، 7، 9، 20، 50 یا 70 بھی کہا ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے 40 کی ایک روایت ہے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام ابن قیّم، نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے علاوہ دو آدمیوں کی شرط ہے......اس بارے میں راجح یہ ہے کہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے نمازیوں کی تعداد کے متعلق کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے۔ اس لیے ہم اس کا معاملہ باقی نمازوں ہی کی طرح شمار کریں گے، جب باقی تمام نمازوں کی جماعت کم از کم دو افراد سے منعقد ہو سکتی ہے تو نماز جمعہ بھی صرف دو افراد ادا کر سکتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا جُمُعَةَ عَلَى مُسَافِرٍ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

فائدہ:......اس کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے جس کی سند ضعیف ہے۔ (التلخیص الحبیر: 2/ 65، بلوغ المرام: 438) لیکن مسئلہ اسی طرح ہی ہے اور جمہور کے نزدیک مسافر پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ (نیل الاوطار: 2/ 505، 506، المجموع: 4/ 496 سبل السلام: 2/ 659) اور اس کی ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج فرما رہے تھے تو میدانِ عرفات میں جمعہ کے دن آپ نے جمعہ نہیں پڑھایا بلکہ ظہر کی دو رکعتیں ادا کیں کیونکہ آپ اس وقت مسافر تھے، اور مسافر کے لیے جمعہ پڑھنے کی اہم دلیل یہ ہے کہ سفر ہجرت کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل تین کلو میٹر پیچھے قُبا بستی میں چند دن قیام پذیر رہے، پھر جمعہ کے دن وہاں سے چلے تو بنو سالم بن عوف کے محلے میں اسلام کا سب سے پہلا جمعہ ادا کیا جو کہ قُبا سے چند

قدم آگے ہے، بعد میں وہاں مسجدِ جمعہ کے نام سے مسجد بنائی گئی جو آج بھی موجود ہے۔(زرقانی)......مسافر ہی کی طرح کچھ دوسرے افراد کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ جَمَاعَةٍ اِلَّا اَرْبَعَةً ، عَبْدٌ مَّمْلُوْكٌ اَوِ امْرَاَةٌ اَوْصَبِیٌّ اَوْ مَرِیْضٌ۔ ''جمعہ ہر مسلمان پر باجماعت ادا کرنا حق اور واجب ہے، سوائے چار افراد کے، غلام، یا عورت یا بچہ یا مریض۔(ابو داؤد: 1067، دار قطنی: 2/ 3، بیهقی: 3/ 172۔اس کی سند صحیح ہے۔) لیکن اگر یہ تمام لوگ جمعہ میں شامل ہونا چاہیں تو بالا تفاق یہ بھی جائز ہے۔

7- باب مَا جَاءَ فِي السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن (قبولیتِ دعا والی مخصوص) گھڑی کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو احادیثِ مصطفیٰ ﷺ بیان ہوئی ہیں، جن میں سے ایک میں گھڑی کی تعیین بھی مروی ہے۔

[237] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللَّهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ. وَأَشَارَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اس میں ایک ایسی ساعت (چھوٹی سی گھڑی اور مختصر سا وقت) ہے کہ جو بھی مسلمان شخص اُسے اِس حال میں پالے کہ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو (اور) اللہ سے کچھ مانگ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اُسے وہ چیز عطا فرما دیتے ہیں۔'' اور (تذکرہ کرتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا (جس میں) آپ ﷺ اس گھڑی کے قلیل ہونے کو بیان فرما رہے تھے۔

فائدہ :...... یہ جمعہ کے دن کی ایک مخصوص گھڑی ہے جسے مبہم رکھا گیا ہے تاکہ ہر شخص اس گھڑی کی موافقت کے شوق میں زیادہ سے زیادہ دعائیں مانگتا رہے، یہ سوچ کر کہ شاید یہ موجودہ گھڑی ہو یا آگے آنے والی گھڑی ہو، جس طرح کہ لیلۃ القدر کی تعیین ہم سے مخفی رکھی گئی ہے تاکہ ہم اس کی تلاش میں پانچ راتوں کی عبادت کریں، بہرحال جب ہم اس کی تلاش، جستجو، اللہ کی عبادت اور دعائیں کرنے میں سارا دن مصروف رہیں گے تو خود بخود

[237] (صحیح) صحيح البخاری، كتاب الجماعة، باب الساعة التی فی یوم الجمعة، حدیث: 935، 5294، 6400، صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب فی الساعة التی فی یوم الجمعة، حدیث: 852، نسائی: 1433، ابن ماجه: 1137۔

اس گھڑی کی موافقت ہو جائے گی اور اس گھڑی کے علاوہ باقی وقت کی تمام دعائیں بھی قبول ہوجائیں گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (البقرة 2: 186) ''میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھ سے دعا کرلے۔'' نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ وعدہ بھی فرمایا ہے: ﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ (المومن 40: 60) ''تم مجھ سے دعا کرو میں تمھارے لیے قبول فرماؤں گا۔''

[238] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِی سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ خَرَجْتُ إِلَى الطُّورِ فَلَقِيتُ كَعْبَ الأَحْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهُ فَحَدَّثَنِی عَنِ التَّوْرَاةِ وَحَدَّثْتُهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيمَا حَدَّثْتُهُ أَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُهْبِطَ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيهِ تِيبَ عَلَيْهِ وَفِيهِ مَاتَ وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلاَّ وَهِیَ مُصِيخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِينِ تُصْبِحُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ إِلاَّ الْجِنَّ وَالإِنْسَ وَفِيهِ سَاعَةٌ لاَ يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّی يَسْأَلُ اللَّهَ شَيْئًا إِلاَّ أَعْطَاهُ إِيَّاهُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں کوہِ طور (کی زیارت کے لیے اُس) کی طرف نکلا، (وہاں) میری ملاقات کعب احبار رحمہ اللہ سے ہوئی (جو اسلام لانے سے قبل یہودیوں کے عالم تھے)، میں اُن کے ہمراہ بیٹھ گیا تو انھوں نے تورات سے کچھ بیان کیا اور میں نے اُنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (سیکھی ہوئی باتوں کو) بیان کیا، تو میں نے جو کچھ انھیں بیان کیا اُن میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے، (زمانہ ماضی میں بھی تاریخی دن تھا کیونکہ) اسی میں (تمام انسانوں کے باپ) آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا گیا، اسی میں اُن کو (جنت سے زمین کی طرف) اتارا گیا (اور زمین کو آباد کیا گیا)، اِسی میں اُن کی توبہ قبول کی گئی اور اسی دن وہ فوت ہوئے اور (مستقبل میں بھی یہ تاریخی دن ہوگا کیونکہ) اسی میں قیامت قائم ہو گی، اور جو کوئی بھی جاندار ہے، وہ ضرور جمعہ کے دن صبح (صادق یعنی اذانِ فجر) سے لے کر طلوعِ آفتاب تک

[238] (صحیح) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فضل یوم الجمعة ولیلة الجمعة، حدیث: 1046، جامع الترمذی، کتاب الجمعة، باب ما جاء فی الساعة التی ترجی فی یوم الجمعة، حدیث: 491، نسائی: 1431، احمد 2/ 486۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام بغوی نے اسے صحیح کہا ہے، امام حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ علامہ البانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ صحیح ابو داود: 924۔ ارواء الغلیل: 3/ 228۔ صحیح موارد الظمآن: 853۔

قَالَ كَعْبٌ ذَلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ . فَقُلْتُ بَلْ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ . فَقَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَلَقِيتُ بَصْرَةَ بْنَ أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيَّ فَقَالَ مِنْ أَيْنَ أَقْبَلْتَ فَقُلْتُ مِنَ الطُّورِ . فَقَالَ لَوْ أَدْرَكْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَيْهِ مَا خَرَجْتَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تُعْمَلُ الْمَطِيُّ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِلَى مَسْجِدِي هَذَا وَإِلَى مَسْجِدِ إِيلْيَاءَ أَوْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ يَشُكُّ . قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ثُمَّ لَقِيتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثْتُهُ بِمَجْلِسِي مَعَ كَعْبِ الأَحْبَارِ وَمَا حَدَّثْتُهُ بِهِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ قَالَ كَعْبٌ ذَلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ . قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبَ كَعْبٌ . فَقُلْتُ ثُمَّ قَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ بَلْ هِيَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ . فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ صَدَقَ كَعْبٌ . ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَدْ عَلِمْتُ أَيَّةَ سَاعَةٍ هِيَ . قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ أَخْبِرْنِي بِهَا وَلَا تَضِنَّ عَلَيَّ . فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ هِيَ آخِرُ سَاعَةٍ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ . قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ وَكَيْفَ تَكُونُ آخِرُ سَاعَةٍ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي . وَتِلْكَ السَّاعَةُ سَاعَةٌ لَا

قیامت کے خوف سے کان لگائے ہوئے (گویا کچھ سننے کی کوشش کر رہا) ہوتا ہے، سوائے جنوں اور انسانوں کے (کہ یہ اس وقت بھی غافل ہی رہتے ہیں)، اس جمعہ کے دن میں ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ جو بھی مسلمان بندہ اس حال (کی موافقت کر کے اس) کو پالے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اللہ سے کوئی چیز (اس گھڑی میں) مانگ لے تو وہ ضرور اُسے وہ چیز عطا فرما دیتا ہے۔ کعب احبار رحمہ اللہ نے کہا کہ (یہ گھڑی) پورے سال میں صرف ایک دن ہی آتی ہے، (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا: (نہیں) بلکہ (یہ) ہر جمعہ (کے دن) میں (آتی)، (یہ سن کر) کعب رضی اللہ عنہ تورات پڑھنے لگے (تاکہ اس سے کسی بات کی تصدیق ہو)، پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ ہی فرمایا ہے، (تورات میں بھی یہی ہے، مجھے غلطی لگی تھی)، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر (واپسی پر) میں بصرہ بن ابی بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے ملا، تو انھوں نے (مجھ سے) پوچھا کہ کدھر سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ طور پہاڑ سے (آ رہا ہوں)، تو وہ کہنے لگے کہ اگر تمھارے اس طرف جانے سے پہلے میں تمھیں پالیتا (اور ہماری ملاقات ہو جاتی) تو تم (اُدھر) نہ جاتے، (کیونکہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''سواری کو (کسی جگہ کو متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنے کے لیے) تیار نہ کیا جائے سوائے تین مساجد کے، مسجد حرام (بیت اللہ والی مسجد)، میری یہ مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد ایلیاء (جسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں،) یا بیت المقدس کی طرف، یہ راوی کو شک ہے (کہ مسجد ایلیاء اور بیت المقدس میں سے کون سا

يُصَلِّي فِيهَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ حَتَّى يُصَلِّيَ. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ بَلَى. قَالَ فَهُوَ ذَلِكَ.

لفظ مسجد اقصیٰ کے لیے بولا تھا......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میری ملاقات حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ہوئی (جو اسلام قبول کرنے سے پہلے یہودیوں کے چوٹی کے عالم تھے)، تو میں نے اُنھیں اپنی اس مجلس کے متعلق بتایا جو کعب احبار کے ساتھ ہوئی تھی اور اس حدیث کا بھی ذکر کیا جو میں نے کعب احبار رحمہ اللہ کو جمعہ کے دن کے بارے میں سنائی تھی، میں نے (حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے) کہا کہ (میری یہ بات سن کر) کعب رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ یہ گھڑی پورے سال میں صرف ایک دن ہی میں آتی ہے، تو (یہ سنتے ہی) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ کعب رحمہ اللہ نے جھوٹ کہا، میں نے عرض کیا کہ پھر کعب رحمہ اللہ نے تورات کی قراءت کی تو کہنے لگے کہ (سال میں صرف ایک بار نہیں) بلکہ (واقعی) یہ ہر جمعہ کے دن میں آتی ہے، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ (اب) کعب رحمہ اللہ نے سچ کہا......پھر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یقیناً مجھے علم ہے کہ وہ کون سی گھڑی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اُن سے عرض کیا کہ مجھے اس گھڑی کے متعلق خبر دیجیے اور بخل سے کام نہ لیجیے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی کیسے ہوسکتی ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں ''جو کوئی مسلمان بندہ اس حال میں اس گھڑی کی موافقت کرے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو۔'' اور یہ (آپ کی بیان کردہ) گھڑی تو ایسی ہے جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں نماز کا انتظار کرتے ہوئے بیٹھے تو وہ نماز ہی میں (شمار ہوتا رہتا) ہے، یہاں تک کہ نماز پڑھ لے (اور فارغ ہو جائے)؟'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیوں نہیں، (واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرما چکے ہیں) تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ پس اِس کا یہی مطلب ہے۔

فائدہ: ......یعنی جو شخص جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد مغرب کے لیے جس قدر انتظار میں بیٹھا رہے گا تو وہ نماز ہی میں شمار ہوگا، اور اس دوران وہ جو کچھ بھی دعائیں مانگے گا وہ ایسے ہی شمار ہوں گی کہ جیسے وہ حالتِ نماز میں کھڑا ہو کر مانگ رہا ہے...... یہ بات تو متفقہ ہے کہ یہ گھڑی مختصر سی ہے اور ہر جمعہ کے دن آتی ہے لیکن اس کی تعیین میں چالیس کے لگ بھگ اقوال ہیں، جن میں سب سے راجح دو اقوال ہیں: ایک یہی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور دوسرا قول حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ماخوذ ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هِيَ مَا بَيْنَ اَنْ يَّجْلِسَ الْإِمَامُ اِلَى اَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ. ''یہ گھڑی امام کے (منبر پر) بیٹھنے سے لے کر نماز مکمل ہونے تک (کے درمیان میں آتی) ہے۔'' (مسلم: 853) متعدد علمائے کرام نے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ والے قول کو راجح

قرار دیا ہے،لیکن ترجیح کی بجائے دونوں اقوال میں بہترین تطبیق یہ ہے کہ یہ گھڑی جمعہ کے دن مختلف اوقات میں پھر پھر کر آتی ہے، چنانچہ کبھی تو امام کے خطبہ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نمازِ جمعہ سے فارغ ہونے تک کے درمیان میں آتی ہے اور کبھی نماز عصر کے بعد سے سورج ڈوبنے تک کے درمیان میں آتی ہے ......نسائی شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں طور پہاڑ پر آیا تو وہاں میں نے کعب احبار رحمہ اللہ کو بھی پایا، چنانچہ میں اور وہ ایک دن ٹھہرے رہے (اور مجھے تورات کی باتیں اور میں انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سناتا رہا)۔ (نسائی: 1431) ......صحیح مسلم میں جمعہ کے دن کی تاریخی حیثیت میں یہ بھی مذکور ہے: ''اسی دن میں آدم کو جنت میں داخل کیا گیا تھا۔'' (صحیح مسلم: 854) اور بعض روایات میں یہ بھی ہے: ''اسی دن میں پہلی مرتبہ صُور پھونکا جائے گا اور اسی میں دوسری بار پھونک لگائی جائے گی۔'' (ابو داؤد: 1047، نسائی: 1375، ابن ماجہ: 1085- اس کی سند صحیح ہے۔)...... مُصِیْخَۃٌ کے معنی کان لگا کر سننے کے ہیں، عربی گرامر کے اعتبار سے یہ باب افعال اور اجوف واوی ہے، اس کے معنی چیخنے کے نہیں ہیں، کیونکہ وہ معنی صَیْحَۃٌ کے ہوتے ہیں ......اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے دل میں یہ القا کر رکھا ہے کہ قیامت جمعہ کے دن آئے گی اس لیے وہ ہر جمعہ کے دن اذان فجر سے طلوعِ آفتاب تک اسی اندیشے اور خوف میں رہتے ہیں کہ شاید آج قیامت آجائے، لیکن جب سورج مشرق سے طلوع ہو جاتا ہے تو وہ پرسکون ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر وہ قیامت کا دن ہوتا تو سورج مغرب کی سمت سے چڑھتا۔

بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ۔''کجاوے (اونٹوں کے پالان) نہ باندھے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف (ان کو باندھ کر سفر کرنا جائز ہے): مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ۔'' (بخاری: 1198، مسلم: 1397) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زمین کے کسی حصے کو متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا جائز نہیں سوائے مذکورہ تین مساجد کے، یہ ٹھیک ہے کہ بہت سی جگہیں برکت کا منبع ہو سکتی ہیں لیکن اُن جگہوں کی برکت سے مستفید ہونے کے لیے سفر کرنا درست نہیں، ہاں، دوسرے مختلف مقاصد کے لیے مختلف نیتوں سے سفر کرنا جائز ہے، مثلاً حصول علم، تبلیغ، جہاد، تجارت، نیک لوگوں کی زیارت، ملاقات، صلہ رحمی، صلح کرانا، دعوت قبول کرتے ہوئے جانا، اللہ کی نشانیوں سے عبرت پکڑنے کے لیے جانا...... مسجدِ قبا اکیلی کی طرف لمبا سفر کرنا بھی جائز نہیں، ہاں آپ مسجد نبوی کی نیت سے لمبا سفر کریں اور پھر وہاں سے پیدل یا سواری پر مسجد قبا کی طرف جائیں، تو درست ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (تقریباً) ہر ہفتے والے دن کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل ہی اس کی طرف جایا کرتے تھے اور اس میں دو رکعتیں بھی پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری: 1194، مسلم: 1399) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ ادا کرنے کے برابر بیان فرمایا ہے۔ (ترمذی: 324، نسائی: 700، ابن ماجہ: 1411، 1412، ابن حبان: 1627۔ اس کی سندیں

حسن یا صحیح ہیں) آپ ﷺ نے اس مسجد میں باوضو ہو کر جانے کی بھی ترغیب دی ہے۔ (احمد: 3/ 487، ابن ماجه: 1412، مستدرك حاكم: 3/ 22۔ اس کی سند صحیح ہے۔)...... دعاؤں کی قبولیت بڑھانے والے اوقات، مقامات اور الفاظ بہت سے ہیں لیکن ان تمام کے ساتھ یہ شرط لازمی ہے کہ نہ تو وہ دعا کسی گناہ کے کام کی ہو، نہ قطع رحمی کی اور نہ کسی دوسرے حرام کام کی، نیز جلد بازی سے بھی کام نہ لیا جائے اور جلد بازی سے مراد یہ کہنا ہے کہ میں نے اتنی دعا مانگی ہے پھر بھی قبول نہیں ہوئی۔

8- بَابُ الْهَيْئَةِ وَتَخَطِّى الرِّقَابِ وَاسْتِقْبَالِ الإِمَامِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن (اچھی) ہیئت کذائی (اختیار کرنے)، گردنیں پھلانگنے (کی ممانعت) اور امام کی طرف رُخ کر کے بیٹھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے تین روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک حدیثِ مصطفیٰ ﷺ ہے جو حسن (لِغَيْرِهٖ) سند سے مذکور ہے، اور دو موقوف روایات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں جو صحیح سندوں سے ثابت ہیں، نیز اس باب میں امام صاحب کا ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔

[239] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰه قَالَ: مَا عَلَى أَحَدِكُمْ لَوِ اتَّخَذَ ثَوْبَيْنِ لِجُمُعَتِهِ سِوَى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، اُن کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کا کیا نقصان ہوگا اگر وہ اپنے روزمرہ کے (کام کاج کے) کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے دو (خاص) کپڑے بنالے۔''

فائدہ:...... جمعہ ایک عوامی اجتماع ہے جس میں اچھی شکل وصورت بنا کر، نہا دھو کر، خوبصورت کپڑے پہن کر آنا چاہیے تا کہ کسی کو کسی کی ظاہری کیفیت سے نفرت وپریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، چنانچہ ایسے مواقع کے لیے اگر وسعت ہو تو خصوصی سوٹ الگ تیار رکھنا چاہیے، اور ہو سکے تو عمامہ، رومال، خوشبو وغیرہ کا اہتمام بہت مستحسن ہے، چنانچہ جمعہ کے دن جن کاموں کے کرنے پر دس دن کے گناہوں کی معافی کی خوشخبری سنائی گئی ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے: وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِيَابِهٖ ''وہ اپنے خوبصورت ترین کپڑوں میں سے کوئی پہنے۔'' (ابو داؤد: 343، احمد: 3/ 81۔ اس کی سند صحیح ہے)، خود نبی کریم ﷺ کا ایک خاص جُبّہ تھا جس کے حصوں پر ریشم کی کڑھائی ہوئی تھی۔ (مسلم: 2069)

---

[239] (حسن لغيره) سنن ابى داؤد، كتاب الصلاة، باب اللبس للجمعة، حديث: 1078، سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب ماجاء فى الزينة يوم الجمعة، حديث: 1095، المعجم الكبير للطبرانى: 167، الاحاديث المختارة للضياء المقدسى: 9/ 451۔ شیخ ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔

[240] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ لَا يَرُوحُ إِلَى الْجُمُعَةِ إِلَّا ادَّهَنَ وَتَطَيَّبَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ حَرَامًا.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی جمعہ کے لیے جاتے تو تیل اور خوشبو ضرور لگا لیتے تھے، الّا یہ کہ وہ حالتِ احرام میں ہوتے۔

فائدہ: ...... کیونکہ حج وعمرہ کا احرام باندھنے والے کے لیے خوشبو لگانا حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے موقع پر خوشبو لگانے کی بہت تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ (بخاری: 880، 883، مسلم: 846/7) حضرت سفیان بن عُیَینہ رحمہ اللہ نے اپنی ''جامع'' میں حسن سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خوشبو لگانا واجب قرار دیتے تھے۔ (1/324)

[241] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَمَّنْ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لأَنْ يُصَلِّيَ أَحَدُكُمْ بِظَهْرِ الْحَرَّةِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَقْعُدَ حَتَّى إِذَا قَامَ الإِمَامُ يَخْطُبُ جَاءَ يَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ تم میں سے کسی کا حرّہ جگہ پر نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ گھر میں بیٹھا رہے، (لیکن بعض افراد کی یہ صورت حال کہ وہ جمعہ کے لیے جلدی نہیں آتے) حتی کہ جب امام خطبہ دینا شروع کر دیتا ہے تو وہ (پیچھے رہنے والا) جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا چلا آتا ہے۔

فائدہ: ...... دراصل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں کی سستی پر غصہ و ناراضی کا اظہار فرما رہے ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ جمعہ کا خطبہ شروع ہونے سے پہلے مسجد میں حاضر ہوا جاتا، لیکن لوگ اس میں بہت سی کوتاہی کرتے ہیں اور پھر مسجد میں آکر گردنیں پھلانگنے کے ممنوع کام کا بھی ارتکاب کرتے ہیں...... اس اظہار ناراضی سے قبل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ترغیب دے رہے ہیں، وہ گھروں میں بیٹھ رہنے کی نسبت، جمعہ کے لیے آکر انتظار کرنے اور نفلی نماز میں مشغول ہونے کو افضل و بہتر قرار دے رہے ہیں، اس ترغیب میں مشقت برداشت کرنے کے پہلو کو ایک تشبیہ دے کر بیان کرتے ہیں کہ مسجد میں گرمی اور حبس وغیرہ کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں، یہاں نماز پڑھنا کچھ مشکل نہیں، اگر نماز کو حرّہ جگہ میں پڑھنا ہوتا تو پھر پتا چلتا اور وہاں پر نماز پڑھنا گھروں میں بیٹھنے سے بہتر ہی ہے ...... مدینہ منورہ کے مشرق و مغرب میں دو پتھریلے میدان تھے جنھیں ''حَرَّتَین'' یا ''لَابَتَین'' کہا جاتا تھا، ان میں کالے پتھر تھے جو جلے ہوئے محسوس ہوتے تھے،

---

[240] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3/ 198، 5306، ابن ابی شیبہ: 1/ 481، 2/ 155، شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[241] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3/ 242، 5505، ابن ابی شیبہ: 1/ 474، 2/ 145، بیہقی: 3/ 231، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

گویا ''حرّہ'' کے معنی یہ ہوئے: ''سیاہ جلے پتھروں والا میدان۔'' جمعہ کی ادائیگی سے اگر دس دنوں کے گناہ کی معافی کی خوشخبری دی گئی ہے تو اس کے کیے جانے والے اعمال میں سے ایک یہ بھی بیان کیا گیا ہے: ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ''پھر وہ جمعہ کو آئے تو لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے۔'' (ابوداؤد: 343، حاکم: 1/ 283، احمد: 3/ 81۔ اس کی سند صحیح ہے۔) ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِجْلِسْ فَقَدْ اٰذَيْتَ ''بیٹھ جاؤ، کیونکہ تم نے یقیناً تکلیف سے دوچار کر دیا ہے۔'' (ابوداؤد: 1118، نسائی: 1400، اس کی سند صحیح ہے۔)

قَالَ مَالِكٌ: السُّنَّةُ عِنْدَنَا أَنْ يَسْتَقْبِلَ النَّاسُ الإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْطُبَ، مَنْ كَانَ مِنْهُمْ يَلِي الْقِبْلَةَ وَغَيْرَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک یہ طریقہ اور سنت ہے کہ جمعہ کے دن لوگ اس وقت امام کی طرف رخ کر کے بیٹھیں جب کہ وہ خطبہ دینے کا ارادہ کرے، خواہ وہ قبلہ کے قریب والی دیوار کی جانب منہ کیے بیٹھے ہوں یا کسی اور جانب۔

فائدہ: ......یعنی جو لوگ امام کے سامنے ہوں وہ تو امام کی طرف ہی رُخ کیے بیٹھے رہیں، اور جو لوگ امام کے دائیں یا بائیں جانب ہوں تو اب وہ قبلہ رُخ بیٹھنے کی بجائے امام کی طرف رُخ کر لیں، اس بارے میں کوئی ایسی صحیح سند والی روایت تو نہیں ہے جس میں وضاحت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی معمول بیان ہوا ہو کہ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف رخ کرتے تھے یا کہ آپ ﷺ نے اُن کو اس کا حکم دے رکھا تھا۔ البتہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال واعمال اور بعض تابعین کے فتاوی جات اس بارے میں صحیح ثابت ہیں، مرفوع روایات سب کی سب سنداً کمزور ہیں، لیکن اس مسئلے پر تمام فقہاء کا اتفاق بھی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ عنوان قائم کیا ہے۔

بَابُ اسْتِقْبَالِ النَّاسِ الْاِمَامَ اِذَا خَطَبَ ''جب امام خطبہ دے تو لوگوں کا اس کی طرف رُخ کر لینے کا بیان۔'' پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے امام کی طرف رُخ کر لیا۔ پھر یہ مسئلہ اس حدیث سے ثابت کیا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ ''یقیناً نبی کریم ﷺ ایک دن منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو ہم آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے۔'' (بخاری: 921) ظاہر بات ہے کہ منبر تو دیوار کے ساتھ پڑا ہوا تھا، اس لیے یہ تو ممکن نہیں کہ چاروں طرف لوگ بیٹھے تھے، دیوار کے علاوہ باقی تین سمتیں بچتی ہیں اور نبی کریم ﷺ کے اردگرد، بیٹھنا یہی ظاہر کرتا ہے کہ اُن کے چہرے آپ ﷺ کی طرف تھے۔

9- باب الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ وَالِاحْتِبَاءِ وَمَنْ تَرَكَهَا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ

نمازِ جمعہ میں قراءت، (خطبہ کے وقت) اِحتِباء (گوٹ مارنا) اور بغیر عذر کے جمعہ چھوڑنے والے کا بیان

خلاصۃ الباب: امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں چار روایات ذکر کی ہیں، دو احادیثِ مصطفیٰ ﷺ تو صحیح سندوں سے ثابت ہیں، ایک روایت کے متعلق امام صاحب کو شبہ ہے کہ وہ قول رسول ﷺ ہے یا قول صحابی رضی اللہ عنہ۔ اس کی سند البتہ صحیح ہے اور وہ دوسری کتبِ حدیث میں صحیح سند سے ثابت ہے، اس باب کی ایک روایت موقوف ہے جس کی سند حسن ہے۔

[242] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْمَازِنِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ الضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ، سَأَلَ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ مَاذَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى إِثْرِ سُورَةِ الْجُمُعَةِ قَالَ كَانَ يَقْرَأُ: ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾

ضحاک بن قیس رحمہ اللہ نے حضرت نُعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن (نمازِ جمعہ میں) میں سورۂ جمعہ کے بعد کون سی سورت پڑھا کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ سورۂ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: ......یعنی آپ ﷺ پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ پڑھتے تھے، اکثر اوقات پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ کی تلاوت فرماتے۔ (صحیح مسلم: 878) اور کبھی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں منافقون پڑھتے۔ (صحیح مسلم: 877، 879) لہٰذا ان سب صورتوں پر عمل کرنا مستحب ہے، اگرچہ سب کے نزدیک نماز جمعہ یا کسی بھی نماز میں کوئی بھی سورت یا آیات تلاوت کر لینا کفایت کر جاتا ہے، لیکن یہ بات بھی قطعاً مناسب نہیں کہ ساری زندگی کبھی بھی ان نبوی طریقوں پر عمل نہ کیا جائے۔

[243] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَحْتَبِي يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن احتباء کیا کرتے تھے، اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہوتا تھا۔

---

[242] (صحيح) صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب ما يقرا في صلاة الجمعة، حديث: 878، سنن ابی داود كتاب الصلاة، باب مايقرأ به في الجمعة، حديث: 1122، ترمذی: 533، نسائی: 1424، ابن ماجه: 1119، احمد: 4/ 271۔

[243] (موقوف حسن) الشافعي في الام: 1/ 205، ابن ابی شيبه: 2/ 118، بيهقي في السنن الكبرى: 3/ 253، وفي معرفة السنن والآثار: 2/ 519 (1793)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

فائدہ :...... ہمارے ہاں اس عمل کو گوٹھ مارنا یا گوٹ مارنا بھی کہا جاتا ہے، اگر چہ اُردو میں اس عمل کے لیے کوئی خاص لفظ نہیں ہے، حَبُوہ مارنے یا احتباء کرنے یعنی گوٹ مارنے کے معنی یہ ہیں: سُرین (چوتڑوں) کے بل بیٹھ کر، گھٹنے کھڑے کر کے، گھٹنوں کے گرد سہارا لینے کے لیے دونوں ہاتھ باندھ لینا یا کمر اور گھٹنوں کے اردگرد کپڑا باندھ لینا، لوگ عموماً اس طرح بیٹھا کرتے ہیں، چونکہ اس عمل سے بدن کو کچھ سہارا اور راحت ملتی ہے اس لیے عموماً یہ نیند کا باعث بن جاتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن اُس وقت گوٹ مارنے سے منع فرمایا ہے جب امام خطبہ دے رہا ہو۔(ابوداود:1110 ، ترمذی : 514 ، ابن خزیمہ : 1815 ۔اس کی سند حسن ہے)۔

امام ابوداوٗد رحمہ اللہ (حدیث:1111 کے بعد) فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے خطبہ کے دوران احتباء کرتے اور گوٹھ مارتے تھے، نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، شُرَیح رحمہ اللہ، صَعْصَعہ بن صُوحان رحمہ اللہ، سعید بن مُسَیَّب رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، مکحول رحمہ اللہ، اسماعیل بن محمد بن سعید رحمہ اللہ اور نُعَیم بن سلامہ رحمہ اللہ سب کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ائمہ اربعہ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں لیکن بات یہ ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گوٹ مارنے کی ممانعت والی حدیث ثابت ہوگئی تو خواہ اسے نہی تنزیہی ہی کہا جائے، پھر بھی کم از کم یہ تو کہا جائے گا کہ گوٹ مارنا مکروہ ہے، اس سے بچنا ہی افضل و اولیٰ ہے،خواہ اس سے نیند آئے یا نہ آئے ۔یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جب تم میں کسی کو جمعہ کے دن (خطبہ کے دوران) اونگھ آنے لگے تو اس کو اپنی جگہ تبدیل کر لینی چاہیے۔''(ابوداود: 1119 ، ترمذی :526، اس کی سند صحیح ہے۔)

[244] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، - قَالَ مَالِكٌ لَا أَدْرِي أَعَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَمْ لَا - أَنَّهُ قَالَ: مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلَا عِلَّةٍ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قَلْبِهِ.

صفوان بن سُلَیم رحمہ اللہ سے روایت ہے ۔امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں یا نہیں ۔کہا کہ جس نے بغیر کسی عذر اور بغیر کسی بیماری کے تین دفعہ جمعہ چھوڑ دیا تو اللہ اُس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔

فائدہ :......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْلَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ ''لوگوں کو جمعے چھوڑنے سے ضرور باز آجانا چاہیے، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر ضرور لگا دیں گے، پھر وہ لازماً غافل لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔''(مسلم: 865) یعنی اللہ تعالیٰ اپنا کرم وفیض اور لطف و احسان اُن سے روک لیں گے اور ان تک کوئی خیر و بھلائی نہ پہنچ سکے گی، یا جہل وغفلت، بدبختی و

[244] (صحیح لغیرہ) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے، یہ روایت ابوضمری رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً مروی ہے، دیکھیے ابو داود: 1052 ، ترمذی :500 ، نسائی : 1370 ، ابن ماجہ : 1125 ، مسند احمد 3/ 424 .

سنگدلی اور منافقت سے اُن کے دلوں کو بھر دیں گے اور پھر اُن سے ہدایت کی توفیق چھین لیں گے، اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلاً يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ، ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ. ''بلاشبہ میں نے یہ قصد کرلیا تھا کہ میں کسی آدمی کو حکم دیتا، تو وہ لوگوں کو نماز پڑھاتا، پھر میں (خود جاکر) ان لوگوں کے گھروں کو جلا ڈالتا جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں۔'' (صحیح مسلم: 652)

[245] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ خُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَجَلَسَ بَيْنَهُمَا.

جعفر بن محمد رحمہ اللہ (المعروف امام جعفر صادق رحمہ اللہ) اپنے باپ محمد رحمہ اللہ (المعروف امام باقر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن دو خطبے دیے اور ان دونوں کے درمیان بیٹھے۔

فائدہ: ......خطبہ جمعہ دیتے وقت کی حالت قرآن مجید میں یوں مذکور ہے: ﴿وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا﴾ (الجمعة 11:62) ''اور وہ آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔'' حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر خطبہ دیتے، پھر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے، پھر کہا کہ جو شخص تمھیں یہ خبر دے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے تو یقیناً اس نے جھوٹ بولا، اللہ کی قسم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ہزار سے زائد نمازیں ادا کی ہیں (اس لیے جو دیکھا وہی بیان کر رہا ہوں۔) (مسلم: 862) یہی بات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے کھڑے ہوکر دیتے اور ان کے درمیان میں بیٹھا کرتے تھے۔ (بخاری: 920، 928، مسلم: 861)

---

[245] (صحیح لغیرہ) یہ روایت ابن عمر سے متصل سند کے ساتھ بھی مروی ہے، دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الخطبة قائما، حدیث: 920، 928، صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة، حدیث: 861، ابوداود: 1092، ترمذی: 506، نسائی: 1417، ابن ماجہ: 1103، 1105، دارمی: 1558۔

6

كِتَابُ الصَّلَاةِ فِي رَمَضَانَ

رمضان المبارک میں نمازِ (تراویح) کے متعلق کتاب

خلاصة الکتاب اس کتاب میں صرف دو ابواب اور آٹھ روایات مذکور ہیں، جن میں سے دو احادیثِ مصطفیٰ ﷺ ہیں اور دونوں بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں، پانچ روایات موقوف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں جن میں سے صرف ایک (روایت: 250) ضعیف اور باقی سب صحیح ہیں، ایک روایت مقطوع یعنی تابعی رحمہ اللہ سے منقول ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔

1- باب التَّرْغِيبِ فِي الصَّلَاةِ فِي رَمَضَانَ

ماہِ رمضان میں نمازِ (تراویح) کی ترغیب

خلاصة الباب اس میں صرف دو احادیث پیغمبر ﷺ ہیں اور دونوں ہی بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

[246] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي الْمَسْجِدِ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ ثُمَّ صَلَّى اللَّيْلَةَ الْقَابِلَةَ فَكَثُرَ النَّاسُ ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ماہِ رمضان کی) ایک رات مسجد میں نماز پڑھی تو کچھ لوگوں نے بھی (بعد میں شامل ہو کر پیچھے کھڑے ہو کر) آپ ﷺ کی نماز کے ساتھ نماز ادا کی، پھر آپ ﷺ نے اگلی رات (یہی تراویح کی) نماز پڑھی تو (آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرنے والے) لوگ بھی بڑھ گئے، پھر وہ تیسری یا چوتھی رات جمع ہوئے تو رسول اللہ ﷺ

[246] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب تحریض النبی ﷺ علی اللیل، حدیث: 1129، 729، 730، 2012، 5861، صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراويح، حدیث: 761، ابو داود: 1373، نسائی: 1605، احمد: 1/ 169۔

رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ . وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ .

ان کی طرف (نماز پڑھانے کے لیے) نہ آئے ، پھر جب صبح ہوئی تو فرمایا: ''میں نے وہ (سب کچھ) دیکھ لیا تھا جو تم نے کیا تھا، (لیکن میں پھر بھی نہ نکلا) اور مجھے تمھاری طرف نکلنے سے اس کے علاوہ اور کسی چیز نے نہیں روکا کہ مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ (کہیں) یہ نماز تم پر فرض (نہ) کر دی جائے۔'' اور یہ واقعہ ماہِ رمضان میں پیش آیا۔

فائدہ :......رات کے آخری حصے کی نماز کو نمازِ تہجد، نماز وتر، صلاۃُ اللیل اور قیام اللیل بھی کہا جاتا ہے اور اگر اسے ماہِ رمضان میں ادا کیا جائے تو اسے قیام رمضان اور نماز تراویح بھی کہا جاتا ہے، اس کا افضل وقت تو رات کا آخری حصہ ہے لیکن اس کا وقت نمازِ عشاء کے بعد شروع ہو جاتا ہے، اسی لیے ماہِ رمضان میں از روئے سہولت لوگ نماز عشاء کے فوراً بعد ہی ادا کر لیتے ہیں ......رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز تراویح کے لیے جمع نہیں کیا تھا بلکہ آپ ﷺ تو اعتکاف کیے ہوئے تھے اور اعتکاف والا حجرہ چھوٹا سا تھا، لوگوں کو آپ ﷺ نماز پڑھتے ہوئے دکھائی دیے تو وہ پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے، اس سے معلوم ہوا کہ دورانِ نماز اکیلا آدمی ایسی صورت میں اپنی نیت تبدیل کر کے جماعت اور امامت کی نیت کر سکتا ہے ......رسول اللہ ﷺ نے صرف اور صرف تین راتوں میں تراویح کی جماعت کرائی، یہ بات تمام اہل علم کے ہاں متفقہ ہے اور عوام میں بھی مشہور ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ وہ کون سی تین راتیں تھیں؟ چنانچہ ان راتوں کی تعیین حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، اس میں ہے کہ جب پہلی بار جماعت ہوئی تو سات راتیں باقی تھیں، قمری مہینہ عموماً انتیس راتوں ہی کا شمار ہوتا ہے، اور آخر سے ساتویں تیئسویں رات بنتی ہے، دوسری دفعہ آخر سے پانچویں یعنی پچیسویں رات تھی اور تیسری بار یہ جماعت آخر سے تیسری یعنی ستائیسویں رات کو ہوئی۔ (ابو داود: 1375، ترمذی: 1606، ابن ماجہ: 1327، اس کی سند صحیح ہے) یہ تعیین حضرت نُعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مزید تفصیل اور خوب وضاحت کے ساتھ مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیئیسویں رات رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رات کے تہائی حصے تک قیام کیا، پچیسویں رات کو نصف رات تک قیام کرتے رہے اور ستائیسویں رات کو سحری کے اختتام کے قریب تک یہ قیام جاری رہا۔ (نسائی: 1607)

رہا یہ مسئلہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھائیں، تو اس بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرَ ۔ ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ماہِ رمضان میں آٹھ رکعتیں پڑھائیں اور (پھر) وتر پڑھے۔'' (صحیح ابن حزیمہ: 2/ 138، حدیث: 1070، صحیح ابن حبان: 4/ 62، 64، حدیث: 2401، 2406، نیز اسے طبرانی رحمہ اللہ نے المعجم الصغیر میں،

ابویعلیٰ رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ نے قیام اللیل میں ذکر کیا ہے)، اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامِ رمضان کا سوال کیا تو انھوں نے گیارہ رکعات ہی کی تعداد بیان کی۔ (بخاری: 2013)، جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت (ابن ابی شیبہ: 2/ 393)، جس میں انھوں نے قیام رمضان کی تعداد بیس رکعات بیان کی ہے، اس کے ضعیف ہونے پر تمام علمائے احناف، شوافع اور موالک کا اتفاق ہے، کیونکہ اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان متروک الحدیث ہے۔ (دیکھیے علامہ انور شاہ کشمیری حنفی رحمہ اللہ کی شرح ترمذی، المعروف اَلْعَرْفُ الشَّذِی: ص 201، علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ کی نصب الرایہ: 2/ 153، علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمہ اللہ کی شرح بخاری المعروف عُمدۃُ القاری: 11/ 128، ہدایہ کے شارح ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ کی فتحُ القدیر: 1/ 397، فتاوی عبدالحی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ: 1/ 354، مولانا محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی تبلیغی کی اَوجزُ السَّالک: 1/ 397، محمد بن علی نیموی حنفی رحمہ اللہ کی آثارُ السُّنَن: 2/ 56، وغیرہ۔)

[247] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَ بِعَزِيمَةٍ فَيَقُولُ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ كَانَ الأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ماہِ رمضان کے قیام (تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے، مگر انھیں اس کا پختہ حکم نہیں فرماتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ''جس شخص نے ماہِ رمضان کا قیام، ایمان کی حالت میں ثواب کی امید رکھتے ہوئے کیا تو اس کے لیے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔'' (حدیث کے راوی) ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو معاملہ اسی طرح چل رہا تھا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی یہی حال رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے شروع میں بھی (یہی حال رہا)۔

فائدہ: ......یعنی دورِ نبوی، دورِ صدیقی اور آغازِ دورِ فاروقی میں تراویح کی جماعت کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ محض ترغیب دی جاتی تھی، پھر 14 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت شروع

[247] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، حدیث: 2009، نیز دیکھیے: 37، 2008، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح، حدیث: 759، ابوداود: 1371، ترمذی: 808، نسائی: 1603، 1604، احمد: 2/ 281، دارمی: 1776۔

کروادی۔(ابن عبد البرّ ، زُرقانی)

2- باب مَا جَاءَ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ

قیامِ رمضان (تراویح) کے بارے میں آنے والی روایات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب کی چھ روایات میں سے پانچ موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب کی سندیں صحیح ہیں سوائے ایک کے۔

[248] حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ ، أَنَّهُ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ إِنِّي لأَرَانِي لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ . فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ - قَالَ - ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ فَقَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ وَالَّتِي تَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي تَقُومُونَ . يَعْنِي آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ .

عبدالرحمٰن بن عبد رحمہ اللہ جو قارہ قبیلے کی طرف منسوب ہیں، سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں ماہِ رمضان میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد کی طرف نکلا تو اچانک لوگ (دیکھے جو) جدا جدا اور متفرق تھے، کوئی آدمی اپنے لیے (اکیلا ہی) نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی شخص نماز (جماعت سے) پڑھا رہا تھا اور (آٹھ دس آدمیوں کا) گروہ اس کی نماز کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! بے شک میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ان تمام کو ایک ہی قاری پر (یعنی اس کے پیچھے) جمع کر دوں تو یہ بہت ہی بہتر ہوگا، چنانچہ انھوں نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا، عبدالرحمٰن بن عبد قاریؒ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر ایک رات میں اُن کے ہمراہ نکلا تو لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یہ نیا کام کتنا اچھا ہے اور (لیکن) وہ (اخیر رات کا) وقت جس سے یہ لوگ سوئے رہتے ہیں، وہ افضل ہے اس سے جس میں یہ نماز ادا کر رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کا آخری حصہ مراد لے رہے تھے جبکہ لوگ رات کے شروع میں ہی قیام (نماز تراویح ادا) کر لیتے تھے۔

فائدہ :......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هِيَ (اچھی ہے یہ بدعت) لغوی معنٰی کے اعتبار سے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یہ کام کئی سال بعد دوبارہ نئے سرے سے شروع ہو رہا ہے اور بہت ہی پیارا کام ہے، شرعی معنی کے اعتبار سے یہ کام بدعت نہیں تھا کیونکہ بدعت تو وہ عمل ہے جس کی شریعت میں دلیل موجود نہ ہو اور اُسے اپنی

[248] (موقوف صحیح) صحیح البخاری ، کتاب صلاة التراويح ، باب فضل من قام رمضان ، حديث:2010۔

طرف سے دین میں بڑھا دیا گیا ہو، جبکہ نمازِ تراویح کی جماعت خود رسول اللہ ﷺ کئی بار کرا چکے تھے، لیکن آپ ﷺ نے اس پر دوام صرف اس لیے نہ کیا کہ کہیں فرض ہی نہ ہو جائے اور پھر لوگوں کو مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے مختصر سے دورِ خلافت میں مختلف فتنوں کی سرکوبی میں مسلسل برسر پیکار رہے، پھر جب عہد فاروقی میں حالات کچھ معمول پر آ گئے تو انھوں نے اس جماعت کو دوبارہ شروع کرا دیا کیونکہ اب فرضیت کا خطرہ ٹل چکا تھا اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا الغرض اس عمل کو بدعت کہنا صرف اس لیے تھا کہ کافی عرصے سے یہ کام نہیں ہو رہا تھا، پھر اس عمل کو بدعت کہنے کی وجہ یہ بھی نہ تھی کہ وہ بدعت کی تقسیم کرنا چاہتے تھے کہ بدعت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک اچھی اور ایک بری، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہر بدعت کو گمراہی قرار دے چکے ہیں۔ (مسلم: 867)

رہا یہ مسئلہ کہ نماز تراویح گھر میں اکیلے اکیلے پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں جماعت کے ساتھ؟ تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کو افضل کہتے ہیں، ایک روایت میں امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ جماعت سے تراویح پڑھانا سنت نبوی ﷺ ہے جو صرف فرض ہو جانے کے خوف سے ترک کر دی گئی، اب چونکہ یہ خوف نہیں رہا، اس لیے اب اسی پر عمل کرنا چاہیے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچیسویں رمضان کی رات کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تمنا دیکھ کر فرمایا، جو کہہ رہے تھے کہ کاش! آپ ﷺ باقی رات کا بھی قیام کرا دیتے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّـهُ مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ ''یقیناً جو شخص امام کے ساتھ قیام کرتا ہے یہاں تک کہ امام فارغ ہو جائے تو اس کے لیے پوری رات کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔'' (ترمذی: 806، نسائی: 1606، ابن ماجہ: 1327۔ اس کی سند صحیح ہے) یعنی امام خواہ لمبی تراویح پڑھائے یا مختصر، اگر کوئی شخص اس کے ساتھ یہ نماز پڑھتا رہے اور درمیان میں چھوڑ کر بھی نہ جائے تو اسے ساری رات کی تہجد اور قیام کا ثواب مل جاتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ، (امام ترمذی رحمہ اللہ کے بقول) امام شافعی رحمہ اللہ اور بہت سے علمائے اہل حدیث کے ہاں گھر میں اکیلے اکیلے تراویح پڑھنا افضل ہے، کیونکہ گزشتہ دونوں دلیلوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جو گھروں میں تراویح پڑھنے کا کم درجہ بیان کرتی ہو، بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ اگر تین دن تراویح کی جماعت کرانا آقا ﷺ کی سنت ہے، تو باقی ساری زندگی تراویح کی جماعت نہ کروانا آپ کا معمول ہے۔ آپ نے باجماعت تراویح کی فضیلت کے پیش نظر اس کی جماعت شروع نہیں کروائی بلکہ محض لوگوں کی دلجوئی کے لیے کرائی، رہا ساری رات قیام اللیل کا ثواب، تو وہ کچھ دوسرے اعمال سے بھی مل جاتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص نمازِ عشاء جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے اُسے نصف رات کے قیام کا اجر ملتا ہے اور جو نماز فجر کو (بھی) جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے اُسے پوری رات کے قیام کا اجر ملتا ہے۔'' (مسلم: 656، ابوداود: 555، ترمذی: 221)، اور پھر نماز تراویح کو گھروں میں ادا کرنے کی

فضیلت خود اسی حدیث مبارکہ سے عیاں ہوجاتی ہے، چنانچہ چوتھی رات جب لوگوں نے پھر جماعت کی خواہش کی تو آپ ﷺ نے نماز نہ پڑھائی اور اس موقع پر نہایت وضاحت سے فرمادیا: فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ ''لوگو! گھروں میں نماز پڑھا کرو، کیونکہ سب سے افضل نماز آدمی کی وہ نماز ہے جسے وہ اپنے گھر میں پڑھے سوائے فرض نماز کے۔'' (بخاری: 731، مسلم: 781) بلکہ ایک روایت میں ہے: مِنْ مَسْجِدِيْ هٰذَا ''(یعنی گھر میں پڑھی ہوئی نفلی نماز) میری اس مسجد (نبوی میں پڑھی ہوئی نفلی نماز) سے (بھی افضل ہے)۔ (بخاری: 1190، مسلم: 1394)، نیز موطا امام مالک کی روایت میں بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود جماعت کے ساتھ تراویح نہیں پڑھتے تھے اور لوگوں کی جماعت والی نماز کو انھوں نے اچھا تو کہا لیکن افضل قرار نہ دیا۔

[249] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا، لِلنَّاسِ بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً قَالَ وَقَدْ كَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِينَ حَتَّى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ .

سائب بن یزید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں، سائب کہتے ہیں کہ یقیناً قاری (صاحب یعنی امام) سوسو آیات والی سورتیں پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ لمبے قیام کی وجہ سے ہم لاٹھیوں پر سہارا لگا لیتے تھے اور ہم فجر کے قریب وقت سے پہلے نہیں پھرتے تھے۔

فائدہ: ......موطا کی اس روایت کے تمام راوی زبردست ثقہ ہیں، کسی راوی پر کوئی جرح نہیں ہے اور متقدمین علمائے کرام میں سے کسی نے بھی اسے ضعیف قرار نہیں دیا، خود حنفی عالم، علامہ محمد بن علی نیموی رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (آثار السنن: ص 250، حدیث: 776) لہٰذا بعض متعصب لوگوں کا پندرھویں صدی ہجری میں اسے مضطرب کہہ کر ضعیف شمار کرنا بالکل باطل اور بے بنیاد ہے ......سعید بن منصور رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ مردوں کو اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ عورتوں کو نماز تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ (زرقانی) نیز ثابت ہوا کہ جب گیارہ رکعات پڑھتے پڑھتے فجر کا وقت قریب آپہنچا تھا تو وہ اس سے زائد رکعات نہ پڑھ سکتے تھے۔

---

[249] (موقوف صحیح) معرفة السنن والآثار: 2/ 305، (1367، 1368)، ابن ابی شیبہ: 2/ 391، 392، عبدالرزاق: 4/ 260 (7730)، بیہقی: 2/ 496، السنن الکبری للنسائی کما فی تحفة الاشراف: 8/ 22۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا کہ یہ روایت صحیح ہے۔

[250] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ، أَنَّهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً.

یزید بن رُومان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ ماہِ رمضان میں تیئس رکعتوں کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔

فائدہ: ......اس روایت کی سند منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے، کیونکہ یزید بن رُومان رحمہ اللہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں، دونوں کے درمیان میں واسطہ گرا ہوا ہے، اس بات کو امام زیلعی رحمہ اللہ نے ''نصب الرایہ'' میں، نیز علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (عمدۃ القاری: 11/ 127)، علامہ نیموی حنفی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ (آثار السنن، حاشیہ ص 253)

مسئلہ تراویح

دعویٰ اہل حدیث: اہل حدیث کے ہاں تراویح، تہجد، قیام اللیل، صلاۃُ اللیل، نمازِ وتر اور قیامِ رمضان سب ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں اور یہ ایک نفلی نماز ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سات، نو، گیارہ اور تیرہ رکعات تک تعداد ثابت ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول گیارہ رکعات کا تھا، چونکہ یہ ایک نفلی نماز ہے اس لیے اس میں گنجائش ہے کہ جتنی چاہو پڑھتے رہو، خواہ سو رکعتیں پڑھ لو، چنانچہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے بھی مختلف تعداد منقول ہے، مثلاً 11، 20، 23، 24، 27، 36، 38، 39، 41، 47...... پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف طریقے مروی ہیں کہ آپ عام طور پر دو، دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا کرتے تھے، لیکن کبھی ایک وتر پڑھتے، کبھی تین، کبھی پانچ، کبھی سات، اور کبھی نو...... الغرض یہ نفلی نماز ہے جس میں اکیلے یا جماعت کے ساتھ سب طریقے جائز ہے لیکن ماہِ رمضان میں تراویح کی جماعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسنون طریقہ صرف اور صرف آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر کا ہے، اس کے علاوہ کوئی طریقہ جماعت سنت موکدہ تو دور کی بات سنت بھی نہیں کہلا سکتا، جو لوگ مسنون طریقے پر عمل چاہتے ہیں وہ تراویح کی جماعت میں نہ ایک وتر پڑھایا کریں اور نہ تین سے زیادہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعات تراویح کے متعلق جتنی بھی روایات منقول ہیں، وہ تمام کی تمام ضعیف سند والی ہیں، بہر حال اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ جماعت کے ساتھ مسنون تراویح کتنی ہیں۔

---

[250] (موقوف منکر) بیهقی فی السنن الکبری: 2/ 496، وفی معرفة السنن والآثار: 2/ 305، (1366) وفی شعب الایمان: 3/ 177، (3270)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا کہ یہ روایت موقوف منکر ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ صلاة التراويح للالبانی: ص 54۔

گیارہ رکعات تراویح بمع وتر کے دلائل

(1)......اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ عشاء سے فارغ ہونے کے بعد سے لے کر صبح تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے، آپ ﷺ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے اور (آخر میں) ایک وتر پڑھتے تھے۔ (مسلم: 736)...... یہ آپ ﷺ کا عام معمول بیان ہوا ہے، اس میں جماعت تراویح کی بات نہیں البتہ رکعات کی تعداد گیارہ ہی مذکور ہے۔

(2)......ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ماہِ رمضان میں نماز (تراویح) کیسی ہوتی تھی؟ تو انھوں نے جواب دیا مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكَعَةً ''نہ رمضان میں اور نہ ہی اس کے علاوہ میں آپ ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھتے تھے۔'' (بخاری :2013) اس حدیث میں جماعت کی بات تو نہیں لیکن تعداد رکعات گیارہ ہی ہے اور خاص بات یہ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب، قیامِ رمضان یعنی نمازِ تراویح کے سوال پر سامنے آیا۔

(3)......حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَاَوْتَرَ۔ ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ماہِ رمضان میں آٹھ رکعات پڑھائیں اور وتر پڑھے۔'' (ابن خزیمہ: 2/ 138، حدیث: 1070، ابن حبان: 4/ 62، 64، حدیث: 2401، 2406)

یہ حدیث مبارکہ اہل حدیث کے دعوٰی کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باجماعت تراویح صرف آٹھ پڑھیں، اس کی سند حسن ہے۔ احناف کے چوٹی کے عالم محمد بن علی نیموی نے اس روایت کے بارے میں لکھا کہ "وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ" اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن :ص 250) اسی روایت کی بنا پر احناف کے چوٹی کے علماء کو بھی اقرار کرنا پڑا کہ تراویح باجماعت مسنون یا سنت موکدہ آٹھ رکعات ہیں۔ (یہ اقوال آگے آرہے ہیں۔) لیکن تعصب کے ہاتھوں مجبور اور انصاف کا گلا گھونٹنے والے حنفیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسے ضعیف قرار دینے کی بھی کوشش کی ہے، اور ہر راوی پر جرح کرنے کی بھی کوشش کی ہے، اور ان کا تو یہ وطیرہ ہے کہ کسی راوی کی روایت حق میں ہو تو اُس راوی کی تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہیں اور اگر اُسی راوی کی روایت خلافِ مسلک آجائے تو پھر بے چارے کی خیر نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ از حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ)

(4)......حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! آج رات (ماہِ رمضان میں) مجھ سے ایک کام ہو گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا ہوا؟'' عرض کیا کہ میرے محلے کی عورتوں نے کہا کہ ہم خود تو قرآن پڑھ نہیں سکتیں، اس لیے ہم تیرے پیچھے (تراویح

کی) نماز پڑھیں گی، چنانچہ میں نے ان کو آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائے۔ فَكَانَتْ سُنَّةَ الرِّضَا وَلَمْ يَقُلْ شَيْئاً ''پس یہ (آقا کی) رضا مندی والی سنت بن گئی اور آپ ﷺ نے کچھ نہ کہا۔'' (مجمع الزوائد: 3/ 74، مسند ابی یعلیٰ: 3/ 336، حدیث: 1801۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے اور اس کی سند گزشتہ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ ہی کی طرح ہے۔)

(5)......موطا کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ (موطا امام مالك: 1/ 114، حديث: 249، السنن الكبری للبيهقی: 2/ 496، السنن الكبری للنسائی: 3/ 113، حديث: 4687، كنز العمال: 8/ 407، حديث: 23465، شرح معانی الآثار: 1/ 293۔ اس کی سند بالکل صحیح ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے)

(6)......حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ زَمَانِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ بِإِحْدٰى عَشْرَةَ رَكَعَةً۔ ''ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (سنن سعيد بن منصور بحواله الحاوی للفتاوی: 1/ 349، حاشیہ آثار السُّنَن: ص 250۔ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو انتہا درجے کی صحیح قرار دیا ہے۔ المصابيح فی صلاة التراويح للسيوطی: ص 15، الحاوی للفتاوی: 1/ 350)

(7)......امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے بھی ایک روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہ پر جمع کیا، چنانچہ وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھایا کرتے تھے۔ (مصنَّف ابن ابی شيبه: 2/ 391، حديث: 767، اس کی روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔)

کیا تراویح اور تہجد الگ الگ ہیں؟

آج کل حنفی دنیا میں ایک بات کا بہت چرچا ہے کہ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ، رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعات والی حدیث اُن کے سامنے آتی ہے تو جھٹ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تہجد کے متعلق ہے، تہجد کی گیارہ رکعات جبکہ تراویح کی بیس رکعات ہیں ......حالانکہ یہ بہت بڑا دھوکا ہے، جو محض مناظرہ آرائی اور عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے پیش کیا جاتا ہے...... یاد رکھیے، تراویح کا نام تہجد کے لیے ہی رکھا گیا ہے اور یہ لفظ نبی کریم ﷺ کے دور میں اس نماز کے لیے بولا ہی نہ جاتا تھا اور نہ ہی کسی اور نماز کے لیے یہ لفظ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، تو یہ محض لوگوں کی سہولت کے لیے اس طریقے کو عام کر دیا گیا ہے کہ ماہِ رمضان میں قیام اللیل یعنی تہجد کا ثوابِ عظیم حاصل کرنے کے لیے اُسے نمازِ عشاء کے ساتھ ہی ادا کر لیا جاتا ہے اور چار چار رکعتیں پڑھنے کے بعد ذرا آرام کیا جاتا جسے عربی میں

''تَـرْوِيـحـه'' کہا جاتا ہے،اس وقفے کا مقصد راحت حاصل کرنا اور تھکاوٹ دور کرنا تھا،اسی سے لفظ''تراویح'' کی اصطلاح عام ہوگئی۔

نماز تہجد اور تراویح کو الگ الگ قرار دینا متاخرین احناف کے محض مسلکی تعصُب کا نتیجہ ہے ورنہ ان کے اسلاف اور متقدمین احناف میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہ تھا،سب کے سب تہجد اور تراویح کو ایک ہی سمجھا کرتے تھے، یہ بات تو اب بھی تسلیم شدہ ہے کہ قیام رمضان یا قیام شہر رمضان سے مراد بہر حال تراویح ہی ہے۔آیئے تراویح وتہجد کے ایک ہی ہونے کے چند دلائل دیکھتے ہیں۔

(1)......احناف کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تراویح بیس رکعت پڑھائی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ تین وتر پڑھائے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان میں آپ ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے،تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر یہ دونوں نمازیں الگ الگ تھیں تو آپ ﷺ نے گیارہ بھی پڑھیں اور تیئیس بھی پڑھیں اور یہ تعداد چونتیس رکعتیں ہوگئیں۔

(2)...... نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: لاَوِتْـرَانِ فِـيْ لَيْلَةٍ ''ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے۔'' (ترمذی: 470، ابوداود: 1439، نسائی: 1680۔ اس کی سند حسن ہے)،احناف کے دعوے کے مطابق لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک رات میں دوبار وتر پڑھے کیا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آقا ﷺ کے قول وفعل میں تضاد تھا؟

(3)......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کا سوال کیا تھا اور یہ بات متفقہ ہے کہ قیام رمضان تراویح ہی کو کہتے ہیں،تو کیا احناف اپنے دعوے کی روشنی میں یہ کہنا پسند کریں گے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بات سمجھ میں نہ آسکی اور وہ تراویح کے سوال پر تہجد کا جواب دیتی رہیں (سوال گندم جواب چنا)؟ یا اُنھوں نے دونوں نمازوں سے ایک ہی نماز مراد لے کر خطا کا ارتکاب کیا؟ یا اپنے شاگرد کو دھوکا دیا؟ کیا احناف ان لازم آنے والے نتائج کو بھی تسلیم کریں گے؟

(4)......کوئی بھی دو چیزوں، باتوں اور احادیث میں تعارُض تبھی ممکن ہے جب کہ دونوں کا موضوع ایک ہو، ایک ہی چیز کے متعلق دونوں کا بیان اور تبصرہ الگ الگ ہو، اگر دونوں کا موضوع الگ الگ ہو تو دونوں کو کبھی آپس میں مدمقابل اور متعارض نہیں کہہ سکتے،ایک آدمی کہے کہ زید کھڑا ہے اور دوسرا کہے کہ زید بیٹھا ہے،اس صورت میں تو تعارُض کی بات سمجھ میں آتی ہے لیکن اگر ایک کہے کہ زید کھڑا ہے اور دوسرا کہے کہ خالد بیٹھا ہے تو پھر ان دونوں کو متعارض سمجھنا بے وقوفی کہلاتا ہے......

احناف کی پیش کردہ بیس رکعات تراویح والی روایت جوکہ موضوع اور سخت ضعیف ہے،اس روایت کا تعلق تراویح سے ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث (رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعات والی) بھی اگر تراویح ہی سے تعلق رکھے گی تو ان دونوں کو متعارض قرار دیا جائے گا۔علمائے احناف نے ان دونوں روایتوں کو متعارض قرار دیا ہے۔تو کیا

احناف یہ کہنا گوارا کریں گے کہ یہ علماء بے وقوف اور ناسمجھ تھے کہ الگ الگ موضوع رکھنے والی روایت کو باہم متعارض سمجھتے رہے؟

(5)......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام احمد رحمہ اللہ نے موطا امام محمد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعات والی حدیث پر یہ باب اور عنوان قائم کیا ہے: بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَمَا فِيْهِ مِنَ الْفَضْلِ (ماہ رمضان کے قیام اور اس کی فضیلت کا بیان) (موطا امام محمد: ص 141)، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ نے اس کے حاشیے میں لکھا: قَوْلُهٗ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَيُسَمَّى التَّرَاوِيْحَ (یعنی ماہ رمضان کے قیام کا نام تراویح بھی رکھا جاتا ہے)، امام بیہقی نے اس حدیث پر یہ باب باندھا: كِتَابُ صَلَاةِ التَّرَاوِيْحِ (نماز تراویح کی کتاب)، اور باب کا عنوان یہ قائم کیا: بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ (ماہ رمضان کا قیام کرنے والے کی فضیلت کا بیان)......تو کیا ان محدثین کرام اور فقہائے عظام کے متعلق احناف یہ کہنے کی جسارت کریں گے کہ یہ تمام غلطی پر تھے کہ تہجد والی روایت کو تراویح اور قیام رمضان پر محمول کرتے رہے؟

(6)......یہی وجہ ہے کہ آج کل کے بعض حنفی علماء بھی تہجد وتراویح کو ایک سمجھنے پر مجبور ہو گئے، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری حنفی دیوبندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَلَمْ يَثْبُتْ فِيْ رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّرَاوِيْحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلٰى حِدَةٍ فِيْ رَمَضَانَ ''کسی ایک بھی روایت میں ثابت نہیں ہو سکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان میں تراویح اور تہجد کو الگ الگ ادا کیا ہو۔'' (العرف الشذی شرح جامع الترمذی: 1/ 166)

(7)......موطا کی روایت: 249 میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ رکعات فجر کے قریب جا کر ختم ہوتیں تو احناف بتائیں کہ پھر دوسری بیس رکعات کب پڑھی جاتی ہیں؟

گھر کی گواہیاں، احناف علماء کا اعتراف

(1)......علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (متوفی 861ھ) لکھتے ہیں: فَتَحَصَّلَ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ اَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِفِيْ جَمَاعَةٍ۔ ''اس (گزشتہ) پوری بحث سے حاصل اور نتیجہ یہ نکلا کہ بے شک قیام رمضان (یعنی تراویح) جماعت کے ساتھ گیارہ رکعات وتر سمیت پڑھنا سنت ہے۔'' (فتح القدیر شرح هدایه: 1/ 407، باب النوافل)

(2)......علامہ ابن نُجیم مصری حنفی رحمہ اللہ (متوفی 970ھ) نے ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ سے بطور اقرار یہ نقل کیا: فَاِذَنْ يَكُوْنُ الْمَسْنُوْنُ عَلٰى اُصُوْلِ مَشَايِخِنَا ثَمَانِيَةً مِنْهَا وَالْمُسْتَحَبُّ اثْنَا عَشَرَ۔ ''تو اس طرح ہمارے شیوخ کے اصول کے مطابق اُن میں سے آٹھ رکعتیں مسنون ہیں اور بارہ رکعتیں مستحب ہیں۔'' (البحر الرائق: 2/ 67)

(3)......مُلا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (متوفی 1014ھ) کہتے ہیں: فَتَحَصَّلَ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ اَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ اِحْدٰى عَشْرَةَ بِالْوِتْرِفِىْ جَمَاعَةٍ فَعَلَهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ۔'' تو اس بحث سے یہ حاصل ہوا کہ قیام رمضان گیارہ رکعات مع وتر جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت ہے، جسے آپ نے کیا۔''(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: 3/ 382، حديث:1303)

(4)......علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی رحمہ اللہ (متوفی 1069ھ) کہتے ہیں: لِمَا يَثْبُتُ اَنَّهٗ ﷺ صَلّٰى بِالْجَمَاعَةِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ ۔''(اس کی باجماعت نماز سنت کفایہ ہے) کیونکہ یہ ثابت ہے کہ یقیناً آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعات وتر سمیت پڑھیں۔''(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح:ص98)

(5)......سید احمد طحطاوی حنفی رحمہ اللہ (متوفی 1233ھ) کہتے ہیں: لِاَنَّ النَّبِيَّ (عَلَيْهِ الصَّلَاةُوَالسَّلَامُ) لَمْ يُصَلِّهَا عِشْرِيْنَ بَلْ ثَمَانِيَ ۔'' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بیس تراویح نہیں، بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔''(حاشيةُ الطحطاوى على الدُّرِّالمختار:1/ 295)

(6)......مولانا احسن نانوتوی دیوبندی حنفی رحمہ اللہ (متوفی 1312ھ) کہتے ہیں: لِاَنَّ النَّبِيَّ لَمْ يُصَلِّهَا عِشْرِيْنَ بَلْ ثَمَانِياً ۔'' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بیس نہیں بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔''(حاشيه كنز الدقائق، ص 36، حاشيه :4)

(7)......مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی رحمہ اللہ (متوفی 1345ھ) لکھتے ہیں: ''اور سنت موکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو بالاتفاق ہے، اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے۔''(براہین قاطعہ:ص195)

(8)......علامہ انور شاہ کشمیری حنفی رحمہ اللہ (متوفی 1352ھ) لکھتے ہیں: وَلَا مَنَاصَ مِنْ تَسْلِيْمِ اَنَّ تَرَاوِيْحَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَتْ ثَمَانِيَةَ رَكَعَاتٍ ......وَاَمَّا النَّبِيُّ ﷺ فَصَحَّ عَنْهُ ثَمَانُ رَكَعَاتٍ وَاَمَّا عِشْرُوْنَ رَكْعَةً فَهُوَعَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِسَنَدٍ ضَعِيْفٍ وَعَلٰى ضُعْفِهٖ اتِّفَاقٌ ۔''اور یہ بات تسلیم کرنے سے کوئی چھٹکارا نہیں کہ آپ ﷺ کی تراویح آٹھ رکعات تھیں ......رہے نبی کریم ﷺ تو آپ سے آٹھ رکعات صحیح ثابت ہیں اور رہیں بیس رکعات تو وہ آپ ﷺ سے ضعیف سند کے ساتھ مروی ہیں اور اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔''(اَلْعَرْفُ الشَّذِى:1/ 166)

(9)...... امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی حنفی رحمہ اللہ (متوفی 1381ھ) کہتے ہیں: اگرچہ نبی ﷺ سے آٹھ رکعت تراویح مسنون ہے اور ایک ضعیف روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیس رکعت بھی۔

(علم الفقه :ص198، حاشيه)

(10)......مولانا محمد یوسف بنوری حنفی رحمہ اللہ (متوفی 1397ھ) کہتے ہیں: فلا بد من تسليم انه

ﷺ التراویح ایضا ثمانی رکعات ۔" تو یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ یقیناً آپ ﷺ نے آٹھ رکعات تراویح بھی پڑھی ہیں۔" (معارف السنن: 5/ 543) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (۱) مولانا نذیر احمد اعظمی صاحب کی کتاب "انوار مصابیح"، (۲) "حدیث خیر وشر" از مولانا حافظ عبدالمتین جونا گڑھی، (۳) "تعداد تراویح" از مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ، (۴) "نور المصابیح فی مسئلہ التراویح" از حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ اور (۵) تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ" (جو حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے متعلقہ تراویح کا مجموعہ ہے)۔

[251] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، أَنَّهُ سَمِعَ الأَعْرَجَ، يَقُولُ مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ إِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُونَ الْكَفَرَةَ فِي رَمَضَانَ . قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِي ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَإِذَا قَامَ بِهَا فِي اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسُ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ .

داؤد بن حصین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے (عبدالرحمٰن بن ہرمز) اعرج رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے لوگوں کو ماہ رمضان میں کافروں پر لعنت کرتے ہوئے پایا اور قاری (امام) آٹھ رکعتوں میں سورۂ بقرہ پڑھا کرتا تھا، پھر جب (کبھی) وہ بارہ رکعتوں میں سورۂ بقرہ پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس نے تخفیف کر دی ہے۔

فائدہ: ...... ماہ رمضان میں کفار کے خلاف دعائے قنوت نازلہ پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی حتی کہ وتروں میں بھی قنوتِ وتر کے ہمراہ قنوتِ نازلہ کا اہتمام کیا جاتا تھا، یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ میں محض آٹھ رکعات تراویح پر ہی دوام نہ تھا بلکہ وہ کبھی کبھار اس سے زیادہ بھی پڑھ لیتے تھے لیکن جب زیادہ رکعتیں پڑھتے تو قراءت میں تخفیف کرتے اور جب رکعتیں آٹھ پڑھتے تو قراءت لمبی کرتے۔

[252] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ، كُنَّا نَنْصَرِفُ فِي رَمَضَانَ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَةَ الْفَجْرِ .

عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (ابوبکر رحمہ اللہ بن محمد بن عمرو بن حزم) کو یہ کہتے سنا کہ ہم ماہِ رمضان میں تراویح سے فارغ ہوتے تو اپنے خادموں سے جلدی جلدی (سحری کا) کھانا منگواتے، فجر (طلوع ہو جانے) کے ڈر سے (ایسا کرتے کیونکہ نمازِ تراویح اختتامِ سحر کے قریب جا کر ختم ہوتی تھی)

---

[251] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 4/ 262 (7734)، بیہقی: 2/ 497۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[252] (مقطوع صحیح) بیہقی: 2/ 497، شعب الایمان: 3/ 177 (3272)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[253] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ ذَكْوَانَ أَبَا عَمْرٍو، - وَكَانَ عَبْدًا لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَأَعْتَقَتْهُ عَنْ دُبُرٍ مِنْهَا - كَانَ يَقُومُ يَقْرَأُ لَهَا فِي رَمَضَانَ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عمرو ذکوان رحمہ اللہ جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا اور انھوں نے اسے اپنی وفات کے بعد آزاد کر (دینے کا کہہ) دیا تھا، وہ رمضان میں اُن کو تراویح پڑھاتا اور قرآن سناتا تھا۔

فائدہ: ......اور وہ مصحفِ قرآن سے دیکھ کر نماز تراویح میں تلاوت کرتا تھا۔ (بخاری، قبل حدیث: 692، ابن ابی شیبہ: / 338) اگرچہ بہتر یہ ہے کہ نماز میں زبانی تلاوت کی جائے لیکن دیکھ کر تلاوت کرنا جائز ہے، نیز غلام کی امامت بھی درست ہے۔ وہ غلام جسے اس کا مالک یہ کہہ دے کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے "مدبر" کہلاتا ہے۔

---

[253] (موقوف صحیح) صحیح البخاری (تعلیقاً)، کتاب الاذان، باب امامة العبد والمولی، قبل الحدیث: 692، بیہقی: 2/ 253، 3/ 88، ابن ابی شیبہ: 2/ 338۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

7

كِتَابُ صَلَاةِ اللَّيْلِ

رات کی نماز (تہجد) کے متعلق کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں پانچ ابواب اور تینتیس روایات ہیں، جن میں سے 15 مرفوع احادیث، 14 موقوف اور 4 مقطوع روایات ہیں، احادیث مصطفیٰ ﷺ سب کی سب صحیح سندوں سے ثابت ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موقوف روایات میں سے نو صحیح اور پانچ ضعیف ہیں، جبکہ تابعین رحمہم اللہ کی مقطوع روایات ایک کے سوا سب کی سب صحیح ہیں، نیز اس پوری کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے صرف تین فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

فائدہ: ......امام احمد رحمہ اللہ اور اہل ظاہر کے نزدیک نماز باجماعت فرض عین ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ نیز حنفی و مالکی علماء مثلاً طحاوی و کرخی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سنت موکدہ ہے، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، امام بخاری، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن خزیمہ، ابن حجر، ابن حزم، صنعانی، البانی اور ابن باز رحمہم اللہ وغیرہ سب نماز باجماعت کی فرضیت کے قائل ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں یہ عنوان قائم کیا ہے: بَابُ وُجُوْبِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ ''نماز باجماعت کے واجب ہونے کا بیان۔'' (بخاری: 644) یہی موقف راجح ہے کہ ہر وہ مکلّف مرد جسے شرعی عذر لاحق نہ ہو، اگر وہ اذان سنتا ہو تو اس کے لیے باجماعت نماز پڑھنا فرض اور واجب ہے۔

1- بَابٌ: فَضْلُ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ عَلٰى صَلَاةِ الْفَذِّ

نماز باجماعت کی اکیلے شخص کی نماز پر فضیلت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں سات روایات ہیں، جن میں سے چار احادیثِ مصطفیٰ ﷺ، دو موقوف (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول) ہیں اور ایک تابعی رحمہ اللہ سے مروی مقطوع روایت ہے، اور سنداً مقطوع کے علاوہ سب صحیح ثابت ہیں۔

[254] حَـدَّثَـنِـي يَـحْيَـى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُـحَـمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَـنْ رَجُلٍ عِنْدَهُ رِضًا، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَـرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَـلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنِ امْرِءٍ تَكُونُ لَهُ صَلَاةٌ بِـلَيْلٍ يَغْلِبُهُ عَلَيْهَا نَوْمٌ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَجْرَ صَلَاتِهِ وَكَانَ نَوْمُهُ عَلَيْهِ صَدَقَةً.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی ایسا شخص جس کی رات کے وقت نماز (پڑھنے کی مستقل عادت اور دائمی روٹین) ہو، (پھر کسی رات) نینداس پر غالب آ کر اُسے وہ نماز نہ پڑھنے دے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے حق میں اس کی (معمول والی) نماز کا اجر لکھ دیتے ہیں اور اس کی نینداس پر (اللہ کی طرف سے) صدقہ ہو جاتی ہے۔''

فائدہ: ...... یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی رحمت ہے کہ آدمی کسی بھی نیک عمل پر ہمیشگی کرتا ہو، پھر کسی عذر کی بنا پر کبھی وہ عمل نہ کر پائے تو اللہ تعالیٰ اس کا سلسلہ ثواب جاری رکھتے ہیں، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَامَـرِضَ الْـعَبْـدُ اَوْسَـا فَـرَكُتِـبَ لَـهٗ مِثْلُ مَاكَانَ يَعْمَلُ مُقِيْمًا صَـحِيْحًا ''جب بندہ بیمار ہو جاتا ہے یا سفر میں چلا جاتا ہے تو اس کے لیے اسی طرح کا عمل (اور اس کا اجر) لکھا جاتا ہے جو وہ حالتِ اقامت اور حالت صحت میں کیا کرتا تھا۔'' (بخاری: 2996)

غلبہ نیند کی دو صورتیں ہیں: (1) آدمی بیدار ہی نہ ہو سکے، (2) بیدار تو ہو جائے لیکن نینداس کی نماز میں خلل ڈال رہی ہو، ایسے شخص کو حکم یہ ہے کہ وہ سو جائے، جب تک نیند کی رکاوٹ دور نہ ہو نماز نہ پڑھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ غلبہ نیند کی وجہ سے دعا کی جگہ بددعا کرتا رہے۔

[255] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَـوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الـرَّحْـمَـنِ، عَـنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صـلـى الله عليه وسلم أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ أَنَامُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سو رہی ہوتی اور میرے پاؤں آپ ﷺ کے قبلے (کی سمت سجدے والی جگہ) میں ہوتے تھے، چنانچہ جب آپ ﷺ سجدہ کرنے لگتے تو مجھے ہاتھ سے

[254] (صـحيـح لـغيره) سنن ابى داود، كتاب التطوع، باب من نوى القيام فنام، حديث: 1314، سـنن النسائى، كتـاب قيـام الـليـل، باب من كان له صلاة بالليل فغلبه عليها النوم، حديث: 1785، احمد: 6/ 63، 72، 180، الاؤسـط لابـن الـمنذر: 5/ 160، شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے، علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ (ارواء الـغليل: 2/ 204)

[255] (صـحيح) صحيح البخارى، كتاب الصلاة، باب الصلاة على الفراش، حديث: 382، 513، 519، 1209، صـحيـح مسـلـم، كتاب الصلاة، باب الاعتراض بين يدى المصلى، حديث: 512، ابوداود: 711-713، نسائى: 168، احمد: 6/ 148۔

بَيْـنَ يَدَىْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَاىَ فِـى قِبْـلَتِـهِ فَـإِذَا سَـجَدَ غَمَزَنِى فَـقَبَـضْـتُ رِجْلَىَّ فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا . قَالَتْ وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ .

چھوتے، سو میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی، پھر جب آپ ﷺ کھڑے ہوجاتے تو میں اُنھیں پھیلا دیتی اور اُن دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوا کرتے تھے۔

فائدہ: ......معلوم ہوا کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے نہ وضوٹوٹتا ہے اور نہ نماز، نمازی کے سامنے سے گزرنا منع ہے اور گزرنا ایک جانب سے دوسری جانب ہوتا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاؤں نبی کریم ﷺ کے سامنے سے ہٹ کر ایک جانب کو ہو جاتے تھے، اس لیے علماء وفقہاء کے ہاں اگر کوئی شخص کسی نمازی کے بالکل سامنے بیٹھا ہو اور وہ وہاں سے ایک جانب ہو جائے تو وہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والا شمار نہ ہوگا، البتہ اس سے بھی بچ جانا اور نمازی کے سلام پھیرنے تک اس کے سامنے ہی رہنا زیادہ بہتر ہے، تاکہ ناسمجھ عوام اس کو بہانہ بنا کر آگے گزرنے کو جائز ہی نہ سمجھ لیں۔

[256] وَحَـدَّثَـنِى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَـنْ أَبِيـهِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صـلى الله عليه وسلم أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَـلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِى صَلَاتِـهِ فَـلْيَـرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ أَحَـدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِى لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ .

نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں اونگھنے لگے تو اُسے چاہیے کہ (نماز مختصر کر کے سلام پھیر کر) سو جائے، یہاں تک کہ اس سے نیند (کا غلبہ دور ہو اور وہ) چلی جائے کیونکہ بلاشبہ جب تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نماز پڑھے گا کہ وہ اونگھ رہا ہو تو اُسے علم نہ ہو سکے گا، (اور) ممکن ہے کہ وہ (اپنے ذہن کے مطابق) استغفار کرنے لگے لیکن (مدہوشی میں) اپنے آپ کو گالی دے بیٹھے۔''

فائدہ: ......مثلاً وہ نماز میں یہ کہنا چاہتا ہو کہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ (اے اللہ! مجھے بخش دے) لیکن نیند کے خمار اور نشے میں منہ سے یہ نکل جائے: اَللّٰهُمَّ اعْفِرْلِیْ (اے اللہ! مجھے ذلیل کر دے)۔

---

[256] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء، من النوم ومن لم یر من النعسة، حدیث: 212، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب امر من نعس فی صلاة، حدیث: 789، ابوداود: 1310، ترمذی: 355، نسائی: 162، ابن ماجه: 1370، احمد: 6/ 56۔

[257] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ امْرَأَةً مِنَ اللَّيْلِ تُصَلِّي فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ . فَقِيلَ لَهُ هَذِهِ الْحَوْلَاءُ بِنْتُ تُوَيْتٍ لَا تَنَامُ اللَّيْلَ . فَكَرِهَ ذَلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى عُرِفَتِ الْكَرَاهِيَةُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا اكْلَفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا لَكُمْ بِهِ طَاقَةٌ .

اسماعیل بن ابی حکیم رحمہ اللہ سے روایت ہے، ان کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک رات ایک عورت کو نماز (تہجد) پڑھتے ہوئے سنا، تو دریافت فرمایا کہ ''یہ کون ہے؟'' آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ ''یہ حولاء بنتِ تُویت'' ہے جو رات کو سوتی ہی نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے اس (معاملے) کو (بہت) ناپسند جانا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے ناگواری محسوس ہونے لگی، پھر فرمایا: ''یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نہیں اُکتاتے (ثواب دینے سے نہ تھکتے ہیں، نہ بیزار ہوتے ہیں) یہاں تک کہ تم خود ہی (نیکی کرنے سے) اُکتا جاتے ہو، اُتنے ہی عمل کی تکلیف (اور بوجھ) اٹھاؤ جس کی تم میں طاقت ہو۔''

فائدہ: ......یعنی تم جس قدر بھی اپنے اوپر جبر کر کے اور حد سے بڑھ کر نیکیاں کرلو، اللہ تعالیٰ کو ان کا ثواب دینے میں کسی وقت واکتاہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، البتہ تمھیں خود ہی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے کہ جلد ہی تمھاری طبیعت اُن نیکیوں سے اچاٹ ہو جاتی ہے اور پھر تم ان نیکیوں کے قریب بھی نہیں جاتے لہٰذا میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کیا کرو۔

[258] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ حَتَّى إِذَا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ أَيْقَظَ أَهْلَهُ لِلصَّلَاةِ يَقُولُ لَهُمُ الصَّلَاةَ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَتْلُو هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿وَأْمُرْ

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رات کے وقت نماز پڑھتے رہتے جتنا کہ اللہ کو منظور ہوتا، یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ آتا تو اپنے گھر والوں کو نماز کے لیے جگاتے اور اُن (کو جگانے) کے لیے نماز نماز کہتے رہتے، پھر یہ آیت

[257] (صحیح) صحيح البخاری، كتاب الايمان، باب احب الدين الى الله، حديث: 43، 1151، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب فضيلة الدائم من قيام الليل وغيره، حديث: 785، ابوداود: 1368، نسائی: 1642، ابن ماجه: 4238، احمد: 6/ 247۔

[258] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3/ 49، (4743)، بیهقی فی شعب الایمان: 3/ 127، (3086)، شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

مبارکہ تلاوت کرتے: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى﴾ (طٰهٰ 20:132) ''اور اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیجیے اور (خود بھی) اس پر قائم رہیے، ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، ہم ہی آپ کو رزق عطا کرتے ہیں اور (بہترین) انجام تو (اہلِ) تقویٰ کے لیے ہے۔''

أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى.

فائدہ: ......اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مال ودولت اور زیب وزیبائش سے متاثر ہونے سے منع فرمایا اور دنیوی مال ومتاع کو ذریعہ آزمائش قرار دیا تھا، تو اس مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے گھر والوں کو دنیا کمانے کی بجائے نماز پڑھنے کا حکم دیں اور خود بھی نماز پر ہیشگی کیجیے، اپنی معیشت اور دنیا کے دھندوں کی فکر مت کیجیے، ایسا کرنے سے آپ کو قرب الٰہی بھی نصیب ہوگا، اور حلال روزی پر صبر وقناعت کی توفیق بھی ملے گی، بھلا دنیا کمانے کی کیا فکر؟ کیا ہم نے آپ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ کسی کو رزق پہنچائیں، دوسروں کا رزق صرف اور صرف ہم ہیں، لہٰذا آپ دنیوی معیشت کی فکر کی بجائے نماز اور تقویٰ کی فکر کریں، کیونکہ اہل تقویٰ ہی آخرت کی دائمی زندگی میں بہترین انجام کے حقدار اور قابل رشک لوگ ہیں اور دنیا میں بھی بتوفیق الٰہی اُن تمام دشمنانِ دین پر غالب آئیں گے جو دنیوی اسباب ووسائل میں فرعون وقارون محسوس ہوتے ہیں ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت مبارکہ میں موجود حکم الٰہی کی تعمیل کرتے اور گھر والوں کو آخر رات میں جگاتے تھے، تاکہ اگر وہ فضائل تہجد پانا چاہیں تو پالیں یا کم از کم نمازِ فجر سے محروم نہ رہیں، یہ ان پر خاص انعامِ الٰہی تھا کہ خلافت کے بارِگراں کے باوجود تہجد کے پابند تھے، لیکن نوافل کے معاملے میں اپنے ماتحتوں کو اپنے جیسا بننے پر مجبور نہیں کرتے تھے۔

[259] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، كَانَ يَقُولُ يُكْرَهُ النَّوْمُ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثُ بَعْدَهَا .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ نماز عشاء سے پہلے سونا اور اس کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے۔

فائدہ: ......عشاء سے پہلے سوجانا نمازِ عشاء سے محرومی کا باعث بن سکتا ہے اور نمازِ عشاء کے بعد باتیں کرنا اور زیادہ جاگنا نمازِ تہجد میں، حتیٰ کہ نماز فجر میں بھی رکاوٹ بن سکتا ہے، اس نکتے کے پیش نظر امام مالک رحمہ اللہ نے تہجد کے بیان میں اس روایت کو ذکر کیا ہے ...... یہ دونوں عمل مکروہ ہیں، حرام نہیں ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کو نماز عشاء کے لیے

[259] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے ......حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے یہی روایت مرفوع ثابت ہے، دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت العصر، حدیث: 547، 568، 599، 771، صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتها، حدیث:647، ابوداود:4849، ترمذی: 168، نسائی: 526، ابن ماجه: 701، دارمی:1429 .

بیدار کرانے کی ذمہ داری سونپ کر سوجائے تو اہل علم نے اس کی رخصت دی ہے،اسی طرح مختلف احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشاء کے بعد علمی گفتگو کرنا، مہمان سے بات چیت کرنا، بیوی سے محوِ کلام ہونا، کسی اہم کام کے لیے مشورہ کرنا، وغیرہ جائز ہے......حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا: وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے نیند کو اور اس کے بعد گفتگو کو نا پسند فرمایا کرتے تھے۔'' (بخاري: 547، مسلم: 647)

[260] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يَقُولُ صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ . قَالَ مَالِكٌ وَهُوَالْاَمْرُعِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ رات اور دن کی نماز دو رکعتیں ہے، نمازی ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرے۔امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔

فائدہ: ......موطاامام مالک رحمہ اللہ کے سندی نسخوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نام کی جگہ غلطی سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام درج ہو گیا ہے......امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کسی بھی نفلی نماز میں ایک سلام کے ساتھ دو سے زیادہ رکعات پڑھنا جائز نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دن میں اور رات میں چار چار نفل ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے، اگرچہ ایک سلام سے دو نفل پڑھنا یا چار سے بھی زیادہ پڑھنا جائز ہے، لیکن ان کے موقف پر وضاحت سے دلالت کرنے والی کوئی ایک بھی صحیح روایت نہیں ہے...... ہمارے نزدیک اس مسئلے میں وہ حدیث بنیاد ہے جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى ''رات کی نماز دو دو رکعتیں ہے۔'' (بخاري : 990، مسلم: 749) اس سے رات کے متعلق تو واضح ہو گیا کہ رات کے وقت ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا راجح ہے، سوائے اُس نماز کے جسے وتر کی نیت سے اکٹھا پڑھا جائے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سلام کے ساتھ ایک سے لے کر نو تک کی تعداد ثابت ہے، مثلاً نو وتر (مسلم:746)، سات یا پانچ (نسائی:1715 ، 1716، ابن ماجہ: 1192)، پانچ (مسلم: 737)، پانچ یا تین یا ایک (ابوداود:1422، ابن ماجہ: 1190)، تین (بخاري: 1174، مسلم: 738)، ایک (بخاري: 626، 1137، مسلم: 736، 749 ، 752، 753)۔

رہا دن کا مسئلہ، تو اس بارے میں موطا امام مالک رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا روایت میں دن کے وقت بھی دو رکعات

---

[260] (موقوف صحيح) سنن ابی داود كتاب التطوع، باب صلاۃالنہار، حدیث : 1295، جامع الترمذی، کتاب الجمعة، باب ماجاء ان صلاةالليل والنهار مثنٰى مثنٰى ، حدیث: 597، نسائی:1667، ابن ماجہ: 1322، مسند احمد:2/ 26، دارمی: 1458۔

پڑھنے کا ذکر ہے،اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے یہ الفاظ منقول تو ہیں: صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى ''رات اور دن کی نماز دو،دو رکعتیں ہے۔''(ابوداود:1295 ، ترمذی: 597، نسائی: 1667، ابن ماجہ: 1322) لیکن اس کی سند میں علی بن عبداللہ ازدی بارقی ضعیف راوی ہے، اس لیے علمائے کرام دن کے وقت نوافل میں اختیار دیتے ہیں کہ چاہو تو ایک سلام سے دو رکعتیں پڑھ لو اور چاہو تو چار پڑھ لو،لیکن بہتر یہ ہے کہ دن میں بھی ایک سلام سے دو،دو رکعتیں ہی پڑھی جائیں،جس کی ایک دلیل موطا امام مالک رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا روایت ہے، نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے یحیٰی بن سعید انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے علاقے کے فقہاء کو دن میں بھی ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے ہی پایا ہے۔(بخاری، قبل از حدیث: 1162)، پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کی تین قولی اور تین فعلی احادیث ذکر کیں اور ان میں نوافل کی صرف دو دو رکعتوں کا بیان ہے اور ان کا تعلق یا تو صرف دن سے ہے، یا دن اور رات دونوں سے، دیکھئے، صحیح البخاری ، کتاب التهجد کا آخری باب:25، احادیث:1162-1167۔

2- بَابُ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْوِتْرِ

نبی کریم ﷺ کی نماز وتر کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ہیں اور سب کی سب بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں۔

[261] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ. أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ فَإِذَا فَرَغَ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ رات کے وقت گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے، ان میں سے ایک رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے، پھر جب فارغ ہوتے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے۔

فائدہ: ......اس حدیث میں ان لوگوں کا ردّ ہے جو تین سے کم وتر پڑھنے کے قائل نہیں ہیں ......رسول

[260] (موقوف صحیح) سنن ابی داود کتاب التطوع، باب صلاۃالنهار، حدیث : 1295، جامع الترمذی، کتاب الجمعة، باب ماجاء ان صلاةالليل والنهار مثنٰى مثنٰى ، حدیث: 597، نسائی:1667، ابن ماجہ: 1322، مسند احمد:2/ 26، دارمی: 1458۔

261۔(صحیح) صحیح البخاری، کتاب الوتر، باب ماجاء فی الوتر، حدیث: 994، 1123، 6310، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ، حدیث: 736، ابوداود:1335، ابن ماجہ: 1358۔

اللہ ﷺ کبھی وتر سے پہلے اور کبھی وتر پڑھ کر لیٹ جاتے اور کبھی فجر کی دوسنتیں پڑھ کر لیٹا کرتے تھے، نیز آپ ﷺ نے امت کو بھی یہ حکم دیا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ فرمان نبوی ﷺ ہے: اِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ''جب تم میں سے کوئی فجر کی دوسنتیں پڑھ لے تو اسے چاہیے کہ اپنی دائیں جانب پر لیٹ جائے۔'' (ترمذی: 420، ابو داود: 1261۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[262] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ماہ رمضان کی نماز (تہجد اور تراویح) کیسی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں اور رمضان کے علاوہ بھی گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے، آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے، بس تو اُن کی خوبصورتی اور طوالت کا نہ ہی پوچھ، پھر آپ ﷺ چار پڑھتے، تو ان کے حسن اور لمبائی کا سوال نہ ہی کر (کیونکہ وہ الفاظ میں بیان ہی نہیں ہوسکتا،) پھر آپ ﷺ تین رکعات (وتر) پڑھتے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ وتر پڑھنے سے قبل سو جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! بے شک میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔''

فائدہ: ......یعنی بدن کے ساتھ پیش آنے والے معاملات اور عوارض کو دل حالت نیند میں محسوس کرتا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا وضو سونے سے نہیں ٹوٹتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ امتی کے لئے نومِ مثقل ناقض وضو کے حکم میں ہے کیونکہ امتی کو نیند کی حالت میں پیش آنے والے عوارض کا علم نہیں ہوتا جبکہ نبی کریم ﷺ کے لیے نہیں، ہاں کوئی ناقضِ وضو عارضہ پیش آتا تو آپ کو علم ہو جاتا۔ رہا بدن سے ہٹ کر دوسرے معاملات کا مسئلہ، جن کو آنکھوں نے محسوس کرنا ہوتا ہے تو اس حدیث میں اُن سے باخبر رہنا مراد نہیں ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ بعض اوقات سوئے رہے اور آپ کی نماز فجر قضا ہوگئی۔ (تفصیل کے لیے پیچھے دیکھیے موطا امام مالک کی روایت: 24 کا فائدہ) ......کسی چیز کے بیان کرنے میں مبالغہ مقصود

[262] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب قيام النبى ﷺ بالليل فى رمضان وغيره، حديث: 1147، 2013، 3569، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين باب صلوة الليل وعدد ركعات النبى ﷺ، حديث: 738۔

ہوتو ایک انداز یہ بھی ہے کہ سامعین سے کہہ دیا جائے کہ تم اس کے متعلق پوچھو ہی نہ، کیونکہ یہ چیز ایسی ہے کہ اس کی حقیقت بیان کرنے اور مکمل عکاسی کرنے کے لیے ہمارے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں ......اس حدیث مبارکہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا چار، چار کا لفظ بولنا اس بات پر قطعاً دلالت نہیں کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے، اس بارے میں حدیث خاموش ہے کہ یہ چار رکعتیں ایک سلام سے ہوتی تھیں یا دو سے، احناف اپنے امام کا موقف ثابت کرنے کے لیے اس حدیث میں ایک سلام سے چار رکعتوں کی بات کرتے ہیں، حالانکہ سلام کا تو اس حدیث میں کوئی تذکرہ ہی نہیں، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ثابت ہے کہ ''رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔'' (بخاری:990، مسلم:749) نیز ایک حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (جو اس مذکورہ حدیث کی بھی راویہ ہیں) نے خود اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے: اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ ''(آپ صلی اللہ علیہ وسلم) گیارہ رکعتیں (پڑھتے اور) ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے۔'' (مسلم:736)

[263] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ.

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تیرہ رکعتیں پڑھتے، پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو ہلکی سی رکعتیں ادا فرماتے۔

فائدہ: ......کبھی کبھار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کی تیرہ رکعات بھی پڑھ لیتے تھے جیسا کہ آگے آنے والی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول گیارہ رکعات ہی کا تھا جیسا کہ پیچھے گزرا۔

[264] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ، بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک رات گزاری، جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں، کہتے ہیں کہ میں تکیے کی چوڑائی والی جانب لیٹ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی

[263] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب ما يقرأ في الفجر، حديث: 1170، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ، حديث:738/ 126.

[264] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب قراءة القرآن بعد الحدث وغيره، حديث: 183، نيز دیکھیے: 117، 138، 697-699، 726، 728، 859، 1198، 4569-4572، 5919، 6215، 6316، 7452، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث: 763، ابوداود: 1367، ترمذی: 232، نسائی:1621، ابن ماجه:1363، احمد: 1/ 242.

وَسَلَّمَ - وَهِيَ خَالَتُهُ - قَالَ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا فَنَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ - أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ - اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي - قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ - فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ .

اہلیہ تکیے کی لمبائی والے حصے میں لیٹے، پھر رسول اللہ ﷺ سو گئے، یہاں تک کہ جب رات آدھی ہوگئی، یا اس سے کچھ پہلے یا اس سے کچھ بعد کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہو کر بیٹھ گئے، پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک کے ساتھ اپنے چہرے سے نیند کو ہٹایا (یعنی اپنی آنکھوں کو ملا تاکہ نیند کے آثار دور ہو جائیں) پھر (وضو سے پہلے) سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت کیں، پھر آپ ﷺ چمڑے کی ایک پرانی، لٹکتی ہوئی مشک کی طرف اُٹھے، پھر اس سے (پانی لے کر) وضو کیا اور بہترین وضو کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ پھر میں بھی اُٹھا اور اُسی طرح کیا جس طرح آپ ﷺ نے کیا تھا، پھر میں (آپ ﷺ کی طرف) گیا اور آپ کی (بائیں) جانب کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے (اپنی کمر کے پیچھے سے) اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے دائیں کان کو پکڑ کر اُسے مروڑنے لگے (اور مجھے اپنے پیچھے سے گما کر اپنی دائیں طرف کھڑا کر لیا)، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت پڑھیں اور ایک وتر پڑھا، پھر آپ لیٹ گئے یہاں تک کہ آپ کے پاس مؤذن آیا تو آپ نے دو ہلکی سی رکعتیں پڑھیں، پھر باہر نکلے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

فائدہ: ...... یہ حدیث مبارکہ مزید تفصیل کے ساتھ بہت سی کتبِ احادیث میں بہت سی سندوں کے ساتھ مروی ہے جن میں کچھ زائد معلومات مذکور ہیں، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے عشاء سے فارغ ہو کر، گھر میں سونے سے پہلے چار رکعات پڑھی تھیں، (بخاری: 117)، جب آپ ﷺ جاگے تو آنکھوں کو مل کر نیند دور کی، تو گویا جاگنے کے بعد سب سے پہلی سنتِ رسول ﷺ یہی ہے، آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر اُسے دیکھتے ہوئے سورۂ آل عمران کا آخری رکوع تلاوت کیا، (بخاری: 4569)، اس رکوع کی آیات گیارہ ہیں، تو ایک کو شمار نہ کر کے دس کی تعداد

بیان کی گئی ہے، کیونکہ عرب لوگ کسر کو یا تو چھوڑ دیتے تھے یا پورا کر دیتے تھے، یعنی دہائیوں کے ساتھ تعداد بتاتے اور جوایک دو عدد کم یا زیادہ ہوتے ان کی پروا نہ کرتے تھے......رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے معلوم ہوگیا کہ قرآن مجید کی تلاوت بغیر وضو کے ہوسکتی ہے، اگر چہ افضل تو باوضو ہو کر تلاوت کرنا ہے، وضو سے پہلے آپ ﷺ نے قضائے حاجت بھی کی تھی۔ (بخاری: 6316، مسلم: 763/ 181) ،آپ ﷺ نے مشک سے براہ راست وضو نہیں کیا تھا بلکہ آپ نے پہلے اس مشک میں سے کسی پیالہ نما برتن میں پانی نکال لیا تھا۔ (مسلم:763/ 187) ،آپ ﷺ نے اس وضو میں بہت تھوڑا سا پانی استعمال کیا تھا۔ (بخاری:138، مسلم: 763/ 183، 186) آپ ﷺ نے مسواک کو بھی استعمال کیا تھا۔ (بخاری:4569، 763/ 183، 191) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سونے سے پہلے اپنی خالہ محترمہ سے کہا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ جاگیں تو مجھے بھی جگا دینا۔ (مسلم:763/ 185) لیکن ہوا یوں کہ خود نبی کریم ﷺ ہی نے ان کو ہلایا تھا، کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ وضو کر کے آئے تو ثُمَّ حَرَّ كَنِيْ فَقُمْتُ ''پھر آپ ﷺ نے مجھے حرکت دی تو میں اٹھ کھڑا ہوا (جاگ گیا)۔'' (مسلم:763/ 183) اگر چہ وہ فوراً نہ اٹھے بلکہ جب آپ ﷺ نماز میں مصروف ہو گئے تو چپکے سے اُٹھ کر آہستہ آہستہ چل کر گئے اور وضو کر کے آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ (مسلم:763/ 181) اس نماز میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کان کو دو مقاصد کے لیے پکڑا تھا، ایک تو بائیں جانب سے دائیں طرف لانے کے لیے اور دوسرا یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب بھی نماز میں نیند آنے لگتی تو آپ ﷺ اُن کا کان مروڑ دیتے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: فَجَعَلْتُ اِذَا اَغْفَيْتُ يَاْ خُذُ بِشَحْمَةِ اُذُنِيْ ''پھر جب بھی میں نماز میں اونگھنے لگتا، آپ ﷺ میرے کان کی لُو یعنی نیچے والا حصہ پکڑ لیتے۔'' (مسلم: 763/ 185) ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اُن کے دائیں کان کو مروڑنے لگے۔ (بخاری: 183، مسلم: 763/ 182) ،معلوم ہوا کہ نماز میں ساتھ کھڑے شخص کو اونگھ سے نکالنے کے لیے ہلایا جاسکتا ہے اور بچے کا کان مروڑا جاسکتا ہے، یہ عمل اس لیے بھی تھا کہ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما ''آپ ﷺ رات کی تاریکی میں میری وحشت و تنہائی کے احساس کو دور کر کے مجھے مانوس فرمائیں۔'' (قیام اللیل للمروزی بحوالہ زرقانی)

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهٖ فَاَخَذَ بِاُذُنِيْ فَاَدَارَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ''پھر میں آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہوا تو آپ نے میرے کان کو پکڑا اور مجھے (اپنے پیچھے سے) گھما کر اپنی دائیں جانب لے آئے۔'' (بخاری:6316) اس روایت میں "عَنْ" بمعنی "اِلٰی" ہے......ان احادیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ نماز میں تھوڑی سی حرکت نماز کو باطل نہیں کرتی، آپ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پیچھے سے گھمایا تھا۔ (صحیح بخاری: 728، مسلم: 763/ 186، 192) یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو پکڑا تھا تو گھمانے سے پہلے آپ ﷺ کا ہاتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سر کے کس حصے پر پڑا؟ اس کے متعلق مندرجہ ذیل مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں:

(1) فَـاَخَذَ بِرَاْسِیْ ''آپ ﷺ نے میرے سر کو پکڑا۔''(بخاری:699)،(2) اَخَـذَ بِذُؤَابَتِیْ ''میری زُلف کو پکڑا۔''(بخاری:5919) ذُؤَابَۃٌ کا لفظ بالوں کی لٹ، گیسو، زُلف، پیشانی کے بال اور ہر شے کے بالائی حصے پر بھی بولا جاتا ہے۔(3) اَخَذَ بَاُذُنِیْ ''میرے کان کو پکڑا۔''(بخاری:6316)،(4) فَاَخَذَ بِیَدِیْ ''میرے ہاتھ کو پکڑا۔'' (مسلم:763/ 181 ، 185، 192)

(5) فَاَخَذَبِیَدِیْ اَوْ بِعَضْدِیْ ''تو آپ ﷺ نے میرے ہاتھ کو یا کہنی و کندھے کے درمیان والے حصے (یعنی ڈولے) کو پکڑا۔''(بخاری:728)......ان تمام روایات سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے پیچھے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف موڑا تو پہلے آپ ﷺ کا ہاتھ اُن کے سر پر پڑا، آپ نے اُن کے گیسو یعنی زُلف کو پکڑ لیا، پھر ہاتھ ذرا نیچے کر کے کان کو پکڑا، پھر اور نیچے کر کے کندھے سے نیچے والے بازو کے حصے کو پکڑ لیا، پھر کچھ اور نیچے کر کے ہاتھ کو پکڑ لیا، واللہ اعلم ......مسلم شریف کی حدیث:763 / 185 میں گھمانے کے لیے اور جگانے کے لیے کان پکڑنے کا اکٹھا تذکرہ بھی موجود ہے، نبی کریم ﷺ کو نماز فجر کے لیے جو موذِن بلانے آئے تھے وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔(بخاری:6316، مسلم:763/ 186)

نبی کریم ﷺ کے تہجد سے فارغ ہو کر سو جانے کے متعلق اکثر روایات میں تو یہ الفاظ ہیں: ثُمَّ اضْطَجَعَ ''پھر آپ ﷺ لیٹ گئے'' لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لیٹنے سے پہلے آپ ﷺ بیٹھے بیٹھے ہی سو گئے تھے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ثُمَّ احْتَبٰی حَتّٰی اِنِّیْ لَاَسْمَعُ نَفَسَہٗ رَاقِدًا'' پھر آپ ﷺ گوٹ مار کر بیٹھ گئے۔(یعنی گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد بازو لپیٹ لیے) یہاں تک کہ بے شک میں آپ ﷺ کے سونے کی حالت میں (خراٹوں والے) سانس (کی آواز) سن رہا تھا۔''(مسلم:763/ 185)،اس نماز میں بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما، اُن کے اندازے کے مطابق آپ ﷺ کی ہر رکعت اتنی لمبی تھی کہ اس میں سورۂ مزمل پڑھی جا سکتی تھی۔(ابوداود: 1365) ......رہا یہ مسئلہ کہ اس رات آپ ﷺ نے کتنی رکعتیں پڑھیں تو اس بارے میں اکثر روایات میں تہجد کی تیرہ رکعات کا تذکرہ ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چھ بار رَکْعَتَیْنِ (دو دو رکعتیں) کا لفظ بولا ہے، پھر ایک وتر کا ذکر کیا ہے، حتیٰ کہ بعض روایات میں صراحت کے ساتھ یہ تعداد بھی بیان ہوئی ہے: فَصَلّٰی ثَلٰثَ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً'' پھر آپ ﷺ نے تیرہ رکعتیں ادا کیں۔''(بخاری:698) بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں: فَتَکَامَلَتْ صَلَاۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ ثَلَاثَ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً ''رسول اللہ ﷺ کی نماز کی مکمل رکعتیں تیرہ ہوئیں۔''(مسلم:763/ 187) بعض میں یہ ہے کہ فَتَتَامَّتْ صَلَاۃٌ ثَلٰثَ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً ''آپ ﷺ کی نماز (میں) پوری تیرہ رکعتیں تھیں۔''(بخاری:6316، مسلم: 763/ 181) لیکن بعض دوسری روایات میں گیارہ کا تذکرہ ہے۔(بخاری:4569، 7452، مسلم: 763/ 185) بعض میں چھ رکعات اور تین وتر یعنی نو رکعات کا ذکر ہے،(مسلم:763/ 691) پھر بعض میں صرف پانچ

کی تعداد مذکور ہے (بخاری: 117، 697) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پانچ یا سات رکعات بطور وتر ادا کیں اور ان میں آخری رکعت کے سوا کسی میں سلام نہ پھیرا۔ (ابو داود: 1365)......ان تمام روایات میں مختلف قسم کی تطبیق دی گئی ہے، مثلاً (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مختلف راتوں میں اپنی خالہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور آپ ﷺ نے ان مواقع پر مختلف تعداد رکعات کے ساتھ نماز تہجد ادا کی، اس تطبیق میں یہ اشکال آڑے آتا ہے کہ پھر وہ ہر دفعہ امام کے بائیں جانب ہی کیوں کھڑے ہوتے رہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ نے نو رکعتیں پڑھیں، (مسلم: 763/ 691) اُس میں تو بائیں جانب کھڑے ہونے کا ذکر ہی نہیں، باقی راتوں میں ممکن ہے کہ وہ بھولتے رہے ہوں کیونکہ ایک تو وہ بچے تھے اور دوسرا نیند سے اٹھ کر عموماً ایسا ہو جاتا ہے، اسی لیے کسی رات رسول اللہ ﷺ نے ان کو سر سے پکڑا، کسی رات کان سے اور کسی رات بازو سے۔ واللہ اعلم۔ (۲) بعض علماء نے گیارہ رکعات کی تعداد کو ترجیح دی ہے اور تیرہ رکعتوں والی روایت میں یہ تاویل کی ہے کہ اس میں عشاء کی دو سنتوں کو بھی شمار کیا گیا ہے اور نو والی روایت کو کمزور قرار دیا ہے۔ (مرعاۃ، فتح الباری) واللہ اعلم بالصواب۔

[265] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ، أَخْبَرَهُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ لَأَرْمُقَنَّ اللَّيْلَةَ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ - فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهُ - أَوْ فُسْطَاطَهُ - فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ أَوْتَرَ

زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں آج رات ضرور رسول اللہ ﷺ کی (تہجد کی) نماز دیکھوں گا، (وہ کہتے ہیں کہ) چنانچہ میں نے آپ ﷺ (کے گھر کے دروازے) کی چوکھٹ کو یا (بالوں سے بنے ہوئے) آپ کے خیمے کو تکیہ بنا لیا (اور اس پر سر رکھ کر سو گیا)، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اٹھے، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو بہت لمبی، بہت طویل، بہت ہی لمبی تھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو اپنے سے پہلے والی دو رکعتوں سے کم لمبی تھی، پھر دو اور رکعتیں ادا کیں جو اُن سے پہلے والی دو رکعتوں سے کم لمبی تھیں، (یہ چھ ہو گئیں) پھر دو رکعتیں اور پڑھیں جو اپنے سے پہلے والی دو رکعتوں سے چھوٹی تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اس سے قبل ادا ہونے والی دو رکعتوں سے کچھ چھوٹی تھیں، (یہ دس رکعات ہو گئیں)

[265] (صحيح) صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبى ﷺ ودعائه بالليل، حديث: 765، سنن ابى داود، كتاب التطوع، باب صلاة الليل، حديث: 1366، ابن ماجه: 1362، احمد: 5/ 193۔

فَتِلْكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً .

پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اس سے قبل ادا ہونے والی دو رکعتوں سے کچھ چھوٹی تھیں، پھر آپ ﷺ نے وتر ادا کیا تو یہ تیرہ رکعتیں (مکمل) ہوگئیں۔

فائدہ :......صحیح مسلم کی حدیث (765) میں یہ وضاحت ہے کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلی دو رکعتیں ہلکی سی پڑھی تھیں اور ان کے بعد والی رکعتیں لمبی پڑھیں، دراصل یحییٰ بن یحییٰ جو موطا امام مالک رحمہ اللہ کے راوی ہیں، نے ان چھوٹی رکعتوں کا ذکر نہیں کیا، ورنہ موطا امام مالک رحمہ اللہ کے باقی تمام روایت کرنے والوں نے اُن کا ذکر کیا ہے ......فُسْطَاط یعنی خیمے کو تکیہ بنا لینے سے شارحین نے یہ مراد لیا ہے کہ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے گھر کی چوکھٹ کو یا خیمے کی چوکھٹ کو تکیہ بنایا تھا اور دوسرا مفہوم اس لیے راجح ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے اور سفر میں خیمہ ہی بطور گھر کے استعمال ہوتا ہے۔

3- باب الْأَمْرِ بِالْوِتْرِ
وتر کے حکم کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دس روایات ہیں جن میں سے تین مرفوع یعنی احادیث نبویہ ہیں جو صحیح اسانید سے ثابت ہیں اور باقی سات موقوف یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور وہ بھی سب صحیح سندوں سے ثابت ہیں سوائے ایک کے۔

[266] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلاً، سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رات کی نماز دو، دو رکعتیں ہیں، پھر جب تم میں سے کوئی صبح (کے طلوع ہو جانے) سے ڈرے تو ایک رکعت پڑھ لے، وہ ایک رکعت اس پوری نماز کو طاق بنا دے گی جو وہ پڑھ چکا تھا۔''

فائدہ :......اس حدیث مبارکہ کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ مَا مَثْنٰی مَثْنٰی ؟ ''(حدیث کے الفاظ) مَثْنٰی مَثْنٰی سے کیا مراد ہے؟'' تو انھوں نے جواب دیا: أَنْ تُسَلِّمَ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ

[266] (صحیح) صحيح البخاری، كتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر، حديث: 990، نیز دیکھیے: 472، 473، 993، 995، 1132، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنى مثنى، حديث: 749، ابوداود: 1326، ترمذی: 437، نسائی: 1668، ابن ماجه: 1320، احمد: 2/ 10، دارمی: 1459۔

''(مطلب یہ ہے کہ) تو ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے۔'' (مسلم: 749/ 161) رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز کے متعلق یہ سوال و جواب مسجد نبوی کے منبر پر ہوئے تھے۔ (بخاری: 472، 473) بہت ہی افسوس ہوتا ہے احناف کو دیکھ کر کہ محض ایک اُمّتی کے قول اور فتوے کے دفاع میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین مبارکہ میں ایسی عجیب وغریب تاویلات کرتے ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے انھوں نے دین کو کھیل بنا رکھا ہے، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی وسعت کو بسا اوقات انتہائی محدود اور تنگ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں، فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ......اُن میں سے جو چند ایک اعتدال پسند ہیں اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ مذکورہ حدیث ایک وتر کی مشروعیت کو بھی وضاحت سے ثابت کر رہی ہے، اس سے پہلے موطا کی روایت: 260 میں ہم اس بات پر حوالے ذکر کر چکے ہیں کہ وتر کی مختلف تعداد نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تُوْتِرُوْا بِثَلَاثٍ لَا تُشَبِّهُوْا بِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ''تین رکعت وتر اس طرح نہ پڑھو کہ نماز مغرب سے مشابہت کر بیٹھو۔'' (دار قطني: 2/ 24، مستدرك حاكم: 1/ 304، بيهقي: 3/ 31، امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔) یہ مشابہت اس طرح ہوتی ہے کہ تین وتروں کو دو تشہد اور صرف ایک سلام کے ساتھ پڑھا جائے۔

[267] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي كِنَانَةَ يُدْعَى الْمُخْدَجِيَّ سَمِعَ رَجُلاً، بِالشَّامِ يُكَنَّى أَبَا مُحَمَّدٍ يَقُولُ إِنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ . فَقَالَ الْمُخْدَجِيُّ فَرُحْتُ إِلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَاعْتَرَضْتُ لَهُ وَهُوَ رَائِحٌ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ فَقَالَ عُبَادَةُ كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ

(عبداللہ) بن محیریز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جنھیں مخدجیّ کہا جاتا تھا، نے ملک شام میں ایک شخص کو جنھیں ابو محمد کی کنیت سے پکارا جاتا تھا (اور وہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ تھے)، یہ کہتے ہوئے سنا کہ بے شک وتر واجب ہے، مُخْدَجِیّ کہتے ہیں کہ میں حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، میں اُس وقت اُن کے سامنے آیا جب وہ مسجد کی طرف جا رہے تھے، میں نے انھیں ابو محمد رحمہ اللہ کے قول کی خبر دی تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ابو محمد جھوٹ کہتے ہیں، (وتر واجب نہیں ہے) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''وہ پانچ نمازیں ہیں جنھیں اللہ نے

---

[267] (صحيح) سنن ابي داود، كتاب الوتر، باب فيمن لم يوتر، حديث: 1420، سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب المحافظة على الصلوات الخمس، حديث:422، ابن ماجه:1401، مسنداحمد:5/ 315- 316، دارمی:1577۔

كَتَبَهُـنَّ الـلّـهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ فَمَنْ جَاءَ بِهِـنَّ لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ كَـانَ لَـهُ عِنْدَ اللّٰه عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَـمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللّٰه عَهْدٌ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ .

اپنے بندوں پر فرض کیا ہے، تو جو شخص ان کو اس طرح (ادا کرے گا اور اللہ کے ہاں) لے کر آئے گا کہ اس نے ان کے حق کو ہلکا سمجھ کر اُن میں سے کسی کو بھی ضائع نہ کیا ہوگا تو اللہ کے ہاں اس کے لیے یہ عہد (لکھ دیا جاتا) ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور جو شخص انھیں نہ لائے گا اُس کا اللہ کے ہاں کوئی عہد نہ ہوگا، وہ چاہے تو اُسے عذاب میں مبتلا کردے گا اور اگر چاہے تو اُسے جنت میں داخل کردے گا۔‘‘

فائدہ: ...... بہر حال وتر فرض نہیں ہے، احناف اسے واجب کہتے ہیں، ہمارے نزدیک وتر تمام سنت موکدہ سے بھی زیادہ تاکید والی سنت ہے۔ آپ ﷺ نے بہت سارے فرامین میں اس کا حکم دیا ہے، البتہ اسے واجب اس لیے نہیں کہتے کہ ہمارے نزدیک فرض اور واجب ہم معنی الفاظ ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے وتر کو سواری پر ادا کیا ہے جبکہ فرضی نماز آپ ﷺ سواری سے اتر کر پڑھتے تھے۔

[268] وَحَـدَّثَـنِـي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْـنِ عُـمَـرَ، عَـنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ - قَالَ سَعِيدٌ - فَلَمَّا خَشِيتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ ثُـمَّ أَدْرَكْتُـهُ فَـقَـالَ لِي عَبْدُ اللّٰه بْنُ عُمَرَ أَيْنَ كُـنْـتَ فَـقُـلْـتُ لَـهُ خَشِيتُ الصُّبْحَ فَنَزَلْتُ فَـأَوْتَـرْتُ . فَـقَـالَ عَبْـدُ اللّٰه أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللّٰه أُسْوَةٌ . فَقُلْتُ بَلَى وَاللّٰه . فَقَالَ إِنَّ رَسُـولَ الـلّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ .

سعید بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں مکہ کے راستے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ سفر کر رہا تھا (پھر سواری پر ہی نوافل پڑھتا رہا،) پھر میں نے سواری سے اتر کر وتر پڑھا پھر اُن کے ساتھ آملا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم کہاں تھے؟ میں نے ان سے کہا کہ مجھے صبح کا اندیشہ ہوا تھا تو میں نیچے اُترا اور وتر ادا کر لیا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: کیا تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم! (آپ ﷺ ہی تو بہترین نمونہ ہیں) تو انھوں نے کہا یقیناً رسول اللہ ﷺ اونٹ پر وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

---

[268] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الوتر، باب الوتر علی الدابة، حدیث: 999، 1000، 1095، 1096، 1098، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب جواز صلاة النافلة علی الدابة، حدیث: 700/36، ترمذی:472، نسائی:1689، ابن ماجه: 1200، احمد: 2/ 7، دارمی: 1590۔

فائدہ :......حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر نفلی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک کے اشارے سے نماز پڑھتے ،خواہ سواری کا منہ جدھر بھی ہوتا اور لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَةِ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز میں ایسا نہیں کرتے تھے۔'' (بخاری: 1097) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر نفلی نماز پڑھتے تھے، خواہ اس (سواری) کا منہ کسی بھی جانب ہوتا اور وتر بھی اُسی پر پڑھ لیتے تھے غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يُصَلِّيْ عَلَيْهَا الْمَكْتُوْبَةَ ''مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر فرض نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔'' (بخاری:1098، مسلم: 700/ 39) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر نماز پڑھتے رہتے جس کا رخ مشرق کی طرف ہوتا، فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يُّصَلِّيَ الْمَكْتُوْبَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ''پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو نیچے اتر کر قبلہ رخ ہو جاتے۔'' (بخاری: 1099)

[269] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ كَانَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ، فِرَاشَهُ أَوْتَرَ وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يُوتِرُ آخِرَ اللَّيْلِ قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ فَأَمَّا أَنَا فَإِذَا جِئْتُ فِرَاشِي أَوْتَرْتُ.

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب (سونے کے لیے) بستر پر آنے کا ارادہ کرتے تو (سونے سے پہلے) وتر پڑھ لیتے، اور (جبکہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رات کے آخر میں وتر پڑھتے تھے، سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رہا میں، تو جب میں اپنے بستر کی طرف آنے لگتا ہوں تو وتر پڑھ لیتا ہوں۔

[270] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلاً، سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ أَوَاجِبٌ هُوَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْتَرَ الْمُسْلِمُونَ. فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَقُولُ أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا وتر واجب ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وتر پڑھا اور مسلمانوں نے بھی وتر پڑھا، وہ آدمی بار باراُن پر یہی سوال دہرانے لگا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس کے جواب میں یہی کہتے رہے

[269] (موقوف صحیح)ابن ابی شیبة: 2/ 282 ، بیهقی: 1/ 36 ، الاوسط لابن المنذر: 5/ 173۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔نیز دیکھیے: صحیح ابی داود:1271 ، صحیح ابن ماجه:988۔

[270] (موقوف صحیح) مسند احمد: 2/ 29 ، ابن ابی شیبة: 2/ 295۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْتَرَ الْمُسْلِمُونَ .

کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے بھی وتر پڑھا اور مسلمانوں نے بھی وتر پڑھا۔

فائدہ :......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فقہی موشگافیوں کا سلسلہ بند کرنے کے لیے آدمی کو اس کے سوال کے مطابق جواب نہ دیا بلکہ ایک مومن کی شان بتادی کہ اس کا کام اُسوۂ رسول ﷺ پر چلنا ہے نہ کہ اس طرح کی فقہی بحثوں میں الجھے رہنا، وتر واجب تو تھا نہیں اس لیے واجب بھی نہ کہا اور اُسے سنت بھی نہ کہا کیونکہ سائل کے انداز سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس جواب سے سستی وغفلت میں واقع ہو جائے گا۔

[271] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَانَتْ تَقُولُ مَنْ خَشِيَ أَنْ يَنَامَ حَتَّى يُصْبِحَ فَلْيُوتِرْ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ وَمَنْ رَجَا أَنْ يَسْتَيْقِظَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُؤَخِّرْ وِتْرَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ فرمایا کرتی تھی کہ جس شخص کو یہ ڈر ہو کہ وہ صبح ہو جانے تک سویا ہی رہے گا تو اسے چاہیے کہ سونے سے پہلے وتر پڑھے اور جسے یہ امید ہو کہ آخر رات میں بیدار ہو جائے گا تو وہ اپنے وتر کو موخر کر دے۔

فائدہ :......حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص یہ خطرہ محسوس کرے کہ آخر رات میں اٹھ نہ پائے گا تو وہ اول رات ہی میں وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ آخر رات میں اٹھ جائے گا تو وہ رات کے اخیر میں وتر پڑھے کیونکہ آخر رات کی نماز کو فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہی افضل ہے۔'' (مسلم:755)

[272] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُغِيمَةٌ فَخَشِيَ عَبْدُ اللهِ الصُّبْحَ فَأَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ الْغَيْمُ فَرَأَى أَنَّ عَلَيْهِ لَيْلاً فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ أَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں مکہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا اور آسمان ابر آلود تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (جو کہ تہجد پڑھ رہے تھے، ان) کو صبح طلوع ہونے کا خدشہ محسوس ہوا تو انھوں نے ایک رکعت کے ساتھ وتر پڑھ لیا، پھر بادل چھٹ گیا (آسمان کھل گیا) تو انھوں نے دیکھا کہ ابھی تو اُن پر رات (باقی) ہے، چنانچہ انھوں نے ایک رکعت پڑھ کر (اپنے وتر کو) جفت (یعنی دو رکعت نفل) بنالیا، پھر اس کے بعد دو دو

[271] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[272] (موقوف صحیح) شافعي في المسند: 1/ 368، وفي الأُم: 1/ 141 ، 7/ 248 ، معرفة السنن والآثار: 2/ 326 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

رکعتیں پڑھتے رہے، پھر جب (دوبارہ) صبح کا خطرہ محسوس کیا تو ایک رکعت کے ساتھ وتر پڑھ لیا۔

فائدہ: ...... یہ مسئلہ ''نقضِ وتر'' (وتر توڑنا) کے نام سے مشہور ہے، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ دونوں عمل منقول ہیں، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی طرح حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہم سے یہ منقول ہے کہ اگر وہ پہلے وتر پڑھ چکے ہوتے، پھر بعد میں بھی اُن کی آنکھ کھل جاتی تو وہ وتر کو توڑے بغیر نوافل پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمار اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (زرقانی) امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور فقہاء وعلماء اسی دوسرے موقف کے قائل ہیں کیونکہ ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر توڑنا ثابت ہی نہیں ہے، دوسرا یہ کہ متعدد روایات میں وتروں کے بعد دو رکعتیں پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، مثلاً سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا (ترمذی: 471، ابن ماجہ: 1195، اس کی سند حسن ہے)، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (ابن ماجه: 1196، ابن حبان: 2413، 2414، 2418۔ اس کی سند صحیح ہے) اور حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ (مسند احمد: 5/ 126۔ اس کی سند حسن ہے) کی روایات میں یہی ہے، نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اسی طرح کی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (مسلم: 738/ 126)

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے، نیز کبار صحابہ کے وتروں کے بعد نوافل پڑھ لینے سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل فرمان محض استحباب کے لیے ہے: اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْراً ''وتر کو اپنی رات کی آخری نماز بناؤ۔'' (بخاری: 998، مسلم: 751) لہٰذا اگر کوئی شخص وتر پڑھ کر سو جائے، پھر رات کو پچھلے پہر اس کی آنکھ کھل جائے اور وہ نوافل ادا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن دوبارہ پھر آخر میں وتر پڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ ''ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔'' (ابوداود: 1439، ترمذی: 470، نسائی: 1680۔ اس کی سند صحیح ہے) ابوداود اور نسائی کی اس روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ نے رات نماز تراویح میں وتر بھی پڑھا دیتے تھے، پھر وہ دوسری مسجد میں تراویح پڑھانے لگے، جب وتر تک پہنچے تو کسی اور شخص کو آگے کر دیا اور یہ مذکورہ حدیث بیان کی کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے۔

[273] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ

نافع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یقیناً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وتر پڑھتے وقت دو رکعتوں اور ایک رکعت کے

[273] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر، حديث: 991، مسند الشافعي: ص 213، السنن الكبرى للبيهقي: 3/ 26.

وَالرَّكْعَةِ فِي الْوِتْرِ حَتَّى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ . درمیان میں سلام پھیرا کرتے تھے حتی کہ اپنی کسی حاجت (اور کام کے کرنے) کا حکم بھی دے دیتے تھے۔

فائدہ:......امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فرمان بھی روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح ہی کیا کرتے تھے اور اس روایت کی سند بھی قوی ہے، حنفی عالم طحاوی رحمہ اللہ نے اسے اپنے مسلک کے خلاف دیکھ کر صرف یہ تاویل کی کہ ممکن ہے سلام سے مراد تشہد والا درود وسلام ہو، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس سلام کے بعد کسی کام کا حکم دینا اس تاویل کو باطل قرار دیتا ہے، بلکہ سنن سعید بن منصور کی صحیح روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز پڑھی، پھر اپنے غلام سے کہا کہ سواری تیار کرو، پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت وتر پڑھا۔(زرقانی، فتح الباری)

[274] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ، كَانَ يُوتِرُ بَعْدَ الْعَتَمَةِ بِوَاحِدَةٍ . ابن شہاب زُہری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ نماز عشاء کے بعد ایک وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَيْسَ عَلَى هَذَا الْعَمَلُ عِنْدَنَا، وَلَكِنْ أَدْنَى الْوِتْرِ ثَلَاثٌ . امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں اس طریقہ پر عمل نہیں ہوتا بلکہ (ہمارے نزدیک) وتر کی کم از کم تین رکعات ہیں۔

فائدہ:......امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وتر کی نیت سے کم از کم تین رکعات پڑھنی چاہئیں لیکن دو سلام کے ساتھ......امام صاحب کا یہ کہنا کہ ہمارے ہاں اس پر عمل نہیں ہے اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ کام شریعت میں ناجائز ہے، بہر حال نماز عشاء کے فوراً بعد سے وتر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: هِيَ الْوِتْرُ فَجَعَلَهَا لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ ''وہ نماز وتر ہے، جس کا وقت اللہ نے تمھارے لیے نماز عشاء سے لے کر طلوع فجر تک کے درمیان کر دیا ہے۔''(ابوداود:1418، ترمذی: 452، ابن ماجہ: 1168۔اس کی سند صحیح ہے۔)اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرما چکے ہیں: اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّوْتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّوْتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ۔''وتر ہر مسلمان پر حق ہے، تو جسے پانچ رکعات کے ساتھ وتر پڑھنا پسند ہو وہ ایسا ہی کر لے، اور جسے تین رکعات کے ساتھ وتر پڑھنا پسند ہو وہ بھی ایسا ہی کر لے اور جسے ایک رکعت کے ساتھ وتر پڑھنا پسند ہو، وہ بھی اپنی پسند پر عمل کر لے۔''(ابوداود: 1422، نسائی: 1711، ابن ماجہ: 1190۔اس کی سند صحیح ہے۔)

[274] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء للصبیان بالبرکۃ، حدیث: 6356۔

[275] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يَقُولُ صَلَاةُ الْمَغْرِبِ وِتْرُ صَلَاةِ النَّهَارِ.

عبداللہ بن دینار سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ مغرب کی نماز دن کی نمازوں میں سے وتر ہے۔

فائدہ :......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز مغرب دن کا وتر ہے لہٰذا تم رات کی نماز کو بھی وتر بناؤ۔'' (ابن ابی شیبہ) اور ایک روایت میں ہے: ''نماز مغرب نے دن (کی نمازوں) کو وتر بنا دیا تو تم رات کی نماز کو بھی وتر بنالو۔'' (مسند احمد: 2/ 30، 41، 83، 154۔ حافظ عراقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ زرقانی) ''وتر'' طاق تعداد کو کہتے ہیں اور یہ ''جفت'' کی ضد ہے، دن کی نمازوں کی رکعتیں جفت تعداد میں ہیں، نماز مغرب سے یہ تعداد طاق ہو جاتی ہے، نماز مغرب رات کے آغاز میں ہوتی ہے، لیکن چونکہ ابھی دن کی روشنی باقی ہوتی ہے اس لیے مجازاً دن کی نماز شمار کر لیا گیا ہے، ویسے بھی یہ اصول مشہور ہے کہ: ''قَرِيْبُ الشَّيءِ عَيْنُ الشَّيءِ''، یعنی کسی چیز کے قریب کو بعینہ پہلی چیز شمار کر لیا جاتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ أَوْتَرَ أَوَّلَ اللَّيْلِ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ، فَبَدَا لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ, فَلْيُصَلِّ مَثْنَى مَثْنَى، فَهُوَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص رات کے آغاز میں وتر پڑھ کر سو جائے، پھر (رات کے آخری حصے میں آنکھ کھل جائے اور) وہ اٹھ جائے اور اس کا نماز پڑھنے کو دل کرے تو اسے چاہیے کہ دو دو رکعتیں نماز پڑھتا رہے (یعنی نہ اُن سے پہلے وتر کو توڑنے کے لیے کوئی رکعت پڑھے اور نہ ہی آخر میں نیا وتر پڑھے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) میں نے (اس مسئلے میں) جو بھی اقوال سنے ہیں مجھے اس میں سے یہی سب سے زیادہ پسند ہے۔

4- بَابُ الْوِتْرِ بَعْدَ الْفَجْرِ

فجر (طلوع ہو جانے) کے بعد وتر پڑھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ روایات ہیں، جن میں سے چار موقوف (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی) ہیں، لیکن چاروں ضعیف ہیں، دو روایات مقطوع یعنی تابعین کے اقوال ہیں جن کی سندیں صحیح ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

---

[275] (موقوف صحیح) مرفوع کے لیے دیکھیے: مسند احمد: 2/ 30، 41، 83، 154، ابن ابی شیبہ: 2/ 282، عبدالرزاق: 3/ 28۔ اس کی سند صحیح ہے (زرقانی)

[276] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ الْبَصَرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَقَدَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ لِخَادِمِهِ: انْظُرْ مَا صَنَعَ النَّاسُ. وَهُوَ يَوْمَئِذٍ قَدْ ذَهَبَ بَصَرُهُ، فَذَهَبَ الْخَادِمُ، ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ: قَدِ انْصَرَفَ النَّاسُ مِنَ الصُّبْحِ، فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ فَأَوْتَرَ، ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ.

سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سو گئے، پھر وہ بیدار ہوئے تو انھوں نے اپنے خادم سے کہا کہ دیکھو، لوگوں نے کیا کیا ہے، ان دنوں اُن کی نظر ختم ہو چکی تھی، چنانچہ خادم گیا، پھر واپس آ کر کہنے لگا کہ لوگ تو صبح کی نماز سے (بھی) فارغ ہو چکے ہیں، (یہ سن کر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے، (پہلے) وتر پڑھا، پھر صبح کی نماز ادا کی۔

[277] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، وَعُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ، وَالْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، قَدْ أَوْتَرُوا بَعْدَ الْفَجْرِ.

امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے، ان کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، قاسم بن محمد رحمہ اللہ اور عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رحمہ اللہ نے فجر کے بعد وتر ادا کیا۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ کے موقف کے مطابق یہاں فجر سے مراد طلوعِ فجر ہے، کیونکہ اُن کے نزدیک اگر کوئی شخص سویا رہ جائے تو طلوع فجر کے بعد وہ نماز فجر پڑھنے سے پہلے پہلے وتر پڑھ سکتا ہے......امام مالک رحمہ اللہ نے اس روایت میں اجمالاً چار شخصیات کے نام ذکر کیے ہیں جن میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تذکرہ اوپر گزشتہ روایت میں گزر چکا ہے، باقی کا تفصیلی تذکرہ آگے آ رہا ہے...... یہ بھی یاد رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وتر کے اوقات دو قسم کے ہیں: (1) اختیاری وقت جو فجر طلوع ہونے تک رہتا ہے اور (2) اضطراری وقت، یعنی ضرورت اور مجبوری والا وقت اور وہ ہے طلوع فجر سے نماز فجر تک، گویا امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اذانِ فجر کے بعد پڑھا جانے والا وتر بھی ادا ہوتا ہے نہ کہ قضا، جبکہ باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک وقتِ وتر، طلوع فجر سے پہلے پہلے ہوتا ہے، بعدازاں وہ قضا ہو جاتا ہے۔

[278] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ

ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ

---

[276] (موقوف ضعیف) بیهقی: 2/ 480، ابن المنذر: 5/ 192 (2678)، عبدالرزاق: 4592، ابن ابی شیبه: 6752۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عبدالکریم بن ابی المخارق ضعیف راوی ہے۔

[277] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[278] (موقوف ضعیف) بیهقی: 2/ 480، عبدالرزاق: 4632، ابن ابی شیبه: 6751۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند بوجہ انقطاع ضعیف ہے۔

عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ قَالَ: مَا أُبَالِي لَوْ أُقِيمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ وَأَنَا أُوتِرُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ نماز فجر کی اقامت کہہ دی جائے، اس حال میں کہ میں وتر پڑھ رہا ہوں۔

فائدہ: ......یعنی طلوعِ فجر کے بعد اگر میرے وتر باقی ہوں تو پڑھ لوں گا، خواہ نماز فجر کا وقت بھی ہو جائے اور اس عمل میں کوئی قباحت نہیں سمجھوں گا۔

[279] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ كَانَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ يَؤُمُّ قَوْماً، فَخَرَجَ يَوْماً إِلَى الصُّبْحِ، فَأَقَامَ الْمُؤَذِّنُ صَلَاةَ الصُّبْحِ، فَأَسْكَتَهُ عُبَادَةُ حَتَّى أَوْتَرَ، ثُمَّ صَلَّى بِهِمُ الصُّبْحَ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کی امامت کروایا کرتے تھے، ایک دن وہ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے تو موذن صبح کی نماز کے لیے اقامت کہنے لگا، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اُسے چپ کرا دیا، یہاں تک کہ انھوں نے (پہلے) وتر پڑھے (جو کہ رہ گئے تھے)، پھر انھوں نے ان (لوگوں) کو صبح کی نماز پڑھائی۔

[280] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ يَقُولُ: إِنِّي لأُوتِرُ وَأَنَا أَسْمَعُ الإِقَامَةَ أَوْ بَعْدَ الْفَجْرِ. يَشُكُّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ أَيَّ ذَلِكَ قَالَ.

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رحمہ اللہ کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ بے شک میں وتر پڑھ رہا ہوتا ہوں، اس حال میں کہ اقامت (کی آواز) سن رہا ہوتا ہوں یا (کہا کہ) فجر (طلوع ہونے) کے بعد (وتر پڑھ لیتا ہوں)، عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ کو شک ہے کہ انھوں نے ان دونوں باتوں میں سے کون سی کہی تھی۔ (اگرچہ مفہوم دونوں باتوں کا ایک ہی ہے کہ وہ طلوعِ فجر کے بعد وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔)

[281] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے والد قاسم بن محمد رحمہ اللہ کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ یقیناً

---

[279] (موقوف ضعيف) بيهقي: 2/ 480 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی بنا پر ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے ضعیف کہا ہے۔

[280] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 3/ 12، 13 (4610) ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[281] (مقطوع صحيح) ابن ابی شیبه: 2/ 290 (6795) ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

يَقُولُ : إِنِّي لأُوتِرُ بَعْدَ الْفَجْرِ . میں فجر کے بعد وتر پڑھ لیتا ہوں۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نمازِ فجر کے بعد وتر کی قضائی دینا جائز ہی نہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وجوباً جبکہ امام احمد اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک استحباباً وتر کی قضائی دی جائے گی خواہ دن کو موقع ملے یا رات کو، اس بارے میں راجح موقف یہ ہے کہ عُذر والے شخص کو جب بھی موقع ملے وتر کی قضائی دے لے خواہ دن کو موقع ملے یا رات کو، کیونکہ اس کے متعلق متعدد روایات موجود ہیں نیز اسے واجب اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ وتر خود واجب نہیں بلکہ سنت موکدہ ہے۔ بہرحال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ اَوْنَسِيَهُ فَلْيُصَلِّهِ إِذَا ذَكَرَهُ ''جو شخص وتر پڑھنے سے سو یا رہ جائے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو جب اُسے یاد آئے وہ وتر پڑھ لے۔'' (ابو داود: 1431 ، دارقطنی:1/ 171 ، بیهقی: 2/ 480 ، اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے جیسا کہ امام حاکم رحمہ اللہ، امام ذہبی رحمہ اللہ، حافظ عراقی رحمہ اللہ اور شوکانی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے، دیکھیے مرعاۃ المفاتیح: 4/ 280، یہی روایت امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی ذکر کی ہے، چنانچہ ترمذی کی حدیث :466 تو مرسل صحیح ہے اور ترمذی: 465، ابن ماجہ: 1188، کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کمزور راوی ہے لیکن شواہد سے یہ روایت بھی حسن لغیرہ ہے، دیکھیے صحیح ترمذی: 377، 378۔) امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک اور روایت ذکر کی ہے، اس کے راوی بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَدْرَكَهُ الصُّبْحُ وَلَمْ يُوْتِرْ فَلَا وِتْرَلَهُ ''جس شخص کو صبح اس حال میں پالے کہ اس نے وتر نہ پڑھا ہوتو پھر اس کا کوئی وتر نہیں۔'' (ابن خزیمہ ، حاکم :1/ 302 ، 303 ، بیہقی: 2/ 478 ، اس کی سند صحیح ہے۔) گزشتہ بالا امام ابوداود رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث کی روشنی میں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص عمداً اور جان بوجھ کر فجر تک وتر نہ پڑھے تو اس کا کوئی وتر نہیں ہوگا، خواہ قضا بھی دیتا رہے، دوسرے لفظوں میں، اگرچہ اُسے وتر کی قضا تو دینا ہوگی لیکن اجر سے محروم رہے گا۔ واللہ اعلم۔ یہ مفہوم اس لیے نکالنا ضروری ہے کہ امام ابوداود کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی قضا کا خود حکم فرمایا ہے لیکن وہاں دو عُذر بھی ذکر کیے ہیں، لہٰذا یہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ والی حدیث بلاعُذر اور قصداً چھوڑنے والے کے متعلق محمول ہوگی اور دوسرے قول کے مطابق یہ حکم استحباب ہوگا کیونکہ وتر بذات خود واجب نہیں تو اس کی قضائی بھی ضروری نہیں۔

یاد رہے کہ جب نمازِ فجر کی اقامت شروع ہوجائے تو پھر وتر شروع کرنا منع ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ ''جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو پھر کوئی نماز نہیں ہوتی سوائے فرض نماز کے۔'' (مسلم: 710) اور مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں: اِلَّا الَّتِي اُقِيْمَتْ ''سوائے اس نماز کے جس کے لیے اقامت کہی گئی ہے۔'' لہٰذا اقامت ہوجانے کے بعد نہ وتر پڑھنے چاہئیں اور نہ ہی فجر کی سنتیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ جو شخص پڑھ رہا ہو اور اس کے وتر یا سنتیں شروع ہونے کے بعد اقامت شروع ہوتو کیا اُسے اپنی نماز توڑ دینی چاہیے یا

نہیں؟ اس بارے میں راجح بات یہ ہے کہ چونکہ کم از کم ایک رکعت ہو تو اسے نماز کہا جاتا ہے۔ اس لیے جس شخص کی ابھی پوری ایک رکعت وتر یا سنت باقی ہو تو اُسے نماز توڑ دینی چاہیے اور اقامت کے وقت جس کی باقی نماز ایک رکعت سے کم ہو وہ "اَلْقَلِیلُ کَالْمَعدُوم" (تھوڑی سی چیز کالعدم شمار ہوتی ہے) کے تحت نماز نہ توڑے......الغرض جس شخص کا وتر باقی ہو اور اقامتِ فجر شروع ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ نماز فجر کے بعد یا سورج چڑھنے کے بعد یا جب بھی موقع ملے، وتر کی قضائی دے۔

5- بَابُ مَا جَاءَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

صبح کی دو سنتوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں جن میں سے تین احادیثِ مصطفیٰ ﷺ، ایک موقوف اور ایک مقطوع روایت ہے اور سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

[282] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ حَفْصَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ كَانَ إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ ، عَنِ الأَذَانِ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ ، صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تُقَامَ الصَّلَاةُ.

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ (کا یہ معمول تھا کہ) جب موذن نماز فجر کی اذان سے خاموش ہوتا تو نماز (کی جماعت) کھڑی ہونے سے قبل آپ ﷺ دو ہلکی سی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

[283] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ لَيُخَفِّفُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ، حَتَّى إِنِّي لأَقُولُ : أَقَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ أَمْ لَا.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ فجر کی دو سنتوں کو (بہت) ہلکا (اور تخفیف سے) پڑھتے تھے، یہاں تک کہ بے شک میں (دل میں) کہتی کہ کیا آپ ﷺ نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں۔

فائدہ : ......یعنی آپ ﷺ ان دونوں سنتوں کو عام معمول سے ذرا کم لمبا کرتے، قراءت، رکوع، اور سجدہ وغیرہ مختصر کرتے لیکن یہ مطلب قطعاً نہیں کہ نماز میں اطمینان کی کیفیت بھی اختیار نہ کرتے، کیونکہ طمانیت کے بغیر تو نماز

[282] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان ، باب الاذان بعد الفجر ، حدیث: 618 ، 1173 ، 1181 ، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین ، باب استحباب رکعتی سنة الفجر ، حدیث: 723 ، ترمذی:433، نسائی: 1774، ابن ماجه :1145 ، احمد:6 / 283، دارمی:1444.

[283] (صحیح)صحیح البخاری، کتاب الوتر ، باب مایقرأفی رکعتی الفجر ، حدیث:1171، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب استحباب رکعتی سنة الفجر ، حدیث :92 ، 93، 724، ابوداود: 1255، نسائی: 947 ، مسنداحمد:6/ 40۔

ہی نہیں ہوتی ، پھر چونکہ سورۂ فاتحہ لازم ہے اس لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سوچتیں کہ کہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رہ نہ گئی ہو......امام مالک رحمہ اللہ اسی حدیث کی بنا پر ان سُنّتوں میں سورۂ فاتحہ سے زیادہ کچھ بھی نہ پڑھنے کے قائل تھے لیکن جمہور کے نزدیک اس حدیث میں صرف اختصار سے پڑھنے کو بیان کرنے کا انداز ہے، یہ وضاحت نہیں کہ کیا پڑھتے تھے اور کیا نہیں پڑھتے تھے چنانچہ یہ وضاحت دوسری احادیث مبارکہ میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کی سنتوں میں سورۂ قُلْ یَا اَیُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی ہے۔ (مسلم:726) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں مہینہ بھر دیکھتا رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی سنتوں میں یہی دو سورتیں پڑھتے رہے۔ (ترمذی:417 ، ابن ماجه: 1149۔اس کی سند حسن ہے۔) کبھی کبھار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی آیت: 136 ﴿قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ......الخ﴾ پڑھتے اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران کی آیت: 52 ﴿فَلَمَّا اَحَسَّ عِيْسٰى .... بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ یا آیت: 64 ﴿قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ .... الخ﴾ پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم:727/ 99، 100)

[284] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ شَرِيكِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، أَنَّهُ قَالَ : سَمِعَ قَوْمٌ الإِقَامَةَ ، فَقَامُوا يُصَلُّونَ ، فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : أَصَلاتَانِ مَعاً أَصَلاتَانِ مَعاً ؟ وَذَلِكَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ ، فِي الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ .

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اقامت (کی آواز) سنی تو وہ کھڑے ہوکر نماز (یعنی فجر کی دو سنتیں) پڑھنے لگے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حجرۂ مبارک سے) باہر نکلے اور ان کے پاس آئے تو فرمایا: ”کیا ایک ساتھ دو نمازیں؟ کیا ایک ساتھ دو نمازیں؟“ اور یہ واقعہ صبح کی نماز میں اُن دو رکعتوں کے متعلق پیش آیا جو صبح کی نماز سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔

فائدہ: ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بطور انکار کے تھا، یہ واقعہ اور گزشتہ باب کے آخری فائدے میں مذکور حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نمازِ فجر کی اقامت کے بعد صبح کی سنتیں پڑھنا ٹھیک نہیں، لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کا بعد از اقامت مسجد سے باہر اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسجد میں یا مسجد سے باہر سنتیں پڑھنے کے جواز کا فتویٰ حدیث کے خلاف ہے، نیز اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام کے نکلنے سے قبل اقامت ہوسکتی ہے۔

[285] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عبداللہ بن

---

[284] (صحيح لغيره): عبد الرزاق : 440/2، رقم : 4004، التاريخ الكبير : 186/1، صحيح ابن خزيمة : 171/2۔ شیخ سلیم الہلالی کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل صحیح الإسناد ہے لیکن اس کا شاہد صحیح بخاری (663) اور مسلم (711) میں موجود ہے۔

[285] (موقوف صحيح): بيهقى، 484/2، معرفة السنن والآثار : 294/2، رقم : 1347۔ شیخ سلیم الہلالی کہتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے لیکن اسے بیہقی نے امام ثوری سے موصول بیان کیا ہے، لہٰذا سند صحیح ہے۔

عَبْدَ اللّٰـه بْـنَ عُـمَـرَ فَـاتَتْهُ رَكْعَتَا الْفَجْرِ ، فَقَضَاهُمَا بَعْدَ أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ

عمر رضی اللہ عنہما کی فجر کی دو سنتیں رہ گئیں تو انھوں نے سورج طلوع ہونے کے بعد ان کی قضائی دی۔

[286] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَـالِكٍ ، عَـنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَـاسِـمِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، أَنَّهُ صَنَعَ مِثْلَ الَّذِي صَنَعَ ابْنُ عُمَرَ .

قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے بھی اُسی طرح کیا جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیا تھا۔

فائدہ :...... فجر کی سنتوں کی قضائی دینے کے متعلق مختلف اقوال ہیں، چنانچہ (1) امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سورج چڑھنے کے بعد چاشت کے وقت سے لے کر زوال تک قضائی دی جاسکتی ہے ، اس کے بعد نہیں۔ (2) احناف کے ہاں اگر یہ سنتیں فرض نماز سمیت قضا ہوں تو طلوع آفتاب کے بعد ان کی قضا مستحسن ہے اور اگر اکیلی سنتیں رہ گئی ہوں تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بعد از طلوع قضائی دی جائے ، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان کی قضائی ہی نہ دی جائے۔ چنانچہ تینوں اقوال کو سامنے رکھا جائے تو نتیجہ یہ ہے کہ احناف کے ہاں اختیار ہے کہ چاہو تو طلوع آفتاب کے بعد قضائی دے لو اور چاہو تو قضائی نہ دو کیونکہ آخر تو یہ نفل نماز ہی ہے۔ (3) امام احمد رحمہ اللہ طلوع کے بعد قضائی کے قائل ہیں، اور (4) امام شافعی رحمہ اللہ طلوع آفتاب کے بعد قضائی دینے کے ساتھ ساتھ طلوع سے پہلے نماز فجر کی جماعت کے بعد بھی ان سنتوں کی قضائی دینے کے جواز کے قائل ہیں، اور یہی موقف راجح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَـنْ لَـمْ يُـصَـلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ ''جس نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوں، وہ انھیں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھ لے۔'' (ترمذی:423 ، ابن خزیمہ:1117 ، ابن حبان: 2472 ، حاکم: 1/ 274 ۔اس کی سند صحیح ہے)...... ایک دفعہ حضرت قیس بن عمرو رحمہ اللہ کی یہ دونوں سنتیں رہ گئیں، انھوں نے جماعت کے بعد انھیں پڑھنا شروع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو انکار کیا، پھر جب انھوں نے عرض کیا کہ میں نے پہلے یہ دو سنتیں نہیں پڑھیں اس لیے اب پڑھ رہا ہوں، تو یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَلَا اِذَنْ ''تو پھر کوئی حرج نہیں۔'' (ترمذی:422) ایک روایت میں ہے: فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا۔'' (1267) ایک روایت میں ہے: فَـلَـمْ يُـنْكِرْ عَلَيْهِ ''تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پر کوئی انکار نہ کیا۔'' (ابن حبان) یاد رہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام ابوداود رحمہ اللہ کی روایت کی سند منقطع ہے، لیکن اس روایت کی دوسری سند بالکل متصل ہے اور اس کے سب راوی ثقات ہیں، سند یہ ہے: "رَبِيْع بن سُلَيْمَانَ ، عَـنْ اَسَدَ بْنِ مُوْسٰى ، عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَيْسٍ " (ابن حبان ، ابن خزیمہ:1116 ، دارقطنی:1/ 148 ، حاکم:1/ 274، 275 ، بیہقی:2/ 483)

[286] (مقطوع صحیح): بیہقی : 484/2، معرفة السنن والآثار : 294/2۔ شیخ سلیم الہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

8

كِتَابُ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ

نماز باجماعت کے متعلق کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں دس ابواب اور 39 روایات ہیں، جن میں سے انیس مرفوع یعنی احادیثِ مصطفیٰ ﷺ ہیں، پندرہ موقوف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں اور پانچ مقطوع یعنی تابعین رحمہم اللہ وغیرہ سے منقول ہیں۔ مرفوع روایات میں سے سترہ صحیح، ایک (295) حسن لغیرہ اور ایک ضعیف ہے، موقوف روایات چار کے علاوہ سب صحیح ثابت ہیں۔ اور ان میں سے روایت: 313 حسن جبکہ روایت: 298، 315 اور 323 ضعیف ہیں، مقطوع روایات سب کی سب صحیح ہیں، نیز اس پوری کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

فائدہ:...... امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک فرض نماز باجماعت پڑھنا فرض عین ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اور بہت سے حنفی و مالکی علماء، مثلاً طحاوی رحمہ اللہ وکرخی رحمہ اللہ کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سنتِ موکدہ ہے، حسن بصری رحمہ اللہ، عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ، بخاری رحمہ اللہ، ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ، ابن حجر رحمہ اللہ، ابن حزم رحمہ اللہ، صنعانی رحمہ اللہ، البانی رحمہ اللہ اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے نزدیک نماز باجماعت ادا کرنا فرض ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں یہ عنوان قائم کیا ہے: بَابُ وُجُوبِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ ''نماز باجماعت کے واجب ہونے کا بیان۔'' (بخاری: 644) ہمارے نزدیک بھی راجح موقف یہ ہے کہ ہر وہ مکلّف مرد جسے شرعی عذر لاحق نہ ہو، اگر وہ اذان سنتا ہو تو اس کے لیے باجماعت نماز پڑھنا واجب (فرض) ہے۔

1- بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ عَلَى صَلَاةِ الْفَذِّ

نماز باجماعت کی اکیلے شخص کی نماز پر فضیلت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے تین احادیثِ پیغمبر ﷺ ہیں اور وہ سب بخاری ومسلم میں بھی موجود ہیں، ایک روایت موقوف ہے لیکن وہ بھی بخاوی ومسلم میں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔

[287] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ قَالَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ، تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”باجماعت نماز اکیلے شخص کی نماز پر ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہے۔“

[288] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ قَالَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ، بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءاً.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نماز باجماعت، تم میں سے کسی اکیلے کی نماز سے پچیس حصے افضل ہے۔“

فائدہ:......ان دونوں روایات میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ پچیس کا عدد ستائیس میں داخل ہی ہے یا ممکن ہے کہ پہلے پچیس گنا افضیلت کی خوشخبری ملی اور بعد میں ستائیس کی بشارت بھی سنادی گئی، یا پھر یہ فرق نمازیوں کے حالات کے پیش نظر ہے، مثلاً خشوع میں کمی بیشی، یا مسجد سے دوری ونزدیکی، یا نماز کا زیادہ یا کم انتظار، یا مکمل وادھوری جماعت پانا، نمازیوں کا کم وبیش ہونا، جہری وسرّی نماز وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

[289] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ، ثُمَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ (ایندھن کے طور پر) خشک لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں تو ان کو جمع کرلیا

[287] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، حدیث:645، 649، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ باب فضل صلاۃ الجماعۃ، حدیث: 650، ترمذی:215، نسائی:838، ابن ماجہ:789، احمد:2/ 65 دارمی:1277۔

[288] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلوۃ فی مسجد السوق، حدیث: 477، 647، 648، 2119، 4717، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، حدیث: 649، ترمذی:216، نسائی: 839، ابن ماجہ: 787، احمد:2/ 473، دارمی: 1276۔

[289] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ، حدیث: 644، 657، 2420، 7224، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل صلاۃالجماعۃ، حدیث:651، ابوداود:548، ترمذی:217، نسائی:849، ابن ماجہ:791، احمد:2/ 244، دارمی:1274۔

آمُـرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلاً فَيَؤُمَّ النَّـاسَ ، ثُـمَّ أُخَـالِفَ إِلَـى رِجَـالٍ فَأُحَرِّقَ عَـلَيْهِـمْ بُيُـوتَهُـمْ ، وَالَّـذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَوْ يَـعْـلَـمُ أَحَـدُهُـمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَظْماً سَمِيناً ، أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ ، لَشَهِدَ الْعِشَاءَ .

جائے ، پھر نماز کا حکم دوں ، چنانچہ اس کے لیے اذان کہی جائے ، پھر کسی شخص کو حکم دوں تو وہ لوگوں کی امامت کرائے ، پھر خود میں پیچھے (ان) لوگوں کی طرف چلا جاؤں ، (جو جان بوجھ کر جماعت میں حاضر نہیں ہوتے) پھر میں اُن پر (ان کی گھروں میں موجودگی میں) ان کے گھروں کو آگ لگا دوں، قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان (پیچھے رہنے والوں) میں سے کسی کو معلوم ہوجائے کہ وہ (مسجد میں) موٹی ہڈی (گوشت والی عمدہ بڑی ہڈی) یا دو خوبصورت پائے (کھر ، کھر اوڑے) پالے گا تو وہ ضرور نماز عشاء میں (بھی) حاضر ہو جائے گا۔“

فائدہ : ......اندازہ کیجیے کہ نماز باجماعت کتنی اہم چیز ہے کہ جس میں کوتاہی اور اس کی ناقدری دیکھ کر اس ہستی کو بھی بے انتہا طیش آ گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے جہانوں پر رحمت کرنے کے لیے بھیجا تھا، رسول اللہ ﷺ بلا عذر جماعت ترک کرنے والوں کی سزا ، اُن کے گھر بار کو ان سمیت جلانے کی شکل میں سنا رہے ہیں ، نیز چونکہ جماعت کے ساتھ نماز تو رسول اللہ ﷺ پر بھی فرض تھی اس لیے آپ ﷺ نے اپنے ارادے پر عمل نہ کیا ،بعض روایات میں گھر نہ جلانے کی وجہ بیان ہوئی ہے: لَـوْ لَا مَـا فِيْ الْبُيُوْتِ مِنَ النِّسَاءِ وَ الذُّرِّيَّةِ اَقَمْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ ......الخ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز قائم کرتا......الخ (مسند احمد: 2/ 367، اس کی سند میں ابو معشر راوی سَیّیِءُ الحفظ ہے۔)

[290] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَـوْلَـى عُـمَـرَ بْـنِ عُبَيْـدِ اللَّـهِ ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ : أَفْضَلُ الصَّلَاةِ ، صَلَاتُكُمْ فِي بُيُوتِكُمْ ، إِلَّا صَلَاةَ الْمَكْتُوبَةِ .

بسر بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھاری سب سے افضل نماز وہ ہے جو گھروں میں پڑھی جائے سوائے فرض نماز کے۔

فائدہ : ...... بخاری ومسلم کی ایک روایت میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بیان کرتے ہیں: فَـعَلَيْكُمْ بِا لصَّلَا ةِ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ خَيْرَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ ”تو تم اپنے گھروں میں نماز کو لازم پکڑو کیونکہ آدمی کی سب سے بہترین نماز وہی ہے جو اس کے گھر میں ہو سوائے فرض نماز

---

[290] (موقوف صحیح) صحیح البخاری ، کتاب الاذان ، باب صلاۃ اللیل ، حدیث: 731 ، 6113 ، 7290 ، صحیح مسلم ، کتاب صلاۃ المسافرین ، باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ ، حدیث: 781 ، ابوداود:1044 ، ترمذی: 450 ، نسائی:1600 ، احمد:5/ 182 ، دارمی:1366 ۔

کے۔''(بخاري:6113 ، مسلم: 781) بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا:''میری اس مسجد سے بھی۔''(ابوداود:1044۔ اس کی سند صحیح ہے) یعنی گھر کی نفل نماز مسجد کی ایک ہزار درجے والی نماز سے بھی افضل ہے، ......حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میری گھر والی نماز یا مسجد والی نماز، ان میں سے کون سی افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:اَلا تَـرٰی اِلٰی بِیْتِیْ ؟ مَا اَقْرَبَهٗ مِنَ الْمَسْجِدِ ، فَلَاَنْ اُصْلِّیَ فِیْ بَیْتِیْ اَحَبُّ اِلَـیَّ مِـنْ اَنْ اُصْلِّیَ فِی الْمَسْجِدِ اَلَّا اَنْ تَکُوْنَ صَلَاةً مَّکْتُوْبَةً ''کیا میرے گھر کونہیں دیکھتے؟ وہ مسجد کے کس قدر قریب ہے،لیکن پھر بھی میں اپنے گھر میں نماز پڑھوں، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب کہ مسجد میں نماز پڑھوں، سوائے اس کے کہ فرض نماز ہو۔''(ابن ماجه: 1378 ، مسند احمد:4/ 342 ، ابن خزيمه: 2/ 210۔اس کی سند صحیح ہے۔)الغرض فرض نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا بالغ مردوں پر لازم ہے،حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ نے کئی عذر پیش کیے، مثلاً:(1)اِنِّیْ کَبِیْرٌ ''بے شک میں بوڑھا عمر رسیدہ ہوں۔''(2)اَنَا ضَرِیْرٌ ''میں کمزور نظر والا ہوں۔''(3)شَاسِعُ الدَّارِ ''میرا گھر دور ہے۔''(4)وَلِـیْ قَـائِـدٌ لَا یُـلَا ئِمُنِیْ ''مناسب رہنما بھی نہیں۔''(۵)اِنَّ بَیْـنِیْ وَبَیْنَ الْـمَسْـجِـدِ نَخْلاً وَ شَجَراً ''یقیناً میرے اور مسجد کے درمیان کھجوروں وغیرہ کے درخت ہیں۔''(۶)وَلَا اَقْدِرُ عَـلٰـی قَـائِدٍ کُلَّ سَاعَةٍ ''مجھے پکڑ کر چلانے والا بھی ہر وقت میسر نہیں۔''(۷)اِنَّ الْـمَـدِیْـنَةَ کَثِیْرَةُ الْهَوَامِّ وَالسِّبَاعِ ''بے شک مدینہ میں موذی جانور اور درندے بھی بہت ہیں۔'' یہ مختلف عذر پیش کر کے انھوں نے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت مانگی،تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:''کیا اذان سنتے ہو؟'' انھوں نے عرض کیا کہ جی ہاں،تو فرمایا:لَا اَجِـدُ لَكَ رُخْصَةً ''میں تیرے لیے کوئی رخصت نہیں پاتا۔''(ابوداود: 552 ، 553 ، مسلم: 653 ، نسائي:852 ، ابن ماجه:792 ، مسنداحمد:2/ 416 ، 3/ 423۔ ان تمام روایات کی سندیں حسن یا صحیح ہیں۔)

2- باب مَا جَاءَ فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ

نمازِ عشاء اور نمازِ فجر کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع یعنی احادیثِ نبویہ ہیں اور دو موقوف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول روایات ہیں اور سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

[291] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَرْمَلَةَ الأَسْلَمِيِّ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ قَالَ : بَيْنَنَا

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ہمارے درمیان اور منافقوں کے درمیان فرق، نماز عشاء اور نماز فجر (میں حاضر ہونے اور نہ ہونے) کا

[291] (صحيح لغيره) بيهقي في السنن الكبرى: 3/ 59، وفي شعب الايمان: 3/ 56، وفي معرفة السنن والآثار: 2/ 337 ، الشافعي في المسند:1/ 237 ، وفي الام: 1/ 154 ، شیخ سلیم ہلالی اور احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔

وَبَيْـنَ الْمُنَافِقِينَ شُهُودُ الْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ ، لَا يَسْتَطِيعُونَهُمَا أَوْ نَحْوَ هَذَا .

ہے، وہ (منافق) ان دونوں نمازوں کی طاقت نہیں پاتے۔" یا آپ ﷺ نے اس سے ملتے جلتے الفاظ بیان فرمائے۔

[292] وَحَـدَّثَـنِـى عَـنْ مَـالِكٍ ، عَنْ سُمَيٍّ مَـوْلَـى أَبِـى بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ أَبِى صَالِحٍ ، عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : " بَيْـنَـمَـا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ إِذْ وَجَدَ غُـصْـنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ ، فَأَخَّرَهُ ، فَشَكَرَ الـلّٰـهُ لَهُ ، فَغَفَرَ لَهُ . وَقَالَ : الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ : الْمَطْعُونُ ، وَالْمَبْطُونُ ، وَالْغَرِقُ ، وَصَاحِبُ الْهَـدْمِ ، وَالشَّهِيـدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ . وَقَالَ : لَوْ يَـعْـلَـمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ، ثُـمَّ لَـمْ يَـجِـدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِـمُـوا عَـلَيْـهِ ، لَاسْتَهَـمُـوا ، وَلَـوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ ، لَاسْتَبَـقُـوا إِلَيْـهِ ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ ، لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کسی راستے میں چلا جارہا تھا کہ اچانک اس نے راستے پر ایک کانٹے دار ٹہنی کو پایا تو اُس نے اُسے دور ہٹا دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے (اس عمل کی) قدر دانی فرمائی اور اسے بخش دیا۔" اور آپ ﷺ نے فرمایا: "شہداء پانچ قسم کے ہیں: طاعون کی بیماری سے مرنے والا، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا، ڈوبنے والا، گرنے والی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا اور اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش کرنے والا۔" اور فرمایا: "اگر لوگ اُس (اجر وثواب) کو جان لیں جو اذان کہنے اور صف اول میں ہے، پھر وہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ پائیں کہ اس کام پر قرعہ اندازی کریں تو وہ ضرور قرعہ بھی ڈال لیں، اگر وہ اس (ثواب ودرجہ) کو جان لیں جو نماز کی طرف جلدی جانے میں ہے تو وہ ضرور اس کی طرف ایک دوسرے سے سبقت کریں، اور اگر وہ اس (مرتبہ وشان اور اجر) کو جان لیں جو نمازِ عشاء اور نمازِ فجر میں ہے تو وہ ضرور ان دونوں کو آئیں، اگرچہ انھیں گھسٹ کر آنا پڑے۔"

فائدہ: ......ایک روایت میں مندرجہ ذیل افراد کو بھی شہید قرار دیا گیا ہے: "جل کر مرنے والا، پہلو کی تکلیف سے مرنے والا، اور زچگی کے وقت فوت ہونے والی عورت۔" (ابوداود: 3111 ، ابن ماجہ: 2803 ۔اس کی سند صحیح ہے) اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَـنْ قُتِـلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ ، وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْـدٌ ، وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَشَهِيْدٌ ، وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَهْلِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ "جو شخص اپنے مال کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کو بچاتے بچاتے قتل کر دیا جائے وہ بھی شہید ہے، جو شخص اپنے خون یعنی اپنی

[292] (صحيح) صحيح البخاری ، كتاب الاذان ، باب فضل التهجير الى الظهر ، حديث: 652-654 ، نیز دیکھیے 615، 720 ، 721 ، 2472 ، 2689 ، 2829 ، 5733 ، صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب تسوية الصفوف واقامتها ، حديث:437 ، 1414 ، ابوداود:5245 ، ترمذی: 1063 ، نسائی:541 ، 672۔

جان کا دفاع کرتے کرتے مارا جائے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنے گھر والوں (کی عزت وجان) کے دفاع میں قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے۔'' (ابوداود:4772 ، ترمذی:1421 ، نسائی:4100 ۔ اس کی سند صحیح ہے)

'' اَلتَّهْجِيْر '' سے مراد ہر نماز کی طرف جلدی جانا بھی ہوسکتا ہے اور صرف نماز ظہر کے لیے جلدی کرنے کو بھی اس سے مراد لیا گیا ہے، پہلا مفہوم راجح ہے کیونکہ اس میں عموم ہے۔

[293] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَيْمَانَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ ، وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ غَدَا إِلَى السُّوقِ - وَمَسْكَنُ سُلَيْمَانَ بَيْنَ السُّوقِ وَالْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ - فَمَرَّ عَلَى الشِّفَاءِ أُمِّ سُلَيْمَانَ ، فَقَالَ لَهَا : لَمْ أَرَ سُلَيْمَانَ فِي الصُّبْحِ ، فَقَالَتْ : إِنَّهُ بَاتَ يُصَلِّي فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ . فَقَالَ عُمَرُ : لأَنْ أَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي الْجَمَاعَةِ ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقُومَ لَيْلَةً .

ابوبکر رحمہ اللہ بن سلیمان بن ابی حثمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز فجر میں حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کو نہ پایا، اور (دن کے وقت) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بازار کی طرف گئے، حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کا گھر بازار اور مسجد کے درمیان تھا، تو (امیر المومنین رضی اللہ عنہ) سلیمان رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے، اُن سے کہا کہ میں نے نماز فجر میں سلیمان کو نہیں دیکھا تھا؟ وہ کہنے لگیں کہ یقیناً انھوں (سلیمان) نے ساری رات نماز پڑھتے ہوئے گزاری تھی، پھر اُن کی آنکھوں نے اُن پر غلبہ لیا (تو وہ سوئے رہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں نماز فجر کے لیے جماعت میں حاضر ہو جاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ساری رات جاگتا رہوں (اور فرض جماعت نہ پاسکوں)۔

فائدہ :......معلوم ہوا کہ امام وقت کو اپنی تمام رعایا پر نظر رکھنا چاہیے، نیز کسی کا نام ''شفا'' رکھنا جائز ہے، خواہ کسی شخصیت کا یا کسی ہسپتال، میڈیکل سٹور، فارمیسی، جنرل سٹور یا پلازے وغیرہ کا نام ''شفا'' رکھا جائے، یہ نام رکھنا بطور دعا اور حسن تفاؤل کے ہوتا ہے۔

[294] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ

عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

[293] (موقوف صحيح) ابن ابی شيبة: 1/ 333 (3360) ، عبدالرزاق:1/ 526 (2011) ، بيهقی فی شعب الايمان:3/ 62 ، 63 ، (2877 ، 2878) ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

[294] (موقوف صحيح) صحيح مسلم ، كتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب فضل صلاة العشاء والصبح فی جماعة ، حديث:656 ، سنن ابی داود ، كتاب الصلاة ، باب فی فضل صلاة الجماعة ، حديث:555 ، ترمذی: 221، احمد: 1/ 58 ، دارمی: 1224 ، عبدالرزاق: 1/ 525 (2009)، ابن ابی شيبه: 3357 ، معرفة السنن والآثار: 1/ 478 ، 479

سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِي، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى صَلَاةِ الْعِشَاءِ، فَرَأَى أَهْلَ الْمَسْجِدِ قَلِيلاً، فَاضْطَجَعَ فِي مُؤَخَّرِ الْمَسْجِدِ، يَنْتَظِرُ النَّاسَ أَنْ يَكْثُرُوا، فَأَتَاهُ ابْنُ أَبِي عَمْرَةَ فَجَلَسَ إِلَيْه، فَسَأَلَهُ مَنْ هُوَ فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ: مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟ فَأَخْبَرَهُ. فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ: مَنْ شَهِدَ الْعِشَاءَ، فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ لَيْلَةٍ، وَمَنْ شَهِدَ الصُّبْحَ فَكَأَنَّمَا قَامَ لَيْلَةً.

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نمازِعشاء کے لیے آئے تو انھوں نے دیکھا کہ اہل مسجد (مسجد میں نماز کے لیے آنے والے لوگ ابھی) تھوڑے ہیں تو وہ مسجد کے اخیر میں (آخری صفوں میں) لیٹ گئے اور لوگوں کے زیادہ ہو جانے کا انتظار کرنے لگے، ابن ابی عمرہ رضی اللہ عنہ اُن کے پاس آئے اور بیٹھ گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ تو انھوں نے اُن کو (اپنے بارے میں) بتایا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا کہ جو شخص نماز عشاء میں حاضر ہوا تو گویا اس نے نصف رات کا قیام کیا اور جو نمازِ فجر میں حاضر ہوا تو گویا اس نے پوری رات کا قیام کیا۔

فائدہ:...... صحیح مسلم میں اس روایت کے آخری حصے سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں: يَا ابْنَ اَخِيْ! سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ''اے بھتیجے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ (عشاء وفجر کی جماعت کے متعلق) فرماتے ہوئے سنا۔'' (مسلم:656)

بعض شارحین اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ نصف رات کے قیام کا اجر تو نمازِ عشاء باجماعت ادا کرنے سے ملتا ہے اور باقی ماندہ نصف رات کے قیام کا ثواب نمازِ فجر باجماعت پڑھنے سے نصیب ہوتا ہے، لیکن راجح مفہوم یہ ہے کہ نماز فجر باجماعت پڑھنے سے دوگنا اجر ملتا ہے اور وہ عشاء کی باجماعت ادائیگی سے بھی افضل عمل ہے، چنانچہ نمازِ عشاء جماعت میں پڑھنے سے آدھی رات تک تہجد پڑھتے رہنے تک کا زائد اجر ملتا ہے، جبکہ اکیلی نمازِ فجر کی باجماعت ادائیگی پوری رات قیامُ اللیل میں مصروف رہنے کے زائد اجر کا باعث ہے، اس مفہوم میں رحمتِ الٰہیہ کی وسعت کا بھی زیادہ اظہار ہے، اور یقیناً وہ لوگ بہت ہی قابل رشک ہیں جو نمازِ عشاء اور نماز فجر بھی باجماعت ادا کرتے ہیں اور نمازِ تہجد کی پابندی کی بھی توفیق وسعادت سے مالا مال ہیں۔

3- باب إِعَادَةِ الصَّلَاةِ مَعَ الإِمَامِ

امام کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں جن میں سے ایک حدیثِ مصطفیٰ ﷺ ہے جس کی سند حسن لغیرہ ہے، تین موقوف روایات ہیں جن میں سے دو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم صحیح ثابت ہیں اور ایک کی سند ضعیف ہے، نیز اس

باب میں ایک مقطوع روایت ہے اور یہ قول تابعی رحمہ اللہ سنداً صحیح ہے، اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔

[295] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي الدِّيلِ يُقَالُ لَهُ عَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ ، عَنْ أَبِيهِ مِحْجَنٍ : أَنَّهُ كَانَ فِي مَجْلِسٍ مَعَ رَسُولِ اللّٰه ﷺ ، فَأُذِّنَ بِالصَّلَاةِ ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلَّى ، ثُمَّ رَجَعَ وَمِحْجَنٌ فِي مَجْلِسِهِ لَمْ يُصَلِّ مَعَهُ ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰه ﷺ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ ؟ أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ ؟ فَقَالَ : بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰـه ، وَلَـكِنِّي قَدْ صَلَّيْتُ فِي أَهْلِي ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰه ﷺ: إِذَا جِئْتَ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ ، وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ .

بُسر بن مجن رحمہ اللہ اپنے باپ مِحجن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک مجلس میں (بیٹھے ہوئے) تھے، اتنے میں نماز کے لیے اذان دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور نماز ادا فرمائی، پھر واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت مِحجن رضی اللہ عنہ اپنی مجلس ہی میں بیٹھے ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ ”تمھیں کس چیز نے منع کیا تھا کہ لوگوں کے ہمراہ (باجماعت) نماز ادا کرو؟ کیا تم مسلمان آدمی نہیں ہو؟“ حضرت مِحجن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! (میں مسلمان ہی ہوں، نماز کا منکر نہیں ہوں،) لیکن دراصل میں اپنے گھر والوں میں نماز پڑھ چکا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”جب تم (مسجد کی طرف) آؤ تو لوگوں کے ہمراہ نماز ادا کیا کرو، خواہ تم اُسے (پہلے بھی) پڑھ چکے ہو۔“

فائدہ: ......مسند احمد (4/ 34) میں اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: وَاجْعَلْهَا نَافِلَةً ”اور اس (بعد والی نماز) کو نفلی شمار کرو۔“

[296] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ عَبْدَ اللّٰـه بْنَ عُمَرَ فَقَالَ: إِنِّي

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ (کبھی یوں ہوتا ہے کہ)

[295] (حسن لغيره) سنن النسائی، کتاب الامامة ، باب اعادة الصلاة مع الجماعة بعد صلاة الرجل لنفسه، حدیث: 858 ، احمد: 4/ 34 ، دارقطني: 1/ 415 ، طبرانی فی الکبیر: 20/ 241 ، حاکم: 1/ 244 ، بیهقی: 2/ 300 ، شافعي فی المسند: 1/ 239 ، وفی الام: 7/ 217 ، معرفة السنن والآثار: 2/ 131 ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ روایت حسن لغیرہ ہے، امام بغوی اور حاکم نے بھی اسے صحیح کہا ہے، نیز دیکھیے الصحیحة: 1337۔

[296] (موقوف صحیح) ابن المنذر فی الاوسط: 2/ 407 ، بیهقی فی السنن الکبری: 2/ 302 ، وفی الخلافیات: 2/ 45 ، وفی معرفة السنن والآثار: 2/ 134 (1071) ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

أُصَلِّي فِي بَيْتِي ، ثُمَّ أُدْرِكُ الصَّلَاةَ مَعَ الإِمَامِ ، أَفَأُصَلِّي مَعَهُ ؟ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰه بْنُ عُمَرَ : نَعَمْ. فَقَالَ الرَّجُلُ : أَيَّتَهُمَا أَجْعَلُ صَلَاتِي؟ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ : أَوَذٰلِكَ إِلَيْكَ ، إِنَّمَا ذٰلِكَ إِلَى اللّٰه ، يَجْعَلُ أَيَّتَهُمَا شَاءَ .

بے شک میں اپنے گھر میں (خود کو لیٹ سمجھ کر) نماز پڑھ چکا ہوتا ہوں ، (لیکن) پھر میں امام کے ساتھ بھی نماز پالیتا ہوں ، تو کیا میں امام کے ساتھ نماز پڑھوں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اُس سے کہا کہ ہاں (ضرور پڑھو) ، وہ آدمی کہنے لگا کہ میں ان دونوں نمازوں میں سے کس کو اپنی (فرضی) نماز شمار کروں؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُسے جواب دیا کہ کیا یہ معاملہ تمھارے ذمے ہے؟ (تجھے اس سے کیا سروکار؟) یہ معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے ، وہ جسے چاہے ، فرض شمار کرلے ۔

[297] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ : أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ : إِنِّي أُصَلِّي فِي بَيْتِي ، ثُمَّ آتِي الْمَسْجِدَ ، فَأَجِدُ الإِمَامَ يُصَلِّي ، أَفَأُصَلِّي مَعَهُ ، فَقَالَ سَعِيدٌ : نَعَمْ. فَقَالَ الرَّجُلُ : فَأَيُّهُمَا صَلَاتِي ، فَقَالَ سَعِيدٌ : أَوَأَنْتَ تَجْعَلُهُمَا ، إِنَّمَا ذٰلِكَ إِلَى اللّٰه .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے سوال کیا ، کہنے لگا کہ یقیناً (بسا اوقات) میں گھر میں نماز پڑھ چکا ہوتا ہوں ، پھر میں مسجد میں آتا ہوں تو امام کو (ابھی) نماز پڑھتے ہوئے پالیتا ہوں ، تو کیا میں اس کے ساتھ مل کر بھی نماز پڑھوں؟ سعید بن مسیَّب رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں ، اس آدمی نے کہا کہ میں اُن میں سے کس کو اپنی (فرض) نماز شمار کروں؟ تو سعید رحمہ اللہ نے اُسے فرمایا کہ کیا تو (اُن میں سے کسی) نماز کو (فرض) بنا سکتا ہے؟ یہ تو صرف اور صرف اللہ ہی کا کام ہے ۔

فائدہ :...... مذکورہ بالا صورت کے حوالے سے تین مشہور اقوال ہیں کہ کون سی نماز فرض ہوگی اور کون سی نفل؟ (۱) امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دوسری نماز کو بھی فرض ہی کی نیت سے ادا کیا جائے گا ، لیکن پھر اس معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا ، اُس کی مرضی ، جسے چاہے فرض بنالے اور جسے چاہے نفل شمار کرلے ، اُن کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کے فتاویٰ جات ہیں ۔ (۲) امام شافعی رحمہ اللہ کے قدیم قول کے مطابق پہلی نماز نفل اور دوسری فرض ہوگی ، اُن کی دلیل حضرت یزید بن عامر رضی اللہ عنہ کے قصے والی حدیث ہے ۔ (ابوداود: 577) لیکن اس کی سند میں نوح بن صعصعہ راوی مستور یعنی مجہول ہے ، اور ایک دوسری روایت بھی اُن کی دلیل ہے جسے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے لیکن اُسے ضعیف اور شاذ قرار دیا ہے کیونکہ وہ ثقات راویوں کے خلاف ہے ۔ (التلخيص الحبير: 1/ 122 ، نصب الرايه:

[297] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 2/ 422 (3938) بيهقى فى الكبرىٰ: 2/ 302 ، وفى المعرفة: 2/ 135 ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ روایت مقطوع صحیح الاسناد ہے ۔

2/ 150) ۔ (۳) امام شافعی رحمہ اللہ (جدید قول میں)، امام احمد، احناف اور جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک پہلی نماز فرض اور دوسری نفل ہے، یہی موقف راجح ہے، کیونکہ (الف) حضرت محجن رضی اللہ عنہ کی مسند احمد والی روایت میں اس کی صراحت ہے۔ (مسند احمد: 4/ 34) (ب) حضرت یزید بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی وضاحت ہے جس میں دو آدمیوں کے نماز نہ پڑھنے کا قصہ ہے۔ (ترمذی: 219 ، ابو داود: 575 ۔اس کی سند صحیح ہے) (ج) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نماز تاخیر سے پڑھنے والے حکمرانوں کے دور میں وقت پر نماز پڑھنے کا حکم دیا اور پھر اگر حکمرانوں کی نماز بھی مل جائے تو اسے نفل نماز سمجھ کر پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاجْعَلُوْا صَلَاتَكُمْ مَعَهُمْ نَافِلَةً ''ان کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کو نفل شمار کرلو۔'' (مسلم: 648/ 244) (د) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے، پھر اپنی قوم میں واپس جا کر انھیں وہی نماز پڑھاتے۔ (بخاری: 700 ، مسلم: 465، بیهقی: 3/ 86 ، دارقطنی: 1/ 274، مسند شافعی: ص 31) چنانچہ ایک روایت میں یہ واضح الفاظ منقول ہیں کہ هِيَ لَهُ تَطَوُّعٌ وَلَهُمْ فَرِيْضَةٌ ''وہ (بعد والی نماز) اُن (مُعاذ رضی اللہ عنہ) کے حق میں نفل اور مقتدیوں کے لیے فرض ہوتی تھی۔'' (دارقطنی: ص 102 ، عبدالرزاق، شافعی، طحاوی رحمہ اللہ وغیرہ) (ہ) آدمی جب گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے تو وہ فرض کی نیت سے اُسے ادا کرتا ہے اور جس نیت سے کام کیا جائے اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسی کا اعتبار کیا جاتا ہے، فرشتے اُسے فرض نماز لکھ لیتے ہیں اور بعد ازاں جو نماز ملتی ہے تو اتفاقاً ملتی ہے اور اُس وقت چونکہ فرض نماز تو آدمی کے ذمے ہوتی نہیں اور دوسری جانب اجتماعیت کو بھی برقرار رکھنا لازم ہے، اس لیے وہ امام کے ساتھ نہ تو فرض پڑھے گا اور نہ جماعت چھوڑے گا بلکہ نفل کی نیت سے امام کے ساتھ شامل ہو۔

[298] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَفِيفٍ السَّهْمِيِّ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي أَسَدٍ، أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ، فَقَالَ: إِنِّي أُصَلِّي فِي بَيْتِي، ثُمَّ آتِي الْمَسْجِدَ، فَأَجِدُ الْإِمَامَ يُصَلِّي، أَفَأُصَلِّي مَعَهُ؟ فَقَالَ أَبُو أَيُّوبَ: نَعَمْ فَصَلِّ مَعَهُ، فَإِنَّ مَنْ صَنَعَ ذَلِكَ فَإِنَّ لَهُ سَهْمَ جَمْعٍ، أَوْ مِثْلَ سَهْمِ جَمْعٍ.

بنو اسد سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میں (بعض اوقات) اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں، پھر مسجد میں آتا ہوں تو امام کو نماز پڑھاتے ہوئے پالیتا ہوں تو کیا میں اُس کے ساتھ بھی نماز پڑھ لوں؟ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں تو اس کے ساتھ نماز پڑھ کیونکہ جو شخص بھی ایسا کرے گا تو یقیناً اس کے لیے جماعت یا لشکر کا حصہ ہے، یا (فرمایا کہ) جماعت یا لشکر کے حصے کی طرح ہے۔

---

[298] (موقوف ضعيف) سنن ابی داود، كتاب الصلاة، باب فيمن صلى فى منزله ثم ادرك الجماعة، حديث: 578، بيهقى فى السنن الكبرى: 2/ 300 ، وفى معرفة السنن والا ثار: 2/ 135 ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں اسدی راوی مجہول ہے۔

فائدہ : ...... " سَهْمَ جَمْعٍ " کے مفہوم میں مختلف اقوال ہیں، کیونکہ "جَمْعٌ" کا لفظ جماعت، اکٹھ، لشکر اورمُزْدَلفہ کے میدان پر بولا جاتا ہے، لہٰذا حدیث میں مذکور عبارت کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دوبارہ نماز پڑھنے کی وجہ سے اُسے باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب بھی مل جائے گا...... یا اسے میدانِ مزدلفہ میں رات گزارنے والے حاجی کے برابر اجر ملے گا...... بہر حال عرب فُصحاء کے نزدیک یہ لفظ دو آدمیوں کے حصے پر بولا جاتا ہے۔

[299] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ أَوِ الصُّبْحَ، ثُمَّ أَدْرَكَهُمَا مَعَ الإِمَامِ فَلَا يَعُدْ لَهُمَا.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: جس شخص نے نمازِ مغرب یا نمازِ فجر پڑھ لی ہو، پھر وہ ان دونوں کو امام کے ساتھ پالے تو ان دونوں کو دوبارہ نہ پڑھے۔

فائدہ : ......اُن کے نزدیک چونکہ نمازِ فجر کے بعد نفل نہیں پڑھے جاتے اور امام کے ساتھ نماز دہرانے کی وجہ سے تو فجر کے بعد نفل پڑھنے کی صورت بن جائے گی اس لیے وہ منع کر دیتے، اسی طرح چونکہ نفل طاق نہیں ہوتے جبکہ مغرب کو دوبارہ پڑھنے سے طاق نفل لازم آئیں گے اس لیے وہ اس سے بھی منع کر دیتے ...... تفصیلی بحث چند سطور بعد آ رہی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا أَرَى بَأْساً أَنْ يُصَلِّيَ مَعَ الإِمَامِ، مَنْ كَانَ قَدْ صَلَّى فِي بَيْتِهِ، إِلَّا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ، فَإِنَّهُ إِذَا أَعَادَهَا كَانَتْ شَفْعاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا ہو تو اُس کے امام کے ساتھ وہی نماز پڑھ لینے میں، میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا (خواہ کوئی بھی نماز ہو) سوائے نمازِ مغرب کے کیونکہ جب آدمی اُسے دہرائے گا تو وہ جفت بن جائے گی۔

فائدہ : ...... چونکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں نمازیں فرض کی نیت سے پڑھی جاتی ہیں، اس لیے مغرب کو دوبارہ پڑھنے سے چھ رکعتیں بن جائیں گی جبکہ نمازِ مغرب کو دن کی نمازوں کا وتر یعنی طاق رکعات والی نماز شمار کیا جاتا ہے، گویا امام مالک رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دو نمازوں کے استثناء کی بجائے صرف نمازِ مغرب کے استثناء میں اُن کی موافقت کر رہے ہیں ...... دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک تو عام ہی ہے اور پانچوں نمازوں کو شامل ہے جیسا کہ اس باب کی پہلی حدیث میں ہے اور حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع میں موجود تھا، میں نے میدان میں منیٰ کی مسجد خیف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر پڑھی تو آپ نے دیکھا کہ دو

[299] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 2/ 277، الشافعی فی الام: 7/ 206، وفی المسند: 1/ 240، معرفة السنن والاثار: 2/ 136 (1073)، عبدالرزاق: 2/ 422 (3939)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ شیخین کی شرط پر صحیح سند ہے۔

آدمی جماعت میں شامل نہیں ہوئے ، آپ ﷺ نے انھیں بلایا ، وہ ڈرتے ڈرتے آئے ، آپ ﷺ نے وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ ہم اپنے خیموں میں نماز پڑھ چکے تھے ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تَفْعَلُوْا ، اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فِيْ رَحْلِهٖ ثُمَّ اَدْرَكَ الْاِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ فَلْيُصَلِّ مَعَهٗ فَاِنَّهَا لَهٗ نَافِلَةٌ ''(آئندہ) ایسا نہ کرنا ، جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خیمے (یا گھر) میں نماز پڑھ لے ، پھر وہ امام کو اس حال میں پائے کہ اُس نے ابھی نماز نہ پڑھی ہو تو وہ اس کے ساتھ بھی نماز پڑھ لے ، یقیناً یہ نماز اُس کے لیے نفلی ہوگی۔'' (ابو داود: 575 ، ترمذی: 219 ۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

فرمان نبوی اپنے عموم کی بنا پر پانچوں فرض نمازوں کو شامل ہے ، لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے ایک نماز (مغرب) کو جفت ہو جانے کے ڈر سے مستثنیٰ کیا ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ، اوزاعی رحمہ اللہ ، حسن بصری رحمہ اللہ ، ثوری رحمہ اللہ وغیرہ نے نماز فجر اور نماز مغرب کو مستثنیٰ کیا ہے اور پھر احناف نے نماز عصر کو بھی مستثنیٰ قرار دے دیا ہے ، وہ کہتے ہیں کہ عصر کے بعد بھی نفل نہیں ہوتے ، مالکیہ نے نماز عشاء کو بھی اس صورت میں مستثنیٰ کہا ہے کہ جب وتر پڑھ لیا گیا ہو تو امام کے ساتھ عشاء نہ دہرائے۔

ان تمام فقہائے کرام نے اس مسئلے پر دلالت کرنے والی حدیث کو عام بنا کر دوسری احادیث جن میں بعض اوقات میں ممانعت کا ذکر ہے ، سے اس میں تخصیص کی یا اپنے قیاس وعقل سے بعض نمازوں کو مستثنیٰ کیا حالانکہ یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ بعض اوقات میں نوافل کے ممنوع ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث سے مذکورہ مسئلے والی صورت خاص اور مستثنیٰ ہے ، اور اگر کوئی شخص کسی بھی نماز کو امام کے ساتھ دوبارہ پالے تو نفل کی حیثیت سے پڑھ سکتا ہے تاکہ اجتماعیت قائم رہے اور جماعت کا شیرازہ بکھرا ہوا محسوس نہ ہو ، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا قیاس بھی درست نہیں ، جب ایک نماز نفل ہے اور دوسری فرض ، تو دونوں کو اکٹھا کیوں شمار کریں ، دونوں کی حیثیت ہی جدا جدا ہے اور پھر درمیان میں سلام کے ساتھ فاصلہ بھی آ چکا ہے ، نیز یہ کہنا کہ نفل طاق تعداد میں نہیں ہوتے ، یہ مفروضہ ہی غلط ہے کیونکہ خود وتر کی نماز نوافل میں شمار ہے اور وتر تو ہوتا ہی طاق ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی اور طاق نفل نہ بھی ثابت ہوتا تو نبی کریم ﷺ کا مذکورہ مسئلے والا فرمان مغرب کی نماز کو دوبارہ پڑھنے کی صورت میں طاق نوافل کو بھی ثابت کر دے گا۔

یاد رہے امام احمد رحمہ اللہ ، امام شافعی رحمہ اللہ ، اسحاق بن راہویہ اور جمہور اہل حدیث علماء کے ہاں پانچوں نمازوں کو مذکورہ بالا صورت میں امام کے ساتھ پڑھا جائے گا اور امام کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز نفل ہوگی ، کیونکہ (1) فرمانِ مصطفیٰ ﷺ کے الفاظ کا عموم پانچوں نمازوں کو شامل ہے ، (2) یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کی حدیث نہایت وضاحت سے بتا رہی ہے کہ یہ حکم پیغمبر ﷺ نماز فجر ہی کے موقع پر سامنے آیا ، اگر نماز فجر مستثنیٰ ہوتی تو نبی کریم ﷺ نہ اُن کی پکڑ کرتے اور نہ ہی اس موقع پر مستثنیٰ نمازوں کی تعیین چھپاتے ، (3) یہ نفلی نماز ایک سببی نماز ہے ، چنانچہ جس طرح نماز فجر وعصر کے بعد بعض

اسباب کی بنا پر بعض نمازیں جائز ہیں مثلاً جنازہ و گرہن کی نمازیں تو اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی امام کے ساتھ نفل کے طور پر نماز پڑھی جاسکتی ہے، (۴) نبی کریم ﷺ کے واضح فرمان اور نص کے مقابلے میں نہ کسی کے قول کی حیثیت ہے اور نہ کسی کے قیاس کی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

4- باب الْعَمَلِ فِي صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ

نماز باجماعت کے طریق کار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے ایک مرفوع (قولِ رسول ﷺ)، ایک موقوف (عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم)، اور ایک مقطوع (قولِ تابعی رحمہ اللہ) ہے، اور سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

[300] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ، فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف سے کام لے کیونکہ بلاشبہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے لوگ بھی ہوتے ہیں، (ہاں) اور جب تم میں سے کوئی اپنے لیے (الگ اکیلا) نماز پڑھے تو جتنا چاہے (نماز کو) لمبا کرلے۔''

فائدہ: ......تخفیف سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ نماز میں ٹھونگیں مارنا شروع کردیا جائے بلکہ ہر رُکن نماز میں اعتدال و طمانیت بحال رکھنا تو فرض ہے، افراط و تفریط دونوں سے پرہیز لازم ہے، نہ نماز میں کوئی کمی آنے دے اور نہ اتنی لمبی کرے کہ لوگ جماعت میں آنا چھوڑ دیں، ایک روایت میں '' الصَّغِيرَ '' کا لفظ بھی ہے یعنی مقتدیوں میں چھوٹے بچے بھی شامل ہوجاتے ہیں۔ (مسلم: 467) ایک روایت میں '' ذَاالْحَاجَةِ'' بھی ہے، یعنی بعض مقتدی کسی کام کاج یا مجبوری والے بھی ہوتے ہیں اور انھوں نے نماز کے بعد اس اپنی حاجت و ضرورت کو بھی نپٹانا ہوتا ہے۔ (بخاري: 702، مسلم: 466) ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ایک امام کے متعلق نماز لمبی کرنے کی شکایت سن کر سخت غصے میں آگئے تھے اور فرمایا تھا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ ''لوگو! بے شک تم میں سے بعض لوگ نفرت دلانے والے ہیں (اور لوگوں کو بھگانے والے ہیں۔)'' (بخاري: 704، مسلم: 466) نیز رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے بٹھا کر اپنی مبارک ہتھیلی اُن کے سینے میں چھاتی کے درمیان میں رکھی، پھر دونوں

[300] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاذان، باب اذا صلى لنفسه فليطول ماشاء، حديث: 703، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب امر الائمة بتخفيف الصلاة فى تمام، حديث: 467، ابوداود: 794، ترمذى: 236، نسائى: 824، احمد: 2/ 486۔

کندھوں کے درمیان میں اسی طرح ہتھیلی رکھ کر انھیں اپنی قوم کی امامت کرانے اور تخفیف کرنے کا حکم دیا۔ (مسلم: 468) اور فرمایا: اَنْتَ اِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِاَ ضْعَفِهِمْ ''تو اُن کا امام ہے اور تو اُن میں سب سے کمزور شخص کی پیروی کرے'' (ابوداود: 531 ، نسائی: 673 ، ابن ماجه: 987۔اس کی سند صحیح ہے) یعنی امام اپنے سب سے کمزور مقتدی کا خیال رکھ کر نماز پڑھائے ، گویا امام اپنے مقتدیوں کا مقتدی ہے۔

[301] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ قَالَ: قُمْتُ وَرَاءَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِي صَلَاةٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ، وَلَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ غَيْرِي، فَخَالَفَ عَبْدُ اللّٰهِ بِيَدِهِ فَجَعَلَنِي حِذَاءَهُ عَنْ يَمِينِهِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نمازوں میں سے کسی نماز میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے کھڑا ہوا، اُن کے ساتھ میرے علاوہ کوئی اور نہ تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ پیچھے کیا اور مجھے اپنی دائیں جانب اپنے برابر کھڑا کر لیا۔

فائدہ: ......مقتدی صرف ایک مرد یا چھوٹا لڑکا ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ (بخاری:859 ، مسلم: 763) اور اگر عورت ہو تو وہ اکیلی پیچھے کھڑی ہوگی ، اگر ایک مرد اور ایک عورت مقتدی ہوں تو مرد امام کی دائیں جانب اور عورت پیچھے کھڑی ہوگی۔ (بخاری:728 ، مسلم: 658)

[302] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَنَّ رَجُلاً كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ بِالْعَقِيقِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَنَهَاهُ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی (مدینہ کے ایک مقام) عقیق میں لوگوں کی امامت کراتا تھا تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کی طرف پیغام بھیج کر اُسے (امامت سے) منع کر دیا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا نَهَاهُ، لأَنَّهُ كَانَ لَا يُعْرَفُ أَبُوهُ.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اُسے اس لیے منع کیا تھا کہ اس کا باپ نامعلوم تھا۔

فائدہ: ......یعنی وہ ولد زنا تھا اور اگرچہ اس کے پیچھے نماز تو جائز ہے لیکن اگر اس کے متعلق لوگوں کو علم ہو تو اُسے مستقل امام بنانا مناسب نہیں ہے کیونکہ لوگ اس کے متعلق ظاہراً یا خفیہ چہ مگوئیاں کرتے رہیں گے اور گناہ میں واقع ہوں گے ، پھر ان کے دلوں کو بھی اطمینان حاصل نہ ہوگا اور جس امام کو لوگ ناپسند جانیں اُس کی تو نماز ہی قبول

---

[301] (موقوف صحيح) ابن ابی شيبة: 2/ 86 ، عبدالرزاق:2/ 406 (3869) ، شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[302] (مقطوع صحيح) الشافعي فی الام: 1/ 166 ، بيهقی فی السنن الكبرى: 3/ 90 ، وفی معرفة السنن والاثار:2/ 373(1489)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

نہیں ہوتی۔ (ابوداود: 593 ، ابن ماجہ: 970 ، ترمذی: 359۔ ان روایات کی سندیں صحیح ہیں۔)

5- باب صَلَاةِ الإِمَامِ وَهُوَ جَالِسٌ

امام کے بیٹھ کر نماز پڑھانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں اور وہ سب کی سب احادیثِ نبویہ ہیں جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

[303] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَكِبَ فَرَسًا، فَصُرِعَ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَصَلَّى صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ، وَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُوداً، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلَّى قَائِماً، فَصَلُّوا قِيَاماً، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلَّى جَالِساً فَصَلُّوا جُلُوساً أَجْمَعُونَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک گھوڑے پر سوار ہوئے ، پھر آپ ﷺ اس سے گرے تو آپ ﷺ (کے جسم اطہر) کی دائیں جانب چھیل دی گئی (اُس پر رگڑیں اور خراشیں آ گئیں اور آپ ﷺ زخمی ہوگئے)، پھر آپ نے نمازوں میں سے ایک نماز اس حالت میں پڑھائی کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور ہم بھی آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، پھر جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا: ” امام تو صرف اور صرف اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے ، چنانچہ جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ اپنا سر اٹھائے تو تم بھی اپنا سر اٹھالو، جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہو، اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔“

فائدہ: ......امام ابن حبان رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق یہ واقعہ 5ھ میں پیش آیا تھا۔(زرقانی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق یہ واقعہ مدینہ ہی میں پیش آیا تھا جب گھوڑے نے آپ ﷺ کو کھجور کے ایک تنے پر گرا دیا تو آپ ﷺ کے پاؤں کا جوڑ بھی اکھڑ گیا تھا، پھر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیمارداری کے لیے آئے تو آپ ﷺ بیٹھ کر نفلی نماز پڑھ رہے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں کھڑے ہو گئے، آپ خاموش رہے، صحابہ ایک دفعہ پھر

[303] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب انما جعل الامام لیؤتم به، حدیث: 689 ، 378 ، 732، 733 ، 805 ، 1114 ، صحیح مسلم ، کتاب الصلاة ، باب ائتمام الماموم ، حدیث: 411 ، ابوداود: 601 ، ترمذی: 361 ، نسائی: 795 ، ابن ماجہ: 1238 ، احمد: 3/ 110 ، دارمی: 1256۔

عیادت کے لیے آئے تو اس وقت آپ ﷺ فرض نماز بیٹھ کر پڑھ رہے تھے، صحابہ کرام پیچھے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے اشارہ کر کے انھیں نیچے بٹھا دیا۔ (ابوداود: 602) معلوم ہوا کہ موطا کی حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت میں کچھ اختصار ہے۔

[304] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ شَاكٍ، فَصَلَّى جَالِساً، وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَاماً، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِساً فَصَلُّوا جُلُوساً أَجْمَعُونَ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں نماز پڑھائی کہ آپ بیمار تھے، آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور آپ کے پیچھے کچھ لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ، پھر آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''امام تو صرف اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، چنانچہ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھالو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔''

[305] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ فِي مَرَضِهِ، فَأَتَى فَوَجَدَ أَبَا بَكْرٍ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَاسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، أَنْ كَمَا أَنْتَ، فَجَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ، وَكَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرض میں تشریف لائے، آپ ﷺ مسجد میں آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں پایا کہ وہ کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (آپ ﷺ کی آہٹ محسوس کر کے) پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم جہاں ہو وہیں رہو، پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں (بائیں جانب بطور امام) بیٹھ گئے، تو (اب) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے ساتھ

---

[304] (صحيح) صحيح البخاری ، كتاب الاذان ، باب انما جعل الامام ليؤتم به ، حديث: 688 ، 1113 ، 1236 ، 5658 ، صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب ائتمام المأموم بالامام ، حديث: 412 ، ابوداود: 605 ، ابن ماجه: 1237 ، احمد: 6/ 51۔

[305] (صحيح)صحيح البخاری ، كتاب الاذان ، باب من قام الى جنب الامام لعلّة ، حديث: 683 ، 664 ، 687، 712 ، 713 ، صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر ، حديث: 418 ، ترمذی: 362، ابن ماجه: 1233 ، احمد: 6/ 159 ۔

(آپ ﷺ کی اقتدا میں) نماز پڑھنے لگے، اس حال میں کہ رسول اللہ ﷺ تو بیٹھے ہوئے تھے (اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے تھے) اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کی اقتدا میں ان) کی نماز کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے۔

فائدہ: ...... گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حیثیت مکبّر (لوگوں تک امام کی تکبیرات کو بلند آواز سے پہنچانے والے شخص) جیسی ہوگئی کیونکہ رسول اللہ ﷺ بوجہ ضعف کے اپنی آواز لوگوں تک نہیں پہنچا سکتے تھے اور اصل امام (اس موقع پر) رسول اللہ ﷺ ہی تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھی اور لوگوں کے بھی...... اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ امام بدلنے سے نماز میں خلل نہیں آتا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی عیاں ہو رہی ہے کہ آقا نے اپنی زندگی ہی میں انھیں اپنے مصلیٰ کا امام بنا دیا جس میں اشارۂ خلافت پنہاں تھا۔

بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق مختلف آراء ہیں، چنانچہ: (1) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور علمائے سلف وخلف اس بات کے قائل ہیں کہ یہ عمل منسوخ ہوگیا تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ سے آخری عمل یہ ہے کہ آپ ﷺ بطور امام بیٹھے ہوئے تھے اور مقتدی پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی یہ بات نقل کرتے ہیں کہ اِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ ﷺ یعنی یقیناً نبی کریم ﷺ کے آخری عمل ہی کو لیا جاتا ہے۔ (بخاری: 689)، (2) دوسرا موقف امام مالک رحمہ اللہ کا ہے کہ جو شخص کھڑا ہونے کی قدرت رکھتا ہو اُس کے لیے بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہی نہیں یعنی بیٹھ کر امامت تو ہوسکتی ہے اور اس کے پیچھے معذور افراد بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن "قَادِر علی الْقیام" یعنی کھڑا ہونے کی طاقت رکھنے والے شخص کی اس بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے نماز ہی جائز نہیں، نہ کھڑے ہو کر اور نہ بیٹھ کر۔ (3) امام احمد رحمہ اللہ، اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ، اوزاعی رحمہ اللہ، ابن حزم رحمہ اللہ، البانی رحمہ اللہ اور متعدد اہلِ حدیث علماء کے نزدیک بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے بیٹھ کر ہی نماز ہوگی...... ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ دونوں طریقے جائز ہیں، کیونکہ (الف) اصولِ حدیث میں یہ متفقہ قاعدہ ہے کہ اگر دو احادیث ظاہراً متعارض ہوں تو سب سے پہلے تطبیق دی جاتی ہے اور ایسا مفہوم مراد لیا جاتا ہے کہ دونوں پر عمل ہوسکے، اگر یہ صورت ناممکن ہو تو پھر نسخ کے ذریعے اور وہ بھی ناممکن ہو تو ترجیح کے ذریعے ایک روایت کو ناسخ یا راجح اور دوسری کو منسوخ یا مرجوح قرار دیا جاتا ہے، اور مذکورہ بالا مسئلے میں تطبیق دینے سے کوئی چیز مانع نہیں، بلکہ سیدھی سی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنے ہی کا حکم تھا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ مقتدیوں کے کھڑا ہونے کی حالت میں آپ ﷺ بیٹھ کر امامت کرانے لگے اور مقتدی بدستور کھڑے ہو کر اقتدا کرتے رہے اور چونکہ آپ ﷺ نے اس کا انکار نہ کیا اس لیے بیٹھنے والے کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا جواز بھی ثابت ہوگیا۔ (ب) آپ ﷺ سے کوئی ایسا حکم ثابت نہیں ہے کہ آپ نے بیٹھ کر اقتدا کرنے سے منع کیا ہو، اگر آپ ﷺ نے

روکا ہوتا تو ہم ناسخ منسوخ کی بات کرتے ، جب روکا ہی نہیں تو کیوں کسی صورت کو منسوخ کہیں ۔ (ج) اگر ہر بعد والا عمل گزشتہ عمل کے لیے ناسخ ہوتا تو پھر شریعت کے کتنے ہی امور منسوخ قرار پاتے مثلاً آپ ﷺ نے تہجد کی نماز میں پہلے تو گیارہ رکعات کو معمول بنایا، پھر آخر عمر میں آپ ﷺ نے سات اکٹھے وتر اور بعد میں دو رکعتیں پڑھیں (مسلم: 746) تو کیا ہم یہ کہیں گے کہ اس آخری عمل سے گزشتہ طریقے منسوخ ہوگئے؟ (د) مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح سندوں کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے بیٹھ کر ہی نماز ادا کرتے تھے، مثلاً حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ (ابن ابی شیبہ: 2/ 326) ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (ابن ابی شیبہ: 2/ 326) اور حضرت قیس بن قہد انصاری رضی اللہ عنہ (عبدالرزاق: 2/ 462) وغیرہ......الغرض بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی درست ہے کیونکہ یہ قولی حدیث سے ثابت ہے، یعنی یہ فرمان نبوی ﷺ ہے اور کھڑے ہو کر اقتدا کرنا بھی درست ہے کیونکہ یہ تقریری حدیث سے ثابت ہے یعنی اس عمل پر رسول اللہ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

6- باب فَضْلِ صَلَاةِ الْقَائِمِ عَلَى صَلَاةِ الْقَاعِدِ

کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی بیٹھ کر نماز پڑھنے پر فضیلت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف دو روایات ہیں اور دونوں ہی احادیثِ مصطفیٰ ﷺ ہیں جن میں سے ایک کی سند صحیح جبکہ دوسری کی ضعیف ہے۔

فائدہ :......فرض نماز میں قیام چونکہ رُکن نماز ہے اس لیے اگر کوئی شخص بلا عذر فرض نماز میں قیام چھوڑ دے گا تو اس کی نماز درست ہی نہیں ہوگی اور اگر آدمی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھتا ہے تو اسے کھڑے ہونے والے کے برابر ہی اجر ملتا ہے......البتہ نفل نماز میں بلا عذر بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر بھی نماز پڑھنے کی اجازت ہے لیکن اجر میں فرق پڑے گا چنانچہ بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نفل پڑھنے والے سے نصف اجر ملے گا اور لیٹ کر اشارے سے نفل پڑھنے والے کو بیٹھ کر نفل پڑھنے والے سے بھی نصف اجر ملے گا۔ (بخاری: 1115) اور یہ تفصیل بھی صرف اس وقت ہے جب آدمی بلا عذر ایسا کرے ورنہ عذر کی صورت میں بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے سے بھی پورا اجر ملے گا۔

[306] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ مَوْلًى لِعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ- أَوْ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کی بیٹھ کر پڑھی ہوئی نماز اُس کی اُس نماز کے نصف (اجر) کے برابر ہے

---

[306] (صحیح) صحیح مسلم ، کتاب صلاة المسافرین ، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ، حدیث: 735 ، سنن ابی داود ، کتاب الصلاة ، باب فی صلاة القاعد ، حدیث : 950 ، نسائی: 1660 ، ابن ماجه: 1229 ، احمد: 2/ 162 ، دارمی: 1384 ۔

لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ قَالَ : صَلاةُ أَحَدِكُمْ وَهُوَ قَاعِدٌ مِثْلُ نِصْفِ صَلَاتِهِ وَهُوَ قَائِمٌ .

جسے وہ کھڑا ہو کر ادا کرے۔"

[307] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ، أَنَّهُ قَالَ : لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ نَالَنَا وَبَاءٌ مِنْ وَعْكِهَا شَدِيدٌ ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ عَلَى النَّاسِ ، وَهُمْ يُصَلُّونَ فِي سُبْحَتِهِمْ قُعُوداً ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ: صَلَاةُ الْقَاعِدِ مِثْلُ نِصْفِ صَلَاةِ الْقَائِمِ .

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ جب ہم (ہجرت کر کے) مدینہ آئے تو ہمیں مدینہ منورہ کا سخت وبائی بخار آ پہنچا، تو (ان دنوں) رسول اللہ ﷺ (اپنے حجرہ مبارک سے) نکل کر لوگوں کے پاس تشریف لائے جو کہ اپنی نفلی نمازیں بیٹھ کر پڑھ رہے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز، کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز کے نصف جیسی ہے۔"

فائدہ :......لیکن خود رسول اللہ ﷺ اس تقسیم ثواب سے مستثنیٰ تھے کیونکہ آپ ﷺ کا اللہ سے تعلق ہم جیسا نہیں تھا۔ (مسلم:735)

7- بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الْقَاعِدِ فِي النَّافِلَةِ

بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے (کی کیفیت) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے تین احادیث نبویہ ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں جبکہ ایک مقطوع یعنی تابعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب روایت ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔

فائدہ :......گزشتہ باب میں دو قسم کا اجر بیان کرنا مقصود تھا، جبکہ اس باب میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق بعض احکامات کو بیان کرنا مقصود ہے، چنانچہ ایک ہی رکعت میں کچھ حصہ قیام کرنا اور کچھ حصہ بیٹھنا اور بیٹھنے کی بعض کیفیتیں یہاں مذکور ہیں۔

[308] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ

حضرت حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ

[307] (ضعیف) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس سیاق کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ زُہری اور عبداللہ بن عمرو کے درمیان سند منقطع ہے البتہ اس میں موجود فرمان نبوی دوسری سندوں سے ثابت ہے جیسا کہ گزشتہ روایت میں گزرا ہے۔

[308] (صحیح) صحیح مسلم ، کتاب صلاة المسافرین ، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ، حدیث: 733 ، جامع الترمذی، کتاب الصلاة ، باب ما جاء فیمن یتطوع جالسا ، حدیث: 373 ، نسائی: 1659 ، احمد: 6/ 285، دارمی: 1385 ۔

شِهَابٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِي وَدَاعَةَ السَّهْمِيِّ، عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى فِي سُبْحَتِهِ قَاعِداً قَطُّ، حَتَّى كَانَ قَبْلَ وَفَاتِهِ بِعَامٍ، فَكَانَ يُصَلِّي فِي سُبْحَتِهِ قَاعِداً، وَيَقْرَأُ بِالسُّورَةِ فَيُرَتِّلُهَا، حَتَّى تَكُونَ أَطْوَلَ مِنْ أَطْوَلَ مِنْهَا.

میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی بیٹھ کر نفلی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات سے ایک سال قبل آپ نفلی نماز بیٹھ کر پڑھنے لگے، آپ کوئی سورت پڑھتے تو اس کو قدرِ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے کہ وہ لمبی سے لمبی تر ہو جاتی۔

[309] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ اللَّيْلِ قَاعِداً قَطُّ، حَتَّى أَسَنَّ، فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِداً، حَتَّى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، قَامَ فَقَرَأَ نَحْواً مِنْ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً، ثُمَّ رَكَعَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی رات کی نماز بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ عمر رسیدہ ہو گئے، چنانچہ آپ ﷺ (کسی رکعت میں) بیٹھ کر قرآن پڑھتے رہتے، حتیٰ کہ جب آپ ﷺ رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہو جاتے، پھر قیام میں تقریباً تیس یا چالیس آیات پڑھتے، پھر رکوع میں چلے جاتے۔

[310] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ الْمَدَنِيِّ، وَعَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي جَالِساً، فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ، فَإِذَا بَقِيَ مِنْ

ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تو آپ ﷺ بیٹھے بیٹھے قراءت کرتے رہتے، یہاں تک کہ جب آپ کی قراءت میں سے تیس یا چالیس آیات کی بقدر تلاوت رہ جاتی تو آپ کھڑے ہوکر پڑھنے لگتے، پھر (حالتِ قیام سے) رکوع کرتے اور

---

[309] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب التقصیر، باب اذا صلی قاعد اثم صح، حدیث: 1118، 1148، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا، حدیث: 731، ابوداود: 953، ترمذی: 373، نسائی: 1650، ابن ماجہ: 1227۔

[310] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب التقصیر، باب اذا صلی قاعدا ثم صح، حدیث: 1119، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا، حدیث: 731/ 112، ابوداود: 954، ترمذی: 374، نسائی: 1649۔

قِرَاءَ تِهِ قَدْرُ مَا يَكُونُ ثَـلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً، قَـامَ فَـقَـرَأَ وَهُـوَ قَائِمٌ، ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ، ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ . سجدہ کرتے، پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

فائدہ: ......یعنی ایک ہی رکعت میں کچھ قراءت بیٹھ کر کرتے اور جب ختم ہونے کے قریب پہنچتی تو کھڑے ہو جاتے...... اور بعض اوقات کسی رکعت میں بیٹھ کر ہی مکمل تلاوت کرتے اور بیٹھے بیٹھے ہی رکوع میں چلے جاتے، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ كَـانَ يُصَلِّيْ لَيْلاً طَوِيْلاً قَائِماً وَ لَيْلاً طَوِيْلاً قَاعِداً وَكَانَ اِذَا قَـرَأَ قَـا ئِماً رَكَعَ قَائِماً وَاِذَا قَرَأَ قَاعِداً رَكَعَ قَاعِداً ۔''آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمبی رات کھڑے ہوکر نماز پڑھتے اور لمبی رات بیٹھ کر بھی نماز ادا کرتے اور جب آپ کھڑے ہوکر قراءت کرتے تو کھڑے ہونے کی حالت ہی میں رکوع کرتے اور جب آپ بیٹھ کر قراءت کرتے تو بیٹھے بیٹھے ہی رکوع کرتے۔'' (مسلم:730/ 109)

[311] وَحَـدَّثَـنِـي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُرْوَةَ بْـنَ الـزُّبَيْرِ، وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَا يُصَلِّيَانِ النَّافِلَةَ وَهُمَا مُحْتَبِيَانِ . امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ عُروہ بن زُبیر رحمہ اللہ اور سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نفلی نماز اس حال میں ادا کرلیا کرتے تھے کہ وہ گوٹ مارے ہوئے ہوتے۔

فائدہ: ......یعنی گھٹنے کھڑے کرکے اُن کے گرد بازو لپیٹ لیتے یا کمر اور گھٹنوں کے اردگرد کپڑا لپیٹ لیتے، الغرض نماز میں کسی بھی طرح بیٹھ کر نماز پڑھی جاسکتی ہے، خواہ دوزانو ہوکر یا چارزانو ہوکر یا گوٹ مارکر، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: رَاَیْـتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یُـصَـلِّیْ مُتَرَبِّعًا ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ چارزانو ہوکر (یعنی آلتی پالتی مارکر، چوکڑی مارکر) نماز پڑھ رہے تھے۔'' (نسائی:1662، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ بلوغ المرام: 298)

8- باب الصَّلَاةِ الْوُسْطَى

نمازِ وسطیٰ (درمیانی نماز) کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے ایک حدیث نبوی ہے جو صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اور تین موقوف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول روایات ہیں، اُن میں سے ایک صحیح، ایک حسن اور ایک ضعیف ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ایک فتویٰ مذکور ہے۔

---

[311] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 2/ 466 (4102) ابن ابی شیبہ: 4642۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[312] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي يُونُسَ مَوْلَى عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهُ قَالَ: أَمَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنْ أَكْتُبَ لَهَا مُصْحَفاً، ثُمَّ قَالَتْ: إِذَا بَلَغْتَ هَذِهِ الآيَةَ فَآذِنِّي ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ [البقرة: 238] فَلَمَّا بَلَغْتُهَا آذَنْتُهَا، فَأَمْلَتْ عَلَيَّ: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى، وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، وَقُومُوا اللّٰه قَانِتِينَ. قَالَتْ عَائِشَةُ: سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللّٰه ﷺ.

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ابو یُونس رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے حکم دیا کہ اُن کے لیے مصحف (قرآن مجید کا نسخہ) لکھوں، پھر انھوں نے مجھے حکم دیا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو مجھے اطلاع دینا (یعنی اس آیت پر): ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ [البقرة: 238] چنانچہ جب میں (لکھتے لکھتے) اس آیت پر پہنچا تو میں نے اُنھیں اطلاع دی تو انھوں نے مجھے یہ (مندرجہ ذیل) الفاظ (بطور تفسیر) لکھوائے: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةَ الْوُسْطَى، وَصَلَاةَ الْعَصْرِ، وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ، یعنی نمازوں پر پابندی کرو اور خصوصاً درمیانی نماز یعنی نماز عصر پر (پابندی کرو) اور اللہ کے حضور خاموشی سے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہوا کرو، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے یہ کلمات رسول اللہ ﷺ سے سُنے تھے۔

فائدہ: ...... مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تمام نمازوں کا عمومی حکم دیا، پھر درمیانی نماز کا خاص تذکرہ کر کے اُس کے خصوصی اہتمام کا حکم فرمایا، اسے اصطلاح میں "تخصیص بعد التعميم" یا "عَطْفُ الْخاصّ عَلَى الْعَامّ" کہا جاتا ہے، چونکہ اس درمیانی نماز کے متعلق حکم تو خصوصی طور پر دیا گیا لیکن اس کا خاص نام ذکر نہ کیا گیا اس لیے علماء و مفسرین کے ہاں اس نماز کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں، جن کا تذکرہ آئندہ سطور میں آرہا ہے، ان میں سے راجح قول نمازِ عصر کا ہے، جس کی ایک دلیل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ مذکورہ روایت ہے کہ انھوں نے اپنے مصحف قرآن میں نماز عصر کا لفظ بھی لکھوایا تھا...... (اگر چہ عطف عام طور پر مغایرت کے لیے ہوتا ہے یعنی معطوف علیہ اور معطوف دو الگ الگ اشیاء ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھار یہ عطف تفسیری بھی ہوتا ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی اسی طرح ہی ہے کیونکہ دوسری روایات میں نبی کریم ﷺ سے "نمازِ وسطی" کی تفسیر میں نمازِ عصر کی تعیین بڑی وضاحت سے ثابت ہے اور وہاں درمیان میں واؤ عاطفہ بھی نہیں ہے، دیکھیے مسلم: 628)...... یہ بات تو حقیقت ہے کہ

---

[312] (صحیح) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الدليل لمن قال الصلاة الوسطى هی صلاة العصر، حدیث: 629، سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب وقت العصر، حدیث: 410، ترمذی: 2982، نسائی: 473، احمد: 6/ 73۔

نمازِعصر کا لفظ پہلے پہل واقعی قرآن مجید میں موجود تھا لیکن بعد میں اُسے منسوخ کر دیا گیا، جیسا کہ آگے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا تذکرہ آرہا ہے (مسلم : 630) یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نمازِ عصر کے الفاظ قرآن مجید میں کیوں لکھوائے ؟اس کے متعلق علمائے کرام نے مختلف احتمالات ذکر کیے ہیں، میری (شارح اور مترجم کی) رائے یہ ہے کہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس لفظ کے نسخ کی قائل تھیں اسی لیے تو انھوں نے جب اپنے غلام کو پہلی بار یہ آیت سنائی تو اس میں نمازِ عصر کا لفظ نہ بولا تو بعد میں اس لفظ کا لکھوانا، غالب گمان یہی ہے کہ محض تفسیر اور یاددہانی کے طور پر تھا۔ واللہ اعلم......

دوسری بات یہ کہ علماء ومحدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن پاک کی جو مختلف قراءتیں مروی ہیں، اگر وہ متواتر سند سے ثابت نہ ہوں تو انھیں بطور قرآن تو نہیں پڑھا جائے گا البتہ وہ تفسیر کے طور پر قبول کی جائیں گی، بشرطیکہ اُن کی سند صحیح ہو...... یادر ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ''صلاۃِ وُسطیٰ'' سے مراد نمازِ عصر ہی لیتی تھیں، نہ کہ نمازِ ظہر، چنانچہ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دوشاگردوں، ابوایوب رحمہ اللہ اور قاسم رحمہ اللہ سے اُن کا یہ قول نقل کیا ہے: صَلاَةِ الْوُسْطَى، صَلاَةِ الْعَصْر ''درمیانی نماز، نمازِ عصر ہی ہے۔'' نیز ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے عُروہ سے روایت کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مصحف میں یوں درج تھا: وَالصَّلاَةِ الْوُسْطَى، وَهِيَ صَلاَةُ الْعَصْر ''اور درمیانی نماز (پر بھی خوب پابندی کرو) اور وہ نمازِ عصر ہے۔'' الغرض سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب نمازِ ظہر والا قول مرجوح ہے۔

[313] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ رَافِعٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَكْتُبُ مُصْحَفاً لِحَفْصَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، فَقَالَتْ: إِذَا بَلَغْتَ هَذِهِ الآيَةَ فَآذِنِّي ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلاَةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ فَلَمَّا بَلَغْتُهَا آذَنْتُهَا، فَأَمْلَتْ عَلَيَّ: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلاَةِ الْوُسْطَى، وَصَلاَةِ الْعَصْرِ، وَقُومُوا اللّٰه قَانِتِينَ.

عمرو بن رافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں اُمّ المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے مصحف لکھا کرتا تھا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ جب تو اس آیت: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلاَةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ پر پہنچے تو مجھے بتانا، چنانچہ جب میں اس آیت پر پہنچا تو انھوں نے یہ آیت مجھے یوں لکھوائی: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلاَةِ الْوُسْطَى وَصَلاَةِ الْعَصْرِ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ۔

[313] (موقوف حسن) بیهقی: 1/ 462، طحاوی فی شرح معانی الاثار: 1/ 172، ابن حبان: 13/ 228 - 231، ابن ابی داود فی المصاحف: ص97۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ حسن سند ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔

[314] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنِ ابْنِ يَرْبُوعٍ الْمَخْزُومِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ يَقُولُ: الصَّلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الظُّهْرِ.

عبدالرحمٰن بن سعید بن یربوع مخزومی رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نمازِ وسطیٰ سے مراد نمازِ ظہر ہے۔

فائدہ: ......بعض شارحین کے بقول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز کو اس لیے درمیانی سمجھتے تھے کہ یہ دن کے درمیان میں ادا کی جاتی ہے، لیکن سنن ابوداؤد (حدیث: 411) میں ہے کہ وہ دراصل یہ سمجھتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس نماز سے بڑھ کر زیادہ بھاری اور مشقت والی نماز کوئی اور نہ تھی کیونکہ اسے کڑی دوپہر میں ادا کرنا پڑتا تھا، اس لیے اللہ نے اُسے درمیانی (یعنی افضل) نماز کہہ کر اس کا خصوصی حکم دیا اور مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی، بالفاظِ دیگر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ موقف اس لیے تھا کہ وہ اس آیت کی شان نزول ہی نمازِ ظہر کے بھاری ہونے کو سمجھتے تھے اور پھر اس کے درمیانی نماز ہونے کی توجیہ یہ کرتے کہ دو نمازیں اس سے پہلے ہیں جو اندھیرے میں پڑھی جاتی ہیں عشاء وفجر اور دو نمازیں اس کے بعد ہیں جو روشنی میں پڑھی جاتی ہیں یعنی عصر و مغرب ......امام طیالسی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کی روایات ذکر کی ہیں، امام ابن مُنذِر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن شداد، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی نمازِ ظہر مراد ہونے کی روایات نقل کی ہیں۔ (زرقانی) امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نمازِ ظہر والے قول کی طرف (حدیث:182 میں) اشارہ کیا ہے لیکن موطا امام مالک رحمہ اللہ کی روایت مذکورہ بالا (312) اور اس کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظہر والا قول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے۔

[315] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَا يَقُولَانِ: الصَّلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الصُّبْحِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اُن کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ صلاۃِ وسطیٰ سے مراد نمازِ فجر ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَقَوْلُ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ أَحَبُّ مَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں مَیں نے جو کچھ

---

[314] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 1/ 577 (2198، 2199) بیہقی: 1/ 459، شرح معانی الاثار: 1/ 167، احمد: 5/ 183، نسائی فی السنن الکبری: 357۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو موقوف صحیح قرار دیا ہے۔

[315] (موقوف ضعیف) سنن النسائی، کتاب المواقیت، باب کیف یقضی الفائت من الصلوٰۃ، حدیث: 626، بیہقی فی السنن الکبری: 1/ 461، وفی معرفۃ السنن والاثار: 1/ 477، ابن ابی شیبۃ: 8603، التمہید لابن عبدالبر: 4/ 287، 288۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ . بھی سنا ہے اُس میں سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

فائدہ: ...... یہ قول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے (حدیث: 182) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ سے مراد نمازِ فجر ہے کیونکہ وہ رات اور دن کی دو، دو نمازوں کے درمیان میں ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک اس سے نمازِ عصر مراد ہے جیسا کہ صریح نصوص سے ثابت ہے ...... یادر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ واقعی پہلے پہل نمازِ فجر ہی کو درمیانی نماز سمجھا کرتے تھے، یہاں تک کہ غزوہ خندق کے موقع پر فرمان نبوی سن کر اُنھیں معلوم ہوا کہ یہ تو نمازِ عصر ہے، چنانچہ پھر وہ اسی کے قائل رہے، یہ روایت ابن جریر طبری رحمہ اللہ اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے تفصیل سے ذکر کی ہے۔(مرعاۃ: 2/ 343 ، نیز دیکھیے بخاری:2931 ، مسلم: 627) ......اسی طرح یہ بات بھی یادر ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ نماز فجر کے متعلق ذکر کیا ہے، جبکہ خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسند احمد (1 / 301) میں نمازِ عصر کے متعلق ایک روایت موجود ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دشمن سے جنگ کی تو اُن سے فارغ نہ ہو سکے یہاں تک کہ عصر کی نماز اس کے وقت سے مؤخر کردی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر (نماز کی طرف) توجہ فرمائی تو (دعا کرتے ہوئے) فرمایا: ''اے اللہ! جس نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ سے روکے رکھا، تو اُن کے گھروں کو یا (فرمایا کہ) اُن کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔'' ......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتویٰ اور حدیث کو محدثین کے اس اصول اور قانون کے مطابق پرکھیے کہ اَلْعِبْرَةُ بِمَارَوٰی لَا بِمَا رَاٰی یعنی اگر راوی کا فتویٰ کچھ اور ہو اور اُس نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کے برعکس روایت کیا ہو تو اعتبار اُس کی روایت اور حدیث کا ہوگا نہ کہ اس کی رائے اور فتویٰ کا۔ الغرض نماز وسطیٰ کی تعیین میں بیس سے زائد اقوال ہیں جن میں سے مشہور تین ہیں: (1) نمازِ ظہر، (2) نمازِ فجر اور (۳) نماز عصر اور یہی عصر والا قول ہی راجح بلکہ متعین ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت وضاحت کے ساتھ بہترین سندوں کے ساتھ نماز عصر کی تعیین ثابت ہو چکی ہے: مثلاً

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الْاَحْزَابِ: شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مَلَاَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن فرمایا: ''انھوں (یعنی کافروں) نے ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر سے مشغول کیے رکھا، اللہ اُن کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔'' (مسلم: 627/ 205، نیز دیکھئے بخاری: 1931)، (2) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی واقعہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی الفاظ نقل فرماتے ہیں۔ (مسلم: 628)، (3) حضرت سمرہ بن جُندب رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صَلَاةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الْعَصْرِ ''نمازِ وسطیٰ نمازِ عصر ہے۔'' (ترمذی:182۔ اس کی سند حسن صحیح ہے)(4) یہی الفاظ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی نبی کریم ﷺ سے روایت کیے ہیں۔ (ترمذی: 181۔ اس کی سند حسن صحیح ہے)(5) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ (گزشتہ بالا) آیت نازل ہی اس طرح ہوئی تھی: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ یعنی (سب) نمازوں پر اور خصوصاً نماز عصر پر پابندی ومحافظت کرو۔ تو جب تک اللہ نے چاہا ہم یونہی اس کی تلاوت کرتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کو منسوخ کر کے نماز عصر کی جگہ نمازِ وسطیٰ کا لفظ یوں نازل فرمایا: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى (مسلم:630)

9- باب الرُّخْصَةِ فِي الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

صرف ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کی رخصت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں کُل چھ روایات ہیں، جن میں سے تین احادیثِ مصطفیٰ ﷺ ہیں اور وہ تینوں بخاری ومسلم میں بھی موجود ہیں، دو موقوف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں اور ایک مقطوع یعنی تابعی رحمہ اللہ سے منقول ہے اور ان سب کی سندیں بھی صحیح ثابت ہیں، اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔

[316] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ: أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، مُشْتَمِلاً بِهِ، فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، وَاضِعاً طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ.

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ (اس وقت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کی والدہ) سیدہ اُم سلمہ (اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا) کے گھر میں اس کپڑے کو لپیٹے ہوئے (نماز ادا کر رہے) تھے (اور) آپ ﷺ نے اس کپڑے کے دونوں کناروں کو اپنے دونوں مبارک کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔

فائدہ: ......حدیثِ مبارکہ میں ''مُشْتَمِلاً'' کا لفظ آیا ہے جو کہ اِشتمال سے ماخوذ ہے، یہ چادر اوڑھنے کا ایک انداز ہے جسے توشیح، توشُّح اور اِضطِباع بھی کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ چادر کو جسم کے پیچھے پھیلا کر اس کے دونوں کناروں کو دونوں کندھوں کے نیچے سے یعنی بغلوں سے نکال کر مخالف سمت میں کندھے پر ڈال دیں، یعنی دائیں کنارے کو دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر سامنے لائیں اور پھر بائیں کندھے پر پھینک دیں، اسی طرح بائیں کنارے

[316] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب الصلاة فی الثوب الواحد ملتحفابه، حديث: 354-356، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة فی ثوب واحد، حديث: 517، ابوداود:628، ترمذی: 339، نسائی:765۔

کے ساتھ کریں۔ (بُکّل مارنے کے) اس انداز میں دونوں ہاتھ کپڑے سے باہر رہتے ہیں اور گرہ بھی نہیں دی جاتی۔

ایک اور طریقہ جسے التحاف کہتے ہیں، اُس کا نبی کریم ﷺ نے حکم بھی دیا اور اس پر عمل بھی فرمایا۔ (بخاری: 357 ، 361 ، مسلم: 336/ 82) اِس طریقے میں گرہ دی جاتی ہے، چنانچہ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کپڑے کے دونوں کنارے بغلوں کے نیچے سے نکال کر مخالف سمت پر ڈال لیے گئے ہوں اُنھیں گردن کے پیچھے گرہ دی جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کپڑا تھوڑا سا مزید کھلا ہو تو گرہ لگانے سے پہلے یوں کریں کہ جس کندھے پر جو کنارہ ڈالا گیا ہے اُسے کندھے کے پیچھے لے جا کر اُسی کے نیچے سے نکال کر سینے پر لے آئیں اور گرہ دے لیں، اس گرہ والے طریقے کا نام تو اِلْتِحاف ہے لیکن اسے بھی تَوَشُّح یا اِشْتِمال کہہ دیا جاتا ہے ...... یاد رہے کہ (بُکّل مارنے کا) ایک طریقہ ممنوع ہے جسے ''صَمّاء'' کہتے ہیں۔ (بخاری: 367 ، مسلم: 2099) ، یعنی کپڑے کو اس طرح پورے جسم پر دائیں بائیں مضبوطی سے لپیٹ لینا کہ ہاتھ بھی اندر ہی پھنس کر رہ جائیں، نہ آدمی کپڑے کو کسی جانب سے بلند کر سکے اور نہ کہیں سے ہاتھ باہر نکل سکے (نیل الاوطار: 1/ 550) ، صَمّاء کی دوسری شکل یہ ہے کہ چادر صرف ایک کندھے پر ڈالی جائے اور جسم کی دوسری جانب ننگی رہے۔ (بخاری: 5820)

[317] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ: أَنَّ سَائِلاً سَأَلَ رَسُولَ اللّٰه ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فِی ثَوْبٍ وَاحِدٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ: أَوَلِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سائل نے رسول اللہ ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے ہر کسی کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں؟''

فائدہ: ...... یہ استفہام انکاری اور الزامی جواب ہے کہ جب ہر کسی کے پاس دو کپڑے ہونا بھی ممکن نہیں ہے تو پھر ایک کپڑے میں نماز سے کیوں منع کیا جائے، بہر حال چونکہ زندگی کے مختلف مراحل میں بعض افراد کے پاس ایک کپڑے کے سوا کچھ نہیں ہوتا اس لیے ایک کپڑے میں نماز جائز ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ اگر کپڑا تھوڑا سا لمبا اور کھلا ہو تو اس کے کنارے کندھوں پر ضرور ڈالے جائیں، کندھے ننگے نہ رہیں، اور اگر کپڑا چھوٹا ہو تو ستر ڈھانپا جائے یعنی ازار کی شکل میں چادر باندھ لی جائے اور ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد کا جسم ڈھانپا جائے، اگر اتنا کپڑا بھی میسر نہ ہو تو حالتِ اضطرار میں اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا۔

---

[317] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی الثوب الواحد ملتحفابه، حدیث: 358، 365، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی ثوب واحد، حدیث: 515، ابوداود: 625، نسائی: 764، ابن ماجه: 1047۔

[318] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ أَبُو هُرَيْرَةَ هَلْ يُصَلِّى الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. فَقِيلَ لَهُ: هَلْ تَفْعَلُ أَنْتَ ذَلِكَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، إِنِّي لأُصَلِّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَإِنَّ ثِيَابِي لَعَلَى الْمِشْجَبِ.

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا آدمی صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں، پھر اُن سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ایسا کر لیتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، یقیناً میں (بھی کبھی کبھار) ایک کپڑے میں نماز ادا کر لیتا ہوں، حالانکہ بلاشبہ میرے کپڑے کھونٹی پر پڑے ہوتے ہیں۔

فائدہ: ...... "مِشْجَب" سے مراد ہر وہ چیز ہے جس پر کپڑے لٹکائے جائیں، چنانچہ ہُک، ہینگر، اَلگنی (کِلّی)، لکڑی یا لوہے کا سٹینڈ وغیرہ سب اس میں شامل ہیں، یاد رہے کہ ایک کپڑے کے متعلق روایات محض جواز کے لیے ہیں نہ کہ استحباب کے لیے۔

[319] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰه كَانَ يُصَلِّى فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کرلیا کرتے تھے۔

فائدہ: ......صحیح مسلم میں یہ بھی وضاحت ہے کہ "حالانکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس مزید کپڑے بھی ہوتے تھے۔" (مسلم: 518/ 283) نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّىْ فِىْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ۔ "میں نے نبی کریم ﷺ کو بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔" (بخاری: 353، مسلم: 518) محمد بن مُنکدر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک ازار میں نماز پڑھی جس (کے کناروں) کی گرہ انھوں نے اپنی گُدّی کی جانب لگا رکھی تھی، حالانکہ اُن کے باقی کپڑے کھونٹی پر پڑے ہوئے تھے، کسی نے اُن سے کہا کہ آپ ایک ہی تہبند میں نماز (کیوں) پڑھ رہے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: اِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِىْ اَحْمَقُ مِثْلُكَ وَاَيُّنَا كَانَ لَهٗ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ "میں نے تو یہ کام صرف اور صرف اس لیے کیا ہے کہ تم جیسے

---

[318] (موقوف صحیح) احمد: 2/ 238، 239، بیہقی: 2/ 237، ابن المنذر فی الاوسط: 5/ 53 (2371)، طحاوی: 1/ 379۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[319] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب عقد الازار علی القفا فی الصلاۃ، حدیث: 352، 353، 370، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی ثوب واحد وصفۃ لبسہ، حدیث: 518، ابوداود: 633، مسند احمد: 3/ 293۔

احمق مجھے (اس طرح کرتے) دیکھ لیں اور (بھلا) ہم میں سے کس کے پاس عہد نبوی ﷺ میں دو کپڑے ہوتے تھے۔'' (بخاری: 352)

[320] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ كَانَ يُصَلِّي فِي الْقَمِيصِ الْوَاحِدِ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ صرف ایک قمیص میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

فائدہ: ...... دراصل امام مالک رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ لینے کا عمل زمانہ نبوی کے بعد بھی جاری رہا ہے۔

[321] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْبَيْنِ، فَلْيُصَلِّ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُلْتَحِفاً بِهِ، فَإِنْ كَانَ الثَّوْبُ قَصِيرًا، فَلْيَتَّزِرْ بِهِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دو کپڑے نہ پا سکے وہ ایک ہی کپڑے کو لپیٹ کر اس میں نماز پڑھ لے، پھر اگر کپڑا (مزید) چھوٹا ہو (کہ کندھوں تک نہ پہنچ سکے) تو اس کے ساتھ تہبند باندھ (کر نماز پڑھ) لے۔''

فائدہ: ...... اس حدیث مبارکہ سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ نماز میں ستر ڈھانپنا فرض ہے، اگر حالات تنگ ہوں اور زیادہ کپڑے موجود نہ ہوں، جو ایک کپڑا ہو وہ بھی چھوٹا ہو تو اس سے کم از کم ستر ضرور ڈھانپا جائے خواہ کندھے ننگے ہی رہیں ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ کم از کم دو کپڑوں میں نماز پڑھنے کی جستجو کرنی چاہیے اور مستحب بھی یہی ہے، ہاں مجبوری ہو تو ایک کپڑے میں نماز کا جواز ہے، پیچھے مذکور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قصے سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ عام معمول ایک کپڑے میں نماز نہیں ہونا چاہیے، لوگوں کو اُن پر تعجب صرف اس لیے ہوا کہ ان کی عام روٹین ایک کپڑے میں نماز کی نہیں تھی۔

قَالَ مَالِكٌ: أَحَبُّ إِلَيَّ، أَنْ يَجْعَلَ الَّذِي يُصَلِّي فِي الْقَمِيصِ الْوَاحِدِ، عَلَى عَاتِقَيْهِ ثَوْباً أَوْ عِمَامَةً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ صورت یہ ہے کہ وہ شخص جو ایک کپڑے میں نماز پڑھتا ہے وہ اپنے دونوں کندھوں پر کوئی اور کپڑا یا پگڑی ڈال لے۔

---

[320] (مقطوع صحیح) معرفة السنن والاثار بيهقى: 2/ 99 (1006) ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[321] (صحيح) صحيح البخارى، كتاب الصلاة، باب اذاكان الثوب ضيقا، حديث: 361، صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب حديث جابر الطويل، حديث: 3008، مسنداحمد: 3/ 328.

فائدہ : ......کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے: لَا يُصَلِّيْ اَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى عَاتِقَيْهِ شَيْءٌ" تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھوں پر کچھ بھی نہ ہو۔'' (بخاری: 359)

10- بَابُ الرُّخْصَةِ فِي صَلَاةِ الْمَرْأَةِ فِي الدِّرْعِ وَالْخِمَارِ

عورت کو صرف قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھنے کی رخصت کا بیان

خلاصۃ الباب : اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے تین موقوف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں اور ان میں سے دو صحیح اور ایک ضعیف ہے، جبکہ ایک مقطوع یعنی تابعی رحمہ اللہ سے منقول روایت ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے۔

فائدہ : ......امام مالک رحمہ اللہ اس باب میں دراصل حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے اس قول کی نفی کرنا چاہتے ہیں کہ عورت چار کپڑوں سے کم میں نماز نہ پڑھے۔

[322] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، كَانَتْ تُصَلِّي فِي الدِّرْعِ وَالْخِمَارِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ زوجہ پیغمبر ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قمیص اور دوپٹے ہی میں نماز پڑھ لیا کرتی تھیں۔

فائدہ : ......یعنی عورت کے لیے یہ تو شرط ہے کہ وہ اپنا پورا جسم ڈھانپے لیکن کپڑوں کی تعداد اس کے لیے متعین نہیں ہے، کپڑے خواہ دو ہوں یا تین یا اس سے کم وبیش، چنانچہ اگر قمیص یا کُرتے کی لمبائی اتنی ہو کہ عورت کے پاؤں کا اوپر والا حصہ بھی اس میں چھپ جائے تو نماز ہو جائے گی، اگرچہ عورت نے شلوار یا ازار زیب تن نہ کر رکھا ہو۔

[323] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ قُنْفُذٍ، عَنْ أُمِّهِ: أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، مَاذَا تُصَلِّي فِيهِ الْمَرْأَةُ مِنَ الثِّيَابِ؟ فَقَالَتْ: تُصَلِّي فِي الْخِمَارِ وَالدِّرْعِ السَّابِغِ، إِذَا غَيَّبَ ظُهُورَ قَدَمَيْهَا.

محمد بن زید بن قُنفُذ رحمہ اللہ اپنی والدہ (اُمّ حرام آمنہ رحمہا اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے زوجہ پیغمبر ﷺ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ عورت کس قدر کپڑوں میں نماز ادا کر سکتی ہے؟ تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عورت ایک دوپٹے اور لمبی قمیص میں نماز پڑھ سکتی ہے جب کہ وہ

---

[322] (موقوف صحیح) بیهقی: 2/ 233، ابن ابی شیبه: 2/ 226، عبدالرزاق: 5031، الاوسط لابن المنذر: 5/ 73 (2407)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ صحیح ثابت ہے۔

[323] (موقوف ضعیف) سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب فی کم تصلی المراة، حدیث: 639، 640، عبدالرزاق: 3/ 128 (5028)، ابن ابی شیبه: 2/ 225، بیهقی: 2/ 232۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ (ضعیف ابو داود: 125)

قمیص اس کے پاؤں کا اوپر والا حصہ ڈھانپ رہی ہو۔

[324] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهُ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الأَشَجِّ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ الأَسْوَدِ الْخَوْلَانِيِّ، وَكَانَ فِي حَجْرِ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ مَيْمُونَةَ كَانَتْ تُصَلِّي فِي الدِّرْعِ وَالْخِمَارِ، لَيْسَ عَلَيْهَا إِزَارٌ.

عبیداللہ بن اَسْوَد خولانی رحمہ اللہ جو زوجہ پیغمبر ﷺ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی گود میں (پلے بڑھے تھے اور ان کے لے پالک) تھے، سے روایت ہے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ایک قمیص اور دوپٹے میں نماز ادا کر لیا کرتی تھیں اور اُن پر ازار (تہبند) نہیں ہوتا تھا۔

[325] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ امْرَأَةً اسْتَفْتَتْهُ فَقَالَتْ: إِنَّ الْمِنْطَقَ يَشُقُّ عَلَيَّ، أَفَأُصَلِّي فِي دِرْعٍ وَخِمَارٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغاً.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے باپ عُروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت نے اُن سے (عروہ رحمہ اللہ سے) فتویٰ طلب کیا، کہنے لگی کہ بے شک ازار (کا باندھنا) مجھ پر دشوار گزرتا ہے تو کیا میں ایک قمیص اور ایک دوپٹے میں نماز پڑھ سکتی ہوں؟ تو عُروہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں، جب کہ وہ قمیص لمبی ہو۔

[324] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 2/ 225، بیہقی: 2/ 233، ابن المنذر: 5/ 72 (2406)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[325] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 3/ 130 (5030)، ابن ابی شیبہ: 2/ 225۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

9

كِتَابُ قَصْرِ الصَّلَاةِ فِي السَّفَرِ

سفر میں نماز قصر کرنے کے متعلق کتاب

اس باب میں چھبیس (26) ابواب اور ایک سودو (102) روایات ہیں جن میں سے اکتالیس (41) مرفوع یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں اور سب کی سب صحیح سندوں سے ثابت ہیں، پچاس (50) موقوف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال ہیں، جو سات ضعیف روایات کے علاوہ سب صحیح ثابت ہیں اور گیارہ مقطوع یعنی تابعین رحمہم اللہ کی طرف منسوب روایات ہیں جن میں سے تین ضعیف اور باقی صحیح ہیں، نیز اس پوری کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......اگر چہ اس کتاب کا عنوان نمازِ سفر ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے صرف سات ابواب میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور پھر سفر میں نفلی نماز کی مناسبت سے دو ابواب میں چاشت کے نوافل کا تذکرہ کیا، پھر سفر میں سُترہ رکھنے کی مناسبت سے تین ابواب میں یہی مسئلہ بیان کیا، چونکہ سُترہ آداب نماز میں شامل ہے اس لیے بعدازاں گیارہ ابواب میں مزید آداب اور شرائط نماز وغیرہ کو ذکر کیا اور آخر میں تین ابواب کے اندر نماز کے متعلقہ مختلف احکام ومسائل اور فضائل کی روایات کو جمع کیا۔

1- بَابٌ: الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ

حضر (حالتِ اقامت) اور سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں کُل سات روایات ہیں جن میں سے پانچ احادیث نبویہ، ایک موقوف روایت یعنی عملِ صحابی رضی اللہ عنہ اور ایک مقطوع روایت یعنی تابعی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے اور سب روایات سنداً صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ: ......جن نمازوں کو بعض مواقع پر جمع کیا جاتا ہے وہ صرف ظہر وعصر یا پھر مغرب وعشاء ہیں، ان کے علاوہ کوئی بھی دو نمازوں کو اکٹھا ادا کرنا متفقہ طور پر جائز نہیں ہے، یعنی فجر وظہر یا عصر اور مغرب یا عشاء وفجر کو اکٹھا کرنا قطعاً ناجائز ہے، البتہ قضاء کا مسئلہ مستثنیٰ ہے۔

مسئلہ جمع بَیْنَ الصَّلَاتَیْن

نمازوں کو جمع کرنے کی دوصورتیں ہیں: (1) جمع حقیقی اور (2) جمع صوری۔ اگر کسی ایک نماز کے وقت ہی میں اُس نماز کے ساتھ دوسری نماز کو بھی ملا لیا جائے تو یہ جمع حقیقی ہے، اس کی پھر دو قسمیں ہیں: (الف) اگر بعد والی نماز یعنی عصر کو یا عشاء کو پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کے وقت میں اُن کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو اسے جمع تقدیم کہتے ہیں بالفاظ دیگر بعد والی نماز کو مقدم کر کے جمع کرنا۔ (ب) اور اگر پہلی نماز کو بعد والی نماز کے وقت میں اُس کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے یعنی ظہر کو عصر کے ساتھ یا مغرب کو عشاء کے ساتھ پڑھا جائے تو اسے جمع تاخیر کہتے ہیں یعنی پہلی نماز کو مؤخر کر کے بعد والی کے ساتھ جمع کرنا......الغرض جمع تقدیم ہو یا جمع تاخیر یہ دونوں ہی جمع حقیقی ہیں کیونکہ واقعی اور حقیقت میں ایک نماز کو اس کے وقت سے نکال کر دوسری کے وقت میں جمع کر کے پڑھا جاتا ہے۔

جمع کی دوسری قسم ''جمع صوری'' ہے۔ اس جمع میں کوئی بھی نماز اپنے وقت سے نہیں نکالی جاتی لیکن جب انھیں پڑھا جاتا ہے تو جمع کی صورت اور شکل بن جاتی ہے، اس کا طریق کار یہ ہے کہ پہلی نماز مثلاً مغرب کو لیٹ کر لیا جائے، یہاں تک کہ جب اس کا وقت صرف اتنا سا باقی رہ جائے کہ نماز مغرب ہی ادا ہو سکے اور اس سے فارغ ہو کر عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھا جائے۔ اس طرح ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کیا گیا ہے لیکن چونکہ کوئی بھی نماز اپنے وقت سے نہیں نکلتی اس لیے اسے صرف ''جمع صوری'' کہتے ہیں۔ الغرض اس میں پہلی نماز اپنے وقت کے اخیر میں اور دوسری نماز اپنے وقت کے بالکل آغاز میں پڑھی جاتی ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ کس کس نماز میں کون سا طریقہ جائز ہے اور کون کون سے مواقع پر نمازیں جمع کر سکتے ہیں، تو اس بارے میں فقہاء کا بعض صورتوں پر اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف، چنانچہ ''جمع صوری'' سب کے نزدیک ہر وقت جائز ہے، خواہ حَضَر ہو یا سفر، بارش ہو یا بیماری، کوئی بھی عُذر ہو یا نہ ہو۔ بلکہ مستحاضہ عورت (اور اسی جیسا حکم رکھنے والے دوسرے مریض جو اکیلے نماز پڑھتے ہیں، ان) کے لیے تو جمع صوری کرنا نہایت مستحب ہے، اور نبی کریم ﷺ سے بھی مدینہ منورہ میں بغیر کسی عُذر کے اس طریقے سے نمازیں پڑھانا ثابت ہے، اور تحقیق بھی یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے سفر کے علاوہ جتنی بھی نمازیں جمع کرنے کی احادیث منقول ہیں، اُن میں یہی جمع صُوری کا طریقہ اختیار کیا گیا، جس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔ رہا جمع حقیقی (یعنی دونوں نمازوں کو تقدیم یا تاخیر کے طریقے سے کسی ایک نماز کے وقت میں پڑھنے) کا مسئلہ تو اس حوالے سے علماء وفقہاء کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں نو ذوالحج کو امام کے خطبہ حج کے فوراً بعد ظہر وعصر کو ظہر ہی کے وقت میں جمع کیا جائے گا اور جمع حقیقی کی یہ قسم جمع تقدیم کہلاتی ہے اور اس کے بعد والی دو نمازیں یعنی ذوالحج کی دسویں رات کی مغرب وعشاء کو میدان عرفات سے نکل کر واپس میدانِ مُزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے وقت میں جمع کر کے پڑھا جائے گا اور یہ جمع حقیقی کی دوسری قسم ہے، جمع تاخیر ہے، اس پر تو اتفاق ہے۔

باقی جو کچھ بھی اختلاف ہے وہ اسی جمع حقیقی ہی کے متعلق ہے، احناف میدانِ عرفات ومزدلفہ کی نمازوں کے سوا کسی بھی صورت میں اس کے قائل نہیں ہیں، نہ سفر میں اور نہ بارش وسردی میں، امام احمد ؒ کے نزدیک سفر ہو یا مرض یا بارش، ہر صورت میں جمع حقیقی کرنا جائز ہے خواہ دن ہو یا رات (بعض فقہاء ہر عذر میں اسے جائز سمجھتے ہیں)، امام شافعی ؒ کے مشہور قول کے مطابق سفر میں اور بارش میں جمع حقیقی کرنا جائز ہے، دن میں بھی اور رات میں بھی، جبکہ امام مالک ؒ کے مختلف اقوال میں سے مشہور یہ ہے کہ سفر میں تو دن ہو یا رات، یہ جمع کرنا جائز ہے لیکن حَضَر میں صرف بارش کے موقع پر صرف مغرب وعشاء میں جمع حقیقی درست ہے ...... الغرض امام احمد ؒ، امام شافعی ؒ اور امام مالک ؒ کا سفر میں جمع حقیقی کرنے کے متعلق اتفاق ہے، اور حَضَر میں اختلاف ہے، چنانچہ امام مالک ؒ صرف بارش میں رات کی نمازوں میں اجازت دیتے ہیں، امام شافعی ؒ صرف بارش میں دن رات دونوں کی نمازوں میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور امام احمد ؒ بارش میں بھی اور بیماری میں بھی دن رات کی نمازوں میں اس کی اجازت دیتے ہیں۔

راجح موقف: ہمارے نزدیک راجح موقف یہ ہے کہ جمع صُوری تو جائز ہے خواہ عُذر ہو یا نہ ہو، البتہ جمع حقیقی سفر کے علاوہ بالکل جائز نہیں ہے جس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

(1) سفر کے علاوہ نمازوں کو جمع کرنے کے متعلق جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے جس سے لوگ جمع حقیقی کی دلیل لیتے ہیں، حالانکہ اس روایت کے راویوں مثلاً حضرت ابن عباس ؓ کے شاگرد ابو الشعثاء وغیرہ نے اس حدیث میں یہ وضاحت بھی کی ہے: اَخَّـرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ وَاَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَعَجَّلَ الْـعِشَاءَ ۔ ''آپ ﷺ نے ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو جلدی کیا، اور (اسی طرح) مغرب کو لیٹ کیا اور عشاء کو جلدی کیا۔'' (مسلم: 705/ 55) اور یہ الفاظ جمع صُوری کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں...... اسی طرح ایک روایت میں خود حضرت ابن عباس ؓ سے یہ وضاحت موجود ہے کہ انھوں نے مغرب کو مؤخر کیا تھا اور پھر یہ حدیث سنائی تھی۔ (مسلم: 705/ 57، 58)، (2) نمازوں کو جمع کرنا سہولت کے لیے ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: اَرَادَ اَنْ لَّا يُحْرِجَ اَحَداً مِنْ اُمَّتِهٖ ''آپ ﷺ نے چاہا کہ اپنی امت میں سے کسی کو تنگی میں نہ ڈالیں۔'' (مسلم: 705/ 50، 51) لیکن شرعی سہولت کی ایک حد ہوتی ہے، اپنی مرضی سے اُس میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا، رسول اللہ ﷺ نے مستحاضہ عورت کو بھی نمازیں جمع کرنے کی سہولت سے نوازا ہے لیکن صرف جمع صُوری کی اجازت دی، حالانکہ نمازوں کو جمع صُوری کے ساتھ پڑھنے کے لیے نمازوں کے اوقات کا آغاز واختتام ملحوظ رکھنا پڑتا ہے جسے معلوم کرنا اگرچہ کچھ دقّت طلب کام ہے، لیکن چونکہ شرعی سہولت ایک خاص حد تک تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صرف جمع صوری کی اجازت دی، اگر سفر کے علاوہ بھی جمع حقیقی کرنے کی اجازت ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس عورت کو جمع صُوری تک محدود نہ رکھتے بلکہ جمع حقیقی کی تلقین کر دیتے۔

(3) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء 103:4)
''بے شک مومنوں پر مقررہ وقتوں میں نماز فرض ہے۔'' یہ قرآن مجید کی نصِّ قطعی ہے، نمازوں کو اپنے اپنے اوقات میں پڑھنا فرض ہے، اگر اس سے کچھ صورتوں کو مستثنیٰ قرار دینا ہے تو اس کے لیے صریح نصوص اور واضح دلائل درکار ہیں، چنانچہ میدانِ عرفات ومزدلفہ میں اور سفر میں نمازوں کو جمع حقیقی کے ساتھ پڑھنا صحیح وصریح احادیث سے ثابت ہے جبکہ حضر میں اس کی کوئی بھی واضح دلیل نہیں ہے۔

(4) نیز اگر حضر میں بھی ہر کسی کو بارش، سردی، بیماری جیسے عذر یا بغیر عُذر کے جمع حقیقی کی عام اجازت مل جائے تو پھر یہ گزشتہ آیت تو بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے، یاد رہے کہ عُذر کے موقع پر جمع حقیقی کا فتویٰ دینے والے علماء جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ بغیر عذر کے نمازیں جمع کرنے کے متعلق ہے، بہر حال جب ہر کسی کو اجازت مل گئی تو پھر مقررہ وقتوں میں نماز پڑھنے کی فرضیت کو ساقط اور منسوخ ماننا پڑے گا اور یقیناً کسی کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

(5) ہمارے علاقوں میں عموماً بارش یا شدید سردی ودُھند میں نمازوں کو جمع حقیقی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور اس کی دلیل میں ایک حدیث پیش کر کے اس سے مفہوم نکالا جاتا ہے، حدیث یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ غَيْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ ''رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو بغیر کسی خوف اور بغیر کسی بارش کے جمع کیا۔'' (مسلم: 705/ 54) ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: فِيْ غَيْرِ خَوْفٍ وَّلَا سَفَرٍ ''بغیر کسی خوف اور بغیر کسی سفر کے'' (مسلم: 705/ 49) یہ روایت امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی ذکر کی ہے...... دو نمازوں کو ایک ہی نماز کے وقت میں جمع کرنے کے جواز کا فتویٰ دینے والے اس حدیث سے یوں دلیل پکڑتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے عُذر کے بغیر نمازوں کو جمع کر لیا تو عُذر کی صورت میں تو یہ بالا ولیٰ جائز ہے اور جو کام بغیر عُذر کے ہو سکتا ہے وہ عُذر کے موقع پر ہونے کا زیادہ حق رکھتا ہے......حالانکہ......

(1) حدیث کے الفاظ کو اور ان کے ظاہر کو منطوق کہتے ہیں اور اس سے کیے جانے والے استدلال کو مفہوم کہتے ہیں، تو تعجب ہے اُن علماء پر جو اس حدیث کے منطوق اور ظاہری معنیٰ پر اپنے موقف کے مطابق بھی کبھی عمل نہیں کرتے اور مفہوم نکال کر اس پر عمل کے فتوے جاری کرتے ہیں، بغیر عُذر کے اس پر کبھی عمل نہیں کرتے اور عُذر کے موقع پر عمل کرتے ہیں......اوّل تو اس حدیث میں جمع سے مراد ہی جمع صُوری ہے جیسا کہ مسلم شریف (705/ 55، 57، 58) میں اس کی وضاحت ہے، لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ اس حدیث سے مراد جمع حقیقی ہے تو سوال یہ ہے کہ حدیث میں تو بغیر عُذر کے جمع کرنے کی سنت کا بیان ہے اس پر تو پہلے عمل کرو، ایسا تو کرتے نہیں ہو اور حدیث سے خود ساختہ استدلال کر کے عُذر کے ساتھ جمع کا فتویٰ دیتے ہو۔

(2) حالانکہ نبی کریم ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں بار بار یہ عذر پیش آتے رہے لیکن پورے ذخیرہ حدیث میں کسی ایک میں بھی بوجہ عذر نمازیں اکٹھی کرنا ثابت نہیں ہوسکا۔ (3) امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتابُ الْعِلَل کے بالکل آغاز میں بتایا ہے کہ اس حدیث پر کسی نے آج تک عمل نہیں کیا، یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے جمع حقیقی کے معنیٰ لے کر مفہوم نکالتے ہیں اور اس مفہوم پر عمل کر لیتے ہیں لیکن الفاظ پر کبھی بھی کسی بھی اہل علم نے عمل نہیں کیا۔

(4) پھر یہ سہولت پسند لوگ مغرب کے ساتھ عشاء تو پڑھ لیتے ہیں لیکن کبھی بھی عشاء کے ساتھ مغرب کو مؤخر کر کے نہ جمع کرتے ہیں اور نہ اس کا فتویٰ دیتے ہیں حالانکہ وہ بھی جمع حقیقی میں شامل ہے اور (5) کبھی ظہر وعصر میں ایسا نہیں کرتے۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ محض تن آسانی کے لیے یہ سلسلہ شروع ہوا اور علماء کمزور استدلال سے سہارا لینے پر مجبور ہوئے، حالانکہ نبی کریم ﷺ سے اس کے متبادل بہترین قسم کی سہولیات اور تخفیفات ثابت ہیں، چنانچہ ایک تو جمع صوری کی متفقہ ثابت شدہ سہولت ہے اور دوسرا چونکہ بارش اور سخت سردی میں عموماً یہ مسئلہ کھڑا ہوتا ہے تو وہاں رسول اللہ ﷺ کی مبارک سنت یہ ہے کہ مؤذن اپنی اذان میں اَلا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ (اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو) کہہ دیا کرے۔ (بخاری: 616، 632، مسلم: 697-699)

[326] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنِ الأَعْرَجِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، فِي سَفَرِهِ إِلَى تَبُوكَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تبوک کی طرف اپنے سفر میں ظہر وعصر کو جمع فرمایا کرتے تھے۔

فائدہ: ......اسی طرح مغرب وعشاء کو بھی اکٹھا کر لیتے تھے جیسا کہ آگے آنے والی روایت میں اس کا بھی تذکرہ آ رہا ہے، احناف چونکہ سفر میں جمع حقیقی کے قائل نہیں ہیں، اس لیے وہ ان روایات کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں یا پھر وہ کہتے ہیں کہ چونکہ نمازیں وقتوں میں فرض ہیں اور یہ فرضیتِ اوقات نصِّ قرآنی، سنتِ نبوی اور اجماع سے قطعی طور پر ثابت ہے اس لیے خبر واحد کے ساتھ نمازوں کو ان کے اوقات سے نہیں نکالا جاسکتا کیونکہ خبرِ واحد، قطعی دلیل کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

حنابلہ، شافعیہ اور مالکیہ نے اس فرعی مسئلے میں اگر افراط سے کام لے کر حضر میں بھی ہر موقع پر یا بعض مواقع پر جمع حقیقی کی اجازت دی تو حنفیہ نے تفریط سے کام لیتے ہوئے سفر میں اس کا انکار کر دیا، حالانکہ سفر میں جمع حقیقی پر دلالت

326۔(صحیح) عبدالرزاق: 2/ 545، التمهيد لابن عبدالبر: 2/ 337۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

کرنے والی احادیث بخاری ومسلم تک میں موجود ہیں اور نبی کریم ﷺ سے صراحت ووضاحت سے ثابت ہیں ،سفر میں نمازوں کوجمع کرنے سے مرادجمع صُوری لینے کی تردید میں تو یہ حدیث مبارکہ ہی کافی ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ارْتَحلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَاِلىٰ اَنْ يَّدْخُلَ وَقْتُ الْعَصْرِ ثُـمَّ نَـزَلَ فَـجَـمَعَ بَيْنَهُمَا ، فَاِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ ''رسول اللہ ﷺ جب سورج ڈھلنے (یعنی ظہر کا وقت شروع ہونے) سے پہلے سفرشروع کرتے تو ظہر کومؤخر کردیتے یہاں تک کہ عصر کا وقت داخل ہوجاتا ، پھر آپ ﷺ پڑاؤ ڈالتے اور دونوں نمازوں کوجمع فرماتے ، اور اگر کُوچ کرنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو پہلے نمازِظہر پڑھتے پھرسوار ہوجاتے۔''(بخاری:1111 ، مسلم: 704) ظہر کوعصر کے وقت میں لے جانا جمع حقیقی ہےاوراس صورت کوجمع تاخیر بھی کہتے ہیں۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بلوغ المرام (حدیث :426) میں لکھتے ہیں کہ مستدرک حاکم کی ایک صحیح روایت میں اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ثابت ہیں: صَـلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ ثُـمَّ رَكِـبَ ''آپ ﷺ ظہروعصرکو(سورج ڈھلنے کے بعدظہر کے وقت میں) پڑھ لیتے پھرسوار ہوتے۔''اورابونُعَیم رحمہ اللہ کی مُسْتَخْرَجِ مُسْلِم ''میں یہ الفاظ ثابت ہیں:كَانَ اِذَا كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَزَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ وَ الْعَصْرَ جَمِيْعًا ثُمَّ ارْتَحَلَ ''آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ سفر میں ہوتے اورسورج ڈھل جاتا تو ظہر وعصر کواکٹھا پڑھتے ، پھرکوچ فرماتے تھے۔''

اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ''آپ ﷺ سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو ظہر کوعصر کے وقت میں پڑھتے اوراگر سفرشروع کرنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہروعصرکو(ظہر کے وقت میں) پڑھ کرسفرشروع فرماتے اوراسی طرح سورج غروب ہونے (وقتِ مغرب شروع ہونے) سے پہلے سفرشروع فرماتے تو مغرب کوعشاء کے ساتھ (عشاء کے وقت میں) پڑھتے اور جب سفرشروع کرنے سے پہلے سورج ڈوب چکا ہوتا تو عشاء کومغرب کے ساتھ ہی (مغرب کے وقت میں) پڑھ لیتے۔''(ابوداود:1220 ، ترمذی: 553 ۔اس کی سندصحیح ہے۔)الغرض رسول اللہ ﷺ دورانِ سفرجمع حقیقی کی دونوں شکلوں پرعمل کرتے ،کبھی جمع تقدیم کرتے اور بعد والی نماز کو پہلی کے ساتھ پڑھ لیتے اورکبھی جمع تاخیر کرتے ہوئے پہلی نماز کو بعد والی کے وقت میں لے جاتے ، نیز حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اس صحیح وصریح روایت سے امام ابن حزم رحمہ اللہ کی بھی تردید ہوگئی جوسفر میں جمع تاخیر کے قائل نہیں ہیں۔

احناف کے معتبر عالم شیخ عبدالحئی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ موطا امام محمد کے حاشیے میں رقمطراز ہیں :(یادرہے کہ موطا امام محمد رحمہ اللہ دراصل موطا امام مالک رحمہ اللہ ہی ہے ، جسے امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے جو کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بھی شاگرد ہیں ، بہرحال مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :) ہمارے احناف بھائیوں نے اسے جمع صُوری پر محمول کیا ہےلیکن مجھے علم نہیں کہ ان روایات کا کیا کِیا جائے جونہایت وضاحت سے بتاتی ہیں کہ یہ جمع کرنا وقت گزرنے

کے بعد تھا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ میں ہے، پھر اگر یہ تاویل کی جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صحیح پتا نہ چلا ہو گا اور انھوں نے وقت نکلنے (ختم ہونے) سے پہلے ہی یہ سمجھ لیا کہ (ظہر کا) وقت ختم ہو چکا ہے تو یہ بات اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعید ہے جو پوری وضاحت سے بات کر رہے ہیں اور اگر ان روایات کی سندوں میں کمزوری ثابت کی جائے تو یہ تو بہت ہی زیادہ بعید ہے اور اگر کہا جائے کہ یہ روایات اُن احادیث کے مُعارض ہیں جن میں جمع صُوری کی وضاحت ہے تو یہ بات سب سے زیادہ بعید (از عقل) ہے کیونکہ ان میں تو تطبیق ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف طریقے اختیار کیے بلکہ یہ تطبیق ہی ظاہر بات ہے۔ (اَلتَّعلیقُ المُمَجَّد حاشیہ موطاامام محمد رحمہ اللہ :ص 129)

رہا یہ اعتراض کہ یہ احادیث آیت قرآنی اور دلائل قطعیہ کے خلاف ہیں اور خبر واحد ہیں تو یہ اعتراض ہی سراسر غلط اور محض معارضہ آرائی ہے کیونکہ (1) احادیث سفر کے ساتھ خاص ہیں اور آیتِ قرآنی عام ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ عام اور خاص کا باہم تعارض نہیں ہوتا۔ (2) احناف نے مزدلفہ اور عرفات کے میدانوں میں پڑھی جانے والی نمازوں کو بھی تو خاص اور مستثنیٰ تسلیم کیا ہے، لہٰذا دوسری احادیث نبویہ نے سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کو بھی مستثنیٰ اور خاص کر دیا ہے۔ (3) یہ خبر واحد ہے تو کیا ہوا؟ جب تم نے یہ مان لیا کہ یہ حدیث یقیناً ثابت ہے خواہ خبر واحد ہی سہی تو اب محض اپنے مسلک اور تقلید کے دائرے میں جمود و تعصب اختیار کرتے ہوئے اس حدیث کو بے کار اور ناقابل عمل سمجھنا کہاں کا انصاف ہے اور اس سنتِ نبویہ کو ٹھکرانا کہاں کا اسلام ہے؟ (4) یہ سفر میں جمع حقیقی کر کے نمازیں پڑھنے کا مسئلہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، مثلاً حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (بخاری:1111 ، مسلم : 704) ،حضرت معاذ رضی اللہ عنہ (ابو داود: 1220 ، ترمذی: 553- سند صحیح ہے، نیز دیکھیے موطا امام مالک: 327 ، مسلم: 706) ،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (مسلم:705/ 51) ،حضرت علی رضی اللہ عنہ (زیادات مسند احمد :1/ 136۔اس کی سند صحیح ہے)،حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (مسلم:703/ 43) ،حضرت جابر رضی اللہ عنہ (ابوداود: 1215 ، 1216، نسائی : 549) اور بقول امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ۔(ترمذی:553)

اتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو مسئلہ ثابت ہواُسے خبر واحد کہہ کر ٹھکرانا بہت بڑی ناانصافی ہے، یہ مسئلہ تو متواتر کے قریب قریب پہنچ گیا ہے، متواتر نہ بھی ہو پھر بھی اسے یقیناً خبر مشہور کا درجہ دیا جائے گا اور خبر مشہور اگرچہ خبر واحد ہی کی قِسم ہے لیکن احناف نے بے شمار مسائل میں خبر مشہور کے ساتھ قرآنی آیات کے مفہوم میں تخصیص، استثناء اور زائد مفہوم مراد لیا ہے مثلاً پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ و بھانجی کا ایک ہی مرد کے نکاح میں بیک وقت اکٹھے ہونے کی ممانعت کا مسئلہ۔

[327] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ حضرت معاذ بن جَبَل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً وہ

[327] (صحيح) سنن دارمی : 226/6، رقم : 1636، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، رقم : 706 و كتاب الفضائل، باب (3) معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم : 5947.

الْمَكِّيِّ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ، أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُمْ خَرَجُوا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ تَبُوكَ، فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، قَالَ: فَأَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْماً، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعاً، ثُمَّ دَخَلَ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيعاً، ثُمَّ قَالَ: إِنَّكُمْ سَتَأْتُونَ غَداً إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَيْنَ تَبُوكَ، وَإِنَّكُمْ لَنْ تَأْتُوهَا حَتَّى يَضْحَى النَّهَارُ، فَمَنْ جَاءَ هَا فَلَا يَمَسَّ مِنْ مَائِهَا شَيْئاً، حَتَّى آتِيَ فَجِئْنَاهَا وَقَدْ سَبَقَنَا إِلَيْهَا رَجُلَانِ، وَالْعَيْنُ تَبِضُّ بِشَيْءٍ مِنْ مَاءٍ، فَسَأَلَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هَلْ مَسِسْتُمَا مِنْ مَائِهَا شَيْئاً؟ فَقَالَا: نَعَمْ. فَسَبَّهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَقَالَ لَهُمَا مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ، ثُمَّ غَرَفُوا بِأَيْدِيهِمْ مِنَ الْعَيْنِ قَلِيلاً قَلِيلاً حَتَّى اجْتَمَعَ فِي شَيْءٍ، ثُمَّ غَسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِيهِ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ أَعَادَهُ فِيهَا، فَجَرَتِ الْعَيْنُ بِمَاءٍ كَثِيرٍ، فَاسْتَقَى النَّاسُ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يُوشِكُ يَا مُعَاذُ إِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ، أَنْ تَرَى هَا هُنَا قَدْ مُلِئَ جِنَاناً.

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوہ تبوک کے سال (9ھ میں سفر جہاد) میں نکلے، تو رسول اللہ ﷺ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو اکٹھا کرتے رہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے نماز کو مؤخر کیا، پھر آپ باہر تشریف لائے، پھر آپ نے ظہر اور عصر اکٹھی پڑھائی، پھر (خیمے وغیرہ میں) چلے گئے، پھر تشریف لائے اور مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھائی، پھر فرمایا: ''بلاشبہ تم کل جلد ہی تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، ان شاء اللہ۔ چنانچہ تم اس تک ہرگز نہیں پہنچ سکو گے یہاں تک کہ دن چڑھ جائے (اور دن کا سورج خوب بلند ہو جائے) تو (تم میں سے) جو کوئی (ہم سے پہلے) اس پر پہنچ جائے تو وہ اس میں سے ہرگز کچھ بھی نہ چھوئے یہاں تک کہ میں آجاؤں۔'' (حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے) کہا کہ (جب) ہم اس تک پہنچے تو (ہم سے پہلے ہی) دو آدمی اس پر (پہنچ چکے تھے اور) سبقت لے جا چکے تھے اور (تبوک کا) چشمہ تھوڑے سے پانی کے ساتھ چمک رہا تھا، (اس کا پانی سورج کی شعاعوں سے چمک رہا تھا یا وہ تھوڑا تھوڑا بہہ رہا تھا) رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے دریافت فرمایا: ''کیا تم نے اس کے پانی کو چھوا (اور ہاتھ لگایا) ہے؟'' انھوں نے کہا کہ جی ہاں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو (سرزنش کی اور) برا بھلا کہا اور جو اللہ کو منظور تھا اُن سے کہہ دیا، پھر لوگوں نے چشمے سے اپنے ہاتھوں کے ساتھ تھوڑا تھوڑا پانی چلوؤں کی شکل میں نکالا یہاں تک کہ کچھ پانی کسی چیز (یعنی کسی برتن) میں جمع ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس (برتن) میں اپنا چہرہ اور ہاتھ مبارک دھوئے، پھر اُس (پانی) کو اس (چشمے) میں دوبارہ ڈال دیا، چنانچہ وہ چشمہ بہت وافر پانی کے ساتھ بہنے لگا، تو لوگوں نے اس سے (اپنی اپنی ضرورت کے مطابق) پانی لیا (اور پیا اور پلایا اور ذخیرہ کرلیا)، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے معاذ! ممکن ہے کہ اگر تمھاری زندگی لمبی

ہوئی تو تم دیکھو گے کہ (اس جگہ کا) یہ پانی باغات کو بھرا کرے گا۔''

فائدہ :...... یہ حدیث مبارکہ عظیم معجزۂ پیغمبر ﷺ بیان کر رہی ہے، نیز آپ ﷺ کی پیشین گوئی بھی علاماتِ نبوت میں سے ہے، جب وہ پوری ہوئی تو یہ آپ ﷺ کی صداقتِ نبوت کی دلیل بن گئی، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو خاص کرنے میں بھی پیش گوئی تھی جنھوں نے بعد میں ملک شام ہی کے علاقے کو اپنا مسکن بنالیا تھا اور تادمِ آخر وہیں رہے، یقیناً رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ علم ہوا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ضرور اس جگہ کو دیکھیں گے...... ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''ابن وضّاح'' نے بتایا کہ میں نے خود بھی وہ جگہ دیکھی، اس چشمے کے اردگرد سر سبز باغات ہی باغات تھے اور ہوسکتا ہے کہ وہ قیامت تک باقی رہیں۔ (زرقانی) ''تبوک'' ملک شام کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں رومیوں اور غسانیوں کی فوج مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے لیے جمع ہو رہی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کے سفر جہاد ہی سے اُن پر رُعب طاری ہو گیا اور وہ آپ ﷺ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے...... امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث میں چونکہ یہ وضاحت نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان نمازوں کو جمع صُوری کے ساتھ پڑھا تھا یا جمع حقیقی کے ساتھ، اس لیے احناف یہاں احتمالات کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور جن روایات میں وضاحت ہے وہاں خاموشی سے گزر جاتے ہیں یا پھر تاویل کر کے جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

[328] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا عَجِلَ بِهِ السَّيْرُ، يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.	نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو چلنے کی جلدی ہوتی تو آپ ﷺ مغرب وعشاء کو جمع کر لیتے تھے۔

فائدہ :...... احناف اسے بھی جمع صُوری پر محمول کرتے ہیں حالانکہ صحیح مسلم کی روایت میں نہایت وضاحت سے یہ الفاظ بھی اس روایت میں موجود ہیں: بَعْدَ اَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ ''(ابن عمر رضی اللہ عنہما) شَفَق (غروبِ آفتاب کے بعد آسمان کے کنارے پر نظر آنے والی سرخی جس کے ختم ہونے پر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے،) کے غائب ہو جانے کے بعد (مغرب وعشاء اکٹھی کر کے پڑھتے)'' اور پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما دلیل کے طور پر نبی کریم ﷺ کا یہی عمل بیان کرتے۔ (مسلم: 703/ 43، ابوداود: 1212)...... موطا کی مذکورہ حدیث سے بعض علماء مثلاً (ایک قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ اور) امام لیث رحمہ اللہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جمع کرنا صرف اس شخص کے لیے جائز ہے جسے سفر کی تیزی

[328] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب التقصير، باب تصلى المغرب ثلا ثا فى السفر، حديث: 1091، 1092، 1106، 1109، 1805، 3000، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب جواز الجمع بين الصلاتين فى السفر، حديث: 703، ابوداود: 1207، ترمذى: 555، نسائى: 599، احمد: 2/ 4 (4472)، دارمى: 1517.

کا معاملہ درپیش ہو......لیکن گزشتہ حدیثِ معاذ رضی اللہ عنہ اس کا ردّ کرتی ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر میں پڑاؤ کرنے اور خیمے میں داخل ہونے اور نکلنے کا ذکر ہے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو سفر کے لیے چل رہے تھے اور نہ ہی جلدی میں تھے، دراصل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سفر کے دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس حالت میں جمع کرتے دیکھا اُسے بیان کر دیا، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی اور حالت میں نمازیں جمع کرنا جائز نہیں، بلکہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ احادیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو شخص جب تک مسافر ہے، تو خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہو، چل رہا ہو یا کہیں پڑاؤ کیے ہوئے ہو وہ جمع حقیقی کر سکتا ہے......اس حدیث مبارکہ سے صرف ایک خاص صورت میں نمازیں جمع کرنے کے قائلین کا ردّ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی "کتاب الْاُمّ" میں اور ابن عبدالبر نے بھی "التمھید" میں کیا ہے۔

[329] حَـدَّثَـنِـی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِی الزُّبَيْرِ الْـمَكِّیِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰه بْـنِ عَبَّـاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰه ﷺ الـظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعاً، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيعاً، فِی غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا سَفَرٍ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر وعصر بھی اکٹھی پڑھائیں اور مغرب و عشاء بھی، (اور ان کو) بغیر کسی خوف اور بغیر کسی سفر کے (جمع فرمایا)۔

فائدہ: ......لیکن امام مالک رحمہ اللہ کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ دوسری روایات میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ بارش کا عذر بھی نہیں تھا......چونکہ ایک روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہی میں یہ نمازیں جمع کیں۔ (مسلم:705/4) اس لیے امام مالک رحمہ اللہ نے اس روایت سے حضر میں بھی جمع حقیقی مراد لے کر بارش میں نمازیں جمع کرنے کو جائز رکھا ہے، لیکن (1) اسی روایت میں یہ لفظ بھی موجود ہے: فِـیْ غَيْـرِ خَوْفٍ وَلَا مَـطَرٍ "نہ خوف تھا نہ بارش تھی" (مسلم:705/4، ابوداود: 1211، ترمذی: 187، نسائی:603) لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ بارش میں ایسا ہوا، قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ (2) امام مالک رحمہ اللہ بارش میں بھی صرف مغرب وعشاء کو جمع حقیقی سے پڑھنے کے قائل ہیں جیسا کہ فقہ مالکی کی کتابوں میں موجود ہے، حالانکہ اس حدیث میں تو ظہر وعصر کا بھی ذکر ہے۔ (3) دراصل بات یہ ہے کہ اس حدیث میں جمع حقیقی مراد ہی نہیں بلکہ جمع صُوری مراد ہے، جیسا کہ اس باب کے آغاز میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

---

[329] (صحیح) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر، حدیث: 705، سنن ابی داود، کتاب صلاۃ السفر، باب الجمع بین الصلاتین، حدیث: 1210، ترمذی: 187، نسائی: 602، احمد: 1/ 223۔

[330] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ إِذَا جَمَعَ الأُمَرَاءُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي الْمَطَرِ، جَمَعَ مَعَهُمْ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب (حکمران طبقے والے) اُمراء (گورنر اور حکومتی عہدیدار) مغرب وعشاء کو بارش کے موقع پر جمع کرتے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ (یہ نمازیں) جمع کر لیتے۔

فائدہ: ......فقہائے مدینہ اور احناف اور بعض اہل حدیث کے علاوہ باقی تمام فقہاء اور جمہور اسی کے قائل ہیں کہ بارش میں مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھ لی جائے، لیکن ہماری تحقیق کے مطابق یہ درست نہیں، کیونکہ یہ عمل نبی کریم ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں، تفصیل کے لیے اس باب کے آغاز میں مذکور بحث ملاحظہ کیجیے۔

[331] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّهُ سَأَلَ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ هَلْ يُجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السَّفَرِ. فَقَالَ: نَعَمْ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ، أَلَمْ تَرَ إِلَى صَلَاةِ النَّاسِ بِعَرَفَةَ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا سفر میں ظہر وعصر کو جمع کیا جاسکتا ہے تو انھوں نے فرمایا: ہاں، اس میں کوئی حرج نہیں، کیا تم میدان عرفات میں لوگوں کی نماز کو نہیں دیکھتے، (کہ وہ ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں جمع کرتے ہیں اور سب مسافر ہوتے ہیں)۔

فائدہ: ...... دورانِ سفر میں ظہر وعصر بلکہ مغرب وعشاء کو بھی جمع کرنا صحیح وصریح دلائل سے ثابت ہے، تفصیل کے لیے پیچھے (روایت: 326) کا فائدہ ملاحظہ فرمائیے، یہ بات اپنی جگہ بجا ہے، لیکن میدانِ عرفہ کی نمازوں سے استدلال کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ان نمازوں کو قصر کر کے اور جمع کر کے پڑھنا حج کے مناسک میں شامل اور لازم ہے جبکہ دوسرے سفروں میں جمع کرنا واجب نہیں بلکہ محض جائز ہے، اسی طرح مکہ سے آنے والے حجاج کرام بھی یہ نمازیں قصر اور جمع ہی کرتے ہیں حالانکہ جس سفر میں قصر کرنے کا حکم ہے وہ مکہ کے رہائشی حاجیوں پر صادق نہیں آتا، کیونکہ کم از کم نو میل کا سفر ہو تو نماز قصر کی جاتی ہے جو کہ آج کل کے حساب سے بائیس کلومیٹر بنتے ہیں جبکہ مکہ سے عرفات کا فاصلہ بائیس کلومیٹر سے کم ہے، الغرض حاجی کا نمازیں جمع کرنا سفر کی وجہ سے نہیں بلکہ حج کا خاص طریقہ ہونے کی بنا پر ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[330] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 2/ 556 (4438)، بيهقى فى السنن الكبرى: 3/ 168، وفى معرفة السنن والآثار: 2/ 453 (1648)، ابن ابى شيبه: 2/ 234۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ علامہ البانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے ارواء الغليل: 3/ 41۔

[331] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 2/ 550 (4414)، بيهقى: 3/ 165، معرفةالسنن والآثار: 2/ 444 (1631)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[332] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسِيرَ يَوْمَهُ، جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسِيرَ لَيْلَهُ، جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

علی بن حسین رضی اللہ عنہ (المعروف حضرت زینُ العابدین) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب (سارا) دن چلتے رہنے کا ارادہ فرماتے تو ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھتے اور جب (ساری) رات چلتے رہنے کا ارادہ فرماتے تو مغرب وعشاء کو جمع کر لیتے۔

فائدہ: ...... ہر عالم وفقیہ اور مجتہد اپنی دیانت داری اور محنت سے جو نتیجہ اخذ کرتا ہے اُسے اس پر ضرور اجر ملتا ہے، اگر اللہ کے ہاں بھی اس کا فیصلہ وفتویٰ درست ہو تو اُسے دہرا اجر ملتا ہے ورنہ کم از کم ایک اجر تو ضرور نصیب ہوتا ہے۔ (بخاری: 7352) اور ہر کسی پر لازم ہوتا ہے کہ اپنی تحقیق کے بعد اس کے مطابق ہی عمل بھی کرے، لیکن یہ تو کسی طرح بھی درست نہیں کہ آنکھیں بند کر کے کسی اُمتی کے قول کو حرفِ آخر سمجھ کر اُس کے دفاع میں اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا جائے اور نہ یہ مناسب ہے کہ تعصب کی راہ پر چل کر اپنے خلاف نظر آنے والی ہر دلیل کو ٹھکرایا جائے اور نہ ہی یہ درست ہے کہ محض تن آسانی اور سہولت پسندی کے لیے کوئی موقف اختیار کیا جائے، ہم پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈریں اور ثابت شدہ فرمان پیغمبر ﷺ کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں، ہر کسی نے ایک دن اللہ کے حضور جواب کے لیے کھڑے ہونا ہے، لہٰذا ہر مسئلہ میں خلوص، محنت، دیانتداری اور پوری جدوجہد کے ساتھ تحقیق کیجیے اور پیغمبر ﷺ کی بات اور عمل سے بڑا کسی اور کو مت سمجھیے۔

2- بَابٌ: قَصْرُ الصَّلَاةِ فِي السَّفَرِ

سفر میں نمازِ قصر کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے ایک مرفوع یعنی حدیث نبوی ﷺ ہے اور دو موقوف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب روایات ہیں۔ اور سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ: ......قصر نماز سے مراد یہ ہے کہ دورانِ سفر چار رکعتی نماز کو کم کر کے اُس کی صرف دو رکعتیں ادا کی جائیں، اس کے حکم میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ایک قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ بھی اس کے وجوب کے قائل ہیں، بہت سے محققین اہل حدیث بھی اسی کے قائل ہیں، امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور بہت سے اہل حدیث کے نزدیک مسافر کو مکمل نماز پڑھنے یا اُسے قصر کرنے میں اختیار ہے البتہ قصر افضل ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ یہ سنتِ مؤکدہ ہے، حضرت عمر، ابن عمر، علی، جابر، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے اس کا وجوب ہی منقول ہے، شوکانی، ابن حزم، نواب صدیق حسن خان، خطابی، امیر صنعانی اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہم اللہ وغیرہ قصر کے وجوب کے قائل ہیں، یہی قول راجح ہے، اگرچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے دورانِ سفر نماز کو مکمل

[332] (صحیح لغیرہ) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔

پڑھنا بھی ثابت ہے۔(بخاری: 1090 ، مسلم: 685) لیکن نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دورانِ سفر نماز کو مکمل پڑھنا بالکل ثابت نہیں ہے، اس لیے اگر کوئی شخص قصر کو واجب نہ بھی کہے، پھر بھی اتباعِ رسول ﷺ کا تقاضا یہی ہے کہ سفر میں نماز دوگانہ ہی پڑھی جائے۔ واللہ اعلم۔

[333] حَـدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَـابٍ ، عَـنْ رَجُلٍ مِنْ آلِ خَالِدِ بْنِ أَسِيدٍ ، أَنَّـهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ، فَقَالَ : يَا أَبَا عَبْدِ الـرَّحْـمَـنِ إِنَّـا نَـجِدُ صَلَاةَ الْخَوْفِ وَصَلَاةَ الْحَضَرِ فِي الْقُرْآنِ ، وَلَا نَجِدُ صَلَاةَ السَّفَرِ ؟ فَـقَـالَ ابْـنُ عُـمَـرَ : يَا ابْنَ أَخِي ، إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَـلَّ بَـعَـثَ إِلَيْـنَا مُحَمَّداً ﷺ ، وَلَا نَـعْلَمُ شَيْئاً ، فَإِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَأَيْنَاهُ يَفْعَلُ .

خالد بن اَسید رحمہ اللہ کی اولاد میں سے ایک شخص (اُمَیّہ بن عبداللہ رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، کہا کہ اے عبدالرحمٰن! (یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے،) بے شک، ہم قرآن مجید میں نمازِ خوف کا اور نمازِ حضر کا تذکرہ تو پاتے ہیں، لیکن نمازِ سفر کا ذکر نہیں پاتے تو (پھر اسے پڑھتے کیوں ہیں؟) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ اے بھتیجے! یقیناً اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ہماری طرف مبعوث فرمایا، اُس وقت کہ جب ہم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، لہٰذا ہم تو اسی طرح کریں گے جس طرح ہم نے آپ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

فائدہ: ......قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں نمازِ قصر کا تذکرہ ہے: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (النساء 101:4) ''اور جب تم زمین میں چلو تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ نماز کو قصر کرلو، بشرطیکہ تمھیں یہ ڈر ہو کہ کافر تمھیں تکلیف پہنچائیں گے۔''

اس آیت میں اگرچہ شروع والے الفاظ سفر پر دلالت کرتے ہیں لیکن اُسے خوف کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے، حضرت یعلیٰ بن اُمَیّہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی آیت پڑھ کر سوال کیا کہ اب تو لوگ امن (اور بے خوفی) حاصل کر چکے ہیں (تو اب قصر کیوں جاری ہے؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے اس پر تعجب ہوا تھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: صَـدَقَةٌ تَـصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَا قْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ ۔ ''یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرمایا ہے، لہٰذا تم اس کا صدقہ قبول کرلو۔'' (صحیح مسلم: 686)

[333] (صـحيـح لـغيره) مسند احمد : 65/2- 66- شیخ سلیم الہلالی کہتے ہیں اگرچہ یہ سند ضعیف ہے لیکن یہ روایت موصول بیان ہوئی ہے۔ سـنن نسائی : 177/3، رقم : 1434، ابن ماجة، رقم : 1066- صـحيح ابن حبان (الإحسان) 301/4، رقم (1451)، 444/6، رقم : 2735، صحيح ابن خزيمة : 72/2، رقم : 946- محدث البانی نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[334] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ: فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ، وَزِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ.

زوجہ پیغمبر ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ حضر اور سفر میں دو دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں، پھر سفر کی نماز تو (اپنی حالت پر) برقرار رکھ دی گئی اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔

فائدہ: ......اس حدیث کے لفظ "فُرِضَتْ" سے بھی نماز قصر کا واجب یا فرض ہونا ثابت کیا گیا ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: فَرَضَ اللّٰهُ "اللہ نے (اس طرح) فرض کیا تھا۔" (مسلم:685/ 2)، قصر نماز کے وجوب وفرضیت کی ایک دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے: اَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ الصَّلَاةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ ﷺ عَلَى الْمُسَافِرِ رَكْعَتَيْنِ "بے شک اللہ نے تمھارے نبی کریم ﷺ کی زبان کے ذریعے مسافر پر نماز کی دو رکعتیں فرض کی ہیں۔" (مسلم: 687/6) ...... ہماری تیسری دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: فَكَانَ فِيمَا عَلَّمَنَا اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَمَرَنَا اَنْ نُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ "آپ ﷺ نے ہمیں جو باتیں سکھائیں اُن میں سے ایک یہ تھی کہ بے شک اللہ عزّ وجل نے ہمیں حکم دیا ہے کہ سفر میں دو رکعتیں پڑھیں۔" (نسائی: 548۔ اس کی سند صحیح ہے) چوتھی دلیل اوپر ذکر کی گئی روایت کے یہ الفاظ ہیں: فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ "اللہ کا صدقہ قبول کرو۔" (مسلم: 686) ان روایات میں اللہ تعالیٰ کے فرض کرنے یا پھر حکم دینے کا ذکر ہے اور یا نبی کریم ﷺ حکم فرما رہے ہیں، اور یہ (اَلْاَمْرُ لِلْوُجُوْبِ) (حکم واجب قرار دینے کے لیے ہوتا ہے) کے تحت قصر کو واجب قرار دیتی ہیں......سب سے اہم بات یہ کہ نبی کریم ﷺ نے ساری زندگی اسی قصر پر عمل فرمایا۔ (بخاری:1102، مسلم: 694) اگر سفر میں نماز کو پورا پڑھنا جائز ہوتا تو آپ ﷺ اس پر عمل کرتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی جو کیا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر راضی نہ ہوئے تھے اور تعجب کا اظہار کیا کرتے تھے۔ (بخاری: 1084، مسلم: 695) اور ویسے بھی انھوں نے منیٰ میں نماز کو پورا پڑھنا اس لیے شروع کیا تھا کہ بعض نومسلم بدوی لوگ حج کے موقع پر امام کو صرف دو، دو رکعتیں پڑھتے دیکھ کر ان نمازوں کو ہمیشہ ہی دو رکعتیں نماز سمجھ کر ادا کرتے رہے تو اس بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کیا۔

(فتح الباری، مرعاۃ، طحاوی)

---

[334] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء، حدیث: 350، 1090، 3935، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ المسافرین وقصرھا، حدیث: 685، ابوداود: 1198، نسائی: 456، احمد: 6/ 272، دارمی: 1509۔

موطا کی مذکورہ روایت جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے اس پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو یہ کہا کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہی تھی اور شروع سے اب تک برقرار ہے جبکہ اس نماز کا نام کچھ اور ہی بتاتا ہے۔ چنانچہ اس کا نام ہے ''نمازِ قصر''، جس کے معنیٰ ہیں ''کم کی ہوئی نماز'' اور قرآن میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ ''تم نماز کو کم کرلو۔'' (النساء 4:101) اس اشکال کا ایک یہ جواب دیا گیا ہے کہ آیت کا تعلق نمازِ خوف سے ہے نہ کہ نمازِ سفر سے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اسے مجازاً ''قصر'' کہتے ہیں، یعنی حقیقت میں تو یہ پہلے ہی کی طرح اپنی دو رکعتوں پر قائم ہے اور چار سے دو نہیں ہوئی، لیکن جب حضر کی نماز میں اضافہ ہوا تو اس کے مقابلے میں یہ کم رہ گئی اس لیے اسے کمی والی یعنی کم رکعات والی نماز کا نام دے دیا گیا۔

[335] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ لِسَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: مَا أَشَدَّ مَا رَأَيْتَ أَبَاكَ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ فِي السَّفَرِ؟ فَقَالَ سَالِمٌ: غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَنَحْنُ بِذَاتِ الْجَيْشِ، فَصَلَّى الْمَغْرِبَ بِالْعَقِيقِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ نے اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کو سفر کے دوران کس قدر زیادہ سے زیادہ نماز مغرب کو تاخیر سے پڑھتے ہوئے دیکھا تھا؟ تو سالم رحمہ اللہ نے کہا کہ (ایک دفعہ) سورج ڈوبا تو ہم ذات الجیش جگہ میں تھے، پھر (چھ یا سات میل یا بارہ میل دور جا کر) عقیق جگہ میں نماز مغرب ادا کی۔

فائدہ: ......''ذاتُ الجیش'' مدینہ منورہ سے 24 میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ روایت صرف اس مناسبت سے اس باب میں ذکر کی گئی ہے کہ جس طرح سفر، نمازِ قصر کا سبب ہے، اسی طرح سفر، نماز کو مستحب یا اصل وقت سے مؤخر کرنے کا بھی سبب ہے۔

3- بَابٌ: قَدْرُ مَا يَجِبُ فِيهِ قَصْرُ الصَّلَاةِ

اس مسافت کا بیان جس میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں سات روایات ہیں، سب ہی موقوف ہیں، اور ایک کے سوا تمام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے منقول ہیں، ان تمام آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سندیں بھی صحیح ثابت ہیں، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[335] (موقوف صحیح) بیھقی: 3/ 165، معرفة السنن والآثار: 2/ 450 (1643)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[336] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِراً، قَصَرَ الصَّلَاةَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب (مدینہ سے) حج یا عمرہ کرنے والے کی حیثیت سے نکلتے تو (مدینہ سے چھ یا سات میل دور) ذُوالحلیفہ مقام پر نماز کو قصر کرتے۔

فائدہ:......وہ یہ عمل صرف اور صرف اس لیے کرتے تھے کہ انھوں نے ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ مدینہ سے نکل کر ذُوالحُلَیفہ پہنچے تو نماز کا وقت ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قصر کی، ورنہ اپنے علاقے کے گھروں سے نکل کر کم از کم چھ یا سات میل دور جا کر ہی نماز کو قصر کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ جب کوئی آدمی کسی ایسے سفر پر جا رہا ہو جس میں نماز قصر کی جا سکتی ہو تو وہ اپنے علاقے کے گھروں سے نکلنے کے فوراً بعد بھی جہاں چاہے نماز قصر کر سکتا ہے، چنانچہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نافع رحمہ اللہ ہی نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حج وعمرہ کے علاوہ کسی سفر میں نکلتے تو مدینہ سے باہر آتے ہی قصر شروع کر دیتے تھے۔ (زرقانی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز چار رکعات ادا کرنے کے بعد سفرِ حج شروع کیا تو ذوالحُلَیفہ میں نماز عصر کو قصر کر کے پڑھا۔ (بخاری: 1551، مسلم: 690) چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت شوق تھا اس لیے وہ بھی حج وعمرہ کے سفر میں ذوالحلیفہ سے آغازِ قصر کرتے۔ الغرض یہ حدیث مبارکہ نہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اپنے علاقے سے چھ سات میل دور جا کر ہی آغازِ قصر کیا جائے کیونکہ یہ ایک اتفاقی امر تھا اور نہ اس بات کی دلیل ہے کہ صرف چھ سات میل تک کے سفر میں قصر ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تو سفرِ حج تھا اور ذوالحلیفہ پر تو پہلا پڑاؤ کیا گیا تھا۔

[337] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ رَكِبَ إِلَى رِيمٍ، فَقَصَرَ الصَّلَاةَ فِي مَسِيرِهِ ذَلِكَ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رِیم نامی جگہ کی طرف سواری پر سفر کیا تو انھوں نے اپنے اس سفر میں نماز کو قصر کیا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ نَحْوٌ مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رِیم (مدینہ منورہ سے) تقریباً چار برید کے فاصلے پر ہے۔

---

[336] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 530 (4324)، الشافعی فی الام: 7/ 253، معرفة السنن والآثار: 2/ 430۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[337] (موقوف صحیح) بیهقی: 3/ 136، عبدالرزاق: 2/ 525 (4301)، معرفة السنن والآثار: 2/ 419، الشافعی فی المسند: 1/ 356، وفی الآم: 1/ 183۔

فائدہ : ......ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ میں تین میل ہوتے ہیں یوں چار فرسخ میں بارہ میل ہوئے اور یہ ایک برید ہے، اور چار برید میں اڑتالیس میل (بیس کوس) بنتے ہیں۔

[338] حَـدَّثَـنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سَـالِـمِ بْـنِ عَبْـدِ الـلّٰه : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَكِـبَ إِلَى ذَاتِ النُّصُبِ، فَقَصَرَ الصَّلَاةَ فِی مَسِيرِهِ ذَلِكَ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سوار ہوکر "ذاتُ الـنُّـصُب" جگہ کی طرف گئے تو انھوں نے اپنے اس سفر میں نماز قصر کی۔

قَـالَ مَـالِكٌ : وَبَيْـنَ ذَاتِ الـنُّصُبِ وَالْمَدِينَةِ أَرْبَعَةُ بُرُدٍ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ اور ذاتُ النُّصب جگہ کے درمیان (بھی) چار برید کا فاصلہ ہے۔

[339] وَحَـدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْـنِ عُـمَـرَ : أَنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ إِلَى خَيْبَرَ فَيَقْصُرُ الصَّلَاةَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (مدینہ سے) خیبر کی طرف سفر کرتے تو نماز کو قصر کرتے تھے۔

فائدہ : ......مدینہ سے خیبر کا فاصلہ 96 میل ہے۔

[340] وَحَـدَّثَـنِـی عَـنْ مَـالِكٍ، عَـنِ ابْـنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰه : أَنَّ عَبْدَ اللّٰه بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ فِی مَسِيرِهِ الْيَوْمَ التَّامَّ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مکمل دن کے سفر (جیسی مسافت) میں نماز کو قصر کیا کرتے تھے۔

فائدہ : ......گرمیوں کے کسی لمبے دن میں تیز رفتاری کے ساتھ چلیں تو تقریباً چار برید یعنی اڑتالیس میل سفر طے ہوجاتا ہے (زرقانی)

[341] وَحَـدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

[338] (موقوف صحیح) الشافعی فی المسند: 1/ 356، وفی الآم: 1/ 183، ابن المنذر: 4/ 347، بیہقی: 3/ 136، عبدالرزاق: 2/ 525۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[339] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 523 (4294)، بیہقی: 3/ 136۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[340] (موقوف صحیح) ابن المنذر فی الاوسط: 3/ 348 (2263)، بیہقی: 3/ 136، عبدالرزاق: 2/ 525 (4300)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[341] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 523 (4295)، الشافعی فی الام: 1/ 183، وفی المسند: 1/ 356 (527)، بیہقی: 3/ 137، معرفة السنن والآثار: 2/ 419 (1581)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

كَانَ يُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْبَرِيدَ، فَلَا يَقْصُرُ الصَّلَاةَ.

کے ساتھ ایک برید یعنی چار میل کا سفر کرتے تو وہ نماز قصر نہیں کرتے تھے۔

[342] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ، فِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ، وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ، وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَجُدَّةَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مکہ وطائف کے درمیانی فاصلے، مکہ وعسفان کی درمیانی مسافت اور مکہ وجدہ کے درمیانی فاصلے کے برابر سفر میں نماز کو قصر کیا کرتے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ أَرْبَعَةُ بُرُدٍ، وَذٰلِكَ أَحَبُّ مَا تُقْصَرُ إِلَيَّ فِيهِ الصَّلَاةُ.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بھی چار برید (سفر) ہے، یعنی اڑتالیس میل۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہی (اڑتالیس میل کی) مسافت (والا قول) سب سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ جس میں آدمی نماز کو قصر کرے گا۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک چار برید یعنی اڑتالیس میل والے سفر میں نماز قصر ہوگی، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تین دن کی مسافت والے سفر میں نماز قصر ہوگی، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ، نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ، ابن حزم رحمہ اللہ اور تمام اہلِ ظاہر کے نزدیک ہر وہ مسافت جسے عُرفِ عام میں سفر کہا جاتا ہو اُس میں نماز قصر کرنا جائز ہے۔ اکثر اہل حدیث کے نزدیک قصر نماز کے لیے مسافت کی حد متعین ہے اور اُن کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَاخَرَجَ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ اَمْيَالٍ اَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فرسخ (یہ شُعبہ راوی کو شک لاحق ہوا ہے) کے سفر میں نکلتے تو (قصر کرکے) دو رکعت نماز ادا کرتے۔'' (مسلم: 691) چونکہ شعبہ راوی کو شک لاحق ہو اہے اس لیے زیادہ احتیاط تین فرسخ کے الفاظ میں ہے کیونکہ تین فرسخ یعنی نو میل میں تین میل بھی شامل ہی ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور انھوں نے نماز قصر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں یہ حدیث بیان فرمائی۔

رہا یہ مسئلہ کہ نو میل کے کتنے کلومیٹر بنتے ہیں تو اس بارے میں پہلے یہ یاد رکھیے کہ احادیث میں جس میل کا تذکرہ

---

[342] (موقوف صحیح) بیهقی: 3/ 137، عبدالرزاق: 4292، 4296، ابن ابی شیبه: 2/ 445، الشافعی فی المسند: 524-526، ابن المنذر فی الاوسط: 2262، 2265۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

آتا ہے اُس سے شرعی میل یعنی ہاشمی میل مراد ہے جو کہ انگریزی میل سے کافی بڑا ہے۔ایک شرعی ہاشمی میل 5250 ذراع یعنی 2625 گز کا ہوتا ہے، اسی ہاشمی میل کو پاک وہند میں کوس اور پنجابی میں کوہ کہتے ہیں، جب ہندوستان میں انگریزی میل رائج ہوا تو اس کی مقدار 1760 گز رکھی گئی تھی، چنانچہ تقریباً انگریزی ڈیڑھ میل ایک شرعی ہاشمی میل کے برابر ہے اور ایک ہاشمی میل جدید پیمائش کے مطابق دو کلومیٹر، 400 میٹر اور 300 ملی میٹر کا ہوتا ہے (2.400300 کلومیٹرز)، یوں ایک فرسخ (یعنی تین ہاشمی میل) تقریباً سوا سات کلومیٹر (7.200900 کلومیٹر) کے برابر ہے اور تین فرسخ یعنی نو میل کی مقدار تقریباً بائیس کلومیٹر (21.726144 کلومیٹر) ہے، جبکہ ایک برید (یعنی چار فرسخ یا بارہ میل) کی مقدار تقریباً انتیس کلومیٹر (28.803600 کلومیٹر) ہے...... بہر حال اہل حدیث کے نزدیک مسافتِ قصر 9 ہاشمی میل یعنی تقریباً بائیس کلومیٹر ہے اور باقی فقہائے کرام کے نزدیک 48 ہاشمی میل یعنی تقریباً ایک سو پندرہ کلومیٹر (115.214400 کلومیٹر) ہے۔ (ماخوذ از اسلامی اوزان از فاروق اصغر صارم رحمہ اللہ)

قَالَ مَالِكٌ : لا يَقْصُرُ الَّذِي يُرِيدُ السَّفَرَ الصَّلاةَ، حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ بُيُوتِ الْقَرْيَةِ، وَلا يُتِمُّ حَتَّى يَدْخُلَ أَوَّلَ بُيُوتِ الْقَرْيَةِ، أَوْ يُقَارِبُ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص سفر کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس وقت تک نماز قصر نہیں کرے گا جب تک کہ بستی کے گھروں سے نہ نکل جائے اور (واپسی پر) وہ نماز کو پورا (کرنا شروع) نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ بستی کے پہلے گھروں کے سامنے پہنچ جائے یا اس کے بالکل قریب پہنچ جائے۔

فائدہ: ......یعنی نماز پڑھتے وقت آدمی کی حالت اور جگہ کا اعتبار ہوگا، چنانچہ ایک آدمی نے ابھی سفر کا ارادہ کیا ہو اور شروع کرنے سے پہلے کسی نماز کا وقت شروع ہو جائے جیسا کہ مدارس کے طلباء نے چھٹیوں وغیرہ کے موقع پر گھر جانا ہو اور یہ صوتحال پیش آجائے، تو اگر وہ اپنی آبادی کی مسجد و مدرسہ ہی میں نماز پڑھے گا تو اُسے نماز پوری پڑھنا ہوگی کیونکہ جب تک وہ اس آبادی اور بستی سے باہر نہ نکلے وہ مسافر کے حکم میں شمار نہیں ہوتا، ہاں اگر وہ شخص نماز کا وقت شروع ہونے کے باوجود کسی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا بلکہ سفر شروع کر دیتا ہے تو اس بستی اور آبادی سے پار گزر جانے کے بعد وہ جہاں کہیں بھی سفر کے دوران نماز پڑھے گا تو قصر ہی کرے گا بشرطیکہ اس کا سفر کم از کم نو میل یعنی تقریباً بائیس کلومیٹر کے برابر ہو، اگر اس سے کم مسافت کا سفر ہوا تو پھر قصر جائز ہی نہیں......آج کل کی گنجان آبادیوں اور میلوں لمبے شہروں میں کیا کیا جائے، یعنی شہر تو ایسے ہیں کہ جن کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پچاس یا اس سے بھی زیادہ کلومیٹر کا فاصلہ ہوتا ہے اور درمیان میں کہیں بھی آبادی ختم نہیں ہوتی تو اس بارے میں مفتیان اور علمائے کرام کا فیصلہ یہ ہے کہ احتیاط کا تقاضا ہے کہ شہر کی متصل آبادی جتنی بھی ہے، اس سے باہر کی مسافت کا لحاظ رکھ کر قصر کی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

4- بَابٌ: صَلَاةُ الْمُسَافِرِ مَا لَمْ يُجْمِعْ مُكْثًا

مسافر کا جب کسی جگہ ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہ ہو تو اس کی نماز کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو موقوف روایات ہیں اور دونوں ہی صحیح سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں۔

[343] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: أُصَلِّي صَلَاةَ الْمُسَافِرِ مَا لَمْ أُجْمِعْ مُكْثاً، وَإِنْ حَبَسَنِي ذَلِكَ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ لَيْلَةً.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ میں مسافر والی نماز (قصر) ہی پڑھتا رہوں گا جب تک کہ کہیں ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہ کرلوں، اگرچہ یہ (عدم پختگی کی) حالت مجھے بارہ راتوں تک روکے رکھے۔

فائدہ: ......اگرچہ اس بات میں تو اختلاف ہے کہ کسی مسافر کے لیے کتنے دن تک ایک جگہ رہتے ہوئے نماز قصر کرنا جائز ہے، لیکن یہ بات سب کے نزدیک متفقہ ہے کہ ایک شخص سفر میں کسی جگہ ٹھہرے، اُس کا وہاں ٹھہرنے کا پختہ ارادہ تو نہ ہو لیکن کسی کے انتظار یا قدرتی آفت یا کسی اور مجبوری کی بنا پر اُسے رُکنا پڑ جاتا ہے اور وہ اسی سوچ اور کیفیت میں رہتا ہے کہ آج چلا جاؤں گا یا کل روانہ ہو جاؤں گا، تو اس حالت میں خواہ اُسے سالہا سال گزر جائیں وہ نماز قصر کرسکتا ہے۔ اس فتوے کو اپنی تن آسانی کے لیے بہانہ نہ بنایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی ہر نیت وارادے سے بخوبی واقف ہے......صرف امام شوکانی رحمہ اللہ اور نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے متردد آدمی کے لیے بیس دن کی میعاد متعین کی ہے لیکن جمہور کا موقف راجح ہے، ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آذربائیجان کے علاقے میں برف کی وجہ سے راستہ بند ہو جانے کی بنا پر چھ ماہ تک قصر نماز پڑھتے رہے۔ (السنن الكبرى للبيهقي: 3/ 152- امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، نصب الراية: 2/ 185) ایک دفعہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رامُہر مز کے علاقے میں نو ماہ تک کا عرصہ گزر گیا اور وہ نماز قصر کرتے رہے۔ (بیہقی: 3/ 125، نصب الرایہ: 2/ 186، الدرایہ: 1/ 212- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔) امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسی موقف پر تمام اہل علم کے اجماع کا ذکر کیا ہے۔ (ترمذی: 548)

---

[343] (موقوف صحیح) بیهقی: 152/3، سنن الصغرى: 225/1 (576)، مصنف عبد الرزاق: 533/2، (4340)، معانی الآثار: 420/1، تهذيب الآثار للطبری: 247/1، 395- شیخ سلیم الہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[344] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ لَيَالٍ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ، إِلَّا أَنْ يُصَلِّيَهَا مَعَ الإِمَامِ، فَيُصَلِّيهَا بِصَلَاتِهِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ میں دس راتیں ٹھہرے اور وہ نماز قصر کرتے رہے اِلّا یہ کہ وہ کوئی نماز (مقیم) امام کے ساتھ ادا کرتے تو اس کی نماز (پوری ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ اسی) کی طرح (مکمل نماز) ادا کرتے۔

فائدہ:......روایات سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک مسافر کے کسی جگہ پڑاؤ کرنے کی پختہ نیت کے وقت قصر نماز کی مدت بارہ راتوں سے کم ہی ہے، اسی لیے انھوں نے متردد ہونے کی حالت میں بارہ کا لفظ استعمال کیا، نیز امام مالک رحمہ اللہ نے اُن کی دس راتوں والی روایت کو بھی تردُّد پر ہی محمول کیا ہے، البتہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہا کہ اُن سے مروی ہے کہ جو شخص پندرہ دنوں کی پختہ نیت کرے (اور ایک روایت میں بارہ کا تذکرہ ہے) تو وہ نماز کو پورا کرے۔ (ترمذی: 548)

5- بَابُ صَلَاةُ الْمُسَافِرِ إِذَا أَجْمَعَ مُكْثًا

مسافر کی نماز کا بیان جب کہ وہ ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرلے

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت یعنی تابعی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا اپنا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[345] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ: مَنْ أَجْمَعَ إِقَامَةً أَرْبَعَ لَيَالٍ وَهُوَ مُسَافِرٌ أَتَمَّ الصَّلَاةَ.

عطاء خراسانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص مسافر ہو اور چار راتیں ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کر لے تو وہ نماز کو پورا کرے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ بھی سنا ہے اُس میں سے یہی قول مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔

فائدہ:......یعنی چار راتوں کے قیام کی نیت کرنے سے وہ مقیم اور رہائش پذیر آدمی کے حکم میں ہو جائے

---

[344] (موقوف صحیح) عبد الرزاق (14381)، ابن ابی شیبة (3858)، ابن خزیمة (954)، طحاوی (244/1)۔ شیخ سلیم الہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ محدث البانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ السلسلة الصحیحة: 2676.

[345] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 2/ 535 (4347)، بیهقی: 3/ 148، معرفة السنن والآثار: 2/ 432 (1605)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

گا، اس لیے وہ اپنے اس قیام میں کوئی بھی نماز قصر نہیں کرے گا...... یہ ایک تابعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ تین دن ٹھہرنے کی نیت ہو تو مسافر قصر نماز پڑھتا رہے گا اور چار یا اس سے زیادہ دنوں کی نیت کر لے تو پوری نماز پڑھنا پڑے گی...... یہ مسئلہ کافی مختلف فیہ ہے، جس کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کوئی واضح فرمان اور قولی حدیث تو ثابت نہیں البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف احوال اور سفروں کو دیکھ کر مختلف آراء سامنے آئیں، حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا بھی اس میں اختلاف رہا، چنانچہ (1) امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک دخول اور خروج کے دنوں کے علاوہ تین دن مدّتِ قصر ہے، (2) امام احمد رحمہ اللہ کے مشہور قول کے مطابق چار دن مدّتِ قصر ہے۔ (3) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دس دن تک ٹھہرنے کی نیت ہو تو نماز پوری پڑھے، گویا نو دن کی نیت ہو تو نماز قصر کر سکتا ہے۔ (4) امام اوزاعی رحمہ اللہ (اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے ایک قول کے مطابق) گیارہ دن تک قصر کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ (5) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ کے ہاں اور اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مشہور قول کے مطابق چودہ دن تک نماز قصر کی جا سکتی ہے۔ (6) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، اسحاق بن راہویہ اور متعدد اہل حدیث علماء کے نزدیک انیس دن قصر کی اجازت ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے پیروکاروں نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ میں تین دن سے زائد ٹھہرنے سے منع فرمایا تھا...... حالانکہ مہاجر اور مسافر کے احکامات الگ الگ ہیں۔ ان کی دوسری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر حج ہے اور ان کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں صرف تین دن ٹھہرے...... حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے چار دن اور پانچویں دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے تھے، اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ اور بہت سے محدثین اور اہل حدیث کے نزدیک صرف چار دن تک قصر جائز ہے۔

تمام اقوال کے دلائل، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سفروں سے لیے گئے ہیں: سفر حج اور سفرِ فتح مکہ، حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور گرد نواح میں مجموعی طور پر دس دن ٹھہرے رہے اور فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس دن قیام کیا۔ اس غزوے کے ایام کی تعداد بھی مختلف مروی ہے اور مکہ میں دخول وخروج کے دن شامل کر کے انیس دن کا قول ہی راجح ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سفر کو دلیل بنا کر انیس دن تک قصر کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ (بخاری: 1080) لیکن یہ فتویٰ محل نظر ہے کیونکہ یہ تو جنگ کا سفر تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ مستقل ٹھہرے ہی نہیں، اسی سفر سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ فتح کر کے مکہ سے حُنَین کی طرف گئے جہاں بنو ہوازن سے جنگ حُنین لڑی، پھر وہاں سے طائف جا کر بنو ثقیف کا محاصرہ کیا، بعدازاں واپس پھر مکہ آئے، اور یہ بات پکی ہے کہ جنگوں میں کوئی بھی سپہ سالار کچھ دن متعین کر کے پڑاؤ نہیں کرتا بلکہ اُس کی حالت تو تردُّد کی ہوتی ہے، حالات پر سکون ہوں تو واپسی کا سوچتا ہے ورنہ مصروف رہتا ہے، نیز اگر جنگی سفر ہی کو دلیل بنانا ہے تو پھر غزوہ تبوک کا کیا قصور ہے، جس میں ایک ہی جگہ پر رسول اللہ

ﷺ تبوک کے مقام پر بیس دن ٹھہرے رہے، پھر بیس دنوں کو بھی مدت قصر قرار کیوں نہیں دیا جاتا؟

احناف نے امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کے بیان کردہ فتاویٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دلیل لی ہے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کا یہ فتویٰ اجتہاد سے نہیں ہوسکتا بلکہ یقیناً نبی کریم ﷺ سے سن کر ہی انھوں نے اسے آگے بیان کیا...... حالانکہ اگر نبی کریم ﷺ اس مسئلے میں دنوں کی تعداد متعین کرنے کا حکم صادر فرما چکے ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جمّ غفیر سے کوئی ایک صحابی تو اس قولِ رسول ﷺ کو بیان کرتا، دوسری بات یہ کہ اگر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اسی مسئلے میں اپنے اجتہاد سے فتویٰ دے سکتے ہیں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسا کیوں نہیں کر سکتے، تیسری بات یہ کہ اگر ہر صحابی کے فتویٰ پر اسی طرح استدلال کریں تو پھر ایک ہی مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف فتاویٰ میں سے ہر کسی کو حکماً مرفوع یعنی نبی کریم ﷺ سے سنا ہوا تسلیم کرنا پڑے گا، اور اگر یہی بات ہو تو پھر کسی ایک قول پر اصرار کیوں؟ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مختلف فتاویٰ مروی ہیں، چنانچہ اس سے گزشتہ باب کی پہلی روایت میں ان سے منقول ہے کہ وہ تو بارہ دنوں کو بھی صرف حالتِ تردُّد میں جائز سمجھتے تھے، باالفاظ دیگر اُن کے نزدیک اگر تردُّد نہ ہو تو بارہ دنوں کے قیام کی پختہ نیت والا اپنی نماز پوری پڑھے، تو اس موطا امام مالک میں مذکور فتوے اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں مذکور چودہ دن قصر کرتے رہنے کے فتوے میں احناف کیا تطبیق دیں گے اور کسے قولِ رسول سے ماخوذ شمار کریں گے؟

رہا نبی کریم ﷺ کا سفر حج، تو اسی سے اکثر فقہاء نے یہ مسئلہ حل کیا ہے، چنانچہ مالکیہ وشافعیہ تو کہتے ہیں کہ اس سفر میں ایک جگہ پر صرف تین دن تک قیام ثابت ہے اور حنابلہ کے نزدیک چار دن کا قیام ثابت ہے اور یہ چار دن والی بات صحیح اور راجح ہے کیونکہ صحیح بخاری کی حدیث (1085) میں وضاحت سے موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ ذوالحج کی چار تاریخ کی صبح کو مکہ میں داخل ہو گئے تھے اور پھر پانچ، چھ اور سات تاریخ کو بھی وہیں رہے اور پھر آٹھ تاریخ کو میدانِ منیٰ میں تشریف لے گئے اور یہ قیام پختہ ارادے سے ہوا تھا جس میں چار دن اور چار راتیں ایک ہی جگہ پر گزریں۔

الغرض جب ہم نے اس مسئلے میں نبی کریم ﷺ کی قولی حدیث اور کسی فرمان کو نہ پایا تو فعلی حدیث کو ڈھونڈا اور اس میں امن کی حالت میں صرف ایک سفرِ حج ہی میں ایک جگہ پر چار دن تک کا قیام سامنے آیا، لہٰذا یہی موقف راجح ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (3/270) میں چار دن کے قیام کو تسلیم کیا ہے، اور پھر امام شوکانی رحمہ اللہ، اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ صَلَاةِ الأَسِيرِ ؟ فَقَالَ : مِثْلُ صَلَاةِ الْمُقِيمِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مُسَافِراً .

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ قیدی کس طرح نماز پڑھے؟ توانھوں نے فرمایا کہ مقیم کی طرح (حالت اقامت میں اپنے آپ کو شمار کر لے اور) نماز پڑھے اِلّا یہ کہ وہ (واقعتاً) سفر میں ہو (اور اسے دشمن کہیں منتقل کر رہے ہوں)۔

فائدہ : ......امام ابن عبدالبر ''الاستذکار''میں لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب وہ مقیم ہو تو پوری نماز پڑھے اور سفر میں ہو تو قصر کر لے ...... البتہ اس میں یہ خیال ضرور رکھا جائے کہ اگر دشمن قید کرنے کے بعد اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ بار بار منتقل کرتا رہتا ہے اور اُس قیدی کو کسی جگہ چار دن رات ٹھہرنے کا یقین یا غالب گمان نہیں رہتا تو پھر راجح یہی ہے کہ وہ قصر کرتا رہے، خواہ اِس حالتِ تردُد میں لمبا عرصہ بیت جائے، ہاں اگر کسی جگہ مثلاً جیل میں یا ایجنسیوں کے خفیہ ٹھکانوں میں اُسے مستقل ٹھہرا دیا جائے تو وہ پھر نماز مکمل کرے، خفیہ ایجنسیوں میں جو نگران ڈیوٹی دیتے ہیں اُن میں سے کسی سے کچھ نہ کچھ خبر مل جاتی ہے کہ یہاں کتنا عرصہ ٹھہرایا جائے گا ...... اسی طرح جو مجاہدین ہر وقت سفر میں یا جہاد میں یا ہجرت میں رہتے ہوں جب وہ وہیں سے دشمن کی قید میں چلے جائیں اور اُنھیں جیل میں یا کسی خفیہ ٹھکانے میں مستقل یا کافی عرصہ کے لیے ٹھہرا دیے جانے کا یقین یا غالب گمان حاصل ہو جائے تو پھر اُن کے لیے مناسب نہیں کہ خود کو مسافر ہی سمجھ کر نماز قصر کرتے رہیں۔

6- بَابٌ: صَلَاةُ الْمُسَافِرِ إِذَا كَانَ إِمَاماً أَوْ كَانَ وَرَاءَ إِمَامٍ

مسافر کی نماز کا بیان جب کہ وہ خود امام ہو یا کسی امام کے پیچھے ہو

خلاصۃ الباب اس باب میں چار موقوف روایات یعنی آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور سب صحیح سندوں سے ثابت ہیں۔

[346] حَـدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَـابٍ، عَـنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قَدِمَ مَكَّةَ صَلَّى بِهِـمْ رَكْـعَتَيْـنِ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا أَهْلَ مَكَّةَ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ، فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو لوگوں کو دو رکعتیں پڑھاتے، پھر (سلام پھیرتے ہی) کہتے کہ اے مکہ والو! اپنی نماز پوری کر لو کیونکہ ہم تو مسافر لوگ ہیں (اسی لیے ہم نے نماز قصر کی ہے)۔

فائدہ : ...... ثابت ہوا کہ مسافر امام مقیم لوگوں کی جماعت کروا سکتا ہے، کچھ لوگ اس عمل کو بہتر نہیں سمجھتے، اور ایک بڑے طبقے کا تو یہ خیال ہے کہ اگر مسافر جماعت کروائے تو پوری چار رکعتیں پڑھائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت میں شامل ہو سکیں ......حالانکہ دونوں فریق درستگی پر نہیں ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ آئے تو آپ ہی امامت کرواتے رہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مسافر کی

[346] (موقوف صحيح) بيهقى: 3/ 126، عبدالرزاق: 2/ 540 (4369)، شرح معانى الآثار للطحاوى: 1/ 419، ابن ابى شيبه: 3861 ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

حیثیت سے قصر نماز کے ساتھ جماعت کرواتے رہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہزاروں لاکھوں لوگوں کے مجمع عام میں بہت سے لوگ جماعت میں بعد میں شامل ہوتے رہتے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کبھی بھی یہ خیال کر کے چار رکعتیں نہ پڑھائیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت کا ثواب پا لیں، ویسے بھی راجح قول کے مطابق مسافر کے لیے قصر نماز واجب ہے، خواہ اکیلا پڑھے یا امام بنے۔

یاد رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اُن کے قول سے صحیح ثابت ہے، کچھ اسی طرح کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے بھی منقول ہیں، دیکھیے سنن ابی داؤد، حدیث: 1229۔ اس حدیث کو بعض نے ضعیف اور بعض نے حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔ اُس میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں: يَا اَهْلَ الْبَلَدِ ! صَلُّوْا اَرْبَعاً فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ ''اے شہر (مکہ) والو! تم چار رکعتیں پڑھو، بلاشبہ ہم تو مسافر لوگ ہیں۔''

[347] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مِثْلَ ذَلِكَ.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اُن کے والد اسلم رحمہ اللہ نے بھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اسی (گزشتہ روایت) کی طرح بیان کیا ہے۔

[348] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي وَرَاءَ الْإِمَامِ بِمِنًى أَرْبَعاً، فَإِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ (کے میدان) میں امام کے پیچھے تو چار رکعات ہی پڑھتے تھے، اور جب اکیلے (کوئی فرض) نماز پڑھتے تو دو رکعتیں (نماز قصر) پڑھتے تھے۔

فائدہ: ......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض وجوہات کی بنا پر اپنے دورِ خلافت کے دوسرے نصف میں منیٰ کے میدان میں، حج کی حالت میں ہونے کے باوجود چار رکعتیں پوری پڑھانا شروع کر دی تھیں، چنانچہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ نماز ادا کرتے تو امام کی اقتدا کی وجہ سے چار رکعتیں مکمل نماز پڑھتے ورنہ وہ سفر اور حج میں نماز قصر ہی کے قائل اور فاعل تھے۔

[349] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ

صفوان بن عبداللہ بن صفوان رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے

[347] (موقوف صحیح) طحاوی: 1/ 419، الشافعی فی المسند: 1/ 355، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: 2/ 404 (1552)، وفی السنن الکبری للبیہقی: 3/ 126۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

[348] (موقوف صحیح) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب قصر الصلاۃ بمنی، حدیث: 694/ 17، الشافعی فی المسند: 1/ 361، وفی الآم: 7/ 248، شرح معانی الآثار للطحاوی: 1/ 420۔

[349] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 540 (4373)، بیہقی: 3/ 157، شرح معانی الآثار للطحاوی: 1/ 420، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

شِهَابٍ، عَنْ صَفْوَانَ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَعُودُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ صَفْوَانَ، فَصَلَّى لَنَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَقُمْنَا فَأَتْمَمْنَا.

ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میرے والد عبداللہ بن صفوان رحمہ اللہ کی تیمارداری کے لیے آئے تو انھوں نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں (کیونکہ وہ مسافر کی حیثیت سے امامت کرا رہے تھے) پھر انھوں نے سلام پھیر دیا تو ہم نے کھڑے ہو کر نماز پوری کی۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسافر آدمی، مقیم لوگوں کی امامت کرا سکتا ہے، لیکن لوگ امام کی نمازِ قصر کے اختتام پر سلام نہیں پھیریں گے بلکہ اپنی باقی ماندہ نماز کو پورا کر کے ہی سلام پھیریں گے، اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تو یہ ہے کہ ''بلاشبہ امام صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ اُس کی اقتدا کی جائے۔'' (بخاری: 378، مسلم: 411) لہٰذا مقتدی کو بھی امام کے ساتھ ہی دو رکعتوں پر سلام پھیر دینا چاہیے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے متعلق خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استثناء ثابت ہو چکا ہے۔ (ابو داؤد: 1229) نیز مجمع عام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقیم لوگوں کو مسافر امام کے پیچھے چار رکعتوں کا حکم دیتے تھے جیسا کہ اس باب کی پہلی روایت میں ہے اور کسی صحابی و تابعی نے اُن پر انکار نہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ اس عمل پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا اجماع بھی ہو چکا ہے...... البتہ اس کے برعکس صورت میں گزشتہ حدیث ہی پر عمل ہوگا کہ اگر کوئی مسافر کسی مقیم امام کے پیچھے نماز ادا کرتا ہے تو اُسے امام کی طرح پوری چار رکعتیں ہی پڑھنا ہوں گی، کیونکہ اگر وہ خود ہی دو رکعتوں پر سلام پھیرے گا تو یہ امام سے پیش قدمی شمار ہوگی جو کہ منع ہے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امام کے پیچھے مسافر کی چار رکعتوں کو ''سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' ہی شمار کیا ہے۔ (مسنداحمد، بیہقی، التلخیص الحبیر، فتاویٰ اسلامیہ: 1/ 378)

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ''الاستذکار'' میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ موقف ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی مسافر کسی مقیم امام کے پیچھے کم از کم ایک رکعت پوری پا لے تو اُسے چار رکعتیں پڑھنا ہوں گی اور اگر پوری رکعت نہ مل سکی تو پھر وہ صرف دو رکعتیں پڑھے گا جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے ہاں فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص امام کے سلام پھیرنے سے پہلے پہلے جماعت میں شامل ہو جائے، خواہ آخری تشہد ہی میں ملے تو اُسے امام والی نماز پڑھنا ہوگی کیونکہ امام کی اقتدا بھی لازم ہے اور یہ بھی حکم نبوی ہے کہ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا ''تو جو تم (امام کے ساتھ) پا لو اُسے پڑھ لو اور جو تم سے رہ جائے اُسے پورا کر لو۔'' (بخاری: 635، مسلم: 602) اور مذکورہ بالا صورت میں مسافر چونکہ امام کی چار رکعتی نماز میں شامل ہو چکا ہوتا ہے لہٰذا چار رکعتوں میں سے جو کچھ بھی اس سے رہ جائے گا اُسے بعد میں پورا کرنا ہوگا۔

7- بَابٌ : صَلَاةُ النَّافِلَةِ فِي السَّفَرِ بِالنَّهَارِ وَاللَّيْلِ وَالصَّلَاةِ عَلَى الدَّابَّةِ

دورانِ سفر دن اور رات میں نفل پڑھنے اور سواری کے جانور پر نماز ادا کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع احادیثِ مصطفیٰ ﷺ ہیں اور دونوں صحیح ثابت ہیں ، تین موقوف روایات یعنی آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے دو صحیح ہیں جبکہ ایک ضعیف ہے اور ایک مقطوع یعنی تابعی رحمہ اللہ سے منقول روایت بھی ہے جو کہ ضعیف ہے ، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ : ......نوافل کی دو قسمیں ہیں: (1) سنّتِ مؤکدّہ جنہیں سُنن راتبہ یا رَوَاتب بھی کہتے ہیں اور (2) باقی تمام نفلی نمازیں یعنی غیر راتبہ۔ سنت مؤکدہ کے علاوہ باقی نوافل کے متعلق فقہاء کا تقریباً اتفاق ہے کہ وہ آدمی کی مرضی پر منحصر ہیں ، اگر وہ پڑھتا رہے تو اس کے لیے مستحب ہیں......البتہ سُنن مؤکدہ کے متعلق اختلاف ہے، چنانچہ شوافع کے ہاں یہ سب بھی مستحب ہیں لیکن راجح موقف یہ ہے کہ سفر کے دوران فجر کی دو سنتوں اور نماز وتر کی تاکید باقی ہے ، یعنی وہ سفر میں بھی سنت مؤکدہ ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انھیں نہ حَضَر میں چھوڑا اور نہ سفر میں۔ (مسلم :680/ 310، نیز دیکھیے بخاری: 999 ، 1000 ، 1098 ، مسلم: 700) ان کے علاوہ نبی کریم ﷺ سے کسی فرض نماز سے پہلے یا بعد میں کچھ پڑھنا صحیح سند سے ثابت نہیں ہو سکا ، البتہ بعض ضعیف اور کمزور سند والی روایات میں بعض سنّتِ مؤکدہ کا تذکرہ ملتا ہے ، مثلاً ظہر سے پہلے دو رکعتیں (ابوداؤد: 1222 ، ترمذی: 550 ۔اسے اکثر نے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو بسرہ غفاری مجہول راوی ہے ، لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے حسن درجے کا خیال کیا ہے) ، ظہر کے بعد دو رکعتیں (ترمذی: 551 ۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے لیکن اس کی سند میں ابن ابی لیلیٰ سَیّءُ الحفظ یعنی کمزور حافظے والا ضعیف راوی ہے)......الغرض نبی کریم ﷺ نے چونکہ سفر میں سنت مؤکدہ ادا کرنے سے روکا نہیں ہے اور خود بعض کو پڑھا ہے اور بعض کو نہیں ، اس لیے راجح موقف یہ ہے کہ سفر میں نمازِ وتر اور صبح کی سنتوں کو تو سنت مؤکدہ ہی کی حیثیت حاصل رہتی ہے جبکہ باقی نمازوں کی سنتیں ،مؤکدہ نہیں رہتیں ، بلکہ اُنھیں عام نوافل کے طور پر پڑھنے کا اختیار ہے ، جو نہ پڑھے گا اس پر کوئی حرج ، تنگی اور ملامت نہ ہوگی اور جو پڑھے گا وہ عام نفلی نماز کا ثواب پالے گا۔ واللہ اعلم۔

[350] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ سفر

[350] (موقوف صحیح) الشافعی فی المسند: 1/ 361 ، وفی الآم: 7/ 248 ، ابن المنذرفی الآوسط: 5/ 241 (2784)، بیھقی فی السنن الکبری: 3/ 158 ، وفی معرفة السنن والآثار: 2/ 443 (2128)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

نَـافِـعٍ ، عَـنْ عَبْـدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يُـصَـلِّـي مَـعَ صَلاَةِ الْفَرِيضَةِ فِي السَّفَرِ شَيْئاً قَبْـلَهَا وَلَا بَعْدَهَا ، إِلَّا مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ, فَإِنَّهُ كَـانَ يُـصَـلِّي عَلَى الأَرْضِ ، وَعَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ .

میں فرض نماز کے ساتھ کچھ (بھی نفل) نہیں پڑھتے تھے، نہ پہلے اور نہ بعد میں، البتہ رات کے درمیان (کبھی تو) وہ زمین پر (رات کی نفلی) نماز پڑھتے اور (کبھی) سواری کے اوپر بھی (اُسے ادا کرلیتے)، خواہ اُس کا منہ جدھر بھی ہوتا۔

فائدہ: ...... جانور کی سواری پر تو اشاروں ہی سے نماز ادا کی جاتی ہے، آج کل جہاز اور ٹرین پر تسلی سے عام روٹین کے مطابق بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے اور اشاروں سے بھی، لیکن یہ خیال ضرور رہے کہ جب نماز شروع کرنا مقصود ہو تو جن سواریوں کا رُخ قبلہ کی سمت کرنا ممکن نہ ہو مثلاً جہاز، بس، ٹرین یا موٹروے اور ہائی وے پر چلتی چھوٹی گاڑیاں وغیرہ تو اُن میں نماز شروع کرتے وقت خود ایک دفعہ اپنا منہ قبلہ کی طرف کرلینا چاہیے، پھر اس کے بعد باقی نماز کسی بھی جانب رُخ کرکے پوری کی جاسکتی ہے، ہاں اگر سائیکل یا کسی اور چھوٹی گاڑی جس کو بوقتِ آغاز نماز آسانی سے قبلہ رُخ کیا جاسکتا ہو تو ان پر قبلہ رُخ آغازِ نماز کرکے بعد میں کسی بھی جانب منہ کرکے نماز ہوسکتی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَـانَ اِذَا سَـافَـرَ فَـاَرَادَ اَنْ يَّتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ بِنَاقَتِهِ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَـلّٰـى حَيْـثُ وَجَّهَهٗ رِكَابُهٗ ''بے شک رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے اور نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنی اونٹنی کو قبلہ رُخ کرلیتے اور تکبیر تحریمہ کہتے، پھر نماز پڑھتے رہتے، خواہ آپ کی سواری کسی بھی جانب آپ کا رُخ موڑتی رہتی۔'' (ابوداؤد: 1225 ، مسند احمد: 3/ 203 ۔ اس کی سند صحیح ہے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ مکہ کے راستے میں نماز ظہر پڑھائی، پھر کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا کررہے ہیں؟ حفص بن عاصم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے بتایا کہ وہ نفل نماز پڑھ رہے ہیں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحاً لَا تْمَمْتُ صَلَاتِيْ ''اگر میں نے نفل ہی پڑھنا ہوتے تو (پہلے) فرض نماز تو پوری پڑھ لیتا۔'' پھر انھوں نے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہا ہوں، سب اپنی زندگی کے اختتام تک صرف دو فرض ہی پڑھتے رہے، وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتے تھے، پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب 33:21) ''یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔'' (مسلم: 689 ، بخاری:1101)

[351] وَحَـدَّثَـنِـي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ الْـقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ ، وَعُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ ، وَأَبَا

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ، عُروہ بن زُبیر اور ابوبکر بن عبد الرحمٰن رحمہم اللہ سفر میں نفل پڑھ لیا

[351] (مقطوع ضعیف) عبدالرزاق:4458، ابن ابی شیبہ:3839۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی بنا پر ضعیف ہے۔

بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، كَانُوا يَتَنَفَّلُونَ فِي السَّفَرِ .

کرتے تھے۔

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ النَّافِلَةِ فِي السَّفَرِ ؟ فَقَالَ : لَا بَأْسَ بِذَلِكَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ، وَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ سے سفر میں نفلی نماز پڑھنے کا سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ رات میں بھی اور دن میں بھی ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یقیناً مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض اہل علم ایسا کر لیتے تھے۔

فائدہ :......یعنی بعض علماء دورانِ سفر نفل پڑھ لیتے تھے، ان الفاظ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ بعض دوسرے اہل علم سفر میں نفل نہیں پڑھتے تھے، لہٰذا مسافر کے لیے نفل پڑھنے اور نہ پڑھنے کا اختیار ہے۔

[352] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، قَالَ : بَلَغَنِي عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَرَى ابْنَهُ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ ، فَلَا يُنْكِرُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے عبیداللہ رحمہ اللہ بن عبداللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تو اُس پر اس عمل کا انکار نہیں کرتے تھے۔

فائدہ :......دراصل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سنت مؤکدہ اور عام نوافل میں فرق کرتے تھے اور سفر کے دوران عام نوافل پر تو اعتراض نہیں کرتے تھے جبکہ سنت مؤکدہ کی حیثیت سے نوافل پڑھنے والوں پر انکار اور اعتراض کرتے تھے جیسا کہ پیچھے تذکرہ ہو چکا ہے۔

[353] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ ، عَنْ أَبِي الْحُبَابِ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ قَالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي وَهُوَ عَلَى حِمَارٍ ، وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ إِلَى خَيْبَرَ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ گدھے پر (سوار) نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ کا رُخ مبارک خیبر کی طرف تھا۔

فائدہ :......نبی مکرم ﷺ سواری پر فرض نماز یا تو بالکل نہیں پڑھتے تھے۔(بخاری: 1098 ، مسلم:

---

[352] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[353] (صحیح) صحیح مسلم ، کتاب صلاۃ المسافرین ، باب جواز صلاۃ النافلۃ علی الدابۃ ، حدیث: 700/ 35، سنن ابی داؤد ، کتاب صلاۃ السفر ، باب التطوع علی الراحلۃ والوتر ، حدیث: 1226 ، نسائی: 741 ، احمد: 2/ 4 -

700) صرف نفل سواری پر پڑھتے، بوقتِ آغاز قبلہ رُخ ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ لیتے تھے، جدھر بھی سواری کا رُخ ہوتا آپ ﷺ اُدھر ہی منہ کر کے نماز پڑھتے رہتے، مدینہ منورہ سے قبلہ جنوب کی طرف ہے جبکہ خیبر سے شمال کی سمت میں ہے۔

[354] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰه بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰه بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ كَانَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ فِي السَّفَرِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ . قَالَ عَبْدُ اللّٰه بْنُ دِينَارٍ : وَكَانَ عَبْدُ اللّٰه بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں اپنے سواری کے اونٹ پر نماز پڑھتے تھے، خواہ اُس کا رُخ کسی بھی جانب ہوتا، عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا کر لیتے تھے۔

[355] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ : رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فِي السَّفَرِ، وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ، وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ، يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ إِيمَاءً، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَضَعَ وَجْهَهُ عَلَى شَيْءٍ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو سفر میں دیکھا کہ وہ ایک گدھے پر نماز پڑھ رہے تھے اور اُن کا رُخ قبلہ کے علاوہ کسی اور جانب میں تھا، وہ اپنا چہرہ کسی چیز پر رکھنے کے بغیر ہی اشارے سے رکوع اور سجدہ کر رہے تھے۔

فائدہ: ......ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمانے لگے: لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَهٗ لَمْ أَفْعَلْهُ ''بے شک اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی ایسا نہ کرتا۔'' (بخاری: 1100، مسلم: 702)

8- بَابٌ : صَلَاةُ الضُّحَى

چاشت کی نماز کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے تین احادیث مصطفیٰ ﷺ ہیں اور سب صحیح ثابت ہیں، جبکہ ایک موقوف روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس کی سند ضعیف ہے۔

---

[354] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الوتر، باب الوتر فی السفر، حدیث: 1000، 1095، 1096، 1098، 1105، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جواز صلاۃ النافلۃ علی الدابۃ، حدیث: 700/ 37، ترمذی: 472، نسائی: 493، ابن ماجہ: 1200۔

[355] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 576 (4523)۔ مرفوع کے لیے دیکھیے صحیح البخاری، کتاب التقصیر، باب صلاۃ التطوع علی الحمار، حدیث: 1100، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جواز صلاۃ النافلۃ علی الدابۃ، حدیث:702، نسائی: 742، احمد: 3/ 126۔

فائدہ :......ضحیٰ، اِشراق، چاشت اور اَوّابین ''ضحیٰ'' ایک عام لفظ ہے جس کے عام معنی چاشت کے کیے جاتے ہیں، لیکن دراصل یہ لفظ طلوعِ آفتاب سے لے کر سورج ڈھلنے تک کے دورانیے پر بولا جاتا ہے، اس سارے وقت میں دو نمازیں پڑھی جاتی ہیں جنھیں مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے، لہٰذا ہم ذرا سی تفصیل سے اس پر بات کریں گے۔

صلاۃِ ضحیٰ کی مشروعیت کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کافی اختلاف تھا، اپنی اپنی معلومات کی بنا پر ان کے فتاویٰ جات مختلف تھے، بہرحال ائمہ اربعہ، جمہور محدثین اور اہل حدیث کے ہاں یہ نماز سارا سال مستحب اور بہت فضیلت کی حامل ہے۔

سورج چڑھنے کے فوراً بعد مکروہ وقت ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے ایک نیزہ یا دو نیزوں کی مقدار بلند ہونے تک نماز سے منع کیا ہے۔(ابوداود: 1277 ، نسائی: 573 ، ابن ماجه: 1251 ۔اس کی سند صحیح ہے)اس ممنوع وقت کی مقدار کم از کم دس منٹ احتیاطاً مقرر کی گئی ہے، بعض لوگ پندرہ یا بیس منٹ تک بھی احتیاط کرتے ہیں، اس وقت کے بعد اِشراق کا وقت شروع ہوتا ہے جسے ضَحْوَۃ صُغْریٰ بھی کہتے ہیں.....طلوع آفتاب سے زوال تک کا سارا وقت تو ''ضحیٰ'' کہلاتا ہے، لیکن اس کا پہلا نصف وقت اشراق یا وقتِ ضحوہ صُغریٰ کے نام سے موسوم ہے اور دوسرا نصف ''وقتِ اَوّابِیْنَ یا وقتِ ضحوہ کُبْریٰ کہلاتا ہے نیز اس دوسرے نصف کا نام وقتِ ضُحیٰ یا وقتِ چاشت بھی مشہور ہے، پہلا نصف بھی ہے تو ضُحیٰ کا حصہ لیکن وہ اِشراق کے نام سے مشہور ہے۔

صلاۃ ضُحیٰ کی دو قسمیں ہیں، پہلے نصف میں پڑھی جائے تو اسے صلاۃُ الْاِشْراق (اشراق کی نماز) کہتے ہیں اور دوسرے وقت میں پڑھی جائے تو عوام میں اسے چاشت کی نماز، عربی میں صلاۃُ الضُحٰی اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں چاشت کی نماز کو اَوّابین کہتے ہیں، (یاد رہے کہ عوام میں مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعتوں کو نماز اَوّابین کہا جاتا ہے، حالانکہ حدیث مبارکہ میں چاشت کی نماز کو اَوّابین کی نماز کہا گیا ہے، نماز مغرب کے بعد چھ رکعتوں والی روایت بھی ثابت نہیں ہے) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ضُحیٰ یعنی چاشت کی نماز کی حفاظت وہی شخص کرسکتا ہے جو اَوّاب ہو یعنی بہت زیادہ رجوع کرنے والا ہو اور یہی نماز '' صَلَاۃُ الْاَوَّابِیْن'' ہے۔ (حاکم: 1/ 314 ، ابن خزیمه: 1224 ، سلسلة الاحاديث الصحيحة: 1994 ۔اس کی سند صحیح ہے) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: صَلَاۃُ الْاَوَّابِیْنَ حِیْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ '' اَوّابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹوں کے بچے گرمی محسوس کرتے ہیں (اور شدّتِ حرارت سے اُن کے پاؤں جلنے لگتے ہیں)۔(مسلم: 748)

الغرض صلاۃ الضحی دو قسم کی نماز ہے جس کی ایک دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب سورج مشرق سے نکل کر اتنا اوپر آجاتا جتنا کہ عصر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آپ دو رکعتیں (بطورِ نماز اشراق) پڑھتے اور جب سورج زوال سے پہلے مشرق ہی کی جانب اس مقدار پر پہنچ جاتا جو زوال کے

بعد نماز ظہر کے وقت مغرب کی سمت میں ہوتی ہے تو آپ ﷺ چار رکعتیں (بطورِ صلاۃ الاوابین) ادا کرتے۔ (ترمذی: 598 ، نسائی: 875 ، ابن ماجہ: 1611 ،امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

[356] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ مُوسَى بْنِ مَيْسَرَةَ ، عَنْ أَبِي مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ، أَنَّ أُمَّ هَانِيءٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَتْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى عَامَ الْفَتْحِ ثَمَانِي رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفاً فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ .

حضرت اُمِ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال (فتح مکہ کے موقع پر اُن کے گھر میں) ایک ہی کپڑے میں (اُسے اپنے اوپر) اوڑھ کر (صلاۃ الضحی یعنی چاشت کی) آٹھ رکعتیں پڑھیں۔

فائدہ: ...... اس کی مزید تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے، نمازِ چاشت کی رکعات کے متعلق مختلف احادیث مروی ہیں، (1) اس کی کم از کم دو رکعتیں ہیں۔ (بخاری: 1178 ، مسلم: 720-722) (2) چار رکعتیں بھی ثابت ہیں۔ (مسلم: 719) (3) زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات ثابت ہیں۔ (بخاری: 357 ، مسلم: 336/ 71)، (4) ایک روایت میں بغیر تعیین کے یہ تذکرہ ہے کہ چار پڑھنے کے بعد جتنی اللہ چاہتا ہے آپ اس (چار) سے زیادہ پڑھ لیتے۔ (مسلم: 719)، (5) بارہ رکعات والی روایت ضعیف ہے۔ (ترمذی: 473)

[357] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ ، أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ ، أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِيءٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ تَقُولُ : ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ ، وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ بِثَوْبٍ ، قَالَتْ : فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ، فَقَالَ : مَنْ هٰذِهِ ؟ فَقُلْتُ : أُمُّ هَانِيءٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ ، فَقَالَ : مَرْحَباً بِأُمِّ

سیدہ اُمِ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں فتح مکہ والے سال رسول اللہ ﷺ کی طرف گئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ غسل فرما رہے تھے اور آپ کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک کپڑے کے ساتھ آپ کا پردہ کیے ہوئے تھیں، حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو سلام کہا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ ''یہ عورت کون ہے''؟ میں نے کہا کہ ابوطالب کی بیٹی اُمّ ہانی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُم

---

[356] (صحیح) عبدالرزاق: 3/ 76 (4861)، احمد: 6/ 425، طبرانی فی المعجم الکبیر: 24/ 331 (1018)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے۔

[357] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ ، باب الصلاۃ فی الثواب الواحد ملتحفابہ، حدیث: 357 ، 280، 3171 ، 6158 ، صحیح مسلم ، کتاب الحیض ، باب تستر المغتسل بثوب وغیرہ ، حدیث: 336 ، ابوداؤد: 1291، ترمذی: 474 ، نسائی: 226 ، ابن ماجہ: 1323 ، احمد: 6/ 341 ، دارمی: 1453۔

هَانِىءٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِىَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفاً فِى ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، زَعَمَ ابْنُ أُمِّى عَلِىٌّ، أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلاً أَجَرْتُهُ، فُلَانُ بْنُ هُبَيْرَةَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِىءٍ قَالَتْ أُمُّ هَانِىءٍ: وَذَلِكَ ضُحًى.

ہانی کو مرحبا (خوش آمدید)۔'' پھر جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہو گئے اور ایک ہی کپڑے میں (اُسے اپنے اوپر) لپیٹ کر آٹھ رکعات ادا کیں پھر (سلام پھیر کر) پھرے (اور فارغ ہو گئے) تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری ماں کے بیٹے (یعنی میرے بھائی) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کو قتل کر دے گا جسے میں نے پناہ دے رکھی ہے، (اور وہ) فلاں بن ہُبَیرہ (ہے)، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اُم ہانی! جسے تو نے پناہ دی اُسے یقیناً ہم نے بھی پناہ دے دی۔ سیدہ اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ (سب کچھ) چاشت کے وقت ہوا تھا۔

فائدہ :......اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دورانِ غسل بوقتِ ضرورت آدمی بول سکتا ہے، ایک ہی کپڑے میں نماز بھی ہو جاتی ہے، نیز مسلمان عورت کی دی ہوئی امان تمام مسلمانوں کی طرف سے شمار ہوگی، حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی سگی چچا زاد بہن اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑی ہمشیرہ تھیں، ان کا نام فاختہ یا ہند تھا، آپ کی شادی ہُبَیرہ بن ابی وہب سے ہوئی تھی، جب مکہ فتح ہوا تو وہ مسلمان ہو گئیں جبکہ ان کا خاوند بھاگ کر یمن کے علاقے نجران چلا گیا اور وہیں حالتِ شرک میں مر گیا، رسول اللہ ﷺ مکہ میں حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان کو اپنے ساتھ شادی کی دعوت بھی دی تھی لیکن انھوں نے اپنے پہلے بچوں کی نگہداشت کی بنا پر معذرت کر لی......سیدہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے کس شخص کو پناہ دی تھی؟ اس حدیث میں اس کا تعارف صرف ''فلاں بن ہُبَیرہ'' کے نام سے آیا ہے، ہُبَیرہ خود تو اُم ہانی رضی اللہ عنہا کا مشرک خاوند تھا اور اُس کا بیٹا حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا ہی کا بیٹا ہو تو یہ بات قابل قبول نہیں کیونکہ وہ تو چھوٹا بچہ ہوگا جو نہ لڑنے والا شمار ہوتا ہے اور نہ اُسے قتل کیا جاتا ہے اور نہ ہی اُس کے لیے پناہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: اِنِّىْ اَجَرْتُ حَمْوَيْنِ لِىْ ''یقیناً میں نے اپنے خاوند کے دو رشتہ داروں کو پناہ دی ہے۔'' اُن کے مختلف نام روایات میں مروی ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک مذکورہ بالا حدیث میں عبارت محذوف ہے، اصل عبارت یوں تھی: ''فُلَانٌ ابْنُ عَمِّ هُبَيْرَةَ'' (ہُبَیرہ کے چچا کا بیٹا یعنی کزن) تو گویا بخاری اور موطا امام مالک کی روایت سے ''عَمّ'' (چچا) کا لفظ گر گیا ہے (یعنی مراد ہُبَیرہ کا کزن تھا لیکن عبارت حذف ہو جانے کی بنا پر ہُبَیرہ کا اپنا بیٹا محسوس ہونے لگا) یا پھر ابن کا لفظ قَرِیْبٌ (قریبی راشتہ دار) کے لفظ کی جگہ پر آیا ہے اور اصل عبارت یوں تھی: ''فُلَانٌ قَرِيْبُ هُبَيْرَةَ'' (فلاں شخص جو ہُبَیرہ کا قریبی رشتہ دار ہے)، یعنی اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے جسے پناہ دی وہ اُن کے خاوند ہُبَیرہ کا بیٹا نہیں تھا بلکہ اُن کے خاوند کے چچا کا بیٹا تھا یا کوئی اور قریبی رشتہ دار

تھا، اس فلاں کی وضاحت میں تین افراد کے نام آئے ہیں: حارث بن ہشام، زُہیر بن ابی امیّہ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ، اور سب ہی ہُبَیرہ کے قریبی رشتہ دار تھے اور بنومخزوم قبیلے کے اعتبار سے اُس کے چچیرے بھائی اور کزن شمار ہوتے تھے۔ (فتح الباری: 1/ 470 ، حدیث:357)

[358] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي سُبْحَةَ الضُّحَى قَطُّ، وَإِنِّي لأُسَبِّحُهَا، وَإِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيَدَعُ الْعَمَلَ، وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَهُ، خَشْيَةَ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ، فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی چاشت کی نفلی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور (البتہ) میں تو یقیناً اسے پڑھتی ہوں اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ (بسااوقات) کسی عمل کو چھوڑ دیتے تھے حالانکہ آپ ﷺ کو پسند یہی ہوتا تھا کہ اُسے کریں (لیکن صرف) اس ڈر سے (اُسے چھوڑ دیتے) کہ لوگ اس پر عمل کریں تو وہ اُن پر (کہیں) فرض (ہی نہ) کر دیا جائے۔

فائدہ: ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی نبی کریم ﷺ کو کبھی بھی یہ نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا تھا، اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی نہیں دیکھا تھا، اسی لیے تو وہ اس نماز کے قائل نہ تھے، البتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کسی دوسرے صحابی کے ذریعے اس نماز کا علم ہو گیا تھا، اسی لیے تو انھوں نے نبی کریم ﷺ کی چار رکعت نمازِ چاشت کو روایت بھی کیا ہے۔ (مسلم: 719)

[359] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّي الضُّحَى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ تَقُولُ: لَوْ نُشِرَ لِي أَبَوَايَ مَا تَرَكْتُهُنَّ.

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اگر میرے ماں باپ (دوبارہ) زندہ کر دیے جائیں تو میں (پھر بھی) اِن رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گی۔

فائدہ: ......یعنی میں ماں باپ کے دوبارہ زندہ ہونے کی خوشی اور لذت کو ان رکعتوں کی لذت پر قربان کر

[358] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب تحریض النبی علی قیام اللیل والنوافل، حدیث: 1128، 1177، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب استحباب صلاة الضحی، حدیث: 718، ابوداود: 1293، نسائی: 2186، احمد: 6/ 86، دارمی: 1455.

[359] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3/ 78 (4866)، النسائی فی السنن الکبری: 482، احمد: 6/ 138۔ شیخ سلیم ہلالی فرماتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ زید بن اسلم کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ہی ثابت نہیں ہے۔

دوں گی یا مطلب یہ ہے کہ میں والدین کی نئی زندگی کی خوشی میں اُلجھ کر، ان کے استقبال اور خدمت میں مشغول ہو کر اس نماز کو ترک نہیں کروں گی۔

اس نماز کی فضیلت واہمیت نبی کریم ﷺ کے مندرجہ ذیل فرامین مبارکہ سے عیاں ہوتی ہے: (1) نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چاشت کو دو رکعتوں کی خصوصی وصیت فرمائی تھی۔ (بخاری: 1178، مسلم: 721)، (2) نبی کریم ﷺ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو بھی اس کی وصیت فرمائی تھی۔ (مسلم: 722) (3) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کے تمام جوڑوں پر (ہر صبح) صدقہ کرنا لازم ہوتا ہے، چنانچہ ہر تسبیح ایک صدقہ ہے، ہر تحمید ایک صدقہ ہے، ہر تہلیل ایک صدقہ ہے، ہر تکبیر ایک صدقہ ہے، اچھی بات کا حکم دینا بھی ایک صدقہ ہے اور برائی سے روکنا بھی ایک صدقہ ہے۔'' پھر فرمایا: وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى ''اور ان تمام صدقوں (کی جگہ ان) سے وہ دو رکعتیں کافی ہو جاتی ہیں جنھیں آدمی چاشت کے وقت پڑھتا ہے۔'' (مسلم: 720)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ وضاحت ہے: اِنَّهٗ خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِنْ بَنِيْ آدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَثَلَاثِمِائَةِ مَفْصِلٍ ''یقیناً اولادِ آدم میں سے ہر انسان کو تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے۔'' اس روایت میں نیکی کے جن مختلف امور پر لفظِ صدقہ بولا گیا ہے اُن کے متعلق یہ بھی فرمایا: عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلَاثِمِائَةِ سُلَامٰى ''(جو شخص یہ نیکی کے کام) ان تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد کے برابر کرے گا تو وہ اس دن اس حال میں چلے پھرے گا کہ اس نے اپنے آپ کو جہنم سے بچا لیا ہوگا۔'' (اور ان سب کی جگہ دو رکعت نماز چاشت ہی کافی ہے)۔ (مسلم: 1007)

(4) ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اِبْنَ اٰدَمَ! ارْكَعْ لِيْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ اٰخِرَهٗ ''اے آدم کے بیٹے! تو دن کے آغاز میں میرے لیے چار رکعات پڑھ لے، میں تمھیں دن کے آخر (تک پورے دن) میں کافی ہو جاؤں گا۔'' (ترمذی: 475، ابوداود: 1289، احمد: 5/ 286۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

9- بَابٌ: جَامِعُ سُبْحَةِ الضُّحَى

چاشت کے وقت نفلی نماز کے متعلق متفرق احکام کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف دو روایات ہیں جن میں سے ایک مرفوع حدیث نبوی ﷺ ہے جو بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے اور ایک موقوف روایت یعنی عملِ صحابی رضی اللہ عنہ ہے جس کی سند بھی صحیح ہے۔

فائدہ: ......گزشتہ باب میں اس خاص نماز کا بیان ہوا تھا جو چاشت کے وقت میں نمازِ چاشت کی نیت سے

پڑھی جاتی ہے، جبکہ اس باب میں اُس کے مزید احکام کا بیان ہے کہ اس کی جماعت بھی ہوسکتی ہے اور اس کا پسندیدہ وقت دوپہر کے قریب ہے، یا پھر اس باب میں چاشت کے وقت میں پڑھی جانے والی اُن عام نمازوں کا تذکرہ ہے جن میں نمازِ چاشت کی نیت نہ کی گئی ہو۔

[360] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: قُومُوا فِلأُصَلِّيَ لَكُمْ. قَالَ أَنَسٌ: فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَصَفَفْتُ أَنَا وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ، وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا، فَصَلَّى لَنَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی نانی حضرت ملیکہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی کھانے کی دعوت کی، چنانچہ آپ ﷺ (آئے اور آپ ﷺ) نے اس کھانے میں سے کچھ تناول فرمایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے (گھر والوں سے) فرمایا: ''کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں تمھیں (نفل) نماز پڑھاؤں۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنی ایک چٹائی (کھجور وغیرہ کے پتوں سے بنی ہوئی بوری) کی طرف اٹھا جو کہ لمبا عرصہ استعمال ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی، میں نے اس پر پانی چھڑکا (تاکہ وہ نرم ہو جائے اور اُسے بچھا دیا) تو رسول اللہ ﷺ (اس پر) کھڑے ہوئے اور میں نے اور (ایک) یتیم (بچے) نے آپ ﷺ کے پیچھے صف بنالی اور بوڑھی اماں جان (نانی صاحبہ) ہمارے پیچھے (اکیلی) کھڑی ہوگئیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں، پھر آپ ﷺ (نماز سے فارغ ہوکر) تشریف لے گئے۔

فائدہ:...... حضرت انس رضی اللہ عنہ کا خاندان بنونجار رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا ننھیال تھا، آپ ﷺ ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کنیت سے مشہور ہے، اُن کی خالہ کا نام اُمّ حرام جبکہ اُن کی نانی کا نام حضرت مُلَیکہ رضی اللہ عنہا ہے، یہ مذکورہ واقعہ تو اُن کی نانی صاحبہ کی دعوت کا ہے، ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا کے گھر گئے تو اُن کو جب نماز پڑھائی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دائیں جانب اور اُن کی خالہ پیچھے اکیلی کھڑی ہوئی تھیں۔ (مسند احمد: 3/ 204) ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ دائیں جانب جبکہ اُن کی امی جان حضرت اُمّ سُلَیم رضی اللہ عنہا پیچھے اکیلی کھڑی ہوئیں۔ (مسند احمد:

[360] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی الحصیر، حدیث: 380، 727، 860، 871، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جواز الجماعۃ فی النافلۃ، حدیث: 658، ابوداود: 612، ترمذی: 234، نسائی: 802، احمد: 3/ 131، دارمی: 1287۔

3/ 217) اور ایک موقع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دائیں سمت کھڑے ہوئے اور حضرت اُمّ سُلَیم اور حضرت اُمّ حرام رضی اللہ عنہا دونوں بہنیں پیچھے کھڑی ہوئیں، (مسلم: 660 وغیرہ) ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت روزہ میں ان کے پاس گئے اور ان کا پیش کیا ہوا کھانا واپس کر کے اُنھیں نماز پڑھائی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب اور اُن کی والدہ اور خالہ پیچھے کھڑی ہوئیں۔ (ابوداود: 608 ، مسنداحمد: 3/ 108 ، 188) الغرض یہ متعدد واقعات ثابت ہیں ......موطا کی روایت میں جس یتیم بچے کا ذکر ہے اس کا نام ضُمَیرہ رضی اللہ عنہ تھا جبکہ اس کے والد ابوضُمَیرہ کا نام سعد رضی اللہ عنہ تھا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے......اس حدیث مبارکہ میں چاشت کے وقت کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے، ممکن ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کو اس کے متعلق کہیں سے کوئی خبر ملی ہو جس کی بنا پر انھوں نے نمازِ چاشت والے باب میں اس کا تذکرہ کیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے لوگوں کے عام معمول سے استدلال کیا ہو کہ عموماً لوگ صبح کے کام کاج سے فارغ ہو کر ہی دعوتیں کرتے ہیں، بہرحال یہ بات قطعی ہے کہ کسی بھی سند سے اس حدیث میں وقت کی تعیین نہیں ہوسکی، بلکہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک موٹے انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کی چاشت کے وقت دعوت اور نماز کا ذکر کیا تو ایک شاگرد کے سوال پر فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن کے سوا کبھی بھی نمازِ چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (بخاری: 670)

بعض علماء نے اس کی یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خیال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت کی نیت سے صرف اسی انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے گھر نماز پڑھی، اور باقی جو واقعات حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اپنے گھروں میں پیش آئے اُن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام نوافل کی نیت کی تھی، نہ کہ نماز چاشت کی۔ واللہ اعلم۔ (زرقانی، ابن العربی)

اس حدیث مبارکہ سے اور بھی بہت سے مسائل ثابت ہوتے ہیں، مثلاً عورت کی دعوتِ طعام قبول کرنا (بشرطیکہ کسی فتنے کا خوف نہ ہو)، پرانی چٹائی پر نماز پڑھنا، کسی بھی نفلی نماز کی جماعت کرانا، تعلیم اور تبرک کے لیے نماز پڑھنا، گھروں میں نفلی نماز جماعت سے پڑھانا اور بچے کی نماز کا صحیح ہونا جب کہ اُسے سوجھ بوجھ حاصل ہو، کیونکہ یتیم ہوتا ہی وہ ہے جو بالغ نہ ہو، نیز اگر اس بچے کو سوجھ بوجھ حاصل نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ صف نہ بناتے بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ہی کھڑا کرتے، یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کی صف بچوں کی صف سے بھی پیچھے ہوگی، عورت اکیلی کی صف شمار ہوسکتی ہے، جبکہ مرد اکیلا صف نہیں بنا سکتا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بعض واقعات میں اپنے ساتھ کھڑا کرتے تھے، نیز جب عورت مردوں کے برابر بھی کھڑی نہیں ہوسکتی تو ثابت ہوا کہ مردوں کی امامت بھی نہیں کراسکتی کیونکہ جسے ساتھ کھڑا کرنا ممنوع ہے اُس کو آگے کرنا بالاولیٰ ممنوع ہے۔

[361] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بن مَسْعُود، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِالْهَاجِرَةِ، فَوَجَدْتُهُ يُسَبِّحُ، فَقُمْتُ وَرَاءَهُ، فَقَرَّبَنِي حَتَّى جَعَلَنِي حِذَاءَهُ عَنْ يَمِينِهِ، فَلَمَّا جَاءَ يَرْفَأُ، تَأَخَّرْتُ فَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ.

عبیداللہ بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنے والد عبداللہ بن عُتبہ بن مسعود رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس (دوپہر سے کچھ پہلے) گیا، سخت گرمی کے وقت (جب میں) گیا تو میں نے انھیں نفل نماز پڑھتے ہوئے پایا، میں اُن کے پیچھے (اکیلا) کھڑا ہوگیا تو انھوں نے مجھے اپنے قریب کر کے اپنی دائیں جانب اپنے برابر کھڑا کرلیا، پھر جب (اُن کا غلام) یَرْفَا بھی آگیا تو میں پیچھے آگیا اور ہم نے ان کے پیچھے صف بنالی۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز بالکل صحیح ہوتی ہے اور وہ اگلی صف سے بندہ کھینچنے کو مکروہ جانتے تھے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اکیلے آدمی کی نماز بطور صف کے کافی ہو جائے گی، ان تینوں اماموں کے نزدیک ایسا شخص بہرحال گناہ گار بھی ضرور ہوگا ...... امام احمد رحمہ اللہ اور اکثر اہل حدیث کے نزدیک صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز بالکل باطل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا صَلَاةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّفِّ ''صف کے پیچھے اکیلے شخص کی نماز ہی نہیں ہے۔'' (ابن ماجه: 1003 ، مسند احمد: 4/ 23، بیهقی: 3/ 105 ، ابن ابی شیبه: 2/ 193 ، ابن خزیمه: 1569 ۔اس کی سند صحیح ہے۔) ایک آدمی نے اس طرح نماز پڑھ لی تھی تو فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔'' (ابو داؤد: 682، ترمذی: 230 ، ابن ماجه: 1004 ۔اس کی سند صحیح ہے۔)

رہا یہ مسئلہ کہ ایک شخص جماعت کے ساتھ نماز کے لیے جب پہنچے تو صف مکمل ہو چکی ہو، اس صورت میں وہ کیا کرے؟ اکیلا نئی صف بنائے تو نماز نہ ہوگی، آگے سے بندہ کھینچتا ہے تو صف توڑنے کا ارتکاب ہوگا جس کے متعلق فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جس نے صف توڑی اللہ اُسے توڑے (تباہ و برباد کرے)۔'' (ابوداود: 666 ، نسائی: 820۔ اس کی سند صحیح ہے) اسی طرح اگر وہ کسی اور شخص کے آنے کا انتظار کرتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے آئے اور امام کسی بھی حال میں ہو تو اُسے چاہیے کہ جو امام کر رہا ہو، وہی کرے۔'' (ترمذی: 591 ، الصحیحة: 1188 ۔اس کی سند صحیح ہے) ان متعارض محسوس ہونے والے حکموں کی

---

[361] (صحیح) صحیح البخاری ، کتاب الصلاة ، باب یرد المصلی من مربین یدیه ، حدیث: 509 ، 3274 ، صحیح مسلم ، کتاب الصلاة ، باب منع المار بین یدی المصلی ، حدیث: 505 ، ابوداود: 697 ، نسائی: 758، ابن ماجه: 954 ، احمد: 3/ 34 (11319) دارمی: 1411 ۔

موجودگی میں پیش آمدہ صورت حال کا مسئلہ اجتہادی حیثیت اختیار کر لیتا ہے ،اسی لیے مختلف فتاویٰ جات سامنے آتے ہیں، کچھ فقہاء و علماء تو عورت کی نماز پر قیاس کر کے ایسے شخص کی نماز کو بھی کافی سمجھتے ہیں، لیکن یہ قیاس غلط ہے کیونکہ عورت اکیلی ہو تو اسے اکیلے صف میں کھڑا ہونے کا حکم دیا جائے گا اور مرد کو اکیلے کھڑا ہونے سے منع کیا گیا ہے تو بھلا ممنوع کام کا، مشروع کام پر کس طرح قیاس ہوسکتا ہے، امام کی بھول پر مرد سبحان اللہ کہہ سکتا ہے جبکہ عورت نہیں، مرد عورتوں کا امام بن سکتا ہے لیکن عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی، مردوں عورتوں کی اگلی پچھلی صفوں کا اجر بھی بالکل برعکس ہے لہٰذا مردوں کے لیے ممنوع کام کا عورتوں کے لیے مشروع اور جائز کام پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق اور غلط ہے۔

بہت سے فقہاء نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کر کے مرد کے لیے اکیلے صف بنانے کو درست خیال کیا ہے، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع میں دیکھ کر صف سے پیچھے ہی رکوع کر لیا تھا، اور وہ اسی حالت میں چلتے ہوئے صف میں شامل ہو گئے، لیکن یہ قیاس بھی غلط ہے کیونکہ (1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ ایسا کرنے سے منع فرمادیا تھا تو جو خود ممنوع قرار پائے اُس پر شریعت کی بنیاد کیسے رکھی جائے۔ (2) یہ کام جو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے صادر ہوا وہ اس لیے تھا کہ اُنھیں مسئلے کا علم نہیں تھا، اب وہی کام کرنا تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق ممنوع ہے اور حرام ہے اور یہ مسئلہ بھی معلوم اور ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کے صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے سے منع کر دیا گیا ہے تو یہ تو عقلی طور پر بھی درست نہیں کہ دونوں ممنوع کاموں کو باہم جوڑ کر اُن میں سے ایک کی اجازت نکال لی جائے۔ (3) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ تو صف میں شامل ہونے کا قصد کیے ہوئے تھے اور شامل ہونے والے ہی والے تھے اور قَـرِيْبُ الشَّيْءِ عَيْنُ الشَّيْءِ کے تحت بھی صف میں شمار کیے جاسکتے تھے، نیز وہ تو چند لمحات بعد صف میں مل گئے تھے جبکہ یہ شخص قصداً صف کے بغیر نماز پڑھتا ہے تو کس طرح اِسے اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ (4) ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے صف کے پیچھے بالکل معمولی عمل کیا اور وہ بھی آئندہ کے لیے ممنوع ہو گیا جبکہ یہ شخص پوری نماز یا چند رکعتیں صف کے پیچھے ادا کرتا ہے تو یہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟

البتہ اگلی صف سے کسی شخص کو پیچھے کھینچ لینا دلائل شرعیہ کے زیادہ قریب اور زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ (1) جب امام کے ساتھ اکیلا مقتدی نماز پڑھتا ہے تو بعد میں آنے والے مقتدی کے لیے لازم ہے کہ اُسے پیچھے کھینچ لے۔ (2) صفوں کو توڑنا منع تو ہے لیکن مجبوری کی بنا پر کسی ایک بندے یا زیادہ افراد کا صف سے نکلنا مستثنیٰ ہے جیسا کہ وضو ٹوٹ جانے والے شخص کا صف سے نکلنا، سانپ اور بچھو کو قتل کرنے کے لیے نکلنا وغیرہ۔ (3) اگلی صف سے بندہ کھینچنا صف توڑنے کی نیت سے نہیں بلکہ نئی صف جوڑنے کی نیت سے ہوتا ہے۔ (4) بعض ضعیف روایات میں بھی صراحتاً بندہ کھینچنے کا حکم ہے، دیکھیے طبرانی ، الضعیفة: 922۔

10- باب التَّشْدِيدِ فِي أَنْ يَمُرَّ أَحَدٌ بَيْنَ يَدَى الْمُصَلِّيْ

نمازی کے آگے سے کسی شخص کے گزرنے کے متعلق سخت وعید کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں جن میں سے دو احادیثِ مصطفیٰ ﷺ ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں موجود ہیں، دو روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ایک تابعی رحمہ اللہ سے اور ان سب کی اسانید بھی صحیح ہیں۔

[362] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي، فَلَا يَدَعْ أَحَداً يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلْيَدْرَأْهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ .

عبدالرحمٰن بن ابوسعید رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو کسی (ایسے) شخص کو نہ چھوڑے جو اُس کے آگے سے گزرنے لگے (اور اُسے گزرنے نہ دے بلکہ) اُسے چاہیے کہ اپنی طاقت کے بقدر اُسے پیچھے ہٹا دے، (پھر) وہ (گزرنے والا) نہ مانے (اور ضد میں آکر وہیں سے گزرنا چاہے) تو پھر (نمازی) اُس کے ساتھ لڑے کیونکہ وہ شیطان ہے۔''

فائدہ:......اور شیاطین جس طرح جنات میں سے ہوتے ہیں اسی طرح انسانوں میں سے بھی ہوتے ہیں، کس قدر سخت وعید ہے کہ نمازی کے آگے سے جان بوجھ کر گزرنے والا زبان پیغمبر ﷺ سے شیطان کا لقب پا رہا ہے، نمازی کو چاہیے کہ اپنی وسعت کے مطابق گزرنے والے کو پیچھے دھکیل دے، یعنی بھرپور طاقت سے اپنا ہاتھ آگے کر کے اُسے روک دے اور اگر وہ یہ اشارہ دیکھ کر بھی باز نہ آئے تو پھر پہلے کی نسبت زیادہ طاقت سے اُسے روکے، خواہ نمازی کا ہاتھ سامنے آجانے سے اُسے کوئی تکلیف بھی پہنچ جائے، تم نماز کے ذریعے اگر اللہ کا قرب حاصل کر رہے ہو تو ساتھ ہی ساتھ شیطان کا مقابلہ بھی کر رہے ہوتے ہو، نماز تو شیطان کے خلاف بہت بڑی معرکہ آرائی ہے اور آگے سے گزرنے والا بھی چونکہ شیطان ہی کا نمائندہ ہے جو تمھاری توجہ اللہ سے ہٹانا چاہتا ہے اس لیے اُسے ہرگز معاف نہ کرو......لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز توڑ کر ہاتھا پائی یا گالی گلوچ کرنے لگو کیونکہ شیطان تو چاہتا ہی یہی ہے کہ تم نماز سے غافل ہو کر اُسے ترک کر دو، اس لیے لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ بھرپور طاقت سے مدافعت کرو تاکہ گزرنے والا اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

---

[362] (صحيح) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدى المصلى (258/505)، بخارى، كتاب الصلاة (509).

[363] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ أَرْسَلَهُ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ يَسْأَلُهُ: مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي؟ فَقَالَ أَبُو جُهَيْمٍ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ، لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْراً لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ. قَالَ أَبُو النَّضْرِ: لَا أَدْرِي أَقَالَ أَرْبَعِينَ يَوْماً، أَوْ شَهْراً، أَوْ سَنَةً.

بُسر بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ حضرت زید بن خالد جُہنی رحمہ اللہ نے اُن کو حضرت جُہیم رضی اللہ عنہ کی طرف (یہ کہہ کر) بھیجا کہ اُن سے پوچھیں کہ انھوں نے نمازی کے آگے سے گزرنے والے شخص کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو کیا فرماتے ہوئے سنا تھا۔ تو حضرت ابوجُہیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا شخص یہ جان لے کہ اس پر کیا (گناہ اور عذاب لازم ہوجاتا) ہے تو چالیس (سال) تک کھڑے رہنا اُس کے حق میں نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت بہتر (اور آسان معلوم) ہو۔“

(امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) ابونضر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں رہا کہ انھوں (یعنی بُسر بن سعید رحمہ اللہ) نے چالیس دن کہا تھا یا مہینے یا سال۔

فائدہ: ......حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (بلوغ المرام، حدیث:225 کے تحت) کہتے ہیں کہ مسند بزار کی ایک سند سے یہ الفاظ مروی ہیں: اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا یعنی چالیس سال تک کھڑے رہنا بہتر سمجھے اور یہ کھڑا رہنا، نمازی کے آگے سے گزرنے کے گناہ اور عذاب کی مشقت و تکلیف کے مقابلے میں بہت ہلکا کام محسوس کرے......جن روایات میں سوسال تک کھڑا رہنے کا ذکر ہے وہ ضعیف ہیں۔

[364] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ كَعْبَ الْأَحْبَارِ قَالَ: لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ کعب احبار رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا یہ جان لے کہ اس پر کیا (وبال پڑے گا) تو اُسے نمازی کے آگے سے

---

[363] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اثم المار بین یدی المصلی، حدیث: 510، صحیح مسلم، کتاب، الصلاۃ، باب منع المار بین یدی المصلی، حدیث: 507، ابوداود: 701، ترمذی: 336، نسائی: 757، ابن ماجہ: 945، احمد: 4/ 169، دارمی: 1417۔

[364] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 2/ 20 (2323) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

الْمُصَلِّی ، مَاذَا عَلَیْهِ ، لَكَانَ أَنْ یُخْسَفَ بِهِ ، خَیْراً لَهُ مِنْ أَنْ یَمُرَّ بَیْنَ یَدَیْهِ.

گزرنے کی نسبت (زمین میں زندہ) دھنسا دیا جانا بہتر معلوم ہو۔

[365] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ یَكْرَهُ ، أَنْ یَمُرَّ بَیْنَ أَیْدِی النِّسَاءِ وَهُنَّ یُصَلِّینَ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عورتوں کے آگے سے گزرنا بھی نا پسند جانتے تھے جس وقت کہ وہ نماز پڑھ رہی ہوتیں۔"

فائدہ :...... انھوں نے عورتوں کا خاص تذکرہ اس لیے کیا کہ عورتیں مسجد میں آخری صفوں پر ہوتی تھیں اور مسجد میں آنے اور جانے والوں کے راستے میں نماز پڑھ رہی ہوتی تھیں۔

[366] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا یَمُرُّ بَیْنَ یَدَیْ أَحَدٍ ، وَلَا یَدَعُ أَحَداً یَمُرُّ بَیْنَ یَدَیْهِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نہ تو کسی (نمازی) کے سامنے سے گزرتے تھے اور نہ ہی کسی کو اپنے آگے سے گزرنے دیتے تھے۔

11- بَابٌ: الرُّخْصَةُ فِی الْمُرُورِ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّی

نمازی کے آگے سے گزرنے کی رخصت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، تین آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے دو صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ :...... جمہور علماء وفقہاء کے نزدیک سترہ رکھنا مستحب ہے، امام شوکانی رحمہ اللہ، ابن حزم رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ وجوب کے قائل ہیں اور یہی بات راجح ہے جس کے دلائل مندرجہ ذیل احکامات نبویہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ فَلْیُصَلِّ اِلٰی سُتْرَةٍ وَلْیَدْنُ مِنْهَا "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے لگے تو اُسے چاہیے کہ سترے کی طرف (رُخ کرکے) نماز پڑھے اور اُسے چاہیے کہ اُس کے قریب کھڑا ہو۔" (ابوداود: 698 ، ابن ماجہ: 954 ۔اس کی سند صحیح ہے) ایک روایت میں یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: لِیَسْتَتِرْ اَحَدُكُمْ فِی الصَّلَاةِ وَلَوْ بِسَهْمٍ "تمھیں نماز میں سترہ قائم کرلینا چاہیے، خواہ ایک تیر ہی کے ساتھ (سُترہ بناؤ)۔" (مسند احمد: 3/ 404، مسند ابی یعلیٰ: 2/ 239 ۔اس کی سند صحیح ہے۔) ایک موقع پر تو یہ تاکید بھی فرمائی: لَا تُصَلِّ اِلَّا اِلٰی سُتْرَةٍ

---

[365] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 20 (2327) ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[366] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 20 (2326)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

''سُترے کی طرف منہ کیے بغیر نماز ہی نہ پڑھو۔''(ابن خزیمہ: 800 ، حاکم: 1/ 251 ، بیهقی: 2/ 268 ۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

سترہ کو واجب نہ کہنے والوں کی دلیل یہ حدیث ہے کہ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّى بِالنَّاسِ بِمِنىً اِلٰى غَيْرِ جِــــدَارٍ ''اور رسول اللہ ﷺ (حج کے موقع پر) منیٰ (کے میدان) میں لوگوں کو دیوار کے علاوہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا رہے تھے۔''(بخاری: 493) استدلال یوں کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے دیوار نہیں تھی۔یعنی سترہ ہی نہیں تھا، حالانکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے تو ''سُتــرہ'' کا موجود ہونا ثابت کرتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا ہے: سُتْرَةُ الْاِمَامِ سُتْرَةٌ لِمَنْ خَلْفَهٗ ''امام کا سُترہ ہی مقتدیوں کا سُترہ ہوگا۔'' نیز حدیث میں ''غَيْرِ جِدَارٍ '' کے الفاظ ہیں اور عربی گرامر کا یہ اصول ہے کہ لفظ ''غَيْــرِ'' صفت کے لیے وضع کیا گیا ہے یعنی یہ کسی موصوف کی صفت واقع ہوتا ہے، چنانچہ اس اصول کے پیش نظر یہاں موصوف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے: ''اِلٰـــى شَــىْءٍ غَيْــرِ جِــدَارٍ'' یعنی آپ ﷺ کسی ایسی چیز کی طرف منہ کیے ہوئے تھے جو دیوار کے علاوہ تھی، سترہ تو تھا لیکن وہ دیوار کے علاوہ کسی اور چیز کا تھا۔ الغرض نبی کریم ﷺ سُترہ کا خوب اہتمام فرماتے تھے، ہمیں بھی اس سنت کو عام کرنا چاہیے، یہ یاد رہے کہ سترہ رکھنا الگ عمل ہے اور نماز الگ، سُترہ نماز کے لیے شرط بہر حال نہیں ہے، چنانچہ جو شخص اسے نہیں رکھتا اُس کی نماز تو ہو جائے گی لیکن وہ ایک واجب کا تارک بھی ہوگا۔

[367] حَـدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَـابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: أَقْبَلْـتُ رَاكِبـاً عَـلَـى أَتَـانٍ - وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الاِحْتِلَامَ - وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي لِلـنَّـاسِ بِـمِـنًى، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الـصَّفِّ، فَـنَـزَلْـتُ فَـأَرْسَلْتُ الأَتَانَ تَرْتَعُ، وَدَخَـلْـتُ فِي الصَّفِّ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں گدھی پر سوار ہو کر آیا اور میں اس وقت بلوغت کے قریب تھا، اور رسول اللہ ﷺ منیٰ (کے میدان) میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، تو میں صف کے کچھ حصے کے سامنے سے گزرا، پھر (سواری سے) نیچے اُترا، پھر میں نے گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود صف میں داخل ہو گیا تو کسی نے بھی اس عمل کا مجھ سے انکار (اور کوئی اعتراض) نہ کیا۔

[367] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب متى يصح سماع الصغير، حديث: 76، 493، 861، 1857، 4412، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب سترة المصلى حديث: 504، ابوداود: 705، ترمذي: 337، نسائي: 753، ابن ماجه: 947، احمد: 1/ 219، دارمي: 1415۔

فائدہ :...... چونکہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی سترہ پڑا ہوا تھا، اس لیے وہ تمام مقتدیوں کی طرف سے بھی کفایت کر رہا تھا، چنانچہ جب امام اکیلے کے سامنے کوئی سترہ پڑا ہوا ہو تو صف میں کھڑے لوگوں کے سامنے سے گزرنا سُترے کے پار سے گزرنا ہی شمار ہوتا ہے، نہ گزرنے والا گناہ گار ہوتا ہے اور نہ کسی کی نماز ٹوٹتی ہے...... یاد رہے کہ ترمذی وغیرہ میں اسی روایت میں وضاحت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس موقع پر اپنے بڑے بھائی فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہمراہ گدھی پر سوار تھے اور پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

[368] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ كَانَ يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصُّفُوفِ وَالصَّلَاةُ قَائِمَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صفوں کے کچھ حصے کے سامنے سے گزر جاتے تھے جس وقت کہ نماز کھڑی ہوتی تھی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَأَنَا أَرَى ذَلِكَ وَاسِعاً، إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، وَبَعْدَ أَنْ يُحْرِمَ الإِمَامُ وَلَمْ يَجِدِ الْمَرْءُ مَدْخَلاً إِلَى الْمَسْجِدِ إِلَّا بَيْنَ الصُّفُوفِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اس فعل کو جائز خیال کرتا ہوں، (لیکن صرف) اس صورت میں کہ نماز کی اقامت کہہ دی جائے اور امام تکبیر تحریمہ کہہ لے اور آدمی کو مسجد میں داخل ہونے کی جگہ نہ ملے سوائے اس کے کہ صفوں کے درمیان سے گزرنا پڑے (تو وہ گزر سکتا ہے)۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ نمازیوں کے آگے سے گزرنے کو معمول نہ بنایا جائے، ہاں اگر بہت مجبوری ہو تو پھر مقتدیوں کے لیے جائز ہے۔

[369] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ مِمَّا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو کوئی بھی ایسی چیز نہیں توڑتی جو نمازی کے آگے سے گزر جائے۔

[370] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن

[368] (موقوف صحيح) بيهقى فى معرفة السنن والآثار: 2/ 120 (1055)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

[369] (موقوف صحيح) بيهقى: 2/ 278، طحاوى فى شرح المعانى والآثار: 1/ 464، الاستذكار لابن عبدالبر: 6/ 179 (8510)، ابن ابى شيبه: 1/ 280(2884)، عبدالرزاق: 2361۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[370] (موقوف صحيح) بيهقى: 2/ 278، 279، طحاوى: 1/ 463، ابن ابى شيبه: 1/ 280 (2885، 2886)، عبدالرزاق: 2/ 30 (2366، 2368)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

شِهَابٍ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰه ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰه بْـنَ عُـمَرَ كَانَ يَقُولُ : لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ مِمَّا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي .

عمر رضی اللہ عنہما (بھی) کہا کرتے تھے کہ نماز کو کوئی بھی چیز نہیں توڑتی جو نمازی کے سامنے سے گزر جائے۔

فائدہ :......نمازی کے آگے سے کسی بھی چیز کے گزرنے سے نماز نہ ٹوٹنے کے متعلق حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ صحیح سند سے ثابت ہیں ۔ (سعید بن منصور ، زرقانی) اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ۔(موطا امام مالک رحمہ اللہ)۔

ان کے علاوہ جتنے بھی اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب احادیث ہیں ، تمام کی سندیں کمزور ہیں۔

ہاں نماز ٹوٹ جانے کے حوالے سے صحیح ترین احادیث مبارکہ میں یہ تو ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَإِذَا لَـمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ فَإِنَّهُ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ وَالْكَلْبُ الْاَسْوَدُ ''جب نمازی کے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کی طرح کوئی چیز (بطورسُترہ کے) نہ ہو تو یقیناً گدھا، عورت اور سیاہ کتا اس کی نماز کو توڑ دیں گے۔'' (مسلم: 510) ایک روایت میں عورت کے بالغ ہونے کا ذکر ہے۔ (ابو داود: 703 ۔اس کی سند صحیح ہے۔) ......اس حدیث میں نماز ٹوٹنے کا ذکر ہے جو نماز نہ ٹوٹنے کے متعلق روایات سے متعارض ہے ، چنانچہ بعض علماء نے یہ تطبیق دی ہے کہ ٹوٹنے سے مراد صرف خشوع کا ٹوٹنا ہے اور نہ ٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ نماز بہرحال ادا ہو جائے گی اگر چہ خشوع میں کمی آ بھی جائے......بعض علماء نے ٹوٹنے کے متعلق احادیث کو منسوخ قرار دیا ہے اور انھوں نے ابو داؤد میں موجود ٹوٹنے کے متعلق ضعیف روایت کو کم از کم حسن قرار دیا ہے۔ (شیخ احمد شاکر، تعـلیق علی الترمذی: 2/ 164 ، مرعاۃ المفاتیح ازعبداللہ رحمانی مبارکپوری:2/ 496)

لیکن ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ کمزور روایات اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ صحیح ترین احادیث کے نہ تو مدمقابل ہو سکتے ہیں اور نہ متعارض ، لہٰذا صرف تین چیزوں کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے ، بالغ عورت اور کالا کتا اور گدھا ......لیکن مسلم شریف کی اسی روایت سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کے سامنے سترہ نہ ہو اور اِن تین چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز نمازی کے آگے سے گزر جائے یا کوئی بھی نہ گزرے تو نماز ہو جائے گی ، اگر چہ ایسا شخص سترہ نہ رکھنے کی وجہ سے ایک حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا تارک بھی ٹھہرے گا ، لیکن نماز کا فریضہ بہر حال ادا ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ فرمایا کہ عورت ، گدھا اور کتا نماز کو توڑ دیتے ہیں ، پھر فرمایا: وَيَـقِـيْ ذٰلِكَ مِثْلُ مَؤْخِرَةِ الرَّحْلِ ''اور پالان کی پچھلی لکڑی کی طرح کی کوئی چیز (جو سترہ کے طور پر رکھی گئی ہو) اُس نماز کو (ٹوٹنے سے) بچالیتی ہے۔'' (مسـلم : 511) اس حدیث میں اُن لوگوں کی بھی تردید

ہے جو کہتے ہیں کہ بغیر سترہ کے نماز ہی نہیں ہوتی ، حالانکہ یہ حدیث بڑی وضاحت سے ایک چیز (نماز) کے وجود کو ختم کرنے والی اشیاء کا ذکر کر رہی ہے ، بھلا اگر بغیر سترے کے نماز ہی نہ ہوتو پھر توڑا کس کو جائے گا اور بچایا کس کو جائے گا ۔

12- بَابٌ : سُتْرَةُ الْمُصَلِّي فِي السَّفَرِ

سفر میں نمازی کے سُترہ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں ، ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے اور دوسری تابعی رحمہ اللہ سے مروی ہے اور دونوں ہی کی سندیں صحیح ثابت ہیں ۔

[371] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَسْتَتِرُ بِرَاحِلَتِهِ إِذَا صَلَّى .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب (سفر میں) نماز پڑھتے تو اپنے سواری کے اونٹ کو سترہ بنا لیتے تھے ۔

فائدہ : ......اور اس کی دلیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل پیش کرتے : اَنَّـهٗ كَـانَ يُـعَرِّضُ رَاحِلَتَـهٗ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سواری کے اونٹ کو چوڑائی میں بٹھا کر اس کی طرف (رُخ کر کے) نماز پڑھتے تھے ۔''

(بخاری: 507 ، مسلم: 502)

[372] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّي فِي الصَّحْرَاءِ إِلَى غَيْرِ سُتْرَةٍ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عُروہ رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ صحراء یعنی کھلی فضا میں بغیر سترہ کے نماز پڑھ لیتے تھے ۔

فائدہ : ...... جمہور علماء اسی کے قائل ہیں کہ جہاں کسی کے گزرنے کا خطرہ ہو وہاں سترہ رکھنا مستحب ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارت میں یا کھلی فضا میں اور کسی کے گزرنے کے خطرے کی قید بالکل نہیں لگائی بلکہ ہر نمازی کو حکم دیا ہے کہ وہ ضرور سترے کا اہتمام کرے ، جیسا کہ گزشتہ باب کے شروع میں ہم نے واضح احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے ...... رہی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحراء میں بغیر سترہ کے نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے ۔ (ابوداود: 718 ، نسائی: 754) تو اس کی سند میں عباس بن عبیداللہ مجہول راوی (مستور الحال) ہے اور سند بھی منقطع ہے ، اس عباس کی اپنے چچا فضل سے ملاقات ہی ثابت نہیں اور اسی مفہوم کی جو

---

[371] (موقوف صحیح) صحیح البخاری ، کتاب الصلاۃ ، باب الصلاۃ فی مواضع الاھل ، حدیث: 430 ، 507 ، صحیح مسلم ، کتاب الصلاۃ ، باب سترۃ المصلی ، حدیث: 502 ، ابوداود: 692 ، ترمذی: 352 ، احمد: 2/ 3 ، دارمی: 1412 ، عبدالرزاق: 2274 ، 2284 ۔

[372] (مقطوع صحیح) ابن ابی شیبہ: 1/ 249 ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے ۔

روایت حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسند احمد اور مسند ابی یعلیٰ میں مروی ہے تو اس کی سند میں حجّاج بن اَرْطَاۃ ضعیف راوی ہے۔

13- بَابٌ: مَسْحُ الْحَصْبَاءِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں (سجدے کی جگہ سے) کنکریوں کو (ہٹانے اور) صاف کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو موقوف روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

[373] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْقَارِئِ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ إِذَا أَهْوَى لِيَسْجُدَ، مَسَحَ الْحَصْبَاءَ لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهِ، مَسْحاً خَفِيفاً.

ابو جعفر قاری رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، جب وہ سجدے کے لیے جھکتے تو اپنے سجدے کی جگہ سے کنکریوں کو ہلکا سا (ہاتھ پھیر کر) ہٹا دیتے۔

[374] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ أَبَا ذَرٍّ كَانَ يَقُولُ: مَسْحُ الْحَصْبَاءِ مَسْحَةً وَاحِدَةً، وَتَرْكُهَا خَيْرٌ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کنکریوں کا ہٹانا (صرف) ایک بار (جائز) ہے اور اس (ایک بار ہٹانے) کو بھی ترک کر دینا سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

فائدہ :......حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهٗ ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریوں کو مت ہٹائے کیونکہ بلاشبہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔'' (ابوداود: 945، ترمذی: 379، نسائی: 1192، ابن ماجہ: 1027، مسند احمد: 5/ 150، 163، 179۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے) مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ''ایک بار کر دیا (اُسے بھی) چھوڑ دو۔'' حضرت مُعَیْقِیب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنْ كُنْتَ لَابُدَّ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً ''اگر تمھارے لیے اس (ہٹانے کے عمل) کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو تو پھر صرف ایک بار ایسا کرلو۔'' (بخاری: 120، مسلم: 546، ترمذی: 380) الغرض نماز کے دوران اس کام میں

---

[373] (موقوف صحیح) بیهقی: 2/ 285، ابن ابی شیبه: 2/ 412، ابن المنذر فی الاوسط: 3/ 258، ابن عساکر فی تاریخ دمشق: 69/ 145۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[374] (موقوف ضعیف) بیهقی: 2/ 285، عبدالرزاق: 2400- 2402۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

مشغول ہونے سے بچنا چاہیے، خواہ کنکریاں ہوں یا مٹی یا کوئی اور چیز، تاکہ نماز میں اللہ کے ساتھ تعلق اور مناجات میں خلل نہ آئے اور آغازِ نماز سے قبل ہی جگہ درست کر لینی چاہیے۔

14- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ

صفیں برابر کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف دو موقوف روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور دونوں صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ:...... صفیں سیدھی اور برابر کرنے میں چار چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے: (1) قَارِبُوْا بَيْنَهَا ''صفیں قریب قریب بناؤ۔'' (ابوداود: 667، نسائی: 816۔ اس کی سند صحیح ہے۔) یعنی صفوں کا درمیانی فاصلہ زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ (2) اگلی صفوں کو مکمل کرنے کے بعد پچھلی صفیں شروع کرنا چاہئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا ''تم اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صف بندی کرتے ہیں؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرشتوں کی صف بندی کی وضاحت پوچھی تو فرمایا: يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰى وَيَتَرَاصُّوْنَ فِي الصَّفِّ ''وہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔'' (مسلم: 430) (3) صف دائیں بائیں بالکل سیدھی ہونی چاہیے، فرمان نبوی ہے: وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ ''گردنوں کے ساتھ ایک دوسرے کے برابر (اور سیدھ میں) ہو جاؤ۔'' (ابوداود: 667، نسائی: 816۔ اس کی سند صحیح ہے۔) یعنی ہر کسی کی گردن ایک ہی سیدھ میں ہونی چاہیے، یہ نہ ہو کہ کوئی آگے کھڑا ہو اور کوئی پیچھے، قطار بالکل تیر کی طرح سیدھی ہو، ایک روایت میں ہے: وَحَاذُوْا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ ''اپنے کندھے ایک دوسرے کے برابر میں کر لیا کرو۔'' (مسند احمد: 5/ 262۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں (اس قدر) سیدھی فرماتے کہ گویا آپ (ان صفوں کے سیدھے پن سے) تیروں کو سیدھا کرنا چاہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) ایک آدمی کا سینہ صف سے آگے نکلا ہوا دیکھا تو فرمایا: عِبَادَاللّٰهِ! لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْلَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ ''اللہ کے بندو! تم اپنی صفیں ضرور سیدھی کر لو ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے چہروں کے درمیان مخالفت ڈال دیں گے۔'' (مسلم: 436/ 128) (4) ہر صف میں کھڑے ہونے والے آپس میں خوب مضبوطی سے مل کر کھڑے ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ ''اپنی صفوں کو خوب مضبوط کیا کرو۔'' (ابوداود: 667، نسائی: 816۔ اس کی سند صحیح ہے)، نیز فرمایا: وَتَرَاصُّوْا فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَدْخُلُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ ''اور (ہر دو شخصوں کے درمیانی) سوراخ بند کرو، کیونکہ شیطان تمھارے درمیان (کی خالی جگہ) میں بھیڑ کے چھوٹے بچے کی طرح داخل ہو جاتا ہے۔'' (مسند احمد: 5/ 262۔ اس کی سند صحیح ہے) اسی طرح فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتٍ لِّلشَّيْطٰنِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا

قَطَعَهُ اللّٰهُ ''اور شیطان کے لیے سوراخ نہ چھوڑو اور جس نے صف کو ملایا، اللہ اُسے ملائے اور جس نے صف کو توڑا، اللہ اُسے توڑے۔''(ابوداود: 666 ، نسائی: 820 ۔اس کی سند صحیح ہے۔) چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وَكَانَ اَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهٗ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهٖ وَقَدَمَهٗ بِقَدَمِهٖ ''اور ہم میں ایک اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا پاؤں اس کے پاؤں کے ساتھ ملالیا کرتا تھا۔''(بخاری: 725)۔

[375] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَأْمُرُ بِتَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ ، فَإِذَا جَاءُوهُ فَأَخْبَرُوهُ أَنْ قَدِ اسْتَوَتْ كَبَّرَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صفوں کو برابر کرنے کا حکم دیتے ، چنانچہ جب (صفیں سیدھی، کرانے پر مامور) لوگ آپ کے پاس آکر یہ خبر دیتے کہ صفیں برابر ہوگئی ہیں تو وہ تکبیر (تحریمہ) کہتے ۔

[376] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ، فَقَامَتِ الصَّلَاةُ وَأَنَا أُكَلِّمُهُ فِي أَنْ يَفْرِضَ لِي ، فَلَمْ أَزَلْ أُكَلِّمُهُ ، وَهُوَ يُسَوِّي الْحَصْبَاءَ بِنَعْلَيْهِ ، حَتَّى جَاءَهُ رِجَالٌ ، قَدْ كَانَ وَكَلَهُمْ بِتَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ ، فَأَخْبَرُوهُ أَنَّ الصُّفُوفَ قَدِ اسْتَوَتْ ، فَقَالَ لِي: اسْتَوِ فِي الصَّفِّ ، ثُمَّ كَبَّرَ.

امام مالک رحمہ اللہ اپنے چچا ابوسہیل رحمہ اللہ سے ، اور وہ اپنے والد مالک (بن ابی عامر اصبحی رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا کہ (اتنے میں تکبیر ہوگئی اور) نماز کھڑی ہونے لگی، میں اُن سے اس بارے میں گفتگو کررہا تھا کہ وہ میرے لیے کچھ وظیفہ (بیت المال سے) مقرر کردیں، چنانچہ میں اُن سے مسلسل گفتگو میں لگارہا اور وہ اپنے جوتوں کے ساتھ کنکریاں برابر کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ لوگ (اُن کے پاس) آگئے جن کو انھوں نے صفیں سیدھی کرانے کی ذمہ داری سونپ رکھی تھی ، انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ صفیں برابر (اور سیدھی) ہوچکی ہیں تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم بھی صف میں برابر کھڑے ہو جاؤ، پھر انھوں نے تکبیر تحریمہ کہی۔

فائدہ :......خلفائے راشدین نمازوں کی صف بندی کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا

[375] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 47 (2438) ، ابن ابی شیبہ: 1/ 352 ، بیھقی فی السنن الکبری: 2/ 21، وفی معرفة السنن والآثار: 1/ 493 ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ثابت ہے۔

[376] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 40 (2408) ، ابن ابی شیبہ: 1/ 352 ، ابن المنذر فی الاوسط: 3/ 261 (1620) ، بیھقی فی السنن الکبری: 2/ 21 ، 22 ، وفی معرفة السنن والآثار: 1/ 493 ، طحاوی فی مشکل الآثار: 2/ 222 ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

اپنا معمول مبارک بھی یہی تھا، آپ ﷺ خود اپنے دستِ مبارک سے صفوں کو تیر کی طرح بالکل سیدھا کرتے، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ ''رسول اللہ ﷺ نماز (کے لیے قائم کی جانے والی صفوں) میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگاتے (اور ایک دوسرے کی سیدھ میں کرتے)۔'' (مسلم: 432) معلوم ہوا کہ امام کو خود بھی صفیں سیدھی کرانے سے شرمانا نہیں چاہیے اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: وَلِيْنُوْا فِيْ اَيْدِيْ اِخْوَانِكُم ''اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ۔'' (مسند احمد: 5/ 262۔ اس کی سند صحیح ہے) تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو صفیں سیدھی کرانے پر مقرر بھی کیا جاسکتا ہے، وہ صفیں سیدھی کرائیں اور لوگ ان کے سامنے دھاگے کی طرح نرم ہو جائیں اور وہ جہاں کھڑے کریں اُن کا حکم مان لیں ...... آج امت محمدیہ کی اکثریت صف بندی کا اہتمام ترک کرنے کے نتیجے میں افتراق وانتشار کا شکار ہے، اس کا شیرازہ بکھر چکا ہے، نبی مکرم ﷺ اور خلفائے راشدین اقامت ہو جانے کے بعد بھی صف بندی کا حکم دیتے اور صفیں سیدھی ہونے کے انتظار میں کھڑے رہتے لیکن آج شاذونادر ہی اس پر عمل ہوتا ہے، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بہت سے اہلِ فقہ ان روایات کو تسلیم کر کے الفاظ کی حد تک اسے جائز تو سمجھتے ہیں لیکن عملی طور پر ساری زندگی اُن کو پاؤں سے پاؤں ملانا بھی نصیب نہیں ہوتا، بلکہ اس سے شدید نفرت کرتے ہیں۔

15- بَابٌ: وَضَعُ الْيَدَيْنِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فِي الصَّلَاةِ

نماز کے دوران دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو دوسرے پر رکھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو احادیث نبویہ مذکور ہیں جو کہ صحیح سندوں سے ثابت ہیں۔

فائدہ: ......نماز میں قیام کے دوران ہاتھ کھلے چھوڑنا چاہئیں یا نہیں، اس کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے پیرکاروں کے سوا سب کے نزدیک ہاتھوں کو باندھنا سنت ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرض نماز میں ہاتھ باندھنے کو مکروہ، جبکہ نفلوں میں جائز سمجھتے تھے، اس بنا پر کہ بہت سی روایات میں اس عمل کا تذکرہ نہیں ملتا اور یہ عمل نماز کے افعال کے ساتھ اس اعتبار سے مناسبت نہیں رکھتا کہ یہ تو راحت وآرام کی ایک شکل ہے جس کے ذریعے آدمی تھکاوٹ کے مقابلے میں مدد حاصل کرتا ہے، چنانچہ نفل نماز میں جب قیام لمبا ہو جائے تو اس کی اجازت ہے...... حالانکہ ایسا قطعاً نہیں ہے۔ یہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کی حالت تو انتہائی مؤدبانہ اور عاجزانہ ہے اور متعدد روایات میں یہ عمل نبی کریم ﷺ کے قول وفعل دونوں سے ثابت ہے، آپ ﷺ اس کا حکم فرمایا کرتے تھے جیسا کہ خود موطا امام مالک رحمہ اللہ کی (اسی باب کی دوسری) صحیح ترین روایت میں بھی موجود ہے، نیز حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو تکبیر تحریمہ کے بعد ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى ''پھر

آپ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ، بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ لیا۔'' (مسلم: 401) حضرت ہُلب طائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں امامت کراتے تو فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ ''اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے۔'' (ترمذی: 252 ، ابن ماجه: 809 ۔اس کی سند حسن ہے۔) ہاتھ باندھنے کے متعلق احادیث میں چار طریقے مروی ہیں: (1) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ لینا۔ (مسلم: 401)(2) دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ لینا۔ (ترمذی: 252 ، ابن ماجه: 809 ۔ اس کی سند حسن ہے۔)(3) دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت، گُٹ اور کلائی کے اوپر رکھنا۔ (ابوداود: 727 ، نسائی: 890 ، مسنداحمد: 4/ 318 ۔ اس کی سند صحیح ہے) (4) دائیں ہاتھ کو بائیں بازو پر رکھنا۔ (بخاری: 740) اور یہ سب طریقے جائز ہیں۔

ہاتھ باندھنے کی جگہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرد اپنے ہاتھوں کو ناف سے نیچے اور عورت سینے پر باندھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے سینے پر، سینے سے نیچے لیکن ناف سے اوپر اور ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کے تین اقوال مروی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ سے سینے سے کچھ نیچے یا ناف سے نیچے یا دونوں میں اختیار کے اقوال منقول ہیں، امام مالک رحمہ اللہ سے ہاتھوں کو کھلا چھوڑنے، سینے سے نیچے لیکن ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے یا دونوں میں اختیار کے اقوال مروی ہیں...... ہمارے نزدیک ان میں سے راجح موقف سینے پر ہاتھ باندھنے کا ہے کیونکہ (1) حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: عَلٰی صَدْرِہٖ '' (آپ ﷺ نے) اپنے سینہ مبارک پر (ہاتھ باندھے)۔'' (صحیح ابن خزیمه: 1/ 243 ۔اس کی سند صحیح ہے) (2) حضرت ہُلب طائی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: وَرَأَیْتُهٗ یَضَعُ یَدَهٗ عَلٰی صَدْرِہٖ ''اور میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھے ہوئے تھے۔'' (مسنداحمد: 5/ 226 ، 227 ۔اس کی سند صحیح ہے) (3) طاؤس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر اپنے سینہ مبارک پر باندھ لیتے تھے۔ (ابوداود: 759 ۔ یہ روایت مرسل ہے، لیکن کچھ دوسری سندوں سے موصول بھی وارد ہوئی ہے۔ ارواء الغلیل: 2/ 71 ۔ نیز اس کے شواہد بھی موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ احناف کے ہاں تو مرسل روایت بھی حجت ہوتی ہے۔)

احناف اپنے موقف کے لیے حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ کی ابنِ ابی شیبہ والی روایت ذکر کرتے ہیں جس کی سند تو صحیح ہے لیکن اُس میں ''ناف کے نیچے'' کے الفاظ قاسم بن قطلو بغا حنفی کی طرف سے داخل کیے گئے ہیں کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ کے صحیح ترین نسخے ان الفاظ سے خالی ہیں، جیسا کہ متعدد حنفی علماء نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔ احناف کی دوسری اور تیسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات ہیں لیکن دونوں کی سندوں میں عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی ضعیف راوی ہے جسے منکر الحدیث اور متروک الحدیث بھی قرار دیا گیا ہے اور چوتھی دلیل مُحلّی ابن حزم رحمہ اللہ میں مذکور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کی سند ہی نامعلوم ہے۔

[377] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ الْبَصْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ وَوَضْعُ الْيَدَيْنِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الأُخْرَى فِي الصَّلَاةِ، يَضَعُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى، وَتَعْجِيلُ الْفِطْرِ، وَالاِسْتِينَاءُ بِالسَّحُورِ.

عبدالکریم بن ابی المخارق بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبوت کی باتوں میں سے (ایک) یہ بات (بھی) ہے کہ جب تو بے حیا ہو جائے تو جو چاہے کر، اور (یہ بھی کہ) نماز میں دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو دوسرے پر رکھنا (چاہیے، اس طرح کہ آدمی) دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھے، اور (یہ بھی کہ) روزہ جلد افطار کر لینا اور سحری کھانے میں دیر کرنا۔

فائدہ:......حضرت ابومسعود عقبہ (بن عمرو انصاری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَا صْنَعْ مَاشِئْتَ ''بے شک اُن باتوں میں سے جنھیں لوگوں نے (پہلی) نبوتوں کے کلام سے حاصل کیا ہے، ایک یہ بات ہے کہ جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو جی میں آتا ہے، کر لے۔'' (بخاری: 3484)

[378] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ. قَالَ أَبُو حَازِمٍ لَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنَّهُ يَنْمِي ذَلِكَ.

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) یہ حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بازو پر رکھے۔ (امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ) ابوحازم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں تو بس یہی سمجھتا ہوں کہ وہ (حضرت سہل رضی اللہ عنہ) اس حدیث کو (مرفوع یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف) منسوب کر رہے تھے۔

فائدہ:......کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا کہ ہمیں یا لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا یا منع کیا جاتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دینے اور منع کرنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، یاد رہے کہ اکثر حنابلہ اور متعدد اہل حدیث حضرات اس حدیث مبارکہ سے بھی یہ دلیل لیتے ہیں کہ رکوع کے بعد بھی ہاتھ باندھنا چاہئیں۔ جیسا کہ عصر حاضر میں مسجد نبوی اور بیت اللہ کے تقریباً تمام ائمہ کرام بھی اسی پر عمل پیرا ہیں، وہ استدلال یوں

[377] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔

[378] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الآذان، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، حدیث: 740، مسند احمد: 5/ 336۔

کرتے ہیں کہ صحابی رضی اللہ عنہم نے پوری نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم دیے جانے کا ذکر کیا ہے، نماز کے کسی حصے کو خاص نہیں کیا، لہٰذا وہ تمام ارکانِ نماز جن میں ہاتھوں کی کیفیت کو دوسری احادیث نے مستثنیٰ نہیں کیا، وہاں ہاتھ باندھے جائیں گے، چنانچہ رکوع، سجدہ، جلسہ اور تشہد میں ہاتھوں کی الگ کیفیتیں بیان ہوئی ہیں، ان کے علاوہ باقی نماز میں ہاتھ باندھے جائیں گے، اور وہ دو ہی جگہیں ہیں، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد، رہیں وہ روایات جن میں آتا ہے کہ رکوع کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر پہنچ جاتی، (جسے ہاتھ چھوڑنے کی دلیل کے طور پر بیان کیا جاتا ہے) تو اِس سے مراد بعض احادیث کے الفاظ صرف ریڑھ کی ہڈی کے جوڑوں کے متعلق ہیں اور حالتِ رکوع اور سجدے کے لیے بھی بولے گئے ہیں، تو کیا رکوع سے پہلے اور رکوع وسجدے میں بھی کوئی شخص ہاتھ چھوڑنے کا قائل ہے، یقیناً نہیں، اس لیے ان تمام روایات کا مفہوم یہ ہے کہ ان تمام ارکان میں ہر ہڈی اپنی اس جگہ پر پہنچ جاتی جو شریعت نے اس کے لیے متعین کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رُکنِ نماز میں اعتدال واطمینان کو ملحوظ رکھتے ...... تاہم رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے قائلین اس کے وجوب کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے کی دونوں صورتوں میں نماز ہو جانے کے قائل ہیں، بس ہاتھ باندھنے کے دلائل کو راجح اور قوی خیال کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

16- بَابٌ: الْقُنُوتُ فِي الصُّبْحِ

نمازِ فجر میں قنوتِ (نازلہ) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

[379] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْنُتُ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَاةِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی بھی نماز میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: ......نمازوں میں دو قسم کا قنوت ہوتا ہے: قنوت وتر اور قنوتِ نازلہ۔ اس باب میں قنوت سے مراد نماز میں دعا کرنا ہے۔ قنوتِ وتر تو تقریباً سب کے ہاں مشروع ہے اور سارا سال کیا جاتا ہے، البتہ اس میں دو اختلاف ہیں کہ دعا کون سی پڑھی جائے گی اور وہ رکوع سے پہلے یا بعد میں؟ چنانچہ قنوتِ وتر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ ....الخ والی دعا وضاحت سے ثابت ہے۔ (ابوداود: 1425، ترمذی: 464،

[379] (موقوف صحيح) الشافعي في الأمّ: 7/ 248، وفي المسند: 1/ 223، عبدالرزاق: 3/ 106 (4952)، الطحاوي في شرح معاني الآثار: 1/ 253، ابن المنذر في الاوسط: 2712، بيهقي في معرفة السنن والآثار: 2/ 69، ابن ابي شيبه: 2/ 100 ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

نسائی: 1764 ، ابن ماجه: 1178 ، مسنداحمد: 1/ 199 ۔اس کی سند صحیح ہے) رہا جگہ کا مسئلہ تو اس کے متعلق ہماری تحقیق میں راجح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتروں کا قنوت رکوع سے پہلے ہی کیا کرتے تھے۔(ابن ماجه: 1182 ۔ اس کی سند صحیح ہے، نیز دیکھیے بخاری: 1002) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دونوں قسم کی روایات مروی ہیں لیکن بخاری شریف کی اس روایت (1002) میں وضاحت ہے کہ قنوتِ نازلہ تو رکوع کے بعد ہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مہینہ بھر دشمنوں کے خلاف کی تھی پھر اُسے ترک کر دیا تھا، جبکہ قنوت وتر رکوع سے پہلے ہے...... ہاں خلفائے راشدین وغیرہ کے عمل اور قنوتِ نازلہ پر قیاس کر کے رکوع کے بعد وتروں کے قنوت کی گنجائش نکلتی ہے۔ واللہ اعلم ۔(نیل الاوطار: 2/ 258) رہا قنوت کے وقت ہاتھ اٹھانا تو یہ سنت رسول اللہ ﷺ سے معلوم نہیں ہو سکا البتہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''جزء رفع الیدین'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔(تحفة الاحوذی: 2/ 580)

رہا قنوت نازلہ کا مسئلہ جس کی طرف امام مالک رحمہ اللہ نے عنوان سے اشارہ کیا ہے تو اس کے متعلق کافی اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر کے علاوہ کوئی بھی قنوت جائز ہی نہیں، امام مالک رحمہ اللہ اسے مستحب جانتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نماز فجر میں ہمیشہ قنوت کرنا مسنون قرار دیتے ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک کسی پیش آمدہ مصیبت کے موقع پر صرف نمازِ فجر میں جائز ہے ...... دراصل نبی کریم ﷺ نے متواتر ایک ماہ تک پانچوں نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد قنوتِ نازلہ کیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پیچھے آمین کہتے تھے۔(ابوداود: 1443، مسنداحمد: 1/ 301 ۔اس کی سند حسن ہے۔)

ہمارے نزدیک اس بارے میں راجح موقف یہ ہے کہ قنوتِ نازلہ کرنا اور نہ کرنا دونوں طرح درست ہے اور اسے تمام نمازوں یا بعض میں کیا جاسکتا ہے، لیکن صرف اُس وقت جب کوئی بڑی مصیبت تمام اہل اسلام یا بعض خطوں کے مسلمانوں پر دشمنوں کے تسلط یا جنگ وغیرہ کی شکل میں رونما ہو، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قنوت نہیں فرماتے تھے، سوائے اس کے کہ اِذَا دَعَا لِقَوْمٍ اَوْدَعَا عَلٰی قَوْمٍ'' جب آپ ﷺ کسی قوم (مجبور مسلمانوں) کے حق میں دعا کرتے یا کسی قوم (کفار) پر بددعا کرتے۔''(ابن خزیمه: 1/ 314 - نیز دیکھیے نیل الاوطار: 2/ 193 ، تحفة الاحوذی: 2/ 450) قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانا بھی ثابت ہے۔(مسنداحمد: 3/ 137، ارواء الغلیل: 2/ 181 ۔اس کی سند صحیح ہے۔)

17- بَابٌ: النَّهْيُ عَنِ الصَّلَاةِ وَالإِنْسَانُ يُرِيدُ حَاجَتَهُ

نماز پڑھنے سے ممانعت کا بیان جس وقت کہ انسان کو قضائے حاجت درپیش ہو

خلاصة الباب اس باب میں دو روایات ہیں جن میں سے ایک مرفوع حدیث نبوی ﷺ ہے جس کی سند صحیح

ثابت ہے اور دوسری موقوف روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس کی سند ضعیف ہے۔

[380] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰه بْنَ الأَرْقَمِ كَانَ يَؤُمُّ أَصْحَابَهُ، فَحَضَرَتِ الصَّلاةُ يَوْماً، فَذَهَبَ لِحَاجَتِهِ، ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰه ﷺ يَقُولُ: إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ، فَلْيَبْدَأْ بِهِ قَبْلَ الصَّلاةِ.

ہشام بن عُروہ اپنے والد عُروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کی امامت کراتے تھے، ایک دن نماز کا وقت ہوا تو وہ قضائے حاجت کے لیے چلے گئے، پھر واپس لوٹے اور فرمایا کہ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''جب تم میں سے کوئی پاخانے کا قصد کرے تو اُسے چاہیے کہ نماز سے پہلے اس سے فارغ ہو۔''

[381] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُكُمْ وَهُوَ ضَامٌّ بَيْنَ وَرِكَيْهِ.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس حال میں ہرگز نماز نہ پڑھے کہ وہ اپنے سُرینوں کو دبائے ہوئے ہو۔

فائدہ: ......یعنی جس وقت پیشاب یا پاخانے کا غلبہ ہو تو نماز نہ پڑھو کیونکہ اس حالت میں توجہ اِدھر ہی رہے گی، رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ ''نہ کھانے کی موجودگی میں کوئی نماز ہوتی ہے اور نہ اس وقت جب کہ دو خبیث چیزیں اُس (نمازی) سے مزاحمت کر رہی ہوں۔'' (مسلم: 560) ......''يُدَافِعُ'' کا لفظ ''دَفْعٌ'' سے ماخوذ ہے جس کے مطابق مفہوم ''ایک دوسرے کو دھکیلنے'' کا بنتا ہے یعنی جب یہ کیفیت ہو کہ پیشاب اور پاخانہ کا اس قدر غلبہ ہو کہ وہ آدمی کو قضائے حاجت کی طرف دھکیلیں اور فارغ ہونے پر اُسے مجبور کریں جبکہ آدمی اُن کو روکے رکھنے اور قضائے حاجت میں تاخیر کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو اس سے منع کیا گیا ہے......اگر بول و براز کا غلبہ نہ ہو تو پھر نماز ہو جائے گی۔

یاد رہے کہ اگرچہ اس حدیث میں صرف دو چیزوں کا تذکرہ ہے لیکن ہوا کو روکے رکھنا بھی اسی میں شامل ہے کیونکہ وہ بھی پاخانے ہی سے پیدا ہوتی ہے، بہرحال یہ رسول اللہ ﷺ کا طبّ وحکمت سے بھرپور فرمان ہے، ان زہریلے

[380] (صحیح) سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب ایصلی الرجل وهو حاقن، حدیث: 88، جامع الترمذی، کتاب الطهارة، باب ماجاء اذا اقیمت الصلاة ووجداحدکم الخلاء، حدیث: 142، نسائی: 853، ابن ماجه: 616، احمد: 3/ 483، دارمی: 1427، ابن حبان: 5/ 427، بیهقی: 3/ 72۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ صحیح سند ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

[381] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

مادوں اور ہواؤں کو روکنا جہاں قلبی وروحانی عبادات میں خلل ڈالتا ہے، وہاں انسان کی صحت کے لیے بھی نہایت مضر اور گوناگوں بیماریوں کا باعث ہے......عربی لغت میں پاخانے کو زبردستی روکنے والے کو ''حَاقِن''، پیشاب کو زبردستی روکنے والے کو ''حَاقِب'' دونوں کو روکنے والے کو ''حَاقِيم'' اور ہوا کو زبردستی روکے رکھنے والے کو ''حازِق'' کہتے ہیں۔

18- بَابٌ: انْتِظَارُ الصَّلَاةِ وَالْمَشْيِ إِلَيْهَا

نماز کا انتظار کرنے اور اس کی طرف پیدل چل کر جانے (کے ثواب اور فضیلت) کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں چھ روایات ہیں جن میں سے تین مرفوع یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں اور تینوں صحیح ثابت ہیں، ایک موقوف یعنی قولِ صحابی رضی اللہ عنہم ہے اور وہ بھی صحیح ثابت ہے اور دو مقطوع روایات یعنی تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

[382] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي صَلَّى فِيهِ، مَا لَمْ يُحْدِثْ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ.

قَالَ مَالِكٌ: لاَ أَرَى قَوْلَهُ: مَا لَمْ يُحْدِثْ. إِلَّا الإِحْدَاثَ الَّذِي يَنْقُضُ الْوُضُوءَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً فرشتے تم میں سے کسی شخص کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنی نماز والی اسی جگہ میں موجود رہے جہاں کہ اُس نے نماز پڑھی ہو، جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو۔ (وہ یہ مندرجہ ذیل دعائیں کرتے ہیں) کہ اے اللہ! اس کی بخشش فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔''

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے الفاظ مَا لَمْ يُحْدِثْ '' کا مطلب میں تو صرف یہی سمجھتا ہوں کہ اس سے مراد وہ پیش آمدہ حالت ہے جو وضو کو توڑ دیتی ہے۔

فائدہ: ......وہ یہ دعائیں بھی کرتے ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ ''اے اللہ! اس پر مہربانی ونوازش فرما۔'' (بخاري: 647) اور اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ ''اے اللہ! اس پر شفقت فرما (اور اس کی توبہ قبول فرما۔'') (مسلم: 649/ 272)

---

[382] (صحيح) صحيح البخارى، كتاب الصلاة، باب الحدث فى المسجد، حديث: 445، 477، 647، 2119، 3229، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل الصلاة المكتوبة فى جماعة، حديث: 649/ 272، ابوداود: 469، ترمذی: 330، نسائی: 734، ابن ماجه: 799۔

[383] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ، مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ، لَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْقَلِبَ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا الصَّلَاةُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص مسلسل نماز ہی میں (شمار ہوتا) رہتا ہے جب تک نماز اُسے (مسجد ہی میں) روکے رکھتی ہے، اُسے اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے سے نماز کے علاوہ کوئی چیز نہ روکے ہوئے ہو۔''

فائدہ: ...... یہ حدیث مبارکہ ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں مسجد ہی میں رکے رہنے کی فضیلت بیان کر رہی ہے۔

[384] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ كَانَ يَقُولُ: مَنْ غَدَا أَوْ رَاحَ إِلَى الْمَسْجِدِ، لَا يُرِيدُ غَيْرَهُ، لِيَتَعَلَّمَ خَيْراً، أَوْ لِيُعَلِّمَهُ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ، كَانَ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ، رَجَعَ غَانِماً.

سُمَی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص پہلے پہر یا پچھلے پہر (یعنی صبح یا شام میں کسی بھی وقت) مسجد کی طرف جائے، مسجد کے علاوہ اس کی اور کوئی نیت نہ ہو، (وہ مسجد میں اس لیے آئے) تاکہ (کسی سے) کوئی بھلائی کی بات (یا نیکی کا کام) سیکھ لے یا (کسی کو) سکھا دے، پھر وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے تو وہ اللہ کی راہ میں نکلنے والے اس مجاہد کی طرح (شمار) ہوتا ہے جو غنیمت پا کر واپس لوٹے۔

فائدہ: ......حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں اس لیے داخل ہو کہ کوئی خیر کی بات سیکھے یا سکھائے تو وہ راہِ الٰہی کے مجاہد کی طرح ہوتا ہے۔'' حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مسجد کی طرف جائے، اس کا ارادہ اس کے علاوہ اور کوئی نہ ہو کہ کوئی خیر کی بات سیکھے یا سکھائے تو اس کا اجر اس حاجی کی طرح ہوگا جس کا حج مکمل ہو۔'' ان دونوں احادیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور دونوں کی سند حسن ہے۔ (زرقانی، سیوطی)

---

[383] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ، حدیث: 659، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل الصلاۃ المکتوبۃ فی جماعۃ، حدیث: 649/ 275، ابوداود: 470، ترمذی: 330، ابن ماجہ: 774۔

[384] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[385] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰه الْمُجْمِرِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ، ثُمَّ جَلَسَ فِي مُصَلَّاهُ، لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ, اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ، فَإِنْ قَامَ مِنْ مُصَلَّاهُ فَجَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ، لَمْ يَزَلْ فِي صَلَاةٍ حَتَّى يُصَلِّيَ.

نُعیم بن عبداللہ مُجمر رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے پھر اپنی نماز والی جگہ ہی پر بیٹھا رہے تو فرشتے مسلسل اس کے لیے یہ دعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی بخشش فرما، اے اللہ! اس پر رحمت فرما، پھر اگر وہ اپنی جائے نماز سے اٹھ کر مسجد (ہی کے کسی اور حصے) میں بیٹھ کر (آئندہ) نماز کا انتظار کرنے لگے تو وہ مسلسل نماز ہی میں (شمار) ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ نماز ادا کرلے۔

فائدہ: ...... یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ (زرقانی، عبدالبر)

[386] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا، وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عِنْدَ الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ، فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ، فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں اس چیز کی خبر نہ دوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات کو بلند فرما دیتا ہے؟ (اس فضیلت کے حامل مندرجہ ذیل اعمال ہیں:) مشقت کے مواقع پر بھی وضو کو اچھی طرح مکمل کرنا، مسجد کی طرف (اٹھنے والے) قدموں کا زیادہ ہونا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتے رہنا، یہی (اعمال اصل دشمن شیطان کے خلاف) مورچہ بند ہونا ہے، یہی مورچہ بندی کرنا ہے، یہی چھاؤنی باندھنا ہے۔''

فائدہ: ......حدیث مبارکہ کا لفظ ''مَكَارِه'' جمع ہے ''مَكْرَهَةٌ'' کی، جس کے معنیٰ مشقت، ناگواری، تکلیف اور مجبوری کے ہیں، حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جن حالات میں وضو کرنا زیادہ تکلیف دہ اور مشقت طلب ہو اُن

[385] (موقوف صحیح) یہ روایت مرفوع بھی ثابت ہے، دیکھیے، ابن عبدالبر فی التمهيد: 16/ 205-207، مسندالبزار: 158، دارقطنی فی العلل: 11/ 163۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے، امام ابن عبدالبر اور امام دارقطنی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[386] (صحیح) صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل اسباغ الوضوء علی المکاره، حدیث: 251، جامع الترمذی، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی اسباغ الوضوء، حدیث: 51، نسائی: 143، احمد: 2/ 235، التمهيد لابن عبدالبر: 20/ 223۔

میں وضو کرنا نہایت افضل ہے، اس کی مختلف صورتیں ممکن ہیں مثلاً سخت سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا، بیماری کی حالت میں، پانی کی قلت کے وقت میں جب پانی کو دُور سے لانا پڑتا ہو یا وضو کے لیے دور جانا پڑتا ہو، یا پانی قیمتاً خریدنا پڑتا ہو، الغرض طبیعت کی چاہت کو، دل کے منشا کو، دنیا کی دلچسپی کو یا خاص مشغولیت ومجبوری کو نفس پر جبر کرتے ہوئے ترک کر دینا اور وضو میں مشغول ہو جانا زبردست فضائل کا حامل ہے ...... حدیث میں مذکور تینوں کام نفسِ انسانی کے خلاف اور شیطان کی وارداتوں کے مدمقابل عظیم ترین معرکہ آرائی ہے، رسول اللہ ﷺ ایک ہی بات کو تین بار تکرار سے دہرا کر اس کی زبردست اہمیت اور تاکید کو ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں ...... رِباط اور مُرابطہ ہم معنی ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے رَابِطُوْا ''کہہ کر حکم دیا، کہ مومنو! اپنے دشمنوں کے مقابلے میں مورچہ بندی کرو، ان کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے چھاؤنیاں باندھو اور اپنی سرحدوں کی پہرے داری کرو، تو نبی کریم ﷺ نے اِس حکم الٰہی کے مفہوم میں وُسعت ووجاہت کو عیاں کرتے ہوئے اس مذکورہ حدیث میں بتایا کہ تمھاری جنگ سب سے پہلے تو تمھارے اڑیل اور بے لگام نفس، بے مہار خواہش پرستی اور ازلی دشمن شیطان سے ہونی چاہیے، اللہ تعالیٰ کا یہ حکم مندرجہ ذیل آیت میں ہے: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوااللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اٰل عمران 3:200) ''اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلے میں جمے رہو اور مورچوں میں ڈٹے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

[387] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ : يُقَالُ لَا يَخْرُجُ أَحَدٌ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ النِّدَاءِ ، إِلَّا أَحَدٌ يُرِيدُ الرُّجُوعَ إِلَيْهِ ، إِلَّا مُنَافِقٌ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مُسیَّب رحمہ اللہ نے کہا کہ (لوگوں میں مشہور ہے اور) کہا جاتا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے منافق کے سوا کوئی شخص باہر نہیں نکلتا سوائے اس شخص کے جو واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

فائدہ :......ایک دفعہ ایک شخص اذان ہو جانے کے بعد مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَمَّا هٰذَافَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ ''رہا یہ شخص، تو اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے۔'' (مسلم: 655) البتہ کسی ضروری حاجت کے لیے اذان کے بعد مسجد سے نکلنا مستثنیٰ ہے، مثلاً وضو کے لیے جانا، نکسیر وغیرہ صاف کرنے کے لیے جانا، کسی دوسری مسجد میں امامت کے لیے جانا، فرضیتِ غسل کا علم ہونے پر غسل کے لیے جانا وغیرہ جیسا کہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جو میری اس مسجد میں اذان سنتا ہے، پھر اس سے بغیر کسی حاجت کے نکل جاتا ہے، پھر اس کی طرف واپس نہیں لوٹتا تو وہ منافق کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔'' (المعجم الكبير للطبراني ، حديث: 3854 ۔ علامہ

[387] (مقطوع ضعيف) دارمی: 446 ، عبدالرزاق: 1946 ، بیهقی: 3/ 56 ، 57 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

ہیثمی، منذری، زرقانی اور البانی ؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)سنن ابن ماجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث (734) میں بھی رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو منافق قرار دیا ہے (اس کی سند میں عبدالجبار اور ابن ابی فروہ ضعیف راوی ہیں، لیکن صحیح شواہد کی بنا پر اسے بھی حسن لغیرہ قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم)

19- بَابٌ: اَلنَّهْيُ عَنِ الْجُلُوْسِ لِمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ قَبْلَ اَنْ يُصَلِّيَ

جو شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کے (دو رکعت نفل) نماز (یعنی تحِيَّةُ الْمسجد) پڑھے بغیر بیٹھنے کی ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں ایک حدیث نبوی ﷺ ہے جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، ایک مقطوع روایت یعنی قولِ تابعی ؒ ہے جو صحیح سند سے ثابت ہے اس باب میں امام مالک ؒ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[388] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِي، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ.

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اُسے بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں ادا کر لینی چاہئیں۔''

فائدہ: ......ان دو رکعتوں کو ''تَحِيَّةُ الْمسجد'' کہتے ہیں یعنی مسجد کا تحفہ، یہ نام ہی ان کے نفل ہونے پر دلالت کر رہا ہے، ویسے بھی معراج کی رات پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں، اسی طرح متعدّد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوالات پر نبی کریم ﷺ نے صرف پانچ فرض نمازیں بتائیں، بعض نے تو یہاں تک پوچھ لیا کہ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟'' کیا ان پانچوں کے علاوہ بھی میرے ذمے کوئی فرض نماز ہے؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ ''نہیں، اِلّا یہ کہ تم خوشی سے کوئی نفل پڑھ لو۔'' (بخاری: 46) لیکن بہرحال ان کا درجہ سنت مؤکدہ سے کم نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ جمعہ کے دوران پہنچنے والوں کو بھی اس کا حکم فرمایا ہے۔(بخاری: 1166، مسلم: 875/ 59) آپ ﷺ اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ رکعتیں پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے جن کو یاد نہ رہتا اور وہ بغیر پڑھے مسجد میں بیٹھ جاتے۔(بخاری: 930، مسلم: 875/ 54)

[388] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین، حدیث: 444، 1163، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب تحیة المسجد برکعتین، حدیث: 714، ابوداود: 467، ترمذی: 316، نسائی: 731، ابن ماجہ: 1013، احمد: 5/ 295۔

تحیۃ المسجد کی تاکید کے پیش نظر شوافع ، ابن تیمیہ رحمہ اللہ ، ابن قیم رحمہ اللہ اور ابن باز رحمہ اللہ تو ممنوع اوقات میں بھی ان دو رکعتوں کے پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں۔ (فتاویٰ ابن باز مترجم: 1/ 62) اگرچہ باقی علماء وفقہاء مکروہ اوقات میں ان کے پڑھنے کو مکروہ ہی سمجھتے ہیں۔ راجح موقف پہلا ہے کیونکہ یہ ایک سببی نماز ہے ، چنانچہ جس طرح دوسری سببی نمازیں مثلاً گرہن وجنازہ کی نمازیں فجر وعصر کے بعد بلاکراہت جائز ہیں اسی طرح تحیَّۃُ المسجد بھی جائز ہے ، سببی نماز سے مراد وہ نماز ہے جو کسی سبب پر موقوف ہو اور تب مشروع ہوتی ہو جب وہ سبب پایا جائے۔

[389] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، أَنَّهُ قَالَ لَهُ : أَلَمْ أَرَ صَاحِبَكَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَجْلِسُ قَبْلَ أَنْ يَرْكَعَ ؟ قَالَ أَبُو النَّضْرِ : يَعْنِي بِذَلِكَ عُمَرَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ ، وَيَعِيبُ ذَلِكَ عَلَيْهِ ، أَنْ يَجْلِسَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ قَبْلَ أَنْ يَرْكَعَ.

ابونضر رحمہ اللہ جو کہ عمر بن عبیداللہ رحمہ اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں روایت کرتے ہیں کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما نے اُن سے کہا کہ کیا میں نے تیرے ساتھی (یعنی تیرے آقا عُمر بن عبیداللہ) کو ایسا کرتے نہیں دیکھا کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو (تحیۃ المسجد کی دو) رکعتیں پڑھے بغیر بیٹھ جاتے ہیں ، ابونضر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ (ابوسلمہ رضی اللہ عنہما) اس لفظ (یعنی صاحب اور ساتھی) سے (میرے آقا) عمر بن عبیداللہ کو مراد لے رہے تھے اور ان پر اس بات کا عیب لگا رہے تھے کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو دو رکعتیں پڑھے بغیر بیٹھ جاتے ہیں۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : وَذَلِكَ حَسَنٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ (تحیۃ المسجد پڑھنا) اچھا (اور مستحب) عمل ہے اور واجب نہیں ہے۔

فائدہ : ......ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء وعلماء اِن دو رکعتوں کو مستحب اور نفل ہی خیال کرتے ہیں جن میں ابن حزم رحمہ اللہ بھی شامل ہیں لیکن اہل ظاہر ان کو واجب سمجھتے ہیں ، علامہ شوکانی رحمہ اللہ اور امیر صنعانی رحمہ اللہ نے بھی اہلِ ظاہر کے قول کو ترجیح دی ہے۔ ہم نے اپنی رائے گزشتہ فائدہ میں ذکر کر دی ہے۔

20- بَابٌ : وَضْعُ الْيَدَيْنِ عَلَى مَا يُوضَعُ عَلَيْهِ الْوَجْهُ فِي السُّجُودِ

سجدہ کرتے وقت ہاتھوں کو اسی چیز پر رکھنے کا بیان جس پر چہرہ رکھا جا رہا ہو

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف دو موقوف روایات ہیں یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم مذکور ہیں اور دونوں صحیح سند سے ثابت ہیں۔

---

[389] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 1/ 428 (1674) ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

فائدہ : ...... اس مذکورہ عنوان کے دومفہوم ممکن ہیں: (1) ایک یہ کہ ہاتھوں کو چہرے کے برابر زمین پر رکھا جائے تاکہ ہاتھ اور چہرہ ایک ہی چیز پر سجدہ کرسکیں۔ (2) ہاتھوں کو ننگا رکھنا چاہیے، وہ آستینوں کے اندر چھپے ہوئے نہ ہوں تاکہ جس طرح چہرہ زمین پر یا کسی جائے نماز پر سجدہ کرتا ہے، ہاتھ بھی اسی پر سجدہ کریں۔

[390] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا سَجَدَ، وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِي يَضَعُ عَلَيْهِ جَبْهَتَهُ. قَالَ نَافِعٌ: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي يَوْمٍ شَدِيدِ الْبَرْدِ، وَإِنَّهُ لَيُخْرِجُ كَفَّيْهِ مِنْ تَحْتِ بُرْنُسٍ لَهُ، حَتَّى يَضَعَهُمَا عَلَى الْحَصْبَاءِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سجدہ کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو اسی چیز پر رکھتے جس پر وہ اپنا چہرہ رکھتے تھے، نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یقیناً میں نے اُن کو سخت سردی والے دن میں دیکھا کہ بے شک وہ اپنی ہتھیلیوں کو اپنے کوٹ کے نیچے سے نکالتے یہاں تک کہ اُن کو کنکریوں پر رکھ دیتے۔

فائدہ : ...... ''بُــرنُــس'' ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سر ڈھانپنے والا (ٹوپی نما) حصہ ہو، نیز آستینوں والے کُرتے کو بھی کہتے ہیں، چنانچہ سردیوں کے خاص لباس مثلاً جرسیاں، کوٹ اور لمبے اوور کوٹ وغیرہ جن کی ٹوپی اُن کے ساتھ ہو، سب بُرنُس کے مفہوم میں شامل ہیں۔

[391] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهُ بِالْأَرْضِ، فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِي يَضَعُ عَلَيْهِ جَبْهَتَهُ، ثُمَّ إِذَا رَفَعَ فَلْيَرْفَعْهُمَا، فَإِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ جو شخص زمین پر اپنی پیشانی (سجدے کے لیے) رکھے تو اُسے چاہیے کہ اپنی ہتھیلیاں بھی اُسی جگہ پر رکھے، پھر جب (اپنی پیشانی اور) سر اُٹھائے تو ان دونوں (ہتھیلیوں) کو بھی اٹھالے، کیونکہ بلاشبہ ہاتھ بھی اسی طرح سجدہ کرتے ہیں جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے۔

21- بَابٌ: الْإِلْتِفَاتُ وَالتَّصْفِيقِ عِنْدَ الْحَاجَةِ فِي الصَّلَاةِ

ضرورت کے وقت نماز میں جھانکنے اور ہاتھوں سے آواز پیدا کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب : اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے ایک مرفوع حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو کہ بخاری

[390] (موقوف صحیح) الشافعي في الام: 7/ 251، وفي المسند: 1/ 218، 219، بيهقي في السنن الكبرى: 2/ 107، وفي معرفة السنن والآثار: 2/ 9، 10 (845)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط کے مطابق صحیح سند ہے۔

[391] (موقوف صحيح) بيهقي: 2/ 107، عبدالرزاق: 2/ 172 (2934)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

و مسلم میں بھی موجود ہے اور دو موقوف یعنی آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ: ...... التفات اور جھانکنا تین قسم کا ہوتا ہے: (1) صرف آنکھوں سے دائیں بائیں یا سامنے اِدھر اُدھر دیکھنا، (2) سر گھما کر دیکھنا اور (3) جسم کو بھی موڑ کر دیکھنا۔ ان میں سے پہلی قسم جائز لیکن خلافِ اولیٰ ہے، دوسری مکروہ اور تیسری حرام ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، ہمیں نماز میں سجدے والی جگہ تک اپنی نگاہ کو مرکوز رکھنا چاہیے، وہی جگہ ہماری نگاہ کا مرکز ہو، لیکن چونکہ نظر کا ایک وسیع دائرہ بھی ہوتا ہے اس لیے انسان مرکزِ نگاہ کے اردگرد کی نقل و حرکت کو بھی محسوس کرتا رہتا ہے، یہ محسوس کرنا التفات نہیں کہلاتا، التفات تبھی واقع ہوگا جب ہم قصداً اپنی نگاہ کو سجدے والی جگہ سے ہٹا کر اِدھر اُدھر دیکھیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مواقع پر کسی حاجت کی بنا پر اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (مثلاً دیکھیے بخاری: 753، ابوداود: 2501، ترمذی: 587، نسائی: 1201، 1202، ابن خزیمہ: 871۔ ان سب کی سندیں صحیح ہیں۔) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔ (بخاری: 684، 754، مسلم: 537)۔

لیکن دو باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے، ایک یہ کہ نظر آسمان کی طرف بالکل نہ اُٹھنے پائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ أَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ إِلَى السَّمَاءِ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ ''لوگوں کو نماز میں دعا کے وقت اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھانے سے ضرور باز آ جانا چاہیے، ورنہ اُن کی نظریں اُچک لی جائیں گی۔'' (مسلم: 429) دوسری بات یہ ملحوظ رہے کہ جھانکنے کی بعض صورتوں کے باوجود، بھرپور کوشش یہی ہونی چاہیے کہ نظر اِدھر اُدھر بھی نہ جانے پائے اور جس قدر بچنا ممکن ہو اس سے بچا جائے، کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز میں جھانکنے کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ ''یہ تو اُچک لے جانا ہے، شیطان اسے بندے کی نماز میں سے اُچک لے جاتا ہے۔'' (بخاری: 751)۔

[392] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ سَلَمَةَ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ، وَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو عمرو بن عوف خاندان کے پاس اُن کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے اور (اِدھر عصر کی) نماز کا وقت آ گیا تو مؤذن، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں گے، کہ

[392] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب الآذان، باب من دخل ليؤم الناس، حديث: 684، 1201، 1204، 1218، 1234، 2690، 2693، 7190، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تقديم الجماعة من يصلي بهم اذا تاخر الامام، حديث: 421، ابوداود: 940، ابن ماجه: 1035، احمد: 5/ 337، دارمي: 1364۔

الصِّدِّيقِ ، فَقَالَ : أَتُصَلِّي لِلنَّاسِ فَأُقِيمَ ؟ قَالَ: نَعَمْ . فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ ، فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ وَالنَّاسُ فِي الصَّلَاةِ ، فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ ، فَصَفَّقَ النَّاسُ ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ , فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ مِنَ التَّصْفِيقِ الْتَفَتَ أَبُو بَكْرٍ ، فَرَأَى رَسُولَ اللّٰه ﷺ ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰه ﷺ أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ ، فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللّٰه ﷺ مِنْ ذَلِكَ ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ ، وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ فَصَلَّى ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ : يَا أَبَا بَكْرٍ ، مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ . فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰه ﷺ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ: مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمْ مِنَ التَّصْفِيحِ ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ ، فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ ، وَإِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ .

میں پھر اقامت کہہ دوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں ، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے لگے ، پھر رسول اللہ ﷺ (بھی) آ گئے ، اس حال میں کہ لوگ نماز میں مصروف تھے ، سو آپ ﷺ (صفوں کو چیرتے ہوئے ان کے درمیان سے) نکل کر (پہلی) صف میں کھڑے ہو گئے ، لوگ ہاتھوں سے آواز نکالنے لگے اور (جبکہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کی صورت حال یہ تھی کہ وہ) نماز میں (کسی اور طرف دھیان اور) التفات نہیں کیا کرتے تھے ، پھر جب لوگوں نے بہت زیادہ ہی ہاتھ بجائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (چہرہ موڑ کر) جھانکا اور رسول اللہ ﷺ کو (اپنے پیچھے کھڑے) دیکھ لیا ، رسول اللہ ﷺ نے اُن کی طرف اشارہ بھی کیا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو ، (لیکن) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ کی حمد بیان کی (اور شکر ادا کیا) اس بات پر کہ جو رسول اللہ ﷺ نے ان کو (امامت کے لیے) ٹھہرے رہنے کا حکم دیا تھا ، پھر پیچھے ہٹ آئے یہاں تک کہ صف میں کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ آگے تشریف لے آئے ، چنانچہ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی ، پھر نماز سے (سلام پھیر کر) فارغ ہوئے تو فرمایا: ''اے ابوبکر! جب میں نے تمھیں (اشارے کے ذریعے) حکم دے دیا تھا تو تمھیں کس چیز نے (اپنی امامت والی جگہ پر) ثابت رہنے سے منع کیا تھا ؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ابوقحافہ کے بیٹے کے لائق ہی نہیں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے آگے کھڑا ہو ، پھر رسول اللہ ﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا: '' مجھے کیا (محسوس) ہوا کہ میں نے تمھیں ہاتھوں سے بہت زیادہ آواز نکالتے دیکھا ، (سنو!) جسے اپنی نماز میں (اس طرح کی) کوئی چیز پیش آ جائے تو اُسے چاہیے کہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہے ، کیونکہ بلاشبہ جب وہ سُبحان اللہ کہے گا تو اس کی طرف (توجہ اور) التفات ہو جائے گا ۔ (یہ) ہاتھوں سے آواز نکالنا تو صرف اور صرف عورتوں کے لیے (ہے اور یہ انھی کو زیب دیتا) ہے۔''

فائدہ : ......یعنی امام کو متوجہ کرنے کے لیے مرد سُبحان اللہ کہیں گے اور عورتیں ایک ہاتھ کو دوسرے کی پُشت

پر مار کر آواز نکالیں گی، یعنی تالی بجائیں گی عورتیں سبحان اللہ نہ کہیں، کیونکہ اُن کی آواز بھی پردہ ہے جسے بلاوجہ دوسروں کے سامنے بلند نہیں کرنا چاہیے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور کا موقف یہی ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مرد اور عورتیں سب سبحان اللہ کہیں گے، اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ ''تصفیق یعنی ہاتھ بجانا عورتوں کے لیے ہے۔'' ان میں ہاتھ بجانے یعنی تالی بجانے کی ممانعت اور مذمت مقصود ہے کہ یہ عمل تو کھیل تماشے کا عمل ہے اور نمازوں سے ہٹ کر عورتوں کی عادت ہے جو نماز کے شایان شان نہیں ہے۔۔۔۔۔لیکن امام مالک رحمہ اللہ کی یہ بات اس لیے قابلِ قبول نہیں کہ صحیح بخاری کی ایک اور حدیث مبارکہ میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں: اِذَا نَابَكُمْ اَمْرٌ فَلْيُسَبِّحِ الرِّجَالُ وَلْيُصَفِّحِ النِّسَاءُ ''جب کوئی معاملہ تمھیں (نماز میں) پیش آجائے تو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالی بجائیں۔ یہاں مردوں اور عورتوں کو الگ الگ حکم دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ مالکی مسلک والوں میں سے امام قرطبی، ابن عبدالبر اور زرقانی رحمہم اللہ وغیرہ بھی جمہور ہی کا موقف رکھتے ہیں، نیز عورتوں کا یہ عمل تالی بجانے سے مختلف ہے اور لہو ولعب (کھیل تماشے) میں شامل نہیں کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں اپنی بائیں ہتھیلی کی پُشت پر مار کر آواز پیدا کرے گی۔ (ابوداود: 942)

نبی کریم ﷺ کے نماز سے پیچھے رہ جانے کا سبب یہ تھا کہ آپ قبا بستی میں آباد بنوعمرو بن عوف خاندان کی باہم صلح کرانے کے لیے گئے ہوئے تھے، نمازِ ظہر کے بعد آپ ﷺ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر گئے اور جاتے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرما گئے کہ اگر مجھے تاخیر ہوگئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کا کہہ دینا، چنانچہ ایک روایت میں ہے: فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَتَاهُمْ ''آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر اُن (قُبا والوں) کے پاس آئے۔'' (بخاری: 7190)، ایک اور روایت میں ہے کہ فَقَالَ لِبِلَالٍ اِنْ حَضَرَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ وَلَمْ اٰتِكَ فَمُرْ اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ ''آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر نمازِ عصر کا وقت آجائے اور میں نہ آسکوں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دے دینا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔'' (ابوداود: 941) ایک دوسری روایت میں ہے: اِنَّ اَهْلَ قُبَاءٍ اقْتَتَلُوْا حَتّٰى تَرَامَوْا بِالْحِجَارَةِ فَاُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِذٰلِكَ فَقَالَ اذْهَبُوْا بِنَا نُصْلِحْ بَيْنَهُمْ ''بے شک اہلِ قُبا کی آپس میں لڑائی ہوگئی یہاں تک کہ انھوں نے ایک دوسرے پر پتھر بھی پھینکے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم ان کے مابین صلح کرادیں۔'' (بخاری: 2693)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھار ''اَلْاَدَبَ فَوْقَ الْاَمْرَ'' (حکم پر عمل کرنے کی بجائے ادب کو ملحوظ رکھنا) بھی جائز ہے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ ''اَلا مْــرُ فَوْق الادب'' (ادب کی بجائے حکم پر عمل کیا جائے)، دراصل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صورتحال سے اندازہ لگایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مجھے امامت کے لیے کھڑا رہنے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ اختیاری ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارادہ یہی تھا کہ امامت کرائیں اسی لیے تو آپ ﷺ ساری صفوں کو چیر کر آگے آگئے

تھے ورنہ آپ پیچھے کھڑے ہو سکتے تھے۔۔۔۔۔۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تواضع اور انکسار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا نام لینے کی بجائے خود کو ابوقحافہ کا بیٹا کہا، ابوقحافہ رضی اللہ عنہ اُن کے والد تھے جن کا اصل نام عثمان بن عامر تھا۔

[393] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ لَمْ يَكُنْ يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز میں التفات نہیں کرتے تھے۔

[394] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْقَارِئِ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَرَائِي وَلَا أَشْعُرُ، فَالْتَفَتُّ فَغَمَزَنِي.

ابوجعفر قاری رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میرے پیچھے تھے، مجھے اُن کی خبر نہ تھی، میں نے (مڑ کر دیکھا یعنی) التفات کیا تو انھوں نے مجھے (اس سے روکنے کے لیے اپنا) ہاتھ لگایا۔

فائدہ:......موطا امام مالک رحمہ اللہ کی اسی روایت میں امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد مصعب رحمہ اللہ نے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں: فَوَضَعَ يَدَهُ فِي قَفَايَ ''انھوں نے اپنا ہاتھ میری گُدّی پر رکھا۔'' الغرض نماز میں التفات سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہیے۔

21- بَابٌ: مَا يَفْعَلُ مَنْ جَاءَ وَ الْإِمَامُ رَاكِعٌ

جو شخص اس حال میں آئے کہ امام حالت رکوع میں ہو تو وہ کیا کرے؟

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف دو موقوف روایات یعنی آثار صحابہ ہیں اور دونوں صحیح ثابت ہیں۔

[395] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ الْمَسْجِدَ، فَوَجَدَ النَّاسَ رُكُوعاً فَرَكَعَ، ثُمَّ دَبَّ حَتَّى وَصَلَ الصَّفَّ.

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو انھوں نے لوگوں کو رکوع کی حالت میں پایا تو وہ بھی (صف کے پیچھے ہی) رکوع میں چلے گئے۔ پھر (اسی حالت میں) آہستہ آہستہ چلنے لگے یہاں تک کہ وہ صف میں پہنچ گئے۔

---

[393] (موقوف صحیح)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ شیخین کی شرط پر صحیح سند ہے۔

[394] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 258 (3274)، ابن عساکرفی تاریخ دمشق: 69/ 145۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ بھی صحیح سند ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

[395] (موقوف صحیح) طحاوی فی شرح معانی الآثار: 1/ 398، ابن ابی شیبہ: 1/ 256، ابن المنذر فی الاوسط: 4/ 186 (1998)، بیہقی: 2/ 90، 3/ 106۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[396] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَدِبُّ رَاكِعاً.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی (اسی طرح) رکوع کی حالت میں آہستہ آہستہ چلتے (اور صف میں مل جاتے) تھے۔

فائدہ: ......امام شافعی رحمہ اللہ اس فعل کو مستحب کہتے تھے، امام مالک رحمہ اللہ دو یا تین صفوں کے برابر فاصلے تک اس عمل کو جائز جانتے تھے کہ آنے والا اگر صف کے قریب پہنچ چکا ہو اور امام کے رکوع کی حالت میں صف تک پہنچ سکتا ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اکیلے آدمی کے لیے اسے مکروہ جانا ہے البتہ اگر آنے والے افراد کی تعداد زیادہ ہو اور وہ سب مل کر پیچھے ہی رکوع کر لیں اور پھر اسی حالت میں چلتے ہوئے صف کے ساتھ مل جائیں تو جائز ہے (زرقانی)...... دراصل یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوق نماز میں اضافے کی دعا کر کے ان کی دلجوئی بھی فرمائی لیکن ساتھ ہی دوبارہ ایسا کرنے سے منع بھی فرما دیا۔ اسی لیے اہل حدیث حضرات کا موقف یہ ہے کہ جس کام سے منع کر دیا گیا ہو وہ بھلا کس طرح جائز ہوسکتا ہے چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ: ''اللہ تیری حرص میں اضافہ فرمائے اور لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا'' (بخاری: 783)......اگر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک ممنوع کام کے متعلق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبر ہونے کی بنا پر ایسا کرلیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائیں گے لیکن جن لوگوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت والا فرمان معلوم ہو جائے اور وہ پھر بھی باز نہ آئیں تو ان سے ضرور باز پرس ہوگی۔

23- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع احادیث نبویہ ہیں اور ایک موقوف یعنی صحابی کی طرف منسوب ہے اور ان سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

[397] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي

سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر کس طرح درود پڑھا کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کہا کرو: اللھم صل

[396] (موقوف صحیح) بیھقی: 2/ 90، 91، طحاوی فی شرح معانی الآثار:1/ 397، 398، عبد الرزاق:2/ 283 (3381)، شیخ سلیم ہلالی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ابن عبدالبر نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (الاستذکار: 6/ 245)۔

[397] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب:10، حدیث:3369، 6360، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃعلی النبی ﷺ بعد التشھد، حدیث:407، ابوداؤد:979، نسائی:1296، ابن ماجہ: 905۔

أَبُـوحُـمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ، أَنَّهُمْ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰـهِ كَيْفَ نُـصَـلِّـي عَلَيْكَ ؟ فَقَالَ : قُولُوا : اللّٰهُـمَّ صَـلِّ عَـلَـى مُـحَمَّدٍ ﷺ وَأَزْوَاجِـهِ وَذُرِّيَّتِـهِ ، كَـمَـا صَـلَّيْـتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ ، وَبَـارِكْ عَـلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ .

عـلـى مـحـمدو ازواجـه و......''اے اللہ! تو درود (رحمت) نازل فرما محمد پر، ان کی بیویوں پر اور ان کی اولاد پر جس طرح کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت نازل فرمائی اور تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی ازواج پر اور ان کی اولاد پر اسی طرح برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل فرمائی، یقیناً تو ہی خوب قابل تعریف اور بہت بزرگی والا ہے۔''

فائدہ :......آل کا لفظ کسی شخص کی نسل/خاندان اور پیروکاروں پر بولا جاتا ہے ۔ ہاں اگر آل کے ساتھ متبعین کا تذکرہ الگ موجود ہو تو پھر اس سے صرف اولاد اور خاندان ہی مراد ہوتا ہے ......درود کے حوالے سے ایک اہم سوال اٹھایا جاتا ہے کہ یہاں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نزول رحمت و برکت کی دعا میں تشبیہ دی گئی ہے اور علم بلاغت کا یہ اصول ہے کہ مشبہ (جس کو تشبیہ دی جائے) کا درجہ مشبہ بہ (جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے) سے کم ہوتا ہے تو کیا اس اصول کے مطابق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کم تر ہے؟ حالانکہ ایسا قطعاً نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام جہانوں کے تمام انسانوں سے افضل ہیں تو پھر اس اصول کا کیا کریں گے؟ ....اس کے متعدد جوابات ہیں: (1) یہ تشبیہ تو نزول رحمت میں ہے یعنی درود کے ساتھ تشبیہ ہے نہ کہ مرتبے کی مرتبے کے ساتھ جیسا کہ ایک آیت میں نزول وحی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ﴾ (النساء 163:4) ''بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جس طرح نوح علیہ السلام کی طرف ہم نے وحی بھیجی تھی۔'' (2): یہ تشبیہ کسی ناقص چیز کی کامل چیز کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک غیر مشہور چیز کی تشبیہ مشہور کے ساتھ ہے، یعنی اس وقت دنیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیادہ شہرت تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ تشبیہ دے دی گئی ۔(3): کبھی کبھار تشبیہ مقلوب بھی ہوتی ہے یعنی بالکل الٹ معاملہ ہوتا ہے اور مشبہ بہ سے مشبہ درجہ میں زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ آیت مبارکہ میں ہے: ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ﴾ (النور 35:24) ''اللہ کے نور کی مثال اس طاق جیسی ہے جس میں چراغ ہو'' ۔تو جس طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی ہے اسی طرح اللہ کے نور کو ایک چراغ والے طاق سے تشبیہ دی گئی ہے ۔اور ان دونوں میں مشبہ یعنی نور الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مشبہ بہ یعنی چراغ والے طاق اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ (4): یہ تشبیہ اس بات میں دی گئی ہے اے اللہ! جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اتنی رحمت و برکت نازل فرمائی کہ وہ اپنے سے پہلے گزرنے والے تمام انسانوں سے افضل و اعلیٰ درجہ پا گئے اسی طرح ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس طرح کثیر رحمت و برکت نازل فرما کہ وہ اپنے سے پہلے

آنے والے تمام انسانوں، تمام انبیائے کرام ﷺ حتی کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی افضل و اعلیٰ اور اکمل بن جائیں۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تواضع اور عاجزی وانکسار کے پیش نظر تشبیہ دی ہو۔ (5): ممکن ہے کہ یہ تشبیہ اس وقت کی ہو جب حضور ﷺ کو اپنے افضل ہونے کا علم نہ ہوا ہو۔ (6): اس تشبیہ کا مقصد درجات ومراتب کا فرق بتانا نہیں ہے بلکہ یہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ اے اللہ! جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمتوں اور برکتوں کے نزول میں ان کے اہل بیت کو شامل فرمایا تھا اسی طرح ہمارے پیغمبر ﷺ پر جو تو ہمیشہ رحمت نازل فرماتا رہتا ہے اور درود بھیجتا رہتا ہے، اس میں آپ کے اہل بیت کو بھی شامل فرما۔ چند ایک اور بھی جوابات ذکر کیے گئے ہیں جنھیں ہم از روئے اختصار ترک کر رہے ہیں۔

[398] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِي، أَنَّهُ قَالَ: أَتَانَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي مَجْلِسِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، فَقَالَ لَهُ بَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ، أَمَرَنَا اللّٰهُ أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ: فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى تَمَنَّيْنَا أَنَّهُ لَمْ يَسْأَلْهُ، ثُمَّ قَالَ: قُولُوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّد، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، فِي الْعَالَمِينَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ.

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (قبیلہ خزرج کے سردار) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی محفل میں ہمارے پاس تشریف لائے، تو آپ ﷺ سے حضرت بشیر بن سعد (بن ثعلبہ) رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ ہم آپ پر درود بھیجیں تو ہم کس طرح آپ پر درود پڑھا کریں؟ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم (آپ ﷺ کی خاموشی کو آپ ﷺ کی ناراضی سمجھ کر) یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش! اس نے آپ ﷺ سے سوال ہی نہ کیا ہوتا، (کچھ دیر گزر گئی تو) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہا کرو: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّد، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، فِي الْعَالَمِينَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ'' ''اے اللہ! حضرت محمد ﷺ پر اور آل محمد ﷺ پر رحمت فرما جس طرح تو نے

[398] (صحيح) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبى ﷺ بعد التشهد، حديث: 405، سنن ابى داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبى ﷺ بعد التشهد، حديث: 980، ترمذی: 3220، نسائی: 1286، مسنداحمد: 4/ 118، دارمی: 1343۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جہانوں میں (خاص کر کے) برکت نازل فرمائی، یقیناً تو بہت ہی قابل تعریف، خوب بزرگی والا ہے۔ (پھر فرمایا کہ مجھ پر بھیجا جانے والا) سلام اسی طرح ہی ہے جیسے تم جان چکے ہو"۔

فائدہ :......یعنی مجھ پر سلام پڑھنے کا طریقہ اور الفاظ تم پہلے ہی سیکھ چکے ہو، چنانچہ اسے تشہد کے دوران یوں پڑھا جاتا ہے۔ السلام علیك ایها النبی ورحمة الله و برکاته "اے نبی، آپ پر سلامتی، اللہ کی رحمت اور اس کی برکات نازل ہوں۔" دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سوال درج ذیل آیت مبارکہ کے پیش نظر کیا: ﴿يَـا أَيُّهَـا الَّذِيْنَ اٰمَنُـوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب 33:56) "اے ایمان والو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ بھیجو اور سلام بھیجو، خوب سلام بھیجنا۔" یاد رہے کہ وہ درود ابراہیمی جو لوگوں میں عام مشہور ہے اور نمازوں وغیرہ میں اکثر پڑھا جاتا ہے، وہ صحیح بخاری حدیث: 3370 میں موجود ہے۔

[399] وَحَـدَّثَـنِـی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْـنِ دِينَارٍ قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقِفُ عَلَى قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ، فَيُصَلِّی عَلَى النَّبِیِّ ﷺ وَعَلَى أَبِی بَكْرٍ وَعُمَرَ.

عبداللہ بن دینار سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کھڑے ہوتے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا مانگتے۔

فائدہ :......موطا امام مالک کے درسی نسخہ میں جو کہ یحییٰ بن یحییٰ کی روایت سے ہے "یدعو" کا لفظ موجود ہے، حالانکہ دراصل یہ لفظ امام مالک کے باقی تمام شاگردوں نے تو نقل کیا ہے اور صرف یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں نہیں ہے......رہا یہ سوال کہ کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور نبی یا فرشتے یا مومن پر درود پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ درود اتباعا بھی جائز ہے یعنی پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کر کے اس کے بعد کسی اور کا نام لینا اور اس پر بھی درود پڑھنا درست ہے اور استقلالا (مستقل طور پر) بھی درست ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیے بغیر کسی اور شخصیت کا خاص نام لے کر اس پر درود اور صلاۃ پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (التوبہ 9:103) "اور (اے نبی!) آپ ان (صدقہ لانے والوں) پر صلاۃ بھیجے (ان کے لیے دعائے رحمت کیجیے)، یقیناً آپ کی دعا ان کے لیے باعث سکون ہے۔" حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا صدقہ (زکاۃ) لے آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ "اے اللہ! اس شخص پر رحمت نازل فرما۔" میرے والد محترم بھی اپنا صدقہ لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[399] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 5/ 245، وفـى شعب الايمان: 3/ 487، 490، طبقات ابن سعد: 3/ 210، 4/ 156، عبدالرزاق: 3/ 576 (6724)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی ''اے اللہ! ابواوفی (رضی اللہ عنہ) کی آل (اولاد و خاندان) پر رحمت نازل فرما۔'' (بخاری: 6359، مسلم: 1078)

24- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي جَامِعِ الصَّلَاةِ

نماز کے متفرق احکامات کے طریق کار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں بارہ روایات ہیں جن میں پانچ مرفوع یعنی احادیث نبویہ ﷺ ہیں اور ان سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں، چھ موقوف روایات یعنی آثار صحابہ ہیں اور ان میں سے ایک ضعیف جبکہ باقی سب صحیح ثابت ہیں، اور ایک مقطوع یعنی تابعی سے منسوب روایت ہے جو کہ صحیح ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی مذکور ہے۔

[400] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ، وَبَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ، فَيَرْكَعَ رَكْعَتَيْنِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر (کی فرض نماز) سے پہلے دو رکعتیں، اور اس کے بعد بھی دو رکعتیں، نماز مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، (البتہ) جمعہ کے بعد (مسجد میں) کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ (گھر) واپس لوٹ جاتے، پھر دو رکعتیں ادا فرماتے۔

فائدہ: ......اس روایت میں سنت مؤکدہ کہلانے والی نفل نمازوں اور رکعتوں کا ذکر ہے، ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرمان نقل کیا ہے: مَنْ صَلَّى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ ''جو شخص ایک دن اور ایک رات میں بارہ رکعات پڑھے گا اس کے لیے ان کے بدلے جنت میں ایک گھر تعمیر کیا جائے گا۔'' (مسلم: 728) جنت کے محل کا باعث بننے والی ان بارہ رکعات میں ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو، مغرب کے بعد دو، عشاء کے بعد دو اور فجر سے پہلے دو رکعتیں شامل ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتوں کو اور فجر سے پہلے دو رکعتوں کو نہیں چھوڑا کرتے تھے، (بخاری: 1182) ظہر سے پہلے اور بعد میں چار چار رکعات پڑھنے پر جہنم کے حرام ہو جانے کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔ (ابوداود 1269، ترمذی

[400] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها، حدیث: 937، 1160، 1172، 1180، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضل السنن الراتبة، حدیث: 729، وکتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، حدیث: 882، ابوداؤد: 1252، ترمذی: 433، نسائی: 874، ابن ماجه: 1130، مسنداحمد: 2/ 6.

: 428وغیرہ، اس کی سند صحیح ہے) عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنے پر اللہ کی رحمت نازل ہونے کی دعا خود پیغمبر ﷺ نے فرمائی ہے۔ (ابوداود: 1271، ترمذی :430، وغیرہ۔ اس کی سند حسن ہے)

نماز عشاء کے بعد چار رکعتیں بھی ثابت ہیں۔ (بخاری : 117) جمعہ کے لیے آنے والا شخص اگر خطبہ شروع ہونے سے پہلے آجائے تو جتنی چاہے نماز ادا کرسکتا ہے، اس کی کوئی حد معین نہیں ہے، (بخاری : 883، مسلم : 857) خطبۂ جمعہ کے دوران آنے والا مختصر سی دو رکعتیں پڑھے (بخاری :1166، مسلم :875/ 59)

خطبۂ جمعہ کے دوران پہنچنے پر نہ تو بغیر نماز پڑھے بیٹھنا چاہیے اور نہ دو سے زیادہ رکعات پڑھنا چاہئیں، جمعہ ادا کر لینے کے بعد نبی کریم ﷺ سے گھر میں دو رکعتیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ (بخاری ؛ 937، مسلم : 882) لیکن ہمارے لیے چار رکعتیں پڑھنا اس لیے بہتر ہے کہ رسول ﷺ نے اپنے امتیوں کو یہی حکم فرمایا ہے کہ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمُ الْجُمُعَةَ فَلْیُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ : ''جب تم میں سے کوئی جمعہ ادا کرے تو اسے چاہیے کہ اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔'' (مسلم :881)

[401] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ, أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : أَتَرَوْنَ قِبْلَتِی هَاهُنَا، فَوَاللّٰهِ مَا یَخْفَی عَلَیَّ خُشُوعُکُمْ وَلَا رُکُوعُکُمْ، إِنِّی لَأَرَاکُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِی .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم خیال کرتے ہو کہ میرے سامنے کی سمت (صرف) یہ (میرے چہرے والی جانب) ہے، اللہ کی قسم! نہ تو تمھارا خشوع (عاجزی وانکسار) مجھ پر مخفی رہتا ہے اور نہ ہی تمھارا رکوع، بے شک میں تمھیں اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھ لیتا ہوں۔''

فائدہ : ...... یہ نبی کریم ﷺ کا معجزہ تھا، اس سے مراد حقیقی دیکھنا ہے، صرف علم مراد نہیں ہے، اور معجزہ اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے، وہ جب چاہے اپنے پیغمبر ﷺ کے ذریعے اس کا اظہار کروا دیتا ہے...... خشوع سے مراد سجدہ ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث : 424 میں خشوع کی جگہ سجدے کا لفظ ہے، اس معجزے کے اظہار کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی نمازوں کے خشوع وخضوع اور توجہ پر مزید محنت کریں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ پر مقتدیوں کا رکوع، سجدہ اور عاجزی وانکسار میں سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں رہتی تھی۔

---

[401] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب عظة الامام الناس فی اتمام الصلاةوذکر القبلة، حدیث:418، 741، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الامر بتحسین الصلاة واتمامها، حدیث: 424، مسنداحمد:2/ 303

[402] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَأْتِي قُبَاءَ رَاكِباً وَمَاشِياً.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قباء میں (کبھی) سوار ہو کر اور (کبھی) پیدل چل کر آتے تھے۔

فائدہ :...... بخاری (1189) اور مسلم (1397) کی روایت میں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ کو متبرک سمجھ کر اس کے لیے سواری تیار کرنا اور رخت سفر باندھ کر جانا ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن مندرجہ بالا حدیث سے مسجد قباء کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ جگہ بھی بابرکت ہے جس کے متعلق رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾ (التوبہ 108:9) ''یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس کا زیادہ حق رکھتی ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔'' نبی کریم ﷺ سوار ہو کر اور پیدل چل کر اس کی طرف جایا کرتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز بھی ادا فرماتے تھے۔ (ترمذی: 324، نسائی: 700، ابن ماجہ: 1411، 1412، ابن حبان: 1627، ان کی سندیں حسن یا صحیح ہیں۔) بلکہ رسول معظم ﷺ نے تو گھر سے باوضو ہو کر اس مسجد میں نماز کے لیے جانے پر بھی ترغیب دی ہے (احمد: 3/ 487، نسائی: 700، ابن ماجہ: 1412، اس کی سند صحیح ہے،)

[403] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُرَّةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا تَرَوْنَ فِي الشَّارِبِ وَالسَّارِقِ وَالزَّانِي؟ وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يُنْزَلَ فِيهِمْ، قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: هُنَّ فَوَاحِشُ، وَفِيهِنَّ عُقُوبَةٌ، وَأَسْوَأُ السَّرِقَةِ الَّذِي يَسْرِقُ صَلَاتَهُ قَالُوا: وَكَيْفَ يَسْرِقُ صَلَاتَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لَا يُتِمُّ رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا.

نعمان بن مرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شرابی، چور اور زانی کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ ''(آپ ﷺ کا) یہ (سوال) ان (مجرم) لوگوں کے متعلق کچھ (حدود الٰہیہ) نازل ہونے سے پہلے تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سب کبیرہ گناہ ہیں اور ان میں سزا ہے اور سب سے بدترین چوری اس شخص کی ہے جو اپنی نماز سے چوری کرتا ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ اے اللہ کے

[402] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب فضل الصلاة فی مسجد مكة والمدينة، باب مسجد قباء، حديث: 1191، 1193، 1194، 7326، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل مسجد قباء، حديث: 1399، ابوداؤد: 2040، نسائی: 699

[403] (صحيح لِغَيره) عبدالرزاق: 2/ 371 (3740)، الشافعی فی المسند: 1/ 233، البيهقی فی السنن الكبرى: 8/ 209، 210، وفی معرفة السنن والآثار: 6/ 318۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کے آخری حصے کو صحیح قرار دیا ہے، (صحيح الترغيب والترهيب: 1/ 349، وصحيح الجامع: 986)

رسول! بھلا آدمی کس طرح اپنی ہی نماز سے چوری کرتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ نہ اس کا رکوع مکمل کرتا ہے اور نہ ہی سجدہ۔''

فائدہ : ...... یہ حدیث ارکان نماز میں طمانیت اور ٹھہراؤ کے فرض ہونے کی دلیل ہے، چنانچہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لاتُجْزِئُ صلاة الرجل حتى يقيم ظهره في الركوع والسجود: '' آدمی کی نماز کفایت ہی نہیں کرتی یہاں تک کہ وہ رکوع اور سجدے میں اپنی پشت کو سیدھا کرلے۔'' (ابوداود :855، ترمذی :265۔اس کی سند صحیح ہے۔) اور رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی حضرت خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ کی نماز کو تین بار مسترد فرمایا اور جب ان کو طریقہ نماز بتایا تو اس میں یہ بھی فرمایا: ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ۔'' پھر رکوع کر یہاں تک کہ تو حالت رکوع میں اطمینان سے ٹھہر جائے، پھر سر اٹھا (کر کھڑا ہو) یہاں تک کہ تو اعتدال (سکون اور اطمینان) کے ساتھ کھڑا ہو جائے، پھر سجدے میں جا یہاں تک کہ تو اطمینان سے سجدہ کرے، پھر سر اٹھا یہاں تک کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے۔'' (بخاری :757، مسلم :397)

[404] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : اجْعَلُوا مِنْ صَلَاتِكُمْ فِي بُيُوتِكُمْ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اپنی نماز میں سے کچھ حصہ (سنتیں اور نوافل وغیرہ) اپنے گھروں میں ادا کرو۔''

فائدہ : ...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اجْعَلُوْا فِي بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ لَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا: '' اپنی کچھ نماز اپنے گھروں میں ادا کیا کرو اور ان (گھروں) کو قبرستان نہ بنالو۔'' (بخاری : 432 مسلم: 777) معلوم ہوا کہ قبرستان میں نماز نہیں ہوتی اسی لیے تو نماز سے محروم گھر کو قبرستان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس طرح کہ قبرستان میں تلاوت بھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ تلاوت سے محروم گھر کو بھی قبرستان سے تشبیہ دی گئی ہے (مسلم: 780) حدیث مبارکہ میں نفلی نماز گھروں میں پڑھنا مراد ہے نہ کہ فرض نماز، کیونکہ رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما چکے ہیں: مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ ۔'' جس شخص نے اذان سنی پھر مسجد میں نہ آیا تو اس کی کوئی نماز نہیں الا یہ کہ کوئی عذر ہو'' (ابن ماجه: 793، ابن حبان : 2064۔ اس کی سند صحیح ہے۔) رسول اللہ ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو بھی اذان سننے کی بنا پر گھر میں فرض نماز پڑھنے کی رخصت نہ دی۔ (مسلم: 653، ابوداود : 553، نسائی : 852) نیز نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے: إِذَا قَضَى

[404] (صحيح لغيره) مسند احمد: 6/ 65 ، ابو يعلیٰ: 8/ 281 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے شاہد کی بنا پر، دیکھیے بخاری: 432، مسلم: 777.

اَحَدُكُمُ الصَّلَاةُ فِی مَسْجِدِهِ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهِ نَصِيبًا مِنْ صَلَاتِهِ فَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِی بَيْتِهِ مِنْ صَلَاتِهِ خَيْرًا ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی مسجد میں (فرض) نماز پوری کر لے تو اسے چاہیے کہ اپنے گھر کے لیے بھی اپنی کچھ نماز (مخصوص اور الگ) کر لے کیونکہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس نماز کی وجہ سے اس کے گھر میں خیر (و برکت نازل) فرمانے والا ہے۔'' (مسلم : 778) ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! گھروں میں (بھی) نماز پڑھا کرو کیونکہ آدمی کی سب سے افضل نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے، سوائے فرض نماز کے۔'' (بخاری: 731، مسلم: 781) بلکہ ایک روایت میں فرمایا: ''میری اس مسجد سے بھی (گھر میں نفلی نماز پڑھنا افضل ہے)۔'' (ابو داود : 1044، اس کی سند صحیح ہے۔) اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ مسجد نبوی میں پڑھی ہوئی ایک نماز، عام مسجدوں کی ہزار نماز سے زیادہ بہتر ہے۔ (بخاری :1190، مسلم :1394)

[405] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمَرِيضُ السُّجُودَ أَوْمَأَ بِرَأْسِهِ إِيمَاءً، وَلَمْ يَرْفَعْ إِلَى جَبْهَتِهِ شَيْئاً.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ جب مریض سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنے سر سے اشارہ کرے اور اپنی پیشانی کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے۔

فائدہ :......حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ ایک مریض کی عیادت کے لیے گئے تو اسے دیکھا کہ وہ تکیے پر نماز پڑھ رہا ہے (یعنی تکیے پر سجدہ کر رہا ہے) تو آپ ﷺ نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: صَلِّ عَلَى الْاَرْضِ اِنِ اسْتَطَعْتَ وَاِلَّا فَأَوْمِ اِيْمَاءً وَاجْعَلْ سُجُوْدَكَ اَخْفَضَ مِنْ رُكُوْعِكَ ''زمین پر نماز پڑھ اگر تجھ میں (اس کی) طاقت ہو، ورنہ اشارہ کر لیا کرو اور اپنے سجدے کو اپنے رکوع سے زیادہ جھکا ہوا بناؤ۔'' (بیہقی :2/ 306، حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام، حدیث: 325، 431 (ط۔ دارالسلام) میں اس کی سند کو قوی قرار دیا ہے۔)

پیشانی کی طرف کسی چیز کے اٹھانے کی دو صورتیں ممکن ہیں اور دونوں ہی ممنوع ہیں، ایک یہ کہ کسی چیز کو زمین سے اٹھا کر اپنے ماتھے سے لگا لیا جائے اور دوسری یہ کہ زمین پر کسی چیز کو اونچا کر کے رکھ لیا جائے خواہ وہ تکیہ ہو یا کپڑے وغیرہ کی ڈھیری، اور پھر اس پر سجدہ کیا جائے۔

[406] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت

[405] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 2/ 306، وفی معرفة السنن والآثار: 2/ 139، 140، عبدالرزاق فی المصنف: 2/ 477 (4142)، 2/ 476، 477 (4141)، ابن المنذر فی الاوسط: 4/ 379، 380 (2309)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[406] (موقوف صحیح لغیره) عبدالرزاق فی المصنف: 2/ 295 (3434، 3435)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

أَبِـی عَبْدِ الرَّحْمَنِ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا جَـاءَ الْـمَسْـجِدَ ، وَقَدْ صَلَّى النَّاسُ ، بَدَأَ بِصَلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ ، وَلَـمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا شَيْئاً .

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب مسجد میں آتے اور (ان کے آنے سے پہلے) لوگ (فرض) نماز پڑھ چکے ہوتے تو وہ فرض نماز شروع کرتے اور اس سے پہلے کچھ بھی نہ پڑھتے ۔

فائدہ : ......یعنی اگر فرض نماز سے پہلے سنت مؤکدہ ہوتیں مثلاً فجر اور ظہر میں، تو وہ انھیں پہلے نہ پڑھتے بلکہ پہلے فرض ادا کرتے ۔ اس طرح تحیۃ المسجد بھی مذکورہ صورت میں نہ پڑھتے ۔ امام مالک رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور علمائے کرام کا یہ موقف ہے کہ جب کوئی آدمی مسجد میں آئے اور جماعت ہو چکی ہو تو اگر نماز کا کافی وقت باقی ہو تو اسے اختیار ہے کہ چاہے تو فرض نماز پہلے پڑھے اور چاہے تو نوافل وسنن پہلے ادا کرے لیکن اگر وقت صرف اتنا سا باقی ہو کہ اس میں صرف فرض رکعات ہی پڑھی جاسکتی ہوں تو پھر پہلے فرض ہی ادا کرنا ہوں گے ۔

[407] وَحَـدَّثَـنِی عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ الـلّٰـهِ بْـنَ عُـمَـرَ مَـرَّ عَلَى رَجُلٍ وَهُوَ يُـصَـلِّـی ، فَسَـلَّـمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَاماً ، فَـرَجَـعَ إِلَيْـهِ عَبْـدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهُ : إِذَا سُـلِّـمَ عَلَى أَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّی فَلَا يَتَكَلَّمْ ، وَلْيُشِرْ بِيَدِهِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو کہ نماز پڑھ رہا تھا ، انھوں نے اس شخص کو سلام کہا تو اس (نمازی) نے (نماز ہی میں) بول کر سلام کا جواب لوٹا دیا ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کے پاس واپس آئے اور اس سے کہا کہ جب تم میں سے کسی کو اس حال میں سلام کہا جائے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو تو (زبان) سے نہ بولے بلکہ اپنے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کر دے ۔

فائدہ : ......کسی نمازی کو حالت نماز میں سلام کہنا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے تو ثابت نہیں، البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی حالت نماز میں سلام کہنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارے سے جواب دینا اور پھر اس کام سے منع نہ کرنا، اس کے جواز کی دلیل ہے، گویا یہ مسئلہ تقریری حدیث سے ثابت ہے اور صرف جائز ہے، واجب نہیں ہے...... رہا حالت نماز میں سلام کا جواب دینے کا مسئلہ تو اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے راجح یہ ہے کہ اگر تو نمازی کو نماز کے انہماک ومشغولیت اور توجہ الی اللہ کی بنا پر سلام کا پتا ہی نہ چلے تو وہ غیر مکلّف ہوگا اور جواب دینے کا پابند نہیں ہوگا...... اور اگر اسے پتا چل جائے تو اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ خواہ نماز کے بعد سلام کا جواب بول کر لوٹائے ، یا حالت نماز ہی میں صرف ہاتھ کے اشارے سے جواب دے ۔

[407] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 2/ 74 ، عبدالرزاق: 2/ 336 (3595 ، 3596) ، بیہقی: 2/ 259 ، ابن المنذر فی الاوسط:3/ 252 (1598) ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے ۔

نماز کے بعد جواب لوٹانے کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ ہے، کہتے ہیں کہ شروع شروع میں تو ہم نماز ہی میں سلام اور کلام کر لیتے تھے لیکن جب ہم ہجرت حبشہ کے بعد مدینہ میں آئے ،(ابن اسحاق اور مستدرک حاکم کی بعض روایات کے مطابق ان کی مدینہ میں آمد غزوہ بدر 2ھ کے موقع پر ہوئی تھی) تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حالت نماز میں سلام کہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ لوٹایا، پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُحْدِثُ مِنْ اَمْرِهِ مَايَشَاءُ، وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَحْدَثَ مِنْ أَمْرِهِ أَنْ لَا تَكَلَّمُوْا فِى الصَّلَاةِ، فَرَدَّ عَلَىَّ السَّلَامَ ۔ ''یقیناً اللہ عزوجل اپنے جس معاملے میں چاہتا ہے نیا حکم فرما دیتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ نیا حکم فرمایا ہے کہ تم نماز میں گفتگو نہ کیا کرو۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سلام کا جواب دیا۔(ابو داود: 924، نسائی: 1222، اس کی سند صحیح ہے)۔اس حدیث مبارکہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ،سعید بن مسیّب رحمہ اللہ ،حسن بصری رحمہ اللہ ،قتادہ رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ کی طرف منسوب اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ نمازی نماز میں بول کر سلام کا جواب دے سکتا ہے۔نماز کے دوران اشارے کے ساتھ سلام کا جواب لوٹانے کے دلائل حسب ذیل ہیں: (1) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا میں نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں کے رہنے والے انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آ کر آپ کو حالت نماز میں سلام کہنے لگے، میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت نماز میں سلام کہتے تھے تو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے دیکھا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس طرح، یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنی ہتھیلی کو پھیلا دیا......حدیث کے راوی جعفر بن عون نے اس کی مزید وضاحت اس طرح کی کہ اپنی ہتھیلی کو پھیلایا اور جَعَلَ بَطْنَهُ اَسْفَلَ وَجَعَلَ ظَهْرَهُ إِلَى فَوْق ''ہاتھ کے پیٹ کو نچلی جانب اور ہاتھ کی پشت کو اوپر کی جانب کر لیا'' (ابوداود: 927،ترمذی: 368 اس کی سند صحیح ہے)۔(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے بھی یہی واقعہ دریافت کیا تو انھوں نے بھی کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ کر دیتے تھے۔(نسائی: 1188 مسند الشافعي :ص 27۔اس کی سند صحیح ہے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ إِلَىَّ إِشَارَةً ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا تو آپ نے اشارے کے ساتھ مجھے جواب دیا اور یہ اشارہ انگلی کے ساتھ کیا تھا۔(ابوداود: 925: 367، نسائی: 1187، ابن ماجه: 1017، مسند احمد: 2/ 10۔ کی اس سند صحیح ہے۔)(3) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا پھر میں واپس آیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں پایا کہ آپ (سواری پر) چلے جا رہے تھے،(اور) نماز میں مصروف تھے چنانچہ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَأَشَارَ اِلَىَّ ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا تو آپ نے میری طرف اشارہ فرما دیا۔اس حدیث کے ایک راوی زبیر نے جب یہ حدیث بیان

کی تو اپنے ہاتھ کے ساتھ زمین کی طرف اشارہ کیا‘‘(مسلم: 540/ 36، 37، نسائی: 1190، 1191، ابن ماجه، 1018) (4) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی امام نسائی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارے سے جواب دینا ثابت کیا ہے، (نسائی: 1189) اور بھی متعدد روایات موجود ہیں جن کو امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں نقل کیا ہے۔

امام مالک، امام شافعی امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور علماء نماز میں اشارے سے سلام کا جواب دینا جائز سمجھتے ہیں۔ امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے مذکورہ بالا روایات پر جو ابواب اور عنوانات قائم کیے ہیں وہ بھی نماز کے دوران اشارے سے سلام کا جواب دینا ہی ثابت کرتے ہیں۔

اشارے کے طریق کار کے متعلق دو قسم کی روایات کا تو ذکر ہو چکا ہے کہ ہاتھ پھیلا کر یا صرف انگلی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا، ہاتھ کی کیفیت تو پیچھے بیان کر دی گئی ہے، البتہ انگلی کی کیفیت کی وضاحت نہیں مل سکی، امیر صنعانی رحمہ اللہ نے سبل السلام میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے سر کے ساتھ اشارہ کرنا بھی ثابت کیا ہے جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، واللہ اعلم۔

جو لوگ نماز میں سلام کا کسی بھی طریقے سے جواب دینے کے قائل نہیں ہیں خصوصاً جمہور احناف تو ان کے نزدیک اس کی سب سے بڑی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ جب ہم نجاشی (شاہ حبشہ) کے پاس سے واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حالت نماز میں سلام کہا تو فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا وَ قَالَ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا اور فرمایا کہ بے شک نماز میں ایک (خاص) مشغولیت ہوتی ہے۔‘‘ (بخاری: 1216، مسلم: 538، ابوداود: 923، ابن ماجه: 1014)

حالانکہ (1) روایات میں ظاہری تعارض ہو تو سب سے پہلے تطبیق دی جاتی ہے اور وہ یہاں ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نماز میں سلام کا جواب اشارے سے دیتے اور کبھی نماز میں سلام کا جواب نہ دیتے بلکہ نماز کے بعد زبان سے بول کر جواب دیتے جیسا کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث میں پیچھے گزر چکا ہے۔ (2) احناف کے ہاں تو مرسل روایت حجت ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن سیرین سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی واقعے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب اشارے سے دے دیا تھا۔ (مرعاة المفاتیح: 3/ 344)۔ (3) ’’نماز میں مشغولیت‘‘ کے الفاظ سے یہ ثابت کرنا کہ ’’اشارہ کرنا بھی ناجائز ہے‘‘۔ بالکل غلط استدلال ہے کیونکہ اگر یہی مطلب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایسا نہ کرتے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد احادیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران نماز اشارے سے سلام کا جواب دینا ثابت ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نماز کا خشوع وخضوع، توجہ اور نماز کی مشغولیت کسی میں نہ تھی۔ (4) اس مشغولیت کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر نمازی کو کسی کے سلام کہنے کا علم ہی نہ ہو سکے تو وہ غیر مکلّف ہے اور اگر علم ہو

جائے تو حالت نماز میں بول کر جواب نہ دے بلکہ اگر چاہے تو صرف اشارہ کر دے یا چاہے تو نماز سے فارغ ہو کر زبان سے جواب لوٹا دے۔ الغرض ان احادیث کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ نماز میں زبان سے گفتگو کرنا منع ہے کیونکہ یہ اصول ہے کہ احادیث ایک دوسری کی وضاحت وتفسیر کرتی ہیں اور اسی مذکورہ بالا حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ دوسری احادیث میں یہ وضاحت آچکی ہے کہ نماز میں کلام اور باہم بول چال منع ہے۔

احناف وغیرہ کی دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے سلام کہا لیکن رسول صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نماز پڑھ رہے تھے اس لیے جواب نہ دیا۔ (بخاری:1217، مسلم: 540/ 38) حالانکہ دوسری سندوں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں ہاتھ کے اشارے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا ثابت ہو چکا ہے۔ (مسلم: 540/ 36، 37، نسائی: 1190، 1191، ابن ماجہ:1018)

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے انھی دونوں احادیث کو ذکر کر کے ان پر نماز میں سلام کا جواب نہ دینے کا عنوان قائم کیا ہے چنانچہ اگر تو ان کی مراد صرف یہ ہے کہ بول کر جواب دینا منع ہے اور اشارے کے متعلق امام صاحب نے خاموشی اختیار کی ہو کہ اس کے کرنے کی اجازت ہے۔ تو پھر تو امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال قابل قبول ہے کیونکہ دوسری احادیث نبویہ کے مطابق ہے، اور اگر امام بخاری رحمہ اللہ اشارے کے ساتھ جواب لوٹانے کی بھی نفی کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان کی یہ بات کسی صورت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

احناف کی طرف سے اشارے کی روایات میں یہ تاویل بھی کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اشارہ کرنا، سلام کا جواب لوٹانے کے لیے نہیں تھا بلکہ لوگوں کو سلام اور کلام سے منع کرنے کے لیے تھا۔...... یہ تاویل یقیناً مردود اور نا قابل التفات ہے کیونکہ جب سلام کے متعلق "رَدَّيَــــرُدُّ" جیسے الفاظ بھی استعمال ہوں تو عربی لغت میں ان سے مراد سلام کا جواب لوٹانا ہی ہوتا ہے، چنانچہ متعدد احادیث مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مثلاً (فرد الی اشارة) (ترمذی : 367) ، (فرد علی اشارة) (ترمذی : 367) ، (فردعلی اشارة) (نسائی: 1187)(فرد اشارة) (ابوداود: 925)، (کان یرد اشارة) (ترمذی: 368)، (فرد علیه اشارة) (طحاوی ، بزار بحواله مرعاة :3/ 360)، (فرد علیه) (نسائی :1189) .

نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سوال پر یہ نہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سلام کا جواب لوٹانے سے ہمیں روکا تھا، بلکہ انھوں نے تو اپنی ہتھیلی پھیلا کر سلام کے جواب کا طریقہ تک سمجھا دیا اور اشارۂ نبوی کو سلام کا جواب ہی شمار کیا۔ (ابوداود: 927)...... کیا احناف یہ کہنا پسند کریں گے کہ ان کو تو اصل بات سمجھ میں آ گئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نہ خود سمجھ سکے اور نہ دوسروں کو صحیح تعلیم دیتے رہے...... مولانا عبدالحیٔ لکھنوی حنفی رحمہ اللہ نے موطا امام محمد کے حاشیہ "التعلیق الممجد: ص 122" میں خود ہی احناف کی اس مذکورہ تاویل کو باطل قرار دیا ہے۔

نماز میں اشارے سے جواب دینے کے منکرین کی ایک اہم دلیل یہ ہے کہ اشارے سے جواب دینا شروع شروع میں جائز تھا پھر جب نماز میں کلام کرنا منع ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی یہ اشارہ بھی منسوخ ہو گیا...... حالانکہ (1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تو اسے منسوخ نہ سمجھا، (2) کیا اشارہ اسی وقت منسوخ ہوا تھا جس وقت کہ اشارہ شروع ہی نہیں ہوا تھا، کیونکہ کلام کی ممانعت سے پہلے تو سلام کرنا اور جواب دینا سب درست تھا اور جب اس کلام کو منسوخ کیا گیا تو احناف کے بقول اسی وقت اشارے سے جواب دینا بھی منسوخ ہو گیا، تو سوچنے کی بات ہے کہ جن احادیث میں اشارے کا ذکر ہے وہ پھر کہاں سے آ گئیں ...... الغرض اشارے کے نسخ والی بات بالکل غیر معقول ہے...... (3) اسی لیے شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ "اشعة اللمعات" میں کہتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ اشارہ نماز میں کلام منسوخ ہونے کے بعد کیا گیا تھا۔ (4) خود اشارے والی احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول کر جواب نہ دینا اور اشارے پر اکتفا کرنا اسی وقت شروع ہوا جب کہ نماز میں بولنا اور کلام کرنا منسوخ ہوا۔

[408] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلَمْ يَذْكُرْهَا، إِلَّا وَهُوَ مَعَ الإِمَامِ، فَإِذَا سَلَّمَ الإِمَامُ، فَلْيُصَلِّ الصَّلَاةَ الَّتِي نَسِيَ، ثُمَّ لِيُصَلِّ بَعْدَهَا الأُخْرَى.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: جو شخص کوئی نماز (پڑھنا) بھول گیا، پھر وہ نماز اسے یاد ہی نہ آئے، مگر اس حالت میں (یاد آئے) کہ وہ امام کے ساتھ (اگلی نماز پڑھ رہا) ہو، چنانچہ جب امام سلام پھیر دے تو اسے چاہیے کہ اب وہ نماز (قضا کے طور پر) پڑھے جو وہ بھول گیا تھا، پھر اس کے بعد (دوبارہ) دوسری نماز پڑھے (جو امام کے ساتھ پہلے پڑھ چکا تھا)۔

فائدہ: ...... تاکہ نمازوں کی ترتیب درست ہو جائے۔ فوت شدہ نمازوں کو ترتیب سے ادا کرنا سنت سے ثابت ہے، اسی طرح وقت والی نماز اور گزشتہ فوت شدہ نمازوں کی ترتیب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملحوظ رکھی ہے، جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر ایک دفعہ نماز عصر قضا ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب کے وقت میں ان کو ترتیب سے پڑھا (بخاری: 596، مسلم: 631)، ایک موقع پر اسی جنگ میں ظہر، عصر اور مغرب کو مغرب کے وقت میں ترتیب سے پڑھا گیا۔ (نسائی: 662، مسند احمد: 3/ 25، ابن خزيمه: 996، دارمی: 1/ 358۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز ایک روایت میں ظہر، عصر اور مغرب کو عشاء کے وقت میں ترتیب سے پڑھنے کا تذکرہ ہے۔ (ترمذی: 179، نسائی

---

[408] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 2/ 222 وفى معرفة السنن والآثار: 2/ 88، ابن المنذر فى الاوسط: 2/ 417 (1138)، عبدالرزاق: 2/ 5 (2254)، طحاوى فى شرح معانى الآثار: 1/ 467۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

:663، احمد :1/ 375۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

مذکورہ بالا صورت جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ کوئی گزشتہ نماز رہ چکی ہو اور اس کے بعد والی نماز یا کئی نمازیں پڑھی جا چکی ہوں، پھر جب یہ گزشتہ نماز یاد آئے تو کیا اس کے بعد والی نمازوں کو بھی ترتیب بحال رکھنے کے لیے دوبارہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ تو دہرانے کے قائل ہیں اور وہ ترتیب کو ضروری سمجھتے ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ ایسی صورت میں صرف قضا نماز پڑھنے پر اکتفا کرنے کے قائل ہیں (اس اصول کے تحت کہ نبی کریم ﷺ کا محض فعل، وجوب پر دلالت نہیں کرتا) بہرحال ترتیب کا لحاظ رکھنا مستحب ضرور ہے، البتہ اگر کسی عذر کی بنا پر ترتیب بحال نہ رہے تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ عنوان قائم کیا ہے: مَنْ نَّسِیَ صَلَاةً فَلْیُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ وَلَا یُعِیْدُ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ ''جو شخص کوئی نماز بھول جائے، تو جب اسے یاد آئے پڑھ لے اور کسی اور نماز کو نہ لوٹائے، مگر صرف وہی (قضا) نماز ہی کو پڑھے۔'' اور پھر انھوں نے اپنے موقف کے لیے یہ حدیث مبارکہ ذکر کی ہے، ((مَنْ نَّسِیَ صَلَاةً فَلْیُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ ، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ)) ''جو شخص کوئی نماز بھول جائے، تو جب اسے یاد آئے پڑھ لے، اس نماز کا اس کے علاوہ اور کوئی کفارہ نہیں۔'' (بخاری : 597، مسلم : 684) گویا یہ حدیث مبارکہ بتا رہی ہے کہ صرف فوت شدہ نماز ہی کو پڑھا جائے گا، اس بھول والی نماز کا کفارہ صرف اتنا ہے کہ اسے یاد آتے ہی پڑھ لیا جائے، اب اگر کوئی شخص اسے پڑھنے کے بعد ترتیب درست کرنے لیے بعض اور نمازیں بھی پڑھے گا تو گویا اس نے اپنی بھول کے کفارے میں اضافہ کر لیا، جبکہ نبی کریم ﷺ نے کلام میں حصر پیدا کرتے ہوئے ''لا'' اور ''الا'' لگا کر صرف اسی فوت شدہ نماز کو پڑھنے کا حکم دیا ہے، نیز ''اذا'' لگا کر یہ بھی واضح فرما دیا کہ جب بھی وہ نماز یاد آئے، خواہ آئندہ نماز کی ادائیگی سے پہلے، یا اس کے بعد یا کئی نمازوں کے بعد یاد آئے صرف اسی کو پڑھے، واللہ اعلم بالصواب۔

[409] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَى بْنِ سَعِیدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یَحْیَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّی وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَى جِدَارِ الْقِبْلَةِ، فَلَمَّا قَضَیْتُ صَلَاتِی، انْصَرَفْتُ إِلَیْهِ مِنْ قِبَلِ شِقِّی الْأَیْسَرِ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ

واسع بن حبان رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قبلے کی دیوار کے ساتھ پشت کو سہارا دیے ہوئے تھے، جب میں نے نماز پوری کی تو میں اپنی بائیں جانب سے ان کی طرف مڑا، تو (یہ دیکھ کر) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ تجھے کس چیز نے اس سے روکا کہ تو اپنی دائیں جانب سے

[409] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 1/ 305 ، عبدالرزاق: 2/ 241 (3212)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

عُمَرَ : مَا مَنَعَكَ أَنْ تَنْصَرِفَ عَنْ يَمِينِكَ؟ قَالَ: فَقُلْتُ رَأَيْتُكَ فَانْصَرَفْتُ إِلَيْكَ ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : فَإِنَّكَ قَدْ أَصَبْتَ ، إِنَّ قَائِلاً يَقُولُ : انْصَرِفْ عَنْ يَمِينِكَ ، فَإِذَا كُنْتَ تُصَلِّي فَانْصَرِفْ حَيْثُ شِئْتَ ، إِنْ شِئْتَ عَنْ يَمِينِكَ ، وَإِنْ شِئْتَ عَنْ يَسَارِكَ .

مڑتا؟ میں نے کہا کہ میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی طرف مڑ گیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تو نے بالکل ٹھیک کام کیا ہے،ایک کہنے والے کا یہ قول ہے کہ (صرف اورصرف) دائیں جانب ہی سے پھرا کرو (جبکہ راجح بات یہی ہے کہ) جب تم نماز پڑھ چکو تو جس طرف سے چاہو مڑ جاؤ، چاہو تو اپنی دائیں جانب سے (گھومو) اور چاہو تو اپنی بائیں جانب سے (پھرو) ۔

فائدہ : ......نماز سے فارغ ہو کر امام نے اپنے مقتدیوں کی طرف مڑنا ہوتا ہے، یا اکیلے نماز پڑھنے والے نے نماز سے سلام پھیر کر کسی اور جانب مڑ کر بیٹھنا یا اٹھنا ہوتا ہے تو دائیں یا بائیں کسی بھی جانب سے مڑا جا سکتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((لَا يَجْعَلْ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهِ يَرٰى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ كَثِيْرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ)) ''تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کا کچھ حصہ شیطان کے لیے مقرر نہ کرے (یعنی اپنی طرف سے شریعت سازی نہ کرے مثلا) وہ یہ سمجھنے لگے کہ اس پر لازم ہے کہ (نماز کے بعد) وہ دائیں جانب کے علاوہ سے مڑے گا ہی نہیں ۔یقیناً میں نے نبی مکرم ﷺ کو بہت دفعہ دیکھا کہ آپ ﷺ اپنی بائیں جانب سے (لوگوں کی طرف) پھرا کرتے تھے:'' (بخاری : 852، مسلم :707) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ تر تو دائیں جانب سے ہی مڑتے دیکھا ہے، (مسلم : 708) یعنی زیادہ ترجیح تو دائیں جانب کو دیتے تھے لیکن ہمیشہ ایسا ہی نہ کرتے ،حضرت ہلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری امامت کراتے تو دونوں جانب سے گھوما کرتے تھے، دائیں سے بھی اور بائیں سے بھی ۔ (ترمذی :301، اس کی سند حسن ہے)

[410] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لَمْ يَرَ بِهِ بَأْساً ، أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ : أَأُصَلِّي فِي عَطَنِ الإِبِلِ ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : لَا ، وَلَكِنْ صَلِّ فِي مُرَاحِ الْغَنَمِ .

ہشام بن عروہ اپنے والد سے ،اور وہ مہاجرین میں سے ایک شخص جس کے متعلق عروہ کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے، سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا میں اونٹ کے باڑے میں نماز پڑھ لوں؟ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں،

[410] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے، نیز دیکھیے الاستذکار لابن عبدالبر:6/ 304 ۔

البتہ بکریوں کے باڑے میں پڑھ لیا کر۔

فائدہ :...... حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے مختلف سوالات کے جواب میں فرمایا کہ بکری کا گوشت کھانے سے وضو کرنا ضروری نہیں، ہاں اگر کرنا چاہو تو تمھاری مرضی ہے، البتہ اونٹ کا گوشت کھا لینے سے وضو کرنا پڑے گا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی لیکن اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا۔ (مسلم:360) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے۔ (ترمذی : 348، ابن ماجہ : 768،اس کی سند صحیح ہے) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے (بخاری : 234) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی یہی مسئلہ ثابت کیا گیا ہے، بلکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے اونٹوں کے متعلق فرمایا (فَإِنَّهَا مِنَ الشَّيَاطِيْنِ) ''یقیناً وہ تو شیطانوں میں سے ہیں'' اور بکریوں کے متعلق فرمایا: ((فَإِنَّهَا بَرَكَةٌ)) ''بے شک وہ تو برکت (ہی کا باعث) ہیں'' (ابوداود: 184، مسند احمد : 4/ 288، اس کی سند صحیح ہے) حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''یہ اونٹ شیطانوں سے پیدا کیے گئے ہیں۔'' (ابن ماجہ :769)

بکری اور اونٹ دونوں ہی ماکول اللحم جانور ہیں لیکن ان کے گوشت اور باڑوں کے متعلق احکامات میں فرق کی اصل حقیقت اور علت سے اللہ ہی واقف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے حوالے سے صرف ان کے باڑوں میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے لیکن باڑے کے علاوہ اگر کہیں اونٹ کو بٹھایا گیا ہو تو اس کے پاس حتی کہ اسے سترہ بنا کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کر لیتے تھے۔ (بخاری: 430، 507، 999، مسلم: 700/ 31، 36، 701)...... ان احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باڑوں میں موجود اونٹوں کو شیطانوں سے صرف تشبیہ دی ہے کیونکہ درحقیقت اونٹ مٹی سے پیدا شدہ ہیں جبکہ شیطان آگ سے تخلیق شدہ ہیں اور یہ تشبیہ دشمنی میں دی گئی ہے جس طرح شیطان انسان کا دشمن ہے اور جب موقع ملے اسے ضرور نقصان پہنچانے کی جستجو کرتا ہے، اسی طرح اونٹ کا اڑیل پن، ضرر، کینہ اور دشمنی کا جذبہ ہر کسی کو معلوم ہے اور جب وہ اپنے باڑے میں ہو تو اس کی طرف سے دشمنی کا اظہار زیادہ متوقع ہوتا ہے اور وہ موقع دیکھ کر نمازی پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔

[411] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: مَا صَلَاةٌ يُجْلَسُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِنْهَا؟ ثُمَّ قَالَ سَعِيدٌ:

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے پوچھا: وہ کون سی نماز ہے جس کی ہر رکعت میں بیٹھا جاتا ہے؟ پھر سعید رحمہ اللہ نے خود ہی فرمایا کہ یہ نماز مغرب ہے جب کہ تجھ

[411] (مقطوع صحیح) ابن عبدالبر فی جامع بیان العلم وفضله:1/ 484، بیهقی:2/ 299، عبدالرزاق:3182، ابن ابی شیبه:8481 ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

هِيَ الْمَغْرِبُ، إِذَا فَاتَتْكَ مِنْهَا رَكْعَةٌ، قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَلِكَ سُنَّةُ الصَّلَاةِ كُلِّهَا. سے اس کی ایک رکعت رہ جائے۔

فائدہ: ...... جب کسی شخص کی مغرب کی جماعت میں سے ایک رکعت رہ جائے تو باقی دونوں رکعتوں میں وہ امام کے ساتھ اس کی اقتدا میں تشہد کے لیے بیٹھا ہے اور بعد میں خود تیسری رکعت پڑھ کر بیٹھا ہے...... بلکہ جمہور علمائے کرام کے نزدیک اگر نماز مغرب کی دو رکعتیں رہ جائیں اور امام کے ساتھ صرف تیسری رکعت ملے تو بھی ہر رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھنا پڑے گا، کیونکہ ایک رکعت میں وہ امام کے ساتھ بیٹھا، پھر جب بعد میں اٹھ کر اس نے دوسری رکعت پڑھی تو وہ دو رکعتوں کے بعد والا تشہد پڑھے گا، اور پھر آخر نماز میں بھی تشہد کے لیے بیٹھے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی طرح ہر نماز کا طریقہ ہے۔

فائدہ: ......اس عبارت میں دو اشکال ہیں: 1-یہ عبارت امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے یا سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا، چنانچہ ہندی نسخوں میں تو امام مالک رحمہ اللہ کے قول کے طور پر ہے، جبکہ مصری نسخوں میں یہاں ''قال مالک'' (امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا) ہے۔ 2-عبارت میں تشبیہ کس چیز کے ساتھ دی گئی ہے؟ اگر یہ مراد لیا جائے کہ اسی طرح ہر نماز میں مقتدی کی ایک رکعت رہ جائے تو اسے ہر رکعت میں بیٹھنا پڑے گا، تو یہ غلط ہے کیونکہ نماز فجر میں تو ایسا ممکن ہے لیکن چار رکعتی نماز میں نہیں۔ گویا امام صاحب کا قول نماز کے آخر میں بیٹھنے کے متعلق ہے نہ کہ ہر رکعت کے آخر میں بیٹھنے کے متعلق یعنی امام صاحب فرمانا چاہتے ہیں کہ جب تمھاری ایک رکعت امام سے رہ جائے اور تم امام کے ساتھ اس کے آخری تشہد میں اگرچہ شامل ہو جاؤ گے لیکن پھر بھی جب تم بعد میں اپنی ایک رکعت پڑھو گے تو تمھیں آخری تشہد پڑھنا ہو گا کیونکہ ہر نماز کا آخری حصہ تشہد میں بیٹھنا ہے، (ب) یا یہ تشبیہ صرف اس بات میں ہے کہ مقتدی کو ہر نماز میں امام کے ساتھ ساتھ بیٹھنا لازم ہے، خواہ مقتدی کی کچھ نماز رہ جانے کی وجہ سے اس کی کسی رکعت کے بعد تشہد کا مقام نہ بھی بنتا ہو، کیونکہ امام کی پیروی لازم ہے جس طرح کہ نماز مغرب کی مذکورہ بالا مثال میں ہے۔

24- بَابٌ: جَامِعُ الصَّلَاةِ

نماز کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں چودہ روایات ہیں جن میں سے نو مرفوع احادیث نبویہ ہیں، جو کہ سب کی سب صحیح اسانید سے ثابت ہیں۔ تین موقوف روایات یعنی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے دو صحیح جبکہ ایک ضعیف ہے، اور دو مقطوع روایات یعنی آثار تابعین رحمہم اللہ ہیں اور دونوں کی سندیں ضعیف ہیں۔

فائدہ: ......گزشتہ باب میں زیادہ تر وہ متفرق احکام بیان ہوئے تھے جن کا تعلق نماز کی ذات اور اس کے

ارکان وافعال سے ہے جبکہ اس باب میں ان مسائل وفضائل کا بیان ہے جو نماز کی ذات اور ارکان سے نہیں ہیں، مثلاً نماز میں بچے کو اٹھانا، فرشتوں کی آمد اور افضل شخص کی امامت وغیرہ۔

[412] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِي : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، وَلأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا ، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا .

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس حال میں نماز پڑھا لیا کرتے تھے کہ آپ (اپنی نواسی) امامہ کو اٹھائے ہوئے ہوتے تھے جو کہ (آپ ﷺ کی بڑی بیٹی) حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کی اور (آپ ﷺ کے داماد) حضرت ابوالعاص بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی، چنانچہ جب آپ ﷺ سجدہ کرنے لگتے تو اسے بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہونے لگتے تو اسے اٹھا لیتے۔

فائدہ: ......سیدہ زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں، جب آپ ﷺ کی عمر مبارک تیس سال تھی تو ان کی پیدائش سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی، ان کا نکاح اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ہوا، نبی کریم ﷺ کی زندگی میں امامہ رضی اللہ عنہا صغرسنی ہی میں تھیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کے ہاں ایک لڑکا اور ایک بچی امامہ کو جنم دیا، جس کے ساتھ سیدہ فاطمۃ الزہراء کے انتقال کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شادی کی۔ مسلم شریف (543/ 42، 43) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد نبوی میں لوگوں کی امامت کرا رہے تھے، آپ ﷺ نے بچی کو اپنے کندھے مبارک پر اٹھایا ہوا تھا، جب رکوع کرتے تو اسے زمین پر بٹھا دیتے اور جب سجدوں سے فارغ ہوتے تو اسے دوبارہ اٹھا لیتے، بعض روایات میں گردن پر بٹھانے کا بھی تذکرہ ہے۔ ابوداود (920) میں ظہر یا عصر کی نماز کا بھی تذکرہ ہے...... یہ حدیث بچوں کو اٹھا کر نماز پڑھنے کی واضح دلیل ہے، ہاں یہ خیال رہنا چاہیے کہ بچوں کے کپڑے پلید نہ ہوں اور ان کو پہلے پیشاب کرا لیا گیا ہوتا کہ وہ نماز میں پیشاب نہ کر دیں...... یہ حدیث فقہاء خصوصا فقہائے حنفیہ کے لیے بہت پریشانی کا باعث ہے کیونکہ وہ یہ اصول بنا چکے ہیں کہ کسی بھی عمل کثیر سے نماز باطل ہو جائے گی، جبکہ اس حدیث میں ایک عمل کثیر بار بار ثابت ہو رہا ہے اور نماز بھی بحال ہے، چنانچہ پھر احناف کی طرف سے طرح طرح کی تاویلیں کی جاتی ہیں اور بعض تاویلات تو مضحکہ خیز ہیں...... راجح موقف یہ ہے کہ اس مذکورہ صورت کو عمل قلیل کہا جائے یا کثیر، بہر حال نبی کریم ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ سے اپنی امت کے لیے اس کا جواز پیش کر دیا ہے۔ امام

---

[412] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب اذا حمل جارية صغيرة على عنقه فی الصلاة، حديث: 516 ، 5996 ، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز حمل الصبيان فی الصلاة ، حديث:543 ، ابوداؤد:917 ، نسائی:1205 ، مسنداحمد: 5/ 295 ، 296 ، دارمی:1360۔

شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں، امام مالک رحمہ اللہ اسے فرض نماز میں بالکل ناجائز سمجھتے ہیں، چنانچہ ان سے اس میں تین طرح کی تاویل منقول ہے: 1- یہ نفلی نماز کا واقعہ ہے حالانکہ صحیح مسلم اور سنن ابی داود کی روایت اس تاویل کی تردید کرتی ہیں۔ 2- یہ عمل ((إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا)) (بے شک نماز میں ایک خاص مشغولیت ہوتی ہے) والی روایت سے منسوخ ہے۔ حالانکہ نسخ صرف دعویٰ کرنے سے ثابت نہیں ہوتا، اس کے لیے تاریخ کا معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ پہلے والی روایت کو منسوخ اور بعد والی کو ناسخ کہہ سکیں، دوسری بات یہ کہ یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے اور وہ اس طرح کہ نماز میں مشغولیت والی روایت ہجرت مدینہ کے کچھ ہی دیر بعد کی ہے جبکہ امامہ رضی اللہ عنہا والا واقعہ ہجرت کے بہت بعد کا ہے۔ (ابن عبدالبر) 3- امام مالک رحمہ اللہ کی طرف سے تیسری تاویل یہ منقول ہے کہ یہ واقعہ صرف ضرورت کی وجہ سے پیش آیا لہٰذا بوقت ضرورت جائز ہے، حالانکہ اس دعویٰ اور تاویل کی کوئی دلیل موجود نہیں اور محض احتمال سے کوئی دعویٰ ثابت نہیں ہوا کرتا۔ بعض مالکی فقہاء نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔......حالانکہ اختصاص کی بھی دلیل چاہیے، ورنہ آقا علیہ السلام کے افعال امت کے لیے بہترین نمونہ ہیں، بعض احناف نے خصوصا خطابی رحمہ اللہ اور ابن دقیق العید نے یہ تاویل کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس واقعے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اترنے کا اشارہ کرتے تھے، اٹھانے کا عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں تھا بلکہ وہ بچی خود بخود چمٹ جاتی تھی اور راوی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اتارنے اور اٹھانے کے عمل کو منسوب کر دیا......حالانکہ یہ نہایت بعید اور مضحکہ خیز تاویل ہے جس کی تردید احادیث کے صریح الفاظ سے ہو جاتی ہے نیز یہ حدیث کی توجیہ نہیں بلکہ تحریف ہے۔ الغرض یہ واقعہ ایک شرعی حکم کا بیان اور اس عمل کا جواز ثابت کر رہا ہے اور بعض احناف مثلا ابن امیر الحاج رحمہ اللہ بھی اسی کی طرف مائل نظر آتے ہیں (رد المختار: 1/ 612)

[413] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ وَصَلَاةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ, كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي ؟ فَيَقُولُونَ : تَرَكْنَاهُمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھارے اندر رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے باری باری آتے جاتے رہتے ہیں اور نماز عصر اور نماز فجر میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جنھوں نے تمھارے ساتھ رات گزاری ہوتی ہے وہ (جبکہ آسمان کی طرف) چڑھ جاتے ہیں، تو وہ (اللہ تعالیٰ) ان سے دریافت فرماتا ہے حالانکہ وہ ان (بندوں کے احوال) سے بخوبی واقف ہوتا

[413] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، حديث: 555، 3223، 7429، 7486، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظة عليهما، حديث:632، نسائی:486، مسنداحمد:2/ 486۔

وَهُمْ يُصَلُّونَ ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ . ہے، (پوچھتا ہے کہ) تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کو چھوڑا (اور ان کے پاس سے آئے) تو اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم ان کے پاس آئے تھے تو بھی اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔‘‘

فائدہ: ...... اللہ باخبر ہونے کے باوجود اس لیے سوال فرماتا ہے کہ یہ محبوب کے متعلق پیار کی باتیں شمار ہوتی ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ نمازی حضرات جن کے متعلق دربار الٰہی میں خصوصی تذکرے ہوتے ہیں اور یہ کس قدر بدنصیبی ہے کہ اللہ کے دربار میں روزانہ دو وقت نماز سے غیر حاضری لگے۔ اس حدیث مبارکہ سے نماز کی یہ فضیلت بھی منکشف ہوئی کہ نماز میں خاکی ونوری اجتماع منعقد ہوتا ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت اوپر کی جہت اور جانب ہے اور عرش معلیٰ کے اوپر ہے جس کی طرف فرشتوں کو چڑھنا پڑتا ہے، ان لوگوں کو اپنے عقیدے کی اصلاح کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے کسی جہت اور سمت میں ہونے کے قائل ہی نہیں یا وہ اللہ کی ذات کو ہر جگہ مانتے ہیں، صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات کے لحاظ سے عرش کے اوپر ہے اور اپنے علم اور سمع وبصر وغیرہ کے اعتبار سے ہر جگہ ہے۔

[414] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ . فَقَالَتْ عَائِشَةُ : إِنَّ أَبَا بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ ، قَالَ : مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ . قَالَتْ عَائِشَةُ : فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ قُولِي لَهُ : إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : إِنَّكُنَّ لأَنْتُنَّ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے مرض الوفات میں) فرمایا: ’’ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں‘‘ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں کہ اے اللہ کے رسول! بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آپ کی جگہ میں کھڑے ہوں گے تو وہ رونے کی وجہ سے لوگوں کو (اپنی آواز اور قراءت) نہ سنا پائیں گے، آپ عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دے دیجیے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے عرض کرو کہ یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو وہ رونے کی بنا پر لوگوں کو کچھ نہ سنا سکیں گے، لہٰذا آپ عمر رضی اللہ عنہ کو حکم

---

[414] (صحیح) صحیح البخاری ، کتاب الاذان ، باب اهل العلم والفضل احق بالامامة ، حدیث: 679 ، 664 ، 682 ، 712 ، 713 ، 716 ، 3384 ، 7303 ، صحیح مسلم ، کتاب الصلاة ، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر ، حدیث: 418/ 93 - 95 ، ترمذی: 3672 ، نسائی: 834 ، ابن ماجه: 1232 ، مسنداحمد: 6/ 96 (25154) ، دارمی: 82۔

صَوَاحِبُ يُوسُفَ ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ . فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ : مَا كُنْتُ لأُصِيبَ مِنْكِ خَيْراً .

دے دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں ، چنانچہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے (اسی طرح ہی) کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (برا مناتے ہوئے) فرمایا: ''بلاشبہ تم یوسف علیہ السلام (کے واقعے) والی عورتوں کی طرح ہو، (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ فرمایا) ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ناراضی کا اظہار سن کر) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگیں کہ میں تم سے کوئی خیر نہیں پا سکتی۔

فائدہ : ......یعنی تم نے کتنے ہی مواقع پر مجھے اپنے ساتھ ملا لیا اور پھر مجھے بھی تمھاری وجہ سے ڈانٹ ڈپٹ کا نشانہ بننا پڑا، انھوں نے یہ بات صرف غصے کی بنا پر کی تھی ورنہ وہ ایک دوسرے کے کام آتی رہتی تھیں ...... یہ حدیث مبارکہ شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اجاگر کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ہی میں انھیں اپنے مصلیٰ کا امام مقرر فرما دیا تھا اور یہ امامت صغریٰ دراصل امامت کبریٰ یعنی خلافت بلافصل کا قرینہ اور تمہید تھی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو کس بنا پر یوسف علیہ السلام والی عورتوں کے ساتھ تشبیہ دی؟ اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں مشبہ (جس کو تشبیہ دی گئی ہے وہ) یا تو صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں یا عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں ہیں۔ پہلی بات راجح ہے اور جمع کا صیغہ تو صرف عورتوں کے فطری پہلو کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے، رہا مشابہ (جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے) تو اس سے مراد یا تو صرف زلیخا ہے یا مصر کی وہ سب عورتیں جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے ......اور ''وجہ شبہ'' (یعنی جس چیز میں تشبیہ دی گئی ہے وہ) یہ ہے کہ ظاہر کچھ اور کرنا لیکن مراد کچھ اور لینا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ظاہر میں تو یہ عذر بیان کیا کہ ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت رقیق القلب آدمی ہیں اور ان کی یہ رقت قلبی اور رونا امامت کی حق ادائیگی میں رکاوٹ ہے، لیکن ان کے دل میں یہ بات تھی کہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی پر کھڑا ہونے والے شخص کو منحوس جانیں گے اور اس پر راضی نہ ہوں گے (مسلم : 418/ 93 ، 94) بعض شارحین کے بقول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چاہتی تھیں کہ بار بار پوچھنے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت پکی ہو جائے گی، پھر کسی شخص کے لیے اعتراض کی گنجائش نہ رہے گی۔ (واللہ اعلم) حضرت یوسف علیہ السلام کی ساتھی عورتوں سے مراد اگر صرف زلیخا ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ظاہر میں تو مصر کی شہزادیوں اور بیگمات کی دعوت طعام کی اور اکرام وضیافت کا اہتمام کیا لیکن دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ ان تمام کی نظر یوسف علیہ السلام پر پڑ جائے اور وہ اس کے فریفتہ ہو جانے میں اسے حق بجانب سمجھیں ......اور اگر یوسف علیہ السلام کی ساتھی عورتوں سے مراد مصر کی شہزادیاں ہیں جو دعوت پر آئی تھیں تو پھر تشبیہ کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ظاہر میں تو زلیخا پر اعتراض کرتی تھیں کہ شاہی خاندان کی عورت ہو کر ایک غلام پر مٹنے لگی ہے لیکن دراصل وہ خود بھی کسی بہانے سے حضرت یوسف علیہ السلام تک رسائی حاصل کر کے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[415] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ، أَنَّهُ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَانَي النَّاسِ، إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَسَارَّهُ، فَلَمْ يُدْرَ مَا سَارَّهُ بِهِ، حَتَّى جَهَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَإِذَا هُوَ يَسْتَأْذِنُهُ فِي قَتْلِ رَجُلٍ مِنَ الْمُنَافِقِينَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ جَهَرَ: أَلَيْسَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰهِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: بَلَى، وَلَا شَهَادَةَ لَهُ، فَقَالَ أَلَيْسَ يُصَلِّي. قَالَ: بَلَى، وَلَا صَلَاةَ لَهُ، فَقَالَ ﷺ: أُولَئِكَ الَّذِينَ نَهَانِي اللّٰهُ عَنْهُمْ.

حضرت عبید اللہ بن عدی بن خیار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ اسی اثنا میں اچانک ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے سرگوشی کرنے لگا، ہم اس کی آپ ﷺ سے سرگوشی کو نہ جان سکے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آواز بلند فرمائی تو یکا یک (ہمیں پتا چلا کہ) وہ آپ ﷺ سے منافقین میں سے ایک شخص کے قتل کی اجازت مانگ رہا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی آواز بلند کی تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''کیا وہ یہ گواہی نہیں دیتا کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟'' اس آدمی نے جواب دیا کہ کیوں نہیں، (وہ گواہی تو دیتا ہے لیکن) اس کی شہادت (اور گواہی معتبر) ہی نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ تو اس نے کہا کہ کیوں نہیں لیکن اس کی تو نماز بھی (قابل قبول) نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہی وہ لوگ ہیں (جو توحید و رسالت کی گواہی دے کر نماز پڑھنے لگیں خواہ وہ اس میں سچے ہوں یا نہ، تو یہی ہیں وہ) جن (کے قتل) سے اللہ نے مجھے منع فرما دیا ہے''

فائدہ: ......بعض شارحین نے اس حدیث کا تعلق حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ قرار دیا ہے جو آگے ایک روایت کے بعد موطا امام مالک میں آرہی ہے جس میں ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایک صحابی حضرت مالک بن دخشم (والد کا نام دخشم، دخشن یا دخیشن بھی مروی ہے) رضی اللہ عنہ کو منافق سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ بدری صحابی تھے بلکہ قبا بستی میں منافقوں کے ہیڈ کوارٹر یعنی مسجد ضرار کو جلانے کا کام بھی حضرت مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ ہی نے حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر حکم پیغمبر ﷺ کے عین مطابق کیا تھا۔ الغرض کلمہ توحید و رسالت، نماز اور زکاۃ کی ادائیگی بندے

[415] (صحيح) مسنداحمد: 5/ 432، 433، بيهقي في السنن الكبرى: 8/ 196، وفي الصغرى: 3/ 281، وفي معرفة السنن والآثار: 3/ 118، 6/ 103، الشافعي في المسند: 1/ 35، وفي الأم: 6/ 157، 7/ 295، عبدالرزاق: 10/ 163 (18668)، صحيح ابن حبان: 13/ 309 (5971)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (صحيح موارد الظمآن: 12)

کی جان اور مال کو محفوظ کر دیتی ہے، کیونکہ فرمان نبوی ہے:((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ يُقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) :''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑتا رہوں یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دے دیں کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کرنے لگیں اور زکوۃ دینے لگیں، جب وہ یہ (تینوں کام) کرلیں گے تو مجھ سے اپنے خون اور مال کو بچالیں گے الا یہ کہ اسلام کا کوئی حق آجائے (مثلا قصاص، ارتداد، شادی شدہ زانی کا رجم) اور ان کا حساب تو اللہ ہی کے ذمے ہے۔''(بخاری :25، مسلم :20)

[416] وَحَدَّثَنِى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اللّٰهُمَّ لا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ، اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ.

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعا مانگتے ہوئے) فرمایا:''اے اللہ! میری قبر کو بت (یعنی ایسی عبادت گاہ) نہ بنانا جس کی پوجا کی جاتی ہو، اللہ کا غضب ان لوگوں پر بہت سخت ہو گیا جنھوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنالیا۔''

فائدہ :......وثن ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی اللہ کے سوا پوجا کی جائے خواہ وہ درخت ہو یا پہاڑ، لکڑی ہو یا پتھر، قبر ہو یا تابوت، جھنڈا ہو یا نیزہ، چارپائی ہو یا چلہ۔ وثن کی جمع اوثان ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزوں کو گندگی، غلاظت پلیدگی اور نجاست قرار دیتے ہوئے فرمایا:(فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ) (الحج 30:22)''تو تم بتوں کی نجاست سے اجتناب کرو۔'' جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی پوجا شرک ہے تو دوسرے اولیاء کی قبروں اور مزاروں کی پوجا شرک کیوں نہ ہو گی، پوجا و عبادت میں صرف سجدہ و نماز ہی شامل نہیں بلکہ طواف و اعتکاف اور نذر و نیاز وغیرہ بھی شامل ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنا لینے کے متعدد مفہوم ہیں، مثلا قبروں کے اوپر مسجدیں تعمیر کر لینا، قبروں کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا، قبروں کے اوپر پیشانی رکھ کر یا قبروں کی طرف رخ کر کے سجدہ کرنا، اسی طرح کسی قبر کی تعظیم کرتے ہوئے اس کے پاس نماز ادا کرنا خواہ منہ خانہ کعبہ کی طرف اور نیت اللہ کی ہو۔ عبادت کی مختلف اقسام قبروں پر صرف اس لیے ادا کی جاتی ہیں کہ قبر والی ہستی ہم سے خوش ہو کر اللہ سے ہماری حاجت پوری

---

[416] (صحیح لغیرہ) مسندالبزار: 1/ 220 (440)، مسنداحمد: 2/ 246 ، ابویعلیٰ: 12/ 33 ، 34 (6681)، مسندالحمیدی: 2/ 445 (1025) ، حلیۃالاولیاء: 6/ 283 ، 7/ 317 ، الطبقات الکبری لابن سعد: 2/ 241 ، 242 ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح قرار دیا ہے، علامہ البانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (تحذیر الساجد:ص 25 ، احکام الجنائز:ص 217)

کروادے گی، یہ تمام تصورات وعقائد شرکیہ ہیں ......ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مسجد نبوی کی توسیع کی وجہ سے مسجد کے درمیان میں آ چکی ہے، تو اگر کوئی شخص وہاں پر بھی کسی شرکیہ عقیدے کے ساتھ عبادت کرے گا تو یقیناً مشرک ہی قرار پائے گا۔

یہ حدیث قبر پرستی کی مذمت کی دلیل ہے اور وہ لوگ جو شرک کو صرف بت پرستی تک محدود سمجھ کر قبروں کو شرک کے اڈے بنا چکے ہیں ان کے ایسی احادیث سے چشم پوشی اختیار کرنے سے اللہ کی گرفت اور لعنت ان سے رک نہیں سکتی، قبر ہی کو سجدہ گاہ بنا لینے والوں اور قبروں پر قصداً مسجدیں بنانے والوں کے بارے میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ((أُولٰـئِكَ شِـرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَاللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)) ''یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے بدترین مخلوق ہوں گے۔'' (بخاری: 427، مسلم: 528) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند لمحات پہلے فرمایا: ((لَـعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ .)) يُحَذِّرُ مِثْلَ مَا صَنَعُوْا۔ ''اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم (ہمیں) انھی کی طرح کرنے سے ڈرا رہے تھے'' (بخاری: 435، 436، مسلم: 531) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ کہیں میری وفات کے بعد میری قبر کے ساتھ بھی ایسا ہی نہ کیا جائے، اسی لیے آخری لمحات میں اس شرک سے بچنے کی خصوصی وصیت فرمائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پانچ دن قبل بھی یہ فرمایا تھا: ((أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّـخِـذُوْا الْـقُبُوْرَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ)) ''خبردار! بے شک تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیتے تھے، خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا، بے شک میں تمھیں اس کام سے منع کر رہا ہوں''۔ (مسلم: 532) یاد رہے کہ یہودیوں کے تمام انبیاء علیہم السلام عیسائیوں کے بھی نبی تھے اور عیسائی انجیل کے ساتھ ساتھ تورات کے بھی مکلّف تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو تورات بھی سکھائی انجیل بھی (آل عمران 3:48، المائدة 5:110) آج بھی عیسائیوں کی بائبل تورات، زبور اور انجیل کا مجموعہ ہے۔

[417] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَـالِكٍ، عَـنِ ابْـنِ شِهَابٍ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِي، أَنَّ عِتْبَـانَ بْـنَ مَـالِكٍ كَـانَ يَؤُمُّ قَوْمَـهُ وَهُوَ أَعْـمَـى، وَأَنَّـهُ قَـالَ لِـرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّهَا

حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک بدری صحابی) حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی امامت کراتے تھے اس حال میں کہ وہ نابینا تھے، یقیناً انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ بلا شبہ اندھیرا بھی ہوتا

[417] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب الاذان، باب الرخصة فی المطر والعلة ان يصلی فی رحله، حديث: 667، 424، 425، 686، 840، 1186، 4009، 5401، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على ان من مات على التوحيد دخل الجنة قطعا، حديث:33، نسائی:709، ابن ماجه:754، مسنداحمد:4/ 43.

تَـكُـونُ الظُّلْمَةُ وَالْمَطَرُ وَالسَّيْلُ ، وَأَنَا رَجُلٌ ضَـرِيرُ الْبَصَرِ ، فَصَلِّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي بَيْتِي مَكَاناً أَتَّخِذْهُ مُصَلًّى ، فَجَاءَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَـقَـالَ : أَيْـنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ؟ فَأَشَارَ لَهُ إِلَى مَـكَـانٍ مِـنَ الْبَيْـتِ ، فَـصَلَّـى فِيـهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ .

ہے، (کبھی) بارش بھی ہوتی ہے اور سیلاب بھی ہوتا ہے اور (جبکہ) میں کمزور بینائی والا شخص ہوں، اے اللہ کے رسول! میرے گھر میں کسی جگہ پر نماز پڑھ دیجیے تاکہ میں اس جگہ کو اپنی جائے نماز بنالوں، حضرت محمود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ان کی درخواست پر) رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے ،پھر فرمایا:''تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟'' انھوں نے گھر کی ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ میں نماز ادا فرمائی۔

فائدہ :......حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی نظر پہلے پہل صرف کمزور تھی (مسلم:33) پھر بعد میں بالکل ختم ہوگئی تھی، یہ حدیث نیک افراد سے کسی نیک کام کا افتتاح کرنے کی بھی دلیل ہے، نیز گھروں میں کوئی جگہ نماز کے لیے مخصوص کی جاسکتی ہے البتہ مسجد میں یہ درست نہیں کہ کوئی شخص ہمیشہ ایک ہی جگہ پر نماز پڑھے (ابوداود:862، نسائی: 1113، ابن ماجہ: 1429، اس کی سند حسن ہے)،بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو وہاں موجود تھے انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہی پیچھے صف بنالی تھی اور آپ کے ہمراہ دو رکعتیں ادا کیں۔ (بخاری:425) جبکہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں باتیں کرتے رہے تھے (مسلم :33) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی شرعی عذر لاحق ہو تو جماعت سے پیچھے رہنا جائز ہے اگرچہ افضل یہی ہے کہ آدمی عذر کے باوجود مسجد میں پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

[418] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَـالِكٍ ، عَـنِ ابْـنِ شِهَـابٍ ، عَـنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ ، عَنْ عَمِّهِ ، أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَـلْقِياً فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعاً إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الأُخْرَى .

عباد بن تمیم رحمہ اللہ اپنے چچا (حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا ،اس حال میں کہ آپ ﷺ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پر رکھا ہوا تھا۔

فائدہ :......چت لیٹنے کا مطلب پشت کے بل سیدھا لیٹنا ہے، مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((لَا يَسْتَلْقِ أَحَدُكُمْ ثُمَّ يَضَعُ إِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى)) ''تم میں کوئی چت لیٹ کر اپنا ایک پاؤں دوسرے پر نہ رکھے۔'' (مسلم :2099/ 74) بہت سے علماء نے اس حدیث جابر رضی اللہ عنہ

[418] (صحیح) صحيح البخاری، كتاب الصلاة ، باب الاستلقاء فی المسجد ومدالرجل ، حديث: 475 ، 5969 ، 6287 ، صحيح مسلم ، كتاب اللباس والزينة ، باب فی اباحة الاستلقاء ووضع احدى الرجلين على الاخرى ، حديث:2100 ، ابوداؤد:4866 ، ترمذی:2765 ، نسائی:722 ، احمد:4/ 38 .

کومنسوخ قرار دیا ہے، لیکن نسخ کے ثبوت کے لیے تاریخ کا معلوم ہونا ضروری ہے، اور وہ چونکہ نامعلوم ہے اس لیے اکثر علماء نے تطبیق دیتے ہوئے اس کو نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے لیکن اگر کوئی ایسا کر لے تو جائز ہے...... بعض علماء نے یوں تطبیق دی ہے کہ اگر شرمگاہ ظاہر ہونے کا اندیشہ ہو تو منع ہے، ورنہ جائز ہے...... کچھ علمائے کرام نے یہ تطبیق دی ہے کہ سیدھا لیٹ کر پاؤں پر پاؤں رکھنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ٹانگیں لمبی بچھا کر صرف پاؤں کو پاؤں پر رکھا جائے، یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھا لیٹ کر ٹانگوں کو موڑ کر گھٹنے اوپر کر لیے جائیں، پھر ایک گھٹنے پر دوسری ٹانگ کسی بھی طرح رکھ لی جائے، یہ صورت ممنوع ہے جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ((أَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ إِحْدٰى رِجْلَيْهِ)) ''آدمی اپنے ایک پاؤں کو بلند کرے'' (مسلم: 2099/ 72) اس صورت میں عموماً دوسرے لوگوں کو لیٹے ہوئے شخص کی شرمگاہ کا ابھار واضح نظر آتا ہے کیونکہ ٹانگ اوپر اٹھانے سے کپڑا کھینچ جاتا ہے، ویسے بھی یہ انداز شائستگی اور ادب کے خلاف ہے۔

[419] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ ﵄، كَانَا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ.

سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی اس طرح کر لیا کرتے تھے (کہ سیدھے لیٹ کر پاؤں پر پاؤں رکھ لیتے)۔

[420] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ قَالَ لِإِنْسَانٍ: إِنَّكَ فِي زَمَانٍ كَثِيرٌ فُقَهَاؤُهُ، قَلِيلٌ قُرَّاؤُهُ، تُحْفَظُ فِيهِ حُدُودُ الْقُرْآنِ، وَتُضَيَّعُ حُرُوفُهُ، قَلِيلٌ مَنْ يَسْأَلُ، كَثِيرٌ مَنْ يُعْطِي، يُطِيلُونَ فِيهِ الصَّلَاةَ، وَيَقْصُرُونَ الْخُطْبَةَ، يُبَدُّونَ أَعْمَالَهُمْ قَبْلَ أَهْوَائِهِمْ، وَسَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، قَلِيلٌ فُقَهَاؤُهُ، كَثِيرٌ قُرَّاؤُهُ، يُحْفَظُ

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا کہ بے شک تم ایک ایسے زمانے میں ہو جس میں (دین کی حقیقی سمجھ رکھنے والے) فقہا بہت زیادہ ہیں اور (صرف الفاظ تک محدود رہنے والے) قراء یعنی قاری حضرات بہت کم ہیں، اس زمانے میں قرآن مجید کی حدود محفوظ ہیں (اور اس کے بیان کردہ قوانین پر عمل جاری ہے) اور اس کے حروف ضائع کیے جاتے ہیں (یعنی زیادہ توجہ عمل پر ہے اور حروف کی

[419] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الاستلقاء فی المسجد ومد الرجل، حدیث:475، سنن ابی داؤد، باب فی الرجل یضع احدی الرجلین علی الاخری، حدیث:4867.

[420] (موقوف صحیح) بیھقی فی شعب الایمان: 4/ 258 (5000)، عبدالرزاق:2/ 382 (3787)، حاکم: 4/ 482، طبرانی فی المعجم الکبیر: 9/ 108، بخاری فی الادب المفرد:2/ 422 (789)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے موقوف صحیح قرار دیا ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد'' کی تعلیق میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

فِيهِ حُرُوفُ الْقُرْآنِ، وَتُضَيَّعُ حُدُودُهُ، كَثِيرٌ مَنْ يَسْأَلُ، قَلِيلٌ مَنْ يُعْطِي، يُطِيلُونَ فِيهِ الْخُطْبَةَ، وَيَقْصُرُونَ الصَّلَاةَ، يُبَدُّونَ فِيهِ أَهْوَاءَ هُمْ قَبْلَ أَعْمَالِهِمْ.

ادائیگی میں تکلّفات سے کام نہیں لیا جاتا) مانگنے والے بہت کم ہیں اور دینے والے بہت زیادہ ہیں، وہ نماز کو لمبا کرتے ہیں اور خطبہ چھوٹا دیتے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات سے پہلے اعمال کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کے فقہاء کم ہوں گے اور قرآن پڑھنے والے زیادہ ہوں گے۔ اس میں قرآن مجید کے حروف کی حفاظت کی جائے گی اور اس کی حدود کو ضائع کیا جائے گا، سوال کرنے والے زیادہ ہوں گے اور دینے والے بہت کم ہوں گے، اس زمانے میں لوگ خطبہ لمبا کریں گے اور نماز کو چھوٹا رکھیں گے (اور) وہ اس دور میں اپنی خواہشات کو ترجیح دے کر اپنے عملوں سے مقدم رکھیں گے۔

فائدہ: ...... مانگنے والوں سے مراد یا تو گداگر ہیں یا عملی سوالات کرنے والے یا بے جا سوالات کرنے والے ہیں، پہلا مفہوم راجح ہے، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تعلیمات نبویہ سے ماخوذ پیش گوئی ذکر کی ہے یا انھوں نے لوگوں کی بدلتی ہوئی حالت سے اندازہ لگا کر پیش گوئی کی ہے، اگر وہ آج کے حالات دیکھ لیتے تو حیران رہ جاتے کہ جس دور میں لوگ ہر قسم کی حدیں پار کر کے شیطان کو بھی شرما رہے ہیں، نماز کو چھوٹا کرنا تو دور کی بات ہے پڑھنا ہی چھوڑ چکے ہیں، قرآن پر عمل اور اسے سمجھنے کی ترغیب دینا تو درکنار، اس کا ترجمہ سیکھنے سکھانے ہی سے منع کیا جا رہا ہے بلکہ قرآن کا ترجمہ پڑھنے اور سیکھنے کو گمراہی قرار دیا جا رہا ہے، صرف اس لیے کہ کہیں لوگوں کو اصل صورت حال معلوم نہ ہو جائے اور مذہبی اجارہ داری پر حرف نہ آ جائے، نعوذ باللہ من ذلک ...... اس روایت کا لفظ یُبَدُّوْنَ اصل میں یُبَدِّءُوْنَ تھا، یہ باب تفضیل کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے اور ہفت اقسام سے مہموز اللام ہے جس کے معنی ترجیح دینے اور مقدم کرنے کے ہیں۔

[421] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ أَوَّلَ مَا يُنْظَرُ فِيهِ مِنْ عَمَلِ الْعَبْدِ الصَّلَاةُ، فَإِنْ قُبِلَتْ مِنْهُ، نُظِرَ فِيمَا بَقِيَ مِنْ عَمَلِهِ، وَإِنْ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ، لَمْ يُنْظَرْ فِي شَيْءٍ مِنْ عَمَلِهِ.

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے، ان کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک بندے کے عمل میں سب سے پہلی وہ چیز جس کو دیکھا جائے گا وہ نماز ہے۔ پھر اگر بندے سے وہ قبول کر لی گئی تو اس کے باقی عمل دیکھے جائیں گے اور اگر آدمی کی نماز ہی قبول نہ ہو سکی تو اس کے کسی بھی اور عمل کو نہیں دیکھا جائے گا۔

---

[421] (مقطوع ضعیف مرفوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے، البتہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے، دیکھیے جامع الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء اول ما یحاسب به العبد یوم القیمة، حدیث:413، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب قول النبی ﷺ کل صلاۃ لایتمها صاحبهاتتم من تطوعه، حدیث:864، نسائی:466، ابن ماجه:1425۔

فائدہ :......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا((اَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الصَّلَاةُ فَاِنْ صَلَحَتْ صَلَحَ سَائِرُ عَمَلِهٖ وَ اِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهٖ)) ''قیامت کے دن بندے کا سب سے پہلے جس چیز کے ساتھ محاسبہ ہوگا وہ نماز ہے چنانچہ اگر وہ درست نکلی تو اس کے باقی اعمال بھی درست ہوں گے اور اگر وہ خراب ہوئی تو اسکے باقی اعمال بھی خراب ثابت ہوں گے۔'' (المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث 1880 ۔ علامہ البانی، منذری اور ضیاء مقدسی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے)۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک قیامت کے دن بندے کے عملوں میں سب سے پہلے جس چیز کے ساتھ اس کا حساب ہوگا وہ نماز ہے۔'' پھر فرمایا((فَاِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ و اَنْجَحَ ، وَ اِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَ خَسِرَ)) ''پھر اگر نماز درست نکلی تو وہ بلاشبہ کامیاب و کامران ہو جائے گا اور اگر وہ خراب نکلی تو وہ یقیناً ناکامی و گھاٹا ہی پائے گا۔'' پھر فرمایا: ''پھر اگر اس کے فرائض میں کچھ کمی ہوئی تو رب عزوجل (فرشتوں سے) فرمائیں گے کہ دیکھو، کیا میرے بندے کے نوافل ہیں؟ چنانچہ وہ اس کے فرضوں کی کمی کو نوافل سے پورا فرمادے گا، پھر اس کے باقی اعمال بھی اسی کے مطابق (رونما) ہوں گے۔'' (ترمذی:413، ابوداؤد: 864، نسائی: 466، ابن ماجہ: 1425۔ اس کی سند صحیح ہے)۔

[422] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الَّذِي يَدُومُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے پسندیدہ ومحبوب عمل وہ تھا جس کو کرنے والا اس پر ہیشگی کرے۔

فائدہ :......کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بھی ہیشگی والا عمل ہی محبوب ترین ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ہے:((اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَ اِنْ قَلَّ)) ''یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک عملوں میں سے محبوب ترین وہ ہے جس پر سب سے زیادہ ہیشگی کی جائے، اگرچہ وہ عمل تھوڑا سا ہی ہو۔'' (بخاری: 6464، مسلم:783/ 218) نیز اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:((یَا اَیُّهَا النَّاسُ ! عَلَیْكُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِیْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا)) ''اے لوگو! عملوں میں سے اسی کو لازم پکڑو جس کی تم طاقت رکھتے ہو، کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ تو (تمھارے بڑے سے بڑے عمل پر بھی اجر دینے سے) نہیں اکتاتا بلکہ تم (اپنی طاقت سے بڑھ کر اختیار کیے ہوئے عمل کو سر

---

[422] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، حدیث: 6462، 43، 1132، 6461، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضیلة العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ، حدیث: 785، ابوداؤد:1368.

انجام دینے سے) خود ہی اکتا جاتے ہو۔'' (مسلم : 782، نیز دیکھئے بخاری: 1970، اسی طرح دیکھیے بخاری: 43، مسلم :785/ 221)

[423] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَجُلَانِ أَخَوَانِ، فَهَلَكَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ صَاحِبِهِ، بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً، فَذُكِرَتْ فَضِيلَةُ الْأَوَّلِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: أَلَمْ يَكُنِ الْآخَرُ مُسْلِماً؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَكَانَ لَا بَأْسَ بِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَمَا يُدْرِيكُمْ مَا بَلَغَتْ بِهِ صَلَاتُهُ، إِنَّمَا مَثَلُ الصَّلَاةِ، كَمَثَلِ نَهْرٍ غَمْرٍ عَذْبٍ بِبَابِ أَحَدِكُمْ، يَقْتَحِمُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، فَمَا تَرَوْنَ ذَلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ مَا بَلَغَتْ بِهِ صَلَاتُهُ.

عامر بن سعد رحمہ اللہ اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ (رسول اللہ ﷺ کے عہد میں) دو بھائی تھے، ان میں سے ایک (بھائی) اپنے ساتھی (یعنی دوسرے بھائی) سے چالیس راتیں پہلے فوت ہوگیا۔ (دوسرا بھائی چالیس دن بعد فوت ہوا) رسول اللہ ﷺ کے پاس (ان میں سے) پہلے (فوت ہونے والے بھائی) کی فضیلت کا تذکرہ ہوا (اور لوگوں نے اسے دوسرے بھائی سے زیادہ اجر کا مستحق جانا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا دوسرا (بھائی جو بعد میں فوت ہوا) مسلمان نہیں تھا''؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں۔ اے اللہ کے رسول! (وہ بھی مسلمان ہی تھا) اور اس (کے اسلام) میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس کے مرتبے اور درجے کو کیا جانو، جس تک اس کی (چالیس دن کی) نماز نے اسے پہنچا دیا ہے۔ یقیناً نماز کی مثال تو اس میٹھے پانی والی گہری نہر کی طرح ہے جو تم میں سے کسی کے دروازے پر (اس کے سامنے سے بہتی) ہو، وہ اس میں ہر روز پانچ دفعہ داخل ہوتا (ہو اور اس میں غسل کرتا) ہو، تو تمھارا کیا خیال ہے کہ یہ عمل اس (کے بدن) پر کچھ بھی میل کچیل باقی رہنے دے گا؟ (یقیناً نہیں؟) لہٰذا بلاشبہ تم اس مرتبہ و مقام کو نہیں جان سکتے جہاں تک اس کی نماز نے (اسے) پہنچا دیا ہے۔''

فائدہ: ......اس سے بھی تفصیلی واقعہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (قضاعہ قبیلے کی ایک شاخ) بَلِيّ کے دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اکٹھے ہی مسلمان ہوئے، ان میں سے ایک شخص، دوسرے کی نسبت بہت زیادہ (عبادت میں) محنت کرنے والا تھا، وہ جہاد کے لیے گیا اور شہید ہوگیا جبکہ دوسرا شخص اس کے ایک

---

[423] (صحیح) مسند احمد: 1/ 177، ابن خزیمہ: 1/ 160 (310)، مستدرک حاکم: 1/ 200، بیہقی فی شعب الایمان: 6/ 105، طبرانی فی المعجم الاوسط: 6/ 303 (6467)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں اور یہ مسلم کی شرط پر ہے، امام حاکم رحمہ اللہ اور ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (ارواء الغلیل: 1/ 48)

سال بعد طبعی موت کے ساتھ فوت ہو گیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوں، اچانک وہ دونوں بھی وہیں نظر آئے، جنت سے ایک شخص نکلا اور ایک سال بعد فوت ہونے والے کو جنت میں داخلے کی اجازت دے دی، پھر دوبارہ نکلا اور شہید کو بھی اجازت دے دی، پھر وہ میری طرف آیا اور کہنے لگا کہ تم چلے جاؤ تمھارا ابھی وقت نہیں آیا، (حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے بہت تعجب ہوا) وہ صبح ہونے پر لوگوں کو یہ خواب بتلانے لگے تو لوگوں کو بھی بہت تعجب ہوا، آخر یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی تو آپ نے فرمایا: تمھیں کس بات پر تعجب ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ (پہلا شخص) خوب محنتی تھا، پھر اسے شہادت بھی نصیب ہوئی لیکن دوسرے کو اس سے پہلے جنت میں داخلہ مل گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا وہ اس (شہید) کے بعد ایک سال تک زندہ نہیں رہا؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور کیا اس نے رمضان نہیں پایا، اس کے روزے نہیں رکھے؟ اور کیا اس نے ایک سال میں نماز کی اتنی اتنی (یعنی چھ ہزار سے کچھ زائد صرف فرض نمازوں کی) رکعتیں ادا نہیں کیں؟ لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَمَا بَيْنَهُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ)) تو پھر ان دونوں کے (درجات کے) درمیان زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ دوری ہے۔'' (ابن ماجہ: 3925، ابن حبان: 2971 ، بیھقی فی الزھد: 632۔ اس کی سند صحیح ہے) یہ واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اختصار کے ساتھ مروی ہے۔ (مسند احمد: 2/ 333۔ اس کی سند حسن صحیح ہے)

[424] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ كَانَ إِذَا مَرَّ عَلَيْهِ بَعْضُ مَنْ يَبِيعُ فِي الْمَسْجِدِ، دَعَاهُ فَسَأَلَهُ مَا مَعَكَ وَمَا تُرِيدُ؟ فَإِنْ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَبِيعَهُ، قَالَ: عَلَيْكَ بِسُوقِ الدُّنْيَا، فَإِنَّمَا هَذَا سُوقُ الآخِرَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ عطاء بن یسار رحمہ اللہ کے پاس سے جب کوئی ایسا شخص گزرتا جو مسجد میں (کوئی چیز) بیچ رہا ہوتا تو اسے بلا لیتے، پھر اس سے پوچھتے کہ تیرے پاس کیا چیز ہے اور تم کیا چاہتے ہو؟ چنانچہ اگر تو وہ ان کو یہ بتاتا کہ وہ اسے بیچنا چاہتا ہے تو فرماتے کہ پھر تم دنیا کے (کسی) بازار کو لازم پکڑو اور یہ (مسجد) تو صرف اور صرف آخرت ہی کا بازار ہے۔

فائدہ: ......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيْعُ اَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ وَاِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَنْشُدُ فِيْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوْا لَا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ)) جب تم کسی کو مسجد میں بیچتے ہوئے یا خریدتے ہوئے دیکھو تو (اسے بددعا دیتے ہوئے) کہو: ((لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ)) اللہ تیری تجارت کو نفع بخش نہ بنائے اور جب تم کسی شخص کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے

[424] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

ہوئے دیکھو تو یہ کہو: ((لَا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ)) اللہ (وہ چیز) تمھیں نہ لوٹائے۔ (ترمذی: 1321 - اس کی سند حسن صحیح ہے۔) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گم شدہ چیز کا اعلان کرنے والے کو سن کر یہ کہنے کا حکم دیا: ((لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا)) ''اللہ تم پر وہ چیز نہ لوٹائے، کیونکہ بلاشبہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔'' (مسلم: 568) ایک دفعہ ایک اعرابی نماز فجر ہو جانے کے بعد آیا اور مسجد نبوی کے دروازے سے اپنا سر اندر داخل کر کے کہنے لگا کہ کون ہے جو مجھے میرے سرخ اونٹ کے متعلق بتائے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا وَجَدْتَ إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ)) ''(اللہ کرے کہ) تو اسے نہ ہی پا سکے، بلاشبہ مسجدیں تو صرف ان مقاصد کے لیے بنائی گئی ہیں جن کے لیے بنائی گئی ہیں۔'' (مسلم: 569)

ان فرامین کی روشنی میں ہمیں چاہیے کہ گم شدہ چیزوں کے اعلان کے لیے الگ بندوبست کریں، کسی گھر یا دکان پر سپیکر لگوا لیں، اسی طرح مدارس کے طلباء اپنے کھانے کی جگہوں میں یا مسجد سے باہر کھڑے ہو کر اعلان کریں یا مسجد سے باہر کسی نوٹس بورڈ یا دیوار پر اشتہار لگا دیں، فرمان نبوی کی روشنی میں عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ وہی چیز یا اس سے بہتر عطا فرما دے گا لیکن خدارا قولِ رسول ﷺ کو نہ ردّی کی ٹوکری میں پھینکیے اور نہ اس میں تاویل وتحریف کا ارتکاب کیجیے۔

[425] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَنَى رَحْبَةً فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمَّى الْبُطَيْحَاءَ وَقَالَ: مَنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَلْغَطَ، أَوْ يُنْشِدَ شِعْراً، أَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ، فَلْيَخْرُجْ إِلَى هَذِهِ الرَّحْبَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے ایک کونے میں ایک کھلی جگہ (صحن نما چبوترہ کے طور پر) بنا دی، جسے "بُطَيْحَاء" کے نام سے پکارا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اعلان کرتے ہوئے) فرما دیا کہ جو شخص شور مچانا (اور بک بک کرنا) چاہتا ہے، یا شعر پڑھنا چاہتا ہے یا اپنی آواز کو بلند کرنا چاہتا ہے تو وہ اس جگہ کی طرف چلا جائے۔

فائدہ: ......اگرچہ مسجدوں میں دین کے متعلقہ اچھے اشعار پڑھنے کی اجازت ہے۔ (بخاری: 3212، مسلم: 2485) حتی کہ منبر پر بھی شعر پڑھنا جائز ہے۔ (ابو داؤد: 5015، ترمذی: 2846- اس کی سند صحیح ہے۔) لیکن مساجد میں تَنَاشُد یعنی مشاعروں کا انعقاد کرنا، شعروں کا مقابلہ کرنا، محض وقت گزاری کے لیے شعر پڑھنا یا ایک دوسرے پر اظہارِ فخر کے لیے اس طرح اشعار پڑھنا کہ جس سے شور وغل اور مسجد کے تقدس کی پامالی کا خطرہ ہو، یہ سب صورتیں ممنوع ہیں۔ اسی طرح مدارس کی مساجد میں کلاسوں کے درمیان عربی لغت و ادب کی خاطر پڑھائی جانے والی ایسی کتابیں جن میں بیہودہ یا فخریہ یا جہالت والے اشعار ہوں ان کو مسجد سے کہیں باہر بیٹھ کر پڑھنا، پڑھانا اور دہرانا بہتر ہے کیونکہ

[425] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ روایت انقطاع کی بنا پر ضعیف ہے۔

بہرحال یہ مساجد کے شایانِ شان نہیں ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ فِي الْمَسْجِدِ وَ اَنْ تُنْشَدَ فِيْهِ ضَالَّةٌ وَ اَنْ يُّنْشَدَ فِيْهِ شِعْرٌ وَ نَهٰى عَنِ التَّحَلُّقِ قَبْلَ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْجُمْعَةِ)) ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں خرید وفروخت کرنے سے، اس میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنے سے اور اس میں شعر پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور جمعہ کے دن نمازِ (جمعہ) سے قبل حلقے بنانے سے بھی منع فرمایا۔'' (ابو داؤد: 1079، ترمذی: 322، ابن ماجہ: 749۔ اس کی سند حسن ہے) ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((تَنَاشُدِ الْاَشْعَارِ)) ''ایک دوسرے کے سامنے شعر پڑھنے سے (منع فرمایا'')۔ لہٰذا مطلقاً شعر پڑھنا ممنوع نہیں بلکہ پیچھے بیان کی گئی صورتیں ممنوع ہیں...... نیز اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ جمعہ کے دن مسجد میں محفل جمعہ سے قبل کوئی اور حلقہ بندی کرنا اور دائرے بنا کر بیٹھنا ممنوع ہے، خواہ علمی مجالس ہوں یا تربیتی، ماہِ رمضان میں ہوں یا کسی اور مہینے میں یہ سب کچھ ناجائز ہے۔ حتی کہ طلباء کو جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے مسجد میں اکٹھے بیٹھ کر سبق دہرانے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے، ہاں نماز جمعہ کے بعد اور دوسرے ایام میں یہ سب جائز ہے۔

26- بَابٌ: جَامِعُ التَّرْغِيْبِ فِي الصَّلَاةِ

نماز کی ترغیب کے متعلق متفرق احادیث کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو احادیث مصطفیٰ ﷺ مذکور ہیں اور دونوں بخاری ومسلم میں بھی موجود ہیں۔

[426] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ، ثَائِرُ الرَّأْسِ يُسْمَعُ دَوِيُّ صَوْتِهِ، وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ، حَتَّى دَنَا، فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الإِسْلَامِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ. قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ. قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اہل نجد میں سے تھا، سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، اس کی آواز کی بھنبھناہٹ تو سنائی دیتی تھی لیکن وہ جو کچھ کہہ رہا تھا ہم اسے سمجھ نہیں پا رہے تھے، یہاں تک کہ وہ قریب آ گیا تو یکایک (ہمیں معلوم ہو گیا کہ) وہ اسلام کے متعلق سوال کر رہا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''(اسلام کا ایک رکن) دن اور رات میں پانچ نمازیں (قائم کرنا ہے)۔'' اس نے دریافت کیا کہ کیا مجھ پر ان (پانچ)

[426] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الزکاۃ من الاسلام، حدیث: 46، 1891، 2678، 6956، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الصلوات التی هی احد ارکان الاسلام، حدیث: 11، ابوداؤد: 391، نسائی: 459۔

وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ . قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ ؟ قَالَ: لَا ، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ . قَالَ وَذَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الزَّكَاةَ . فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا ؟ قَالَ: لَا ، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ قَالَ : فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ : وَاللّٰهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَفْلَحَ الرَّجُلُ إِنْ صَدَقَ .

کے علاوہ (نمازیں بھی لازم) ہیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، الا یہ کہ تو (خوشی سے) کوئی نفل ادا کرے۔'' (پھر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' اور (اسلام کا ایک رکن) ماہِ رمضان کے روزے رکھنا (ہے)۔'' اس نے پوچھا کہ کیا مجھ پر اس (رمضان) کے علاوہ بھی کچھ فرض ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''نہیں الا یہ کہ تو کوئی نفلی روزہ (رکھنا چاہے تو) رکھ لے'' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ کا بھی ذکر فرمایا تو اس نے پوچھا کہ کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی (فرض) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''نہیں، مگر یہ کہ تو کوئی نفلی صدقہ کرسکتا ہے۔'' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر وہ اس حال میں واپس ہوا کہ وہ یہ کہہ رہا تھا۔ اللہ کی قسم! میں نہ تو اس سے کچھ زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' اگر وہ سچا ثابت ہوا تو (یقیناً) کامیابی پا گیا۔''

فائدہ :...... اس حدیث مبارکہ میں دخول جنت کے لیے کم از کم نصاب بیان ہوا ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان ہیں، پہلے رکن یعنی توحید و رسالت کی گواہی کا تذکرہ اس لیے نہیں آیا کہ وہ اس کا اقرار کر کے ہی خدمت نبویہ میں پہنچا تھا، رہا حج کا ذکر نہ ہونا تو ممکن ہے کہ وہ استطاعت نہ رکھتا ہو یا ابھی حج کی فرضیت نہ نازل ہوئی ہو یا کسی راوی نے اختصار کرتے ہوئے اس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔ واللہ اعلم۔ بہر کیف امام مالک رحمہ اللہ نے یہ حدیث اس باب میں اس لیے ذکر فرمائی ہے کہ نماز پر رغبت ہو کہ محض پانچ نمازوں پر عظیم الشان جنت اور فلاح و کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔

[427] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ ، إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ ، يَضْرِبُ مَكَانَ كُلِّ عُقْدَةٍ ، عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' جب تم میں سے کوئی شخص سو جاتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں باندھ دیتا ہے اور ہر گرہ مارتے ہوئے کہتا ہے کہ تجھ پر بڑی لمبی رات باقی ہے لہٰذا تو سویا ہی رہ، پھر اگر آدمی بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کر لیتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وہ وضو کر لے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی

---

[427] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب عقد الشیطن علی فافیة الراس اذا لم یصل باللیل، حدیث: 1142، 3269، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب الحث علی صلاة اللیل وان قلّت، حدیث: 776، ابوداؤد:1306، نسائی:1608، ابن ماجه: 1329، مسنداحمد:2/ 243.

عُـقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى انْـحَـلَّـتْ عُـقَـدُهُ، فَـأَصْبَحَ نَشِيطاً طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ.

ہے اور پھر اگر نماز پڑھنے لگے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ وہ (نیکی کے معاملے میں چست سرگرم، مستعد اور) ہشاش بشاش اور پاکیزہ دل والا ہوتا ہے ورنہ (بصورت دیگر) وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ خبیث دل والا اور سست ہوتا ہے۔''

فائدہ: ...... الغرض جو شخص شیطان کے داؤ، ہتھکنڈے اور مکروفریب سے مکمل نجات کا خواہش مند ہے جو شخص نفس اور دل کی طہارت و پاکیزگی کا متلاشی ہے اور خوشدلی سے نیک اعمال کی توفیق پانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ نماز، وضو اور ذکر کی پابندی کرے، ان شاء اللہ وہ اپنی مراد پالے گا۔

10

كِتَابُ الْعِيدَيْنِ
دونوں عیدوں کے متعلق مسائل

خلاصۃ الباب اس کتاب میں سات ابواب اور بارہ روایات ہیں، جن میں سے تین مرفوع یعنی احادیث نبویہ، چار موقوف یعنی آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور پانچ مقطوع یعنی آثار تابعین رحمہم اللہ ہیں اور یہ تمام کی تمام صحیح اسانید سے ثابت ہیں سوائے ایک مقطوع روایت کے جو کہ ضعیف ہے، نیز اس پوری کتاب میں امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات بھی موجود ہیں۔

فائدہ :......امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک نمازِ عید فرض کفایہ ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہر اس مکلّف شخص پر فرض ہے جس پر جمعہ واجب ہے، امام شوکانی رحمہ اللہ، امام البانی رحمہ اللہ، نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ، امیر صنعانی رحمہ اللہ سب اسے فرض یا واجب قرار دیتے ہیں، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نمازِ عید سنت مؤکدہ ہے اور یہی موقف راجح ہے کیونکہ فرض نمازیں صرف پانچ ہیں اور جن احادیث میں نمازِ عید کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امر اور حکم وارد ہوا ہے وہ اس نماز کی تاکید ہی میں اضافہ کرنے کے لیے ہے۔ امر اور حکم اصل میں وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اس سے کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے۔ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، زیادہ فرض نہیں، یہ عیدین کے فرض ہونے سے متعارض نہیں، اگر حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازیں پانچ فرض ہیں تو عیدین کے بارے میں امر کا لفظ بھی حدیث میں وارد ہے، اس سے اور فرض بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ جیسے طواف کی دو رکعتیں اور وہ نماز جس کی نذر مانی ہوئی ہو فرض ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

1- بَابٌ: اَلْعَمَلُ فِيْ غُسْلِ الْعِيدَيْنِ وَالنِّدَاءُ فِيْهِمَا وَالْإِقَامَةُ

دونوں عیدوں کے غسل کے طریقہ کار اور ان دونوں میں اذان واقامت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت یعنی عملِ صحابی مذکور ہے جس کی سند صحیح ثابت ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی ذکر کیا گیا ہے۔

حَـدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ غَيْرَ وَاحِـدٍ مِـنْ عُلَمَائِهِمْ يَقُولُ : لَمْ يَكُنْ فِي عِيدِ الْـفِطْرِ ، وَلَا فِي الأَضْحَى نِدَاءٌ ، وَلَا إِقَامَةٌ ، مُـنْـذُ زَمَـانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِلَـى الْيَوْمِ قَالَ مَـالِكٌ: وَتِـلْكَ السُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَـا عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انھوں نے اپنے بہت سے (مدینہ منورہ کے) علمائے کرام کو سنا جو کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک نہ تو عیدالفطر میں اذان و اقامت تھی اور نہ ہی عیدا الاضحیٰ میں، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی وہ سنت اور طریقہ کار ہے جس کے متعلق ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فائدہ :...... ابن ابی شیبہ کی بعض روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام منقول ہیں کہ انھوں نے عید میں اذان شروع کی، بعض نے حجاج، زیاد، ہشام اور مروان کے نام بھی ذکر کیے ہیں۔ (زرقانی) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلَا مَرَّتَيْنِ بِـغَيْـرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ)) ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دونوں عیدوں کی نماز صرف ایک بار یا دو بار نہیں (بلکہ بہت دفعہ) پڑھی (جو کہ) بغیر اذان اور بغیر اقامت کے (ہوتی تھی)۔'' (مسلم: 887) حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی مسئلے کو روایت کیا ہے۔ (بخاری :959 ، مسلم :886)

[428] وَحَـدَّثَـنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَغْدُوَ إِلَى الْمُصَلَّى .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے غسل کر لیا کرتے تھے۔

فائدہ :...... یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس مسئلہ غسل عیدین کے متعلق صرف اور صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے یہ مذکورہ روایت ثابت ہے۔ جبکہ باقی تمام مرفوع یا موقوف روایات و آثار سنداً ضعیف ہیں۔

2- بَابٌ : اَلْأَمْرُ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ فِي الْعِيْدَيْنِ

دونوں عیدوں میں نماز کو خطبے سے پہلے ادا کر لینے کا حکم

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع احادیث نبویہ اور ایک موقوف یعنی اثر صحابہ رضی اللہ عنہم مذکور ہیں۔ اور یہ تمام روایات بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

[428] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 3/ 309 (5753) ، بيهقى فى السنن الكبرى: 3/ 278 ، وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 28 (1863) ، ابن المنذر فى الاوسط: 4/ 256 (2114) ، الشافعى فى المسند: 1/ 316 ، وفى الام: 1/ 231 ، ابن ابى شيبه: 2/ 181 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[429] حَـدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الأَضْحَى قَبْلَ الْخُطْبَةِ .

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن خطبے سے پہلے نمازِ عید ادا کیا کرتے تھے۔

فائدہ :...... یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ (بخاری: 957، مسلم : 888) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (بخاری: 962، مسلم: 884) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ (بخاری:958 ، مسلم 885) سے بھی مروی ہے۔

[430] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانَا يَفْعَلَانِ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

فائدہ :...... یہ بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔(بخاری : 963، مسلم 888) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسے روایت کیا ہے اور انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی نام ذکر کیا ہے۔(بخاری : 962، مسلم 884) یہی عمل سنت ہے اور نمازِ عید سے پہلے خطبہ دینا خلاف سنت ہے جس کا آغاز کرنے والے کے متعلق مختلف نام مذکور ہیں۔مثلاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، مروان، زیاد وغیرہ۔(زرقانی) واللہ اعلم۔

[431] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ ، أَنَّهُ قَالَ : شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، فَصَلَّى ثُمَّ انْصَرَفَ ، فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ : إِنَّ هَذَيْنِ يَوْمَانِ ، نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صِيَامِهِمَا ، يَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ ،

ابو عبید رضی اللہ عنہ جو حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نمازِ عید میں حاضر ہوا، انھوں نے نماز پڑھائی، پھر فارغ ہوکر لوگوں کو خطبہ دیا، (جس میں) فرمایا: بے شک ان دونوں (عیدوں کے) دنوں کا روزہ رکھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، یعنی ایک وہ دن جس میں تم

[429] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب المشی والرکوب الی العید والصلاة قبل الخطبة، حدیث: 957، 963، صحیح مسلم، کتاب صلاة العیدین، باب صلاةالعیدین، حدیث: 888، ترمذی: 531، نسائی:1565، ابن ماجه:1276، مسنداحمد:2/ 12 (4602).

[430] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الخطبة بعد العید، حدیث: 963، صحیح مسلم، کتاب صلاة العیدین، باب صلاة العیدین، حدیث: 888، ترمذی:531، نسائی: 1565، ابن ماجه:1276.

[431] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم الفطر، حدیث: 1990، 5571 – 5573، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب تحریم صوم یومی العید، حدیث:1137، ابوداؤد:2416، ترمذی:771، ابن ماجه:1722، مسنداحمد:1/ 24.

وَالآخَرُ يَوْمٌ تَأْكُلُونَ فِيهِ مِنْ نُسُكِكُمْ قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ: ثُمَّ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَجَاءَ فَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ وَقَالَ: إِنَّهُ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِي يَوْمِكُمْ هَذَا عِيدَانِ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ فَلْيَنْتَظِرْهَا، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ: ثُمَّ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَعُثْمَانُ مَحْصُورٌ، فَجَاءَ فَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ.

روزہ رکھنا بند کر دیتے ہو (اور جسے عید الفطر کا دن کہتے ہیں) اور دوسرا وہ (عید الاضحیٰ کا) دن جس میں تم اپنی قربانیوں کا گوشت کھاتے ہو۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بھی عید کے موقع پر حاضر ہوا۔ وہ آئے اور نماز ادا کی، پھر فارغ ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا بے شک شان یہ ہے کہ تمھارے آج کے اس دن میں دو عیدیں (جمعہ اور عید کی صورت میں) جمع ہو گئی ہیں تو (مدینہ سے باہر کی ہر) بستی والے لوگوں میں سے جو شخص جمعہ کا انتظار کرنا پسند کرے تو وہ انتظار کر لے اور جو شخص واپس لوٹ جانا چاہے تو میں اسے اجازت دیتا ہوں...... ابو عبید کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بھی عید میں حاضر ہوا جس وقت کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (گھر ہی میں نظر بند اور) محصور تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو انھوں نے نماز پڑھی پھر فارغ ہو کر خطبہ دیا۔

فائدہ: ......عید کے دن جمعہ ادا کرنے کی رخصت سب لوگوں کو حاصل ہے کہ وہ جمعہ کی بجائے نمازِ ظہر پر اکتفا کر سکتے ہیں: (ابوداؤد: 1070، 1071، 1073، نسائی: 1592، 1593، ابن ماجہ: 1310، 1311، ان سب کی سندیں صحیح ہیں) لیکن سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے کہ جمعہ کو بالکل ترک نہ کیا جائے بلکہ کچھ افراد کو جمعہ ادا کر لینا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ((وَ إِنَّا مُجَمِّعُونَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ)) ''اور بے شک ہم تو ان شاء اللہ جمعہ ادا کریں گے۔'' (ابوداؤد: 1073، ابن ماجہ: 1311، بیہقی: 3/ 1593۔ اس کی سند صحیح ہے) اور اگر کوئی بھی جمعہ ادا نہ کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ (ابوداؤد: 1071، نسائی: 1593۔ اس کی سند صحیح ہے) لیکن یہ بات لازم ہے کہ جو شخص جمعہ نہیں پڑھے گا اسے ظہر کی نماز ادا کرنا ہو گی۔ خواہ اکیلے اکیلے پڑھی جائے یا جماعت کے ساتھ (ابوداؤد: 1071۔ سند صحیح ہے)۔ نیز دیکھیے نیل الاوطار: 2/ 578، سبل السلام: 2/ 646، عون المعبود: 3/ 288)

3- بَابٌ: اَلْأَمْرُ بِالْأَكْلِ قَبْلَ الْغُدُوِّ فِي الْعِيدِ

عید الفطر میں نمازِ عید کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھا لینے کا حکم

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف دو مقطوع روایات یعنی آثار تابعین ہیں جن کی سندیں صحیح ہیں نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

[432] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يَأْكُلُ يَوْمَ عِيدِ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَغْدُوَ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) عید الفطر کے دن (نماز عید کی طرف) جانے سے پہلے کچھ کھا لیتے تھے۔

[433] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ النَّاسَ كَانُوا يُؤْمَرُونَ بِالأَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْغُدُوِّ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے ان کو خبر دی کہ لوگوں کو عید الفطر کے دن (نماز کے لیے) نکلنے سے قبل کچھ کھا لینے کا حکم دیا جاتا تھا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا أَرَى ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ فِي الأَضْحَى.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں لوگوں پر عید الاضحیٰ میں اسے لازم خیال نہیں کرتا۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن اختیار ہے، جو چاہے کھا لے اور جو چاہے نہ کھائے۔ (زرقانی) لیکن حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یوں مروی ہے:

((كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ))

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن نماز کے لیے نہ نکلتے یہاں تک کہ کچھ کھا لیتے اور عید الاضحیٰ کے دن کچھ نہ کھاتے یہاں تک کہ نماز عید پڑھ لیتے۔'' (ترمذی: 542، ابن ماجہ: 1756، اس کی سند صحیح ہے) نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ۔ وَ قَالَ۔ وَ يَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے روز (نماز عید کے لیے) نہ جاتے یہاں تک کہ کچھ کھجوریں کھا لیتے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طاق تعداد میں کھاتے تھے۔'' (بخاری: 953) یعنی کم از کم تین یا پانچ یا سات وغیرہ جیسا کہ ابن حبان اور مستدرک حاکم میں وضاحت موجود ہے۔ (حاکم: 1/ 394۔ اس کی سند صحیح ہے) اور مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایک ایک کر کے کھاتے تھے۔ (مسند احمد: 3 / 126۔ اس کی سند صحیح ہے) مسند احمد۔ بیہقی اور دار قطنی میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ سے واپس آ کر اپنی قربانی کے جانور میں سے کچھ کھاتے۔ (مسند احمد: 5 / 353، بیہقی: 3 / 283۔ اس کی سند صحیح ہے)، بلکہ بیہقی کی ایک روایت میں یہ بھی وضاحت ہے کہ

[432] (مقطوع صحیح) الشافعی فی الأم: 1/ 232، بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 3/ 36 (1890)، عبدالرزاق: 3/ 306 (5736)، ابن ابی شیبه: 1/ 484۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[433] (مقطوع صحیح) ابن ابی شیبه: 2/ 162، عبدالرزاق: 5735، بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 3/ 35 (1889)، الشافعی فی الام: 1/ 232۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

جانور کے جگر (کلیجی) میں سے کھاتے۔ (مرعاة المفاتيح :5/ 45)

4- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ

نمازِ عیدین میں تکبیرات اور قراءت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک حدیث نبوی اور ایک موقوف روایت یعنی عمل صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، دونوں کی سندیں صحیح ہیں۔ نیز اس میں ایک فتویٰ امام مالک رحمہ اللہ کا بھی مذکور ہے۔

[434] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْمَازِنِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الأَضْحَى وَالْفِطْرِ؟ فَقَالَ: كَانَ يَقْرَأُ بِـ ﴿ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ﴾ [ق :1] وَ ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ [القمر :1]

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر (کی نمازوں) میں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ سورۂ ﴿ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ﴾ اور سورۂ ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: ...... اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں بھی اور عیدوں کی نمازوں میں بھی سورۂ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ اور سورۂ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم: 878) لہٰذا دونوں طرح جائز ہے۔

[435] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: شَهِدْتُ الأَضْحَى وَالْفِطْرَ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَكَبَّرَ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى سَبْعَ تَكْبِيرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ،

نافع رحمہ اللہ جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں حاضر ہوا تو انھوں نے پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیرات کہیں اور

---

[434] (صحیح) صحیح مسلم، کتاب صلاة العیدین، باب مایقرأ فی صلاة العیدین، حدیث: 891، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب ما یقرأ فی الاضحی و الفطر، حدیث: 1154، ترمذی: 534، نسائی: 1568، ابن ماجه:1282، احمد:5/ 217، 218۔

[435] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3/ 292 (5680)، ابن ابی شیبه: 2/ 173، الشافعی فی الأُم: 1/ 236، وفی المسند: 1/ 322، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 4/ 344، بیهقی فی السنن الکبری: 3/ 288، وفی الصغری: 1/ 259، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 39 (1900)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

وَفِی الآخِرَةِ خَمْسَ تَكْبِيرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَ ةِ . دوسری رکعت میں بھی قراءت سے قبل پانچ تکبیرات کہیں۔
قَالَ مَالِكٌ : وَهُوَ الأَمْرُ عِنْدَنَا . امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہی (وہ)امر ہے (جس پر عمل کیا جاتا ہے)

فائدہ : ......جمہور یعنی امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کا موقف یہی ہے کہ نماز عید کی پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ سات مزید تکبیرات قراءت سے پہلے کہی جائیں گی اور اسی طرح دوسری رکعت میں بھی قراءت سے پہلے پانچ تکبیرات کہی جائیں گی، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے مقلدین کے ہاں پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت سے پہلے صرف تین تکبیرات اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد بھی تین تکبیرات رکوع والی تکبیر سے پہلے کہی جائیں گی۔ متعصب احناب کی دلیل یہ ہے کہ اس مسئلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کچھ بھی ثابت نہیں ہے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول وفعل سے دلیل پکڑیں گے، خصوصاً عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو کہ ہر اضطراب سے خالی ہے......حالانکہ ان کی یہ بات محض تقلیدی روش پر پردہ ڈالنے کے لیے ہے اور ان کی یہ عادت ہے کہ اپنے امام کے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کسی جگہ کوئی اصول بنالیتے ہیں اور کسی جگہ کوئی اور، نیز اپنے امام کے خلاف نظر آنے والی حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی اعتراض واضطراب گھڑ لیتے ہیں جیسا کہ قلیل وکثیر پانی کی حد بیان کرنے والی روایت ''حدیثِ قُلَّتَیْنِ '' میں کیا، کہیں منسوخ کا نعرہ بلند کردیتے ہیں جیسا کہ رفع الیدین میں کیا، اور جہاں کوئی روایت اپنے امام کے مسلک کی تائید میں ملے خواہ ضعیف ہی ہو اسے دلیل بنالیتے ہیں جیسا کہ قہقہے سے نماز و وضو ٹوٹنے کے متعلق کیا......تکبیرات عیدین تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی حسن درجے کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلتَّكْبِيْرُ فِي الْفِطْرِ سَبْعٌ فِي الْاُوْلٰى وَ خَمْسٌ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْقِرَاءَ ةُ بَعْدَهُمَا كِلْتَيْهِمَا)) ''عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں اور قراءت ان دونوں کے بعد ہے۔'' (ابوداؤد: 1151، ابن ماجہ: 1276، احمد: 2/ 180- امام ترمذی نے ''العلل الکبیر'' ص 93، 94 میں نقل کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے) نیز حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی اسی مفہوم کی فعلی حدیث بھی شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔ (ترمذی، 536، ابن ماجہ، 1297) اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی شواہد کی بنا پر حسن ہے۔ (ابن ماجہ:1277)

بعض غیر متشدد احناف علماء کے نزدیک دونوں طریقے درست ہیں اور اختلاف صرف اس میں ہے کہ کون سا طریقہ اولیٰ، افضل اور بہتر ہے۔ دیکھیے العرف الشذی (انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی شرح ترمذی):ص 241، موطا امام محمد، التعلیق الممجد حاشیہ موطا امام محمد لعبد الحئ لکھنوی رحمہ اللہ:ص 138، رد المختار للشامی، 1/ 780)

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ وَجَدَ النَّاسَ قَدِ انْصَرَفُوا مِنَ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْعِيدِ : إِنَّهُ لَا يَرَى عَلَيْهِ صَلَاةً فِي الْمُصَلَّى وَلَا فِي بَيْتِهِ، وَإِنَّهُ إِنْ صَلَّى فِي الْمُصَلَّى، أَوْ فِي بَيْتِهِ، لَمْ أَرَ بِذَلِكَ بَأْساً، وَيُكَبِّرُ سَبْعاً فِي الأُولَى قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَخَمْساً فِي الثَّانِيَةِ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو (عیدگاہ پہنچنے پر) لوگوں کو اس حال میں پاتا ہے کہ وہ نماز عید سے فارغ ہو چکے ہیں، تو امام مالک رحمہ اللہ ایسے شخص پر نماز عید پڑھنے کو لازم نہیں سمجھتے، نہ عیدگاہ میں، نہ اپنے گھر میں، البتہ اگر وہ عیدگاہ میں یا اپنے گھر میں نماز عید پڑھ لیتا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ میں اس میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتا اور اسے پہلی رکعت میں قراء ت سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہنا ہوں گی۔

فائدہ :...... چونکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نماز عید سنت ہے اور سنت کا شمار بھی نوافل ہی میں ہوتا ہے، اس لیے آدمی اگر اسے پڑھ لے تو بھی ٹھیک ہے اور نہ پڑھے تو بھی درست ہے...... احناف کے ہاں نماز عید واجب تو ہے لیکن اگر کسی سے رہ جائے تو اس کی کوئی قضا نہیں۔ احناف پر تعجب ہے کہ تکبیرات کی تعداد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بڑھ چڑھ کر پیش کرتے ہیں لیکن قضا کے متعلق پروا نہیں کرتے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ ہے کہ جس کی نماز عید رہ جائے وہ چار رکعات پڑھے...... اہل حدیث کے نزدیک اس بارے میں راجح موقف یہ ہے کہ اگر نماز عید رہ جائے تو اسے قضائی دینی چاہیے اور دو رکعتیں امام ہی کی طرح پڑھی جائیں، بلکہ اگر ایک سے زیادہ افراد نماز عید سے رہ چکے ہوں تو وہ جماعت بھی کرا سکتے ہیں اور شرعی عذر کی بنا پر عیدگاہ نہ پہنچ سکنے والے اپنی اپنی جگہ دو دو رکعتیں نماز عید پڑھ سکتے ہیں کیونکہ عید صرف چند افراد کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ فرمان نبوی ہے: ((هٰذَا عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ)) ''یہ ہم سب اہل اسلام کی عید ہے۔'' (صحيح البخاری، كتاب العيدين، باب: 25، اذا فاته العيد يصلى ركعتين، قبل از حديث :987)

5- بَابٌ: تَرْكُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْعِيدَيْنِ وَ بَعْدَهُمَا

دونوں عیدوں میں نماز سے پہلے اور بعد میں نفل نہ پڑھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں جن میں سے ایک موقوف روایت یعنی عمل صحابی رضی اللہ عنہ صحیح سند سے مروی ہے اور ایک مقطوع روایت یعنی عمل تابعی رحمہ اللہ ضعیف سند کے ساتھ مذکور ہے۔

[436] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید

[436] (موقوف صحيح) جامع الترمذی، كتاب الجمعة، باب ماجاء لاصلاة قبل العيدين ولابعد ها، حديث: 538، احمد: 2/ 57، ابن المنذر فی الاوسط: 4/ 266 (2134)، بيهقی فی معرفة السنن والآثر: 3/ 53 (1931)، عبدالرزاق: 3/ 274، 275 (5611، 5612، 5614) ابن ابی شيبه:2/ 178 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

أَنَّ عَبْدَ اللّٰـهِ بْـنَ عُـمَرَ لَمْ يَكُنْ يُصَلِّي يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَلَا بَعْدَهَا .

الفطر کے دن نماز عید سے پہلے بھی نفل نہیں پڑھتے تھے اور بعد میں بھی نہیں۔

[437] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَـلَغَهُ : أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى ، بَعْدَ أَنْ يُصَلِّيَ الصُّبْحَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن میسّب رحمہ اللہ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی عیدگاہ کی طرف چلے جاتے تھے۔

فائدہ : ......یعنی نمازِ فجر کے بعد نوافل نہیں پڑھے جاتے اور بغیر نفل پڑھے قبل از طلوعِ آفتاب عیدگاہ جا کر سورج نکلنے کے بعد نماز عید ہی ادا کرتے ،......الغرض عیدگاہ میں تو یہی بات راجح ہے کہ وہاں نماز عید سے پہلے اور بعد میں کوئی اور نفل نہ پڑھے جائیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: ((اَنَّ الـنَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا)) ''نبی کریم ﷺ عیدالفطر کے دن)عیدگاہ کی طرف (نکلے، پھر (نماز عید کی)دو رکعتیں ادا فرمائیں اور نہ تو اس سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ ہی اس کے بعد۔'' (بـخـاری: 989، مسلم :884 / 13)

6- بَابٌ : اَلرُّخْصَةُ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ الْعِيدَيْنِ وَ بَعْدَهُمَا

دونوں عیدوں کی نماز سے قبل اور بعد میں نفل پڑھنے کی رخصت کا بیان

خلاصۃ الباب : اس باب میں صرف دو مقطوع روایات یعنی آثارِ تابعین رحمہم اللہ صحیح سندوں سے مروی ہیں۔

[438] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ : أَنَّ أَبَاهُ الْقَاسِمَ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ أَنْ يَغْدُوَ إِلَى الْمُصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ .

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد قاسم رحمہ اللہ (بن محمد بن ابی بکر) عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ : ......یعنی عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے سورج چڑھ چکا ہو تو اشراق کی نماز قبل از نماز عید گھر میں یا مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

[439] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد عروہ رحمہ اللہ

---

[437] (مـقـطـوع ضعيف) ابن ابی شیبہ: 1/ 483 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[438] (مـقطوع صحيح) بیہقی فی معرفة السنن والآثار: 3/ 53 (1933) ، الشافعی فی الآم: 7/ 249 ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[439] (مقطوع صحيح) بيیهقی فی معرفة السنن والآثار: 3/ 53 (1932) ، الشافعی فی الآم: 7/ 249 ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّهُ كَـانَ يُصَلِّى يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الصَّلَاةِ فِى الْمَسْجِدِ

عیدالفطر کے دن نماز عید سے پہلے مسجد میں نفل نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

فائدہ: ......یعنی نمازِ فجر پڑھ کر مسجد ہی میں رہتے (یا گھر چلے جاتے) پھر جب سورج نکلتا تو نفل نماز غالبًا نمازِ اشراق کی نیت سے مسجد میں ادا کرتے، پھر وہاں سے عیدگاہ چلے جاتے......گزشتہ باب کے فائدہ میں جو رسول اللہ ﷺ سے نمازِ عید سے پہلے اور بعد میں نماز نہ پڑھنے کا تذکرہ ہوا ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف عیدگاہ کے متعلق بیان کیا ہے، باقی رہا عیدگاہ کے علاوہ گھر میں یا مسجد میں کوئی نفل نماز پڑھنے کا معاملہ تو اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی ممانعت ثابت نہیں ہے، بلکہ واپسی پر گھر میں نماز پڑھنے کا ثبوت خود رسول اللہ ﷺ سے موجود ہے، چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ((كَـانَ رَسُـوْلُ الـلّٰهِ لَا يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعِيْدِ شَيْئًا فَإِذَا رَجَعَ إِلٰى مَنْزِلِهٖ صَـلّٰى رَكْعَتَيْنِ)) ''رسول اللہ ﷺ نمازعید سے قبل تو کچھ بھی نہ پڑھتے پھر جب اپنے گھر واپس آجاتے تو دو رکعتیں ادا فرما لیتے۔'' (ابن ماجہ: 1293۔اس کی سند حسن ہے۔علامہ البانی، حافظ بوصیری اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔فتح الباری: 3/159)

امام مالک رحمہ اللہ صرف عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے اور بعد میں امام ومقتدی دونوں کے لیے نفل نہ پڑھنے کے قائل ہیں، البتہ عیدگاہ کے علاوہ کہیں بھی نماز عید سے قبل یا بعد میں نفل پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں، احناف کے ہاں عید کی نماز سے پہلے تو کوئی نفل نہیں نہ گھر میں نہ مسجد میں نہ عیدگاہ میں البتہ عید کی نماز کے بعد گھر میں نفل جائز ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے لیے نماز عید سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے لیکن مقتدی کے لیے گھر میں بلکہ عیدگاہ میں بھی مکروہ نہیں، اگر مقتدی ممنوع وقت کے علاوہ نماز عید سے پہلے کوئی نفل پڑھے تو بھی درست ہے اور اگر عید کے بعد اسے خطبے کی آواز سنائی نہ دے رہی ہو تو وہ اٹھ کر نفل پڑھنے لگے تو یہ بھی درست ہے، رہے امام احمد رحمہ اللہ تو ان کے نزدیک نماز عید سے پہلے اور بعد میں بھی کسی کے لیے کوئی بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ ہمارے نزدیک امام مالک رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے۔

7- بَابٌ : غُدُوُّ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيْدِ وَانْتِظَارُ الْخُطْبَةِ

عید کے دن امام کے صبح صبح نکلنے اور خطبے کے لیے (لوگوں کے) انتظار کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: یہ باب صرف امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات پر مشتمل ہے۔

حَـدَّثَـنِـي يَـحْيَى، قَالَ مَالِكٌ : مَضَتِ السُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا عِنْدَنَا، فِي وَقْتِ الْفِطْرِ وَالأَضْـحَى، أَنَّ الإِمَـامَ يَخْرُجُ مِنْ مَنْزِلِهِ،

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے وقت (کے آغاز) کے متعلق جو طریقہ کار جاری ہے اور جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ امام (سورج

قَدْرَ مَا يَبْلُغُ مُصَلَّاهُ، وَقَدْ حَلَّتِ الصَّلَاةُ. نکلنے کے قریب) اتنی مقدار پہلے اپنے گھر سے نکلے کہ جب وہ (عید گاہ میں) اپنی جائے نماز پر پہنچے تو (سورج نکلنے کے بعد کچھ دیر تک رہنے والا مکروہ وقت ختم ہوکر) نماز پڑھنا جائز ہو چکا ہو۔

فائدہ:...... ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ہمراہ عیدالفطر یا عید الاضحیٰ کے لیے نکلے تو انھوں نے امام کے تاخیر کر دینے کا انکار (اور اس پر تعجب کا اظہار) کیا اور فرمایا کہ بے شک ہم تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ) اس وقت تک (نماز عید سے) فارغ بھی ہو چکے ہوتے تھے اور یہ نفلی نماز (یعنی نماز اشراق کے جائز ہونے) کا وقت تھا۔ (ابوداؤد: 1135، ابن ماجہ: 1317، بخاری تعلیقاً قبل از حدیث: 968۔ اس کی سند صحیح ہے) اور یہ وقت سورج کے زمین سے ایک نیزہ یا دو نیزوں کی مقدار بلند ہونے پر شروع ہو جاتا ہے۔ (ابوداؤد: 1277، نسائی: 573، ابن ماجہ: 1251۔ اس کی سند صحیح ہے) رہا نماز عید کا آخری وقت تو وہ زوالِ آفتاب تک ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ چاند نظر آنے کی اطلاع ملنے پر فرمایا تھا کہ لوگ کل صبح نمازِ عید کے لیے عید گاہ پہنچیں۔'' (ابوداؤد: 1157، نسائی: 1558، ابن ماجہ: 1653۔ اس کی سند صحیح ہے) ابن ماجہ کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ وہ قافلہ دن کے پچھلے حصے میں آیا تھا اور دن کے دو حصوں میں سے پچھلا اور آخری حصہ زوال کے بعد ہی ہوتا ہے، چنانچہ طحاوی رحمہ اللہ کی روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ ''انھوں نے زوال کے بعد گواہی دی۔'' (مرعاۃ المفاتیح: 5/ 64) اگر نمازِ عید کا وقت سارا دن ہی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید کو اگلے دن تک مؤخر نہ کرتے۔ الغرض تمام فقہاء اور مسالک میں متفقہ طور پر عید کا وقت زوالِ آفتاب تک رہتا ہے، اگرچہ اس پر بھی اتفاق ہے کہ نماز عید کو زیادہ تاخیر سے پڑھنا بہتر نہیں ہے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ صَلَّى مَعَ الإِمَامِ، هَلْ لَهُ أَنْ يَنْصَرِفَ قَبْلَ أَنْ يَسْمَعَ الْخُطْبَةَ؟ فَقَالَ: لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَنْصَرِفَ الإِمَامُ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو عیدالفطر کے دن امام کے ساتھ نماز عید پڑھ لیتا ہے، کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ خطبہ سننے سے پہلے واپس آجائے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا وہ واپس نہ لوٹے یہاں تک کہ امام فارغ ہو جائے۔

فائدہ:...... حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عید میں حاضر تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو فرمایا کہ ''ہم نماز پڑھ چکے ہیں اور ہم خطبہ بھی دیں گے (لیکن) ((فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّذْهَبَ فَلْيَذْهَبْ)) ''تو جو شخص خطبہ (سننے) کے لیے بیٹھے رہنا پسند کرتا ہے تو وہ بیٹھا رہے اور جو شخص چلے جانا پسند کرتا ہے وہ چلا جائے۔'' (ابوداؤد: 1155، نسائی: 1572، ابن ماجہ: 1290۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

11 کِتَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

نمازِ خوف کے متعلق کتاب

خلاصۃ الباب یہ مختصر سی کتاب ایک باب کی شکل میں صرف تین احادیث نبویہ اور ایک قول صحابی پر مشتمل ہے جو سب کی سب صحیح ہیں، نیز اسی کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

فائدہ:...... (1) جب دشمن سامنے ہو یا محاصرہ کیے ہوئے ہو اور ان کی طرف سے حملے کا خوف ہو تو اس حالت میں پڑھی جانے والی نماز کو ''صلاۃ الخوف'' کہتے ہیں جس کی مشروعیت اور مختصر سا طریقہ مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں بیان ہوا ہے: ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ ....الخ﴾ (النساء 102:4) اس نماز میں مجاہدین کے دو گروہ لازماً بنائے جاتے ہیں اور انھیں پہلے نماز کا طریقہ سمجھا دیا جاتا ہے، ایک گروہ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور دوسرا گروہ دشمن سے دفاع کے لیے مستعد رہتا ہے، پھر دوسرا گروہ نماز میں مشغول ہو جاتا ہے اور پہلا گروہ حفاظت کا کام سنبھال لیتا ہے......(2) یہ نماز کب شروع ہوئی؟ جمہور کے نزدیک اس کا آغاز غزوہ ذات الرقاع میں ہوا جو امام بخاری رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ اور ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق میں 7ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد ہوا تھا، بہت سے شارحین نے اسے 4ھ میں قرار دیا ہے حالانکہ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس نماز کا نزول غزوۂ خندق کے بعد ہوا تھا اور یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ غزوۂ خندق تو خود 5ھ میں واقع ہوا تھا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے غزوہ ذات الرقاع (7ھ) سے بھی پہلے نماز خوف کے نزول کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ نمازِ خوف عسفان جگہ پر صلح حدیبیہ والے سفر میں بھی پڑھی گئی تھی اور صلح حدیبیہ متفقہ طور پر 6ھ میں ہوئی تھی جس میں خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی طرف سے حملے کا خطرہ تھا۔ (ابو داؤد: 1236، نسائی: 1550، 1551، نیز دیکھیے ترمذی: 3035، نسائی: 1545۔ ان سب کی اسانید صحیح ہیں)

(3) امام ابن قیم رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس نماز کے چھ مختلف طریقوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ مانا ہے اور اس سے زائد جتنے بھی طریقے مروی ہیں انھیں راویوں کے بیان کے اختلاف پر محمول کیا ہے۔ اگرچہ ابن

منذر رحمہ اللہ نے آٹھ، ابن حبان رحمہ اللہ نے نو، ابن قصار مالکی رحمہ اللہ نے دس، ابن حزم رحمہ اللہ نے چودہ، امام نووی اور امام ابن العربی رحمہ اللہ نے سولہ، حافظ عراقی رحمہ اللہ نے سترہ اور بعض نے اس سے کم وبیش تعداد کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

(4) نماز خوف، سفر وحضر دونوں میں ہوسکتی ہے، جمہور اسی کے قائل ہیں، صرف امام مالک رحمہ اللہ کے ایک غیر مشہور قول میں سفر کی شرط کا تذکرہ ہے......(5) یہ نماز آج بھی ہوسکتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ ہر طریقے سے ہوسکتی ہے، البتہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک آنے والے باب کی پہلی حدیث والا طریقہ راجح ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دوسری حدیث والا طریقہ راجح ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث والا طریقہ راجح ہے جو کہ ابوداؤد شریف میں ہے (ابو داؤد: 1244۔ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ ابوعبیدہ کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، دیکھیے ترمذی: 17)

1- صَلَاةُ الْخَوْفِ

نمازِ خوف کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین مرفوع احادیث اور ایک موقوف روایت ہے اور یہ سب صحیح اسانید سے ثابت ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[440] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ، عَمَّنْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ: أَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ، وَصَفَّتْ طَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ، فَصَلَّى بِالَّتِي مَعَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ ثَبَتَ قَائِماً وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ انْصَرَفُوا، فَصَفُّوا وِجَاهَ الْعَدُوِّ، وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى، فَصَلَّى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهِ، ثُمَّ ثَبَتَ جَالِساً، وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ.

صالح بن خوات رحمہ اللہ اس صحابی (یعنی اپنے والد حضرت خوات بن جبیر) رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ ذات الرقاع میں نمازِ خوف ادا کی تھی کہ ایک گروہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صف بنالی اور دوسرا گروہ دشمن کے سامنے صف آراء ہوگیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کو ایک رکعت پڑھائی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، پھر آپ (اگلی رکعت کے لیے خاموشی سے) کھڑے رہے اور انھوں نے (یعنی پہلے گروہ نے) اپنی نماز خود ہی مکمل کرلی، (اور سلام پھیر دیا) پھر وہ چلے گئے اور دشمن کے سامنے صف آراء ہوگئے اور دوسرا گروہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے) آگیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ رکعت نماز پڑھائی جو آپ کی نماز میں سے باقی تھی،

[440] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع، حدیث: 4129، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ الخوف، حدیث: 842، ابوداود: 1238، ترمذی: 567، نسائی: 1538۔

(اب چونکہ نبی کریم ﷺ کی نماز خوف دو رکعت مکمل ہو چکی تھی اس لیے) پھر رسول اللہ ﷺ (حالت تشہد میں) بیٹھے رہے اور انھوں نے (یعنی دوسرے گروہ نے جن کی ابھی ایک رکعت باقی تھی) اپنی نماز خود مکمل کر لی (اور جب وہ بھی تشہد پڑھ چکے تو) پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ (مل کر) سلام پھیر دیا۔

فائدہ : ......اس روایت کے صحابی کا نام کیا ہے؟ اس بارے میں ہماری تحقیق یہی ہے کہ وہ صالح بن خوات کے والد حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ امام ابن منذر اور امام بیہقی (3/ 253) کی روایات میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ حافظ ابن حجر، امام نووی، زرقانی اور غزالی رحمہم اللہ کی تحقیق بھی یہی ہے......بعض شارحین نے اس صحابی سے مراد حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کو لیا ہے جن کا نام اگلی روایت میں آ رہا ہے اور وہاں بھی بیان کرنے والے تابعی صالح بن خوات رحمہ اللہ ہی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ روایت الگ ہے کیونکہ اس میں نہ تو غزوہ ذات الرقاع کا تذکرہ ہے نہ اس میں طریقہ نبوی کا بیان عملی صورت میں ہے، نہ ہی حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نمازِ خوف پڑھی بلکہ وہ تو عہد نبوی میں جہاد میں شمولیت والی عمر ہی کو نہیں پہنچے تھے، ہاں انھوں نے کسی دوسرے صحابی سے سن کر یہ طریقہ بیان کیا ہے......الغرض راجح اور محقق بات یہی ہے کہ صالح بن خوات رحمہ اللہ نے دو روایات بیان کی ہیں، ایک اپنے والد محترم سے اور ایک حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے، اور دونوں میں الگ الگ طریقے بیان ہوئے ہیں، اگرچہ ان میں فرق بھی معمولی سا ہے۔

''رقاع''، جمع ہے ''رُقْــعَةٌ'' کی، جس کے معنی کپڑے کے ٹکڑے اور چیتھڑے کے ہیں، اس غزوے میں صرف ایک اونٹ تھا اور چھ افراد کا لشکر تھا، اکثر سفر پیدل کرنے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے، حتی کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے تو پاؤں کے ناخن بھی اتر گئے تھے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹ لیے، اسی بنا پر اس غزوے کا نام ''ذات الرقاع'' (چیتھڑوں والا) رکھا گیا۔

اس غزوے کے شرکاء میں رسول اللہ ﷺ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ (بخاری: 4125، مسلم: 841)، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شامل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوہ خیبر کی لڑائی کے بعد پیش آیا کیونکہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ کے پاس آمد غزوۂ خیبر میں فتح کے بعد ہوئی تھی، (بخاری: 3136، مسلم: 2502) وہ یمن سے بحری سفر کرتے ہوئے حبشہ پہنچ گئے، وہاں سے سیدھے خیبر پہنچے اور پھر وہاں سے واپسی کے سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ مدینہ منورہ آئے۔ (بخاری: 4202، مسلم: 2704) اور غزوۂ خیبر 7ھ کے ماہِ محرم میں پیش آیا تھا۔

غزوۂ ذات الرقاع کے دوران میں نبی کریم ﷺ نے مختلف طریقوں سے نماز خوف پڑھائی، ایک طریقہ تو گزر چکا، دوسرا طریقہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں گروہوں کو الگ الگ دو دو رکعتیں پڑھائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں ہو گئیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی دو دو۔ (بخاری: 4136 معلقاً، مسلم: 843) اور

آپ ﷺ نے دونوں بار سلام بھی پھیرا تھا۔ (نسائی : 1552، 1553، ابو داؤد : 1248۔ان کی اسانید صحیح ہیں) یہ سلام پھیرنا احناف کی تمام تاویلات کا دروازہ بند کردیتا ہے اور ان کو یہاں آ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ دوسرے گروہ کو رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھا رہے تھے تو آپ ﷺ کی نماز نفل تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی فرض ، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز درست ہے...... امام بخاری رحمہ اللہ نے غزوۂ ذات الرقاع ہی کے تحت حضرت سہل بن ابی حثمہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی احادیث ذکر کی ہیں جو آگے تفصیل سے آرہی ہیں۔ گویا اس غزوے میں نماز خوف کے چار طریقے روایات میں موجود ہیں۔

[441] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ، أَنَّ سَهْلَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ حَدَّثَهُ : أَنَّ صَلَاةَ الْخَوْفِ، أَنْ يَقُومَ الإِمَامُ وَمَعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، وَطَائِفَةٌ مُوَاجِهَةُ الْعَدُوِّ، فَيَرْكَعُ الإِمَامُ رَكْعَةً، وَيَسْجُدُ بِالَّذِينَ مَعَهُ، ثُمَّ يَقُومُ، فَإِذَا اسْتَوَى قَائِمًا ثَبَتَ، وَأَتَمُّوا لأَنْفُسِهِمُ الرَّكْعَةَ الْبَاقِيَةَ، ثُمَّ يُسَلِّمُونَ وَيَنْصَرِفُونَ، وَالإِمَامُ قَائِمٌ، فَيَكُونُونَ وِجَاهَ الْعَدُوِّ، ثُمَّ يُقْبِلُ الآخَرُونَ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا، فَيُكَبِّرُونَ وَرَاءَ الإِمَامِ، فَيَرْكَعُ بِهِمُ الرَّكْعَةَ وَيَسْجُدُ، ثُمَّ يُسَلِّمُ، فَيَقُومُونَ فَيَرْكَعُونَ لأَنْفُسِهِمُ الرَّكْعَةَ الْبَاقِيَةَ، ثُمَّ يُسَلِّمُونَ .

صالح بن خوات رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ نے انھیں بیان کیا (اور بتایا) کہ نماز خوف کا طریقہ یہ ہے: امام کھڑا ہوجائے اور اس کے ساتھیوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ (نماز کے لیے کھڑی) ہوجائے، جبکہ دوسری جماعت دشمن کے سامنے (موجود) رہے، پھر امام اپنے ساتھ والوں کو ایک رکعت پڑھائے اور سجدے کرکے کھڑا ہوجائے، چنانچہ جب وہ سیدھا کھڑا ہوجائے تو پھر (اسی حالت میں خاموشی سے) کھڑا رہے اور وہ (اس کے ساتھ والے مقتدی) اپنے لیے (خود ہی) باقی ماندہ ایک رکعت ادا کرکے سلام پھیر دیں اور چلے جائیں اور (لیکن) امام (مسلسل) کھڑا ہی رہے، پھر یہ (جب) (پہلی جماعت والے) دشمن کے سامنے (صف آراء) ہو جائیں، تو دوسری جماعت والے (مجاہدین) آجائیں جنھوں نے (ابھی تک) نماز نہیں پڑھی، چنانچہ وہ امام کے پیچھے آکر (خود ہی) تکبیر تحریمہ کہیں اور (اب) امام ان کو بھی ایک رکعت پڑھا کر سجدے کرے اور پھر (چونکہ امام کی دو رکعتیں پوری ہوگئیں وہ تشہد پڑھ کر اکیلا ہی) سلام پھیر دے اور (جبکہ) وہ (دوسرے گروہ والے بھی خود ہی بغیر امام

---

[441] (موقوف صحيح) مرفوع کے لیے دیکھیے: صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حديث: 4131، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 841، ابوداؤد: 1237، 1239، ترمذی: 565، 566، نسائی: 1537، ابن ماجه: 1259 .

کے) کھڑے ہوکر اپنے لیے (اپنی اپنی) دوسری رکعت ادا کریں اور سلام پھیر دیں۔

فائدہ: ......اس طریقے کا گزشتہ طریقے سے فرق صرف یہ ہے کہ امام دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھا کر اپنا تشہد پڑھ کر اکیلا ہی سلام پھیرے گا اور دوسرے گروہ کی دوسری رکعت کے پورا ہونے کا انتظار نہیں کرے گا جبکہ گزشتہ حدیث میں تھا کہ امام دوسرے گروہ کی دوسری رکعت پورا ہونے کا انتظار کرے گا اور ان کے ساتھ اکٹھا سلام پھیرے گا......امام مالک رحمہ اللہ اس حدیث سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ والے طریقے ہی کو راجح کہتے ہیں۔لیکن مسلم شریف (حدیث :841) کی سہل رضی اللہ عنہ والی روایت میں بالکل پہلی حدیث والا طریقہ بیان ہوا ہے، البتہ اس کی سند امام مالک رحمہ اللہ کی سند سے مختلف ہے......یاد رہے کہ موطا امام مالک رحمہ اللہ میں یہ دوسرا طریقہ موقوف روایت کی صورت میں ہے یعنی صحابی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے، جبکہ بخاری (4131) اور مسلم (841) میں یہ حدیث مرفوع ہے یعنی حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

[442] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ صَلَاةِ الْخَوْفِ قَالَ: يَتَقَدَّمُ الإِمَامُ وَطَائِفَةٌ مِنَ النَّاسِ، فَيُصَلِّي بِهِمُ الإِمَامُ رَكْعَةً، وَتَكُونُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْعَدُوِّ لَمْ يُصَلُّوا، فَإِذَا صَلَّى الَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً، اسْتَأْخَرُوا مَكَانَ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا وَلَا يُسَلِّمُونَ، وَيَتَقَدَّمُ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا، فَيُصَلُّونَ مَعَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ يَنْصَرِفُ الإِمَامُ، وَقَدْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، فَتَقُومُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ فَيُصَلُّونَ لأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً رَكْعَةً، بَعْدَ أَنْ يَنْصَرِفَ الإِمَامُ، فَيَكُونُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ قَدْ صَلَّوْا رَكْعَتَيْنِ، فَإِنْ كَانَ خَوْفاً هُوَ أَشَدَّ مِنْ ذَلِكَ،

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب نمازِ خوف کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ فرماتے کہ امام لوگوں کے ایک گروہ کے ساتھ آگے ہو جائے، (دشمن سے اتنی دوری پر کہ وہاں تک ان کے تیر نہ پہنچ سکیں)، پھر امام ان کو ایک رکعت پڑھائے اور ان (مجاہدین) میں سے ایک (دوسرا) گروہ امام اور دشمن کے درمیان میں موجود رہے اور نماز نہ پڑھے، پھر جب امام اپنے ساتھ والوں کو ایک رکعت پڑھا لے تو وہ (دوسری رکعت پڑھے بغیر) پیچھے ہٹ آئیں اور ان لوگوں کی جگہ کھڑے ہو جائیں جنھوں نے (ابھی کچھ بھی) نماز نہیں پڑھی اور وہ (پہلے گروہ والے) سلام نہ پھیریں، (بہرحال) جنھوں نے نماز نہیں پڑھی (اب) وہ آگے ہو جائیں (اور امام کے پیچھے صف بنالیں)، پھر امام ان کو بھی ایک رکعت پڑھائے، پھر امام تو (سلام پھیر کر نماز

[442] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب: 44، حدیث: 4535، نیز دیکھیے: 942، 943، 4132، 4133، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب صلاة الخوف، حدیث: 839، ابوداؤد: 1243، ترمذی: 564، نسائی: 1539، ابن ماجہ: 1258، مسنداحمد: 2/ 132، دارمی: 1521۔

صَلَّوْا رِجَالاً قِيَاماً عَلَى أَقْدَامِهِمْ، أَوْ رُكْبَاناً مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ، أَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيهَا.

سے) فارغ ہوجائے اس حال میں کہ وہ (اپنی) دو رکعتیں پوری کر چکا ہو، پھر دونوں گروہوں میں سے ہر گروہ والے (باری باری) کھڑے ہوجائیں اور امام کے فارغ ہوجانے کے بعد اپنی اپنی ایک ایک رکعت ادا کرلیں تو (اس طرح) دونوں گروہوں میں سے ہر کوئی دو دو رکعتیں پڑھ چکا ہوگا، پھر اگر (دشمن کا) خوف اس سے بھی شدید تر ہو تو (تمام) لوگ (الگ الگ) نماز ادا کریں، (خواہ) پیدل اپنے پاؤں پر کھڑے کھڑے (یا چلتے ہوئے) پڑھ لیں یا سوار ہوکر (اشارے سے پڑھ لیں)، (اور خواہ) وہ قبلہ کی طرف رخ کرنے والے ہوں یا نہ ہوں۔

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ نَافِعٌ: لَا أَرَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ إِلَّا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نافع رحمہ اللہ نے کہا: میں اس کے علاوہ اور کچھ خیال نہیں کرتا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ ہی سے بیان کی ہے۔

فائدہ: ...... امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو بھی غزوہ ذات الرقاع کے عنوان میں ذکر کیا ہے اور اس میں وہ یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ ((غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ)) ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی جانب غزوہ میں شرکت کی''۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ یہ نماز ادا کی۔'' (مسلم: 839) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام دونوں گروہوں کو باری باری ایک ایک رکعت پڑھائے گا اور پھر سلام پھیر دے گا، بعد ازاں دونوں گروہ اپنی اپنی باقی ماندہ رکعت پوری کر کے سلام پھیر دیں گے۔

[443] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: مَا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ.

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خندق کے دن ظہر وعصر کی نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔

فائدہ: ...... یہ غزوہ راجح قول کے مطابق شوال 5ھ میں پیش آیا۔ اس باب میں یہ روایت ذکر کرنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ غزوۂ خندق (غزوۂ احزاب) کے موقع پر نمازِ خوف مشروع نہیں ہوئی تھی اس لیے حالات کی شدت کے تحت نمازیں مؤخر کر کے پڑھی گئیں۔ موطا کی اس روایت میں دو نمازوں کے قضا ہونے کا ذکر ہے، حضرت علی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی روایات میں ایک نماز (عصر) قضا ہونے کا تذکرہ ہے، (بخاری: 596، 2931، مسلم: 627، 631) جبکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ظہر وعصر اور مغرب تینوں کے قضا ہونے کا ذکر ہے۔ (ترمذی: 179۔ سند منقطع ہے)۔ ان میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ یہ غزوہ کئی دن تک جاری رہا تھا، اس لیے مختلف مواقع پر مختلف

[443] (صحیح لغیرہ) ابن ابی شیبہ: 7/ 377 ۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

نمازیں قضا ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

قَـالَ مَـالِكٌ : وَحَـدِيـثُ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَـنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ .

مام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ کی وہ روایت جسے انھوں نے صالح بن خوات سے روایت کیا ہے، وہ میرے نزدیک ان تمام اقوال سے زیادہ پسندیدہ ہے جو میں نے نمازِ خوف کے مسئلے میں سنے ہیں۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ وغیرہ نے صالح بن خوات رحمہ اللہ سے دو احادیث روایت کی ہیں، ایک میں صالح بن خوات رحمہ اللہ کے شاگرد یزید بن رومان رحمہ اللہ ہیں یعنی اس باب کی پہلی روایت، اور دوسری میں صالح رحمہ اللہ کے شاگرد قاسم بن محمد رحمہ اللہ ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ پہلے پہل یزید بن رومان رحمہ اللہ والی روایت کو ترجیح دیتے تھے جیسا کہ امام ابوداوَد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، (ابـــو داؤد : 1238) بعد میں انھوں نے اس سے رجوع کر کے قاسم بن محمد رحمہ اللہ والی روایت کو ترجیح دی۔

12

كِتَابُ صَلَاةِ الْخُسُوفِ
نماز گرہن کے متعلق کتاب

خلاصۃ الباب اس کتاب میں دو ابواب اور چار روایات ہیں اور وہ سب کی سب مرفوع احادیث نبویہ ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

فائدہ :......(1) اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام میں سورج، زمین اور چاند تارے سب محو گردش ہیں۔ نظام فلکیات کی رو سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جب کبھی سورج، زمین اور چاند حرکت کرتے کرتے اس طرح بالکل سیدھ میں آ جائیں کہ ایک طرف سورج اور دوسری طرف زمین ہو اور ان دونوں کے بالکل درمیان میں چاند آ جائے تو زمین کے جس خطے والوں کے لیے سورج کی روشنی میں چاند رکاوٹ بن جاتا ہے وہاں سورج گرہن نظر آتا ہے اور جب کبھی ایک جانب سورج اور دوسری جانب چاند ہو اور ان کے عین درمیان میں زمین آ جائے تو چونکہ سورج کی روشنی چاند تک نہیں پہنچ پاتی اس لیے چاند گرہن نظر آتا ہے اور یہ چاند گرہن چاند کی 13، 14 اور 15 تاریخ ہی کو ہوتا ہے...... یہ بات ہے تو دلچسپ لیکن سائنس سے تعلق رکھنے والے اپنی سوچ کو یہیں تک محدود کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے گرہن کی حقیقت کو پہچان لیا ہے......حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے پس پردہ جو حکمت بیان فرمائی ہے وہ اس سے کہیں بالاتر ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اہلِ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ لوگو! اگر میں تمھارے سامنے چمکتے دمکتے سورج اور چاند کی روشنی کچھ وقت کے لیے سلب کر سکتا ہوں تو میں تمھیں اس سے مکمل محروم کر دینے پر بھی قادر ہوں، نظامِ کائنات میں انتہائی اہمیت رکھنے کے باوجود یہ دونوں بے نور ہو سکتے ہیں تو پوری دنیا کا نظام بھی تہس نہس ہو سکتا ہے۔ جب چاہوں گا میں قیامت لے آؤں گا، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اسی کو ساری دنیا اور کائنات کا مدبّر اور تصرّف کرنے والا تسلیم کر کے اُسی کی عبادت کرو، تمام دوسرے معبودوں کو چھوڑ کر اسی کی طرف یکسو ہو جاؤ، سورج چاند کو رب نہ سمجھو، یہ تو بے چارے اپنی روشنیوں پر بھی قدرت نہیں رکھتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ ، لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ (وَلَا لِحَيَاتِهِ) وَلٰكِنْ يُّخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهٗ'' ''یقیناً سورج اور چاند اللہ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کی موت کی وجہ سے گرہن زدہ نہیں ہوتیں اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے، بلکہ اللہ

تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہوتا ہے۔'' (بخاری:1048 ، 1057 ، مسلم : 911) (2) عربی زبان میں سورج کے گرہن کے لیے عموماً ''کُسُوف'' اور چاند گرہن کے لیے ''خُسُوف'' کے الفاظ مستعمل ہیں، لیکن یہ ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہوتے رہتے ہیں۔(3) اردو زبان میں سورج اور چاند کے گرہن لگنے اور بے نور ہونے کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ مستعمل ہیں: گرہن لگنا، گرہن زدہ ہونا، گہنا جانا، گہن لگنا، گہن پڑنا، گہن میں آنا۔(4) جمہور کے نزدیک سورج گرہن کے موقع پر نماز اور اس کی جماعت کرانا سنّت مؤکدہ ہے، سوائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کہ ان کا ایک قول وجوب کا اور دوسرا سنّت غیر مؤکدہ کا ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ اس کے وجوب کے قائل ہیں اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ رہا چاند گرہن کی نماز کا مسئلہ تو امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ بھی سنّت مؤکدہ ہی ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ صرف مستحب ہے اور ان دونوں کے نزدیک چاند گرہن کی جماعت بھی نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک شمس وقمر دونوں کے گرہن کی نماز جماعت کے ساتھ سنّت مؤکدہ ہونے کا موقف راجح ہے۔(5) نمازِ گرہن میں قراءت بآواز بلند ہوگی۔(بخاری: 1065، مسلم: 901/ 5) امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث اسی کے قائل ہیں جبکہ امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ سورج گرہن میں سِرّی قراءت اور چاند گرہن میں جہری قراءت کے قائل ہیں۔ احادیث پہلے موقف کی مؤیّد ہیں۔ (6) امام شافعی رحمہ اللہ اس نماز کے بعد خطبہ مسنونہ کے قائل ہیں، جبکہ جمہور کے ہاں خطبہ مسنون نہیں ہے البتہ وعظ ونصیحت کرنا مستحب ہے۔

1- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ

نمازِ گرہن کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین احادیث نبویہ ہیں جو کہ بخاری ومسلم میں بھی موجود ہیں۔

[444] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالنَّاسِ، فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گہن زدہ ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو (یوں) نماز پڑھائی کہ (پہلی رکعت میں) کھڑے ہوئے تو (خوب) لمبا قیام کیا، پھر رکوع میں چلے گئے تو (خوب) لمبا رکوع کیا، پھر کھڑے ہوئے تو لمبا

[444] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الکسوف، باب الصدقة فی الکسوف، حدیث: 1044، 1046، 1047، 1058، 3203، 5221، 6631، صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب صلاة الکسوف، حدیث: 901، ابوداود:1191، ترمذی:561، نسائی:1475، ابن ماجه:1263، دارمی:1529.

فَـأَطَالَ الرُّكُوعَ ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ ، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الأَوَّلِ ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ ، وَهُـوَ دُونَ الرُّكُوعِ الأَوَّلِ ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ ، ثُـمَّ فَـعَـلَ فِي الرَّكْعَةِ الآخِرَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ، ثُمَّ انْـصَـرَفَ وَقَـدْ تَـجَـلَّتِ الشَّـمْـسُ , فَخَطَبَ النَّاسَ ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : إِنَّ الشَّـمْـسَ وَالْـقَـمَـرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ : لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَـادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوا وَتَصَدَّقُوا ثُمَّ قَالَ : يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ : مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرَ مِنَ اللّٰهِ عـزَّ وجَلَّ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ ، يَا أُمَّةَ مُـحَـمَّـدٍ ، وَالـلّٰـهِ لَـوْ تَـعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ ، لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً ، وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيراً .

قیام کیا جو پہلے قیام سے ذرا کم تھا، پھر رکوع میں گئے تو لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کچھ کم تھا، پھر سر اٹھایا (اور کھڑے ہوئے) پھر سجدے میں چلے گئے ،پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا، پھر (نماز سے) اس حال میں فارغ ہوئے کہ آفتاب روشن ہو چکا تھا، (اتنی لمبی نماز پڑھائی کہ اس کے دوران ہی سورج گرہن ختم ہو گیا،) پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا، چنانچہ اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا:'' یقیناً سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، نہ تو یہ کسی کی موت کی وجہ سے گہناتے ہیں اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے، لہٰذا جب تم اس (گہن) کو دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، اور اس کی کبریائی بیان کرو اور صدقہ خیرات کرو۔'' پھر فرمایا:'' اے امتِ محمد (ﷺ)! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی بھی زیادہ غیرت والا نہیں، (خصوصاً اس معاملے میں) کہ اس کا کوئی بندہ یا بندی زنا کا ارتکاب کرے، اے محمد ﷺ کی امت! اللہ کی قسم! اگر تم بھی وہ کچھ جان لو جو میں جانتا ہوں (میری طرح تمھیں بھی معرفت اور علم یقین حاصل ہو جائے) تو تم ہنسو تھوڑا اور روؤ زیادہ۔''

فائدہ :......ایک روایت میں ہے:"كَسَفَـتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ اِبْـرَاهِيْـمُ ، فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ اِبْرَاهِيْمَ" ''رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج کو اس دن گہن لگا جس میں (رسول اللہ ﷺ کا لختِ جگر) ابراہیم فوت ہوا تو لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کی موت کی وجہ ہی سے سورج بھی گہن میں آ گیا ہے۔'' (بخاری: 1043 ، مسلم: 904/ 10 ، 915) اور یہ اہلِ جاہلیت کا عقیدہ تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"اِنَّ اُنَـاسـاً يَـزْعُـمُـوْنَ اَنَّ الشَّـمْـسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ اِلَّا لِـمَوْتِ عَظِيْمٍ مِنْ الْعُظَمَاءِ وَلَيْسَ كَذَالِكَ" ''بے شک کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سورج اور چاند صرف اور صرف بڑے لوگوں میں سے کسی عظیم مرتبے والے کی موت کی وجہ سے گہن زدہ ہوتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔'' (نسائی: 1486 ، ابن ماجہ: 1262 ۔ اس کی سند صحیح ہے۔) لوگوں کا عقیدہ تو کسی بڑے آدمی کی موت پر سورج کے سوگ کے حوالے سے تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے موت کے ساتھ ساتھ زندگی کا تذکرہ بھی کر کے ہر قسم کے وہم کا ردّ فرما دیا۔

آفتاب اور ماہتاب کا گہن زدہ ہونا اور بے نور ہوجانا اللہ کے غیظ وغضب کی علامت ہے اور وہ لوگوں کو یہ نشانی دکھا کر ڈراتا ہے، اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ غیرت مند ہونے کا تذکرہ فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ بڑا تحمل مزاج اور بہت حِلم والا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ غیرت مند بھی بہت زیادہ ہے، لوگوں کو زنا میں مبتلا جان کر اس کی غیرت جوش مارتی ہے اور اسی فحاشی وبدکاری کے عام ہوجانے کے موقع پر وہ سیلاب، زلزلہ، سونامی اور گرہن جیسی نشانیوں کے ذریعے سے اپنے غضب کا اظہار کرتا ہے۔

[445] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسُ مَعَهُ، فَقَامَ قِيَاماً طَوِيلاً، نَحْواً مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، قَالَ: ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعاً طَوِيلاً، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَاماً طَوِيلاً، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعاً طَوِيلاً، وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ قَامَ قِيَاماً طَوِيلاً، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعاً طَوِيلاً، وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَاماً طَوِيلاً، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعاً طَوِيلاً، وَهُو دُونَ الرُّكُوعِ الأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ. قَالُوا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گہنا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی اور لوگوں نے بھی آپ کے ہمراہ نماز پڑھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً سورۂ بقرہ (کی تلاوت میں صرف ہونے والے وقت) کے برابر لمبا قیام کیا، پھر لمبا رکوع کیا، پھر سر اٹھا کر لمبا قیام کیا جو پہلے قیام سے قدرے کم تھا، پھر آپ نے لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے نسبتاً کم تھا، پھر آپ نے (کھڑے ہونے کے بعد) سجدہ فرمایا، پھر (دوسری رکعت میں بھی) لمبا قیام کیا جو (سب سے) پہلے (یا اپنے سے پہلے) قیام سے کچھ کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا جو (سب سے) پہلے (یا متصل گزشتہ) رکوع سے ذرا کم تھا، پھر سر اٹھایا اور لمبا قیام کیا جو کہ (سب سے) پہلے (یا اپنے سے پہلے یعنی تیسرے) قیام سے کچھ چھوٹا تھا، پھر لمبا رکوع کیا جو (سب سے) پہلے (یا متصل پہلے) رکوع سے ذرا مختصر تھا، پھر سجدے میں چلے گئے، پھر اس حال میں نماز سے فارغ ہوئے کہ آفتاب روشن ہو چکا تھا، پھر فرمایا: ''یقیناً شمس وقمر اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جو نہ کسی

[445] (صحیح) صحيح البخاری، كتاب النكاح، باب كفران العشير وهو الزوج، حديث: 5179، نیز دیکھیے: 29، 431، 748، 1052، 3202، صحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب ماعرض على النبی ﷺ فی صلاة الكسوف، حديث: 907، ابوداؤد: 1181، ترمذی: 560، نسائی: 1470، مسنداحمد: 1/ 298 (6711)، دارمی: 1528۔

يَا رَسُولَ اللّٰهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئاً فِي مَقَامِكَ هَذَا ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ ، فَقَالَ : إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوداً ، وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا ، وَرَأَيْتُ النَّارَ ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَراً قَطُّ أَفْظَعَ ، وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ . قَالُوا : لِمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : لِكُفْرِهِنَّ . قِيلَ : أَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ ؟ قَالَ : وَيَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ ، وَيَكْفُرْنَ الإِحْسَانَ ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ كُلَّهُ ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئاً قَالَتْ : مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْراً قَطُّ .

کی موت کی بنا پر گہن زدہ ہوتے ہیں اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے ، لہٰذا جب تم اسے دیکھو تو اللہ کو یاد کیا کرو۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ! ہم نے آپ کو (حالتِ نماز میں) اپنی اسی جگہ پر دیکھا تھا کہ (جیسے) آپ کوئی چیز پکڑنے لگے تھے، پھر ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ (اُلٹے پاؤں) پیچھے ہٹ آئے تھے تو (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا:'' بے شک میں نے جنت دیکھی تھی (یا فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی گئی تھی) تو میں نے اس میں سے (انگور وغیرہ کا) ایک خوشہ پکڑنا چاہا تھا، اور اگر میں اُسے پکڑ لیتا تو جب تک دُنیا باقی رہتی تم اُس سے دکھاتے ہی رہتے ، اور (پھر) میں نے آگ دیکھی تھی (جس وقت کہ پیچھے ہٹا تھا)، چنانچہ میں نے آج کی طرح کا کبھی بھی کوئی بھیانک (ہولناک، ہیبت ناک، مکروہ اور گھبراہٹ آمیز) منتظر نہیں دیکھا اور میں نے دیکھا کہ جہنم والوں میں عورتیں (تعداد میں نسبتاً) زیادہ ہیں۔''لوگوں نے دریافت کیا کہ کس وجہ سے اے اللہ کے رسول؟ آپ ﷺ نے فرمایا:'' ان کے کفر کی وجہ سے۔'' پوچھا گیا کیا کہ وہ اللہ کا کفر کرتی ہیں؟ فرمایا:'' وہ خاوند (کا کفر اور کفران نعمت یعنی اُس) کی ناشکری کرتی ہیں، اسی طرح احسان (کا بھی کفر، انکار اور اس) کی ناشکری کرتی ہیں، اگر تو اُن میں سے کسی پر سارا زمانہ (یعنی زندگی بھر) احسان کرتا رہے، پھر وہ تجھ سے کوئی چیز دیکھ لے (یعنی تیری طرف اُسے ناگواری، ناراضی یا کوئی تکلیف و رنج پہنچ جائے) تو وہ کہہ اٹھے گی کہ میں نے تو تجھ سے کبھی بھی کوئی بھی خیر نہیں دیکھی۔ (تیرے ہاں کبھی سکھ کا سانس تک نہیں آیا۔)''

فائدہ :...... جب آپ ﷺ نے جنت دیکھی تھی تو آپ خوشہ توڑنے کے ارادے سے قدم اٹھا کر آگے بڑھ گئے تھے، (بخاری: 1212، مسلم: 901/3) لیکن وہ خوشہ اتنا بڑا تھا کہ ہاتھ میں نہ آسکا، (مسلم: 904/9) ویسے بھی آپ ﷺ نے بعد میں اسے پکڑنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ (مسلم 904/10) اور پیچھے اس لیے ہٹے تھے کہ کہیں آگ کی لپٹ آپ تک نہ پہنچ جائے۔ (مسلم 904/10) اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جہنم میں بنی اسرائیل کی یا حِمیَر قبیلے کی لمبے قد والی کالی عورت کو سزا پاتے دیکھا جس نے ایک بلی کو باندھے رکھا اور بھوکا پیاسا مار دیا تھا۔ (بخاری: 745، مسلم: 904/9) اسی طرح بنوخزاعہ قبیلے کے جدِّ امجد عمرو بن عامر بن لحی بن قمعہ بن جندف کو دیکھا جس نے بتوں کے نام پر جانوروں کو آزاد چھوڑنے کی شرکیہ رسم کا آغاز کیا تھا۔ (بخاری: 1212، 3521، مسلم

:901/3) اسی طرح جہنم میں صاحبُ الـمِحْجَن یعنی مڑے ہوئے سرے والی چھڑی کے ساتھ حاجیوں کا سامان چوری کرنے والے شخص کو بھی دیکھا جس کا تعلق بنو دَعْـــدَع قبیلے سے تھا اور نام ابوثمامہ عمرو بن مالک تھا، جو لوگوں کی چیزیں چھڑی میں اڑا کر گھسیٹ لے جاتا، کسی کو خبر ہو جاتی تو کہتا کہ خود بخود اٹک گیا ہے، آپ ﷺ نے اسے دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا تھا۔ (مسلم: 904/ 9، 10، نسائی: 1497) اور آپ ﷺ نے اپنے دو اونٹوں کو چُرانے والے شخص کو بھی دیکھا۔ (نسائی: 1497)

رہا یہ مسئلہ کہ رسول اللہ ﷺ نے جنت پہلے دیکھی یا جہنم، تو اس بارے میں موطا امام مالک کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی اسی روایت میں ہے کہ پہلے جنت دیکھی اور پھر جہنم دیکھی، لیکن مسلم شریف کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ((ثُـمَّ جِـیْءَ بِالْجَنَّةِ)) ''پھر بعد میں جنت لائی گئی۔'' (مسلم: 904/ 10) جبکہ بخاری و مسلم وغیرہ کی اکثر روایات میں ''ثُمَّ'' کی بجائے ''واؤ'' کے ساتھ دونوں کاموں کا تذکرہ ہے جس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون سا کام پہلے ہوا اور کون سا بعد میں کیونکہ ''واؤ'' (اور) کو ترتیب بیان کرنے کے لیے نہیں لاتے، البتہ ''ثُـــم (پھر) کے ساتھ ترتیب معلوم ہوتی ہے ....اب ایک طرف مسلم شریف کی حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ ہے تو دوسری طرف موطا امام مالک رحمہ اللہ کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے یہ الفاظ ہیں: ((ثُمَّ رَأَیْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ)) پھر بعد میں ہم نے آپ کو (جہنم کی وجہ سے) پیچھے ہٹتے دیکھا اور یہ روایت بخاری (748، 1052، 5197، صحیح مسلم: 907)، نسائی (1494) اور مسند احمد (1/ 298، 358) میں بھی ہے، اس لیے سند کے اعتبار سے یہی ترجیح پائے گی اور جابر رضی اللہ عنہ والی روایت میں ''ثُمَّ'' کی جگہ ''واؤ'' ہے اور جنت کا ذکر پہلے اور جہنم کا بعد میں ہے۔ (مسلم: 904/ 9) واللہ اعلم بالصواب۔

ایک دفعہ نمازِ ظہر میں بھی رسول اللہ ﷺ کو قبلہ کی جانب والی دیوار پر جنت و جہنم کی تمثیل اور صورت دکھائی گئی تھی۔ (بخاری: 540، مسلم: 2359/ 136)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عورتوں کی ناشکری کا جو تذکرہ ہے وہ عام اور اکثر عورتوں کی صورت حال کی عکاسی کر رہا ہے ورنہ اکا دکا عورتیں تو شکر گزاری میں مردوں سے بھی آگے نکل سکتی ہیں، نیز معلوم ہوا کہ احسان فراموشی باعث جہنم ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

[446] وَحَـدَّثَـنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَى بْنِ سَـعِیدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ

سیدہ عائشہ زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ ایک یہودن عورت ان کے پاس آئی، وہ ان سے کچھ مانگ رہی تھی،

[446] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الکسوف، باب التعوذ من عذاب القبر فی الکسوف، حدیث: 1049، 1050، 1055، 1056، 6366، صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب ذکر عذاب القبر فی صلاة الخسوف، حدیث: 903، نسائی: 1476، مسند احمد: 6/ 53 (24772)، دارمی: 1527.

عَـائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، أَنَّ يَهُودِيَّةً جَاءَ تْ تَسْأَلُهَا فَقَالَتْ : أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ، فَسَأَلَتْ عَـائِشَةُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ : أَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِي قُبُورِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ، عَـائِذاً بِاللّٰهِ مِنْ ذَلِكَ ، ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَباً ، فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ ، فَرَجَعَ ضُحًى ، فَمَرَّ بَيْنَ ظَهْرَانَي الْحُجَرِ ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي ، وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَهُ ، فَقَامَ قِيَاماً طَوِيلاً ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعاً طَوِيلاً ، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَاماً طَوِيلاً ، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعاً طَوِيلاً ، وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ ، ثُمَّ قَامَ قِيَاماً طَوِيلاً ، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعاً طَوِيلاً ، وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَاماً طَوِيلاً ، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعاً طَوِيلاً ، وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ، ثُمَّ رَفَعَ ، ثُمَّ سَجَدَ ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ ، ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ .

(اور مانگنے والوں کی عادت کے مطابق) وہ کہنے لگی کہ اللہ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا لوگوں کو ان کی قبروں میں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں بھی اس (عذاب قبر) سے اللہ کی پناہ کا طالب ہوں۔'' پھر (یوں ہوا کہ) ایک (دن) صبح (کے وقت) آپ ﷺ سواری پر سوار ہوئے تو (ادھر) سورج گہن میں آ گیا، آپ ﷺ چاشت ہی کے وقت واپس لوٹ آئے پھر (امہات المومنین کے) حجروں کے درمیان سے گزرے، پھر (مسجد میں آ کر) کھڑے ہوئے اور نماز ادا کرنے لگے، لوگ بھی آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، چنانچہ آپ ﷺ نے لمبا قیام کیا، پھر لمبا رکوع کیا، پھر سر اٹھا کر لمبا قیام کیا جو پہلے قیام سے چھوٹا تھا، پھر لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سر اٹھایا، پھر سجدے میں چلے گئے، پھر (دوسری رکعت میں بھی) لمبا قیام کیا جو پہلے قیام سے کچھ کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے نسبتاً کم تھا، پھر سر اٹھا کر لمبا قیام کیا جو پہلے قیام سے ذرا کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے قدرے کم تھا، پھر سر اٹھایا، پھر سجدے میں چلے گئے، پھر (سلام پھیر کر نماز سے) فارغ ہوئے پھر جو کچھ اللہ نے چاہا آپ ﷺ نے (خطبے میں) ارشاد فرمایا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ عذاب قبر سے پناہ مانگیں۔

فائدہ:...... موطا امام مالک کی ان تینوں روایات میں ہر رکعت کے دو، دو رکوعوں کا تذکرہ ہے، بخاری شریف کی اس موضوع کی تمام روایات میں بھی دو، دو رکوع ہی مذکور ہیں، لیکن امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہر رکعت میں تین تین رکوع (مسلم: 904) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فی رکعت چار، چار رکوع ذکر کیے ہیں۔ (مسلم: 908، 909) امام ابوداؤد نے پانچ پانچ رکوع بھی ذکر کیے ہیں۔ (ابو داؤد: 1182۔ اس کی سند میں ابوجعفر رازی ضعیف ہے۔)......حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ (ابو داؤد: 1184، نسائی: 1485۔ سند ضعیف ہے) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (ابو داؤد:

1194۔سند ضعیف ہے) کی روایات میں صرف ایک ایک رکوع کا تذکرہ ہے، اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا، پھر دعا مانگ کر مزید دو رکعتیں پڑھیں اور پھر دعا مانگی...... بہت سے علماء نے تو ان تمام روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ سب طریقے درست ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی کوئی طریقہ اختیار کیا اور کبھی کوئی اور...... لیکن جمہور علماء ومفتیان، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، بیہقی، بخاری، ابن عبدالبر، ابن تیمیہ، ابن قیم، صنعانی، شوکانی، البانی، اور شیخ احمد شاکر رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک ان روایات میں تطبیق ممکن نہیں، کیونکہ تحقیق کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صرف ایک دفعہ سورج گرہن کا واقعہ ہوا تھا، اس لیے سند کے اعتبار سے صرف اور صرف ان روایات کو ترجیح حاصل ہے جن میں دو، دو رکوعوں کا تذکرہ ہے۔

مستند ماہر فلکیات محمود پاشا فلکی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "نتائج الافهام فی تقویم العرب قبل الاسلام" میں نہایت باریک بینی، عرق ریزی اور دقیق حساب کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ عہدِ رسالت میں 29 شوال 10ھ بمطابق 27 جنوری 632ء سوموار کے دن صبح کے ساڑھے آٹھ بجے سورج گرہن کا واقعہ رونما ہوا، نیز ایک ہی واقعہ چاند گہن کا بھی ہوا تھا جو 14 جمادی الثانیہ 4ھ بمطابق 20 نومبر 625ء کو بدھ کی رات پیش آیا لیکن اس کے متعلق نماز کی کوئی روایت ثابت نہیں۔

احناف نے گرہن کی نماز میں فی رکعت صرف ایک ایک رکوع کو اختیار کیا ہے، پھر بعض احناف نے دو سے زائد رکوعوں والی روایات کو اوہام اور دو رکوعوں والی روایت کو نبی کریم ﷺ کا خاصہ قرار دیا ہے، بعض نے ظاہری تعارض دیکھ کر تمام روایات کو ناقابل عمل قرار دے کر عام نمازوں کی طرح نماز پڑھنے کا فیصلہ کیا اور بعض نے ایک رکوع والی روایات کو طرح طرح سے ترجیح دینے کی کوشش کی، تفصیل کے لیے دیکھیے مرعاۃ المفاتیح: ج5 ص 124۔133۔

2- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ

نماز گرہن کے متعلق مروی (ایک اور) روایت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک حدیث نبوی ہے جو بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے۔

[447] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، أَنَّهَا

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں (باپ کی طرف سے اپنی چھوٹی بہن) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس سورج گہن کے موقع پر آئی تو اچانک

[447] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب الوضوء، باب من لم يتوضأ الامن الغشی المثقل، حديث: 184، نیز دیکھیے: 86، 922، 1053، 1054، 1061، 1235، 2519، 2520، 7287، صحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب ماعرض على النبی ﷺ فی صلاة الكسوف، حديث:905، مسنداحمد:6/ 345، 346.

قَـالَـتْ : أَتَيْـتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ ، فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّون ، وَإِذَا هِـيَ قَـائِمَةٌ تُصَلِّي ، فَقُلْتُ : مَا لِلنَّاسِ ؟ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ وَقَالَتْ : سُبْحَانَ اللّٰهِ ، فَقُلْتُ : آيَةٌ ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ نَعَمْ ، قَـالَـتْ : فَـقُـمْـتُ حَتَّـى تَـجَلَّانِي الْغَشْيُ ، وَجَـعَـلْـتُ أَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِي الْمَاءَ ، فَحَمِدَ اللّٰهَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَـذَا ، حَتَّـى الْجَنَّةُ وَالنَّارُ ، وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّـكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ ، أَوْ قَرِيباً ، مِنْ فِتْـنَةِ الـدَّجَّالِ - لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ - يُـؤْتَـى أَحَـدُكُـمْ فَيُقَالُ لَهُ : مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الـرَّجُـلِ ، فَـأَمَّـا الْـمُؤْمِنُ ، أَوِ الْمُوقِنُ - لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَـالَـتْ أَسْـمَـاءُ فَيَـقُولُ : هُوَ مُـحَـمَّـدٌ رَسُـولُ الـلّٰـهِ ، جَـاءَ نَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُـدَى ، فَـأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا ، فَيُقَالُ لَهُ : نَمْ صَالِحاً ، قَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِناً ، وَأَمَّا الْـمُـنَـافِـقُ ، أَوِ الْـمُـرْتَابُ - لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَـالَـتْ أَسْـمَـاءُ - فَيَقُولُ : لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئاً فَقُلْتُهُ .

(کیا دیکھتی ہوں کہ) لوگ کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں۔ اور نا گہاں (سیدہ عائشہ ؓ پر نظر پڑی تو) وہ بھی کھڑی نماز پڑھ رہی تھیں، میں نے (ان سے ان کی حالتِ نماز میں) پوچھا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تو انھوں نے اپنے ہاتھ کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ کر دیا اور (ساتھ ہی منہ سے) سبحان اللہ کہا، (چونکہ یہ کلمہ تعجب کے وقت ادا کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و شان پر بھی دلالت کرتا ہے، اس لیے اندازے سے) میں نے کہا کہ (کیا قدرت الٰہیہ کی) کوئی نشانی (نمودار ہوگئی ہے)؟ تو انھوں نے اپنے سر کے اشارے سے ہاں میں جواب دیا، (حضرت اسماء ؓ) کہتی ہیں کہ پھر میں بھی (ان کے ساتھ ہی نماز کے لیے) کھڑی ہوگئی یہاں تک کہ (شدید گرمی کی بنا پر) مجھ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی اور میں (نماز ہی میں) اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ (الغرض نماز ختم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا،) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر ارشاد فرمایا: ''کوئی بھی ایسی چیز جسے میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا میں نے اسے یقیناً اپنی اس جگہ (گرہن کی نماز) میں دیکھ لیا ہے یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو بھی، اور بلاشبہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ بے شک تمھیں قبروں میں فتنہ دجال کی مثل یا (فرمایا کہ) اس کے قریب قریب آزمائش میں ڈالا جائے گا۔'' (حدیث کی راویہ فاطمہ بنت منذر ؒ کہتی ہیں کہ) مجھے علم نہیں رہا کہ حضرت اسماء ؓ نے ان دونوں (لفظوں یعنی مثل اور قریب) میں سے کون سا لفظ بولا تھا، (بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''تم میں سے ہر ایک کے پاس (قبر میں) حاضر ہوا جائے گا، (منکر نکیر آئیں گے) تو (ان کی طرف سے) پوچھا جائے گا کہ تمھیں اس (مشہور و معروف) شخصیت کے متعلق کیا علم ہے؟ رہا ایمان رکھنے والا یا (فرمایا کہ رہا) یقین رکھنے والا، (فاطمہ بنت منذر ؒ

کہتی ہیں کہ) میں نہیں جانتی کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان (دونوں لفظوں یعنی ایمان رکھنے والا اور یقین رکھنے والا) میں سے کون سالفظ بولا تھا، (مفہوم تو دونوں کا ایک ہی ہے بہرحال یہ ایمان و یقین والا شخص فرشتوں سے) کہے گا کہ وہ (مشہور ومعروف شخصیت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، جو اللہ کے رسول ہیں، جو ہمارے پاس (اللہ کی طرف سے) کھلے دلائل اور ہدایت لے کر آئے ، ہم نے (ان کی دعوت کو) قبول کیا، (ان پر) ایمان لائے اور (ان کی) اتباع کی۔ (تین بار یہی جواب دے گا) چنانچہ اس سے کہا جائے گا کہ اچھی طرح (اور پورے امن وسکون سے) سو جاؤ، یقیناً ہمیں علم تھا کہ بلاشبہ تو مومن ہے، رہا منافق یا (فرمایا) شک کرنے والا شخص (فاطمہ بنت منذر رحمہ اللہ کہتی ہیں کہ) کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان میں سے کون سا لفظ بولا تھا، تو (بہرحال یہ شک و نفاق والا) کہے گا کہ مجھے (اس آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے متعلق) کوئی علم نہیں، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تھا تو (جو سنا) وہ میں نے بھی کہہ دیا (لیکن نہ کبھی حقیقت کو جانا نہ تسلیم کیا)۔''

فائدہ :...... اس گرہن کے خطبے میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے متعلق یہی مختصر سا بیان فرمایا ہے ، لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں تین سوال پوچھے جاتے ہیں، تیرا رب کون؟ تیرا نبی کون؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ پھر مومن کے لیے آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کا بچھونا بھی جنت سے لا کر بچھاؤ، اسے لباس بھی جنت کا پہناؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ اس کے پاس جنت کی عمدہ ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے اور اس کی قبر کو حد نگاہ تک کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ (ابو داؤد : 4753۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اسے جہنم کا ٹھکانہ دکھا کر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے بچا کر اس کے بدلے جنت میں جگہ عطا فرما دی ہے۔ چنانچہ وہ دونوں کو دیکھتا ہے۔ (بخاری: 1338 ، مسلم :2870) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اس کی قبر کو چاروں طرف ستر ستر ہاتھ وسیع کر دیا جاتا ہے ، (یاد رہے کہ عام طور پر ستر کا لفظ صرف کثرت بیان کرنے کے لیے بولا جاتا ہے اور تحدید مقصود نہیں ہوتی اور پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ اس کی قبر حد نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے) پھر اسے نور سے بھر دیا جاتا ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ سو جا، وہ کہتا ہے کہ میں اپنے اہل وعیال کے پاس جانا چاہتا ہوں تا کہ ان کو (اپنے شاندار رزلٹ کی) خبر دوں لیکن فرشتے کہتے ہیں: (نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ) ''دلہن کی طرح سو جا جسے اس کا محبوب ہی جگاتا ہے۔'' (ترمذی:1071۔ اس کی سند حسن ہے)......دوسری جانب کافر ومنافق کو منکر نکیر کے سوالوں کے جواب ہی نہیں آتے تو آسمان سے آواز آتی ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے، اس کا بچھونا بھی جہنم سے لاؤ، اسے لباس بھی آگ کا پہناؤ، اور آگ کی طرف اس کے لیے ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ اس کے پاس آگ کی شدید گرمی اور لو پہنچتی ہے۔ (ابو داؤد : 4753۔ اس کی سند حسن ہے۔) اسے حسرت وافسوس میں بڑھانے کے لیے جنت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دیکھ، اللہ نے اسے تجھ سے دور کر

دیا ہے۔(ابن ماجه 4268:اس کی سند صحیح ہے) فرشتے اسے ڈانٹتے ہوئے کہتے ہیں:((لَا دَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ)) ''نہ تو نے جانا اور نہ تو نے پڑھا (اور نہ ہی تو نے نیک لوگوں کی راہ کی پیروی کی)، پھر اس کے کانوں کے درمیان میں یعنی سر پر لوہے کے ایک ہتھوڑے کی ضرب لگائی جاتی ہے اور وہ ایسی چیخ مارتا ہے جسے جن وانس کے علاوہ ساری مخلوق سنتی ہے۔ (بخاری : 1338، مسلم: 2870)اور اس کی قبر کو اس پر اتنا تنگ کر دیا جاتا ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں، پھر ایک ایسا فرشتہ اس پر متعین کر دیا جاتا ہے جس کی نہ آنکھیں ہوتی ہیں (کہ دیکھ کر رحم آئے) اور نہ کان ہوتے ہیں (کہ سن کر رحم آئے) اس کے پاس لوہے کا ایک ایسا ہتھوڑا ہوتا ہے کہ جسے اگر کسی پہاڑ پر مارا جائے تو وہ بھی مٹی بن جائے، پھر وہ فرشتہ اس شخص کو ایسی ضرب لگاتا ہے کہ جسے مشرق ومغرب کے درمیان کی ہر چیز سن لیتی ہے سوائے جنوں اور انسانوں کے، چنانچہ وہ بالکل مٹی (کی طرح ریزہ ریزہ) ہو جاتا ہے، پھر اس میں روح لوٹا دی جاتی ہے (اور قیامت تک اس کے ساتھ یہی کچھ ہوتا رہتا ہے)(ابــــوداؤد : 4753۔اس کی سند صحیح ہے) اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب قبر سے محفوظ فرمائے۔

موطا امام مالک رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا روایت کے یہ جو الفاظ ہیں: ''کوئی بھی ایسی چیز جسے میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا اسے میں نے اپنی اس جگہ میں دیکھ لیا ہے۔'' ان الفاظ سے بریلوی نبی اکرم ﷺ کا کلی عالم الغیب ہونا ثابت کرتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اشعار کہنے کا علم نہیں تھا۔(یــس 69:36) آپ ﷺ نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ لکھی ہوئی چیز کو پڑھ سکتے تھے۔(الـعـنـكـبـوت 48:29) نہ آپ ﷺ کو قیامت کی متعین تاریخ کا علم تھا۔ (الاعراف 187:7، ملك 26:67) آخری نازل ہونے والی سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں بہت سے منافقین ہیں جن کو آپ ﷺ نہیں جانتے، البتہ ہم جانتے ہیں۔(التوبة 101:9) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حوض کوثر پر بدعتیوں کو دور ہٹانے والے فرشتے میرے پوچھنے پر جواب دیں گے کہ یقیناً آپ نہیں جانتے کہ انھوں (یعنی بدعتی لوگوں) نے آپ کے بعد کیا کچھ ایجاد کر لیا تھا۔(بخاری : 6526، مسلم : 2295) نیز اسی گرہن والی روایت میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ دو بار بیان فرمائے:((مَـامِنْ شَیْءٍ تُوْعَدُوْنَهٗ اِلَّا قَـدْ رَأَیْتُـهٗ فِـیْ صَلَاتِیْ هٰذِهٖ)) ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ ہے وہ میں نے یقیناً اپنی اس نماز میں دیکھ لی ہے۔ (مسلم : 904/ 10) اور خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گرہن کے متعلق روایت میں یہ الفاظ ہیں:"رَاَیْـتُ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا كُـلَّ شَــیْءٍ وُعِـدْتُّمْ" ''میں نے اپنی اس جگہ میں ہر وہ چیز دیکھ لی ہے جس کا تمھیں وعدہ دیا گیا ہے۔''(مسلم: 901/ 3، نسائی:1473) اور ایک روایت میں ہے۔:((رَأَیْـتُ فِـیْ مَقَامِیْ هٰذَا كُلَّ شَیْءٍ وُعِدْتُّهٗ)) ''میں نے اپنے اس مقام میں ہر وہ چیز دیکھی جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔''(بــخــــاری : 1212)......الغرض ''ما'' اور ''کل'' کے الفاظ میں عموم ہوتا ضرور ہے لیکن صرف ایک خاص حد تک، اس میں کائنات کی ہر چیز شامل نہیں ہوتی، لہٰذا

موطاامام مالک رحمہ اللہ کی روایت کا عموم دوسرے دلائل شرعیہ کی روشنی میں صرف اس حد تک ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور امت محمد یہ کوجس اخروی سزا و جزا کے متعلق خبر دی گئی تھی وہ رسول اللہ ﷺ کونماز گرہن میں آنکھوں سے بھی دکھادی گئی۔

اس مذکورہ بالا روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:((مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ))''(اس سے پوچھا جاتا ہے کہ)تمھیں اس شخص کے بارے میں کیا علم ہے؟ بعض جاہل لوگ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ "هٰذَا" اسم اشارہ قریب سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ ہر میت کی قبر میں اپنے جسم و روح کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں، بعض یہ کہتے ہیں کہ میت اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کی درمیانی رکاوٹیں ختم کر دی جاتی ہیں، اور بعض اس سے رسول اللہ ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرتے ہیں ......حالانکہ یہ مسئلہ عقیدے اور غیب کے امور سے تعلق رکھتا ہے۔ جسے احتمالات سے ثابت نہیں کیا جاسکتا، اپنی رائے سے، کسی کے قول سے یا کسی ضعیف روایت سے کوئی عقیدہ بنالینا درست نہیں ...... یاد رکھیے...... "هٰذَا" کے لفظ سے اشارہ، ہمیشہ کسی ظاہر نظر آنے والی چیز ہی کی طرف نہیں ہوتا بلکہ یہ لفظ ذہن میں موجود چیز کی طرف اشارے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، ایسی چیزوں کو'' معہود ذہنی''(یعنی ذہن میں معلوم) کہتے ہیں ......اہل عرب اس لفظ کا استعمال ہر دو طرح سے کرتے تھے:مشہور و معروف شخصیت کے تذکرے میں "هٰـــذَا" کا استعمال عام تھا حتی کہ ان لوگوں میں بھی جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی انھوں نے کوئی اسلامی عقیدہ سیکھا تھا۔ مثلاً قیصرِ روم جو مسلمانوں کے خلاف جنگیں لڑتا رہا تھا اور جس کا نام ہرقل تھا اس نے اپنے دربار میں کفار مکہ سے پوچھا:((اَيُّكُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ)) ''تم میں سے کون ''اس شخص'' کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے، جو کہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے۔'' چنانچہ اس نے اس موقع پر چار دفعہ ''هٰذَا'' کا استعمال کیا۔(بخاری: 7، مسلم: 1773) ......اسی طرح وہ کافر عورت جس کے مشکیزے سے نبی کریم ﷺ کا پانی والا معجزہ ظاہر ہوا۔ جب وہ اپنے گھر گئی اور گھر والوں نے تاخیر کا سبب پوچھا تو کہنے لگی:((لَقِيَنِيْ رَجُلَانِ فَذَهَبَا بِيْ اِلٰى هٰذَا الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ)) ''دو آدمی مجھ سے ملے جو مجھے ''اس شخص'' کے پاس لے گئے جسے صابی کہا جاتا ہے۔''(بخاری:344) ......یہی صورت حال میت والی روایت میں ہے، چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:((مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ)) ''کون تھا ''یہ شخص'' جو تم میں مبعوث ہوا۔''(ابوداؤد: 4753۔ اس کی سند صحیح ہے۔) بلکہ مسند احمد اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ پہلے اس سے پوچھا جائے گا:((مَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ))''تو ''اس شخص'' کے متعلق کیا کہتا ہے؟ تو وہ پوچھتا ہے کہ ((مَنْ))''کون؟'' تو اسے کہا جاتا ہے:((مُحَمَّدٌ)) ''محمد (ﷺ)۔(مرعاۃ المفاتیح : 1/ 220)

13

كِتَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ

بارش مانگنے (کی نماز اور دعا) کے متعلق کتاب

خلاصۃ الباب اس کتاب میں تین ابواب اور چھ روایات ہیں جن میں سے پانچ مرفوع یعنی احادیث نبویہ ہیں، ان میں سے تین صحیح، ایک حسن اور ایک ضعیف ہے، چھٹی روایت موقوف یعنی اثرِ صحابی ہے جو کہ سنداً ضعیف ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ جات بھی ہیں۔

فائدہ :...... بارش کی بندش کے موقع پر بارش طلب کرنے کو استسقاء کہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے مخصوص طریقے سے پڑھی جانے والی نماز کو نمازِ استسقاء کہتے ہیں، جمہور امت اسی کے قائل ہے، سوائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے باقی تمام ائمہ وفقہائے کرام اس نماز کی مشروعیت کے قائل ہیں، نیز یہ نماز نوافل ہی میں شمار ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس موقع پر صرف دعا ہی مانگی جائے گی، البتہ امام محمد رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی جمہور کی طرح اس نماز کو تسلیم کرتے ہیں اور احناف بھی اس نماز کا جواز تسلیم کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر نماز کے صرف بارش مانگنا بھی ثابت ہے اور نماز کے ساتھ بھی، نیز حصولِ بارش کے لیے زکاۃ کی ادائیگی پابندی سے کرنی چاہیے۔ (ابن ماجه: 4019۔ اس کی سند حسن ہے) اور موسلا دھار بارشوں کے لیے کثرت سے استغفار کو معمول بنالینا چاہیے۔ (سورۂ نوح 71:10۔ 12، سورۂ هود 11:52)

1- اَلْعَمَلُ فِيْ الْاِسْتِسْقَاءِ

بارش طلب کرنے کے طریقہ کار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک حدیث نبوی ہے جو کہ بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

[448] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ　　حضرت عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے

[348] (صحیح) صحيح البخاري، كتاب الاستسقاء، باب الاستسقاء وخروج النبي صلی اللہ علیہ وسلم في الاستسقاء، حديث: 1005، 1011، 1012، 1023 — 1028، 6343، صحيح مسلم، كتاب صلاة الاستسقاء، باب صلاة الاستسقاء، حديث:849، ابوداؤد:1161، ترمذي:556، نسائي:1506، ابن ماجه:1267، دارمي:1533.

اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ يَقُولُ : سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدٍ الْمَازِنِيَّ يَقُولُ : خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى الْمُصَلَّى فَاسْتَسْقَى وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِينَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ .

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ کی طرف نکلے، پھر بارش کی دعا مانگی اور جب قبلہ کی طرف رخ کیا تو اپنی چادر کو بھی الٹا لیا۔

فائدہ :...... یہ روایت ذرا تفصیل کے ساتھ یوں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو اس دن دیکھا جب آپ استسقاء کے لیے باہر نکلے تھے، آپ نے لوگوں کی طرف اپنی پشت کو پھیر لیا اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرنے لگے، پھر (اسی دعا کی حالت میں) اپنی چادر کا رخ بھی تبدیل کر لیا، پھر ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں جن میں آپ نے بآواز بلند قراءت کی۔ (بخاری : 1025، مسلم : 894)

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ صَلَاةِ الاسْتِسْقَاءِ كَمْ هِيَ ؟ فَقَالَ : رَكْعَتَانِ، وَلَكِنْ يَبْدَأُ الإِمَامُ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يَخْطُبُ قَائِماً وَيَدْعُو، وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَيُحَوِّلُ رِدَاءَهُ حِينَ يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ، وَيَجْهَرُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بِالْقِرَاءَةِ، وَإِذَا حَوَّلَ رِدَاءَهُ، جَعَلَ الَّذِي عَلَى يَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ، وَالَّذِي عَلَى شِمَالِهِ عَلَى يَمِينِهِ، وَيُحَوِّلُ النَّاسُ أَرْدِيَتَهُمْ إِذَا حَوَّلَ الإِمَامُ رِدَاءَهُ، وَيَسْتَقْبِلُونَ الْقِبْلَةَ وَهُمْ قُعُودٌ .

امام مالک رحمہ اللہ سے نمازِ استسقاء کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس کی کتنی رکعتیں ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: اس کی دو رکعتیں ہیں اور لیکن (مکمل طریقہ کچھ یوں ہے کہ) امام خطبہ دینے سے پہلے نماز کے ساتھ آغاز کرے گا اور دو رکعتیں پڑھائے گا، پھر کھڑا ہو کر خطبہ دے گا اور دعا مانگے گا اور (اسی دوران وہ مقتدیوں کی طرف سے منہ موڑ کر) قبلہ کی جانب رخ کر لے گا اور قبلہ رخ ہوتے وقت اپنی چادر کو بھی الٹا لے گا، اور وہ دونوں رکعتوں میں جہری قراءت کرے گا اور جب وہ چادر کو پھیرے گا تو اس کے دائیں کنارے کو اپنی بائیں طرف اور بائیں کنارے کو اپنی دائیں جانب لے آئے گا اور جب امام اپنی چادر کو پلٹائے گا تو لوگ بھی اپنی چادریں الٹا لیں گے اور وہ بیٹھے بیٹھے ہی سب قبلہ رخ ہو جائیں گے۔

فائدہ :......نمازِ استسقاء کا مکمل طریقہ کار کچھ یوں ہے کہ لوگ کوئی دن طے کر کے اس میں انتہائی عاجزی کی شکل بنے، سادہ کپڑے پہنے اور کندھوں پر چادریں رکھے سورج نکلنے کے فوراً بعد عیدگاہ یا عام آبادی سے باہر کسی جگہ اکٹھے ہوں گے، منبر ساتھ لے جانا بھی سنت ہے، اب امام پہلے خطبہ دے، اور بعد میں نماز پڑھائے۔ ابو داؤد شریف کی روایت کے مطابق امام پہلے منبر پر بیٹھ جائے اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں، وہ اپنے خطبہ میں وعظ ونصیحت، قحط

سالی اور بارش کی بندش کا ذکر کرے، دعا و استغفار کی تلقین کرے اور اگر لوگوں کو پہلے سے طریقہ استسقاء معلوم نہ ہو تو اب بتادے، پھر سب لوگ امام کے ہمراہ ہاتھوں کو کندھوں سے بھی ذرا بلند کر کے دعا شروع کر دیں، استغفار پر زیادہ توجہ دیں، دعا کرتے کرتے لوگ بھی جو امام کی طرف منہ کیے بیٹھے تھے، قبلہ رخ ہو جائیں اور امام بھی کھڑا ہو کر منبر کے اوپر ہی قبلہ کی طرف اپنا منہ موڑ لے اور مڑتے مڑتے اپنے کندھوں پر موجود چادر کو تبدیل کر لے، اس موقع پر مقتدی بھی اپنی چادریں الٹا لیں، چادر پلٹانے کے دو طریقے ہیں: (۱) صرف کندھوں کے اوپر اوپر اس طرح پلٹائیں کہ دایاں کنارہ بائیں جانب اور بایاں کنارہ دائیں جانب آ جائے اور جسم کے ساتھ ملی ہوئی اندر والی جانب باہر کو اور باہر والی جانب اندر چلی جائے۔ (۲) دوسرا طریقہ اگر ممکن ہو تو ٹھیک ہے ورنہ لازم نہیں ہے، اس میں مذکورہ بالا چار تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ دو مزید تبدیلیاں یہ ہوتی ہیں کہ چادر کا بالائی کنارہ نیچے اور نیچے لٹکا ہوا کنارہ اوپر کندھوں پر آ جائے......بہر حال پھر کچھ دیر تک دعا مانگنے کے بعد اپنے ہاتھوں کا رخ بھی الٹا کر لیں، الٹے ہاتھوں سے دعا مانگنے کے کچھ دیر بعد امام منبر سے نیچے اتر آئے اور پھر جہری قراءت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھائے، بعد ازاں لوگ واپس آ جائیں۔ یہ طریقہ تفصیل کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔ (ابو داؤد: 1173۔ اس کی سند حسن ہے) دعا کرتے کرتے ہاتھوں کا رخ موڑنا صرف اس موقع پر ثابت ہے۔ (مسلم: 896) ہاتھوں کو دعا کے وقت کندھوں سے اوپر کرنا بھی صرف بارش کی دعا میں ثابت ہے۔ (بخاری: 1031، مسلم: 895، 896) لیکن ہاتھ سر سے بلند نہ ہوں۔ (ابو داؤد: 1168، ترمذی: 557۔ اس کی سند صحیح ہے۔) دعا کے دوران اپنا رخ موڑنے، چادر پلٹانے اور ہاتھوں کو بھی الٹا کر لینے میں دراصل دعا اور سوال ہی کا ایک پہلو ہے کہ اے پروردگار! جس طرح ہم نے یہ تبدیلیاں کی ہیں اسی طرح تو بھی ہمارے حالات اور موسم کو تبدیل کر کے آسمان سے رحمت کے دروازے ہم پر کھول دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور باقی کام کیے، (ابن ماجہ: 1268، مسند احمد: 2/ 362، بیہقی: 2/ 347۔ اس کی سند ضعیف ہے۔)

2- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ الاِسْتِسْقَاءِ

بارش مانگنے کے متعلق مروی مزید روایات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو احادیث نبویہ ہیں جن میں سے ایک صحیح اور دوسری حسن ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[449] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عمرو بن شعیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[449] (حسن) سنن ابی داؤد، کتاب صلاۃ الاستسقاء، باب رفع الیدین فی الاستسقاء، حدیث: 1176، بیهقی فی السنن الکبری: 3/ 356 و فی الدعوات الکبیر: 2/ 266، عبدالرزاق: 3/ 92(4912۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے حسن کہا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ (صحیح سنن ابی داؤد: 1043، صحیح الجامع: 4666)

يَـحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا اسْتَسْقَى قَالَ : اللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيمَتَكَ ، وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ ، وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ .

جب بارش کی دعا مانگتے تو فرماتے: ''اے اللہ! اپنے بندوں اور جانوروں کو پانی پلا اور اپنی رحمت کو (ہم پر) پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو زندہ (اور آباد) فرما۔''

فائدہ: ......موطا میں یہ روایت مرسل ہے، البتہ امام ابوداود اور دیگر محدثین نے اسے عن ابیہ عن جدہ کے واسطہ سے متصل اور باسند بیان کیا ہے، اس لحاظ سے یہ روایت قابل حجت ہے۔

[450] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، أَنَّهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْمَوَاشِي ، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ ، فَادْعُ اللّٰهَ . فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ، فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ . قَالَ : فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ ، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ ، وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي . فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : اللّٰهُمَّ ظُهُورَ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ ، وَبُطُونَ الْأَوْدِيَةِ ، وَمَنَابِتَ الشَّجَرِ قَالَ : فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس (خطبہ جمعہ کے دوران) آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! (بارش نہ ہونے کی وجہ سے) چوپائے ہلاک ہوگئے ہیں اور (سامان خرید وفروخت نہ ہونے کی وجہ سے یا خشک سالی کی وجہ سے ریت اڑ اڑ کر) راستے بند ہوگئے ہیں، لہٰذا اللہ سے دعا کیجئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے (وہیں منبر پر دوران خطبہ) دعا فرمائی تو جمعہ ہی سے بارش ہونے لگی، (جو اگلے جمعہ تک مسلسل جاری رہی) تو پھر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! (زیادہ پانی اور سیلاب کی وجہ سے) گھر منہدم ہوگئے ہیں، راستے بند ہو چکے ہیں اور جانور مر رہے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ! (ان بادلوں کو لے جا) پہاڑوں پر، ٹیلوں پر، وادیوں کے نشیبوں پر اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (یہ دعا ہوتے ہی) بادل مدینہ منورہ سے کپڑے کے پھٹنے کی طرح پھٹ گیا (اور مدینہ کے اوپر آسمان صاف ہوگیا)۔''

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ فَاتَتْهُ صَلَاةُ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس

[450] (صحیح)صحیح البخاری، کتاب الاستسقاء، باب اذا استشفعوا الی الامام لیستسقی لهم ، حدیث :1019، 932، 933، 1013، 1021، 1029، 1033، 3582، 6093، 6342، صحیح مسلم ، کتاب صلاة الاستسقاء ، باب الدعاء فی الاستسقاء ، حدیث 897، ابوداؤد: 1174، نسائی: 1505، مسند احمد :3/ 104 .

الاسْتِسْقَاءِ، وَأَدْرَكَ الْخُطْبَةَ، فَأَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَهَا فِي الْمَسْجِدِ، أَوْ فِي بَيْتِهِ إِذَا رَجَعَ، قَالَ مَالِكٌ: هُوَ مِنْ ذَلِكَ فِي سَعَةٍ، إِنْ شَاءَ فَعَلَ أَوْ تَرَكَ.

سے نماز استسقاء رہ جائے لیکن وہ خطبہ پالے پھر وہ ارادہ کرے کہ اسے مسجد میں ادا کرلے گا یا جب واپس لوٹے گا تو گھر میں پڑھ لے گا، تو امام صاحب ؒ نے فرمایا کہ (اسے) اس معاملے میں (اختیار حاصل ہے اور) وہ وسعت رکھتا ہے، چاہے تو وہ ایسا کرلے اور چاہے تو ایسا نہ کرے (کیونکہ یہ نماز نفلی ہی ہے نہ کہ فرضی)

3- بَابٌ: اَلاِسْتِمْطَارُ بِالنُّجُوْمِ

تاروں کے ذریعے بارش طلب کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع احادیث نبویہ ہیں، ایک صحیح اور دوسری موضوع ہے جبکہ ایک موقوف روایت ہے اور وہ بھی ضعیف ہے۔

[451] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ، عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: أَتَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِي، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر رات کو ہونے والی بارش کے بعد فجر کی نماز پڑھائی، پھر جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف (رخ پھیر کر) متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے رب نے کیا کہا ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے کہا ہے کہ (آج) میرے کچھ بندے میرے ساتھ ایمان لانے والے بن گئے اور کچھ کافر ہو گئے، سو جس نے تو یہ کہا کہ ہمیں اللہ کے فضل اور رحمت سے بارش عطا کی گئی، تو یہ میرے ساتھ ایمان رکھنے والا اور ستارے (کی تاثیر) کا انکار و کفر کرنے والا شخص ہے اور رہا وہ شخص جس نے یہ کہا کہ ہمیں فلاں

[451] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب یستقبل الامام الناس اذا سلم، حدیث: 846، 1038، 4147، 7503، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، حدیث: 71، ابوداؤد: 3906، نسائی: 1526، احمد: 4/ 117۔

فلاں تارے (اور پچھتر کی گردش) سے بارش ملی ہے تو یہ شخص میرے ساتھ کفر کرنے والا، تارے کے ساتھ ایمان لانے والا ہے۔

[452] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ: إِذَا أَنْشَأَتْ بَحْرِيَّةٌ، ثُمَّ تَشَاءَمَتْ فَتِلْكَ عَيْنٌ غُدَيْقَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''جب بحریہ یعنی سمندر کی طرف سے بادل اٹھے (جوکہ مدینہ منورہ کے مغرب میں ہے) اور ملک شام کی طرف جانے لگے (جو مدینہ کے شمال میں ہے) تو یہ ایک وافر (پانی والا) چشمہ ہے (جس سے خوب بارش برسے گی)۔''

فائدہ: ...... ہواؤں کے متعلق ایسی بات کہنا تجربے کی بنا پر ہوتا ہے اور ہواؤں کے رخ اور صورتحال سے بارش ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ لگانا ستاروں سے بارش طلب کرنے کے ضمن میں نہیں آتا بلکہ یہ تو قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف قسم کی ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو لاتی اور لے جاتی ہیں اور کچھ ہوائیں لوگوں کو بارش کی خوشخبری دیتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان آج کل کے محکمہ موسمیات کی پیشین گوئیوں کی بنیاد ہے، محکمہ موسمیات والے ہواؤں کی مختلف اقسام اور صورت حال ہی سے اندازہ لگاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰى اِذَا اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ (الاعراف 57:7) ''اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے، حتی کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھاتی ہیں تو ہم انھیں کسی مردہ شہر کی طرف ہانک دیتے ہیں۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ (فاطر 9:35) ''اور اللہ ہی وہ ذات ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، وہ بادل اٹھاتی ہیں تو ہم اسے مردہ شہر کی طرف ہانک لے جاتے ہیں۔'' ایک اور مقام پر فرمان ربانی ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ (الروم 48:30) ''اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں، پھر اللہ اسے آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے۔''

[453] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ أَبَا

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ جس وقت لوگوں پر بارش

[452] (موضوع) طبرانی فی المعجم الاوسط: 7/ 371(7758)ابن ابی الدنیا فی المطر والرعد: 81/ 42، حافظ ابن صلاح فی وصل بلاغات مالك: 2/ 921، ابوالشیخ فی العظمۃ: 4/ 1247۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

[453] (موقوف ضعیف) بیہقی: 3/ 359، الدر المنثور، 7/ 5، شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ وَقَدْ مُطِرَ النَّاسُ : مُطِرْنَا بِنَوْءِ الْفَتْحِ ، ثُمَّ يَتْلُو هَذِهِ الآيَةَ ﴿مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ﴾ [فاطر : 2]

برسی ہوتی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب صبح کرتے تو کہتے کہ ہمیں ''فتح والے تارے'' سے بارش ملی ہے، (اور اس فتح والے تارے کا مطلب سمجھانے کے لیے) پھر وہ یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتے (جس میں ''فتح''، یعنی کھلنے کا تذکرہ ہے) ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا﴾ (فاطر 35:2) ''اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے (اپنی) رحمت میں سے جو کچھ بھی کھول دے تو کوئی اسے بند کرنے والا نہیں۔''

فائدہ: ......''فتح'' کے معنی کھولنے کے ہیں اور آسمان کے کسی بھی تارے کا نام ''فتح والا تارہ'' نہیں ہے بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس فتویٰ میں لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اگر تم ''نوء'' (تارہ) کا لفظ چھوڑنا نہیں چاہتے تو پھر اسے مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ لفظ ''فتح'' کی طرف منسوب کر دیا کرو۔

14

كِتَابُ الْقِبْلَةِ

قبلے کے متعلق کتاب

خلاصة الباب اس کتاب میں چھ ابواب اور پندرہ روایات ہیں جن میں سے بارہ مرفوع یعنی احادیث نبویہ ہیں اور وہ سب کی سب صحیح ہیں، جبکہ تین موقوف روایات یعنی آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے دو صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

1- بَابٌ: اَلنَّهْيُ عَنِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ وَالْإِنْسَانُ يُرِيدُ حَاجَتَهُ

قبلہ رخ ہونے سے ممانعت کا بیان جس وقت کہ آدمی قضائے حاجت کا ارادہ رکھتا ہو۔

خلاصة الباب اس باب میں صرف دو احادیث نبویہ ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[454] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ رَافِعِ بْنِ إِسْحَاقَ مَوْلًى لِآلِ الشِّفَاءِ، وَكَانَ يُقَالُ لَهُ: مَوْلَى أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ صَاحِبَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ بِمِصْرَ يَقُولُ: وَاللّٰهِ مَا أَدْرِي كَيْفَ أَصْنَعُ بِهَذِهِ الْكَرَايِيسِ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ أَوِ الْبَوْلَ، فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا بِفَرْجِهِ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ سے روایت ہے کہ انھوں نے مصر میں (قیام پذیری کے دوران) فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ ان لیٹرینوں کا کیا کروں (جو قبلہ رخ بنی ہوئی ہیں) حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں: ”جب تم میں سے کوئی شخص پاخانے یا پیشاب کے لیے جائے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ ہی پشت کرے۔“

فائدہ:...... یہ حدیث مبارکہ ان حضرات کی دلیل ہے جو کسی بھی صورت میں قبلہ کی طرف منہ یا پشت

[454] (صحيح) صحيح البخارى، كتاب الوضوء، باب لاتستقبل القبلة ببول ولا غائط، حديث: 144، 394، صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، حديث: 264، ابوداؤد:9، ترمذى: 8، نسائى: 21، 22، ابن ماجه: 318، احمد: 5/ 414، دارمى: 665.

کر کے قضائے حاجت کو درست نہیں سمجھتے ،خواہ عمارت ہو یا کھلی فضا، اور یہ موقف ہے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ،سفیان ثوری، مجاہد، ابوثور ، ابن حزم، ابن العربی ، شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ سب اسی کے قائل ہیں، نیز امام ابن حزم رحمہ اللہ نے "المحلی" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ، عطاء رحمہ اللہ اور اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ سے بھی یہی "مطلقاً ممانعت" کا مسلک نقل کیا ہے، نیز امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے اور از روئے ادب واحترام یہی موقف راجح ہے۔

[455] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهَى أَنْ تُسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةُ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ.

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ ہمیں پیشاب یا پاخانے کے لیے قبلہ کی طرف منہ کرنے سے منع فرمارہے تھے۔

فائدہ :......بعض فقہاء نے اس حدیث سے استقبال (منہ کرنا) اور استدبار (پشت کرنا) میں فرق کیا ہے کہ بوقت قضائے حاجت صرف "استقبال" ہر جگہ منع ہے کیونکہ حدیث میں صرف اسی کی ممانعت ہے، باقی رہا استدبار تو وہ مطلقاً جائز ہے، امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت میں یہی منقول ہے۔

2- بَابٌ: اَلرُّخْصَةُ فِي اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ لِبَوْلٍ اَوْ لِغَائِطٍ

پیشاب یا پاخانے کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے کی رخصت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک حدیث نبوی مذکور ہے جو کہ بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے۔

[456] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ أُنَاساً يَقُولُونَ: إِذَا قَعَدْتَ عَلَى حَاجَتِكَ، فَلَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے تھے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب تو اپنی حاجت کے لیے بیٹھنے لگے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کر اور نہ ہی بیت المقدس کی طرف رخ کر (کیونکہ مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے قبلہ کو پشت ہوتی ہے، پھر) حضرت عبداللہ بن

[455] (صحيح لغيره) الشافعى فى السنن الماثورة: 189/ 113، التمهيد لابن عبدالبر: 16/ 126، بيهقى فى معرفة السنن والآثار: 1/ 193 و فى المعرفة: 1/ 193 (124) و فى الخلافيات: 2/ 57، طحاوى فى شرح معانى الآثار: 4/ 232۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[456] (صحيح) صحيح البخارى، كتاب الوضوء باب من تبرز على لبنتين، حديث: 145، 148، ، 149، 3102، صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، حديث: 266، ابوداؤد: 12، ترمذى: 11، نسائى: 23، ابن ماجه: 322، مسند احمد: 2/ 12 (4606)، دارمى: 667۔

تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ ، وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : لَقَدِ ارْتَقَيْتُ عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ لَنَا ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى لَبِنَتَيْنِ ، مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهِ ، ثُمَّ قَالَ : لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِينَ يُصَلُّونَ عَلَى أَوْرَاكِهِمْ . قَالَ: قُلْتُ : لَا أَدْرِي وَاللّٰهِ .

عمر رضی اللہ عنہما (اس موقف کی تردید کرتے ہوئے) فرماتے کہ یقیناً میں اپنے ایک گھر (یعنی اپنی ہمشیرہ سیدہ حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک) کی چھت پر چڑھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی حاجت کے لیے دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے تھے ، پھر (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے واسع بن حبان رحمہ اللہ سے) فرمایا کہ شاید تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنے سرینوں پر نماز پڑھتے ہیں؟ واسع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) کہا کہ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا (کہ ان میں سے ہوں یا نہیں) امام مالک رحمہ اللہ نے (روایت کے آخری حصہ میں مذکور سرینوں پر نماز پڑھنے والے شخص کی وضاحت میں) فرمایا: یعنی وہ شخص جو سجدہ کرتا ہے اور زمین سے اوپر نہیں اٹھتا ، (اپنے پیٹ اور رانوں کو اونچا نہیں کرتا بلکہ) اس حال میں سجدہ کرتا ہے کہ وہ زمین سے چپکا ہوا ہوتا ہے۔ (حالانکہ مسنون سجدے میں رانیں سیدھی کھڑی اور پشت اونچی ہوتی ہے، نہ پیٹ رانوں سے چپکا ہوتا ہے اور نہ بازو، پیٹ یا زمین سے ملے ہوتے ہیں۔)

فائدہ :...... صحیح مسلم (حدیث :266) میں اس حدیث کے آغاز میں ہے کہ واسع بن حبان کہتے ہیں: میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ قبلہ کی جانب ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اس سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے سجدے میں کچھ کوتاہی محسوس کی تھی جو ان سے لاشعوری طور پر یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی بنا پر سرزد ہوئی ، اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سجدے کے متعلق سوال کیا اور چونکہ واسع بن حبان رحمہ اللہ کو اپنی غلطی کا ادراک اور احساس نہ تھا اس لیے انھوں نے کہا کہ مجھے علم نہیں۔

یہ حدیث مبارکہ جمہور علمائے امت کی دلیل ہے جس میں قضائے حاجت کے وقت قبلہ رخ ہونے کے حوالے سے عمارت اور کھلی فضا کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صحراء اور کھلی فضا میں قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا منع ہے اور عمارت میں یا سامنے رکاوٹ کی موجودگی میں جائز ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح منقول ہے اور یہی موقف حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، شعبی ، اسحاق بن راہویہ، ابن حجر، نووی اور صنعانی رحمہم اللہ وغیرھم سے منقول ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمۃ الباب سے ان کا رجحان بھی اس کی طرف محسوس ہوتا ہے، دیکھیں حدیث 144 سے پہلے والا بَابُ: لَا تُسْتَقْبَلُ الْقِبْلَةُ بِبَوْلٍ وَلَا غَائِطٍ إِلَّا عِنْدَ الْبِنَاءِ جِدَارٍ وَنَحْوِهِ ، یعنی پیشاب اور قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہوا جائے مگر کسی عمارت دیوار وغیرہ کے پاس...... جبکہ بعض علماء نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احادیث کو باہم متعارض سمجھ کر جمہور

والی تطبیق دینے کی بجائے اباحت اصلیہ کا اعتبار کر کے ہر جگہ پر مطلقاً جواز کا مسلک اختیار کیا ہے جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، ربیعہ رائی رحمہ اللہ اور داؤد ظاہری رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔

الغرض فقہاء کے اس مسئلے میں چار مشہور اقوال درج ذیل ہیں: (۱) مطلقاً جائز (۲) مطلقاً ممنوع (۳) صحراء (کھلی فضاء) اور عمارت کا فرق (۴) استقبال اور استدبار میں فرق...... جمہور کے نزدیک روایات میں تطبیق ہے کہ کھلی فضاء میں استقبال و استدبار دونوں کی ممانعت ہے جبکہ عمارت میں جواز ہے جبکہ بہت سے اہل علم کے نزدیک ہر جگہ منہ اور پشت کرنے کی ممانعت کا قول راجح ہے، باقی رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے یا ممانعت کو کراہت تنزیہی پر محمول کرنے کے لیے ہے، نیز ادب و احترام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس طرح عمارت اور رکاوٹ کے باوجود ہم قبلہ کی طرف ٹانگیں پھیلانے کو خلاف ادب سمجھتے ہیں اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ نماز میں قبلہ کی طرف تھوکنے سے منع فرمایا ہے اور تمام علمائے کرام نماز کے علاوہ بھی قبلہ کی طرف رخ کر کے تھوکنے کو خلافِ ادب قرار دیتے ہیں، اسی طرح قضائے حاجت کے وقت بھی قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا خلافِ ادب ہے۔

3- بَابٌ: اَلنَّهْيُ عَنِ الْبُصَاقِ فِي الْقِبْلَةِ

قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو احادیث نبویہ ہیں اور دونوں ہی بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

[457] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى بُصَاقاً فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قِبَلَ وَجْهِهِ إِذَا صَلَّى.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی جانب والی دیوار پر تھوک دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خود) اسے کھرچ دیا، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے چہرے والی سمت میں نہ تھوکے کیونکہ بلاشبہ جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے والی جانب میں ہوتا ہے۔''

فائدہ: ...... اللہ تعالیٰ کے نمازی کے سامنے ہونے کا مطلب اللہ کی رحمت کا سامنے ہونا ہے جیسا کہ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ((إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى فَإِنَّ الرَّحْمَةَ

[457] (صحيح) صحيح البخارى، كتاب الصلاة، باب حك البزاق باليد من المسجد، حديث: 406، 753، 1213م 6111م صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب النهى عن البصاق فى المسجد، حديث: 547، ابو داؤد 479، نسائى :725، ابن ماجه :763، مسند احمد:2/ 6(4509)، دارمى :1397۔

تُـوَاجِهُـهُ)) ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز کی طرف کھڑا ہو تو کنکریوں پر ہاتھ نہ پھیرے کیونکہ بلاشبہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔''(ابوداؤد:945، ترمذی: 379، نسائی: 1192، ابن ماجہ: 1027، مسند احمد، 5/ 150، 163، 179۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔) نیز یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ نماز میں قبلے کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا تو صرف حکم الٰہی کی وجہ سے ہے ورنہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کے حضور ایک مجرم یا سائل کی حیثیت میں کھڑے ہونا ہے تو گویا حالتِ نماز میں بندہ اپنے رب کی طرف منہ کیے ہوئے ہوتا ہے اور یہ قطعاً مناسب نہیں کہ جس کے سامنے کھڑا ہو اسی کی طرف منہ کر کے تھوکا جائے...... بہرحال اس حدیث مبارکہ کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ پر موجود ہے جیسا کہ معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کا عقیدہ ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر پاؤں کے نیچے تھوکنا یا بائیں جانب تھوکنا بھی جائز نہ ہوتا اور کہیں بھی قضائے حاجت جائز نہ ہوتی...... اہل السنۃ والجماعۃ اور سلف صالحین کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے، ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہیئت کا تذکرہ قرآن مجید میں بہت سی جگہ میں کیا ہے اس کو بلاتکییف وتعطیل ماننا چاہیے۔

[458] وَحَـدَّثَـنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ رَسُـولَ اللّٰـهِ ﷺ رَأَى فِـي جِـدَارِ الْقِبْلَةِ بُصَاقاً أَوْ مُخَاطاً أَوْ نُخَامَةً فَحَكَّهُ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی جانب دیوار میں تھوک یا رینٹ یا بلغم کو دیکھا تو اسے کھرچ (کر دور کر) دیا۔

فائدہ: ......منہ سے پھونک کے ذریعے چھوٹے چھوٹے تھوک کے ذرات نکالنا "تَـفْـل" کہلاتا ہے، عام تھوک کو "بُصاق" یا "بُزاق" کہتے ہیں، ناک کے فضلے کو "مُخاط" کہتے ہیں، سینے سے نکلنے والی بلغم کو "نُخَاعَة" اور سر کی جانب سے آنے والی بلغم کو "نُـخـامة" کہتے ہیں، حالتِ نماز میں شیطانی وسوسوں کو دور کرنے کے لیے اَعُـوْذُ بِـاللّٰه پڑھ کر سینے کی بائیں جانب "تَفْل" کرنے کا حکم ہے، اس کے علاوہ نہیں، تفل کے علاوہ باقی تمام مذکورہ چیزوں کو منہ یا ناک سے نکالنا ممنوع ہے کیونکہ یہ سب نماز کی شان کے خلاف ہیں لیکن انسان ہونے کے ناطے، نماز میں اگر یہ چیزیں زور کریں اور آدمی مجبور ہو جائے یا نزلہ وغیرہ کی بیماری ہو تو پھر تفصیل یہ ہے کہ سامنے اور دائیں جانب تو بالکل نہ پھینکے کیونکہ سامنے رحمت الٰہیہ اور دائیں جانب فرشتۂ رحمت ہوتا ہے، البتہ بائیں جانب تھوک وغیرہ پھینکنے کی اس صورت میں اجازت ہے جب ادھر کوئی اور شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو کیونکہ یہ اس نمازی کی دائیں جانب ہوگی۔ ایسی صورت میں

[458] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب حك البزاق باليد من المسجد، حديث: 407، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهى عن البصاق فى المسجد، حديث: 549، ابن ماجه: 764، مسند احمد: 6/ 148 (25671)۔

بائیں پاؤں کے نیچے تھوکنے کی اجازت ہے۔(بخاری : 416، مسلم: 548) اگر مسجد میں قالین وغیرہ ہو یا آدمی مسجد کے فرش کو بھی خراب نہیں کرنا چاہتا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ بھی سکھایا ہے کہ کپڑے میں تھوک کر اسے آپس میں مل دیا جائے اور آپ ﷺ نے ایسا کر کے بھی دکھایا۔(بخاری:405، مسلم :550)

4- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ الْقِبْلَةِ

قبلہ کے متعلق مروی روایات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع یعنی احادیث نبویہ اور ایک موقوف یعنی اثر صحابی ﷛ ہے اور سب صحیح اسانید سے ثابت ہیں۔

[459] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰـهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: بَيْنَمَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا. وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ سے روایت ہے، کہتے ہیں، اسی دوران کہ لوگ (مسجد) قبا میں نمازِ فجر میں (مصروف) تھے کہ اچانک ایک آنے والا آیا اور کہنے لگا کہ یقیناً رسول للہ ﷺ پر آج رات قرآن نازل ہوا ہے اور آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا ہے، لہٰذا تم (نماز ہی میں) خانہ کعبہ کی طرف منہ پھیر لو اور (خبر ملنے کے وقت) ان کے چہرے (خانہ کعبہ کے بالکل مخالف سمت) ملک شام (میں بیت المقدس) کی طرف تھے، تو وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

فائدہ :......((فَاسْتَقْبِلُوْهَا)) کی باء پر زبر پڑھنے کی روایت زیادہ ہے، اس صورت میں یہ ماضی کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں: ''انھوں نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کرلیا'' اس لفظ کی باء کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے، اس وقت یہ امر کا صیغہ ہوگا۔ زیر پڑھنا راجح ہے۔ یہ معنی راجح اس لیے بھی ہے کہ قبلہ کی طرف ان کے متوجہ ہوجانے کا ذکر آخری جملہ میں ہے فاستداروا الی الکعبۃ پس وہ قبلہ کی طرف گھوم گئے اور بخاری شریف کی ایک روایت میں اس سے پہلے حرف تنبیہ بھی موجود ہے:((اَلَا فَاسْتَقْبِلُوْهَا)) ''خبردار! تم بھی اس کی طرف منہ کرلو'' (بخاری : 4490)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز کی اصلاح کے لیے نماز میں حرکت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اسی

[459] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی القبلة ومن لم ير الاعادة علی من سها، حديث: 403، 4488، 4490، 4491، 4493، 4494- 7251، صحيح مسلم، كتاب المساجد باب تحويل القبلة من القدس الی الكعبة حديث: 526، ترمذی: 341، نسائی: 494، احمد: 2/ 113(5934) دارمی: 1234.

طرح حالتِ نماز میں کسی آواز کے کان میں پڑ جانے ، اس کی طرف توجہ ہوجانے اور اگر وہ بات نماز ہی کے متعلق ہوتو اس پر عمل کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی ......بعض مفسرین کے بقول نبی کریم ﷺ قبیلہ بنوسلمہ کے محلے میں کسی سے ملاقات کے لیے گئے ہوئے تھے ، وہاں ظہر کا وقت ہوگیا ، دو رکعتوں کے بعد قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف اپنا رخ پھیر لیا ، اسی لیے بنوسلمہ کی مسجد کا نام مسجد القبلتین ہے۔ (بیضاوی رحمہ اللہ قرطبی رحمہ اللہ وغیرہ) طبقات ابن سعد میں مسجد نبوی ہی میں نماز ظہر کی دو رکعتوں کے بعد تحویل قبلہ کا ذکر ہے۔ (زرقانی رحمہ اللہ) لیکن بعض مفسرین نماز ظہر کے وقت تحویل قبلہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بذات خود کسی نماز میں قبلہ کی تبدیلی کے لیے نہیں پھرے بلکہ آپ نے ظہر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی تھی اور عصر کی خانہ کعبہ کی طرف۔ یہ مفسرین حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایات سے دلیل پکڑتے ہیں: ((وَ اَنَّـهٗ صَـلّٰى اَوَّلَ صَلَاةٍ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْعَصْرِ)) ''اور بے شک آپ ﷺ نے جو سب سے پہلی نماز کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی وہ نمازِ عصر تھی۔'' (بخاری : 40) بعض نے یہ تطبیق دی ہے کہ یہ پوری نماز تھی جو سب سے پہلے مسجد نبوی میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی جبکہ ظہر کی نماز دونوں قبلوں کی طرف آدھی آدھی پڑھی جا چکی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب ......بہرحال حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ (جیسا کہ ابن مندہ کی روایت میں ہے) نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نمازِ عصر ادا کی۔ (بخاری : 7252) پھر وہ مدینہ کے اندر بنوحارثہ کے محلے میں گئے جو ابھی نماز عصر پڑھ رہے تھے اور حالت رکوع میں تھے، حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے انھیں اطلاع دی تو وہ اسی وقت کعبہ کی طرف مڑ گئے۔ (بخاری: 7252) پھر بنوسلمہ قبیلے کا ایک شخص نماز فجر کے وقت مسجد قبا پہنچا جو کہ مدینہ کے باہر مسجد نبوی سے تین چار کلومیٹر کی دوری پر ہے، اہل قبا دوسری رکعت میں تھے۔ جب اس شخص نے انھیں اطلاع دی تو وہ بھی خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔ (مسلم: 527) اور وہ بھی اس وقت حالت رکوع میں تھے۔ (ترمذی: 341۔ سند صحیح ہے) موطا امام مالک کی مذکورہ روایت میں اسی کا بیان ہے۔

[460] وَحَـدَّثَـنِی عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَـعِيـدٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّهُ قَالَ : صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ أَنْ قَدِمَ الْمَدِينَةَ ، سِتَّةَ عَشَـرَ شَهْـراً ، نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، ثُمَّ

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے ، پھر جنگ بدر (جو سترہ رمضان 2ھ کو ہوئی) سے دو ماہ پہلے قبلہ تبدیل

[460] (صحيح لغيره) الشافعي في الرسالة :ص 124(366) وفي المسند : 1/ 178 ، بيهقي في السنن الكبرى: 2/ 3 ، وفي معرفة السنن والآثار : 1/ 482(656)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

حُوِّلَتِ الْقِبْلَةُ قَبْلَ بَدْرٍ بِشَهْرَيْنِ . کر دیا گیا۔

فائدہ: ......سولہ ماہ کی تعیین حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی بعض اسانید سے مذکور ہے، (مسلم: 525/ 11، نسائی: 490) جبکہ بخاری و مسلم کی عام روایات میں سولہ یا سترہ کی تعداد شک کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ (بخاری: 40، مسلم: 525/ 12) طبرانی کی روایت میں سترہ ماہ کی تعیین مذکور ہے۔ (فتح الباری، زرقانی) دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ربیع الاول کے آغاز میں ہجرت کر کے مدینہ آ چکے تھے اور قبلہ کی تبدیلی ہجرت کے بعد دوسرے سال ماہ رجب کے نصف میں ہوئی، اور یہ مدت سولہ ماہ سے کچھ زائد بنتی ہے، اس لیے بعض روایات میں لوگوں کے عام محاورے کے مطابق سولہ سترہ ماہ کہہ دیا گیا، بعض میں زائد مدت کو حذف کر کے سولہ کہہ دیا گیا اور بعض میں کسر پوری کر کے سترہ ماہ کہہ دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

[461] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ ، إِذَا تُوُجِّهَ قِبَلَ الْبَيْتِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا جائے تو مشرق و مغرب کے درمیان (والی ساری سمت) قبلہ ہے۔

فائدہ: ......لہٰذا اگر کسی کا رخ بیت اللہ سے تھوڑا سا دائیں بائیں ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ)) ''مشرق و مغرب کے درمیان کی ساری سمت قبلہ ہے۔'' (ترمذی: 344۔ اس کی سند حسن ہے۔ نیز دیکھیے ترمذی: 342، 343، ابن ماجہ: 1011) یہ حدیث مبارکہ اہل مدینہ اور خانہ کعبہ کے جنوب اور شمال میں موجود تمام خطۂ ارض والوں کے لیے ہے، کیونکہ یہی لوگ جب قبلہ رخ ہوتے ہیں تو ان کے ایک طرف مشرق اور دوسری طرف مغرب ہوتا ہے، البتہ خانہ کعبہ کے مشرق و مغرب میں رہنے والوں کا قبلہ شمال و جنوب کے درمیان میں ہوگا......اس حدیث مبارکہ میں خانہ کعبہ سے دور رہنے والوں کے لیے وسعت بیان کی گئی ہے، دور دراز کے علاقوں سے بالکل عین کعبہ کی سمت منہ کرنا بہت مشکل ہے، اس لیے پوری سمت ہی کو قبلہ قرار دے دیا گیا، یاد رہے وہ لوگ جو خانہ کعبہ کو دیکھ رہے ہوں تو ان پر لازم ہے کہ عین خانہ کعبہ ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں، آج کل کے جدید آلات مثلاً قبلہ نما وغیرہ سے ممکنہ حد تک مدد لی جائے تو بہتر ہے اور عین قبلہ کی طرف منہ کرنا اب دور دراز سے بھی مشکل نہیں رہا، لیکن ان آلات کی ایجاد کے باوجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وسعت باقی ہے، اسے تنگ نہیں کیا جا سکتا۔

---

[461] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبہ: 2/ 361، 362(7430)، عبدالرزاق: 2/ 345(3633، 3634)، بیہقی 2/ 9 (2232)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو موقوف صحیح کہا ہے۔

5- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ

مسجد نبوی کے بارے میں آنے والی روایات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین مرفوع احادیث نبویہ ہیں جو کہ سب کی سب بخاری ومسلم میں بھی موجود ہیں۔

[462] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ رَبَاحٍ وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ سَلْمَانَ الأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اس مسجد میں (پڑھی جانے والی ایک نماز، اس کے ماسوا (پوری زمین کی تمام مسجدوں) میں پڑھی ہوئی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔''

فائدہ: ...... کیونکہ مسجد حرام یعنی بیت اللہ والی مسجد کی ایک نماز مسجد نبوی سے بھی مزید سو گنا افضل ہے، اسی طرح مسجد حرام کی ایک نماز روئے زمین کی باقی ماندہ مساجد سے ایک لاکھ سے افضل ہے۔ (ابن ماجہ، 1406، مسند احمد، ابن حبان، ان کی اسانید صحیح ہیں۔)...... مسجد حرام سے مراد بیت اللہ والی مسجد بھی ہے اور مکہ مکرمہ کا پورا حرم بھی یعنی شہر کا وہ تمام علاقہ جہاں غیر مسلموں کی آمد ممنوع ہے، قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں پورے حرم مکہ کو مسجد حرام قرار دیا گیا ہے۔ ﴿فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ (التوبة 9:28) ''تو وہ مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں'' ﴿مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا﴾ (بنی اسرائیل 17:1) ''مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔'' ﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ﴾ (الحج 22:25) ''اور مسجد حرام جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے بنایا ہے اس میں مقیم اور بادیہ نشین (باہر سے آنے والے) برابر ہیں۔'' ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرہ 2:96) ''یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔''

مسند بزار کی ایک روایت میں بیت المقدس کی نماز کے عام مساجد سے 500 گنا افضل ہونے کا ذکر ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (فتح الباری، مرعاة: 2/ 399) مسجد حرام میں ایک لاکھ گنا، مسجد نبوی میں ایک ہزار گنا اور مسجد اقصیٰ میں عام مساجد سے 500 گنا زیادہ ثواب ملنا ہی صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس موضوع کی باقی تمام روایات ضعیف ہیں۔

[462] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، حدیث: 1190، صحیح مسلم کتاب الحج، باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ، حدیث: 1394، ترمذی: 325، نسائی: 695، ابن ماجہ: 1404، مسند احمد: 2/ 466، دارمی: 1418)

[463] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي، رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جگہ جو میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان میں ہے وہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔''

فائدہ:...... نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارک سے منبر تک کی جگہ "ریاض الجنة" کہلاتی ہے، پوری مسجد نبوی میں سرخ قالین بچھایا گیا ہے لیکن ریاض الجنة کے مقام پر سبز رنگ کا قالین بچھا کر اسے ممتاز کیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ کے منبر کی جگہ پر ہی آج کل بھی منبر رکھا ہوا ہے لیکن یہ سبز قالین اس سے تھوڑا آگے بھی نکال دیا گیا ہے اور لوگ غلطی سے اس حصے کو بھی ریاض الجنة سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ وہ صرف منبر تک ہے...... یاد رہے، اس جگہ پر کوئی خاص عبادت منقول نہیں ہے، ہاں بطور تبرک تو جس قدر نوافل و دعا کا وہاں موقع ملے، غنیمت ہے۔

"ریاض الجنة" کے مفہوم میں دو قول ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ صرف تشبیہ ہے اور حقیقی معنی مراد نہیں ہیں اور مقصد یہ ہے کہ یہ جگہ نزول رحمت اور حصول سعادت میں جنت کی طرح ہے، حالانکہ یہ چیز تو عام مساجد اور جگہوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے، اس لیے راجح قول یہ ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے اور واقعی یہ جگہ قیامت کے دن جنت الفردوس میں منتقل کر دی جائے گی، بلکہ یہ مفہوم بھی ممکن ہے کہ یہ جگہ جنت سے لا کر زمین میں دنیا کے حساب سے پیوست کی گئی ہے جس طرح کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کا معاملہ ہے...... اسی طرح منبر کے متعلق بھی راجح قول یہ ہے کہ وہ منبر مراد ہے جس پر رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز ہوا کرتے تھے اور اسے قیامت کے دن حوض کوثر کے پاس رکھا جائے گا۔

[464] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ الْمَازِنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ

حضرت عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جگہ جو میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان میں ہے وہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک

---

[463] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل مابين القبر والمنبر، حديث: 1196، 1888، 7535، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل مابين قبره ﷺ و منبره، حديث: 1391، ترمذي: 3916-(عن ابي هريرة)

[464] (صحيح) صحيح البخاري، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل مابين القبر والمنبر، حديث: 1195، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل مابين قبره ﷺ و منبره، حديث: 1390، نسائي: 696.

قَالَ : مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي ، رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ .

باغیچہ ہے۔“

6- بَابٌ: مَاجَاءَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ

عورتوں کے مسجدوں کی طرف جانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، جن میں سے دو مرفوع ہیں اور دونوں صحیح ثابت ہیں، باقی دو موقوف یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

[465] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں (میں آنے) سے نہ روکو۔“

فائدہ :......فرمانِ پیغمبر ﷺ کا تقاضا یہی ہے کہ اگر عورت مسجد میں آنا چاہے تو اسے منع نہ کیا جائے خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھی اور خواہ دن کی نمازوں کے لیے آئے یا رات کی، عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکنا یقیناً معصیتِ رسول ﷺ ہے۔ ہاں عورتوں کو گھروں میں نماز پڑھنے کے فضائل خوب سنانا چاہئیں، ان کو یہ ترغیب ضرور دیں کہ وہ گھروں میں بھی چھپ کر ہی نماز پڑھیں تا کہ زیادہ سے زیادہ اجر پا سکیں لیکن صراحتاً مسجد سے روکنا یا ان کو مسجدوں سے روکنے کے لیے خود ہی انھیں راستوں میں چھیڑنا قطعی نامناسب ہے، افراط وتفریط سے پرہیز کرنا چاہیے، کچھ لوگ عورتوں کو مسجدوں سے روکنے کے حق میں مناظرہ کرتے ہیں اور کچھ دوسرے ان کی تردید میں عورتوں کو مسجدوں میں آنے کی ترغیب دیتے ہیں، یہ سب افراط وتفریط کا نتیجہ ہے۔

[466] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ صَلَاةَ الْعِشَاءِ ، فَلَا تَمَسَّنَّ طِيباً .

بُسر بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی عورت نماز عشاء کو حاضر ہو تو ہرگز خوشبو نہ لگائے۔“

[465] (صحیح)صحیح البخاری ، کتاب الجمعة ، باب: 131، حدیث :900، صحیح مسلم ، کتاب الصلاة ، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیه فتنة ، حدیث : 442، ابوداؤد :566، ترمذی: 570، احمد: 2/ 16، دارمی :1287۔

[466] (صحیح) صحیح مسلم ، کتاب الصلاة ، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیه فتنة ، حدیث: 443، سنن النسائی ، کتاب الزینة ، باب النهی للمراة ان تشهد الصلاة اذا اصابت من البخور ، حدیث :5131-5136، احمد: 6/ 363:(27586)

فائدہ : ......عورتوں کے لیے نماز کے علاوہ بھی خوشبو لگا کر باہر نکلنا حرام ہے، نماز عشاء کا خاص تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ عورتیں عموماً رات کے آغاز میں خوشبو استعمال کرتی ہیں، اس لیے فرمایا کہ اگر وہ خوشبو لگا چکی ہوں تو باہر نہ نکلیں، نیز جس طرح خوشبو باعث فتنہ ہے اسی طرح اظہار زینت کی دوسری صورتیں بھی ممنوع ہیں مثلاً زیورات کی نمائش اور جاذبِ نظر ملبوسات وغیرہ لیکن چونکہ رات کے اندھیرے میں ان کا پتا نہیں چلتا اس لیے ان کا ذکر نہ کیا بلکہ صرف خوشبو کا ذکر کیا جو کہ اندھیرے میں بھی محسوس ہو جاتی ہے......اس حدیث میں عورتوں کو اللہ کی بندیاں کہا گیا ہے، اور اس لفظ سے جہاں ان کے لیے مسجدوں میں آنے کی اجازت کی علّت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی بندیاں ہیں تو تم ان کو اپنے مالک کے گھر میں آنے سے روک نہیں سکتے، وہیں عورتوں کا شرف بھی بڑھایا گیا ہے، یہ اضافت تشریفی ہے یعنی ان کا شرف نمایاں کرنے کے لیے انھیں اللہ کی طرف منسوب کیا جس طرح کہ مسجدوں کو بھی اللہ کی طرف منسوب کیا......بعض روایات میں یہاں لفظ ہی ''نِسَاءَ کُمْ (تمھاری عورتیں) بولا گیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ کُمُ الْمَسَاجِدَ وَ بُیُوْتُهُنَّ خَیْرٌ لَّهُنَّ)) ''اپنی عورتوں کو مسجدوں سے منع نہ کرو اور (لیکن) ان کے گھر ان کے لیے زیادہ بہتر ہیں۔'' (ابو داؤد: 567۔ اس کی سند صحیح ہے۔) لہٰذا بندیوں کے لفظ سے آزاد عورتوں کو خارج کرنے کی تاویل بے کار اور لغو ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَ اِنَّهَا لَا تَکُوْنُ اَقْرَبَ اِلَی اللّٰهِ مِنْهَا فِیْ قَعْرِ بَیْتِهَا)) ''اور بے شک عورت جس قدر اپنے گھر کے اندرونی حصے میں قرب حاصل کرتی ہے، کہیں اور حاصل نہیں کر سکتی۔'' (طبرانی فی المعجم الاوسط: 2911۔ سند صحیح ہے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں: ((صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِیْ بَیْتِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِیْ حُجْرَتِهَا ، وَ صَلَاتُهَا فِیْ مِخْدَعِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِیْ بَیْتِهَا)) ''عورت کی اپنے گھر میں نماز، اس کے حجرے میں نماز سے افضل ہے، (کیونکہ حجرہ وہ چھوٹا سا کمرہ ہوتا ہے جس سے پورے گھر کا کام لیا جاتا ہے، اس میں عورت لوگوں سے کم دور ہوتی ہے اور اپنے گھر کے اندر کی کوٹھڑی میں اس کا نماز پڑھنا، گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔'' (ابوداؤد: 570، ابن خزیمہ: 1690۔ اس کی سند حسن ہے) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث یوں مروی ہے: ((اِنَّ اَحَبَّ صَلَاةِ الْمَرْأَةِ اِلَی اللّٰهِ فِیْ اَشَدِّ مَکَانٍ فِیْ بَیْتِهَا ظُلْمَةً)) ''بے شک اللہ کے نزدیک عورت کی سب سے زیادہ پسندیدہ و محبوب نماز وہ ہے جو وہ گھر کے سب سے تاریک مقام پر ادا کرے۔'' (ابن خزیمہ: 1691۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔)

[467] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ یَحْیَى بْنِ سَعِیدٍ ، عَنْ عَاتِكَةَ بِنْتِ زَیْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمر بن

[467] (موقوف ضعیف) احمد: 1/ 40، عبدالرزاق: 3/ 148۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

نُـفَيْـلٍ ، امْرَأَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، أَنَّهَا كَانَتْ تَسْتَـأْذِنُ عُـمَـرَ بْـنَ الْـخَطَّابِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَسْـكُـتُ ، فَتَـقُـولُ : وَاللّٰهِ لأَخْرُجَنَّ إِلَّا أَنْ تَمْنَعَنِي ، فَلَا يَمْنَعُهَا .

خطاب رضی اللہ عنہ سے مسجد جانے کی اجازت مانگتیں تو وہ خاموش رہتے ، چنانچہ وہ کہتیں کہ اللہ کی قسم ! میں تو ضرور (مسجد کی طرف) نکلوں گی ، الا یہ کہ آپ مجھے روک دیں ، تو وہ انھیں منع بھی نہ فرماتے۔

فائدہ : ......یعنی خاموش رہ کر اپنی کراہت کا اظہار کر دیتے لیکن حکم پیغمبر ﷺ کی بنا پر منع بھی نہ فرماتے۔

[468] وَحَـدَّثَـنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَـعِيـدٍ ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، أَنَّهَا قَالَتْ : لَوْ أَدْرَكَ رَسُـولُ اللّٰهِ ﷺ مَـا أَحْـدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْـمَسَـاجِـدَ ، كَمَا مُنِعَهُ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ . قَـالَ يَـحْيَى بْنُ سَعِيدٍ : فَقُلْتُ لِعَمْرَةَ : أَوَمُنِعَ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ الْمَسَاجِدَ ؟ قَالَتْ: نَعَمْ .

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے ، انھوں نے کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس صورت حال کو پالیتے جو عورتوں نے ایجاد کر لی ہے تو ان کو مسجد ہی سے روک دیتے جس طرح کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا۔ (اس حدیث کے راوی) یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے (یہ حدیث سنانے والی راویہ) عمرہ رحمہا اللہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا تھا؟ تو انھوں نے کہا: ہاں۔

فائدہ : ......مصنف عبدالرزاق میں خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ یہ بات موجود ہے کہ یہ عورتیں مسجدوں میں بھی مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتیں تو ان پر مسجدیں حرام کر دی گئیں۔ (زرقانی) لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو اس صورت حال کا علم نہ تھا؟ ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ خود بار بار یہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خطرہ عورتوں کے فتنے کا ہے، پھر خود رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی عورتوں کے مسجد میں آنے کی بنا پر بعض ناپسندیدہ واقعات پیش آئے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے عورتوں کو مسجد جانے سے روکنے سے منع فرمایا اور شرعی حکم ثابت کر دیا کہ وہ مسجد میں آنا چاہیں تو انھیں اجازت ہے، ان پر کوئی پابندی نہیں لیکن ان کے لیے گھروں میں نماز پڑھنا افضل ہے، اور ان کو اسی کی ترغیب دینی چاہیے...... لہٰذا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ گمان کہ ''انھیں روک دیا جاتا'' اس شرعی حکم کے خاتمے کے لیے کافی نہیں، اسی لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود بھی پابندی نہیں لگائی ، اور پھر کیا عورتوں کی صورتحال کو دیکھ کر ان پر عید کے لیے نکلنا ممنوع قرار دیا جائے گا، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے تو حیض والی اور کنواری عورتوں کو بھی عید

---

[468] (موقوف صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاذان ، باب خروج النساء الى المساجد بالليل والغلس ، حديث :869، صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب خروج النساء الى المساجد اذا لم يترتب عليه فتنة ، حديث :445، ابوداؤد: 569، احمد: 6/ 91(25109)

میں شامل ہونے کا حکم دیا ہے؟ اور پھر کیا عورتوں پر حج وعمرہ کا دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا؟ نیز مسجدوں میں آنے سے عورتوں کو روکنے والے کتنے ہی لوگ نہ لڑکیوں کے سکول و کالج بند کرنے کا کہتے ہیں اور نہ ان کے لیے خرید وفروخت کے لیے نکلنا ممنوع قرار دیتے ہیں......الغرض جب ہم ایک ثابت شدہ حکمِ پیغمبر ﷺ میں عطا کی گئی محدود سی آزادی بھی ختم کرنا چاہیں گے تو پھر شیطان ناجائز آزادیٔ نسواں کے راستوں پر ابھارے گا اور یہی نقصان ہے افراط وتفریط کا......
ہمارے لیے یہ سنتِ مصطفیٰ ﷺ کافی ہے کہ عورتوں اور مردوں کی اخلاقی اصلاح اور روحانی تربیت کرتے رہیں۔

15

كِتَابُ الْقُرْآنِ

قرآن مجید (کے متعلق مسائل) کی کتاب

خلاصة الباب اس کتاب میں دس ابواب اور پچاس روایات ہیں، تیس روایات مرفوع یعنی احادیث نبویہ ہیں، جن میں سے اٹھائیس صحیح اور دوضعیف ہیں۔ پندرہ روایات موقوف یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے دس صحیح اور پانچ ضعیف ہیں، پانچ روایات مقطوع یعنی آثار تابعین رحمہ اللہ ہیں اور وہ سب صحیح ثابت ہیں، نیز اس پوری کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے آٹھ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں، دو پہلے باب میں، پانچ پانچویں باب میں اور ایک نویں باب میں ہے۔

1- بَابٌ: اَلْاَمْرُ بِالْوُضُوْءِ لِمَنْ مَسَّ الْقُرْآنَ

قرآن چھونے والے کے لیے وضو کا حکم

خلاصة الباب اس باب میں صرف ایک حدیث نبوی ہے جس کی سند صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی ہیں۔

[469] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِي كَتَبَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ: أَنْ لَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ.

عبداللہ بن ابی بکر (بن محمد بن عمرو) بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ کتاب جو رسول اللہ ﷺ نے (ان کے پردادا صحابی رسول ﷺ) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لیے لکھی (یعنی لکھوائی) تھی، اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن کو کوئی شخص نہ چھوئے (ہاتھ نہ لگائے) مگر (وہ جو) باوضو ہو۔

---

[469] (صحیح لغیره) دارمی: 2/ 161 (2266)، ابن حبان: 6559، بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 1/ 186، 6/ 211، ابو القاسم البغوی فی مسائل احمد: ص 111 (100) معالم التنزیل للبغوی: 8/ 23، شرح السنة: 2/ 47 (275)، موارد الظمان (ابن حبان): 793، بیهقی فی السنن الکبری: 1/ 87، دارقطنی: 1/ 122، حاکم: 1/ 397۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کے شواہد موجود ہیں جن کی مکمل تخریج میں نے عبدالہادی کی کتاب ''المحرر فی احادیث الاحکام'' میں کردی ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت عمرو بن حزم، حکیم بن حزام، ابن عمر، عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور تمام طرق کی وجہ سے صحیح (لغیرہ) ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ارواء الغلیل: 122۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يَحْمِلُ أَحَدٌ الْمُصْحَفَ بِعِلَاقَتِهِ ، وَلَا عَلَى وِسَادَةٍ ، إِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ ، وَلَوْ جَازَ ذَلِكَ لَحُمِلَ فِي خَبِيئَتِهِ ، وَلَمْ يُكْرَهْ ذَلِكَ ، لأَنْ يَكُونَ فِي يَدَي الَّذِي يَحْمِلُهُ شَيْءٌ يُدَنِّسُ بِهِ الْمُصْحَفَ ، وَلَكِنْ إِنَّمَا كُرِهَ ذَلِكَ لِمَنْ يَحْمِلُهُ ، وَهُوَ غَيْرُ طَاهِرٍ إِكْرَاماً لِلْقُرْآنِ ، وَتَعْظِيماً لَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کوئی شخص مصحف (یعنی قرآن مجید) کو اس کے (غلاف کے دھاگے، ڈوری یا) فیتے کے ساتھ پکڑ کر بھی نہ اٹھائے اور تکیے پر رکھ کر بھی نہ اٹھائے، مگر (صرف) اس حالت میں (ایسا کرسکتے ہیں) کہ وہ باوضو ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر یہ عمل (یعنی بغیر وضو کے دھاگے اور فیتے سے پکڑنا) جائز ہوتا تو پھر جلد کے ساتھ پکڑنا بھی جائز ہوتا (کیونکہ جلد اور گتا قرآن تو نہیں ہے) اور یہ عمل اس وجہ سے مکروہ نہیں ہے کہ (بغیر وضو کے) اسے اٹھانے والے شخص کے ہاتھ میں کوئی نجاست ہے جو کہ قرآن کو لگ کر اسے آلودہ کردے گی بلکہ بغیر وضو کے اٹھانے والے کے لیے یہ عمل صرف قرآن مجید کی تکریم اور تعظیم ہی کی خاطر مکروہ ہے۔

فائدہ :...... امام شافعی رحمہ اللہ کا قول بھی امام مالک رحمہ اللہ ہی کی طرح ہے، البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ چیز جو قرآن سے الگ کی جاسکے مثلاً غلاف، چھاپر وغیرہ تو اس کو مصحف سے الگ چیز شمار کرکے اسے بے وضو چھونا درست ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابو وائل رحمہ اللہ اپنی خادمہ کو ابورزین رحمہ اللہ کی طرف بھیجتے تاکہ وہ ان کے پاس قرآن مجید لے کر آئے، وہ حیض والی ہوتی تھی اس لیے اسے فیتے (یا دھاگے) سے پکڑ کر لاتی۔ (بخاری، قبل حدیث: 297۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

قَالَ مَالِكٌ : أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي هَذِهِ الآيَةِ : ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ [الواقعة:79] إِنَّمَا هِيَ بِمَنْزِلَةِ هَذِهِ الآيَةِ الَّتِي فِي : ﴿عَبَسَ وَتَوَلَّى﴾ قَوْلُ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ فِي صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ مَرْفُوعَةٍ مُطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾ [عبس: 11,16] .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (اس مسئلے کے متعلق پیش کیے جانے والے دلائل میں سے ایک سورۂ واقعہ کی یہ آیت ہے: ﴿لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ (الواقعة 79:56) ''اسے تو پاک ہستیوں کے سوا کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔'' (امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) اس آیت (کی تفسیر) کے متعلق میں نے جو کچھ سنا ہے اس میں سے سب سے بہترین (تفسیر) یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ سورۂ عبس والی ان (مندرجہ ذیل) آیات کے (مفہوم کے) مقام پر ہے (یعنی ان کے قریب قریب مفہوم رکھتی ہے): ﴿كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ○ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ○ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ○ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ○ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ○ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ○﴾ (عبس 16:11:80) ''ہرگز نہیں، بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے، چنانچہ جو چاہے اسے یاد رکھے، (وہ) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے،

جو بلند (مرتبہ) اور پاکیزہ ہیں، ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو معزز اور نیکوکار ہیں۔''

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ نے دونوں سورتوں کی آیات کو یہاں کیوں ذکر کیا ہے؟ اس کے متعلق دو احتمالات ہیں: (1) دراصل سورۂ واقعہ کی آیت: ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ کو عموماً اس مسئلے میں بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے اور اس آیت میں نفی سے مراد نہی (خبر بمعنی انشاء ہے)، ''ہٗ'' ضمیر سے مراد قرآن اور مطہرون سے مراد باوضو انسان لیے جاتے ہیں تو امام مالک رحمہ اللہ غالباً اس استدلال کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت میں انسانوں کا ذکر ہی نہیں بلکہ یہ تو فرشتوں کے متعلق ایک خبر دی گئی ہے کہ پاکیزہ فرشتے ہی لوح محفوظ کو چھو سکتے ہیں، کیونکہ اس (ضمیر) سے مراد گزشتہ آیت کا لفظ (فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ) (محفوظ کتاب یعنی) لوح محفوظ ہے (اور وہی ہٗ ضمیر کا مرجع ہے) اور اگر اس سے بھی پہلی آیت میں مذکور لفظ ''قرآن'' کو ضمیر کا مرجع شمار کیا جائے تو پھر بھی اس سے مراد لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا قرآن ہے نہ کہ وہ جو ہم انسانوں کے پاس ہے...... پھر امام مالک رحمہ اللہ نے تفسیر القرآن بالقرآن کا اسلوب اختیار کر کے سورہ عبس کی آیات کا حوالہ دیا ہے کہ وہاں بھی لوحِ محفوظ اور فرشتے ہی مراد ہیں۔ الغرض امام مالک رحمہ اللہ نے اس مذکورہ مسئلے کے متعلق ایک باب قائم کیا اور پھر وہ دلیل ذکر کی جو واقعی اس مسئلے میں دلیل ہے اور پھر لوگ جسے دلیل بناتے ہیں اس کو ذکر کر کے واضح کیا کہ اس کا تو اس مسئلے سے تعلق ہی نہیں۔

(2) دوسرا احتمال یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے سورۂ واقعہ کی آیت سے بھی باوضو ہو کر قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کا استدلال کیا ہو، اور وہ اس طرح کہ قرآن مجید کے لیے پہلے ''كَرِيْمٌ'' کی صفت بیان کی گئی، فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ﴾ (الواقعة 56:77) ''بے شک وہ نہایت عزت والا قرآن ہے''، پھر فرمایا کہ اسے لوح محفوظ میں رکھا گیا ہے، پھر فرمایا کہ اسے پاکیزہ ہستیاں ہی ہاتھ لگاتی ہیں، اور یہ سب کچھ قرآن مجید کی تعظیم اور حد درجہ احترام کی خاطر ہے لہٰذا انسانوں پر بھی لازم ہے کہ وہ بھی اسی طرح قرآن پاک کی تعظیم کریں اور طہارت کاملہ ہی کی حالت میں اسے ہاتھ لگائیں، چنانچہ اس کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی طرف یہ واضح حکم لکھ کر بھیجا کہ قرآن کو باوضو شخص ہی چھوئے۔

''طَاهِرٌ'' سے مراد: ''طَاهِرٌ'' کا لفظ (۱) عقیدے کی نجاست سے پاک یعنی مومن پر بھی بولا جاتا ہے، فرمان نبوی ہے۔ ((اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ)) ''بے شک مومن پلید نہیں ہوتا۔'' (بخاری: 283، مسلم: 371) (۲) حالت جنابت وغیرہ یعنی حدثِ اکبر سے پاک شخص پر بھی بولا جاتا ہے، اور (۳) حدثِ اصغر سے پاک یعنی باوضو شخص پر بھی بولا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث (قرآن کو طاہر شخص ہی ہاتھ لگائے) میں طاہر سے مراد مومن شخص ہے، یعنی مومن ہی قرآن کو ہاتھ لگائے، کوئی کافر اسے نہ چھوئے، ان کے نزدیک چونکہ بے وضو

شخص بھی مومن ہی ہوتا ہے اس لیے وہ بغیر وضو کے قرآن کو چھو سکتا ہے......حالانکہ

(1) پھر تو جنبی (جس پر غسل واجب ہو) بھی مومن ہی ہوتا ہے، اسے بھی اجازت دینا پڑے گی۔ (2) حیض و نفاس والی بھی مومن ہے تو اسے بھی قرآن پکڑنے کی اجازت دینا ہوگی۔ جبکہ اس بات پر اجماع ہے کہ حدثِ اکبر والا شخص یعنی جُنُبی اور حائضہ وغیرہ قرآن نہیں پکڑ سکتے، امام شوکانی رحمہ اللہ کے بقول داؤد ظاہری کے سوا کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ (نیل الاوطار: 1/ 315) لہٰذا معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ''طاہر'' سے مراد ہر مومن نہیں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ اجماع نہ ہوتا۔ (3) حسبِ امکان عموم مشترک پر عمل ضروری ہے یعنی اگر کوئی لفظ مختلف معانی اور مفہوم رکھتا ہو تو ایسے مشترک لفظ کے تمام معانی پر اگر عمل ممکن ہو تو سب پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، چنانچہ طاہر کے لفظ کے تینوں مفاہیم تبھی پورے ہوں گے جب آدمی مومن بھی ہو، جنابت وغیرہ سے بھی پاک ہو اور باوضو بھی ہو۔ (4) جب یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ لفظ طاہر میں باوضو ہونا بھی شامل ہے تو پھر آخر کس دلیل کی بنا پر اس مفہوم کو مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے خارج کیا جاتا ہے، رہی وہ حدیث جس میں ہے کہ مومن نجس نہیں ہوتا، اس میں تو باوضو ہونے یا نہ ہونے کا ذکر ہی نہیں ہوا بلکہ مومن کا لفظ بول کر صرف اتنا واضح کیا گیا ہے کہ مومن میں عقیدے کی نجاست نہیں ہوتی، باقی رہیں دوسری نجاستیں مثلاً پیشاب، پاخانہ، حیض وغیرہ تو وہ مومن کو بھی لاحق ہو سکتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جنبی اور حائضہ مسجد میں نہیں جا سکتے۔ (5) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جو تحریر لکھوا کر بھیجی تھی اس کا تعلق مومنوں کے متعلقہ امور سے تھا کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں، کافر تو اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا پابند نہ سمجھتے تھے تو وہ اس پر بھلا کیا عمل کریں گے۔ (6) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات سے بھی ثابت ہے کہ وہ بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ لگانے کے قائل نہ تھے، جیسا کہ موطا امام مالک ہی میں پیچھے :89 میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا عمل گزرا ہے، (نیز دیکھیے ارواء الغلیل: 1/ 161)، اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ (الدرالمنثور للسیوطی: 6/ 162، فتاوی ابن تیمیه: 1/ 280)، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ بات مروی ہے۔ (الفتاوی الکبری لابن تیمیه: 1/ 280) (۷) ائمہ اربعہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (المغنی لابن قدامه: 1/ 202، 203)

''طاہر'' بمعنی باوضو: جب لفظ طاہر مطلق طور پر (بغیر کسی قید کے) استعمال ہو تو اس سے باوضو شخص ہی مراد ہوتا ہے جس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(الف) مندرجہ ذیل فرامین محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں طاہر کا لفظ بول کر باوضو شخص مراد لیا گیا ہے۔ ((اِذَا أَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ طَاهِراً)) ''جب تو باوضو ہو کر اپنے بستر پر جگہ پکڑے'' (ابوداؤد: 5047) ((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُمِرَ بِالْوُضُوْءِ لِكُلِّ صَلَاةٍ طَاهِرًا وَ غَيْرَ طَاهِرٍ)) ''یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیے وضو کا حکم دیا گیا تھا (خواہ

آپ پہلے سے) باوضو ہوتے یا بے وضو۔'' (ابوداؤد: 48، ترمذی: 58، مسند احمد: 5/ 325۔سند صحیح ہے) ((مَنْ اَوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ طَاھِرًا)) ''جو شخص اپنے بستر کی طرف باوضو ہو کر جگہ پکڑے۔'' (ترمذی: 3526) ((مَامِنْ مُسْلِمٍ یَبِیْتُ عَلٰی ذِکْرٍ طَاھِرًا)) ''جو بھی مسلمان ذکر الٰہی کر کے باوضو ہو کر رات گزارے۔'' (ابوداؤد: 5042۔ سند صحیح ہے۔) اور جیسا کہ مروی ہے: ((وَ کَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا یُصَلِّیْ اِلَّا طَاھِرًا)) ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (یہ) نماز باوضو ہو کر ہی ادا کرتے تھے۔'' (بخاری، کتاب الجنائز، باب: 56، قبل از حدیث: 1322)

اسی طرح لفظ طہارت بمعنی وضو (بخاری: 283، ابو داؤد 17، 231) لفظ طُہر بمعنی وضو (بخاری: 883، 910، ابوداؤد: 62، ابن ماجه: 512) لفظِ طُہُور بمعنی وضو (بخاری: 1149، مسلم: 224، 2458، ابوداؤد: 59، 135، 618، ترمذی: 1، 3، نسائی: 948، ابن ماجه: 275، 276، 3881) لفظِ تَطَہُّر بمعنی وضو (بخاری، قبل حدیث: 7533، مسلم: 231، 326/ 666) بھی مستعمل ہیں۔

(ب) اکثر محدثین نے وضو کے متعلقہ احادیث پر جو ابواب اور عنوانات قائم کیے ہیں ان میں لفظ طاہر بمعنی باوضو اور لفظ طھور وغیرہ بمعنی وضو استعمال کیا ہے مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث: 1149 پر یہ عنوان بنایا: ((بَابُ فَضْلِ الطُّھُوْرِ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ)) ''رات اور دن کو وضو کرنے کی فضیلت کا بیان۔'' امام مسلم رحمہ اللہ کی حدیث 224،225 پر یہ عنوان باندھا گیا: ((بَابُ وُجُوْبِ الطَّھَارَۃِ لِلصَّلَاۃِ)) ''نماز کے لیے وضو واجب ہونے کا بیان۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث: 2 پر باب باندھا: ((بَابُ مَاجَاءَ فِیْ فَضْلِ الطُّھُوْرِ)) ''وضو کی فضیلت کے بارے میں آنے والی روایات کا بیان۔'' امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حدیث: 281۔285 پر یہ عنوان بنایا: ((بَابُ ثَوَابِ الطُّھُوْرِ)) ''وضو کے ثواب کا بیان'' اور حدیث: 512 پر یہ عنوان قائم کیا: ((بَابُ الْوُضُوْءِ عَلٰی طَھَارَۃٍ)) ''وضو پر وضو کرنے کا بیان۔''

اور اس کے برعکس سلسلہ تو عام ہے کہ احادیث میں طُہُور یا طہارت وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں اور محدثین اس پر وضو کے لفظ والا عنوان بناتے ہیں، جیسا کہ موطا امام مالک رحمہ اللہ کی مذکورہ حدیث میں ہے۔

الغرض ہم نے یہ تفصیل اس لیے ذکر کی ہے کہ بہت سے لوگ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام البانی رحمہ اللہ سے بغیر وضو کے قرآن کے ہاتھ لگانے کا جواز ذکر کر کے پھر اسے معمول بنا لیتے ہیں جو یقیناً قرآن مجید کی عظمت کے منافی اور خلافِ شان ہے۔

2- بَابٌ: اَلرُّخْصَۃُ فِیْ قِرَاءَۃِ الْقُرْآنِ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ

بغیر وضو کے تلاوتِ قرآن کی رخصت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت یعنی اثرِ صحابی رضی اللہ عنہ مذکور ہے جو سنداً صحیح ثابت ہے۔

فائدہ: ......یعنی قرآن مجید کے مصحف اور اوراق کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا تو ممنوع ہے لیکن بغیر ہاتھ لگائے زبانی یا کہیں سے محض دیکھ کر بغیر وضو کے تلاوت کرنا جائز ہے، اگرچہ اس میں بھی بہتر یہی ہے کہ آدمی باوضو ہو۔

[470] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ فِي قَوْمٍ وَهُمْ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ، فَذَهَبَ لِحَاجَتِهِ، ثُمَّ رَجَعَ وَهُوَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَلَسْتَ عَلَى وُضُوءٍ؟ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: مَنْ أَفْتَاكَ بِهَذَا، أَمُسَيْلِمَةُ.

محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں میں (بیٹھے ہوئے) تھے اور لوگ قرآن پڑھ رہے تھے، آپ رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کے لیے گئے، پھر وہ اس حال میں لوٹے کہ قرآن پڑھ رہے تھے، تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! کیا آپ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، حالانکہ آپ باوضو بھی نہیں ہیں؟ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تجھے (بغیر وضو کے تلاوت ممنوع ہونے کا) یہ فتوی کس نے دیا ہے؟ کیا مسیلمہ (کذاب) نے؟

فائدہ: ...... دراصل یہ سوال کرنے والا شخص بنو حنیفہ قبیلے سے تھا اور پہلے مسیلمہ کذاب کے ساتھ تھا، بعد میں توبہ تائب ہو کر مسلمان ہو گیا تھا، بعض نے اس کا نام ابو مریم ایاس بن صبیح حنفی ذکر کیا ہے......الغرض اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہر حال میں زبانی ذکر الٰہی بھی جائز ہے اور بغیر وضو کے تلاوت بھی جائز ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیدار ہوئے، (آنکھوں کو) اپنے ہاتھ سے (مل کر) چہرے سے نیند ہٹانے لگے اور ((ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِيمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا)) ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں، پھر (ایک جانب) لٹکی ہوئی پرانی مشک کی طرف اٹھے اور اس سے (پانی لے کر) وضو فرمایا۔'' (بخاری: 183، مسلم: 763/ 182) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وضو سے پہلے قضائے حاجت بھی کی تھی۔ (بخاری: 6316، مسلم: 763/ 181)، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرِهِ. ''بے وضو ہونے کے بعد اس کے علاوہ (حالتوں میں) بھی قرآن پڑھنے کا بیان۔'' نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ)) ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر وقت میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔'' (مسلم: 373، بخاری قبل از

[470] (موقوف صحیح لغیرہ) بیھقی: 1/ 90 (421)، ابن ابی شیبہ: 1/ 103، 104، (1104)، عبدالرزاق: 1/ 399 (1318)، ابو عبید فی فضائل القرآن: 1/ 365، 366، بخاری فی التاریخ الکبیر: 1/ 437، طبقات ابن سعد: 7/ 91۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔

حدیث : 305و قبل از حدیث : 634) حتی کہ بہت سے علماء وفقہاء حالت جنابت اور حالت حیض میں بھی زبانی تلاوت کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جنبی شخص کے تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (بخاری، قبل حدیث: 305) سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بھی یہی فتویٰ دیا اور کہا کہ آخر جنبی شخص کے پیٹ (یعنی سینے) میں بھی تو قرآن ہوتا ہے۔ (تمام المنة: ص 118) اور جن احادیث میں جنابت وحیض کی حالت میں قرآن نہ پڑھنے کا تذکرہ ہے مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت، (ترمذی: 131، ابن ماجه : 595) یہ اسماعیل بن عیاش راوی کی حجازیوں سے روایت ہے اور ضعیف ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں حالت جنابت میں تلاوت سے ممانعت ہے، (ابوداؤد : 229، ترمذی: 146، نسائی:266، ابن ماجه: 594) اسے بعض نے ضعیف اور بعض نے حسن قرار دیا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں حالت حیض ونفاس میں تلاوت کی ممانعت کا ذکر ہے، (دارقطنی: 2/ 87) اس میں محمد بن فضل متروک راوی ہے...... اس تمام صورتحال کے پیش نظر محققین علمائے کرام کے نزدیک راجح موقف یہ ہے کہ جنبی شخص اور حیض ونفاس والی عورتوں کے لیے تلاوت قرآن حرام تو نہیں ہے، البتہ کراہت سے بھی خالی نہیں ہے، یعنی ان حالتوں میں نہ پڑھنا ہی بہتر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک دفعہ کسی صحابی کے سلام کا جواب دینے کے لیے خصوصی طور پر وضو کیا اور پھر جواب دیا اور فرمایا: ((اِنِّیْ کَرِهْتُ اَنْ اَذْکُرَ اللّٰہَ تَعَالٰی ذِکْرُہٗ اِلَّا عَلٰی طُهْرٍ)) ''یقیناً میں نے یہ ناپسند جانا کہ بغیر وضو کے اس اللہ کا ذکر کروں جس کا ذکر بہت ہی عالی مرتبہ ہے۔'' (ابوداؤد: 17، نسائی: 38، ابن ماجه: 350۔ اس کی سند صحیح ہے) ثابت ہوا کہ جب بغیر وضو کے عام ذکر الٰہی میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کراہت کا اظہار فرمایا تو یقیناً حالت جنابت وحیض ونفاس میں یہ کراہت کہیں زیادہ ہے۔

3- بَابٌ : مَاجَاءَ فِیْ تَحْزِیْبِ الْقُرْآنِ

(روزانہ تلاوت کے لیے) قرآن مجید کے حصے مقرر کرنے کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں صرف دو موقوف روایات یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے ایک کی سند صحیح ہے اور دوسری ضعیف ہے۔

[471] حَدَّثَنِی یَحْیٰی، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَیْنِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ

عبدالرحمٰن بن عبد رحمہ اللہ (جو کہ قارہ قبیلے کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر) قاری (کہلاتے ہیں) سے روایت ہے کہ

[471] (موقوف صحیح) سنن النسائی، کتاب قیام اللیل، باب متی یقضی من نام عن حزبه من اللیل، حدیث: 1793، بیهقی: 2/ 484، معرفة السنن والآثار : 2/ 212۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے موقوف صحیح الاسناد کہا ہے، مرفوع کے لیے دیکھیے :صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب جامع صلاة اللیل، حدیث: 747، سنن ابی داؤد، کتاب التطوع، باب من نام عن حزبه، حدیث :1313، ترمذی :581، نسائی:1791، ابن ماجه :1343، احمد:1/ 32، 53۔

الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : مَنْ فَاتَهُ حِزْبُهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَرَأَهُ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، إِلَى صَلَاةِ الظُّهْرِ، فَإِنَّهُ لَمْ يَفُتْهُ، أَوْ كَأَنَّهُ أَدْرَكَهُ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص کا (تلاوت کا مخصوص اور متعین) حصہ رات کو رہ جائے (اور وہ نیند یا بیماری وغیرہ کی بنا پر تہجد میں اسے نہ پڑھ سکے،) پھر اسے سورج ڈھلنے سے لے کر نماز ظہر تک (کے درمیان) پڑھ لے تو بے شک وہ اس سے (گویا) فوت ہی نہیں ہوا یا (انھوں نے کہا کہ) گویا اس نے اس (فوت شدہ اجر وفضیلت) کو پالیا۔

فائدہ : ......لیکن صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یہی روایت زوال کے لفظ کی بجائے اس طرح آئی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ اَوْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَاَهُ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَ صَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهُ كَاَنَّمَا قَرَاَهُ مِنَ اللَّيْلِ)) ''جو شخص اپنے (تلاوت کے مکمل) متعین حصہ سے یا اس میں سے کچھ (حصے کی تلاوت) سے سویا رہ جائے، پھر وہ اسے نمازِ فجر اور نمازِ ظہر کے درمیان پڑھ لے تو اس کے لیے (اس کا اجر اس طرح) لکھا جاتا ہے کہ گویا اس نے رات ہی میں اسے پڑھا ہے۔'' (مسلم: 747)

[472] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ : كُنْتُ أَنَا وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ جَالِسَيْنِ، فَدَعَا مُحَمَّدٌ رَجُلاً فَقَالَ : أَخْبِرْنِي بِالَّذِي سَمِعْتَ مِنْ أَبِيكَ. فَقَالَ الرَّجُلُ : أَخْبَرَنِي أَبِي، أَنَّهُ أَتَى زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، فَقَالَ لَهُ : كَيْفَ تَرَى فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي سَبْعٍ، فَقَالَ زَيْدٌ : حَسَنٌ، وَلأَنْ أَقْرَأَهُ فِي نِصْفِ شَهْرٍ أَوْ عَشْرٍ أَحَبُّ إِلَيَّ، وَسَلْنِي لِمَ ذَاكَ ؟ قَالَ : فَإِنِّي أَسْأَلُكَ. قَالَ زَيْدٌ : لِكَيْ أَتَدَبَّرَهُ وَأَقِفَ عَلَيْهِ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں اور محمد بن یحییٰ بن حبان رحمہ اللہ بیٹھے ہوئے تھے، محمد (بن یحییٰ بن حبان رحمہ اللہ) نے ایک شخص کو بلایا اور کہا کہ مجھے وہ بات بتاؤ جو تم نے اپنے باپ سے سنی تھی، چنانچہ وہ شخص کہنے لگا کہ مجھے میرے باپ نے خبر دی کہ وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آپ (مکمل) قرآن مجید کو سات (دنوں) میں (روزانہ ایک ایک منزل کے حساب سے) تلاوت کر لینے کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں؟ تو حضرت زید (بن ثابت) رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (یہ) اچھا (اور بہتر عمل) ہے اور (لیکن) میں اس (پورے قرآن) کو آدھے مہینے میں یا بیس دنوں میں تلاوت (کر کے ختم) کروں تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اور تم مجھ سے پوچھو کہ ایسا

---

[472] (موقوف ضعيف) بيهقي في شعب الايمان: 2/ 360 (2043، 2044)، عبدالرزاق: 3/ 354 (5951) عبدالله بن مبارك في الزهد: ص 420 (1194)، ابو عبيد في فضائل القرآن: 1/ 326 (214)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

کیوں ہے؟ (میرے والد نے) کہا کہ میں آپ سے (اس کی وجہ) پوچھتا ہوں تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تا کہ میں اس میں (زیادہ) تدبر (اور غور و فکر) کرسکوں اور اس (کے مفہوم) کی واقفیت حاصل کرسکوں۔

فائدہ: ...... ان روایات سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا بلا ناغہ ایک متعین حصہ تلاوت کرنا درست ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ روزانہ قرآن مجید ختم کریں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پورے مہینے میں صرف ایک بار قرآن ختم کرنے کا حکم دیا (یعنی روزانہ ایک پارہ) انھوں نے زیادہ کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دنوں میں ایک قرآن مکمل کرنے کا کہا (یعنی روزانہ ڈیڑھ پارہ) انھوں نے مزید کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دن کا حکم دیا (یعنی روزانہ تین پارے) انھوں نے مزید اجازت طلب کی تو فرمایا ((فَاقْرَأْهُ فِيْ كُلِّ سَبْعٍ وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ)) ''تو پھر ہر سات دنوں میں (روزانہ ایک منزل کے حساب سے) اس (قرآن) کی تلاوت کر اور اس سے زیادہ نہ کر۔'' (مسلم: 1159/ 182، نیز دیکھیے بخاری: 5052، 5053) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پندرہ دن میں مکمل کرنے کا بھی کہا تھا یعنی روزانہ دو پارے۔ (ابو داؤد: 1388) اور بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے تین دن میں مکمل کرنے کی اجازت حاصل کر لی تھی، یعنی روزانہ دس پارے۔ (ابو داؤد: 1391، ، نیز دیکھیے بخاری: 5052) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ((لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِيْ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ)) ''جو شخص تین دنوں سے کم میں قرآن مکمل کرتا ہے وہ اسے سمجھ نہیں سکے گا۔'' (ابو داؤد 1394، ترمذی: 2949، ابن ماجہ: 1347۔ اس کی سند صحیح ہے) الغرض قرآن مجید کا ہم پر یہ حق ہے کہ اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا﴾ (المزمل 4:73) ''اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے۔'' قرآن مجید کے نزول کا مقصد صرف تلاوت نہیں بلکہ اس میں غور و فکر اور تدبر کرنا بھی ہم پر قرآن کا حق ہے۔ فرمان ربانی ہے۔: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (ص 29:38) ''(یہ قرآن) ایک کتاب ہے ہم نے اسے آپ کی طرف نازل فرمایا، بڑی برکت والی ہے، تا کہ وہ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل منداس سے نصیحت حاصل کریں۔'' نیز فرمایا: ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد 24:47) ''کیا پھر وہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔''

وہ لوگ جو قرآن کا ترجمہ نہیں جانتے، ان کو چاہیے کہ اس کا ترجمہ و مفہوم سیکھنے کی مسلسل کوشش کرتے رہیں لیکن یہ مطلب نہیں کہ وہ قرآن کی تلاوت ہی چھوڑ دیں، کیونکہ دراصل قرآن کی تلاوت ایک مستقل عبادت ہے اور اس میں غور و فکر کرنا الگ عبادت ہے، دونوں ہی کا اجر و ثواب اور الگ الگ فوائد و مقاصد ہیں اور شریعت کا مطلوب یہ ہے کہ یہ دونوں عبادتیں اکٹھی ہو جائیں تو بہتر ہے...... قرآن مجید کی ترتیل میں حروف کے مخارج وغیرہ کا لحاظ بھی حتی المقدور رکھنا چاہیے لیکن یہ مطلب نہیں کہ قرآن مجید کو محض تکلف والی تجوید اور کانوں کے سرور تک محدود کر دیا جائے۔

4- بَابٌ: مَاجَاءَ فِی الْقُرْآنِ

قرآن (کی تلاوت) کے متعلق مزید روایات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں سات روایات ہیں جن میں سے چھ احادیث نبویہ ہیں اور وہ سب کی سب صحیح سندوں سے ثابت ہیں، اور ایک موقوف روایت یعنی اثر صحابی رضی اللہ عنہ ہے جس کی سند ضعیف ہے۔

[473] حَدَّثَنِی یَحْیَی، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِیِّ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ یَقُولُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَکِیمِ بْنِ حِزَامٍ یَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ، عَلَی غَیْرِ مَا أَقْرَؤُهَا، وَکَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَقْرَأَنِیهَا، فَکِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَیْهِ، ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتَّی انْصَرَفَ، ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ، فَجِئْتُ بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَقُلْتُ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّی سَمِعْتُ هَذَا یَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ، عَلَی غَیْرِ مَا أَقْرَأْتَنِیهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَرْسِلْهُ، ثُمَّ قَالَ: اقْرَأْ یَا هِشَامُ. فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِی سَمِعْتُهُ یَقْرَأُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هَکَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِی: اقْرَأْ فَقَرَأْتُهَا فَقَالَ: هَکَذَا أُنْزِلَتْ، إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَؤُوا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ.

عبدالرحمٰن بن عبد، قاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کو سورۂ فرقان کی تلاوت اس انداز کے علاوہ کرتے ہوئے سنا کہ جس انداز (اور قراءت) کے ساتھ میں اسے پڑھتا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے خود مجھے یہ سورت پڑھائی تھی، (اب چونکہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی قراءت میری قراءت سے الگ تھی تو میں نے سمجھا کہ وہ قرآن غلط پڑھ رہے ہیں،) سو قریب تھا کہ میں ان پر (ان کی حالت نماز ہی میں) جلد بازی کرتا (اور ان پر غصہ نکالتا لیکن) پھر میں نے ان کو مہلت دی، یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہوگئے، پھر میں نے انھی کی چادر ان کے گلے میں ڈال کر (ان کو غصے سے پکڑ لیا اور) ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک میں نے اسے سنا، یہ سورۂ فرقان کو اس قراءت سے ہٹ کر پڑھ رہا تھا جو آپ نے مجھے اس کی قراءت پڑھائی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''اے ہشام پڑھو: تو اس نے وہی قراءت پڑھی جو میں نے اسے پڑھتے ہوئے سنی تھی۔'' آپ نے فرمایا: ''اسی طرح ہی یہ سورت نازل ہوئی ہے۔'' پھر مجھ سے فرمایا: ''تم پڑھو۔'' تو میں نے اسے (اپنی

---

[473] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الخصومات، باب کلام الخصوم بعضهم فی بعض، حدیث 2419، 4992، 5041، 6936، 7550، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب بیان ان القرآن انزل علی سبعة احرف، حدیث: 818، ابوداؤد: 1475، ترمذی: 2943، نسائی: 938، مسند احمد: 1/ 40 (277).

قراءت میں) پڑھا، تو آپ ﷺ نے (اس کے متعلق بھی) فرمایا: ''اسی طرح ہی یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ یقیناً یہ قرآن سات حرفوں (یعنی سات قراءتوں) پر نازل ہوا ہے، لہٰذا اس میں سے جو آسان ہو اسے پڑھ لیا کرو۔''

فائدہ :......اس حدیث مبارکہ کے آخری الفاظ کی وضاحت میں چالیس کے لگ بھگ قول ہیں، بعض نے تو یہ کہہ کر خاموشی اختیار کی ہے کہ ہمارا اس حدیث پر ایمان ہے اگرچہ اس کا مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے، گویا وہ اسے متشابہات میں سے قرار دیتے ہیں، باقی اقوال میں سے مشہور تین ہیں: (1) بہت سے علماء نے کہا کہ اس سے سات لغات مراد ہیں اور پھر عرب قبائل کی مختلف لغات کی تعیین میں انھوں نے اختلاف کیا ہے، ان علماء کی دلیل یہ ہے کہ بعض عرب قبائل، دوسرے قبیلوں کے بعض الفاظ کو ادا ہی نہیں کر سکتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ سہولت نازل فرما دی کہ سب اپنے اپنے انداز میں پڑھ لیں ......لیکن یہ قول اس لیے قابل قبول نہیں کہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما دونوں ہی قریشی تھے اور ایک قبیلے سے اور ایک ہی لغت سے تعلق رکھنے کے باوجود دونوں کی قراءت کا الگ الگ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ سات حرفوں سے مراد سات لغتیں نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ (2) بعض کے نزدیک اس سے مراد سات مشہور قرائے کرام کی سات قراءتیں ہیں لیکن یہ قول بھی مقبول نہیں کیونکہ ان سات قراءتوں کے علاوہ بھی بعض قراءتیں ثابت ہیں۔ (3) سب سے مشہور قول اور اکثر علماء کے نزدیک معتبر بات یہ ہے کہ سات حرفوں سے مراد سات انداز اور طریقے ہیں جن میں الفاظ تو مختلف ہوتے ہیں لیکن معنٰی و مفہوم قریب قریب ہی ہوتے ہیں۔

ہمارے نزدیک راجح مفہوم کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ان پڑھ قوم یعنی اہل عرب کی طرف، انھی کی لغات کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن مجید کو اس طرح نازل فرمایا کہ ہر عرب قبیلہ اسے اپنے اپنے انداز میں پڑھ سکتا تھا، ایک مفہوم کے الفاظ کو سات قسم کے مختلف انداز میں پڑھنے کی یہ اجازت اس لیے عطا کی گئی کہ امت محمدیہ پر تنگی و مشقت نہ ہو، خصوصاً اس وقت جب لکھنے پڑھنے والے بھی شاذ و نادر ہی تھے اور جو لکھا گیا تھا اس پر نہ کوئی اعراب تھا اور نہ نقطے، نیز اس وسعت میں بعض الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور کمی اور بیشی بھی شامل تھی، لیکن یہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین تھا، نہ کوئی شخص اپنی مرضی سے کمی بیشی کر سکتا تھا اور نہ کوئی اپنی مرضی کا انداز اختیار کر سکتا تھا، نیز یہ مختلف انداز پورے قرآن کے ہر ہر لفظ میں نہیں بلکہ بعض مقامات پر ہی رکھے گئے ہیں اور یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر ایک مقام سات سات انداز میں پڑھا جا سکتا ہے بلکہ کہیں دو اور کہیں تین یا زیادہ طریقے ہیں اور زیادہ سے زیادہ کسی جگہ سات انداز ہی ممکن ہیں ...... ہمارا اس پر ایمان ہے کہ قرآن پاک کے تمام الفاظ اور تمام انداز جو اللہ نے نازل فرمائے اور انھیں منسوخ نہیں کیا وہ آج تک محفوظ ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ﴾ (الحجر 9:15) ''بے شک ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں''...... ہمارے پاس جو قرآن مجید کے نسخے ہیں ان میں (باہمی اختلاف سے بچنے کے لیے) ایک مخصوص رسم الخط ہے، جس میں قرآن مجید کی اکثر قراءتیں

سمودی گئی ہیں، اگرچہ عوام کو ان کا علم نہیں ہوتا لیکن ماہرین قرائے کرام انھیں سمجھ جاتے ہیں، رہیں وہ قراءتیں جن میں بعض حروف کی تبدیلی، کمی بیشی یا تقدیم وتاخیر ہے اور جو ایک رسم الخط میں بیک وقت نہیں لکھی جا سکتی تھیں ان میں سے قریشی لغت اور مشہور قراءت کو ترجیح دے کر لکھ دیا گیا ہے اور باقی ذخیرہ حدیث اور علم تجوید میں محفوظ ہے۔

[474] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ، كَمَثَلِ صَاحِبِ الإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ، إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً حافظ قرآن کی مثال تو صرف اور صرف باندھے ہوئے اونٹوں والے شخص کی سی ہے، اگر وہ ان کا خیال رکھے گا (اور ان کا ایک ایک گھٹنا باندھ دے گا) تو ان کو (اپنے پاس) روک لے گا اور اگر ان (گھٹنوں) کو کھول دے گا تو وہ (موقع پا کر اس کی دسترس سے نکل کر) چلے جائیں گے۔''

فائدہ :...... بالکل اسی طرح قرآن مجید کی منزل دہرائی جاتی رہے تو وہ سینے میں محفوظ رہتا ہے ورنہ نکل جاتا ہے۔

[475] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ، سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ، كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : أَحْيَاناً يَأْتِينِي فِي مِثْلِ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ، وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ، فَيُفْصِمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ مَا قَالَ، وَأَحْيَاناً يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلاً، فَيُكَلِّمُنِي، فَأَعِي مَا يَقُولُ قَالَتْ عَائِشَةُ :

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کبھی کبھار تو وہ گھنٹی کی آواز کی شکل میں آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت (کیفیت والی) ہوتی ہے، جب وہ مجھ سے جدا ہوتی ہے تو میں وہ (سب کچھ) یاد کر چکا ہوتا ہوں جو اس (فرشتہ جبریل) نے کہا ہوتا ہے، اور کبھی کبھار فرشتہ میرے لیے کسی آدمی کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر وہ

[474] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب استذکار القرآن و تعاهده، حدیث: 5031، صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب الامر بتعهد القرآن، حدیث: 789، نسائی:943، ابن ماجه :3783، احمد : 2/ 71(4665)

[475] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰه ﷺ، حدیث: 2، 3215، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب عرق النبی ﷺ فی البرد وحین یاتیه الوحی، حدیث : 2333، ترمذی، 3634، نسائی: 935، احمد: 6/ 256، 257۔

وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ، فَيُفْصِمُ عَنْهُ، وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقاً.

مجھ سے گفتگو کرتا ہے تو وہ جو کچھ بھی کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔'' سیدہ عائشہ کہتی ہیں کہ یقیناً میں نے آپ ﷺ کو دیکھا، آپ پر سخت سردی والے دن میں وحی نازل ہوتی، پھر وہ آپ ﷺ سے اس حال میں جدا ہوتی کہ بلاشبہ آپ کی پیشانی مبارک پسینے سے بہہ رہی ہوتی تھی۔

فائدہ :...... رسول اللہ ﷺ پر وحی کے نزول کی مختلف صورتیں تھیں جن میں سے دو عام طور پر جاری رہنے والی قسموں کا اس حدیث میں تذکرہ ہے، تمام صورتیں کچھ یوں ہیں: (1) اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ سے براہِ راست گفتگو کرنا اور درمیان میں صرف پردہ حائل ہونا۔ (2) اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو خواب میں اپنا دیدار کروانا اور گفتگو کرنا۔ (3) اللہ تعالیٰ کا خود ہی آپ ﷺ کے قلب مبارک میں القاء و الہام کرنا۔ (4) گھنٹی کی آواز کی شکل میں آپ ﷺ کی مکمل توجہ دنیا سے ہٹا کر پھر فرشتے کا آپ ﷺ کو اللہ کا پیغام سنانا۔ (5) فرشتے کا انسانی شکل میں آ کر آپ ﷺ سے محو گفتگو ہونا۔ (6) خواب میں کسی فرشتے کا آپ ﷺ سے گفتگو کرنا یا کچھ دکھانا۔ (7) جبرئیل علیہ السلام کے علاوہ کسی فرشتے کا آپ ﷺ سے حالت بیداری میں کلام کرنا...... ان میں سے بعض اقسام کی طرف اللہ تعالیٰ یوں اشارہ کرتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ﴾ (الشوری 51:42) ''اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی (دل میں الہام و القاء) کر کے یا پردے کے پیچھے سے، یا فرشتہ بھیج کر، تو وہ (فرشتہ) اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وحی کرتا ہے۔''

[476] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: أُنْزِلَتْ (عَبَسَ وَتَوَلَّى) فِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَجَعَلَ يَقُولُ: يَا مُحَمَّدُ اسْتَدْنِينِي، وَعِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ مِنْ عُظَمَاءِ الْمُشْرِكِينَ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْرِضُ عَنْهُ، وَيُقْبِلُ عَلَى الآخَرِ وَيَقُولُ: يَا أَبَا فُلَانٍ، هَلْ

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سورۂ ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى﴾ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں آئے اور عرض کرنے لگے کہ اے محمد (ﷺ)! مجھے اپنے قریب کوئی جگہ بتا دیجیے (تا کہ میں آپ کے پاس بیٹھ سکوں)، اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس مشرکین (قریش) کے بڑوں میں سے کوئی شخص (بیٹھا ہوا) تھا، تو

[476] (صحیح) جامع الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة عبس، حدیث: 3331، ابن حبان: 2/ 293(535)، ابویعلی: 8/ 261، حاکم: 2/ 514۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے، علامہ البانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (صحیح سنن الترمذی: 2651، صحیح موارد الظمان: 1481)

تَـرَى بِـمَـا أَقُولُ بَأْساً فَيَقُولُ : لا وَالدِّمَاءِ مَا أَرَى بِمَا تَقُولُ بَأْساً ، فَأُنْزِلَتْ (عَبَسَ وَتَوَلَّى أَنْ جَاءَ هُ الأَعْمَى) .

رسول اللہ ﷺ اس (عبداللہ رضی اللہ عنہ) سے اعراض فرما کر دوسرے شخص کی طرف توجہ کرنے لگے اور اس سے پوچھنے لگے کہ ”اے فلاں! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں کیا تو اس میں کوئی حرج محسوس کرتا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں نہیں، خونوں کی قسم! میں آپ کی بات میں کوئی حرج نہیں دیکھتا، تو (اس اعراضِ پیغمبر ﷺ کی بنا پر) سورۂ عبس نازل ہوئی۔

فائدہ :...... یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نابینا تھے، ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبداللہ مخزومیہ تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو آپ کا نام لے کر اس لیے پکارا کہ ابھی اس طرح پکارنا منع نہیں ہوا تھا۔ یہ ممانعت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی کیونکہ اس میں یک گونہ بے ادبی ہے......رسول اللہ ﷺ کی تمنا تھی کہ مکے کا کوئی سردار ایمان لے آئے تا کہ اشاعت اسلام میں مزید آسانی اور تیزی ہو، نیز یہ لوگ ہر وقت بات بھی نہیں سنتے تھے، تو چونکہ اس وقت ایک سردار قریش بات سن ہی رہا تھا اسی لیے آپ ﷺ کی زیادہ توجہ اسی کی طرف تھی اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا مسئلہ تو بعد میں بھی حل ہوسکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے دین کی طلب رکھنے والے سے ہلکی سی بے اعتنائی کو بھی نامناسب سمجھا، جس شخص سے رسول اللہ ﷺ محو گفتگو تھے اس کا نام مسند ابی یعلی (5/ 432) کی صحیح سند والی روایت میں ابی بن خلف بیان ہوا ہے، جبکہ تفسیر ابن جریر (کی ضعیف روایت) میں تین سرداروں کا ذکر ہے عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل اور عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ)......اس شخص نے جو یہ کہا کہ خونوں کی قسم! تو اس سے مراد یا تو بت ہیں جہاں جانوروں کے نذرانے پیش کیے جاتے تھے یا پھر بتوں کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانور مراد ہیں......الغرض یہ حدیث مبارکہ بتاتی ہے کہ اصل عزت وعظمت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہو اور وہ ایمان واخلاص اور تقویٰ ہی سے نصیب ہوتی ہے۔

[477] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْـلَـمَ ، عَـنْ أَبِيهِ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَسِيرُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ ، وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسِيـرُ مَـعَـهُ لَيْلاً ، فَسَأَلَهُ عُمَرُ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُـجِبْـهُ ، ثُـمَّ سَـأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کسی سفر میں چلے جا رہے تھے، رات کے وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ چل رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے جواب نہ دیا، انھوں نے پھر

[477] (صحيح) صحيح البخاری ، كتاب المغازی ، باب غزوة الحديبية حديث: 4177، 4833، 5012، جامع الترمذی ، كتاب تفسير القرآن ، باب ومن سورة الفتح ، حديث : 3262، نسائی فی الكبری : 11499، احمد : 1/ 31(209) .

يُجِبْهُ . فَقَالَ عُمَرُ : ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ عُمَرُ ، نَزَرْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، كُلُّ ذَلِكَ لَا يُجِيبُكَ ، قَالَ عُمَرُ : فَحَرَّكْتُ بَعِيرِي ، حَتَّى إِذَا كُنْتُ أَمَامَ النَّاسِ ، وَخَشِيتُ أَنْ يُنْزَلَ فِي قُرْآنٌ ، فَمَا نَشِبْتُ أَنْ سَمِعْتُ صَارِخاً يَصْرُخُ بِي ، قَالَ : فَقُلْتُ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ نَزَلَ فِي قُرْآنٌ ، قَالَ: فَجِئْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ : لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ هَذِهِ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ ، لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَرَأَ : ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُبِيناً﴾ [الفتح : 1]

پوچھا تو آپ ﷺ نے جواب نہ دیا ، انھوں نے پھر (تیسری بار) پوچھا تو آپ ﷺ نے اب بھی ان کو جواب نہ دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ (تو پریشان ہوگئے اور اپنے آپ سے) کہنے لگے: عمر! تجھے تیری ماں گم پائے (یعنی کاش! تو مر گیا ہوتا اور یہ نوبت نہ آتی) تو نے رسول اللہ ﷺ سے تین بار مبالغہ واصرار سے سوال کیا (لیکن) آپ ﷺ نے کسی باری میں تجھے جواب نہیں دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (پریشانی کے عالم میں) اپنے اونٹ کو حرکت دی یہاں تک کہ میں سب لوگوں سے آگے ہوگیا، (یہ سمجھ کر شاید آقا علیہ السلام مجھ پر ناراض ہیں اور مجھے اپنے قریب نہیں دیکھنا چاہتے) اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں میرے بارے میں قرآن (نہ) نازل ہوجائے، پھر (واقعی ایسا ہی محسوس ہوا کیونکہ) میں (زیادہ دیر) نہ ٹھہرا تھا کہ میں نے ایک زور سے پکارنے والے کو سنا جو مجھے آواز دے رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (دل میں) کہا کہ یقیناً مجھے اسی بات کا خطرہ ہے کہ میرے متعلق کچھ قرآن نازل ہوا ہوگا، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو سلام عرض کیا تو (آپ نے) فرمایا: ''یقیناً آج رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل کی گئی ہے جو مجھے ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے (سورۂ فتح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی پہلی آیت کی) تلاوت فرمائی۔ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ ''یقیناً ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی ہے۔''

فائدہ :...... یہ واقعہ 6ھ میں صلح حدیبیہ سے واپسی پر پیش آیا، اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں صلح حدیبیہ کو ایک عظیم فتح قرار دیا کیونکہ یہ صلح ایک طرف مسلمانوں کو ایک قوت تسلیم کرانے کا باعث بنی تو دوسری جانب پوری دنیا میں کھلے عام اشاعتِ اسلام کا پیش خیمہ بنی اور عظیم ترین فتوحات کی بنیاد ٹھہری، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ کو مخاطب کرنا چاہا تھا اسی وقت یہ سورۂ مبارکہ نازل ہورہی تھی، اس لیے آقا علیہ السلام نے جواب نہ دیا اور چونکہ آپ ﷺ ماہر نفسیات تھے اسی لیے اپنے صحابی کو غم سے نکالنے اور ان کی دلجوئی کے لیے خود ہی بلا لیا اور اپنے جواب نہ دینے کا سبب بھی بتایا اور نزول وحی کی بشارت بھی سنائی۔

[478] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: يَخْرُجُ فِيكُمْ قَوْمٌ، تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ، وَأَعْمَالَكُمْ مَعَ أَعْمَالِهِمْ، يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ وَلَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، تَنْظُرُ فِي النَّصْلِ فَلَا تَرَى شَيْئاً، وَتَنْظُرُ فِي الْقِدْحِ فَلَا تَرَى شَيْئاً، وَتَنْظُرُ فِي الرِّيشِ فَلَا تَرَى شَيْئاً، وَتَتَمَارَى فِي الْفُوقِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”تم میں (خوارج کی ایک) قوم نکلے گی، تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلے میں، اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں اور تم اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے (ظاہر میں وہ بہت زیادہ عبادت گزار اور متقی محسوس ہوں گے)، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ (صرف ان کے مونہوں اور زبانوں تک محدود ہوگا اور) ان کے حلقوں سے (پار ہو کر نیچے سینے اور دل تک) تجاوز نہیں کرے گا، وہ دین سے اس طرح پار گزر جائیں گے جس طرح (تیز رفتار) تیر شکار (ہدف) سے پار گزر جاتا ہے (اور اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ شکار ہونے والے جانور کے جسم سے گزرنے کے باوجود بالکل صاف ہوتا ہے اور اس کی تیزی کی وجہ سے گوشت اور خون کو اس پر لگنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔) تم (تیر کے) پھل (یعنی نوکدار انی اور پیکان) کو دیکھو تو (وہاں) کوئی چیز (لگی ہوئی) نہ دیکھو گے، تم (اس کی) لکڑی کو دیکھو تو (وہاں بھی) کچھ نہ دیکھو گے، تم (اس کے) پر میں دیکھو تو کچھ بھی نہ دیکھ پاؤ گے، اور البتہ (تیر کے) سوفار (یعنی وہ حصہ جہاں کمان کی تانت اور تندی ٹکتی ہے اور چھوٹا سا گڑھا ہوتا ہے تو اس) میں تم شک کرو گے (کہ شاید یہاں خون کے کچھ اثرات پہنچے ہیں)۔“

فائدہ: ...... یہ خارجی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ظاہر ہوئے، جب جنگ صفین میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح ہونے لگی اور دونوں جانب سے حکم یعنی ایک ایک فیصلہ کرنے والی شخصیت پر سارا معاملہ چھوڑ دیا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم مانا گیا تو یہ بے وقوف خارجی طبقہ الگ ہوگیا اور کہنے لگا کہ دونوں طرف کے سب لوگ (صحابہ وتابعین) اللہ کے علاوہ کو حکم تسلیم کرکے کافر ہوگئے ہیں کیونکہ قرآن میں تو یہ ہے کہ ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾

---

[478] (صحیح)صحیح البخاری ، کتاب فضائل القرآن ، باب اثم من راء ی بقراء ۃ القرآن ، حدیث : 5058، نیز دیکھیے: 3610، 4351، 4667، 6163، 6931، 6934، 7432، صحیح مسلم ، کتاب الزکاۃ باب ذکر الخوارج و صفاتھم ، حدیث : 1064، ابوداؤد: 4764، نسائی :2579، ابن ماجہ :169، مسند احمد :3/ 60۔

(الانعام 6:57، یوسف 12:40، 67) ''اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں''، حکم اور فیصلے کا اختیار اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ......حالانکہ حکم الٰہی کے ماتحت رہتے ہوئے کسی شخص کا فیصلہ کرنا خود قرآن سے ثابت ہے، جیسا کہ میاں بیوی کے باہمی تنازعے کو ختم کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھی لفظ حکم استعمال کیا ہے۔ (سورۂ نساء 4:35) اور رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں، (سورۂ نساء 4 : 65، مائدہ 5:43، 48، 49) دوسرے انبیاء علیہم السلام اور لوگوں کے متعلق بھی یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں، (نساء 4:58، مائدہ 5:44، 45، 47، 95، الانبیاء 21:78، ص 38:22، 26) اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ((كَلِمَةُ حَقٍ أُرِيْدَبِهَا بِاطِلٌ)) یہ کلمہ تو حق ہے لیکن اس سے خارجیوں کی مراد باطل ہے۔'' (مسلم: 1066/ 157) پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں سمجھایا تو ان میں سے ہزاروں لوگ واپس آ گئے۔ اسے مسئلہ تحکیم کہا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آخر کار جنگ نہروان میں ان کو شکست فاش سے دوچار کر کے ان کا زور توڑا تھا۔

[479] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ مَكَثَ عَلَى سُورَةِ الْبَقَرَةِ ثَمَانِيَ سِنِينَ يَتَعَلَّمُهَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سورۂ بقرہ پر آٹھ سال ٹھہرے رہے (اور) اسے سیکھتے رہے۔

فائدہ : ......سورۂ بقرہ قرآن مجید کی طویل ترین سورت ہے اور تقریباً اڑھائی پاروں پر مشتمل ہے، بیشتر احکامات شریعت سے بھری پڑی ہے، اس کی بعض آیات کا مفہوم سیکھ کر پھر ساتھ ساتھ اس پر عمل پیرا بھی ہونے کے لیے واقعی سالہا سال کا عرصہ درکار ہے......ممکن ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے خوارج کا بیان کرنے کے بعد اس روایت سے یہ بتانا چاہا ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوارج نہیں تھے کیونکہ صحابہ قرآن پڑھتے، سیکھتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے جبکہ خارجیوں کا زیادہ زور قراءت اور ظاہری عبادات میں تکلف اختیار کرنے پر تھا۔

5- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ

سجدۂ تلاوت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، ایک حدیث نبوی اور چار موقوف یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور سب صحیح سندوں سے ثابت ہیں، اس باب میں امام مالک کے پانچ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ : ......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور احناف کے سوا تمام امت کے نزدیک پڑھنے والے اور سننے والے کے لیے سجدۂ تلاوت سنت ہے، احناف دونوں کے لیے اسے واجب قرار دیتے ہیں، جمہور کا قول راجح ہے کیونکہ حضرت زید

[479] (موقوف ضعیف) بیہقی فی شعب الایمان : 2/ 331 (1955، 1956)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ نجم سنائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہیں کیا۔ (بخاری: 1072، مسلم: 577) اور یہی بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ میں قولاً اور عملاً ثابت کی۔ (بخاری: 1077) جس پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا انکار یا تعجب ثابت نہیں۔ لہٰذا اس پر اجماع سکوتی بھی ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں البتہ اس سجدے کو کر لینا افضل ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ، اعْتَزَلَ الشَّيْطٰنُ يَبْكِي يَقُوْلُ يَاوَيْلِي ! أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ أُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ)) ''جب ابن آدم سجدے (والی آیت) کی تلاوت کرتا ہے، پھر سجدہ بھی کر لیتا ہے تو شیطان الگ ہو کر رونے لگتا ہے، کہتا ہے کہ ہائے میری ہلاکت! آدم کے بیٹے کو سجدے کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر لیا لہٰذا اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدے کا حکم ہوا لیکن میں نے انکار کیا تو میرے لیے آگ ہے۔'' (مسلم: 81) لہٰذا ہمیں شیطان کو رلانے کا موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

سجدوں کی تعداد امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک پندرہ ہے جس میں سورۂ حج کا دوسرا سجدہ، سورۂ ص کا سجدہ اور آخری منزل کے تینوں سجدے بھی شامل ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سورۂ حج کے دوسرے سجدے کو نکال کر چودہ سجدے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہی دوسرا موقف ہے لیکن فرق یہ ہے کہ وہ آخری منزل کے تین سجدوں کو عزائم (پختگی و تاکید والے سجدے) شمار نہیں کرتے، امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں بھی سورۂ ص کا سجدہ نکال کر چودہ سجدے ہیں۔

[480] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ مَوْلَى الأَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَرَأَ لَهُمْ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ [الانشقاق: 1] فَسَجَدَ فِيهَا، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَخْبَرَهُمْ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سَجَدَ فِيهَا.

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (نماز عشاء میں جماعت کراتے ہوئے) ان (مقتدیوں) کے لیے سورۂ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ پڑھی پھر سجدے میں چلے گئے، پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو انھیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سورت میں سجدہ کیا تھا۔

[481] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ مِصْرَ أَخْبَرَهُ،

نافع رحمہ اللہ جو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے کہ اہل مصر میں سے ایک شخص نے انھیں خبر

[480] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الجهر فی العشاء، حدیث: 766، 768، 1074، 1078، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب سجود التلاوة، حدیث: 578، ابوداؤد: 1408، ترمذی: 573، نسائی: 962، ابن ماجه: 1058، مسنداحمد: 2/ 229، دارمی: 1468.

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَرَأَ سُورَةَ الْحَجِّ فَسَجَدَ فِيهَا سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هَذِهِ السُّورَةَ فُضِّلَتْ بِسَجْدَتَيْنِ.

دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سورۂ حج کی تلاوت کی تو اس میں دو سجدے کیے، پھر فرمایا کہ بے شک اس سورت کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔

فائدہ: ......اگرچہ یہ روایت کمزور ہے لیکن دوسری سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس سورت میں دو سجدے کرنا ثابت ہے، چنانچہ عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: أَنَّهُ صَلَّى مَعَ عُمَرَ الصُّبْحَ فَسَجَدَ فِي الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ ''بے شک انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نماز فجر ادا کی تو انھوں نے سورۂ حج میں دو سجدے کیے۔'' (مستدرك حاكم: 2/ 390، بيهقى فى السنن الكبرى: 2/ 317)۔

[482] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَسْجُدُ فِي سُورَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ.

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، انھوں نے سورۂ حج میں دو سجدے کیے۔

فائدہ: ......سورۂ حج کے دوسرے سجدے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بعض روایات منقول ہیں لیکن سنداً ضعیف ہیں، البتہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے مؤید ہیں، حضرت عمر، ابن عمر، علی، ابو داؤد اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم سے اس سورت میں دو سجدے منقول ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ) بہرحال احناف اور مشہور قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس سورت میں صرف ایک سجدۂ تلاوت ہے۔

[483] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَرَأَ بِـ ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى﴾ [النجم: 1] فَسَجَدَ فِيهَا، ثُمَّ قَامَ فَقَرَأَ بِسُورَةٍ أُخْرَى.

اعرج سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سورۂ ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى﴾ پڑھی تو اس میں سجدہ کیا، پھر (سجدہ تلاوت سے) اٹھ کر (اسی رکعت میں) کوئی دوسری سورت بھی پڑھی۔

---

[481] (موقوف ضعيف) الشافعى فى الأم: 1/ 137، 7/ 202، 246، بيهقى فى معرفة السنن والآثار: 2/ 150 (1098) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔

[482] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 3/ 341 (5891)، بيهقى فى السنن الكبرى: 2/ 317، وفى معرفة السنن والآثار: 2/ 151، طحاوى فى شرح معانى الآثار: 1/ 362۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط کے مطابق صحیح سند ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[483] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 3/ 339 (5880)، بيهقى: 2/ 314، طحاوى فى شرح معانى الآثار: 1/ 355، 356، ابن المنذر فى الاوسط: 5/ 257 (2823)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

[484] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَرَأَ سَجْدَةً وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَنَزَلَ فَسَجَدَ، وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ، ثُمَّ قَرَأَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ الأُخْرَى، فَتَهَيَّأَ النَّاسُ لِلسُّجُودِ، فَقَالَ: عَلَى رِسْلِكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكْتُبْهَا عَلَيْنَا إِلَّا أَنْ نَشَاءَ. فَلَمْ يَسْجُدْ، وَمَنَعَهُمْ أَنْ يَسْجُدُوا.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر پر ایک سجدے (والی آیت) کی تلاوت کی تو (منبر سے) نیچے اتر کر سجدہ کیا، تو لوگوں نے بھی ان کے ہمراہ سجدہ کیا، پھر دوسرے جمعہ میں بھی اسی (آیت سجدہ) کو پڑھا تو لوگ سجدۂ تلاوت کرنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس سجدے کو ہم پر فرض نہیں کیا، مگر یہ کہ ہم خود چاہیں (تو سجدہ کر سکتے ہیں)، چنانچہ انھوں نے خود بھی سجدہ نہ کیا اور لوگوں کو بھی سجدہ کرنے سے منع فرما دیا۔

فائدہ: ...... یقیناً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ فہم حدیث نہیں رکھتے تھے، لہٰذا سجدۂ تلاوت کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا وجوب کا قول مرجوح ہے اور سجدۂ تلاوت محض سنت ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ الْعَمَلُ عَلَى أَنْ يَنْزِلَ الإِمَامُ إِذَا قَرَأَ السَّجْدَةَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَيَسْجُدَ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (ہمارے ہاں) اس بات پر عمل (جاری) نہیں ہے کہ جب امام منبر پر سجدے والی آیت پڑھے تو منبر سے اتر کر سجدہ کرے۔

فائدہ: ...... لیکن امام شافعی رحمہ اللہ، احناف اور اہل حدیث کے ہاں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ بھی صرف اسے لازم قرار دینے کی نفی کر رہے ہوں۔ (زرقانی، ابن عبدالبر)

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ عِنْدَنَا، أَنَّ عَزَائِمَ سُجُودِ الْقُرْآنِ إِحْدَى عَشْرَةَ سَجْدَةً، لَيْسَ فِي الْمُفَصَّلِ مِنْهَا شَيْءٌ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک حکم یوں ہے کہ قرآن مجید کے عزائم (مؤکد اور پختہ حکم والے) سجدے گیارہ ہیں، مفصل (یعنی قرآن مجید کی آخری منزل) میں ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ نے عزائم السجود کا لفظ مؤکد سجدوں کے معنی میں استعمال کیا ہے، اور ان کے نزدیک سورۂ نجم، سورۂ انشقاق اور سورۂ علق نیز سورۂ حج کا دوسرا سجدہ سب غیر مؤکد ہیں۔

[484] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب سجود القرآن، باب من رای ان اللّٰہ عزوجل لم یوجب السجود، حدیث: 1077۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَنْبَغِي لأَحَدٍ يَقْرَأُ مِنْ سُجُودِ الْقُرْآنِ شَيْئاً بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَلَا بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ ، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، وَعَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ ، وَالسَّجْدَةُ مِنَ الصَّلَاةِ ، فَلَا يَنْبَغِي لأَحَدٍ أَنْ يَقْرَأَ سَجْدَةً فِي تَيْنِكَ السَّاعَتَيْنِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی شخص کے لیے لائق (اور درست) نہیں کہ وہ نماز فجر کے بعد (طلوع آفتاب تک) اور نماز عصر کے بعد (غروب آفتاب تک) کوئی بھی سجدۂ تلاوت کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک نماز پڑھنے سے اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے اور سجدۂ تلاوت بھی نماز میں سے ہے، لہٰذا کسی کے لیے بھی مناسب نہیں کہ ان دونوں اوقات میں کوئی آیت سجدہ تلاوت کرے۔

فائدہ :......احناف کے نزدیک ان دونوں اوقات میں سجدۂ تلاوت والی آیت پڑھی جا سکتی ہے لیکن سجدہ طلوع یا غروب کے بعد کرے، اہل حدیث کے نزدیک ان دونوں اوقات میں آیتِ سجدہ کی تلاوت بھی ہوسکتی ہے اور سجدہ بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ اگر ان سجدوں کو نماز شمار کریں تو بطور سببی نماز ان کی ادائیگی درست ہے جس طرح کہ سورج اور چاند گرہن کی نماز اور نماز جنازہ وغیرہ ان اوقات میں بالاتفاق درست ہیں، اسی طرح ان اوقات میں اگر آیت سجدہ تلاوت کر لی جائے تو یہ بھی ایک سبب ہے لہٰذا سجدہ درست ہے ......دوسری بات یہ کہ ان سجدوں پر نماز کا لفظ بولنا نہ تو قرآن وسنت سے ثابت ہے اور نہ ہی قیاس واجماع سے، اس لیے کہ نماز کا اطلاق کم از کم ایک رکعت پر ہوتا ہے جبکہ سجدۂ تلاوت میں ایسا نہیں ہے، اسی بنیاد پر اس سجدے کے لیے نماز کی شرائط بھی لازم نہیں ہیں، چنانچہ اس کے لیے وضو، طہارت، اوقات نماز اور قبلہ رخ ہونے وغیرہ کی پابندی کو لازم قرار نہیں دیا جاتا، اگر کوئی کر لے تو بہتر ہے ورنہ لازم نہیں ہے، امام ابن تیمیہ (مجموع الفتاوی : 23/ 165)، امام ابن حزم (المحلی : 5/ 105) اور امام شوکانی رحمہم اللہ (نیل الاوطار :2/ 340) وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سجدہ دراصل نماز کا حصہ ہے اور نماز کا حصہ نماز ہی ہوتا ہے اس لیے ہر سجدہ بھی نماز کی شرائط کے ساتھ ادا ہوگا ......تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ تکبیر، جلوس اور قیام بھی نماز کے حصے ہیں تو کیا یہاں بھی یہ بات کہی جائے گی کہ ہر تکبیر بھی نماز ہے، ہر قیام بھی نماز ہے، ہر بیٹھنا بھی نماز ہے اور ان تمام کے لیے نماز کی شرائط کا اہتمام کیا جائے؟ یقیناً امت میں سے کوئی شخص بھی یہ بات نہیں کہتا، لہٰذا ہر سجدے میں بھی یہ بات نہ کہی جائے گی۔

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ قَرَأَ سَجْدَةً ، وَامْرَأَةٌ حَائِضٌ تَسْمَعُ ، هَلْ لَهَا أَنْ تَسْجُدَ ؟

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال ہوا جو آیت سجدہ تلاوت کرتا ہے اور کوئی حائضہ عورت اسے سن رہی ہو

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَسْجُدُ الرَّجُلُ وَلَا الْمَرْأَةُ ، إِلَّا وَهُمَا طَاهِرَانِ .

تو کیا وہ بھی سجدہ کرے گی؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ مرد یا عورت صرف اسی وقت سجدہ کریں گے جب وہ دونوں طاہر ہوں۔

فائدہ: ......یعنی حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر سے پاک ہوں، نہ تو حائضہ اور جنبی ہوں اور نہ بے وضو ......امام مالک رحمہ اللہ کے اس فتوے کی بنیاد بھی سجدۂ تلاوت کو نماز شمار کرنا ہے، لیکن جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ نماز نہیں ہیں، ان کو نہ ایک رکعت کہا جاتا ہے اور نہ دو رکعت، تو ان کے لیے شرائط نماز بھی لازم نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور باقی بحث پیچھے گزر چکی ہے، نیز ایک روایت میں ہے:((وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْجُدُ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ)) ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بغیر وضو کے سجدہ کر لیتے تھے۔'' (بخاری ، قبل از حدیث : 1071)

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ عَنِ امْرَأَةٍ قَرَأَتْ سَجْدَةً ، وَرَجُلٌ مَعَهَا يَسْمَعُ ، أَعَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَ مَعَهَا ؟ قَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَ مَعَهَا ، إِنَّمَا تَجِبُ السَّجْدَةُ عَلَى الْقَوْمِ يَكُونُونَ مَعَ الرَّجُلِ ، فَيَأْتَمُّونَ بِهِ ، فَيَقْرَأُ السَّجْدَةَ فَيَسْجُدُونَ مَعَهُ ، وَلَيْسَ عَلَى مَنْ سَمِعَ سَجْدَةً ، مِنْ إِنْسَانٍ يَقْرَؤُهَا لَيْسَ لَهُ بِإِمَامٍ ، أَنْ يَسْجُدَ تِلْكَ السَّجْدَةَ .

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کسی عورت نے آیت سجدہ تلاوت کی اور اس کے ساتھ ایک مرد اسے سن رہا تھا تو کیا اس مرد پر بھی لازم ہے کہ عورت کے ہمراہ سجدۂ تلاوت کرے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اس مرد پر عورت کے ساتھ سجدہ کرنا لازم نہیں ہوا کیونکہ سجدہ تو ان لوگوں پر لازم ہوتا ہے جو کسی مرد کے ہمراہ اس کی اقتدا کر رہے ہوں، پھر وہ امام سجدے کی آیت تلاوت کرے تو وہ بھی اس کے ساتھ سجدۂ تلاوت کریں گے اور جو آدمی کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ کی تلاوت سنے جو اس کا امام نہ ہو تو اس پر یہ سجدہ کرنا لازم نہیں ہوا۔

فائدہ: ......اور چونکہ عورت مرد کی امام ہی نہیں بن سکتی، اس لیے عورت سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ لازم نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے ہاں مرد و عورت کے درمیان اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے، خواہ کسی سے بھی سجدے والی آیت سنے، تو سجدہ کرنا مسنون ہے، لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سامع کے لیے سجدہ مسنون ہونے کی دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ وہ سماع کا قصد کرنے والا ہو، بغیر قصد کے کان میں آواز پڑنے سے سجدہ لازم نہیں ہوتا اور دوسری شرط یہ ہے کہ آیت سجدہ کی تلاوت کرنے والا سامع کا امام بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (بداية المجتهد لابن رشد) حنابلہ کے ہاں بھی صلاحیت امامت شرط ہے۔

سجدۂ تلاوت کے متعلق تمام مشہور فقہی اختلافات کا خلاصہ یہ ہے۔ (1) احناف کے ہاں قاری پر سجدۂ تلاوت

واجب ہے اور باقی تمام ائمہ اور اہل حدیث کے ہاں یہ سجدہ مسنون ہے۔ (2) جمہور کے ہاں سجدہ تلاوت کے لیے نماز والی تمام شروط لازم ہیں لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، شعبی رحمہ اللہ، ابوعبدالرحمن سلمی رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ، ابن حزم رحمہ اللہ، ابن تیمیہ رحمہ اللہ، صنعانی رحمہ اللہ، شوکانی رحمہ اللہ اور اکثر اہل حدیث کے نزدیک یہ سجدہ چونکہ نماز نہیں ہے اس لیے اس کے لیے نماز والی شروط بھی لازم نہیں ہیں۔ (3) قاری سجدۂ تلاوت نہ کرے تو مالکیہ، حنابلہ اور اہل حدیث کے ہاں سامع بھی سجدہ نہ کرے گا جبکہ شافعیہ و حنفیہ کے ہاں سامع پھر بھی یہ سجدہ کرے گا۔ (4) قاری سجدۂ تلاوت کرے تو جو شخص قصداً اس کا سماع کر رہا ہو سب کے نزدیک ایسے سامع کے لیے بھی سجدۂ تلاوت واجب یا مسنون ہے، لیکن اگر اتفاقاً بغیر قصد کے کان میں آیت سجدہ کی آواز پڑ جائے تو حنفیہ کے نزدیک ایسی صورت میں بھی سامع پر سجدہ لازم ہے، شافعیہ کے ہاں مستحسن اور مستحب ہے اور مالکیہ اور اہل حدیث کے ہاں مستحب بھی نہیں۔ (5) مالکیہ و حنابلہ کے ہاں سامع کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ قاری اس کا امام بننے کی صلاحیت رکھتا ہو جبکہ حنفیہ و شافعیہ اور اہل حدیث کے ہاں ایسی کوئی شرط نہیں۔

6- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ قِرَاءَةِ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) وَ (تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ)

سورۂ اخلاص اور سورۂ ملک کی تلاوت (کی فضیلت) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، جن میں سے دو احادیث نبویہ اور ایک قول تابعی ہے اور سب صحیح اسانید سے ثابت ہیں۔

[485] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلاً يَقْرَأُ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ يُرَدِّدُهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک شخص کو سنا، وہ (رات کے وقت) سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کو بار بار پڑھے جا رہا تھا، چنانچہ جب انھوں نے (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ) نے صبح کی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، گویا کہ آدمی (حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو مراد لے رہے ہیں) اس سورت کو (اپنی دانست میں) بہت کم (اور چھوٹا عمل) سمجھ رہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔''

---

[485] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل قل هو الله احد، حدیث: 5013، 6643، 7374، سنن ابی داؤد: کتاب الوتر، باب فی سورة الصمد، حدیث: 1461، نسائی: 996، احمد: 3/ 35.

فائدہ :......مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ تلاوت کرنے والے صحابی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک اپنی جامعیت کی بنا پر مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے اور اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں مثلاً (1) یہ سورت قرآن مجید کے مجموعی طور پر تین موضوعات توحید، رسالت اور آخرت میں سے ایک موضوع یعنی توحید پر مشتمل ہے۔ (2) قرآن مجید عقائد، احکامات اور واقعات کا مجموعہ ہے اور ان میں سے پہلی چیز عقائد کی بنیاد اس سورت میں مذکور ہے۔ (3) یہ سورۂ مبارکہ قرآن مجید کے تہائی حصے یعنی دس پاروں کی تلاوت کے برابر اجروثواب کی حامل ہے اور یہ مفہوم اللہ کی رحمت کے معاملے میں کچھ بعید نہیں۔ اور بھی مختلف اقوال اس حدیث کی تفسیر میں مروی ہیں، بہرحال ہر قول پر مختلف اعتراضات بھی وارد کیے گئے ہیں، اسی لیے امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، امام سیوطی، زرقانی، ابن عبدالبر اور شوکانی رحمہم اللہ وغیرہ نے اس معاملے میں سکوت اختیار کرنے کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک الٰہی بھید، راز اور متشابہ مسئلہ ہے جس کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''میں تم پر قرآن مجید کا تہائی حصہ تلاوت کروں گا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی۔ (مسلم: 812/ 262)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھ لے؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ بھلا کس طرح قرآن کا تیسرا حصہ (ایک ہی رات میں) پڑھا جاسکتا ہے؟ تو فرمایا ''﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ تہائی قرآن ہی کے برابر ہے۔'' پھر فرمایا: ((اِنَّ اللّٰهَ جَزَّأَ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةَ اَجْزَاءٍ فَجَعَلَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ جُزْءًا مِنْ اَجْزَاءِ الْقُرْآنِ)) ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا تو سورۂ اخلاص کو قرآن کے اجزاء میں سے ایک (مستقل) جزء بنادیا۔'' (مسلم: 811/ 259، 260) ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ واقعی سورۂ اخلاص قرآن مجید کے تین حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور اس کی تلاوت تہائی قرآن کی تلاوت کے برابر ہے اور یہ بات اس سورت کی عظمت وفضیلت اور اہمیت کی دلیل ہے، رہا یہ سوال کہ قرآن کے باقی دو حصے کون سے ہیں اور مزید کس کس چیز میں یہ سورت تہائی قرآن کے مساوی ہے تو اس کی تفصیلات، رموز اور حقیقت سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے۔

[486] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول

[486] (صحیح) جامع الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورة الاخلاص، حدیث: 2897، سنن النسائی، کتاب الافتتاح، باب الفضل فی قراءة قل هو الله احد، حدیث: 995، احمد: 2/ 302، 535، 536، حاکم: 1/ 566، بیهقی فی شعب الایمان: 2/ 504(2538)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الترغیب والترهیب: 1478، صحیح سنن الترمذی: 2320، صحیح سنن النسائی: 950)

بْـنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ مَوْلَى آلِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُـرَيْـرَةَ يَقُولُ: أَقْبَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَسَمِعَ رَجُلاً يَقْرَأُ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ) فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَجَبَتْ فَسَأَلْتُهُ مَاذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: الْجَنَّةُ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَأَرَدْتُ أَنْ أَذْهَبَ إِلَيْهِ فَأُبَشِّرَهُ، ثُمَّ فَرِقْتُ أَنْ يَفُوتَنِي الْغَدَاءُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَآثَرْتُ الْغَدَاءَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ ذَهَبْتُ إِلَى الرَّجُلِ فَوَجَدْتُهُ قَدْ ذَهَبَ.

اللہ ﷺ کے ہمراہ (کہیں سے) آیا، آپ ﷺ نے ایک شخص کو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: ''واجب ہوگئی۔'' میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا (چیز واجب ہوگئی)؟ فرمایا: ''جنت۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے چاہا کہ اس شخص کے پاس جاؤں اور اسے (یہ) خوشخبری سنادوں (لیکن) پھر میں ڈر گیا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کی معیت (اور صحبت) میں صبح کا کھانا مجھ سے (نہ) رہ جائے، چنانچہ میں نے (اس بابرکت) کھانے کو ترجیح دی، پھر میں اس شخص کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہ تو جاچکا ہے۔

[487] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ) تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، وَأَنَّ (تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ) تُجَادِلُ عَنْ صَاحِبِهَا.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف نے خبر دی کہ سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورہ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے بحث کرے گی۔

فائدہ: ......سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((سُوْرَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُوْنَ اٰيَةً تَشْفَعُ لِصَاحِبِهَا حَتّٰى غُفِرَلَهُ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ)) ''قرآن مجید کی ایک سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں وہ اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے گا، وہ سورۂ (تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ) ہے۔'' (ابوداؤد: 1400، ترمذی: 2891، اس کی سند صحیح ہے) نبی کریم ﷺ سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک کو پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔'' (ترمذی: 2892، مسند احمد: 3/ 340 الصحيحة: 585۔ اس کی سند صحیح ہے) فرمان نبوی ہے: ''یہ سورت عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔'' (سلسلة الاحاديث الصحيحة: 3/ 131) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی طرف سے لڑے گی اور بحث کرے گی یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کرادے گی۔'' (مجمع الزوائد: 7/ 270، صحیح الجامع الصغير: 3644)

[487] (مقطوع صحیح) الفریابی فی فضائل القرآن: ص 140، 141 (30)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

7- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى

ذکر الٰہی (کی فضیلت) کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ روایات ہیں جن میں سے تین مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں جو کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں، دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ثابت ہے۔

[488] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، فِي يَوْمٍ مِئَةَ مَرَّةٍ، كَانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ، وَكُتِبَتْ لَهُ مِئَةُ حَسَنَةٍ، وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِئَةُ سَيِّئَةٍ، وَكَانَتْ لَهُ حِرْزاً مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذَلِكَ حَتَّى يُمْسِيَ، وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ، إِلَّا أَحَدٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص دن میں سو مرتبہ یہ پڑھے ((لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) ”اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لیے سب حمد ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“ (جو شخص دن میں اسے سو بار پڑھے گا) تو یہ (عمل) اس کے حق میں دس گردنوں (یعنی غلام لونڈیاں آزاد کرنے کے اجر) کے برابر ہوگا، اس کے لیے سو نیکیاں لکھ دی جائیں گی، اس سے سو گناہ مٹا دیے جائیں گے اور شام تک سارا دن یہ (کلمات) اس کے لیے شیطان سے بچاؤ (اور حفاظت کا ذریعہ) بنے رہیں گے اور (اس دن) یہ آدمی جو عمل (اللہ کے حضور پیش کرنے کے لیے) لائے گا، کوئی اور شخص اس سے افضل عمل نہ لا سکے گا، سوائے اس کے جس نے اس سے بھی بڑھ کر (یہ وظیفہ پڑھنے کا) عمل کیا ہوگا۔“

فائدہ :...... یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی ہے جس میں صرف دن میں اسے سو بار پڑھنے کا ذکر ہے، ان کلمات کو طلوع آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب سے قبل سو سو بار پڑھنا بھی ثابت ہے، (نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ، حدیث: 568، اس کی سند حسن ہے۔) صبح و شام دس دس بار پڑھنا بھی صحیح ثابت ہے، (مسند احمد

[488] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس و جنوده، حدیث: 3293، 6403، صحیح مسلم، کتاب الذکر و الدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل التهلیل والتسبیح والدعاء، حدیث :2691، ترمذی :3468، نسائی فی الکبری :9853، ابن ماجه: 3798، احمد:2/ 302۔

:5/ 420، ابن حبان: 2023۔اس کی سند حسن صحیح ہے) وقت کی تعیین کے بغیر دس بار پڑھنا بھی منقول ہے۔(مسلم: 2693) صبح وشام کم از کم ایک ایک بار کہنا بھی ثابت ہے۔(ابو داؤد: 5077، ابن ماجه، 3867۔اس کی سند صحیح ہے)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ((لَهُ الْحَمْدُ)) کے بعد صرف ((يُحْيِي وَ يُمِيْتُ)) کا اضافہ صرف صبح کے وقت دس بار پڑھنے کے متعلق موجود ہے۔(ترمذی: 3474۔اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔) یہی اضافہ بالکل اسی طرح مغرب کے وقت کے بارے میں بھی عمارہ بن شبیب رحمہ اللہ کی روایت میں مذکور ہے۔(ترمذی: 3534۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صبح وشام دونوں وقت اس وظیفے میں ((لَهُ الْحَمْدُ)) کے بعد صرف ((بِيَدِهِ الْخَيْرُ)) کا اضافہ ثابت ہے۔(طبرانی فی المعجم الکبیر: 4015، 4092، اس کی سند حسن لغیرہ ہے، مجمع الزوائد: 10/ 108، التاریخ الکبیر للبخاری: 3/ 11) اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف نماز فجر کے بعد پاؤں موڑنے سے پہلے پہلے سو بار یہ وظیفہ پڑھنے کا ذکر ہے اور اس میں ((لَهُ الْحَمْدُ)) کے بعد ((يُحْيِي وَ يُمِيْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ)) کا اضافہ ہے۔(المعجم الاوسط للطبرانی: 7196۔ اس کی سند حسن ہے)

[489] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِئَةَ مَرَّةٍ، حُطَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے دن میں سو بار ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ)) پڑھا اس کے سارے گناہوں کو اس سے مٹا دیا جائے گا، اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔''

فائدہ: ......ایک اور روایت میں فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے: ''جس شخص نے صبح وشام سو سو بار یہ وظیفہ پڑھا تو قیامت کے دن کوئی شخص اس سے افضل عمل نہ لائے گا، سوائے اس کے جس نے اسی کی طرح یہ وظیفہ پڑھا ہو یا اس سے بھی زیادہ بار پڑھا ہو۔''(صحیح مسلم: 2692) یاد رہے کہ یہ معاف ہونے والے گناہ صغیرہ ہوتے ہیں کیونکہ کبیرہ گناہ کی معافی کے لیے توبہ شرط ہے، نیز حقوق العباد کے متعلقہ گناہ بھی مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کی معافی کے لیے مظلوموں کو راضی کرنا لازم ہے۔

---

[489] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح، حدیث: 6405، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، حدیث: 2691، ترمذی: 3466، ابن ماجه: 3812، مسند احمد 2/ 302۔

[490] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ سَبَّحَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَكَبَّرَ ثَلَاثاً وَثَلَاثِينَ، وَحَمِدَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَخَتَمَ الْمِئَةَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، غُفِرَتْ ذُنُوبُهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ہر نماز کے بعد 33 بار سُبْحَانَ اللّٰہ، 33 دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور 33 مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا (، یہ تعداد ننانوے ہوگئی) اور پھر اس نے سو کا اختتام ((لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ)) کے ساتھ کیا تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کی مثل ہوں۔

[491] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ صَيَّادٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ فِي الْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ: إِنَّهَا قَوْلُ الْعَبْدِ: اللَّهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ.

عمارہ بن صیاد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن میسّب کو (اَلْبَاقِیَاتُ الصَّالِحَاتُ) (کی تفسیر) کے بارے کہتے ہوئے سنا کہ ان سے مراد بندے کا یہ (کلمات) کہنا ہے: ((اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ))

فائدہ: ......اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے: ﴿وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا﴾ (الکھف 46:18) ''اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے ہاں ثواب میں بہتر اور امید کی رو سے زیادہ اچھی ہیں۔'' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ مَّرَدًّا﴾ (مریم 76:19) ''اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے بہتر اور انجام کے لحاظ سے کہیں اچھی ہیں۔'' ان آیات مبارکہ میں ''باقیات صالحات'' سے مراد ہر قسم کی نیکیاں ہیں، تمام نیک اعمال باقی رہنے والے اور دائمی

---

[490] (موقوف صحیح) نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ: ص 202 (142) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ حدیث موقوف صحیح ہے اور نبی کریم ﷺ سے مرفوع بھی ثابت ہے، دیکھیے صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ: حدیث: 597، نسائی فی الکبریٰ: 9971، احمد: 2/ 483۔

[491] (مقطوع صحیح) ابن جریر طبری فی جامع البیان: 15/ 166، 167۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

ہوتے ہیں، اکثر مفسرین نے ہر قسم کی نیکی کو حتی کہ گناہوں سے بچے رہنے کو بھی ''باقیات صالحات'' میں شمار کیا ہے، لیکن بعض احادیث مبارکہ میں مذکورہ بالا پانچ کلمات کے مجموعے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بطور تفسیر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ''باقیات صالحات'' میں اولین مفہوم یہی پانچ کلمات ہوں گے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم باقیات صالحات کو کثرت سے کیا کرو۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا مطلب پوچھا تو آپ علیہ السلام نے یہی موطا کی روایت والے پانچوں کلمات ذکر فرمائے۔ (مستدرك حاكم: 1/ 512۔ اس کی سند صحیح ہے)

[492] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِی زِيَادٍ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ، وَأَرْفَعِهَا فِی دَرَجَاتِكُمْ، وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ، وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ إِعْطَاءِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ، فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ، وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوا: بَلَى. قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالَى. قَالَ زِيَادُ بْنُ أَبِی زِيَادٍ: وَقَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ: مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ، أَنْجَى لَهُ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ، مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ کیا میں تمھیں اس کام کی خبر نہ دوں جو تمھارے اعمال میں تمھارے لیے سب سے بہتر ہے، تمھارے درجات میں بلندی کا سب سے زیادہ باعث بننے والا عمل ہے، تمھارے مالک کے ہاں سب سے پاکیزہ عمل ہے، تمھارے لیے سونا چاندی (رب کی راہ میں) دینے سے بھی بہتر ہے اور تمھارے حق میں اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے (میدان جنگ میں) ملو تو تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمھاری گردنیں ماریں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (ضرور بتائیے) تو انھوں نے کہا کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے...... (اس حدیث کے راوی) زیاد بن ابی زیاد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبدالرحمٰن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدم کے بیٹے نے ذکر الٰہی سے بڑھ کر کوئی اور ایسا عمل نہیں کیا جو اسے عذاب الٰہی سے (سب سے) زیادہ نجات دینے والا ہو۔

فائدہ: ......حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ والی روایت بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے (ترمذی: 3377، ابن ماجه: 3790، مسند احمد: 5/ 195، حاكم، 1/ 496۔ امام حاکم رحمہ اللہ، ذہبی رحمہ اللہ اور البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح جبکہ علامہ

---

[492] (موقوف ضعيف و مرفوع صحيح و حديث معاذ موقوف صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت کو ضعیف اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح کہا ہے، البتہ ابودرداء رضی اللہ عنہ والی روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، دیکھیے: جامع الترمذى، كتاب الدعوات، باب: 5، حديث: 3377، سنن ابن ماجه، كتاب الادب، باب فضل الذكر، حديث: 3790، مسند احمد: 5/ 195۔ اس کی سند صحیح ہے۔

منذری رحمہ اللہ اور ہیثمی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، چنانچہ امام احمد (5/239)، بیہقی، ابن ابی شیبہ (10/300) طبرانی، (فی الاوسط :3/156، حدیث: 2317، ابن عبدالبر نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے (بلوغ المرام :1540 آخری باب کی دوسری روایت) نیز حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کی تائید میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (ابن ابی الدنیا، بیہقی، ترغیب) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ (طبرانی فی الاوسط والصغیر) کی روایات بھی موجود ہیں اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو امام ہیثمی نے صحیح سند والی قرار دیا ہے، (مرعاۃ 7/ 419) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (العنکبوت 29:45) ''اور یقیناً اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔''

[493] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنَّا يَوْماً نُصَلِّي وَرَاءَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا رَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ وَقَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، حَمْداً كَثِيراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيهِ. فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنِ الْمُتَكَلِّمُ آنِفاً؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَقَدْ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكاً يَبْتَدِرُونَهَا، أَيُّهُمْ يَكْتُبُهُنَّ أَوَّلاً.

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھاکر ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)) کہا تو ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (ذرا بلند آواز میں) یہ پڑھا: ((رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ)) ''اے ہمارے رب! تیرے ہی لیے سب حمد ہے، ایسی حمد جو بہت زیادہ بہت پاکیزہ، بہت بابرکت ہے۔'' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا: ''ابھی ابھی بولنے والا کون تھا؟'' ایک آدمی کہنے لگا کہ میں (تھا)، اے اللہ کے رسول! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً میں نے تیس سے کچھ زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کی طرف جلدی (اور ایک دوسرے سے سبقت) کر رہے تھے کہ ان میں سے کون یہ کلمات سب سے پہلے لکھتا (اور انھیں درج کرنے کا شرف پاتا) ہے۔''

فائدہ :......اسی طرح کا ایک واقعہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نماز میں پہنچا تو اس کا سانس ذرا پھولا ہوا تھا، اس نے نماز شروع کی تو اللہ اکبر کہنے کے بعد (ثنا کی جگہ یہ) پڑھا: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ)) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمائی تو پوچھا کہ ''یہ کلمات بولنے والا کون تھا؟ میں نے بارہ

[493] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب :126، حدیث: 799، سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب مایستفتح به الصلاة من الدعاء، حدیث :770، ترمذی :404، نسائی:1063، احمد :4/ 340(19205)

فرشتوں کو دیکھا جوان کی طرف جلدی کر رہے تھے کہ کون انھیں اٹھاتا (اور بلند کرنے کی سعادت پاتا) ہے''......ایک اور روایت میں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ (موطا کی روایت مذکورہ کے راوی) خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کر رہا تھا کہ مجھے چھینک آ گئی تو میں نے یہ کلمات ادا کیے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ ، مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَ يَرْضٰى)) ''ہر حمد اللہ ہی کے لیے ہے، ایسی حمد جو بہت زیادہ، بہت پاکیزہ ہے، اس کے اندر بھی برکت ڈالی گئی ہے اور اس کے اوپر بھی برکت کی گئی ہے، (بالکل) اسی طرح کہ جیسے ہمارا رب پسند کرتا اور راضی ہوتا ہے۔ (ابوداؤد: 773، ترمذی: 404، نسائی: 932۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اس واقعے میں بھی تیس سے زیادہ فرشتوں کی آمد کا ذکر ہے، چنانچہ فرشتوں کی تعداد اور دونوں روایتوں (موطا امام مالک والی اور چھینک والی اس روایت) کے بیان کرنے والے صحابی کا نام ایک ہی دیکھ کر بہت سارے محدثین کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی قصہ ہے اور پھر وہ کہتے ہیں کہ ایک روایت میں رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنا نام لیا اور دوسری میں مبہم رکھا اور ان کو یہ چھینک رکوع کے بعد آئی تھی جبکہ کئی ایک علماء ان دونوں قصوں کو اور ان میں بیان شدہ اذکار کو الگ الگ مستقل حیثیت دیتے ہیں، کیونکہ دونوں کے الفاظ بھی الگ الگ ہیں، صحابی کے علاوہ باقی تمام راوی بھی جدا جدا ہیں، جس روایت میں رکوع کے بعد کا ذکر ہے اس کے الفاظ رکوع کے بعد والے اذکار ہی کی طرح شروع ہوتے ہیں اور جس میں چھینک کا ذکر ہے اس کے الفاظ چھینک آنے پر کہے جانے والے الفاظ سے شروع ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

8- بَابٌ: مَاجَاءَ فِي الدُّعَاءِ

دعا کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں گیارہ روایات ہیں جن میں دس مرفوع احادیث نبویہ، اور ان میں سے ایک ضعیف اور باقی سب صحیح ہیں، اور ایک مقطوع روایت (اثر صحابی) بھی ہے جس کی سند صحیح ہے۔

[494] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُو بِهَا ، فَأُرِيدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي ، شَفَاعَةً لِأُمَّتِي فِي الآخِرَةِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً ہر پیغمبر (علیہ السلام) کے لیے ایک (خصوصی) دعا (مقرر) تھی جو وہ مانگ لیتا تھا، (لیکن) میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میں اپنی یہ دعا آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لیے (دنیا میں) چھپائے رکھوں۔''

[494] (صحيح) صحيح البخاري ، كتاب الدعوات ، باب لكل نبي دعوة مستجابة ، حديث : 6304، 7474، صحيح مسلم ، كتاب الايمان ، باب اختباء النبي ﷺ دعوة الشفاعة لامته ، حديث :198 ، ترمذی :3602، ابن ماجه:4307، مسند احمد :2/ 486، 487(10316):دارمی: 2805 .

فائدہ : ......سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کا تو کام ہی ہر وقت اللہ کو پکارتے رہنا ہوتا ہے تو پھر اس پکار اور دعا سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ اس کی وضاحت دوسری روایت سے ہوتی ہے، فرمان نبوی ہے: ((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ)) (بخاري: 6304، مسلم: 199) یعنی ہر نبی کی ایک ایسی دعا ہوتی ہے جس کا قبول ہونا یقینی ہوتا ہے، جبکہ اس کی عام دعاؤں میں قبولیت کی فقط قوی امید ہوتی ہے، اس ایک خاص دعا کی قبولیت کا وعدۂ ربانی ہوتا ہے جبکہ باقی دعاؤں کی قبولیت اللہ کی مرضی پر منحصر ہوتی ہے، یا یہ مطلب ہے کہ ایک خاص دعا پیغمبر جیسے مانگے گا ویسے ہی (ہوبہو) قبول ہوگی جبکہ باقی دعاؤں کی قبولیت مختلف اندازوں میں بھی ہوسکتی ہے، یا یہ مراد ہے کہ ہر پیغمبر کی ایک دعا باقی سب دعاؤں سے اعلیٰ و افضل اور زیادہ اہم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

[495] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو فَيَقُولُ: اللّٰهُمَّ فَالِقَ الإِصْبَاحِ، وَجَاعِلَ اللَّيْلِ سَكَناً، وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ حُسْبَاناً، اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ، وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ، وَأَمْتِعْنِي بِسَمْعِي وَبَصَرِي، وَقُوَّتِي فِي سَبِيلِكَ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: ”اے اللہ! اے صبح کو پیدا کرنے والے! اے رات کو سکون (اور راحت کا سبب) بنانے والے! اے سورج اور چاند کو حساب سے چلانے والے! میری طرف سے قرض کی ادائیگی فرما، مجھے فقیری سے (نکال کر) غنی (اور بے نیاز) فرما، اور مجھے میری سماعت، میری بصارت اور میری قوت کے ساتھ اپنی راہ میں (انھیں استعمال کرا کے) فائدہ عطا فرما۔“

فائدہ : ......قرض کی ادائیگی کے لیے رسول اللہ ﷺ مختلف دعائیں مانگا کرتے تھے، چنانچہ سوتے وقت کی ایک لمبی دعا کے آخر میں آپ ﷺ یہ الفاظ پڑھتے: ((اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَ اَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ)) ”اے اللہ! ہماری طرف سے قرض ادا فرما اور ہمیں فقیری سے مالداری و غنیٰ عطا فرما۔“ (مسلم: 2713)، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سکھائے: ((اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ)) ”اے اللہ! مجھے اپنے حلال (مال) کے ساتھ اپنے حرام (کیے ہوئے اموال) سے کفایت فرما، اور مجھے اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا ہر کسی سے بے نیاز فرما۔“ (ترمذی: 3536، الصحیحة: 226۔ سند حسن ہے۔)

قرض کے بوجھ سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرماتے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ" ”اے اللہ! یقیناً

[495] (ضعیف) ابن ابی شیبه: 10/ 208 (9242) یا 6/ 25 (29184)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

میں تیری پناہ میں آتا ہوں فکر وغم سے، عاجز آجانے اور سست پڑ جانے سے، بزدلی و بخیلی سے، قرضے کے بوجھ اور لوگوں کے غلبے سے۔'' (بخاری: 6369) نیز قرض ادا کرنے کی خالص اور صحیح نیت کی برکت سے بھی اللہ تعالیٰ قرض ادا کرا دیتے ہیں، فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے: ''جو شخص لوگوں کے مال لے، وہ ان کو (واپس) ادا کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو اللہ اس کی طرف سے ادائیگی فرما دے گا اور جو شخص (اس نیت سے) لے کہ وہ انھیں تلف کر دینے (خراب کرنے اور دبا لینے) کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ اُسے تباہ کر دے گا۔'' (بخاری: 2387)

[496] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ إِذَا دَعَا: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ، اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ، فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو یہ نہ کہا کرے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے، اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، (بلکہ) اُسے چاہیے کہ پختگی سے سوال (اور دعا) کرے کیونکہ یقیناً اللہ کو کوئی بھی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔''

فائدہ: ......عزیمت و پختگی سے دعا مانگنا دعا کے آداب و شرائط میں شامل ہے، اس حدیث میں بطور مثال دو ممنوع دعائیں مذکور ہیں۔ دراصل اللہ سے دعا مانگتے وقت ''اگر تو چاہے'' کے الفاظ کہنے میں چند قباحتیں ہیں، مثلاً (1) یہ انداز بے پروائی، بے رغبتی اور ایک قسم کا تکبر ظاہر کرتا ہے، گویا بندہ یہ اظہار کرتا ہے کہ اے اللہ! تیری مرضی ہے، چاہے دے اور چاہے نہ دے، میرا کام تو اس کے سوا بھی چل سکتا ہے، اسی لیے ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا: "لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ وَلْيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ" ''اُسے چاہیے کہ پختگی سے مانگے اور بہت زیادہ رغبت کرے۔'' (مسلم: 2679)۔ (2) یہ ممنوع انداز ایک گستاخی کو بھی متضمن ہے کیونکہ ان الفاظ سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کسی سے ڈرتا ہے اور اسے اپنا مفاد ملحوظ رکھنا پڑتا ہے اور وہ جب دیکھتا ہے کہ کوئی کام کرنے سے میرا نقصان نہ ہوگا تو کر لیتا ہے ورنہ رُک جاتا ہے، غالباً اسی لیے آپ ﷺ نے یہ بھی بار بار فرمایا: "فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ" ''یقیناً کوئی بھی اللہ کو مجبور (اور اس پر زبردستی) کرنے والا نہیں ہے۔'' (بخاری: 6338، 7477، مسلم: 2678، 2679/ 9)۔ (3) ان ناجائز الفاظ میں یہ گستاخی بھی پنہاں ہے کہ گویا بندہ کہتا ہے کہ اے اللہ! اگر تیرے بس میں یہ کام ہے تو کر دے اور اگر تیرے اختیار سے بالاتر ہے تو رہنے دے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ساتھ

[496] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب لیعزم المسالة فانه لامکره له، حدیث: 6339، 7477، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب العزم بالدعاء ولا یقل ان شئت، حدیث: 2679، ابو داؤد: 1483، ترمذی: 3497، نسائی فی الکبری: 10419، ابن ماجہ: 3854، احمد: 2/ 243۔

ہی یہ بھی فرما دیا تھا: ”فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ“ ”یقیناً کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر بڑی نہیں ہوسکتی۔“ (مسلم: 2679)۔
(4) نیز دعا کے وقت ”اِنْ شِئْتَ“ ”اگر تو چاہے“ کے الفاظ کو بولنا ہی عبث، بے کار اور بے فائدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ ہی سے اس صفت مشیئت کے ساتھ متصف ہے، وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے، غالباً اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ سے منع کر کے فرمایا: ”اِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ“ ”بے شک وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“ (بخاری: 7477) نیز فرمایا: ”فَإِنَّ اللّٰهَ صَانِعٌ مَاشَاءَ“ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ وہی کچھ کرنے والا ہے جو اس نے چاہا ہوا ہے۔“ (مسلم: 2679/ 2)

[497] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ، فَيَقُولُ: قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي.

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کسی کی بھی (ہر جائز) دعا قبول کی جاتی رہتی ہے جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لے، (کہ) یہ کہنے لگے کہ میں نے یہ دعا تو کی ہے لیکن وہ میرے حق میں قبول نہیں ہوئی۔“

فائدہ: ......یعنی دعا قبول تو ہو جائے گی لیکن ابھی ہمارے صبر کے امتحان کا کچھ وقت باقی ہوتا ہے اس لیے عجلت وجلد بازی سے منع فرما دیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (الطلاق 65:3) ”یقیناً اللہ نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔“ لیکن ہم چونکہ اس علم الٰہی میں مقرر وقت سے ناآشنا ہوتے ہیں اس لیے بسا اوقات مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں، اسی سے منع فرمایا گیا ہے، ہماری ذمہ داری ہے کہ یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر کسی کی ہر نیک دعا سنتا اور قبول فرماتا ہے، فرمانِ ربانی ہے: ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (البقرہ 186:2) ”میں دعا سنتا اور قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے۔“ اور وہ اپنی حکمتوں کے تحت جب چاہے اور جیسے چاہے اس دعا کا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے، کبھی فوراً یا کچھ دیر بعد وہی مانگی ہوئی چیز عطا فرماتا ہے، کبھی کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے اور کبھی آخرت کے لیے ذخیرہ فرما دیتا ہے، لہٰذا اگر ہماری مطلوبہ چیز ہماری خواہش کے مطابق سالہا سال بعد بھی نظر نہ آئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دعا ہی قبول نہیں ہوئی ......اگر کوئی شخص کافی عرصہ دعا مانگ مانگ کر خواہ کئی سال بعد زبان سے یہ کہہ بیٹھے کہ دعا قبول نہیں ہوئی یا دل ہی میں ایسا نظریہ قائم کر لے تو وہ جلد باز اور عجلت پسند ہے، ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور! ”مَا الْاِسْتِعْجَالُ؟“ ”جلد بازی سے مراد کیا ہے؟“ فرمایا: ”يَقُوْلُ

---

[497] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب یستجاب للعبد مالم یعجل، حدیث: 6340، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب بیان انه یستجاب للداعی مالم یعجل، حدیث: 2735، ابوداؤد: 1484، ترمذی: 3387، ابن ماجه: 3853، احمد: 2/ 396.

قَـدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرَيَسْتَجِيْبُ لِيْ فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذٰلِكَ وَيَدَعُ الدُّعَاءَ " ''وہ یہ کہنے لگے کہ میں نے یقیناً دعا کی اور میں نے (اللہ کو) بہت پکارا لیکن میں نہیں دیکھتا کہ وہ میرے لیے قبول کر رہا ہو، تو پھر وہ اس موقع پر تھک جاتا ہے (اور اُکتا جاتا ہے) اور دعا چھوڑ بیٹھتا ہے۔'' (مسلم:2735/ 92)

[498] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَـالِكٍ، عَـنِ ابْـنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ الأَغَرِّ، وَعَنْ أَبِي سَـلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ: يَـنْـزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ، فَيَـقُـولُ: مَـنْ يَـدْعُـونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا رب تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جس وقت کہ رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، پھر وہ کہتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اُسے عطا کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تو میں اس کو بخش دوں۔

فائدہ: ......ایک روایت میں یہ بھی ہے: "ثُـمَّ يَبْسُـطُ يَـدَيْـهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ مَنْ يُّقْرِضُ غَيْـرَعَدُوْمٍ وَلَا ظَلُوْمٍ ؟ " ''پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مبارک ہاتھوں کو پھیلا دیتے ہیں (اور) کہتے ہیں کہ کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ تو فقیر ہے اور نہ ظلم کرنے والی؟'' (مسلم:758/ 171) اور پھر ''یہ پکار اسی طرح مسلسل جاری رہتی ہے یہاں تک کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔'' (مسلم: 758/ 170) ......اللہ تعالیٰ کا نازل ہونا اُس کی ایک صفت ہے جس کا انکار بھی حرام ہے اور مخلوق کے ساتھ اس کو تشبیہ دینا بھی ناجائز ہے، مخلوق کا اترنا چڑھنا اُس کے حال کے مطابق ہوتا ہے جبکہ خالق کا اترنا چڑھنا اس کی شان کے لائق ہوتا ہے، ہم نہ تو یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ وہ کس طرح اترتا ہے اور نہ یہ سوچنا درست ہے کہ جب اللہ آسمان پر اُترتا ہے تو کیا عرش خالی ہو جاتا ہے؟ اس قسم کی تمام سوچیں شیطان کی طرف سے ہیں اور عقیدہ خراب کرتی ہیں، صفاتِ الٰہیہ کے متعلق مومن کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے اِن غیبی امور اور صفات کو بلا چوں و چرا تسلیم کرے اور کسی قسم کی تاویل، تمثیل، تشبیہ یا تکییف (کیفیت) بیان کیے بغیر اُن پر ایمان لے آئے، خواہ وہ ہماری ناقص سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں...... اگر بعض روایات میں اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو اتارنا، بھیجنا اور اُن سے مختلف قسم کے اعلانات کرانا بھی مذکور ہے تو وہ الگ معاملہ ہے، ہم بات کر رہے ہیں خود اللہ کے اُترنے کی، جو لوگ یہ تاویل کرتے ہیں کہ اللہ کے اُترنے سے مراد فرشتوں کا اُترنا ہے تو یہ بالکل

---

[498] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب الدعاء والصلاة من آخر اللیل، حدیث:1145، 6321، 7494، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل، حدیث: 758، ابوداؤد:1315، ترمذی:3498، نسائی فی الکبری:10314، ابن ماجه:1366، احمد:2/ 264، 265۔

غلط ہے کیونکہ فرشتہ یہ آواز لگا ہی نہیں سکتا کہ میں دعائیں قبول کروں گا، میں عطا کروں گا، میں بخشوں گا، نیز فرشتوں کے آسمانِ دنیا تک آنے میں کون سا امتیاز اورنئی بات ہے، وہ تو ہر روز انسانوں کے پاس بھی آتے اور پکاریں لگاتے رہتے ہیں...... بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ اللہ کا حکم اترتا ہے یا اُس کی رحمت اُترتی ہے، یہ بھی سراسر غلط تاویل ہے، کیونکہ (1) اس کا حکم اور رحمت تو چوبیس گھنٹے اور ہر جگہ اترتے ہیں تو پھر بھلا آسمان دنیا اور رات کے آخری حصے کے بیان کرنے میں کیا خصوصیت رہ جائے گی، (2) نیز اگر یہی مراد ہوں تو اُنھیں تو انسانوں تک پہنچنا چاہیے، وہاں رُک جانے کا کیا فائدہ؟ (3) قبول کرنا، عطا کرنا اور بخشنا اللہ کی صفات ہیں، حکم ورحمت کا یہ کام نہیں کہ دعائیں قبول کریں یا بخشیں، (4) حکم اور رحمت کے بھلا دو ہاتھ کہاں ہوتے ہیں ......لہٰذا جہمیہ اور معتزلہ نیز ان سے متاثر لوگوں کی تاویلات قطعاً غلط ہیں، ایسے لوگ پھر اپنی تاویلات میں بھی پھنس جاتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کی کوئی جہت نہیں ہے، نہ وہ اوپر ہے نہ نیچے اور نہ کہیں اور، تو اگر وہ اس حدیث میں اللہ کا حکم یا رحمت اترنا ہی مراد لے لیں تو اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ آخر یہ حکم اور رحمت کس کے پاس سے اُترتے ہیں، اگر وہ کہیں کہ اللہ کے پاس سے، تو اُن کو یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ اوپر کی جانب ہے کیونکہ اُترنا اوپر کی جانب ہی سے ہوتا ہے۔ الحمدللہ اہل سنّت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے جیسے اُس کے شایانِ شان ہے اور ہم اس کی تمام صفات کو بلا تاویل وتشبیہ تسلیم کرتے ہیں۔

[499] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ: كُنْتُ نَائِمَةً إِلَى جَنْبِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَفَقَدْتُهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَسْتُهُ بِيَدِي، فَوَضَعْتُ يَدِي عَلَى قَدَمَيْهِ وَهُوَ سَاجِدٌ يَقُولُ: أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَبِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں سوئی ہوئی تھی، رات کے کسی حصے میں مَیں نے آپ ﷺ کو گم پایا (تو میں اپنے ہاتھ سے آپ ﷺ کو ڈھونڈنے لگی) تو میں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے چھولیا، چنانچہ میرا ہاتھ آپ کے پاؤں (کے اندرونی حصے) پر پڑا، اس حال میں کہ آپ سجدے میں (یہ دعائیہ کلمات) کہہ رہے تھے: ''(اے اللہ!) میں تیری رضا مندی کے ساتھ تیری ناراضی سے پناہ مانگتا ہوں، تیری سزا سے (بچنے کے لیے) تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں، اور میں تجھ سے (یعنی تیری پکڑ اور عذاب سے بچنے کے لیے) تیری پناہ میں آتا ہوں، میں تیری تعریف کا (مکمل) احاطہ نہیں

[499] (صحیح) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، حدیث: 486، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء فی الرکوع والسجود، حدیث: 879، ترمذی: 3493، نسائی: 169، 1131، 5536، ابن ماجہ: 3841، مسنداحمد: 6/ 58.

کرسکتا (اور اس کی حق ادائیگی نہیں کرسکتا)، تُو تو اسی طرح ہی ہے جس طرح تو نے (خود) اپنی تعریف فرمائی ہے۔''

فائدہ : ...... یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ "ثَنَاءً عَلَيْكَ" پر جملہ ختم کریں اور ''اَنْتَ'' سے نئے جملے کا آغاز کریں، لیکن اگر "اَنْتَ" کو "عَلَيْكَ" کی ضمیر مجرور متصل کی تاکید شمار کریں تو پھر "لَا اُحْصِيْ" سے آخر دعا تک صرف ایک جملہ ہوگا جس کا ترجمہ یوں کریں گے: ''میں تجھ پر اُس طرح تعریف کو شمار نہیں کرسکتا جس طرح کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے'' ......اس دعا کا آخری حصہ صفاتِ الٰہیہ میں کی جانے والی ہر تاویل وتمثیل اور تشبیہ وتحریف کے لیے سدّ سکندری ہے۔ اللہ ہمیں اپنا تعارف بھی خود کرواتا ہے اور اپنی شان کے لائق تعریفانہ کلمات بھی خود ہی ہمیں سکھاتا ہے تو اب بھلا لوگوں کو کیا خبط لاحق ہے کہ باطل اوہام اور شیطانی وساوس میں پڑ کر اللہ کو اِن صفات ہی سے تہی دامن اور خالی قرار دیتے ہیں اور اللہ کی بجائے اپنی باتوں کو اس کی تسبیح، تنزیہہ اور پاکی بیان کرنا شمار قرار دیتے ہیں۔

دوسری روایات میں یہ وضاحت بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دونوں پاؤں کھڑے تھے، (مسلم: 486) اور آپ ﷺ کے پاؤں کے انگلیوں والے حصے قبلے کی جانب مڑے ہوئے تھے۔ (نسائی: 1131) ......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس دعا کی جگہ یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ وتر میں یہ دعا پڑھتے۔ (ترمذی: 3566) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت پر یہ عنوان قائم کیا: ''وتر کی دعا کا بیان۔'' بعض روایات میں ہے کہ آپ وتر کے آخر میں یہ دعا پڑھتے۔ (ابوداؤد: 1427، نسائی: 1748، ابن ماجہ: 1179) اسی لیے امام ابوداؤد رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اسے وتروں کی دعائے قنوت کے باب میں ذکر کیا ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' (1/ 89) اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے ''تحفۃ الذاکرین'' (ص 129) میں ذکر کیا ہے کہ امام نسائی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دعا کو نماز سے فارغ ہوکر جب لیٹ جاتے تو پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم، ہوسکتا ہے کہ یہ روایت امام نسائی کی "اَلسُّنَنُ الْكُبْرٰى" میں ہو ورنہ "سُنَن النسائی" میں یہ روایت چار جگہ ہے اور ان میں یا تو سجدے میں اسے پڑھنے کا ذکر ہے یا وتروں کے اخیر میں ......الغرض تمام روایات کے عمومی الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز تہجد سجدے میں، قنوتِ وتر میں یا وتروں کے آخری سجدے یا آخری تشہد یا نماز کے بعد پڑھی جاسکتی ہے، اس دعا کے مختلف الفاظ منقول ہیں، سب سے جامع کلمات یہ ہیں: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ، لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ"

[500] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ طلحہ بن عبید اللہ بن کریز رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول

[500] (صحيح لغيره) جامع الترمذى، كتاب الدعوات، باب فى دعاء يوم عرفة، حديث: 3585، عبدالرزاق: 4/ 378 (8125)، بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 284، 5/ 117، وفى الدعوات الكبير: 2/ 246، الصحيحة للالبانى: 1503 ـ شیخ سلیم ہلالی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

أَبِـي زِيَـادٍ ، عَـنْ طَـلْـحَةَ بْـنِ عُبَيْدِ اللّٰـهِ بْنِ كَـرِيـزٍ ، أَنَّ رَسُـولَ الـلّٰهِ قَالَ : أَفْضَلُ الدُّعَاءِ دُعَـاءُ يَـوْمِ عَـرَفَةَ ، وَأَفْـضَـلُ مَـا قُلْتُ أَنَـا وَالـنَّبِيُّـونَ مِنْ قَبْلِي : لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ .

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے افضل دعا عَرفہ کے دن (9 ذوالحج) کی دعا ہے، اور میں نے اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام نے جو سب سے افضل کلمات کہے ہیں وہ یہ ہیں: اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔''

فائدہ: ...... اس حدیث کے دو مفہوم ممکن ہیں: (1) نو ذوالحج یعنی یوم عرفہ میں مانگی ہوئی دعائیں سب سے افضل ہوتی ہیں خواہ وہ زمین کے کسی بھی حصے پر مانگی جائیں، کیونکہ یہ دن پورے سال کا افضل ترین دن ہے اور اس دن کا روزہ گزشتہ اور آئندہ یعنی دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ (مسلم: 1162) تو جس طرح یہ دن تمام اہل زمین کے لیے افضل ہے اسی طرح اس دن کی ہر دعا بھی تمام اہل زمین والوں کے لیے افضل دعا شمار ہوتی ہے۔ (2) دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ صرف میدان عرفات میں حاجیوں کی دعا سب سے افضل اور بہترین ہے اور وہ بھی صرف " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ " کے الفاظ، چنانچہ مسند احمد (2/210) میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث، امام عُقَیلی رحمہ اللہ کی بیان کردہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث اور امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت اس دوسرے مفہوم کی توضیح اور تائید کرتی ہیں۔ (اس دوسرے مفہوم کو راجح قرار دینے والے شارحین نے علمِ نحو کے اعتبار سے " دُعَاءِ يَوْمِ عَرَفَةَ" کو "اَلدُّعَاءِ" سے بدل بنایا ہے نہ کہ خبر، اور پھر " اَفْضَلُ مَاقُلْتُ" کا " اَفْضَلُ الدُّعَاءِ " پر عطف ڈال کر ان دونوں کو مبتدا بنایا ہے جس کی خبر کلمہ " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" ہے۔)

مسند احمد (2/210) میں اس روایت کے الفاظ یوں آئے ہیں کہ عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کی زیادہ تر دعا ان الفاظ سے تھی: " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ " امام بیہقی رحمہ اللہ کی روایت میں "بِيَدِهِ الْخَيْرُ" سے پہلے "يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ" بھی ہے، جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت (3585) میں یہ دونوں جملے ہی نہیں ہیں۔ الغرض میدانِ عرفہ میں حاجیوں کو سب سے زیادہ اسی کلمے کا ورد کرنا چاہیے...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے کلمات بھی دعا ہی کہلاتے ہیں، سخی ذات کی جتنی تعریف کی جائے وہ اتنا ہی زیادہ عطا کرتی ہے، اور جو شخص دعا مانگنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد وثناء میں لگا رہے، اللہ تعالیٰ اُسے بن مانگے ہی عطا فرماتا رہتا ہے...... اس حدیث کے راوی طلحہ بن عبیداللہ بن کریز رحمہ اللہ تابعی ہیں اور یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ (نیز دیکھیے صحیح الجامع الصغیر: 1/ 248، حدیث: 1102، سلسلہ الاحادیث الصحیحۃ: 1503)

[501] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ طَاوُوسٍ الْيَمَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ، كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اُن (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو یہ دعا اس طرح (اہمیت دے کر) سکھاتے جس طرح اُنھیں قرآن کی (کوئی) سورت سکھاتے تھے، آپ ﷺ فرماتے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَاوَالْمَمَاتِ" ''اے اللہ! بے شک میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں عذابِ قبر سے تیری پناہ پکڑتا ہوں اور میں مسیح دجّال کے فتنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں زندگی وموت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

فائدہ: ......موطا امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ یہ دعا کب پڑھی جاتی تھی، البتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اسے نماز میں مانگنے کا ذکر ہے۔ (بخاری: 832، مسلم: 589) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے آغاز میں یہ الفاظ موجود ہیں: "اِذَا فَرَغَ اَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاٰخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ ...." ''جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہوتو (ان مذکورہ) چار چیزوں سے اللہ کی پناہ پکڑے.....'' (مسلم: 588/ 130) یعنی آدمی جب اپنی نماز کے آخر میں بیٹھے تو "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ......" پڑھ کر یہ دعا مانگے ...... چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں قرآن جیسی اہمیت کا ذکر ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں پناہ مانگنے کا حکم اور صیغہ امر ہے اور ایک روایت میں یہ حکم بھی ہے: "قُوْلُوْا" ''تم (اسے) کہا کرو۔'' (مسلم:590) اسی لیے ابن حزم، امیر صنعانی، شوکانی، البانی رحمہم اللہ اور اہلِ ظاہر ان کلمات کا آخری تشہّد میں پڑھنا فرض اور واجب قرار دیتے ہیں، حتیٰ کہ حضرت طاؤس رحمہ اللہ تو اسے نہ پڑھنے پر اپنے بیٹے کو نماز دہرانے کا حکم دیتے تھے۔ (مسلم: 590، مصنف عبدالرزاق بحوالہ زرقانی:2/ 57۔ سند صحیح ہے۔)

دجّال کا فتنہ بہت سخت ہے جس سے تمام انبیاء علیہم السلام نے پناہ مانگی، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آزمائش کے لیے اُن کے

[501] (صحيح) صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب مايستعاذ منه فى الصلاة، حديث: 590، سنن ابى داؤد، كتاب الوتر، باب فى الاستعاذة، حديث: 1542، ترمذى: 3494، نسائى: 5514، ابن ماجه:3840، مسنداحمد:1/ 242.

انتہائی تنگی والے حالات میں دجال کو بے پناہ وسائل دیے ہوں گے اوروہ ہر مکروفریب سے لوگوں کو گمراہ کررہا ہوگا، قیامت سے پہلے شیطان کا آخری مہرہ دجّال ہی ہوگا،اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے ۔آمین!...... دجّال کو دو وجہ سے مسیح کہا گیا ہے، یا تو اس لیے کہ مسیح بمعنیٰ "ماسح" (چھونے والا) ہے۔ یہ پوری زمین کی سیاحت کرے گا گویا پوری زمین کو چھوئے گا، یا اس لیے کہ مسیح بمعنیٰ "ممسوح" (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے۔ یہ ایک آنکھ سے کانا ہے گویا اس کی آنکھ پر ہاتھ پھیر کر اُسے مٹا دیا گیا ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح (بمعنیٰ ماسح) اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بیماروں کے جسموں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ شفایاب ہو جاتے تھے...... زندگی کے فتنے میں بری صحبتیں، مال وجاہ کی حرص، کمرتوڑ آزمائشیں وغیرہ شامل ہیں اور موت کے فتنے سے مراد جان کنی کے مرحلے کی تکلیف اور اس وقت میں شیطان کے داؤ پیچ ہیں۔

[502] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ طَاوُوسٍ الْيَمَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيَّامُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، أَنْتَ الْحَقُّ، وَقَوْلُكَ الْحَقُّ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَأَخَّرْتُ، وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ، أَنْتَ إِلَهِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے درمیان میں (تہجد کی) نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد اور سورۂ فاتحہ سے پہلے) یہ (دعا) پڑھتے: "اے اللہ! تیرے ہی لیے سب حمد ہے، (کیونکہ) تو آسمانوں اور زمین کا نُور (اور انھیں منوّر فرمانے والا) ہے، اور تیرے ہی لیے سب حمد ہے (کیونکہ) تو آسمانوں اور زمین کو خوب قائم رکھنے والا ہے، اور تیرے ہی لیے حمد ہے، (کیونکہ) تو آسمانوں اور زمین کا اور جو کوئی بھی ان میں (رہتے) ہیں، اُن سب کا (تو ہی) ربّ ہے، تو برحق ہے، تیرا (ہر ایک) قول برحق ہے، تیرا (دیا ہوا ہر) وعدہ برحق ہے، تجھ سے (ہماری) ملاقات برحق ہے، جنت برحق ہے، جہنم برحق ہے، اور قیامت (بھی) برحق ہے، (یہ سب غیبی امور مبنی برحقیقت ہیں اور کچھ یقیناً موجود ہیں اور کچھ آ کر رہیں گے۔) اے اللہ! تیرے ہی لیے میں مطیع ہوا، تیرے ساتھ ہی میں ایمان لایا، تجھ ہی پر

---

[502] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب التهجد بالليل، حدیث:1120، 6317، 7385، 7424، 7499، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حدیث: 769، ابوداؤد: 771، ترمذی:3718، نسائی:1620، ابن ماجه:1355، مسنداحمد:1/ 298 (2710)، دارمی: 1486۔

میں نے توکل کیا، تیری ہی طرف میں نے رجوع کیا، تیرے ہی ساتھ (اور تیری تائید ونصرت اور توفیق کے ساتھ) میں نے (تیرے دشمنوں سے) جھگڑا کیا اور تیری ہی طرف میں فیصلہ لے کر آیا، لہٰذا تو میرے لیے اُن تمام گناہوں کی مغفرت فرما جو میں نے پہلے کیے اور جو بعد میں کیے اور جو چھپ کر کیے اور جو علانیہ کیے، تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔''

[503] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فِي بَنِي مُعَاوِيَةَ، وَهِيَ قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ أَيْنَ صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ مَسْجِدِكُمْ هٰذَا، فَقُلْتُ لَهُ: نَعَمْ، وَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنْهُ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرِي مَا الثَّلَاثُ الَّتِي دَعَا بِهِنَّ فِيهِ، فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي بِهِنَّ، فَقُلْتُ: دَعَا بِأَنْ لَا يُظْهِرَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، وَلَا يُهْلِكَهُمْ بِالسِّنِينَ، فَأُعْطِيَهُمَا، وَدَعَا بِأَنْ لَا يَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ فَمُنِعَهَا، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَلَنْ يَزَالَ الْهَرْجُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَة.

عبداللہ بن عبداللہ بن جابر بن عتیک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس (ہماری بستی) ''بنی معاویہ'' میں تشریف لائے، یہ انصار (مدینہ) کی بستیوں میں سے ایک بستی (کا نام) ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھاری اس مسجد میں کس جگہ نماز ادا فرمائی تھی؟ میں نے اُن سے کہا کہ جی ہاں اور میں نے مسجد کی ایک جانب ان کے لیے اشارہ کیا، پھر انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمھیں ان تین باتوں کا علم ہے جن کی دعا رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُن (اُمتِ محمدیہ والوں) پر ان کے علاوہ (اقوام میں) سے کسی دشمن کو غالب (اور مسلط) نہ کرے، اور ان کو قحط سالی کے ساتھ ہلاک نہ کرے، چنانچہ آپ ﷺ کو یہ دونوں (دعائیں قبولیت کے ساتھ) دے دی گئیں اور (پھر تیسری) یہ دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ اُن (مسلمانوں) کی آپس میں لڑائی نہ ہونے دے لیکن اس (دعا) کو آپ ﷺ سے روک لیا گیا...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا، (پھر) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ قیامت کے دن تک (مسلمانوں کی باہمی) قتل وغارت مسلسل جاری رہے گی۔

فائدہ:...... پہلی اور دوسری دعا کی برکت سے چودہ صدیوں میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ پوری دنیا کے مسلمانوں پر بیک وقت کفار نے تسلط جمایا ہو یا سب پر قحط سالی مسلط ہوئی ہو، ہاں جزوی طور پر ایسا ہوتا رہتا ہے، تیسری

---

[503] (صحیح) مسند احمد: 5/ 445 (24150)، مستدرك حاكم: 4/ 517، ابن ابی شیبة فی تاریخ المدینة: 1/ 67، ابوعمرو فی السنن الواردة فی الفتن: 1/ 186، ابن عبد البر فی التمهيد: 19/ 195 ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

دعا کے حوالے سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کے جواب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بتایا: "اِنَّ رَبِّیْ قَالَ: یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اِذَا قَضَیْتُ قَضَاءً فَاِنَّهٗ لَا یُرَدُّ" ''بے شک میرے رب نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ! یقیناً میں جب کوئی فیصلہ مقرر کر لیتا ہوں تو بلاشبہ اسے رد نہیں کیا جاسکتا۔'' نیز فرمایا کہ'' وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قید میں ڈالیں گے۔'' (مسلم:2889)

[504] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَا مِنْ دَاعٍ يَدْعُو إِلَّا كَانَ بَيْنَ إِحْدَى ثَلَاثٍ، إِمَّا أَنْ يُسْتَجَابَ لَهُ، وَإِمَّا أَنْ يُدَّخَرَ لَه، وَإِمَّا أَنْ يُكَفَّرَ عَنْه.

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جو کوئی شخص بھی دعا کرتا ہے تو وہ ضرور تین نتائج میں سے کسی نہ کسی کے درمیان میں ہوتا ہے، یا تو اس کی وہی دعا قبول ہو (کر ہو بہو ظاہر ہو) جاتی ہے، یا پھر اس کے حق میں (آخرت کے لیے) ذخیرہ کر دی جاتی ہے اور یا پھر اس (کے گناہوں) کا کفارہ بنادی جاتی ہے۔

فائدہ:......حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَا عَلَى الْاَرْضِ مُسْلِمٌ یَدْعُو اللّٰهَ تَعَالٰی بِدَعْوَةٍ اِلَّا اٰتَاهُ اللّٰهُ اِیَّاهَا اَوْصَرَفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا مَالَمْ یَدْعُ بِمَاْثَمٍ اَوْقَطِیْعَةِ رَحِمٍ" ''زمین پر جو کوئی بھی مسلمان اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو وہی دعا (والی مانگی ہوئی چیز) عطا فرمادیتے ہیں، یا پھر اس دعا کے حساب سے کوئی تکلیف اس سے دور فرمادیتے ہیں جب تک کہ وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔'' لوگوں میں سے ایک شخص (یہ سن کر) کہنے لگا کہ تب ہم (دعا کا سلسلہ) زیادہ کر دیں گے، (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: "اَللّٰهُ اَكْثَرُ" ''اللہ (اس سے) بھی زیادہ دینے والا ہے۔'' (ترمذی: 3573۔ اس کی سند حسن ہے۔) اسی طرح حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''جو شخص کوئی بھی دعا کرے جس میں نہ گناہ ہو نہ قطع رحمی تو "اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰی ثَلَاثٍ اَمَّا اَنْ یُّعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَاِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ یَّصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا" ''اللہ تعالیٰ اُسے تین میں سے ایک چیز ضرور عطا فرمادیتے ہیں: یا تو اس کی دعا فوراً (قبول فرما کر مانگی ہوئی چیز) عطا فرمادیتے ہیں، یا اس کے لیے اس دعا کو آخرت میں ذخیرہ فرمادیتے ہیں اور یا پھر اس دعا کے حساب سے کسی مصیبت کو اس سے دور ہٹا دیتے ہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ پھر تو ہم اور زیادہ دعائیں مانگیں گے تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے۔'' (مسند احمد:3/ 18، مستدرك حاكم:1/ 463، شعب الایمان للبیهقی:2/ 48، ابن ابی شیبه: 6/ 22۔ سند حسن ہے۔)

[504] (مقطوع صحیح) بیهقی فی الدعوات الکبیر: 1/ 89 (328) وفی شعب الایمان: 3/ 332 (1089)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

9- بَابٌ: الْعَمَلُ فِي الدُّعَاءِ

دعا کے طریقہ کار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں سات روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں اور دونوں کی سندیں صحیح ہیں، تین موقوف (آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور دو ضعیف ہیں اور دو مقطوع (آثارِ تابعین رحمہم اللہ) ہیں اور وہ دونوں صحیح ثابت ہیں، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی موجود ہے۔

[505] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ: رَآنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَأَنَا أَدْعُو وَأُشِيرُ بِأَصْبُعَيْنِ، أَصْبُعٍ مِنْ كُلِّ يَدٍ، فَنَهَانِي.

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا، میں دعا کر رہا تھا اور دو انگلیوں یعنی ہر ہاتھ کی ایک ایک انگلی سے اشارہ کر رہا تھا تو انھوں نے مجھے روک دیا۔

فائدہ: ...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی دو انگلیوں کے ساتھ (اشارہ کرتے ہوئے) دعا مانگ رہا تھا تو رسول اللہ نے فرمایا: "اَحِّدْ اَحِّدْ" "ایک کے ساتھ، ایک کے ساتھ اشارہ کرو۔" (ترمذی: 3557، نسائی: 1273۔ سند حسن ہے۔) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ میرے پاس سے گزرے اور میں اپنی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کر کے دعا مانگ رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا کہ "ایک کے ساتھ اشارہ کرو، ایک کے ساتھ اشارہ کرو۔" (ابوداود: 1499، نسائی: 1274۔ اس کی سند صحیح ہے۔)...... الغرض بوقت دعا تمام آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں اور تضرع اور گریہ کے ساتھ ایک سوالی کی طرح یا تو دونوں ہاتھوں کو پھیلانا چاہیے یا اثبات توحید اور تعلق باللہ ظاہر کرنے کے لیے شہادت کی صرف ایک انگلی کے ساتھ اوپر کی طرف اشارہ کرنا چاہیے۔

[506] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيُرْفَعُ بِدُعَاءِ وَلَدِهِ مِنْ بَعْدِهِ، وَقَالَ بِيَدَيْهِ نَحْوَ السَّمَاءِ، فَرَفَعَهُمَا.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیَّب فرمایا کرتے تھے: بے شک آدمی کو اس کے (مرنے کے) بعد اس کی اولاد کی دعا کی بدولت (مرتبہ ومقام میں) بلند کر دیا جاتا ہے، یہ بیان کرتے ہوئے سعید بن مسیَّب نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھا دیا۔

فائدہ: ...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ الرَّجُلَ لَتُرْفَعُ دَرَجَتُهُ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اَنّٰى هٰذَا فَيُقَالُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ "بے شک جنت میں آدمی کا درجہ بلند کر دیا

[505] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

[506] (صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

جاتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ یہ کیسے ہوا؟ تو اُسے جواب دیا جاتا ہے کہ تیرے لیے تیری اولاد کے استغفار کرنے کی وجہ سے (ایسا ہوا ہے)۔'' (ابن ماجه: 3660 ، مسنداحمد:2/ 502 ، الصحيحة:1598 ۔اس کی سند حسن ہے۔)

[507] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاً﴾ [الاسراء: 110] فِي الدُّعَاءِ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ یہ آیت مبارکہ دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً (بنی اسرائیل 110:17) ''اور آپ اپنی نماز (دعا) نہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بالکل پست آواز سے، بلکہ اس کے درمیان درمیان راستہ اختیار کیجیے۔''

فائدہ : ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ (بخاری: 4723) اس تفسیر میں ''صَلَاة'' سے مراد دعا لی گئی ہے کیونکہ صلاۃ کے لغوی معنی دعا ہی کے ہیں یا پھر کُل بول کر جُز مراد لیا گیا ہے اور دعا جو کہ نماز کا اہم جز ہے اُس کا نام ہی نماز رکھ دیا گیا ہے ......اس آیت مبارکہ کی شان نزول کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر رہتے ، جب ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو آواز قدرے بلند کر لیتے ،مشرکین قرآن سن کر قرآن اور اللہ کو گالی دینے لگتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی کہ درمیانی آواز سے تلاوت کیا کریں۔ (بخاری: 7490 ، مسلم: 446) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا تعلق نماز میں کی جانے والی قراءت سے جوڑا ہے نہ کہ دعا سے ...... دراصل بات یہ ہے کہ صحابہ کرام جب کسی جامع آیت کے ساتھ کسی بھی مسئلے اور معاملے کا تعلق محسوس کرتے تو وہ یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ آیت فلاں مسئلے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ یہ مسئلہ بھی اس آیت کے ضمن میں شامل ہے۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ؟ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِالدُّعَاءِ فِيهَا.

امام مالک رحمہ اللہ سے فرض نماز میں دعا مانگنے کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس (فرض نماز) میں دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[507] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق فی التفسير: 1/ 2 (393)، طبری فی جامع البيان:15/ 122 ۔ یہ موقوف یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ثابت ہے، دیکھیے: صحيح البخاری ، كتاب الصلاة ، كتاب تفسير القرآن ، سورة بنی اسرائيل ، باب ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها ، حديث : 4723 ، 6327 ، 7526 ، صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب التوسط فی القراء ة فی الصلاة الجهرية ، حديث:447.

فائدہ :......نماز کے چار اہم مقامات ہیں، قیام میں تو صرف تلاوت ہوتی ہے یا زیادہ سے زیادہ تکبیر تحریمہ کے بعد حمد وثناء کے کلمات اور بعض دعائیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں۔ مثلاً (بخاری: 744، مسلم: 771، نسائی: 897)......رکوع میں صرف اللہ کی تعظیم وتسبیح کرنا ہوتی ہے۔ (مسلم: 479) البتہ اس میں بھی دعائے مغفرت ثابت ہے۔ (بخاری: 817، مسلم: 484) رکوع سے پہلے دعائے قنوتِ وتر اور رکوع کے بعد دعائے قنوت نازلہ بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت اور مشہور ہیں ......رہا سجدہ اور تشہد تو اس میں جس قدر خواہش ہو دعا مانگنا جائز ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے مرض الموت کے حوالے سے بیان کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفوں میں موجود تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس دوران اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا، آپ کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے اس موقع پر چند وصیتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی: وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ ''اور رہا سجدہ تو اس میں دعا مانگنے میں خوب محنت کیا کرو کیونکہ یہ اس لائق ہے کہ تمھارے حق میں قبول کی جائے۔'' (مسلم: 479) اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ فرمانِ نبوی ﷺ نقل فرماتے ہیں: اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَاءَ ''بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو، لہٰذا خوب کثرت سے دعا مانگا کرو۔'' (ابوداؤد: 850، ترمذی: 284، ابن ماجہ: 898۔ اس کی سند حسن ہے۔)

تشہد میں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی پسند کی دعائیں مانگنے کی عام رخصت اور اختیار دے دیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں کلماتِ تشہد پڑھنے کے بعد کے متعلق فرمایا: ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهٗ اِلَيْهِ فَيَدْعُوْ ''پھر آدمی کو چاہیے کہ وہ دعا منتخب کرے جو اُسے سب سے زیادہ پسند ہو، چنانچہ وہ اُسے مانگتا رہے۔'' (بخاری: 835، مسلم: 402)

یاد رہے کہ چونکہ نماز عربی زبان ہی میں ہوتی ہے اس لیے نماز کی ہر دعا اور ہر ذکر عربی زبان ہی میں ہو سکتے ہیں، نیز سجدہ وتشہد میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہمیں کثرت سے اور پسندیدہ ترین دعائیں مانگنے کی عام رخصت عطا ہوئی ہے، اس میں فرض ونفل کا فرق نہیں کیا گیا، اس لیے کسی فقیہ وعالم کے دلائل اس عام رخصت کو ختم نہیں کر سکتے اور دین ودنیا اور آخرت کی ہر قسم کی بھلائی کی ہر دعا خواہ وہ قرآن وسنت میں منقول ہو یا نہ، مانگنا درست ہے۔ بعض علماء کا غیر منقول دعائیں پڑھنے سے روکنا احادیث کے سراسر خلاف ہے، زیادہ سے زیادہ صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جو آدمی عربی بنانا نہیں جانتا وہ صرف منقول دعائیں پڑھے یا کسی سے سیکھ لے اور جو عربی زبان کے قواعد کے مطابق دعا کی صحیح ادائیگی کر سکتا ہو تو اس کے لیے سب دعائیں جائز ہیں، لیکن اگر وہ اپنے الفاظ کی بجائے صرف قرآنی ونبوی دعائیں مانگے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ ہمارے الفاظ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے الفاظ جیسی تاثیر نہیں پا سکتے، بلکہ اگر وہ سجدہ اور تشہد

کی صرف ان دعاؤں کو ترجیح دے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ان حالتوں میں منتخب کیا تو یہ اور زیادہ بہتر ہے لیکن صرف انھی دعاؤں کا پابند کرنا بھی حکمِ پیغمبر ﷺ کے منافی ہے ...... سجدے میں قرآن پڑھنے کی تو ممانعت ہے لیکن قرآنی دعاؤں کو دعا کی نیت سے پڑھنا بالکل درست ہے، بعض علماء کرام اس سے منع کر دیتے ہیں حالانکہ کسی لفظ کو قرآن کی نیت سے الگ پڑھنا ہے اور کسی اور نیت مثلاً دعا کے طور پر پڑھنا الگ حیثیت کا حامل ہے جس طرح کہ کوئی شخص کفریہ کلمہ بولے تو کافر ہو جائے گا لیکن اللہ کے نقل کردہ اقوالِ کفار کو قرآن کی تلاوت میں پڑھے تو اجر پائے گا، بس نیت نیت کا فرق ہے۔

[508] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو فَيَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ، وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ، وَإِذَا أَرَدْتَ فِي النَّاسِ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے نیک کاموں کے کرتے رہنے، برے کاموں کو چھوڑے رکھنے اور مسکینوں سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور جب کبھی تو لوگوں میں کسی فتنے (کے اتارنے) کا ارادہ فرمالے تو مجھے فتنے میں مبتلا کیے بغیر اپنی طرف بلا لینا۔''

فائدہ :...... کسی مصیبت وغیرہ کی وجہ سے موت کی واضح تمنا کرنا تو حرام ہے لیکن اس مذکورہ انداز میں موت کی دعا مانگنا یا حالت اسلام وایمان پر موت کی دعا کرنا یا شہادت کی تمنا کرنا جائز ہے، نبی کریم ﷺ نے ایک اور دعا سکھاتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی شخص کسی بھی نقصان اور تکلیف کے پہنچنے پر موت کی تمنا ہرگز نہ کرے، لیکن اگر کوئی اور چارہ نہ دیکھے اور موت کی تمنا کو ضروری خیال کرے تو یوں کہے: اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَاكَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ ''اے اللہ! جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو مجھے فوت فرمالینا۔'' (بخاری: 5671، مسلم: 2680، نیز دیکھیے نسائی: 1306۔ اس کی سند حسن ہے) ...... موطا امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں مذکور دعا مزید تفصیل کے ساتھ سنن ترمذی میں موجود ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیدارِ الٰہی نصیب ہوا جس میں آپ ﷺ نے اللہ سے کافی گفتگو فرمائی، آپ ﷺ نے وہ خواب نماز فجر کے بعد سب نمازیوں کو بٹھا کر سنایا، اُسے سچا خواب قرار دے کر اُسے یاد رکھنے کا حکم فرمایا۔ اَللّٰهُمَ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِيْ وَتَرْحَمَنِيْ وَاِذَا اَرَدْتَّ

---

[508] (صحیح لغیرہ) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ اس کے شواہد کے لیے دیکھیے: جامع الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة ص، حدیث: 3233، 3235، احمد: 1/ 368 (3484)، 5/ 243 (22460).

فِتْنَةً فِی قَوْمٍ فَتوَفَّنِی غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَّاَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُ اِلٰی حُبِّكَ

''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں نیکیوں کے کرنے کا، برائیوں کے چھوڑنے کا اور مسکینوں سے محبت کرنے کا اور اس بات کا کہ تو میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحمت فرما اور جب تو کسی قوم میں کسی فتنے (کے برپا کرنے) کا ارادہ کرلے تو مجھے فتنے میں مبتلا کیے بغیر ہی فوت کر لینا اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے ساتھ محبت کرنے کا، تجھ سے محبت کرنے والوں کے ساتھ محبت کرنے کا اور اس عمل سے محبت کرنے کا جو تیری محبت کے قریب کرتا ہو۔''

(ترمذی: 3235۔ محدث البانی نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔)

[509] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ دَاعٍ یَدْعُو إِلَی هُدًی، إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنِ اتَّبَعَه، لَا یَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَیْئاً، وَمَا مِنْ دَاعٍ یَدْعُو إِلَی ضَلَالَةٍ، إِلَّا كَانَ عَلَیْهِ مِثْلُ أَوْزَارِهِمْ، لَا یَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَیْئاً.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی بھی دعوت دینے والا (کسی) ہدایت (کے کام) کی طرف دعوت دے گا تو ضرور اسے بھی اُس شخص کے اجر کے برابر (زائد اجر) ملے گا جو اس کی پیروی کرے گا اور (اس کا) یہ (زائد اجر) اُن (پیروکاروں) کے اجر میں کوئی کمی (بھی) نہیں کرے گا، اور جو کوئی بھی دعوت دینے والا گمراہی کی طرف بلائے گا تو اُس پر ضرور اُن (پیروکاروں) کے گناہوں کے برابر (بھی) وبال ہوگا اور یہ اُن کے گناہوں میں کوئی کمی واقع نہیں کرے گا۔''

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ حدیث اس مناسبت سے ذکر کی ہے کہ دعا کرنے اور دعوت دینے کے لیے عربی زبان میں ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، دونوں کے لیے ''دَعَا، یَدْعُوْ، اور دَاعٍ'' وغیرہ الفاظ مستعمل ہیں حتی کہ مصدر بھی ''دَعْوَۃٌ'' اور ''دَعَاء'' وغیرہ یکساں ہی ہیں یا پھر ممکن ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ جو شخص ہدایت یا گمراہی پھیلانے اور صحیح یا غلط عقیدہ پھیلانے کی خاطر جس طرح کی کوششیں اور دعائیں کرے گا اُسی طرح کا نتیجہ پالے گا۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں اسی قسم کی دعا آرہی ہے۔ واللہ اعلم۔

[510] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَه، أَنَّ

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

---

[509] (صحیح) صحیح مسلم، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة اوسیئة، حدیث: 2674، سنن ابی داؤد، كتاب السنة، باب من دعا الی السنة، حدیث: 4609، ترمذی: 2674، ابن ماجه: 206، احمد: 2/ 397، دارمی: 513.

[510] (موقوف ضعیف) ابو نعیم فی حلیة الاولیاء: 1/ 308، ابن ابی شیبة: 29852، بیهقی: 5/ 44۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ : اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنْ أَئِمَّةِ الْمُتَّقِينَ .

نے (دعا مانگتے ہوئے) کہا: اے اللہ! مجھے پرہیز گاروں کے اماموں (اور پیشواؤں) میں سے بنا دے۔

فائدہ: ...... اس قسم کی دعا کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ خیر و بھلائی کے امام اور پیشوا کو اپنے مقتدیوں اور پیرکاروں کے اجر کے برابر ثواب نصیب ہوگا اور وہ ان تمام سے افضل قرار پائے گا۔ یہی صورتحال اس کے برعکس شرّ وفساد کے امام کی ہے...... یہ دعا دراصل رحمان کے ان پیارے بندوں کی دعاؤں میں سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ یہ دعا بھی مانگا کرتے ہیں: ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ (فرقان 74:25) ''اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔'' ...... اس دعا کے دو حصے ہیں جن کا ایک ایک مفہوم تو ترجمے ہی سے ظاہر ہے، جبکہ ایک ایک مفہوم اس آیت کی جامعیت کی روشنی میں ذرا غور کرنے سے عیاں ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس دعا کے پہلے حصے میں اچھی بیوی اور نیک اولاد کے حصول کی دعا بھی شامل ہے، کیونکہ ان سے آنکھوں کی ٹھنڈک تبھی نصیب ہوگی جب کہ بیوی اور اولاد موجود بھی ہو، اور دوسرے حصے میں یہ دعا بھی شامل ہے کہ اے اللہ! ہماری اولاد سے متقی لوگوں کی نسل کا سلسلہ جاری فرما کیونکہ ماں باپ بھی اولاد اور نسل کے امام اور پیشوا ہی ہوتے ہیں۔

[511] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ أَبَا الدَّرْدَاءِ كَانَ يَقُومُ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَيَقُولُ : نَامَتِ الْعُيُونُ ، وَغَارَتِ النُّجُومُ ، وَأَنْتَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ رات کو جب بیدار ہوتے تو (دعائیہ انداز میں) کہتے: آنکھیں سو گئیں اور تارے ڈوب گئے اور (اے اللہ!) تو ہی ہمیشہ سے زندہ اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔

فائدہ: ...... اس قسم کی دعا بے خوابی کے مریض کے لیے مانگی جاتی ہے کہ اے اللہ! بہت سی مخلوق محو نیند ہے لہٰذا مجھے بھی نیند عطا فرما، تارے غروب اور پرسکون ہو گئے ہیں تو مجھے بھی سکون عطا فرما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند میں گھبرا جانے والے کو یہ دعا بھی سکھائی ہے: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ ''میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے غضب سے، اس کی سزا سے، اس کے بندوں کے شر سے، شیطانوں کے وسوسوں سے اور اس سے کہ وہ شیطان میرے پاس حاضر ہوں۔'' (ترمذی: 3528، ابوداؤد: 3893، اس کی سند حسن ہے۔) ...... بعض شارحین نے موطا امام مالک رحمہ اللہ کی دعا کو تہجد کے لیے بیدار ہونے کی دعاؤں میں شمار کیا ہے، حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

[511] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جوشخص رات کے وقت بیدار ہوجائے اور یہ (مندرجہ ذیل) کلمات کہہ کر کوئی بھی دعا مانگے تو وہ شرف قبولیت حاصل کرلیتی ہے: لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْـدَهٗ لَا شَـرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْ ءٍ قَدِيْرٌ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (بخاری:1154) اسی طرح حضرت مُعاذ بن جَبَل ؓ کی روایت میں یہ فرمان نبوی ہے: ''جوشخص باوضو ہوکر ذکر الٰہی کر کے سوئے، پھر رات کسی بھی وقت اس کی آنکھ کھل جائے اور وہ اللہ سے کسی بھی خیر وبھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسے وہ چیز عطا فرما دیتے ہیں۔'' (ابوداؤد:5042 ، ابن ماجه: 3881 ، مسند احمد: 5/ 241 ۔ اس کی سند صحیح ہے۔) رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب رات کو بیدار ہوتے تو سورۂ آل عمران کا آخری رکوع پڑھتے۔ (بخاری: 4569، مسلم: 763) مزید اذکار اور دعائیں بھی ثابت ہیں، دیکھیے، ابوداود: 766۔ سند صحیح ہے، ترمذی: 3416، سند صحیح ہے، مسلم: 2781۔

10- بَابٌ : النَّهْيُ عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَبَعْدَ الْعَصْرِ

نماز فجر اور نماز عصر کے بعد (نفلی) نماز پڑھنے کی ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں سات روایات ہیں جن میں سے پانچ مرفوع یعنی احادیث نبویہ ہیں اور ان میں سے ایک ضعیف جبکہ باقی صحیح ہیں، اور دو موقوف (آثار صحابہ ؓ) ہیں اور دونوں صحیح ثابت ہیں۔

[512] حَـدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ ، فَإِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا ، ثُمَّ إِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا ، فَإِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا ، فَإِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوبِ قَارَنَهَا ، فَإِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فِي تِلْكَ السَّاعَاتِ .

حضرت عبد اللہ صنابحی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک سورج اس حال میں طلوع ہوتا ہے کہ شیطان کا سینگ اس کے ساتھ ہوتا ہے، پھر جب سورج بلند ہوجاتا ہے تو وہ (سینگ) اس سے جدا ہوجاتا ہے، پھر جب (سورج) سیدھا (سر پر) ہوجاتا ہے تو وہ (سینگ پھر) اس کے ساتھ مل جاتا ہے، پھر جب وہ ڈھل جاتا ہے تو وہ اس سے جدا ہوجاتا ہے اور جب (سورج) غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو وہ (پھر) اس کے

---

[512] (ضعیف) سنن النسائی، کتاب المواقیت، باب الساعات التی نهی عن الصلاة فیها، حدیث:560 ، ابن ماجه ، کتاب اقامة الصلوات، باب ماجاء فی ا لساعات التی تکره فیها الصلاة ، حدیث: 1253 ، احمد:4/ 394 (19280)، بیهقی:2/ 454 ، عبدالرزاق: 2/ 425 (3950) ۔ شیخ سلیم ہلالی، شیخ احمد علی سلیمان اور علامہ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے (ارواء الغلیل:2/ 238)۔

ساتھ مل جاتا ہے اور جب وہ غروب ہوجاتا ہے تو اس سے جدا ہوجاتا ہے۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان (تینوں) اوقات میں نماز ادا کرنے سے منع فرمادیا۔

فائدہ :...... چونکہ سورج کے پجاری ان اوقات میں سورج کی پرستش کرتے ہیں اس لیے شیطان ان اوقات میں سورج کے ساتھ اس لیے مل جاتا ہے کہ ان مشرکوں کا سجدہ شیطان کی طرف ہو جس نے اُنھیں اِس کام پہ لگایا ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عمرو بن عَبَسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں طلوع وغروب کے متعلق یہ فرمان نبوی ہے: وَ حِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ''اور اس وقت کُفّار سورج کو سجدہ کررہے ہوتے ہیں۔'' (مسلم: 832) اور سورج کے سر پر پہنچنے کے حوالے سے فرمانِ نبوی ہے: فَإِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ ''بلاشبہ اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے۔'' (مسلم: 832) جہنم کا بھڑکنا اور جوش مارنا اُس وقت ہونے والی شرکیہ عبادت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے...... الغرض کفار ومشرکین کے ساتھ مشابہت سے بچنے کے لیے ان اوقات میں نماز ممنوع ہے لیکن چونکہ بیت اللہ سامنے موجود ہونے کی بنا پر مشابہت ختم ہوجاتی ہے اس لیے وہاں یعنی مسجد حرام میں ہر وقت نماز جائز ہے۔ (ابو داود: 1894، ترمذی: 868، نسائی: 2927، ابن ماجہ: 1254 ۔ اس کی سند صحیح ہے) اسی طرح جمعہ کے دن سورج کے سر پر پہنچنے کے باوجود نماز پڑھنے کی بھی اجازت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے قول وفعل سے ثابت کیا ہے کہ سورج ڈھلتے ہی فوراً بعد جمعہ کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ (بخاری: 904، مسلم: 860) لہٰذا خطیب سورج ڈھلتے ہی خطبہ جمعہ شروع کرسکتا ہے اور متعدد احادیث میں نبی کریم ﷺ نے خطبہ جمعہ کا آغاز ہونے تک نوافل کو جائز رکھا ہے۔ (بخاری: 883، 910، مسلم: 857) اور یہ ظاہر بات ہے کہ سورج ڈھلنے سے قبل ہمارے سروں کے اوپر اور ان کی سیدھ میں ہوتا ہے، یوں نوافل کی ادائیگی اس وقت میں ثابت ہوگئی۔

علمائے امت کا دو اوقات یعنی نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اور نمازِ عصر سے غروبِ آفتاب تک کے حوالے سے دو باتوں پر اجماع ہے: (1) ان اوقات میں فرائض ادا بھی ہوسکتے ہیں اور قضا بھی (2) ایسے نوافل جن کا کوئی سبب نہ ہو وہ مکروہ ہیں...... البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کسی سبب کی بنا پر اِن مکروہ اوقات میں نوافل پڑھنے کا کیا حکم ہے، یہ سبھی نمازیں تحیۃ المسجد، نمازِ جنازہ اور نمازِ گرہن وغیرہ ہیں، ان کے متعلق راجح موقف جواز ہی کا ہے یعنی ان اوقات میں یہ نمازیں نہ تو حرام ہیں اور نہ ہی واجب ہیں، واللہ اعلم...... امام مالک رحمہ اللہ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ نصفُ النّہار یعنی سورج کے سر کی سیدھ میں پہنچ جانے کے وقت نماز کو مکروہ بھی نہیں جانتے تھے، تو اگر یہ روایت اُن سے ثابت ہو بھی جائے تو صحیح احادیث نبویہ کے ساتھ متصادم ہونے کی بنا پر ناقابل قبول ہے۔

شیطان کے سینگ کتنے ہیں؟ موطا امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں ایک کا ذکر ہے جو کہ سنداً کمزور ہے، البتہ صحیح مسلم کی روایت (832) میں دو سینگوں کا ذکر ہے اور یہی راجح ہے، اس کے مطلب اور مراد میں بھی مختلف اقوال ہیں،

راجح قول یہ ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح جنات وشیاطین کے بھی سینگ پیدا کرے، اکثر علماء نے اُس کے سر کی دو جانبیں مراد لی ہیں کیونکہ ''قَرن'' کے معنی سر کی جانب اور کنارے کے بھی ہوتے ہیں، بہرحال باقی اقوال کمزور ہیں جو کہ درج ذیل ہیں: قَرن بمعنیٰ مقارنت، قَرن بمعنیٰ قوت وغلبہ اور قَرن بمعنی جماعت وگروہ۔

[513] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: إِذَا بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ، حَتَّى تَبْرُزَ، وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيبَ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عُروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''جب آفتاب کا کنارہ ظاہر ہوجائے تو نماز کو مؤخر کردیا کرو یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) ظاہر ہو (کر بلند ہو) جائے اور جب اس کا کنارہ غائب ہوجائے تو نماز کو مؤخر کردیا کرو حتی کہ وہ (مکمل) غائب ہوجائے۔''

فائدہ:...... یادرہے کہ مکروہ اوقات پانچ ہیں: (1) نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک (2) نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک (3) وقت طلوع (4) نصف النہار (5) وقتِ غروب ...... پہلے دو اوقات میں تو فرائض کی قضائی اور نفلی سببی نمازوں کی ادائیگی ہوسکتی ہے لیکن آخری تینوں اوقات میں یہ بھی جائز نہیں۔ ہاں ایک فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق جس شخص کی نماز فجر یا نماز عصر کسی عُذر کی بنا پر لیٹ ہوجائے اور وہ سورج کے طلوع یا غروب کا آغاز ہونے سے پہلے پہلے ایک مکمل رکعت پڑھ سکتا ہو تو اُسے وہ نماز شروع کردینی چاہیے اور ظاہر بات ہے کہ ایسی صورت میں باقی ماندہ نماز عین طلوع یا غروب کے وقت ہوگی تو یہ مستثنیٰ ہے اور ایسی نماز کو بھی ادا ہی شمار کیا جائے گا۔ (بخاری: 579، مسلم: 608)

احناف کا اس مذکورہ مسئلے میں صرف عصر کی اجازت دینا اور فجر سے منع کرنا خلافِ حدیثِ مصطفیٰ ﷺ ہے، اور جو شخص آغازِ طلوع وغروب سے پہلے پہلے ایک مکمل رکعت نہ پڑھ سکتا ہو تو اُس کی نماز قضا ہوگی اور وہ انتظار کرے گا یہاں تک کہ سورج طلوع ہوکر کم ازکم ایک یا دو نیزے کی مقدار بلند ہوجائے اور مکمل غروب ہوجائے...... موطا امام مالک میں تو صرف ظاہر ہوجانے کا ذکر ہے لیکن صحیح بخاری (583) اور صحیح مسلم (831) کی روایات میں سورج کے بلند ہونے تک انتظار کا ذکر ہے اور کم ازکم ایک یا دو نیزوں کے بقدر سورج کا بلند ہونا بھی متعین ہے۔ (ابو داؤد: 1277، نسائی:

---

[513] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب مواقيت الصلاة، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، حديث: 583، 3372، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الاوقات التي نهى عن الصلاة فيها، حديث: 829، نسائي: 572، احمد: 2/ 19 (3694).

573 ، ابن ماجه: 1251۔اس کی سند صحیح ہے۔)

[514] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بَعْدَ الظُّهْرِ، ﷺ فَقَامَ يُصَلِّي الْعَصْرَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ، ذَكَرْنَا تَعْجِيلَ الصَّلَاةِ أَوْ ذَكَرَهَا، ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ: تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ، يَجْلِسُ أَحَدُهُمْ حَتَّى إِذَا اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ، وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ، أَوْ عَلَى قَرْنِ الشَّيْطَانِ، قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعاً، لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلاً.

علاء بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم ظُہر کے بعد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گئے ،تو وہ کھڑے ہوکر نمازِ عصر پڑھنے لگے، چنانچہ جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے یا انھوں نے نماز جلدی ادا کر لینے کا تذکرہ چھیڑ دیا، تو وہ کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے ، یہ منافقوں کی نماز ہے کہ اُن میں سے کوئی بیٹھا رہتا ہے یہاں تک کہ جب سورج زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کے دوسینگوں کے درمیان میں پہنچ جاتا ہے یا (فرمایا کہ سورج) شیطان کے سینگ کے اوپر آ جاتا ہے تو وہ (منافق) کھڑا ہوکر چار ٹھونگیں لگا لیتا ہے، وہ نماز میں اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتا مگر صرف تھوڑا سا۔''

فائدہ :......اس حدیث مبارکہ میں بغیر عذر کے نمازِ عصر میں تاخیر کرنے والوں کی مذمت بیان ہوئی ہے اور منافقوں کی یہ عام روٹین اور معمول ہے...... یہ مطلب نہیں کہ اہل عُذر کے لیے بھی اس وقت میں نماز پڑھنا ممنوع ہے جیسا کہ بعض کم علم حضرات لوگوں کو یہ کہہ کر روک دیتے ہیں کہ دھوپ زرد پڑ چکی ہے، اب مغرب کے بعد ہی قضائی دے لینا، یہ سراسر غلطی اور جہالت ہے کیونکہ بخاری (579) اور مسلم (608) کی روایت میں نہایت وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ غروب کا آغاز ہونے سے پہلے پہلے صرف ایک رکعت ہی پڑھ لی جائے (اور باقی نمازِ عصر سورج کے غروب کے دوران اور بعد میں) تو یہ نماز ادا شمار ہوگی ...... یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء کا یہ متفقہ فتویٰ ہے کہ عصر کا وقت رہتا تو غروب آفتاب تک ہے لیکن افضل ومختار وقت سورج زرد ہونے سے پہلے پہلے ہے اور سورج کی دھوپ زرد ہونے کے بعد اضطراری اور غیر اختیاری وقت باقی رہتا ہے، نیز عُذر کی بنا پر تاخیر سے پڑھنے والا شخص منافقین میں شامل نہیں ہوتا۔

---

[514] (صحیح) صحیح مسلم ، کتاب المساجد و مواضع الصلاة ، باب استحباب التبکیر بالعصر ، حدیث: 622 ، سنن ابی داود ، کتاب الصلاة ، باب وقت العصر ، حدیث: 413 ، ترمذی: 160 ، نسائی: 512 ، احمد: 3/ 149 (12537) .

[515] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَتَحَرَّ أَحَدُكُمْ فَيُصَلِّيَ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص (یہ) قصد (اور جستجو) نہ کرے کہ نماز کو عین طلوع آفتاب یا عین غروب آفتاب کے وقت میں پڑھے۔''

[516] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَعَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر (کی نماز) کے بعد (نفلی) نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے اور صبح (کی نماز) کے بعد بھی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے۔''

فائدہ: ......البتہ ان دونوں اوقات میں سببی نمازیں جائز ہیں مثلاً نمازِ جنازہ، نماز گرہن، تحیۃ المسجد وغیرہ حتیٰ کہ کسی سنت مؤکدہ کی قضائی دینا بھی جائز ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ عبدالقیس قبیلے کے وفد سے ملاقات کی بنا پر ظہر کے بعد کی دوسنت مؤکدہ نہ پڑھ سکے تو آپ نے انھیں نمازِ عصر کے بعد پڑھا۔ (بخاري:4370، مسلم: 834) اور یہ حدیث ان اوقات میں سببی نمازوں کے جواز کی دلیل ہے۔

[517] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَقُولُ: لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَطْلُعُ قَرْنَاهُ مَعَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَيَغْرُبَانِ مَعَ غُرُوبِهَا،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عین طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز کا قصد نہ کیا کرو کیونکہ شیطان کے دونوں سینگ (یا سر کے دونوں کنارے) طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی طلوع ہوتے ہیں اور سورج کے غروب کے

---

[515] (صحيح)صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب لاتتحرى الصلاة قبل غروب الشمس، حديث: 585، 1629، 3273، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الاوقات التى نهى عن الصلاة فيها، حديث: 828، نسائي:564، احمد:2/ 33 (4885).

[516] (صحيح)صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب لاتتحرى الصلاة قبل غروب الشمس، حديث: 588، 584، 5819، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الاوقات التى نهى عن الصلاة فيها، حديث: 825، نسائي:562، ابن ماجه:1248، احمد:2/ 462 (9954).

[517] (موقوف صحيح) عبدالرزاق:2/ 426 (3952)، ابن خزيمه فى حديث على بن حجر:ص 150 (35)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

وَكَانَ يَضْرِبُ النَّاسَ عَلَى تِلْكَ الصَّلَاةِ.

ساتھ ہی وہ غروب ہوتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس (وقت کی) نماز پر لوگوں کو مارا کرتے تھے۔

فائدہ: ......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں بیان فرمائی ہے: لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بِقَرْنَيْ شَيْطَانٍ ''تم اپنی نماز کے ساتھ عین طلوعِ آفتاب کا قصد نہ کیا کرو اور نہ ہی اس کے غروب کا (قصد کیا کرو) کیونکہ بلاشبہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔'' (بخاري: 582 ، مسلم: 828/ 290) موطا کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جس میں شیطان کے سینگوں یا سر کی جانبوں کے بھی طلوع اور غروب ہونے کا واضح ذکر ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں یہ وضاحت نہیں بلکہ صرف اتنا مذکور ہے کہ سورج سینگوں کے ساتھ طلوع ہوتا ہے یا فرمایا کہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان میں طلوع اور غروب ہوتا ہے (مسلم: 832) جس سے محسوس ہوتا ہے کہ شیطان سورج کے طلوع اور غروب کے وقت اس کے پاس پہنچ جاتا ہے، لیکن دراصل دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اگرچہ شیطان کے سینگوں کے طلوع یا غروب ہونے کا واضح لفظ تو نہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظر کشی سے یہی بات نکل رہی ہے اور اب تو سائنس اور تجربات سے بھی واضح ہو چکا ہے کہ چوبیس گھنٹے سورج مسلسل کہیں طلوع ہوتا محسوس ہوتا ہے تو کہیں غروب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اس لیے ایک شیطان (جیسا کہ مسلم شریف کی روایت: 832 میں یہ لفظ نکرہ استعمال ہوا ہے) مسلسل سورج کے ساتھ رہتا ہے تاکہ سورج کے پجاریوں کا سجدہ اُسی کو ہو، اور موطا کے اس باب کی پہلی روایت میں سینگ کے سورج کے ساتھ ملنے اور جدا ہونے کا جو ذکر ہے وہ الگ الگ ہر جگہ کے لوگوں کے لحاظ سے ہے کہ ہر جگہ چونکہ طلوع وغروب اور نصف النہار کا وقت مختصر سا ہوتا ہے اس لیے وہاں شیطان کا ساتھ ملنا بھی قلیل وقت کے لیے ہی ہوتا ہے۔

[518] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ: أَنَّهُ رَأَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَضْرِبُ الْمُنْكَدِرَ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ.

سائب بن یزید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ مُنکدِر رحمہ اللہ کو عصر (کی نماز) کے بعد (نفل) نماز (پڑھنے کے جرم) میں مار رہے تھے۔

فائدہ: ...... یہ مشہور فقیہ تابعی محمد بن منکدر رحمہ اللہ کے والد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی حضرت

---

[518] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 2/ 429 (3964) ، ابن ابی شيبة: 2/ 350 (7339) ، بيهقی فی معرفة السنن والآثار: 2/ 276 (1318) ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط کے مطابق صحیح سند ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگوں کو اس نماز پر مارا کرتے تھے۔ (بخاری:1233 ، مسلم: 834) دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کے بعد دو رکعتوں کو معمول بنا لیا تھا۔ (بخاری:590- 593 ، مسلم: 835) چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی انھیں پڑھنے لگیں۔ (بخاری:1233 ، مسلم: 835) اور صحابہ کرام و تابعین کی ایک جماعت بھی اس کے جواز کی قائل رہی اور وہ اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ (مُحلّٰی ابن حزم: 8/ 42 - 47 ، ابن ابی شیبہ:2/ 351 ، شرح معانی الآثار: 1/ 210) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لیے لوگوں کو منع کرتے اور مارتے تھے کہ وہ کہیں ایسا کرتے کرتے عین غروب آفتاب کے وقت بھی نماز پڑھنے کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ (مصنف عبدالرزاق بحوالہ زرقانی:2/ 71 ، فتح الباری بحوالہ مرعاۃ المفاتیح:4/ 156) بلکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عصر کے بعد سورج زرد ہونے سے پہلے پہلے نوافل کی اجازت منقول ہے۔ (مجمع الزوائد:2/ 223) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (تلخیص الحبیر: 1/ 185 ، فتح الباری:2/ 257) چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَھٰی عَنِ الصَّلَاۃِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَۃٌ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا اِلّا یہ کہ سورج ابھی بلند ہو۔'' (ابوداؤد: 1274- اس کی سند صحیح ہے۔) نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رکعتوں کو بیٹھ کر ادا فرماتے، ان کو پڑھتے ضرور تھے لیکن مسجد میں نہ پڑھتے تاکہ کہیں امت پر بوجھ نہ پڑ جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی امت کی تخفیف ہی پسند فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری:590) یعنی محض امت کی مشقت کے ڈر سے انھیں مسجد میں نہ پڑھتے ورنہ یہ ممنوع نہیں ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی یہ دونوں رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری: 1631)

16

كِتَابُ الْجَنَائِزِ

جنازوں (کے متعلقہ احکام) کی کتاب

خلاصۃ الباب اس کتاب میں سولہ ابواب اور اٹھاون روایات ہیں جن میں سے 32 مرفوع یعنی احادیث نبویہ ہیں، ان میں سے تیس صحیح ایک حسن اور ایک ضعیف ہے، 21 روایات موقوف یعنی آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے سولہ صحیح اور پانچ ضعیف ہیں، 5 مقطوع روایات یعنی آثار تابعین رحمہم اللہ ہیں جو کہ سب کے سب صحیح ہیں، نیز اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاویٰ جات بھی موجود ہیں۔

1- بَابٌ: غُسْلُ الْمَيِّتِ

میت کو غسل دینے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو احادیث نبویہ ہیں اور وہ صحیح ثابت ہیں جبکہ ایک موقوف روایت ہے جس کی سند ضعیف ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[519] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ غُسِّلَ فِي قَمِيصٍ.

جعفر بن محمد رحمہ اللہ (المعروف امام جعفر صادق رحمہ اللہ) اپنے والد (محمد بن زین العابدین المعروف امام باقر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو قمیص ہی میں غسل دیا گیا تھا۔

فائدہ: ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے غسل کا ارادہ کیا تو کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! ہمیں علم نہیں ہو رہا کہ کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے کپڑے اتاریں جس طرح کہ ہم اپنے فوت شدگان کے

---

[519] (صحيح لغيره) عبدالرزاق: 6169، ابن ابی شيبة: 10885، بيهقی فی السنن الكبری: 3/ 395، وفی الصغری: 2/ 9 (1023) وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 126 (2063)، الشافعی فی الأُم: 1/ 265 وفی المسند: 1/ 377 - شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح کہا ہے۔

ساتھ کرتے ہیں یا کہ کپڑوں سمیت ہی آپ ﷺ کو غسل دیں، چنانچہ جب اُن کا آپس میں اختلاف ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے سب پر نیند طاری کردی، ہر کسی کی ٹھوڑی سینے کے ساتھ لگی ہوئی تھی، پھر گھر کے کونے سے کسی کہنے والے نے جس کے متعلق کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ کون ہے، کہا کہ نبی کریم ﷺ کو آپ کے کپڑوں سمیت غسل دو۔ (ابو داود: 3141۔ اس کی سند حسن ہے۔) معلوم ہوا کہ عام معمول مُردوں کے کپڑے اتار کر البتہ ستر ڈھانپ کر غسل دینا ہی ہے اور یہی موقف ہے امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ قمیص سمیت غسل دینے کو مستحب کہتے ہیں۔

[520] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِی تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِیِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَتِ ابْنَتُهُ فَقَالَ: اغْسِلْنَهَا ثَلَاثاً، أَوْ خَمْساً، أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذَلِكَ، بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِی الْآخِرَةِ كَافُوراً، أَوْ شَيْئاً مِنْ كَافُورٍ، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِی قَالَتْ: فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ، فَأَعْطَانَا حِقْوَهُ، فَقَالَ: أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ تَعْنِی بِحِقْوِهِ إِزَارَهُ.

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ اس وقت تشریف لائے جب آپ ﷺ کی صاحبزادی (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا) وفات پا گئی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے پانی اور بیری (کے پتوں) کے ساتھ تین بار یا پانچ بار یا اگر مناسب خیال کرو تو اس سے زیادہ بار (طاق تعداد میں) غسل دو اور آخری بار (غسل دیتے ہوئے پانی) میں (مُردوں کو لگائی جانے والی خوشبو) کافور یا (فرمایا کہ) کچھ کافور شامل کردینا، پھر جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔'' حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ہم فارغ ہوئیں تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع پہنچا دی، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا تہبند عطا کیا اور فرمایا کہ ''اُسے یہ باقی کپڑوں کے نیچے پہنا دو۔'' سیدہ اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا نے ''حِقْوَهُ'' سے ازار اور تہبند ہی مراد لیا ہے۔

فائدہ: ...... پانچ سے زائد سات بار یا اس سے بھی زیادہ بار غسل دینا جائز ہے جب اس کی ضرورت محسوس ہو۔ (بخاری: 1259، مسلم: 939/ 39، ابو داؤد: 3146) لیکن غسلوں کی تعداد طاق رہنی چاہیے، کیونکہ فرمان نبوی ہے: اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا ''اُسے طاق تعداد میں غسل دو'' (بخاری: 1254)......ایک روایت میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ لَمَّا مَاتَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ''جب رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فوت

[520] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب غسل المیت ووضوء ه بالماء والسدر، حدیث: 1253 - 1263، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فی غسل المیت، حدیث: 939، ابوداؤد: 3142، ترمذی: 990، نسائی: 1882، ابن ماجه: 1458، احمد: 5/ 84 (21071).

ہوئیں۔'' (مسلم: 939/ 40) ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نام مذکور ہے (ابن ماجہ: 1458) لیکن وہ غلطی ہے، دراصل اس حدیث کو سیدہ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے حفصہ بنت سیرین اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ ہی نے بیان کیا ہے، محمد بن سیرین نے تو وضاحت فرمادی تھی کہ مجھے اس بیٹی کا نام یاد نہیں رہا۔ (بخاری: 1261) اور حفصہ بنت سیرین نے اس کا نام ''زینب رضی اللہ عنہا'' وضاحت سے ذکر کر دیا تھا (مسلم: 939/ 40) تو اب محمد بن سیرین رحمہ اللہ جن کو خود بھی نام یاد نہ رہا تھا، ان کی روایت میں ''اُم کلثوم رضی اللہ عنہا'' کا نام آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اُن کے کسی شاگرد یا اس سے بھی نیچے کسی راوی نے غلطی سے ذکر کیا ہے۔

[521] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ: أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ امْرَأَةَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، غَسَّلَتْ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ حِينَ تُوُفِّيَ، ثُمَّ خَرَجَتْ فَسَأَلَتْ مَنْ حَضَرَهَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، فَقَالَتْ: إِنِّي صَائِمَةٌ، وَإِنَّ هَذَا يَوْمٌ شَدِيدُ الْبَرْدِ, فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ غُسْلٍ؟ فَقَالُوا: لَا.

عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ (بن محمد بن عمرو بن حزم) سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اُن کی وفات کے موقع پر غسل دیا، پھر وہ (فارغ ہوکر) باہر آئیں اور مہاجرین (صحابہ رضی اللہ عنہم) وہاں حاضر تھے اُن سے مسئلہ پوچھا، کہا کہ میں روزے سے بھی ہوں اور یقیناً (آج) یہ بہت سخت سردی والا دن ہے تو کیا مجھ پر (میت کو غسل دینے کی وجہ سے) غسل (واجب) ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔

فائدہ :......معلوم ہوا کہ بیوی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی کہا تھا کہ لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَااسْتَدْ بَرْتُ مَاغَسَّلَهٗ اِلَّا نِسَاءُهٗ ''اگر مجھے اس مسئلے کا پہلے علم ہو جاتا جس کا مجھے بعد میں پتا چلا ہے تو نبی کریم ﷺ کو آپ کی بیویوں کے سوا کوئی غسل نہ دیتا۔'' (ابوداؤد: 3141، ابن ماجہ: 1464۔ اس کی سند حسن صحیح ہے۔) اسی طرح خاوند بھی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: لَوْمِتِّ قَبْلِیْ فَقُمْتُ عَلَيْكِ فَغَسَّلْتُكِ ''اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوئی تو میں تجھ پر (تیرے پاس) کھڑا ہوں گا پھر میں تجھے غسل دوں گا۔'' (ابن ماجہ: 1465۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اور ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے اُسوۂ حسنہ ہیں، اسی لیے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی تھی کہ اُن کے خاوند حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اُنھیں غُسل دیں۔ (دارقطنی: 2/ 79۔ اس کی سند حسن ہے) امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور کا موقف یہی

[521] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 3/ 410 (6123)، ابن ابی شیبة: 10969، 10970، بیهقی: 3/ 397 (6663)، ابن ابی سعد فی الطبقات الکبری: 3/ 204۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اوران کے پیروکاروں کے ہاں خاوند اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا، حتی کہ اگر کوئی بھی عورت غسل دینے کے لیے موجود نہ ہو تو اُن کے نزدیک میّت کو تیمّم ہی کروایا جائے گا...... رہا یہ مسئلہ کہ میت کو غسل دینے والے پر غسل لازم ہے یا نہیں، تو اگرچہ بعض روایات میں اس کا حکم ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (ترمذی: 993، ابن ماجہ: 1463 ۔ اس کی سند علامہ البانی رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح ہے، ارواء الغلیل: 1/ 173 ، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک حسن ہے، تلخیص الحبیر: 1/ 137) لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِيْ غُسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ ''تم پر اپنی میت کو غسل دینے سے غسل لازم نہیں ہوتا۔'' (حاکم: 1/ 376 ، بیھقی: 1/ 306 ، دارقطنی: 2/ 76 ، التلخیص الحبیر: 1/ 138 ۔اس کی سند حسن ہے) ان دونوں روایات میں تطبیق یہ ہے کہ یہ غسل واجب نہیں بلکہ محض مستحب یا جائز ہے، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میت کو غسل دیتے تھے تو ہم میں سے بعض (خود بھی بعد میں) غسل کرتے اور بعض نہ کرتے۔ (دارقطنی: 2/ 72، التلخیص الحبیر: 2/ 138 ۔اس کی سند صحیح ہے)

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ : إِذَا مَاتَتِ الْمَرْأَةُ وَلَيْسَ مَعَهَا نِسَاءٌ يُغَسِّلْنَهَا ، وَلَا مِنْ ذَوِي الْمَحْرَمِ أَحَدٌ يَلِي ذَلِكَ مِنْهَا ، وَلَا زَوْجٌ يَلِي ذَلِكَ مِنْهَا ، يُمِّمَتْ فَمُسِحَ بِوَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا مِنَ الصَّعِيدِ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے جو اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب عورت فوت ہو جائے اور اس کے ساتھ دوسری عورتیں نہ ہوں جو اُسے غسل دیتیں اور نہ ہی مَحرم مَردوں میں سے کوئی موجود ہو جو اُسے غسل دینے کا کام سنبھالتا ،اور نہ خاوند ہو جو یہ کام کرتا ہو (ایسی صورتحال میں) اُسے تیمّم کرایا جائے گا اور اس کے چہرے اور ہتھیلیوں پر (پاک) مٹی سے مسح کیا جائے گا۔

فائدہ: ......اولیٰ وافضل تو یہی ہے کہ عورتیں ہی عورتوں کو غسل دیں لیکن اگر وہ نہ ہوں تو پھر خاوند یا پھر محرم رشتہ دار غسل دے سکتے ہیں، یہ موقف ہے امام مالک رحمہ اللہ کا، چونکہ احادیث مبارکہ سے خاوند کے علاوہ کسی اور مرد کا کسی عورت کو غسل دینا ثابت نہیں ہے ،اس لیے ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ مردوں میں سے خاوند کے علاوہ کسی کو یہ اجازت نہیں ہے ،جس طرح کسی بالغ عورت کی زندگی میں اس کے محرم رشتہ دار چہرہ ہاتھ دیکھنے کے علاوہ باقی جسم کو نہ برہنہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کے اکثر اعضائے جسم کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح موت کے بعد بھی وہ ایسا نہیں کر سکتے، البتہ چھوٹی بچی کو محرم رشتہ دار مردوں کے غسل دینے کی گنجائش ہے ...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہ ہاں تو خاوند کے لیے بھی جائز نہیں کہ اپنی فوت شدہ بیوی کو غسل دے لیکن ان کا موقف پیچھے بیان کردہ احادیث کے خلاف ہے، نیز احناف کا یہ کہنا کہ مرنے کے بعد عورت خاوند کے لیے اجنبی بن جاتی ہے کیونکہ نکاح کا بندھن زائل ہو جاتا ہے تو یہ بات غلط ہے،

اس لیے کہ عورت کی موت، خاوند کے اس کے ساتھ تمام تعلقات کو ختم نہیں کرتی، اسی لیے تو خاوند کو بھی اس کی وراثت میں سے حصہ ملتا ہے، احناف حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے بھی دلیل پکڑتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو عورتوں نے غسل دیا تھا نہ کہ خاوند نے، حالانکہ اس میں اُن کے لیے کوئی دلیل نہیں، اس لیے کہ اس حدیث میں تو خاوند کے بیوی کو غسل دینے کی ممانعت کا سرے سے ذکر ہی نہیں، مزید برآں اس روایت میں یہ تذکرہ بھی نہیں کہ اُن کے خاوند اس موقع پر موجود تھے یا نہیں، اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ بات نکلتی ہے کہ عورتوں کا عورتوں کو غسل دینا افضل ہے...... احناف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت شدہ حدیث جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کی بات کی تھی، کو پہلے تو غیر محفوظ قرار دینے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، پھر اس میں تاویل کر کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں (یعنی غسل کے اسباب مہیا کرنا) حالانکہ یہ روایت یقیناً ثابت ہے اور یہ اصول ہے کہ حقیقی معنی مراد ہو سکتے ہوں تو مجازی معنی مراد لینا درست نہیں، وہ اپنے موقف کے لیے جو مزید روایات پیش کرتے ہیں اُن پر لازم ہے کہ پہلے اُن کی سندیں تو ثابت کریں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِذَا هَلَكَ الرَّجُلُ ، وَلَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ إِلَّا نِسَاءٌ ، يَمَّمْنَهُ أَيْضاً .

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب کوئی مرد فوت ہو جائے اور اس کے ساتھ عورتوں کے سوا کوئی نہ ہو تو وہ بھی اسی طرح اسے تیمّم ہی کرائیں گی۔

فائدہ: ......یعنی اگر اُن میں سے کوئی بھی خاوند کی محرم رشتہ دار اور بیوی نہ ہو تو پھر تیمّم پر اکتفا کیا جائے گا، اگر بیوی ہے تو کپڑے اتار کر بھی غسل دے سکتی ہے اور اگر ماں، بہن یا بیٹی ہے تو وہ بغیر کپڑے اتارے اُسے غسل کرائیں، یہ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک محرم رشتہ داروں میں سے نہ کوئی مرد کسی عورت کو اور نہ کوئی عورت کسی مرد کو غسل دے، سوائے خاوند بیوی کے، کہ وہ ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں، باقی صورتوں میں تیمّم ہی کرانا ہوگا، البتہ غیر بالغ چھوٹے بچوں کا معاملہ بھی مستثنیٰ ہے کہ بچے کو محرم عورتیں اور بچی کو محرم مرد غسل کرا سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَيْسَ لِغُسْلِ الْمَيِّتِ عِنْدَنَا شَيْءٌ مَوْصُوفٌ ، وَلَيْسَ لِذَلِكَ صِفَةٌ مَعْلُومَةٌ ، وَلَكِنْ يُغَسَّلُ فَيُطَهَّرُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں میت کو غسل دینے کے متعلق کوئی بیان شدہ (متعین ومقرر) چیز نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی خاص معروف طریقہ ہے بلکہ (ہمارا صرف یہ فتویٰ ہے کہ جیسے بھی ہو) اُسے غسل کرا کر پاک کیا جائے۔

فائدہ: ......یعنی تفصیلی طریقہ تو منقول نہیں ہے البتہ ایک جامع حدیث اس بارے میں موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اِبْدَءُوْا بِمَيَا مِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ ''میت کی دائیں جانبوں سے آغاز کرو اور اعضائے وضو سے ابتدا کرو۔'' (بخاری: 1256، مسلم: 939/ 42، 43) چنانچہ سب سے پہلے میت (استنجا کرانے کے بعد

اس) کے اعضائے وضو کو دھویا جائے گا، پھر اُسے اس طرح لٹائیں کہ اس کی دائیں جانب اوپر آ جائے اور اُسے دھوئیں، پھر بائیں جانب اوپر کر کے اُس پر پانی ڈالیں۔

2- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ كَفْنِ الْمَيِّتِ

میت کو کفن پہنانے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں جن میں سے تین مرفوع اور ایک موقوف ہے اور سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

فائدہ :......میت کا کفن خوبصورت اور اچھا کپڑا ہونا چاہیے۔(مسلم: 943) سفید کپڑا زیادہ بہتر اور مستحب ہے۔(ابوداؤد: 3878، ترمذی: 994، ابن ماجه: 1472۔اس کی سند صحیح ہے۔) میت کے جسم اور کفن کو خوشبو لگانا بھی مستحسن ہے۔(مسند احمد: 3/ 331، مسند ابی یعلیٰ: 2300، مستدرك حاكم: 1/ 355، بزار: 813، بیهقی: 3/ 405 اس کی سند صحیح ہے۔) کفن میں تین کپڑے ہوں تو بہتر ہے جیسا کہ آگے روایات آ رہی ہیں، البتہ دو کپڑے بھی جائز ہیں۔(بخاری: 1265، مسلم: 1206) اور ایک کپڑا بھی کفایت کر سکتا ہے۔(بخاری: 1274، مسلم: 940) تین سے زیادہ کپڑوں کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

[522] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ، لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کو (یمن کی) سحُول بستی کے بنے ہوئے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں نہ کوئی (سلی ہوئی) قمیص تھی اور نہ کوئی پگڑی۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کفن میں قمیص کا ہونا مستحب ہے، اسی طرح علامہ زرقانی رحمہ اللہ کے بقول یہ دونوں امام عمامہ یعنی پگڑی کو بھی مستحب جانتے تھے، بہرحال متاخرین مالکیہ اور بعض احناف تو واقعی اسے بھی مستحب گردانتے ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان تین کپڑوں میں قمیص اور عمامہ شمار نہیں کیے گئے بلکہ وہ ان تین سے زائد دو اور کپڑے تھے اور کل پانچ کپڑوں میں آپ ﷺ کو کفن دیا گیا۔لیکن آگے آنے والی روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سوال اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب اس تاویل کی تردید کر رہا ہے، انھوں نے پوچھا: فِيْ كَمْ كَفَّنْتُمُ النَّبِيَّ ﷺ؟ ''تم نے کتنے کپڑوں میں نبی کریم ﷺ کی تکفین کی تھی؟'' تو سیدہ

[522] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الثیاب البیض للكفن، حدیث: 1264، 1271-1273، 1899، ابن ماجه: 1469، احمد: 6/ 40(24623).

عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ نہ کہا کہ پانچ میں، بلکہ وضاحت سے کہا کہ تین کپڑوں میں۔ (بخاری : 1387، موطا امام مالك: 524)...... ہمارے نزدیک تین برابر برابر اَن سلے کپڑوں میں کفنانا مستحب ہے خواہ ان کا نام کچھ بھی رکھ لیا جائے، لیکن اگر کپڑے تین سے کم ہوں یا سلے ہوئے ہوں تو یہ بھی جائز ہے۔قمیص یا سلا ہوا کپڑا پہنانے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی منافق کی میت کو اپنی قمیص پہنائی تھی۔ (بخاری: 1269، مسلم 2400) ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جبے میں کفنایا۔ (نسائی: 1955، بیهقی : 4/ 15، 16) ان دونوں قصوں کے علاوہ بھی متعدد روایات میں قمیص کا تذکرہ ہے لیکن وہ سب سنداً کمزور ہیں، احناف بھی تین کپڑوں میں کفنانے کو مستحب کہتے ہیں، جن میں سے ایک کا نام قمیص رکھ لیتے ہیں اور اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ نہ وہ سلا ہوا ہو، نہ اس کے دامن ہوں، نہ آستین اور نہ بٹن، حالانکہ سلے ہوئے قمیص کی گنجائش اور جواز بھی یقیناً ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اور جبہ سلی ہوئی چیزیں تھیں۔

[523] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سحول بستی کے تیار شدہ تین سفید کپڑوں میں دفن کیا گیا۔

فائدہ :......ایک روایت میں ہے: ((مِنْ كُرْسُفٍ)) ''(وہ) روئی کے بنے ہوئے تھے۔'' (بخاری :1264، مسلم:941) یعنی کہ وہ سوتی کپڑے تھے۔

[524] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ قَالَ لِعَائِشَةَ وَهُوَ مَرِيضٌ: فِي كَمْ كُفِّنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَتْ: فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: خُذُوا هَذَا الثَّوْبَ، لِثَوْبٍ عَلَيْهِ، قَدْ أَصَابَهُ مِشْقٌ أَوْ زَعْفَرَانٌ، فَاغْسِلُوهُ، ثُمَّ كَفِّنُونِي فِيهِ مَعَ ثَوْبَيْنِ آخَرَيْنِ. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: وَمَا هَذَا؟

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے، ان کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، جس وقت کہ وہ (مرض الموت میں مبتلا اور) بیمار تھے، (پوچھا کہ) کتنے کپڑوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دیا گیا تھا، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سحول بستی کے بنے ہوئے تین سفید کپڑوں میں، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کپڑے کے متعلق جو ان کے اوپر تھا، فرمایا کہ اس کپڑے کو لے لو، اسے گیرو یا زعفران لگا ہوا ہے، اسے دھو ڈالنا،

[523] (صحيح لغيره) شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

[524] (صحيح) صحيح البخاری ، كتاب الجنائز ، باب موت يوم الاثنين ، حديث : 1387، احمد: 6/ 45(24690).

فَـقَالَ أَبُو بَكْرٍ : الْحَىُّ أَحْوَجُ إِلَى الْجَدِيدِ مِنَ الْمَيِّتِ ، وَإِنَّمَا هَذَا لِلْمُهْلَةِ .

پھر مجھے دو اور کپڑوں سمیت اس میں کفنا دینا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ یہ کیا بات ہوئی (کیا نئے کپڑے ختم ہو گئے ہیں)؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ مردے کی نسبت زندہ شخص نئے کپڑوں کا زیادہ محتاج ہوتا ہے، یہ کفن تو صرف اور صرف پیپ اور خون (وغیرہ) کے لیے ہے۔

فائدہ : ......یعنی کفن تو اس لیے پہنایا جاتا ہے کہ میت کی ناک وغیرہ سے نکلنے والا خون اور پیپ وغیرہ دوسری چیزوں کو اور لوگوں کو بھی نہ لگے، اس لیے کفن میں نئے کپڑوں کے خاص تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ...... یا اس فرمانِ ابی بکر رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب ہے کہ کفن تو پیپ اور خون کے ساتھ لتھڑ کر قبر میں ختم ہو جاتا ہے...... گیرو سرخ مٹی کو کہتے ہیں، پرانے دور میں اس مٹی کے ساتھ یا زعفران وغیرہ کے ساتھ کپڑے رنگے جاتے تھے۔

[525] وَحَـدَّثَنِـي عَـنْ مَـالِكٍ ، عَـنِ ابْـنِ شِهَـابٍ ، عَـنْ حُـمَيْـدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ، أَنَّهُ قَـالَ : الْـمَيِّتُ يُقَمَّصُ ، وَيُؤَزَّرُ ، وَيُلَفُّ فِـي الثَّـوْبِ الثَّـالِـثِ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ ، كُفِّنَ فِيهِ .

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ، انھوں نے فرمایا : میت کو قمیص پہنائی جائے اور ازار بھی پہنایا جائے اور ایک تیسرے کپڑے میں اسے لپیٹ دیا جائے (جسے لفافہ کہتے ہیں) اور اگر ایک کپڑے کے سوا کچھ بھی نہ ہو تو اسی میں اس کی تکفین کی جائے۔

فائدہ : ......الغرض تین کپڑے مستحب ہیں، میت کو جس کپڑے میں سب سے پہلے لپیٹتے ہیں اسے ازار، درمیان والے کو قمیص اور سب سے اوپر والے کپڑے کو لفافہ کہتے ہیں۔

3- بَابٌ: اَلْمَشْيُ اَمَامَ الْجَنَازَةِ

جنازے کے آگے آگے چلنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، ایک حدیث نبوی، اور ایک اثرِ صحابی اور دو آثار تابعین ہیں اور سب کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

[526] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،

---

[525] (موقوف صحيح) عبدالرزاق : 3/ 426 (6188)، ابن ابی شيبة : 3/ 259 ، بيهقی : 3/ 402۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[526] (صحيح) سنن ابی داود ، كتاب الجنائز ، باب المشی امام الجنازة ، حديث : 3179، جامع الترمذی ، كتاب الجنائز ، باب ماجاء فی المشی امام الجنازة ، حديث: 1010 ، نسائی : 1946، ابن ماجه : 1483۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

شِهَابٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ، وَالْخُلَفَاءُ هَلُمَّ جَرًّا، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ.

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنازے کے آگے آگے چلا کرتے تھے اور (بعد والے) خلفائے کرام کا بھی ہمیشہ یہی معاملہ رہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی (ایسا ہی کرتے رہے۔)

فائدہ: ...... یہ مطلب نہیں ہے کہ جنازے کے دائیں بائیں یا پیچھے چلنا جائز نہیں، بلکہ جنازے کے چاروں جانب چلنا درست ہے، دراصل محدثین ایک شبہے کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ جنازے کے لیے جانا میت کا باقی مسلمانوں پر حق ہے اور اس کے لیے احادیث میں ''اتباع الجنائز'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کے لغوی معنی ہیں ''جنازوں کے پیچھے جانا'' تو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید جنازے کے صرف پیچھے پیچھے ہی چلا جا سکتا ہے تو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے معلوم ہوا کہ جنازے کے پیچھے جانے سے مراد جنازے کے ساتھ ساتھ جانا ہے خواہ جنازے کے کسی بھی جانب چلتے ہوئے جائیں۔

[527] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهُدَيْرِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقْدُمُ النَّاسَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ، فِي جَنَازَةِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ.

محمد بن منکدر رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں ربیعہ بن عبداللہ بن ہدیر نے خبر دی کہ انھوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے جنازے میں، جنازے (یعنی میت کی چارپائی) کی اگلی جانب لوگوں سے بھی آگے آگے چل رہے تھے۔

[528] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَبِي قَطُّ فِي جَنَازَةٍ إِلَّا أَمَامَهَا، قَالَ: ثُمَّ يَأْتِي الْبَقِيعَ فَيَجْلِسُ حَتَّى يَمُرُّوا عَلَيْهِ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (عروہ رحمہ اللہ) کو کسی بھی جنازے میں اس سے آگے آگے چلنے کے سوا (کسی اور جانب چلتے ہوئے) کبھی نہیں دیکھا، ہشام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر وہ بقیع (قبرستان) میں آ کر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ لوگ (جنازہ لے کر) ان کے پاس سے آگے گزر جاتے۔

---

[527] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 3/ 445 (6260)، بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 24، وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 152 (2119)، طحاوى فى شرح معانى الآثار: 1/ 481، الشافعى فى الأم: 1/ 272۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[528] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

فائدہ: ...... پہلے پہل رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا کہ کوئی شخص میت کو قبر میں اتارنے سے پہلے بیٹھے (بخاری: 1310، مسلم:959، ابوداود: 3176، نسائی: 1919) پھر بعد میں اس کی اجازت دے دی تا کہ یہودیوں کی مخالفت ہو۔(ابوداود: 3176، ترمذی: 1020، ابن ماجہ: 1545۔ اس کی سند حسن ہے، نیز دیکھیے طحاوی: 1/ 282۔ اس کی سند حسن صحیح ہے،اسی طرح دیکھیے ابوداود: 3212، نسائی: 2003، ابن ماجہ: 1549۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[529] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: الْمَشْيُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ مِنْ خَطَإِ السُّنَّةِ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جنازے کے پیچھے چلنا خلاف سنت ہے۔

فائدہ: ......امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک جنازے کے آگے آگے چلنا افضل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں پیچھے چلنا افضل ہے، ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ پیدل آدمی جنازے کے ساتھ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں چاروں طرف چل سکتا ہے کیونکہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ((وَالْمَاشِيْ يَمْشِيْ خَلْفَهَا وَ اَمَامَهَا وَ عَنْ يَّمِيْنِهَا وَ عَنْ يَسَارِهَا قَرِيْبًا مِّنْهَا)) ''اور پیدل چلنے والا جنازے سے پیچھے، اس سے آگے، اس کے دائیں اور اس کے بائیں اس کے قریب ہو کر چلے۔''(ابوداؤد: 3180، نسائی:1944، 1945، ابن ماجہ: 1481، مسند احمد: 4/ 247، ابن حبان: 769، مستدرك حاكم: 1/ 355۔ اس کی سند صحیح ہے۔) رہا سوار، تو وہ صرف جنازے کے پیچھے چلے (حوالہ مذکورہ) لیکن بلا عذر سوار ہو کر جنازے کے ہمراہ جانے سے بچنا بہتر ہے، یعنی جواز تو ہے لیکن کراہت کے ساتھ، کیونکہ نبی کریم ﷺ کبھی بھی جنازے کے ساتھ سوار ہو کر نہ گئے، البتہ واپسی پر آپ ﷺ سواری استعمال کر لیتے تھے۔ (مسلم: 965، ابوداود: 3177، 3178، ترمذی: 1013، نسائی:2028، مسند احمد: 5/ 90۔ ان کی سندیں صحیح ہیں)

4- بَابٌ: اَلنَّهْيُ اَنْ تُتَّبَعَ الْجَنَازَةُ بِنَارٍ

جنازے کے ساتھ آگ لے جانے کی ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو موقوف روایات یعنی آثار صحابہ ہیں اور دونوں کی سندیں صحیح ہیں۔

[530] حَدَّثَنِی يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے

[529] (مقطوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[530] (موقوف صحيح)عبدالرزاق :3/ 417(6152)ابن ابی شیبہ: 3/ 265(11112)، بیھقی: 3/ 405، ابن المنذر فی الاوسط: 5/ 369(3002)طبقات ابن سعد: 10/ 242۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔اور امام زیلعی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ یہ صحیح سند ہے۔ (نصب الراية: 2/ 264)

هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهَا قَالَتْ لأَهْلِهَا: أَجْمِرُوا ثِيَابِي إِذَا مِتُّ، ثُمَّ حَنِّطُونِي، وَلَا تَذُرُّوا عَلَى كَفَنِي حِنَاطاً، وَلَا تَتْبَعُونِي بِنَارٍ.

اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے کپڑوں کو (خوشبو کے ساتھ) دھونی دینا، پھر مجھے (یعنی میرے بدن کو بھی مُردوں والی) خوشبو لگانا، لیکن میرے کفن پر (خوشبو) نہ چھڑکنا اور نہ ہی میرے جنازے کے پیچھے آگ لے کر جانا۔

فائدہ :......ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جنازے کے ساتھ آگ نہ لے جانے کی وصیت حضرت ابوسعید خدری، حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ (زرقانی)

[531] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُتْبَعَ بَعْدَ مَوْتِهِ بِنَارٍ.

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَكْرَهُ ذَلِكَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے اس سے منع کیا کہ ان کی موت کے بعد (ان کے جنازے کے ساتھ) آگ لے جائی جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ بھی اسے مکروہ جانتے ہیں۔

فائدہ :...... دراصل اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک روایت مروی ہے، لیکن وہ سنداً ضعیف ہے۔ (ابوداود: 3171، مسند احمد: 2/ 427۔ اس کی سند میں کچھ راوی مجہول ہیں۔) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی یہ وصیت فرمائی تھی کہ ((فَإِذَا أَنَا مِتُّ فَلَا تَصْحَبْنِيْ نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ)) ''پھر جب میں مرجاؤں تو نہ میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی جائے اور نہ ہی آگ ۔'' (مسلم: 121)

5- بَابٌ: اَلتَّكْبِيرُ عَلَى الْجَنَائِزِ

جنازوں کی تکبیرات کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو احادیث نبویہ اور ایک اثر تابعی ہے اور سب کی سب صحیح اسانید سے ثابت ہیں۔

فائدہ :......اکثر احادیث میں جنازے کی چار تکبیرات منقول ہیں، اس لیے جمہور کے نزدیک چار تکبیرات ہی راجح ہیں، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت میں پانچ تکبیرات بھی ثابت ہیں۔ (مسلم: 957) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چھ تکبیرات ثابت ہیں جو انھوں نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے جنازے پر کہیں۔ (بخاری: 4004) اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ سے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے جنازے پر سات تکبیرات بھی ثابت ہیں۔ (بیہقی: 4/ 36۔ اس کی سند صحیح ہے۔) لہٰذا

[531] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3/ 418 (6154-6155)، ابن المنذر فی الاوسط: 5/ 371 (3006-3007) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط کے مطابق صحیح سند ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

راجح موقف یہ ہے کہ چار تکبیرات کو عام معمول بنانا افضل ہے اور چار سے زیادہ تکبیرات کی گنجائش بھی ہے اور اگر چار سے زائد تکبیرات کہی جائیں تو ان کے بعد بھی دعائیں ہی پڑھی جائیں گی۔

[532] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَعَى النَّجَاشِيَّ لِلنَّاسِ ، فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ ، وَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلَّى ، فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حبشہ کے مسلمان ہوجانے والے بادشاہ) نجاشی رحمہ اللہ کی اطلاع (بذریعہ وحی) اسی دن دے دی تھی جس میں وہ فوت ہوئے تھے، اور آپ ﷺ صحابہ کو لے کر عیدگاہ کی طرف گئے، پھر ان کی صف بندی کی اور (نماز جنازہ میں) چار تکبیرات کہیں۔

فائدہ : ......نجاشی تو حبشہ کے ہر بادشاہ کا لقب ہوتا تھا، ان کا اصل نام اصحمہ رحمہ اللہ تھا۔ (بخاری: 1334، مسلم: 952) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ''اٹھو اور اس کا جنازہ ادا کرو، پھر ((فَقُمْنَا فَصَفَّنَا صَفَّيْنِ)) ''ہم کھڑے ہوگئے تو آپ ﷺ نے ہماری دو صفیں بنادیں۔'' (مسلم: 952/ 66، نسائی: 1975، ابن ماجہ: 1535، 1536) اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کی صفوں کا طاق ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ طاق عدد زیادہ پسند ہے اس لیے طاق تعداد میں صفیں بنائی جاسکتی ہیں، رہی وہ روایت جس میں تین صفوں کا تذکرہ ہے۔ (ابوداؤد: 3166، ترمذی: 1028، ابن ماجہ: 1490) تو اول تو اس میں صرف ایک فضیلت کا بیان ہے، صفوں کو طاق بنانے کا حکم نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس کی سند بھی کمزور ہے کیونکہ اس میں ایک مدلس راوی عن سے بیان کررہا ہے، البتہ بعض علماء نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے غائبانہ نماز جنازہ کا بھی ثبوت ملتا ہے، جمہور، امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں۔ حالانکہ پیغمبر ﷺ کا عمل امت کے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور اس عمل کے نبی ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہونے کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ نجاشی کی روایت کے متعلق یہ کہنا کہ کسی اور نے اس کا جنازہ نہ پڑھا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے غائبانہ جنازہ پڑھا دیا تو یہ دعویٰ بھی بالکل بلادلیل ہے، بلکہ اس کے الٹ کہنا درست ہے، جیسا کہ آزمودہ بات اور مشہور قول ہے: " اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ

[532] (صحيح)صحيح البخاری ، كتاب الجنائز ، باب الرجل ينعى الى اهل الميت بنفسه ، حديث: 1245، 1318، 1327، 1328، 1333، 3880، 3881، صحيح مسلم ، كتاب الجنائز ، باب فی التكبير على الجنازة ، حديث: 951، ابوداود :3204ترمذی:1022، نسائی : 1982، ابن ماجه:1534 ، احمد:2/ 230 .

مُــلُـوكِهِــمْ "، یعنی لوگ تو اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں، اس لیے نجاشی بادشاہ کے بہت سے عقیدت مندوں کا مسلمان ہونا قطعاً بعید از عقل نہیں ہے ......رہی وہ روایت جس میں ہے کہ ''تمھارا ایک بھائی تمھارے علاقے سے باہر فوت ہوا ہے لہٰذا اٹھو اور اس کا جنازہ پڑھو'' (ابن ماجه: 1537۔ اس کی سند صحیح ہے) اس میں بھی یہ وضاحت نہیں ہے کہ اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پڑھنے کا حکم ملا، اگر بالفرض ایسا ہی ہوا تھا تو اس مسکین عورت کے متعلق کیا کہیں گے جس کے بارے میں آگے روایت آرہی ہے کہ اس کا جنازہ پہلے پڑھا جا چکا تھا لیکن پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا غائبانہ جنازہ پڑھایا۔ (کیونکہ میت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں تھی بلکہ اسے رات کو دفن کیا جا چکا تھا۔) اس سے تو یہ بھی معلوم ہوا کہ جس سے جنازہ کسی مسلمان بھائی یا بہن کا رہ جائے وہ بعد میں جنازہ ادا کر سکتا ہے، حتیٰ کہ ایک شخص بار بار بھی جنازہ ادا کر سکتا ہے، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پہلے خود اس کا جنازہ پڑھا پھر بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بھی شامل ہوئے ......بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے تھے اور آپ کے سامنے نجاشی کی میت حاضر تھی، اس لیے یہ غائبانہ جنازہ تھا ہی نہیں، دراصل یہ روایت بالکل بے اصل اور بے سند ہے، جسے بیان کرنے والا راوی واقدی ہے ......بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی میں کوئی عمل ایک بار ہی ثابت ہو جائے وہ امت کے لیے قابل اتباع نمونہ ہے، الا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی لوگوں کو اس سے منع فرما دیں اور اگر ذرا ذرا سی بات پر تخصیص اور اختصاص کے احتمال پیش کیے جائیں تو بہت سے شرعی اعمال معطل ہو جائیں گے ......الحمد للہ یہ غائبانہ نماز جنازہ کی صداقت و حقانیت اور ثبوت ہی کا نتیجہ ہے کہ آج تقریباً ہر مسلک کے لوگ عالم اسلام کی مشہور شخصیات پر غائبانہ جنازے پڑھتے رہتے ہیں۔

رہا مسئلہ "نَــعْــی" کا، جس کے معنی کسی کی وفات کی اطلاع دینے اور اعلان کرنے کے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو دور جاہلیت والا طریقہ ہے جس میں فوت شدہ شخص کی صفات بیان کر کے اعلانات کیے جاتے تھے اور مجمعوں اور بازاروں میں اس کا تذکرہ کیا جاتا تھا، یہ صورت ''نوحہ'' میں شامل ہے اور حرام ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((فَـإِنِّـیْ سَـمِـعْـتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَـنْـهٰـی عَـنِ النَّعْیِ)) ''بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ (محاسن بیان کر کے) موت کا اعلان کرنے سے منع فرما رہے تھے۔'' (ترمذی: 986۔ اس کی سند حسن صحیح ہے) لیکن دوسری صورت جائز ہے جس میں بغیر محاسن و صفات اور خوبیاں بیان کیے صرف موت کی اطلاع دی جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی رحمہ اللہ کی موت کی خبر دی۔

[533] وَحَــدَّثَـنِـی عَـنْ مَـالِكٍ، عَنِ ابْنِ حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

[533] (صحیح) سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الجنازة باللیل، حدیث: 1971، وفی السنن الکبری: 1/ 623 (2034)، الشافعی فی المسند: 1/ 387، وفی الأم: 1/ 210، بیهقی فی معرفة السنن والآثار 3/ 164، 174۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

شِهَابٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ مِسْكِينَةً مَرِضَتْ، فَأُخْبِرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِمَرَضِهَا، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَعُودُ الْمَسَاكِينَ وَيَسْأَلُ عَنْهُمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا مَاتَتْ فَآذِنُونِي بِهَا فَخُرِجَ بِجَنَازَتِهَا لَيْلاً، فَكَرِهُوا أَنْ يُوقِظُوا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا أَصْبَحَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أُخْبِرَ بِالَّذِي كَانَ مِنْ شَأْنِهَا، فَقَالَ: أَلَمْ آمُرْكُمْ أَنْ تُؤْذِنُونِي بِهَا فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَرِهْنَا أَنْ نُخْرِجَكَ لَيْلاً وَنُوقِظَكَ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى صَفَّ بِالنَّاسِ عَلَى قَبْرِهَا، وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ.

ایک مسکین عورت بیمار ہوگئی، رسول اللہ ﷺ کو اس کی بیماری کی اطلاع دی گئی، ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسکینوں کی تیمارداری فرمایا کرتے تھے اور ان کے متعلق پوچھتے رہتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرمایا: ”جب یہ فوت ہوجائے تو مجھے اطلاع دے دینا“، (وہ عورت فوت ہوگئی) پھر رات کے وقت اس کا جنازہ نکالا گیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کو جگانا مناسب نہ سمجھا، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے صبح کی تو آپ کو اس عورت کے ساتھ پیش آنے والے معاملے کی خبر دی گئی، تو آپ نے فرمایا: ”کیا میں نے تمھیں حکم نہ دیا تھا کہ مجھے اس کی اطلاع دے دینا؟“ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نے ناپسند جانا کہ رات کے وقت آپ کو گھر سے نکالیں اور آپ کو بیدار (کرکے آپ کی نیند میں خلل واقع) کریں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے گئے یہاں تک کہ اس کی قبر پر (جا کر اس کے پاس قبلہ رخ ہوکر) لوگوں کی صف بندی کی اور (اس کا جنازہ ادا کرتے ہوئے) آپ ﷺ نے چار تکبیرات کہیں۔

فائدہ: ...... اس حدیث مبارکہ سے متعدد مسائل عیاں ہوئے، مثلاً کبھی کبھار ”الادب فوق الامر“ (حکم پر عمل کرنے کی بجائے ادب ملحوظ رکھنا) بھی درست ہوتا ہے اور اسے توہین و گستاخی شمار نہیں کیا جاتا، رات کے وقت جنازہ ادا کرنا جائز ہے، اصل امام کے علاوہ کوئی اور شخص نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک مسکینوں کی قدرومنزلت بہت زیادہ ہے، لہٰذا دنیوی مال ومتاع میں کمی والے کو خود سے کمتر اور حقیر نہ جاننا چاہیے، بعض روایات میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عورت کے معاملے کو حقیر اور غیر اہم سمجھا تھا۔ (بخاری: 337، مسلم: 956)، غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے، میت کا جنازہ ایک سے زیادہ دفعہ ہوسکتا ہے، امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، جمہور محدثین اور ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ بھی قبر کے پاس جنازہ پڑھنے کے قائل ہیں، جبکہ موالک اور احناف کہتے ہیں کہ یہ صرف نبی کریم ﷺ کے لیے خاص تھا اور اس کی دلیل ان الفاظِ پیغمبر ﷺ کو بناتے ہیں: ((اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوَّةٌ ظُلْمَةً عَلٰى اَهْلِهَا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِيْ عَلَيْهِمْ)) ”بے شک یہ قبریں اپنے افراد پر تاریکی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں اور یقیناً اللہ عزوجل ان پر میرے نماز جنازہ ادا کرنے کی بدولت

قبروں کو ان کے لیے منور فرما دیتا ہے۔'' (مسلم : 956) احناف کہتے ہیں کہ یہ فائدہ اور نتیجہ یعنی قبر کا منور ہونا کسی اور شخص کی نماز سے نہیں ہوسکتا، حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے، کیونکہ اگر اولاد کے محض استغفار کرنے کی بنا پر میت کے درجات بلند ہوسکتے ہیں (ابن ماجه: 3660، مسند احمد :2/ 509، الصحيحة : 1598۔ اس کی سند حسن ہے) تو پھر بھلا نماز جنازہ کی وجہ سے قبر کے منور ہونے میں کیا مانع ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہ فرمان تو رسول اللہ ﷺ کے ادا کردہ تمام جنازوں کے حوالے سے ہے، صرف قبروں پر یا غائبانہ جنازوں کے ساتھ خاص نہیں، تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ تمام جنازوں میں نبی کریم ﷺ کی نماز کے سوا کسی اور کی نماز سے کسی قبر والے کو روشنی نہیں ملتی، اگر ایسا ہی ہے تو پھر جنازہ پڑھنے کا فائدہ؟ تیسری بات یہ کہ ابن ماجہ کی روایت (1528) میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے ہر فوت ہونے والے کی اطلاع دیا کرو کیونکہ میرے نماز جنازہ پڑھنے سے اسے رحمت نصیب ہوگی، روشنی کی بجائے رحمت کا لفظ بولا، تو کیا احناف یہ بھی کہیں گے کہ صرف پیغمبر کی نماز جنازہ سے قبر والے کو رحمت ملتی ہے اور کسی کی نماز سے نہیں؟ چوتھی بات یہ ہے کہ اگر غائبانہ نماز جنازہ یا قبر کے پاس جنازہ صرف پیغمبر ﷺ کا خاصہ تھا تو پھر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ کیوں کھڑا کیا، الغرض خصوصیت کا دعویٰ سراسر باطل ہے۔

[534] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ، عَنِ الرَّجُلِ يُدْرِكُ بَعْضَ التَّكْبِيرِ عَلَى الْجَنَازَةِ وَيَفُوتُهُ بَعْضُهُ؟ فَقَالَ: يَقْضِي مَا فَاتَهُ مِنْ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو نماز جنازہ کی بعض تکبیروں کو پالیتا ہے اور بعض اس سے رہ جاتی ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ جو تکبیریں اس سے رہ جائیں وہ انھیں بعد میں پورا کرے۔

فائدہ: ......بعض فقہاء کہتے ہیں کہ ایسا شخص امام کے ساتھ ہی سلام پھیرے گا اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے جبکہ جمہور فقہاء و محدثین اور علمائے امت فوت شدہ تکبیرات کو بعد میں قضا کرنے اور پورا کرنے کے قائل ہیں، البتہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف تکبیرات پوری کی جائیں گی اور ان کے درمیان کچھ بھی نہیں پڑھا جائے گا جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان میں دعائیں بھی کرے گا...... ہمارے نزدیک راجح موقف یہ ہے کہ چونکہ نماز جنازہ بھی ایک نماز ہے اس لیے اس کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان فیصلہ کن قرار پائے گا: ((فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا))'' تو تم جو کچھ (امام کے ساتھ) پالو اسے پڑھ لو اور جو کچھ تم سے رہ جائے اسے (بعد میں) پورا کرلو۔'' (بخاری : 635، 636، مسلم: 602، 603) لہٰذا تاخیر سے آنے والا پہنچتے ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شامل ہوجائے، اب اگر امام کی دوسری تکبیر اور اس کی پہلی تکبیر ہو، امام درود پڑھے گا لیکن یہ پہلے سورہ فاتحہ پڑھے، اتنی دیر میں امام تیسری تکبیر کہہ کر دعائیں شروع کرے گا اور اس مقتدی کی دوسری

[534] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

تکبیر ہوگی ، لہٰذا یہ پہلے درود پڑھے پھر امام کی اقتدا کی بنا پر دعائیں بھی پڑھ سکتا ہے اور صرف آمین بھی کہہ سکتا ہے ، پھر جب امام چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیرے گا تو اس کی تیسری تکبیر ہوگی لہٰذا یہ کچھ دعائیں پڑھ کر پھر خود ہی چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے...... اگر کوئی مقتدی امام کی تیسری تکبیر کے بعد دعاؤں کے موقع پر پہنچا تو وہ اپنی پہلی تکبیر کہہ کر سورۂ فاتحہ پڑھے پھر امام کی دعاؤں میں شامل ہوجائے اور امام کی چوتھی تکبیر کے ساتھ اپنی دوسری تکبیر کہہ کر درود پڑھے، پھر تیسری تکبیر کہہ کر دعا مانگے پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیرے۔

6- بَابٌ : مَايَقُوْلُ الْمُصَلِّيْ عَلَى الْجَنَازَةِ

ان کلمات کا بیان جنھیں نمازی جنازے (کی نماز کے موقع) پر کہے گا

خلاصة الباب اس باب میں صرف تین صحیح سند والی موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں۔

فائدہ :...... جنازے کی قراءت (نسائی 1989 ، 1990۔ اس کی سند صحیح ہے) اور دعائیں (مسلم: 963) بآواز بلند یعنی جہراً بھی ثابت ہیں اور سراً بھی درست ہیں، (نسائی : 1991 ، اس کی سند صحیح ہے) پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔ (نسائی : 1991۔ سند صحیح ہے) سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی ملائی جائے، (نسائی: 1989 ، 1990۔ سند صحیح ہے) پھر باقی تین تکبیرات کے درمیان میں درود اور دعائیں پڑھی جائیں۔ (الام للشافعی رحمہ اللہ: 1/ 239 ، بیہقی: 4/ 39 ، حاکم: 1/ 360 ، ابن الجارود : 265) یعنی دوسری تکبیر کے بعد درود اور تیسری کے بعد دعائیں پڑھی جائیں اور آخری تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے۔ (نسائی : 1991۔ سند صحیح ہے) جو دونوں طرف بھی ہوسکتا ہے، ارشاد نبوی ہے: ((اَلتَّسْلِيْمُ عَلَى الْجَنَازَةِ مِثْلُ التَّسْلِيْمِ فِي الصَّلَاةِ)) ''نماز جنازہ میں سلام اس طرح پھیرنا ہے جس طرح (عام) نماز میں سلام پھیرا جاتا ہے۔'' (بیہقی : 4/ 43، مجمع الزوائد :3/ 34، المجموع: 5/ 239۔ اس کی سند حسن ہے۔) اور یہ سلام صرف ایک بار بھی ہوسکتا ہے۔ (بیہقی : 4/ 43، مستدرک حاکم:1/ 360۔ اس کی سند حسن ہے۔)

[535] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ كَيْفَ تُصَلِّي عَلَى الْجَنَازَةِ ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : أَنَا لَعَمْرُ اللهِ أُخْبِرُكَ ، أَتَّبِعُهَا مِنْ أَهْلِهَا ، فَإِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ

سعید بن ابوسعید مقبری رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کس طرح نماز جنازہ پڑھتے ہیں؟ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم ! میں تمھیں (ابھی) اس کی خبر دیتا ہوں، میں میت کے گھر سے اس کے (جنازے کے)

---

[535] (موقوف صحیح) عبدالرزاق : 3/ 488(6425)، ابن المنذر فی الاوسط : 5/ 439(3169)، ابن ابی شیبہ: 10377۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

اللّٰـهَ، وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ، ثُمَّ أَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنَّهُ عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ، كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ, وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ، وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ، اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِناً فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ، وَإِنْ كَانَ مُسِيئاً فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ، اللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ.

پیچھے جاتا ہوں، پھر جب اسے (کندھوں سے اتار کر نماز کے لیے زمین پر) رکھ دیا جاتا ہے تو میں اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس کے بعد نبی ﷺ پر درود بھیجتا ہوں، پھر میں (دعا مانگتے ہوئے) یہ کہتا ہوں: اے اللہ! بے شک یہ (فوت شدہ شخص) تیرا بندہ ہے، تیرے بندے کا بیٹا ہے اور تیری باندی کا بیٹا ہے، یہ گواہی دیا کرتا تھا کہ بلاشبہ تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور یقیناً محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور تو اس کے بارے میں (ہم سب سے) زیادہ علم رکھنے والا ہے، اے اللہ! اگر یہ (تیرے علم کے مطابق واقعی) نیک تھا تو اس کی نیکوکاری (کے اجر) میں اضافہ فرما اور اگر یہ گنہگار تھا تو اس کی برائیوں سے تجاوز (اور درگزر) فرما، اے اللہ! ہمیں اس کے (جنازے کی ادائیگی اور اس کی موت پر صبر کرنے کے) اجر سے محروم نہ فرما اور ہمیں اس کے (چلے جانے کے) بعد فتنے میں نہ ڈال۔

فائدہ: ......یعنی اے اللہ! اس میت کی زندگی میں اس کی وجہ سے جو برکات ہمیں حاصل تھیں ہمیں ان سے محروم کر کے کسی فتنے میں مبتلا نہ کرنا اور اس کے غم وفکر ہی میں مبتلا کر کے اپنی جناب سے دور یا مایوس نہ فرمانا کیونکہ ہر وہ کام جو ہمیں اپنے اندر الجھ کر تجھ سے دور کرے وہ فتنہ ہی ہے تو اے اللہ! ہمیں ہر فتنے سے بچا کر اس کی موت سے عبرت و نصیحت اور سفر آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

[536] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَى صَبِيٍّ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيئَةً قَطُّ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ اللّٰهُمَّ أَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک ایسے بچے کی نماز جنازہ ادا کی جس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا تھا (لیکن پھر بھی) میں نے انھیں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! اس بچے کو عذاب قبر سے پناہ عطا فرما۔

فائدہ: ...... جنازے کی دیگر دعاؤں کے متعلق دیکھیے: (۱) مسلم: 963 (۲) ابوداؤد: 3201۔ ترمذی: 1024، ابن ماجہ: 1498، مسند احمد: 2/ 368، حاکم: 1/ 358۔ اس کی سند صحیح ہے۔ (۳) ابوداؤد: 3202، ابن

---

[536] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3/ 533 (6110)، ابن المنذر فی الاوسط: 5/ 406 (3096)، ابن ابی شیبہ: 3/ 317، 10/ 431، بیہقی: 4/ 10، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 1/ 509۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

ماجہ: 1499، ابن حبان: 758، سند صحیح ہے۔ (۴) ابوداؤد: 3200 اس کی سند صحیح ہے۔

[537] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنازے کی نماز میں قراءت نہیں کرتے تھے۔

فائدہ: ...... اگر تو اس کا یہ مطلب ہو کہ وہ بآواز بلند قراءت نہیں کرتے تھے تو کوئی اشکال نہیں لیکن اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ وہ نماز جنازہ میں کچھ بھی تلاوت نہ کرتے تھے، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے، البتہ احناف کے ہاں دعا یا حمد وثنا کے طور پر سورۂ فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نماز جنازہ میں قراءت کی مشروعیت کے قائل ہیں، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی تو ((فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ)) ''انھوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی (اور) کہا: (میں نے یہ اس لیے کیا) تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔'' (بخاری : 1335) ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے سورۂ فاتحہ اور ایک مزید سورت بھی پڑھی اور اونچی آواز سے قراءت کی، پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ((سُنَّةٌ وَ حَقٌّ)) ''یہ عمل سنت اور برحق ہے۔'' (نسائی : 1989۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اور یہ بات اصول میں ثابت شدہ ہے کہ کسی صحابی کا کسی عمل کو سنت کہنا اس کی دلیل ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ چیز ہے۔

7- بَابٌ: اَلصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَائِزِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَ بَعْدَ الْعَصْرِ

نماز فجر اور عصر کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو موقوف روایات ہی ہیں اور یہ دونوں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[538] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حَرْمَلَةَ، مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ حُوَيْطِبٍ، أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ تُوُفِّيَتْ، وَطَارِقٌ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ، فَأُتِيَ بِجَنَازَتِهَا بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، فَوُضِعَتْ

محمد بن ابی حرملہ رحمہ اللہ جو کہ عبدالرحمٰن بن ابی سفیان بن حویطب رحمہ اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، روایت کرتے ہیں کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا وفات پاگئیں اور (ان دنوں) طارق (بن عمرو مکی رحمہ اللہ) مدینہ منورہ کے امیر تھے، چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جنازہ نماز فجر کے بعد لایا گیا اور

---

[537] (موقوف صحیح) ابن ابی شیبه: 3/ 298، ابن المنذر فی الاوسط: 5/ 439(3168)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[538] (موقوف صحیح) بیهقی: 2/ 460(4410)، 4/ 32، طحاوی فی مشکل الآثار: 1/ 550۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ صحیح سند ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

بِالْبَقِيعِ ، قَال :وَكَانَ طَارِقٌ يُغَلِّسُ بِالصُّبْحِ . قَـالَ ابْـنُ أَبِى حَرْمَلَةَ : فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُـمَـرَ يَـقُـولُ لِأَهْـلِهَـا: إِمَّـا أَنْ تُصَلُّوا عَلَى جَـنَـازَتِـكُـمُ الآن ، وَإِمَّـا أَنْ تَتْـرُكُوهَا حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ .

بقیع قبرستان میں رکھ دیا گیا، (محمد بن ابی حرملہ رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ طارق رحمہ اللہ نماز فجر کو منہ اندھیرے ہی پڑھا کرتے تھے، (محمد) ابن ابی حرملہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا، وہ میت کے گھر والوں سے کہہ رہے تھے کہ یا تو ابھی اپنی میت پر جنازہ ادا کرلو یا پھر اسے پڑا رہنے دو یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے۔

فائدہ : ......یعنی ایسا نہ ہو کہ اس وقت جنازہ ادا کرو جب سورج طلوع ہو رہا ہو، البتہ طلوع سے قبل یا پھر اشراق کے وقت جنازہ پڑھا جا سکتا ہے۔

[539] وَحَـدَّثَـنِـى عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْـدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ : يُصَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ بَـعْـدَ الْـعَـصْـرِ وَبَـعْـدَ الـصُّبْحِ إِذَا صُلِّيَتَـا لِوَقْتِهِمَا .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عصر اور فجر کے بعد جنازے کی نماز ادا کی جا سکتی ہے، (لیکن شرط یہ ہے کہ) جب یہ دونوں (نماز فجر اور نماز عصر) اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئی ہوں۔

فائدہ : ...... الغرض نماز جنازہ ایک سببی نماز ہے، اگر حاضر ہو جائے تو دو مکروہ اوقات میں اسے ادا کیا جا سکتا ہے یعنی نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اور نماز عصر سے غروب آفتاب تک ......رہے باقی تین مکروہ اوقات یعنی عین طلوع و غروب اور نصف النہار کے اوقات تو ان میں کوئی بھی نماز درست نہیں خواہ وہ سببی ہو یا عام نوافل۔

8- بَابٌ: اَلصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَائِزِ فِى الْمَسْجِدِ

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات ہیں اور دونوں کی سندیں صحیح ثابت ہیں۔

[540] حَـدَّثَنِى يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِى النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ ، عَنْ عَائِشَةَ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، انھوں نے حکم دیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے جنازے

[539] (مـوقـوف صـحيح) عبدالرزاق : 3/ 523(6560، 6561)، ابـن الـمـنذر فى الاوسط : 5/ 396(3072) ، طحاوى فى مشكل الآثار : 1/ 550، بيهقى فى الكبرى : 2/ 459، وفى الخلافيات : 2/ 159۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[540] (صـحيـح) صـحيح مسلم ، كتاب الجنائز ، باب الصلاة على الجنازة فى المسجد، حديث : 973، سنن ابـى داود ، كتـاب الـجـنـائز ، باب الصلاة على الجنازة فى المسجد ، حديث : 3189، ترمذى: 1033، نسائى :1969، 1970، ابن ماجه:1518، احمد:6/ 79(25003) .

زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، أَنَّهَا أَمَرَتْ أَنْ يُمَرَّ عَلَيْهَا بِسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ فِي الْمَسْجِدِ، حِينَ مَاتَ لِتَدْعُوَ لَهُ، فَأَنْكَرَ ذَلِكَ النَّاسُ عَلَيْهَا، فَقَالَتْ عَائِشَةُ : مَا أَسْرَعَ النَّاس ، مَا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى سُهَيْلِ بْنِ بَيْضَاءَ إِلاَّ فِي الْمَسْجِدِ.

کو مسجد میں داخل کر کے ان کے (حجرے کے) پاس سے گزارا جائے،(یہ اس وقت کی بات ہے) جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ تھا) تاکہ وہ ان کے لیے دعا کریں، لوگوں نے ان پر اس معاملے کے متعلق (انکار اور) اعتراض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ لوگ کس قدر جلدی (سنت کو بھولنے کا معاملہ) کرنے والے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں ہی پڑھا تھا۔

فائدہ :......اس حدیث میں موطا امام مالک رحمہ اللہ کے بعض مصری نسخوں میں ((مَـا اَسْرَعْ)) کے بعد یہ عبارت بھی موجود ہے:((مَانَسِيَ النَّاسُ)) ''لوگ کس قدر جلد بھول گئے ہیں'' اور صحیح مسلم (حدیث:973) میں بھی یہ عبارت موجود ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:((فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى ابْنَىْ بَيْضَاءَ فِى الْمَسْجِدِ سُهَيْلٍ وَ اَخِيْهِ)) ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ کی قسم! یقیناً رسول اللہ ﷺ نے بَیضاء کے دونوں بیٹوں یعنی سہیل اور اس کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد ہی میں ادا کی تھی'' (مسلم:973/ 101) سہیل رضی اللہ عنہ کے بھائی کا نام صفوان تھا، (ابونعیم بحوالہ زرقانی) بعض کے نزدیک ان کا نام سہل رضی اللہ عنہ تھا (ابن مندہ بحوالہ زرقانی) ان کی والدہ کا نام ''دعد'' تھا لیکن گوری رنگت کی وجہ سے بَیضاء کے لقب سے مشہور تھیں۔ اور سہیل رضی اللہ عنہ کے والد کا نام وہب بن ربیعہ تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں بھی جنازے میں شرکت کر سکتی ہیں، چنانچہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ((نُهِيْنَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا))''ہم (عورتوں) کو جنازوں کے ساتھ جانے سے منع تو کیا گیا تھا لیکن تاکید اور پختگی کے ساتھ ہمیں نہ روکا گیا۔'' (بخاری: 1278) امام شافعی رحمہ اللہ عورتوں کے لیے جنازہ پڑھنا ممنوع قرار دیتے ہیں جبکہ باقی تمام فقہاء کے ہاں یہ جائز ہے اور یہی راجح ہے.....موطا امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے صرف دعا کرنے کا تذکرہ ہے لیکن صحیح مسلم کی روایت میں تفصیل ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں سے ان کے حجروں کے پاس سے گزارا جائے تاکہ وہ بھی ان کا جنازہ ادا کر سکیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور انھوں نے جنازہ پڑھ لیا، بعد میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو خبر ملی کہ لوگ ان کے اس عمل پر عیب لگا رہے ہیں تو اس موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ لوگ کس قدر جلد باز ہیں اور جس چیز کا ان کے پاس علم نہیں ہوتا اس پر کس قدر جلد عیب جوئی کرنے لگتے ہیں۔ (مسلم : 973/ 100) یعنی ان کو علم ہی نہیں تھا اس لیے عیب لگایا، مکروہ سمجھ کر عیب نہیں لگایا، جبکہ بعض لوگ باوجود علم کے محض تقلیدی روش میں مسجد میں جنازہ مکروہ قرار دیتے ہیں۔

[541] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: صُلِّيَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي الْمَسْجِدِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد ہی میں ادا کی گئی تھی۔

فائدہ: ......مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں پڑھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں پڑھایا اور جنازہ منبر کے بالکل سامنے رکھا گیا۔ (زرقانی) مصنف عبدالرزاق (6576) میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جنازے کا تذکرہ ہے۔ جمہور، امام محمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ بلا کراہت مسجد میں جنازے کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اسے مکروہ خیال کرتے ہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ عمل کو مکروہ نہیں کہنا چاہیے ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مسجد سے باہر اور کبھی کبھار مسجد میں جنازہ پڑھاتے اور دونوں عمل ہی سنت ہیں۔

9- بَابٌ: جَامِعُ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ

نماز جنازہ کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین موقوف روایات یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم مذکور ہیں جو سنداً صحیح ہیں، امام صاحب کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[542] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى الْجَنَائِزِ بِالْمَدِينَةِ، الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، فَيَجْعَلُونَ الرِّجَالَ مِمَّا يَلِي الإِمَامَ، وَالنِّسَاءَ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں مردوں اور عورتوں کے (اکٹھے) جنازوں کو ادا کرتے تو مردوں (میتوں) کو امام والی جانب رکھتے اور عورتوں کو (ان سے آگے) قبلے کی جانب رکھتے۔

فائدہ: ...... حارث بن نوفل رحمہ اللہ کے آزاد کردہ غلام عمار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ، ابوقتادہ، ابوسعید خدری اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس مذکورہ مسئلے کے متعلق پوچھا گیا تو سب نے کہا کہ ایسا کرنا سنت ہے۔ (ابوداود: 3193، نسائی: 1979۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

---

[541] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 3/ 526(6577)، ابن ابی شیبہ: 3/ 364، بیہقی: 4/ 52، ابن المنذر فی الاوسط: 5/ 415(3113)، طبقات ابن سعد: 3/ 367، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 1/ 492۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[542] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 3/ 646(6330، 6331، 6333)، 3/ 465(6337)، ابن ابی شیبہ: 3/ 314، 315(11561، 11562)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[543] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَائِزِ ، يُسَلِّمُ حَتَّى يُسْمِعَ مَنْ يَلِيهِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کی نماز جنازہ ادا کرتے تو (اونچی آواز سے) سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپ کے قریب کھڑے ہوئے مقتدی اسے سن لیتے تھے۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ جنازے میں صرف ایک سلام کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ دو سلام کے قائل ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح ثابت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دونوں طرف سلام والی حدیثِ مصطفیٰ نقل کی ہے۔ (بیھقی : 4/ 43، مجمع الزوائد : 3/ 34، المجموع : 5/ 239۔ اس کی سند حسن ہے)۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صرف ایک سلام والی روایت نقل کی ہے۔ (بیہقی : 4 / 43، حاکم : 1 / 360۔ اس کی سند حسن ہے) امام شافعی رحمہ اللہ سلام کو سراً کہنے کے قائل ہیں اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین سے بھی یہ مروی ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جہراً سلام کہنے کے قائل ہیں اور یہ بات بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین سے مروی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ صرف اتنی اونچی آواز کے قائل ہیں کہ قریب والوں کو پتا چل سکے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے کیونکہ اغلب یہی ہے کہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا تبھی علم ہوا جب آپ نے اسے جہراً کہا۔

[544] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : لَا يُصَلِّي الرَّجُلُ عَلَى الْجَنَازَةِ إِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: آدمی نماز جنازہ نہ ادا کرے مگر اس حالت میں کہ وہ باوضو ہو۔

فائدہ:...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جنازہ کے لیے بار بار لفظ صلاۃ (نماز) استعمال کرنا، عیدگاہ کی طرف جا کر اسے ادا کرنا، صف بندی کا اہتمام کرنا، اس میں تکبیرات کہنا، قراءت کرنا، سلام پھیرنا یہ سب اس بات کے زبردست دلائل ہیں کہ جنازہ بھی نماز ہے اور باقی نمازوں کی طرح یہ بھی بغیر وضو کے قبول نہ ہوگی، لہٰذا شعبی، ابراہیم بن علیہ اور ابن جریر رحمہم اللہ کی طرف منسوب یہ قول کہ جنازہ بغیر وضو کے پڑھا جا سکتا ہے، قطعاً قابل قبول نہیں، رہی یہ بات کہ اس

---

[543] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 3494(6449)، بیھقی فی السنن الکبری: 4/ 44(6992) وفی معرفة السنن والآثار : 3/ 172(2157) ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[544] (موقوف صحیح) بخاری تعلیقاً ، کتاب الجنائز ، باب سنة الصلاة علی الجنازة ، قبل حدیث : 1322، بیھقی فی السنن الکبری : 1 / 23(1093) و فی معرفة السنن والآثار : 1/ 302(349)۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

میں رکوع اور سجدہ کیوں نہیں ہے؟ تو اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاہل لوگ کہیں یہ گمان نہ کر لیتے کہ یہ تو میت کی عبادت ہو رہی ہے اور پھر وہ گمراہ ہو جاتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : لَمْ أَرَ أَحَداً مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُ أَنْ يُصَلَّى عَلَى وَلَدِ الزِّنَا وَأُمِّهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے اہل علم میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ وَلَدِ زنا (زنا سے پیدا ہونے والے بچے) اور اس کی (زانیہ) ماں پر جنازہ پڑھنے کو مکروہ جانتا ہو۔

فائدہ :...... کیونکہ وہ بچہ بھی عام بچوں کی طرح معصوم اور بے قصور ہوتا ہے لہٰذا اس کے جنازے میں کوئی حرج نہیں، رہی زانیہ عورت تو اگر اسے حدِ زنا لگ چکی ہو پھر تو ایسی عورت پر خود نبی کریم ﷺ سے بھی جنازہ ثابت ہے۔ (مسلم: 1695/ 23، 1696) اور اگر اسے حد نہ لگی ہو تو پھر بھی مسلمان ہونے کے ناطے مسلمانوں پر اس کا حق ہے کہ جنازہ ادا کریں اور جنازے کا مقصد بھی تو یہی ہے کہ اللہ کے حضور میت کے گناہوں کی معافی کے لیے سفارش کی جائے ......البتہ علانیہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے اور پھر ان پر فخر کرنے والوں کے متعلق اور بعض خاص گناہوں کے مرتکبین کے متعلق مستحب یہ ہے کہ ان کی موت کے وقت موجود افراد میں سے اہل علم وفضل اور امام وقت جنازہ پڑھنے سے گریز کریں اور لوگوں سے کہیں کہ خود ہی پڑھ لو، تا کہ لوگوں کو تنبیہ ہو اور وہ ان جرائم سے باز آ جائیں، نبی کریم ﷺ نے خودکشی کرنے والے (نسائی : 1966، سند صحیح ہے۔) مال غنیمت میں خیانت و چوری کرنے والے (ابو داؤد: 2710، نسائی :1961، ابن ماجہ : 2848۔ سند صحیح ہے) اور ایسا مقروض جس کے قرض کی ادائیگی کا بندوبست نہ ہوا ہو، (بخاری: 2289) کے متعلق یہی رویہ اختیار کیا اور خود جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔

10- بَابٌ : مَاجَاءَ فِي دَفْنِ الْمَيِّتِ

میت کی تدفین کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چھ روایات ہیں، دو مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں جن کی سندیں صحیح ثابت ہیں، تین موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور دو ضعیف ہیں اور ایک مقطوع (اثر تابعی) ہے جس کی سند صحیح ہے۔

[545] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ تُوُفِّيَ يَوْمَ الاثْنَيْنِ ، وَدُفِنَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ ، وَصَلَّى النَّاسُ عَلَيْهِ أَفْذَاذاً لَا

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ سوموار کے دن فوت ہوئے اور منگل کے دن آپ کو دفن کیا گیا، لوگوں نے آپ پر الگ الگ نماز ادا کی اور ان کی امامت کوئی نہیں

[545] (صحيح) الطبقات الكبرى لابن سعد : 2/ 274، 276، 288، 289، 293، ابن عبدالبر في التمهيد :24/ 394 ـ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔

يَؤُمُّهُمْ أَحَدٌ، فَقَالَ نَاسٌ: يُدْفَنُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، وَقَالَ آخَرُونَ: يُدْفَنُ بِالْبَقِيعِ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: مَا دُفِنَ نَبِيٌّ قَطُّ، إِلَّا فِي مَكَانِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَحُفِرَ لَهُ فِيهِ، فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ غُسْلِهِ، أَرَادُوا نَزْعَ قَمِيصِهِ، فَسَمِعُوا صَوْتاً يَقُولُ: لَا تَنْزِعُوا الْقَمِيصَ، فَلَمْ يُنْزَعِ الْقَمِيصُ، وَغُسِّلَ وَهُوَ عَلَيْهِ ﷺ.

کراتا تھا، پھر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ کو منبر کے قریب دفن کیا جائے اور بعض دوسروں نے کہا کہ آپ کو بقیع قبرستان میں سپرد خاک کیا جائے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''کبھی بھی کوئی بھی نبی اس جگہ کے علاوہ دفن نہیں کیا گیا جہاں کہ وہ فوت ہوا۔'' چنانچہ نبی کریم ﷺ کی بھی اسی جگہ قبر کھودی گئی، پھر جب آپ کو غسل دینے کا موقع آیا اور لوگوں نے آپ ﷺ کی قمیص اتارنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے ایک آواز سنی جس میں (کوئی کہنے والا) کہہ رہا تھا کہ قمیص نہ اتارو، چنانچہ آپ ﷺ کی قمیص نہ اتاری گئی اور آپ کو اس حالت میں غسل دیا گیا کہ قمیص آپ کے اوپر ہی تھی۔

فائدہ:...... 29 صفر 11 ھ بروز سوموار ایک جنازے سے واپسی پر درد سر سے آپ ﷺ کا مرض الوفات شروع ہوا، جو 13 یا 14 دن تک رہا، اسی حالت میں گیارہ دن تک آپ خود ہی امامت کراتے رہے، آخری ہفتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزارا اور بالآخر 12 ربیع الاول بروز سوموار چاشت کی شدت کے وقت آپ ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے، منگل کے روز آپ کو غسل دیا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے، حضرت عباس اور ان کے دو بیٹے فضل اور قثم آپ ﷺ کی کروٹ بدل رہے تھے، حضرت اسامہ اور شقران پانی بہا رہے تھے اور حضرت اوس بن خولی نے آپ ﷺ کو اپنے سینے سے ٹیک دے رکھی تھی رضی اللہ عنہم۔ باری باری دس دس صحابہ رضی اللہ عنہم حجرہ شریف میں داخل ہو کر نماز پڑھتے تھے اور پورا دن اسی طرح گزر گیا اور آخر کار بدھ کی رات کو تدفین ہوئی۔ (الرحیق المختوم) تدفین کے وقت میں مختلف اقوال ہیں: (1) منگل کی رات سحری کے وقت (2) موطا کی روایت کے مطابق منگل کے دن (3) بدھ کی رات (4) بدھ کے دن۔ تدفین میں تاخیر کے مختلف اسباب تھے مثلاً بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو وفات نبوی کا یقین نہیں ہو رہا تھا، بعض کی آنکھوں کے سامنے اس کربناک معاملے کی بنا پر اندھیرا چھا گیا، بعض بولنے سے اور بعض چلنے سے عاجز آ گئے، خلافت کے مسئلے کا فوری حل، تدفین کی جگہ اور پھر قبر کی کیفیت کے متعلق آراء کے اختلاف کا حل اور ہزاروں لوگوں کا الگ الگ جنازہ ادا کرنا...... بعض لوگوں نے ((اَلصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ)) سے مراد ''نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا'' لیا ہے لیکن راجح قول جنازہ پڑھنے کا ہے کیونکہ طبقات ابن سعد اور بیہقی کی روایات میں تکبیر کہنے اور صفیں بنانے کا بھی ذکر ہے اور ان چیزوں کا تعلق نماز سے ہے۔ گھر کے کونے سے آواز آنے کا تفصیلی قصہ پیچھے موطا کی روایت: 519 کے فائدہ میں (ابوداؤد: 3141 کے حوالے سے) گزر چکا ہے۔

[546] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ بِالْمَدِينَةِ رَجُلَانِ، أَحَدُهُمَا يَلْحَدُ، وَالآخَرُ لَا يَلْحَدُ، فَقَالُوا: أَيُّهُمَا جَاءَ أَوَّلُ عَمِلَ عَمَلَهُ. فَجَاءَ الَّذِي يَلْحَد، فَلَحَدَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں دو شخص (قبریں کھودتے) تھے ان میں سے ایک لحد یعنی بغلی قبر بناتا تھا اور دوسرا بغلی قبر نہیں (بلکہ شق یعنی درمیان میں گڑھے والی سیدھی قبر) بناتا تھا، لوگوں نے کہا کہ ان میں سے جو پہلے آ جائے گا وہ اپنا کام کرلے گا، چنانچہ وہ شخص آیا جو بغلی قبر بناتا تھا، اور پھر اسی نے رسول اللہ ﷺ کے لیے بغلی قبر بنا دی۔

فائدہ :......بغلی قبر بنانے والے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور سیدھی (صندوقچی) قبر بنانے والے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ (طبقات ابن سعد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) دراصل اہل مکہ سیدھی قبریں بناتے تھے اور اہل مدینہ بغلی۔ وفات نبوی ﷺ کے بعد جب دونوں آراء سامنے آئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استخارہ کیا اور دونوں کی طرف پیغام بھیج دیا تو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ پہلے پہنچ گئے اور انھوں نے بغلی قبر تیار کردی، (ابن ماجه عن انس: 1557۔اس کی سند حسن ہے) مدینہ منورہ میں دونوں قسم کی قبریں کھودنے والوں کو اپنے اپنے کام پر برقرار رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں طریقے درست ہیں البتہ بغلی قبر زیادہ مستحب ہے۔ اور یہ جو روایت ہے: ((اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا)) ”بغلی قبر ہمارے لیے ہے اور سیدھی قبر ہمارے علاوہ (اہل کتاب) کے لیے ہے۔“ (ابوداؤد: 3208، ترمذی: 1045، ابن ماجه: 1554۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔) اس میں سیدھی قبر سے منع نہیں کیا گیا بلکہ عام معمول بیان کر کے بغلی قبر کی افضلیت بیان کی گئی ہے۔

[547] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تَقُولُ: مَا صَدَّقْتُ بِمَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ حَتَّى سَمِعْتُ وَقْعَ الْكَرَازِينِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر فرمایا کرتی تھیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی تصدیق ہی نہ کی (نہ مجھے یقین آیا نہ میں نے اس خبر کو سچا جانا) یہاں تک کہ میں نے کدالوں کے (زمین پر) مارے جانے کی آوازیں سنیں۔

---

[546] (صحیح) الطبقات الکبری لابن سعد: 2/ 295، 296، ابن ابی شیبه (11631)، شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، نیز دیکھیے سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الشق، حدیث: 1557۔ اس کی سند حسن ہے۔

[547] (موقوف ضعیف) الطبقات الکبری لابن سعد: 2/ 304، احمد: 6/ 62(24837)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

فائدہ: ......شدت صدمہ وقلق اور حیرت و دہشت کے مارے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا برا حال تھا، حتی کہ انھیں وہ آیات بھی یاد نہ آسکیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر تھی، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا۔ (بخاری :3667) پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور قرآن مجید کی دو آیات پڑھیں۔ (سورۂ زمر، آیت: 30، سورۂ آل عمران آیت: 144) تب جا کر مسجد میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یقین آیا اور پھر آنسو نہ تھم سکے۔ (بخاری: 3668) اور یوں محسوس ہوا کہ جیسے لوگوں کو ان آیات کے نزول کا اس سے پہلے علم ہی نہ تھا اور پھر سب کی زبانوں پر یہ دونوں آیات جاری ہوگئیں۔ (بخاری: 1241، 1242)

[548] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: رَأَيْتُ ثَلَاثَةَ أَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِي حُجْرَتِي، فَقَصَصْتُ رُؤْيَايَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، قَالَتْ: فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَدُفِنَ فِي بَيْتِهَا، قَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ: هَذَا أَحَدُ أَقْمَارِكِ، وَهُوَ خَيْرُهَا.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے (خواب میں) دیکھا کہ تین چاند میرے حجرے میں گر پڑے ہیں، میں نے اپنا خواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سنا دیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں دفن کر دیے گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ یہ تیرے (دیکھے ہوئے تین) چاندوں میں سے ایک ہے اور ان میں سب سے بہترین بھی ہے۔

[549] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِمَّنْ يَثِقُ بِهِ: أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ، وَسَعِيدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، تُوُفِّيَا بِالْعَقِيقِ، وَحُمِلَا إِلَى الْمَدِينَةِ وَدُفِنَا بِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے کئی ایک معتبر ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہما (مدینہ کے قریب) عقیق (نامی جگہ) میں فوت ہوئے اور ان کو مدینہ منتقل کر دیا گیا اور وہیں دفنایا گیا۔

فائدہ: ......شاید اس لیے کہ جنازے میں زیادہ لوگ شریک ہوسکیں اور زیادہ لوگوں کو ان کی قبر کی زیارت کا موقع ملتا رہے اور ان کے لیے دعا زیادہ ہوا کرے یا جنت البقیع کی یا مدینہ کی فضیلت ملحوظ رکھی گئی یا گھر والوں اور رشتہ

---

[548] (موقوف صحیح) الطبقات الكبرى لابن سعد: 2/ 293، مستدرك حاكم: 3/ 60، بيهقى فى دلائل النبوة :7/ 261، طبرانى فى المعجم الكبير: 23/ 39، و فى الاوسط: 6/ 266(6373)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[549] (موقوف ضعيف) طبقات ابن سعد: 3/ 147، بیهقى: 4/ 57۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

داروں کی سہولت مدنظر رہی۔ واللہ اعلم ۔حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ 50ھ میں یا اس سے ایک یا دو سال بعد فوت ہوئے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ 55ھ میں فوت ہوئے ......میت کو اس کی جائے وفات سے منتقل کرنے کے متعلق مختلف اقوال ہیں ، راجح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تدفین ان کی جائے وفات پر ہی ہوتی ہے جیسا کہ پیچھے روایت: 545 میں گزر چکا ہے ، میدان جنگ کے شہداء کو بھی وہاں سے منتقل کرنا ممنوع ہے ، جیسا کہ شہدائے احد کی منتقلی کا سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((رُدُّوا الْقَتْلٰی اِلٰی مَضَاجِعِهَا)) ''اپنے شہداء کو ان کی قتل گاہوں کی طرف لوٹا دو۔'' (ترمذی: 1717 ، ابو داؤد: 3165 ، نسائی: 2006 ، 2007 ، ابن ماجہ: 1516۔اس کی سند صحیح ہے۔) جبکہ باقی تمام مقتولین اور فوت شدگان کی دو صورتیں ہیں : (1) بغیر کسی صحیح مقصد کے ایسا کیا جائے تو مکروہ ہے کیونکہ اس سے تدفین میں تاخیر ہوگی ، اسی طرح اگر دفن شدہ میت کو منتقل کرنے میں یہ اندیشہ ہو کہ نعش کی توہین ہوگی تو پھر بھی ممنوع ہے۔ (2) اور اگر کوئی صحیح غرض ہو مثلاً کسی جگہ کی مخصوص فضیلت کا حصول، گھر والوں کی سہولت ، زیادہ افراد کی جنازے میں شرکت وغیرہ تو پھر درست اور مستحب ہے ، البتہ دفن کرنے کے بعد منتقل کرنا درست نہیں الا یہ کہ کوئی عذر ہو، مثلاً قریبی نالے کے پانی سے قبر خراب ہونے کا اندیشہ، راستہ یا مسجد کی تعمیر اور قبر والی جگہ کے غصب شدہ ہونے کا ثبوت وغیرہ۔

[550] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: مَا أُحِبُّ أَنْ أُدْفَنَ بِالْبَقِيعِ، لأَنْ أُدْفَنَ بِغَيْرِهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُدْفَنَ بِهِ، إِنَّمَا هُوَ أَحَدُ رَجُلَيْنِ، إِمَّا ظَالِمٌ فَلَا أُحِبُّ أَنْ أُدْفَنَ مَعَهُ، وَإِمَّا صَالِحٌ فَلَا أُحِبُّ أَنْ تُنْبَشَ لِي عِظَامُهُ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں ، انھوں نے کہا کہ میں بقیع قبرستان میں دفن کیا جانا پسند نہیں کرتا، یہاں دفن کیے جانے کی نسبت مجھے اس کے علاوہ کہیں اور دفنایا جانا زیادہ محبوب ہے کیونکہ (اس قبرستان میں مردوں کی تدفین اس کثرت سے ہوتی ہے کہ کوئی جگہ خالی نہیں ہے، اس میں جہاں بھی مجھے دفن کرنے کا ارادہ کیا جائے تو کسی نہ کسی کی قبر ہی کو کھودا جائے گا اور جس کی قبر کھودی جائے گی اللہ کے نزدیک) وہ شخص دو قسم کے لوگوں میں سے کوئی ایک ہوگا ، یا تو ظالم ہوگا اور میں اس کے ساتھ دفن ہونا پسند نہیں کرتا ، یا پھر وہ نیک شخص ہوگا تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے اس کی ہڈیاں کھودی جائیں۔

فائدہ :......'' بہرحال'' اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور یقیناً آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی۔'' (بخاری: 1 ، مسلم: 1907)

---

[550] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق: 3/ 579(6735)، الشافعی فی الام: 1/ 277، بیهقی فی السنن الکبری: 4/ 58، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 192(2185)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

11- بَابٌ : اَلْوُقُوْفُ لِلْجَنَائِزِ وَالْجُلُوْسُ عَلَى الْمَقَابِرِ

جنازوں کے لیے کھڑا ہونے اور قبروں پر بیٹھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک حدیث نبوی ہے جس کی سند صحیح ہے اور دو آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

فائدہ :...... جنازوں کے لیے کھڑا ہونا تین طرح کا ہوتا ہے: (1) جنازے میں شامل نہ ہونے والوں کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا، (2) جنازے میں شامل افراد کا میت کو کندھوں سے نیچے اتارنے تک کھڑے رہنا (3) میت کو قبر میں اتار دینے تک کھڑے رہنا۔ پہلی قسم کے قیام کو امام مالک رحمہ اللہ ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور نے منسوخ قرار دیا ہے، پہلے پہل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑا ہونے کا حکم دیا تھا۔ (بخاری: 1307- 1313، مسلم: 958- 961) بعد میں جنازہ دیکھنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے رہے، (مسلم: 962) اور بیٹھے رہنے کا حکم بھی دیا۔ (مسند احمد: 1/ 82، بیہقی: 4 / 27، حازمی: ص 121- سند صحیح ہے) البتہ امام احمد رحمہ اللہ ، نووی رحمہ اللہ اور ابن حزم رحمہ اللہ اس پہلے عمل کو منسوخ نہیں کہتے بلکہ دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دیتے ہیں، کیونکہ اصولِ حدیث میں یہ بات مسلمہ ہے کہ باہم متعارض روایات میں سب سے پہلے تطبیق دی جاتی ہے، وہ ممکن نہ ہو تو پھر نسخ اور پھر ترجیح سے مسئلہ حل کیا جاتا ہے اور یہاں تطبیق ممکن ہے کہ جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونے اور بیٹھ رہنے میں اختیار ہے، پہلے کھڑا ہونا لازم تھا بعد میں وجوب ختم کر کے جواز باقی رکھا گیا اور یہی موقف راجح ہے جس سے تمام روایات پر عمل ہو جاتا ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونے کی جو وجوہات اور علتیں بتائی تھیں وہ اب بھی موجود ہیں، رہی وہ روایت جس میں بیٹھنے کا حکم ہے تو وہ اباحت کے لیے ہے کہ کھڑا ہونا اب واجب نہیں بلکہ بیٹھنا بھی مباح اور جائز ہے اور کھڑے ہونا بھی۔ واللہ اعلم بالصواب ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازوں کے لیے کھڑا ہونے کے متعلق مختلف مواقع پر مختلف علتیں اور وجوہات بیان فرمائیں جو کہ حسب ذیل ہیں: (1) ((اِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ)) ''بے شک موت (کی) ایک (خاص) گھبراہٹ (ہوتی) ہے۔'' (مسلم: 960) (2) ((اَلَيْسَتْ نَفْسًا؟)) ''(میت خواہ یہودی کی ہو) کیا وہ ایک جان نہیں ہے۔'' (بخاری: 1312، مسلم: 961) یعنی ہم میت کی ذات کے لیے کھڑے نہیں ہوئے بلکہ اس جان پر طاری ہونے والی موت کی صعوبت یاد کر کے کھڑے ہوئے ہیں۔ (3) ((اِنَّمَا قُمْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ)) ''بے شک ہم تو صرف اور صرف فرشتوں کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔'' (نسائی: 1931- سند حسن ہے۔) (4) ((اِنَّمَا تَقُوْمُوْنَ اِعْظَامًا لِلَّذِيْ يَقْبِضُ النُّفُوْسَ)) ''یقیناً تم تو صرف اور صرف اس ذات کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہو جو جانوں کو قبض کرتی ہے۔'' (ابن حبان، مسند احمد: 2/ 168- سند صحیح ہے) یہ چاروں وجوہات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے حوالے سے ذکر فرمائی ہیں۔ دو وجوہات حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے فہم و اجتہاد سے یوں ذکر کی ہیں:

(5)((قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَأَذِّيًا بِرِيْحِ الْيَهُوْدِيِّ)) ''رسول اللہ ﷺ یہودی کی بدبو کی وجہ سے کھڑے ہوئے۔'' (مسند احمد: 1/ 200) (6)((فَكَرِهَ اَنْ تَعْلُوَ رَاْسَهٗ جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَامَ)) ''آپ ﷺ نے ناپسند جانا کہ ایک یہودی کا جنازہ آپ ﷺ کے سر سے بلند ہو، اس لیے آپ ﷺ کھڑے ہوگئے۔'' (نسائی: 1928۔ سند صحیح ہے)......امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجنائز کے باب: 46 تک مسلسل کئی ایک فرامین نبویہ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے کھڑا ہونا ثابت کرکے گویا اس کے منسوخ ہونے کی تردید کی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب الجنائز کے باب: 52 میں اور امام نسائی رحمہ اللہ نے کتاب الجنائز کے باب: 47 میں ''ترک قیام کی رخصت'' کا عنوان قائم کرکے اشارہ کیا ہے کہ پہلا عمل منسوخ نہیں ہوا بلکہ وہ بھی درست ہے اور بعد والے عمل یعنی بیٹھے رہنے کی بھی رخصت ہے۔

رہا مسئلہ کندھوں سے میت کو اتارنے تک کھڑا رہنے کا، تو یہ مستحب ہے اور جس حدیث میں کھڑا رہنے کا حکم ہے تو وہ بھی استحباب کے لیے ہے اور بیٹھنے کی کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی ثابت ہے۔ (بیہقی: 4/ 27)

باقی رہا مسئلہ میت کے قبر میں اتارے جانے تک کھڑا رہنے کا، تو یہ پہلے پہل حکم تھا، بعدازاں یہودیوں کی مخالفت کرنے کے لیے اسے منسوخ کردیا گیا۔ اس کی کچھ تفصیل موطا امام مالک رحمہ اللہ کی پیچھے گزرنے والی روایت: 528 میں مذکور ہے۔

[551] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ مَسْعُودِ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُومُ فِي الْجَنَائِزِ، ثُمَّ جَلَسَ بَعْدُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنازوں میں کھڑا ہوا کرتے تھے، پھر بعد میں آپ ﷺ بیٹھنے لگے۔

[552] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَانَ يَتَوَسَّدُ الْقُبُورَ وَيَضْطَجِعُ عَلَيْهَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قبروں کو تکیہ بنا لیتے تھے اور ان پر لیٹ بھی جاتے تھے۔

---

[551] (صحیح) صحیح مسلم کتاب الجنائز، باب نسخ القیام للجنازة، حدیث: 962، سنن ابی داود، کتاب الجنائز باب القیام للجنازة، حدیث :3175 ترمذی :1044، نسائی :2001، ابن ماجه :1544، احمد: 1/ 82.

[552] (موقوف ضعیف) طحاوی فی شرح معانی الآثار : 1/ 517۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا نُهِيَ عَنِ الْقُعُودِ عَلَى الْقُبُورِ فِيمَا نُرَى لِلْمَذَاهِبِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہماری رائے میں بول و براز کے لیے قبروں پر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قبروں پر بیٹھنا جائز ہے البتہ پاخانہ اور پیشاب کرنے کے لیے قبر پر بیٹھنا ممنوع ہے، وہ تمام روایات جن میں قبروں پر بیٹھنے وغیرہ کی ممانعت منقول ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ان سے صرف بول و براز کے لیے بیٹھنا مراد لیا ہے، بہرحال قضائے حاجت کے لیے قبر پر بیٹھنا متفقہ طور پر حرام ہے، رہا قضائے حاجت کے علاوہ بیٹھنا تو وہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین، اکثر شوافع، امام احمد رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے۔ بعض شوافع اور ایک روایت کی رو سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں صرف مکروہ تنزیہی ہے، جمہور کے ہاں ہر صورت میں قبروں پر بیٹھنا، لیٹنا اور ان کو تکیہ بنانا حرام ہے خواہ قضائے حاجت کے لیے ہو یا استراحت کے لیے ہو یا مجاور بن کر بیٹھنا مقصود ہو۔ اس کے عمومی دلائل حسب ذیل ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَ اَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَ اَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ. ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ قبر کو چونا گچ کیا جائے اور اس پر بیٹھا جائے اور اس پر عمارت تعمیر کی جائے۔'' (مسلم: 970) حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا)) ''تم نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھو'' (مسلم :972) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ((لَاَنْ يَّجْلِسَ اَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهٗ فَتَخْلُصَ اِلٰى جِلْدِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ)) ''تم میں سے کسی کا ایک انگارے پر بیٹھ جانا جو اس کے کپڑوں کو جلا کر اس کے چمڑے تک پہنچ جائے، اس کے لیے کسی قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔'' (مسلم: 971) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے: ((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَ اَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا وَ اَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهَا وَ اَنْ تُوْطَاَ)) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونا گچ کرنے، ان پر کچھ لکھنے، ان پر عمارت بنانے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا'' (ترمذی : 1052۔ سند صحیح ہے۔) لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ثابت شدہ فرامین کے مقابلے میں جو بعض آثار صحابہ رضی اللہ عنہم منقول ہیں (بخاری، قبل حدیث :1361) وہ مرجوح ہیں۔

[553] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا أُمَامَةَ بْنَ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ يَقُولُ : كُنَّا نَشْهَدُ الْجَنَائِزَ، فَمَا يَجْلِسُ آخِرُ النَّاسِ

حضرت ابوامامہ (اسعد) بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم جنازوں میں حاضر ہوا کرتے تھے تو لوگوں میں سے آخری شخص (ابھی پہنچ کر) نہیں بیٹھتا تھا کہ (وہ بھی باقی لوگوں کے ساتھ مل کر بیٹھے اور انتظار کرے

[553] (موقوف صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حَتَّى يُؤْذَنُوا. بلکہ اس کے آنے سے پہلے ہی یا اس کے آتے ہی) ان کو اجازت دے دی جاتی (اور کہہ دیا جاتا کہ جنازہ ادا کر لیں)۔

فائدہ: ......اس روایت کے الفاظ کا راجح ترجمہ ومفہوم ہم نے ترجمے ہی میں ذکر کر دیا ہے کہ اجازت سے مراد نماز شروع کرنے کی اجازت ہے، اور لوگوں میں سے آخری شخص یا پہلے شخص کے بیٹھنے کا فرق نماز سے پہلے ہی ہو سکتا ہے جب لوگ آگے پیچھے ابھی پہنچ رہے ہوتے ہیں، اور نماز ختم ہونے کے بعد اگلا مرحلہ تو سب لوگوں کے لیے اکٹھا ہی شروع ہوتا ہے، الغرض یہ روایت جنازہ جلدی ادا کرنے اور جنازگاہ میں زیادہ دیر انتظار نہ کرنے پر دلالت کرتی ہے ......بعض شارحین نے اجازت کے مفہوم میں یہ کہا ہے کہ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹنے کے لیے میت کے ورثاء سے اجازت لی جاتی ہے، لیکن اس روایت کے الفاظ میں آخری شخص کے بیٹھنے کا جو تذکرہ ہے وہ اس مفہوم کی تائید نہیں کرتا...... جنازے سے واپس لوٹنے کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ جو لوگ جنازے کی ادائیگی کے لیے گئے ہوں (1) ان کے لیے نماز جنازہ سے پہلے ہی واپس آنا تو ہر صورت میں مکروہ ہے الا یہ کہ دوبارہ وضو کرنا پڑ جائے۔ (2) نماز ہو جانے کے بعد لیکن تدفین سے پہلے پہلے واپس لوٹنا جائز ہے البتہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ اور علماء کے نزدیک بغیر اجازت کے لوٹنا مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنے سے میت کے ورثاء مزید تنہائی اور حوصلہ شکنی محسوس کریں گے۔ (3) تدفین کے بعد کسی سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثائے میت سے اجازت لینے کے متعلق کچھ منقول نہیں ہے، سوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تدفین تک ساتھ رہنے والوں کے لیے دو پہاڑوں کے برابر اجر اور صرف نماز جنازہ پڑھ کر تدفین سے پہلے واپس آنے والوں کے لیے ایک پہاڑ کے برابر اجر بیان فرمایا ہے۔ (بخاری: 47، مسلم: 945)

12- بَابٌ: اَلنَّهْيُ عَنِ الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ

میت پر رونے سے ممانعت کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں صرف دو مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ہیں اور دونوں صحیح سندوں سے ثابت ہیں۔

[554] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

[554] (صحیح لغیرہ)سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب فی فضل من مات فی الطاعون، حدیث: 3111، سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب النهی عن البکاء علی المیت، حدیث: 1847، ابن ماجه: 28003، احمد 5/ 446، ابن حبان: 3189، 3190، حاکم: 1/ 351، بیهقی: 4/ 69۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ، عَنْ عَتِيكِ بْنِ الْحَارِثِ - وَهُوَ جَدُّ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَابِرٍ أَبُو أُمِّهِ - أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَتِيكٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ يَعُودُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ ثَابِتٍ، فَوَجَدَهُ قَدْ غُلِبَ عَلَيْهِ، فَصَاحَ بِهِ فَلَمْ يُجِبْهُ، فَاسْتَرْجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ: غُلِبْنَا عَلَيْكَ يَا أَبَا الرَّبِيعِ فَصَاحَ النِّسْوَةُ وَبَكَيْنَ، فَجَعَلَ جَابِرٌ يُسَكِّتُهُنَّ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: دَعْهُنَّ، فَإِذَا وَجَبَ فَلَا تَبْكِيَنَّ بَاكِيَةٌ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا الْوُجُوبُ؟ قَالَ: إِذَا مَاتَ فَقَالَتِ ابْنَتُهُ: وَاللّٰهِ إِنْ كُنْتُ لأَرْجُو أَنْ تَكُونَ شَهِيداً, فَإِنَّكَ كُنْتَ قَدْ قَضَيْتَ جِهَازَكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَوْقَعَ أَجْرَهُ عَلَى قَدْرِ نِيَّتِهِ، وَمَا تَعُدُّونَ الشَّهَادَةَ؟ قَالُوا: الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الشُّهَدَاءُ سَبْعَةٌ سِوَى الْقَتْلِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ: الْمَطْعُونُ شَهِيدٌ، وَالْغَرِقُ شَهِيدٌ، وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيدٌ، وَالْمَبْطُونُ شَهِيدٌ، وَالْحَرِقُ شَهِيدٌ، وَالَّذِي يَمُوتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيدٌ، وَالْمَرْأَةُ تَمُوتُ بِجُمْعٍ شَهِيدٌ.

اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تیمارداری کے لیے تشریف لائے، آپ ﷺ نے ان کو اس حالت میں پایا کہ ان پر (بیماری کی شدت اور بیہوشی کا) غلبہ ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے انھیں ذرا بلند آواز سے پکارا لیکن انھوں نے (بیہوشی کی وجہ سے) آپ ﷺ کو کوئی جواب نہ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) پڑھا (کیونکہ یہ کلمہ صرف موت پر ہی نہیں بلکہ کسی بھی مصیبت پر پڑھا جاتا ہے) آپ ﷺ نے (انھیں کنیت سے مخاطب کرکے) فرمایا: ''اے ابو ربیع! ہم تجھ پر مغلوب ہو گئے ہیں۔'' (تقدیر کے مقابلے میں ہمارا کوئی بس نہیں چلتا۔ گھر والوں نے سمجھا کہ شاید موت آ گئی ہے) تو عورتوں کی چیخ نکل گئی اور وہ رونے لگیں، حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ انھیں خاموش کرانے لگے تو رسول اللہ نے فرمایا: ''انھیں چھوڑ دو، پھر جب واقع ہو جائے تو کوئی رونے والی ہرگز نہ روئے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! واقع ہو جانے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''(مطلب یہ ہے کہ) جب وہ مر جائے (اور اس پر موت واقع ہو جائے)''، ان کی (حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی) بیٹی اپنے والد کو مخاطب کرکے کہنے لگی کہ بے شک میں یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ آپ (جہاد کے دوران) شہید ہوں گے کیونکہ بلاشبہ آپ تو (جہاد کے لیے) اپنی تیاری بھی مکمل کر چکے تھے، تو (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کی نیت کے حساب سے ان کا اجر جاری فرما دیا ہے، اور (بھلا) تم کس چیز کو شہادت شمار کرتے ہو؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے کو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''راہ الٰہی میں قتل ہونے کے علاوہ بھی سات قسم کے شہداء ہیں: طاعون کی وبا سے مرنے والا بھی شہید ہے، پانی میں ڈوب کر مرنے والا بھی شہید ہے، پہلو کی تکلیف سے مرنے والا بھی شہید ہے، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا بھی

شہید ہے، جل کر مرنے والا بھی شہید ہے، گرنے والی چیز کے نیچے آ کر مرنے والا بھی شہید ہے، وہ عورت بھی شہید ہے جو (بچے کی پیدائش سے پہلے ہی یا اس کے دوران یا بعد میں) زچگی کی تکلیف سے مرجاتی ہے۔''

فائدہ : ......ذَاتُ الْجَنْبِ یعنی پہلو کی تکلیف سے مراد وہ پھوڑا ہے جو پسلیوں کے نیچے نکلتا ہے اور پھر پھٹ جاتا ہے، اسی طرح پیٹ کے تعفن کی بنا پر پہلو میں ہونے والی تکلیف، نیز نمونیا کا بخار بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے...... پیٹ کی بیماری میں پیٹ سے متعلقہ ہر قسم کی تکلیف شامل ہے خواہ وہ معدے سے تعلق رکھے یا گردوں سے، ناف کی تکلیف ہو یا آنتوں کی، پتھری ہو یا رسولی، پتے میں ہو یا تلی میں یا جگر وغیرہ میں ہو......جل کر مرنے والا خواہ آگ میں جلے یا سخت گرمی کی شدت سے یا بجلی و کرنٹ سے یا بارود وغیرہ سے مرے ...... نیچے دب کر مرنا خواہ عمارتوں میں ہو یا پہاڑوں میں یا زلزلہ اور ٹریفک حادثات میں ......الغرض یہ اللہ تعالیٰ کی امت محمدیہ پر حد درجہ کرم نوازی ہے کہ بہت سی موتوں کو درجۂ شہادت عطا فرما دیا، لیکن یہ اسی کو ملے گا جو مسلمان ہو اور مشرک نہ ہو، نیز یہ درجہ صرف اجر و ثواب کے لحاظ سے ہے، نہ کہ ہر اعتبار سے، چنانچہ ان موتوں والوں کی میتوں کو غسل بھی دیا جائے گا اور ان کا جنازہ بھی پڑھایا جائے گا۔

اس حدیث مبارکہ میں شہادت کی نو قسمیں مذکور ہیں، سات وہ جو اخیر میں بیان ہوئیں، آٹھویں قسم راہ الٰہی میں قتل ہے اور نویں قسم وہ ہے جو حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے بیان ہوئی یعنی خالص نیت اور تمنا کے ساتھ ہی اجرِ شہادت مل جاتا ہے، چنانچہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان نقل کرتے ہیں، فرمایا:

((مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ)) ''جس شخص نے سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت مانگی تو اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مقامات تک پہنچا دے گا اگرچہ وہ شخص اپنے بستر پر ہی مرے۔'' (مسلم: 1909)

احادیث مبارکہ میں چند اور قسموں کی موت پر بھی شہادت کی بشارت سنائی گئی ہے، مثلاً (۱۰) اپنے مال کے دفاع میں قتل کیا جانے والا، (بخاری: 1480، مسلم: 141) (۱۱) اپنے دین کے دفاع میں مارا جانے والا (۱۲) اپنے خون (اور جان) کے دفاع میں مارا جانے والا، (۱۳) اپنے گھر والوں (کی عزت و جان) کے دفاع میں قتل کیا جانے والا، (ابو داود: 4772، ترمذی: 1421، نسائی: 4100، ابن ماجہ: 2580۔ سند صحیح ہے) (۱۴) اپنے اوپر ہونے والے کسی قسم کے بھی ظلم کے خلاف لڑتے لڑتے مارا جانے والا، (نسائی: 4101۔ سند صحیح ہے) (۱۵) راہِ الٰہی میں نکل کر سواری سے گر کر مرنے والا۔ (۱۶) یا (اس راہ میں) زہریلے جانور کے ڈسنے سے مرنے والا (۱۷) یا (اس راہ میں) بستر پر مرنے والا (۱۸) یا (اس راہ الٰہی میں) کسی بھی اور ذریعے سے مرنے والا بھی شہید ہے۔ (ابو داؤد: 2499۔ سند حسن ہے۔) (۱۹) پردیسی اور اجنبی علاقے میں مرنے والا بھی شہید ہے، (ابن ماجہ: 1613۔ سند ضعیف ہے۔ لیکن بیہقی اور دارقطنی وغیرہ میں اس کے شواہد ہیں اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ زرقانی

:105/2) (۲۰) جسے سمندری سفر میں سر چکرانے اور قے آنے کا عارضہ لاحق ہو اس کے لیے شہید کا اجر ہے۔ (ابو داود: 2493۔ سند حسن ہے) (۲۱) جو شخص طاعون کی وبا پھیلنے پر اپنے علاقے ہی میں صبر وثواب کی امید کے ساتھ یہ عقیدہ رکھ کر ٹھہرا رہے کہ اسے اللہ کی لکھی ہوئی تکلیف کے سوا کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی تو اس کے لیے بھی شہید کا اجر ہے۔ (بخاری: 3474) (۲۲) پہاڑ کی چوٹی سے گر کر مرنے والا۔ (طبرانی بحواله زرقانی :2/ 105، سند صحیح ہے)

[555] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ تَقُولُ: وَذُكِرَ لَهَا أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ: إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَغْفِرُ اللّٰهُ لأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ، وَلَكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أَخْطَأَ، إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِيَهُودِيَّةٍ يَبْكِي عَلَيْهَا أَهْلُهَا، فَقَالَ: إِنَّكُمْ لَتَبْكُونَ عَلَيْهَا، وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت کہتے ہوئے سنا جب ان کے سامنے یہ تذکرہ کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میت کو زندہ شخص کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن (یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) کی مغفرت فرمائے، آگاہ رہو، انھوں نے جھوٹ نہیں بولا لیکن وہ بھول گئے ہیں یا ان سے خطا ہوگئی ہے، (قصہ دراصل یوں تھا کہ) رسول اللہ ﷺ ایک یہودن کے پاس سے گزرے جس (کی موت) پر اس کے گھر والے رو رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً یہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں اور اسے اپنی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔''

فائدہ:......حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف یہ تھا کہ گھر والوں کے رونے سے ہر میت کو عذاب ہوتا ہے، خواہ میت مسلمان ہو یا کافر، جبکہ سیدہ عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ صرف یہودیوں اور کافروں کے ساتھ یہ بات خاص ہے۔ (بخاری: 1286-1288)......لیکن اس مسئلے میں کچھ تفصیل ہے۔ دراصل رونا دو قسم کا ہوتا ہے، ایک یہ کہ صرف آنکھ روئے اور زبان اور دوسرے اعضائے جسم سے جزع فزع کا اظہار نہ کیا جائے تو یہ بات خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، اپنی بیٹی اور اپنے نواسے پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے بھی آنسو نکلے۔ (بخاری: 1284، 1285، مسلم: 923) اور آپ ﷺ نے اس کی اجازت بھی فرمائی تھی۔ (بخاری: 1304، مسلم: 924)، دوسرا رونا،

[555] (صحيح) صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ يعذب الميت ببعض بكاء اهله عليه، حديث: 1298، 3978، صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الميت يعذب ببكاء اهله عليه، حديث: 932، ترمذی: 1004، نسائی: 1857، ابن ماجه: 1595، احمد: 6/ 107 (25265).

نوحے اور ماتم کی شکل میں ہوتا ہے جو کہ حرام ہے اور عذاب کا باعث ہے، جو شخص نوحہ کرتا ہے وہ خود تو عذاب کا مستحق یقیناً ہے الا یہ کہ توبہ کرلے۔ لیکن کیا میت کو بھی اس رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے تو اس بارے میں مختلف روایات میں یوں تطبیق دی جائے گی کہ اگر مرنے والا خود، نوحے کی شکل میں رونے کی وصیت کر گیا ہو یا اپنی زندگی میں وہ اس طریقے پر قائم اور راضی تھا اور نوحہ خوانی سے منع نہیں کرتا تھا تو پھر ورثاء کا رونا دراصل میت کا اپنا جرم ہے جس کی بنا پر اسے قبر میں عذاب ملتا ہے، رہا وہ شخص جو نہ خود نوحہ کرتا تھا اور نہ ہی اس عمل کو پسند کرتا تھا بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق اس سے روکتا تھا تو پھر خواہ ساری دنیا اس پر نوحہ کرتی رہے اسے اس کا کچھ عذاب نہ ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (الانعام 6:164) ''کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔'' (نیز دیکھیے بخاری، کتاب الجنائز، باب:32)

13- بَابٌ: اَلْحِسْبَةُ فِی الْمُصِیبَةِ

مصیبت کے وقت (صبر و رضا سے) حصول ثواب کی امید رکھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف تین احادیث نبویہ ہیں جو کہ سب سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[556] حَـدَّثَنِی یَحْیَی، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِیدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا یَمُوتُ لأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِینَ، ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ، فَتَمَسَّهُ النَّارُ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں میں سے کسی کے تین بچے فوت ہو جائیں اور پھر اسے (جہنم کی) آگ بھی چھوئے، مگر قسم پورا کرنے کے لیے۔''

فائدہ: ......یعنی اگر بندہ ثواب کی امید رکھے تو تین بچوں کی موت کی مصیبت اس کے حق میں آگ سے حفاظت کا باعث ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے ایک قسمیہ بات اور حتمی فیصلہ فرما رکھا ہے کہ ہر انسان جہنم پر ضرور آئے گا، تو یہ قسم پوری ہو کر رہے گی اور ایسے مومنوں کے حق میں اس سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے اور بس، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا﴾ (مریم19:71) ''اور تم میں سے جو کوئی بھی ہے وہ ضرور اس جہنم پر وارد ہونے والا ہے، یہ آپ کے رب کے ذمے حتمی (اور) طے شدہ بات ہے۔'' چونکہ پل صراط جہنم کے اوپر ہے، اس لیے اس پر سے گزرنے والے جہنم کے علاقے ہی سے گزریں گے، خواہ وہ لمحے کے بھی کروڑویں حصے میں گزریں۔

[556] (صحیح) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب، حدیث: 1251، 6656، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل من یموت له ولد فیحتسبه، حدیث: 2632، ترمذی :1060، نسائی: 1876، ابن ماجه:1603، احمد :2/ 239، 240۔

[557] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ السَّلَمِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَيَحْتَسِبُهُمْ، إِلَّا كَانُوا لَهُ جُنَّةً مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَوِ اثْنَانِ ؟ قَالَ : أَوِ اثْنَانِ .

حضرت ابونضر سلمی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں میں سے جس کسی کے بھی تین بچے فوت ہوجائیں، پھر وہ ان پر ثواب کی امید رکھے تو وہ ضرور اس کے لیے آگ سے ڈھال بن جائیں گے۔'' ایک عورت جو رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی، کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! (اگر) دو (ہوں تو؟) فرمایا: ''(ہاں) یا دو ہوں (تو بھی یہ اجر ملے گا)۔''

فائدہ: ...... یہ فضیلت نابالغ بچوں کے متعلق ہے۔ (بخاری: 102، مسلم: 2634) تین بچوں کی وفات پر یہ فضیلت سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے دو بچوں کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے یہی خوشخبری سنادی اور یہ بات تو بخاری ومسلم کی روایات سے ثابت ہے، رہا ایک بچے کے مرنے پر بھی اسی فضیلت کا ملنا تو اس بارے میں بھی کئی ایک روایات موجود ہیں (مثلاً ترمذی: 1061، 1062، ابن ماجہ: 1606 وغیرہ) لیکن سنداً سب ضعیف ہیں، سوائے ایک حدیث کے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((مَا لِعَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةَ)) ''جب میں اپنے مومن بندے کا اہل دنیا میں سے کوئی پیارا فوت کر لیتا ہوں، پھر وہ اس پر ثواب کی امید رکھتا ہو تو میرے پاس اس کے لیے جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں۔'' (بخاری: 6424) اہل دنیا میں سے پیارا کوئی بھی ہوسکتا ہے، خواہ اولاد میں سے ہو یا بہن بھائیوں میں سے یا کوئی اور۔

[558] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ أَبِي الْحُبَابِ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يُصَابُ فِي وَلَدِهِ وَحَامَّتِهِ، حَتَّى يَلْقَى اللّٰهَ وَلَيْسَتْ لَهُ خَطِيئَةٌ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کو ہمیشہ (اور مسلسل) اپنی اولاد اور اپنے عزیزوں (کے بارے) میں کوئی نہ کوئی مصیبت (و آزمائش) پہنچائی جاتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ (باقی) نہیں ہوتا۔''

---

[557] (صحیح لغیرہ) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[558] (صحیح لغیرہ) جامع الترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء، حدیث: 2399، ابن ابی شیبہ: 3/ 231، مسند احمد: 2/ 450، بخاری فی الادب المفرد: 494۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

14- بَابٌ: جَامِعُ الْحِسْبَةِ فِي الْمُصِيبَةِ

مصیبت میں (صبر وتسلیم کے ساتھ) ثواب کی امید رکھنے کے متعلق متفرق روایات کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع (احادیث نبویہ) اور ایک اثر تابعی ہے اور سب سنداً صحیح ثابت ہیں۔

[559] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لِيُعَزِّ الْمُسْلِمِينَ فِي مَصَائِبِهِمُ الْمُصِيبَةُ بِي.

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری وجہ سے پہنچنے والی مصیبت مسلمانوں کو ان کے (عام) مصائب میں تسلی (اور تعزیت کا کام) دے گی۔''

فائدہ: ......یعنی مسلمانوں کو آپ ﷺ کی وفات سے جس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ہے اس سے بڑی کوئی اور تکلیف نہیں ہو سکتی، کیونکہ آپ ﷺ کے چلے جانے سے ہم آپ کی ذات مبارکہ کی معیت وصحبت سے محروم ہو گئے اور سلسلہ وحی منقطع ہو گیا، یقیناً ہر مصیبت کا عوض ممکن ہے لیکن اس کا نہیں، سب مصائب وآلام اس کے سامنے ہیچ ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ہر دکھ، رنج والم، فکر وغم، آفت وآزمائش اور سختی ومصیبت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے فراق وجدائی کی مصیبت یاد کر لیں، اس سے ان کی ڈھارس بندھے گی، صبر وتسلی نصیب ہوگی اور اس کے مقابلے میں اپنی مصیبت بے وقعت وبے حیثیت محسوس ہوگی۔

[560] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ، فَقَالَ كَمَا أَمَرَ اللّٰهُ: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي،

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے، پھر وہ وہی کچھ کہے جس کا اللہ نے اسے حکم فرمایا ہے (یعنی یہ کہے) ((اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَ اَعْقِبْنِي خَيْرًا مِّنْهَا)) ''بے شک

---

[559] (صحيح لغيره) سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الصبر على المصيبة، حديث: 1599، دارمي: 84، 85، طبقات ابن سعد: 2/ 275۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس کے کثیر شواہد کی بنا پر اسے صحیح کہا ہے۔ (الصحيحة: 1106)

[560] (صحيح) صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب مايقال عند المصيبة، حديث: 918، سنن ابی داود، كتاب الجنائز، باب في الاسترجاع، حديث: 3119، ترمذی: 3511، نسائی فی الكبرى: 10909، احمد: 6/ 309(27170).

وَأَعْقِبْنِي خَيْراً مِنْهَا ، إِلاَّ فَعَلَ اللّٰهُ ذَلِكَ بِهِ قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ ، فَلَمَّا تَوَفَّى أَبُو سَلَمَةَ قُلْتُ ذَلِكَ ، ثُمَّ قُلْتُ : وَمَنْ خَيْرٌ مِنْ أَبِي سَلَمَةَ ، فَأَعْقَبَهَا اللّٰهُ رَسُولَهُ ﷺ فَتَزَوَّجَهَا .

ہم بھی تو اللہ ہی کے لیے ہیں اور یقیناً ہم بھی اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کا بہترین نعم البدل نصیب فرما۔'' تو اللہ تعالیٰ ضرور اس شخص کے ساتھ یہی معاملہ فرمادیں گے۔'' سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب (میرے خاوند) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو میں نے یہی (وظیفہ) پڑھا، پھر میں نے (دل میں) کہا کہ بھلا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟ تو (میرے اس وظیفے اور دعا کی بدولت) اللہ نے اپنا رسول ﷺ نعم البدل کے طور پر مجھے عطا فرمادیا (جو یقیناً ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے)، چنانچہ آپ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی فرمالی۔

فائدہ: ...... ہر شخص کو یہ دعا ضرور یاد کرلینی چاہیے اور اپنے بچوں، شاگردوں اور دوست احباب کو بھی سکھانی چاہیے، مسلم شریف کی روایت میں ((اَعْقِبْنِیْ)) کی جگہ ((وَاخْلُفْ لِیْ)) ہے جسے ((وَ اَخْلِفْ لِیْ)) پڑھنا بھی بالکل درست ہے، ترجمہ ومفہوم میں کوئی فرق نہیں۔

[561] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، أَنَّهُ قَالَ هَلَكَتِ امْرَأَةٌ لِي ، فَأَتَانِي مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ الْقُرَظِيُّ يُعَزِّينِي بِهَا ، فَقَالَ : إِنَّهُ كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ فَقِيهٌ ، عَالِمٌ عَابِدٌ مُجْتَهِدٌ ، وَكَانَتْ لَهُ امْرَأَةٌ ، وَكَانَ بِهَا مُعْجَباً وَلَهَا مُحِبًّا ، فَمَاتَتْ فَوَجَدَ عَلَيْهَا وَجْداً شَدِيداً ، وَلَقِيَ عَلَيْهَا أَسَفاً ، حَتَّى خَلا فِي بَيْتٍ وَغَلَّقَ عَلَى نَفْسِهِ ، وَاحْتَجَبَ مِنَ النَّاسِ ، فَلَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ عَلَيْهِ أَحَدٌ ، وَإِنَّ امْرَأَةً سَمِعَتْ بِهِ فَجَاءَتْهُ ، فَقَالَتْ : إِنَّ لِي إِلَيْهِ حَاجَةً أَسْتَفْتِيهِ فِيهَا ، لَيْسَ يُجْزِينِي فِيهَا إِلاَّ مُشَافَهَتُهُ ، فَذَهَبَ النَّاسُ وَلَزِمَتْ بَابَهُ ، وَقَالَتْ : مَا لِي

قاسم بن محمد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میری اہلیہ وفات پا گئی تو میرے پاس محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ اس کی تعزیت کرنے کے لیے تشریف لائے، (باتوں باتوں میں) وہ کہنے لگے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو فقیہ، عالم، عابد اور عبادت وغیرہ میں خوب محنت کرنے والا تھا، اس کی ایک بیوی تھی جس پر وہ بہت فریفتہ تھا اور اس سے بہت محبت کرتا تھا، وہ فوت ہوگئی تو اس نے اس پر شدید غم والم محسوس کیا اور اس پر (بہت) رنجیدہ ومتاسف ہوا، یہاں تک کہ اس نے گھر ہی میں تنہائی اختیار کرلی اور دروازہ بند کرلیا اور لوگوں سے چھپ گیا، چنانچہ کوئی بھی شخص (ملاقات کے لیے) اس کے پاس داخل نہیں ہوسکتا تھا، ایک عورت نے اس (فقیہ) کے متعلق سنا تو وہ اس کے پاس آئی، کہنے لگی کہ بلاشبہ مجھے اسی سے ایک کام ہے، میں اس کے بارے

[561] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

مِنْهُ بُدٌّ، فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: إِنَّ هَا هُنَا امْرَأَةً أَرَادَتْ أَنْ تَسْتَفْتِيَكَ، وَقَالَتْ: إِنْ أَرَدْتُ إِلَّا مُشَافَهَتَه، وَقَدْ ذَهَبَ النَّاسُ وَهِيَ لَا تُفَارِقُ الْبَابَ. فَقَالَ: ائْذَنُوا لَهَا، فَدَخَلَتْ عَلَيْهِ، فَقَالَتْ: إِنِّي جِئْتُكَ أَسْتَفْتِيكَ فِي أَمْرٍ، قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَتْ: إِنِّي اسْتَعَرْتُ مِنْ جَارَةٍ لِي حَلْياً، فَكُنْتُ أَلْبَسُهُ وَأُعِيرُهُ زَمَاناً، ثُمَّ إِنَّهُمْ أَرْسَلُوا إِلَيَّ فِيهِ، أَفَأُؤَدِّيهِ إِلَيْهِمْ؟ فَقَالَ: نَعَمْ وَاللّٰهِ. فَقَالَتْ: إِنَّهُ قَدْ مَكَثَ عِنْدِي زَمَاناً، فَقَالَ ذَلِكَ أَحَقُّ لِرَدِّكِ إِيَّاهُ إِلَيْهِمْ حِينَ أَعَارُوكِيهِ زَمَاناً. فَقَالَتْ: أَيْ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، أَفَتَأْسَفُ عَلَى مَا أَعَارَكَ اللّٰهُ، ثُمَّ أَخَذَهُ مِنْكَ، وَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْكَ. فَأَبْصَرَ مَا كَانَ فِيهِ، وَنَفَعَهُ اللّٰهُ بِقَوْلِهَا.

میں اس سے فتویٰ طلب کرنا چاہتی ہوں اور آمنے سامنے گفتگو کے سوا کوئی اور صورت میرے لیے کافی نہیں، (لہٰذا میری اس سے ملاقات کراؤ اور بھی لوگ اس سے ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے، وہ) لوگ تو واپس چلے گئے لیکن وہ اس کے دروازے پر قائم رہی اور کہتی رہی کہ میرا اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، کسی کہنے والے نے اس عالم سے کہا کہ یہاں ایک عورت ہے جو آپ سے فتویٰ لینا چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے اس سے آمنے سامنے کلام کرنے کے سوا اور کوئی صورت قبول نہیں، باقی سب لوگ تو جا چکے ہیں لیکن وہ دروازے سے جدا ہی نہیں ہو رہی، تو اس عالم نے کہا کہ اسے (اندر آنے کی) اجازت دے دو، چنانچہ وہ اس کے پاس آ گئی، کہنے لگی کہ میں آپ کے پاس ایک مسئلے میں فتویٰ پوچھنے آئی ہوں، اس عالم نے کہا کیا مسئلہ ہے؟ کہنے لگی کہ میں نے اپنی پڑوسن سے عاریتاً زیور لیا ہوا تھا، میں کافی عرصہ تک خود بھی اسے استعمال کرتی رہی اور اسے اوروں کو بھی عاریتاً دیتی رہی، پھر انھوں نے (پڑوسیوں نے) اس زیور کے متعلق میری طرف پیغام بھیجا تو کیا میں زیور ان کو واپس دے دوں؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اللہ کی قسم! وہ کہنے لگی کہ بے شک وہ زیور ایک عرصے تک میرے پاس رہا ہے (کیا پھر بھی میرا اس پر کوئی حق نہیں)، اس نے جواب دیا کہ جب انھوں نے تجھے ایک عرصے تک یہ زیور عاریتاً دیے رکھا اس بنا پر زیادہ حق بنتا ہے کہ تو وہ زیور انھیں لوٹا دے۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ نے کہا کہ (یہ سن کر) وہ کہنے لگی: اللہ تجھ پر رحم فرمائے، کیا تو اس چیز (یعنی اپنی اہلیہ) پر اتنا رنجیدہ ہو رہا ہے جو اللہ نے تجھے عاریتاً دی تھی پھر اسے تجھ سے واپس لے لیا، وہ اللہ اس چیز کا تجھ سے زیادہ حق رکھتا ہے، اس عالم نے اس (عورت کی بات) اور اپنی حالت میں غور کیا اور اللہ نے اسے اس کی گفتگو سے نفع عطا فرما دیا۔

فائدہ: ......معلوم ہوا کہ کم رتبے والا شخص اپنے سے بالاتر لوگوں کو وعظ و نصیحت کر سکتا ہے کیونکہ انسان ہونے کے ناطے افضل و اعلیٰ لوگ بھی خطا میں مبتلا ہو سکتے ہیں، بنی اسرائیلی روایات اگر قرآن و سنت کے خلاف نہ ہوں تو انھیں بیان کیا جا سکتا ہے، کسی کو کوئی بات سمجھانے کے لیے اسے قصے کی شکل دینا بعض مواقع پر درست ہوتا ہے جبکہ اس کے بغیر چارہ کار دکھائی نہ دے، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے موت پر تسلی دینے کا ایک واقعہ منقول ہے۔ (بخاری: 1301، مسلم: 2144)

15- بَابٌ: مَاجَاءَ فِي الإِخْتِفَاءِ وَهُوَ النَّبْشُ

قبر کھود کر کفن چوری کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو روایات ہیں، ایک حدیث نبوی اور ایک اثر صحابی ہے اور دونوں ہی سنداً ضعیف ہیں۔

فائدہ :...... چونکہ کفن چور اپنا کام خفیہ خفیہ کرتا ہے اس لیے کفن چور کے عمل کا نام ہی ''اختفاء'' رکھ دیا گیا ہے۔

[562] حَـدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الـرِّجَـالِ مُـحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أُمِّهِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ سَمِعَهَا تَقُولُ: لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمُخْتَفِيَ وَالْمُخْتَفِيَةَ. يَعْنِي نَبَّاشَ الْقُبُورِ.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کفن چوری کرنے والے مرد اور عورت پر لعنت فرمائی، یعنی قبروں کو کھود کر کفن نکالنے والے پر (لعنت کی)۔

فائدہ :...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جبکہ باقی تمام ائمہ رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک کفن چور کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا۔ بشرطیکہ کفن کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو اور اس کا ہاتھ کاٹنے کی دلیل یہ ہے کہ ہر وہ شخص چور شمار ہوتا جو کسی کا محفوظ شدہ مال چرائے اور کفن چور بھی سارق (چور) ہی شمار ہوتا ہے کیونکہ وہ میت کے گھر سے چوری کرتا ہے کیونکہ اسے اس کے کفن سمیت محفوظ کیا جاتا ہے، چنانچہ سنن ابوداؤد کی حدیث (4409۔ سند صحیح ہے۔) میں نبی کریم ﷺ سے قبر کو بیت یعنی گھر کہنا ثابت ہے، اسی لیے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: ''کفن چور کا ہاتھ کاٹنے کا بیان۔'' اور حضرت حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ کا یہی فتوی بھی ذکر کیا، الغرض یہی موقف راجح ہے۔

[563] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، وہ کہا کرتی

---

[562] (ضـعيف) بيهقي في السنن الكبرى :8/ 270، وفي معرفة السنن والآثار : 6/ 408(5170) ، الشافعي في الأم :6/ 145، وفي المسند : 2/ 175، عـقيلي في الضعفاء الكبير :4/ 409، عبدالرزاق :10/ 215۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

[563] (مـوقـوف ضـعيف مرفوع صحيح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ موقوف روایت کی سند تو ضعیف ہے، البتہ مرفوع روایت صحیح ہے، دیکھیے سـنن ابی داود، كتاب الجنائز ، باب في الحفاريجد العظم هل يتنكب ذلك المكان ، حديث: 3207، سنن ابـن مـاجـه، كتـاب الـجـنـائـز ، باب في النهي عن كسرعظام الميت ، حديث : 1616، احمد: 6/ 58، 105، 168، 169، 200، 264، صحيح ابن حبان :7/ 437(3167).

عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تَقُولُ: كَسْرُ عَظْمِ الْمُسْلِمِ مَيْتاً، كَكَسْرِهِ وَهُوَ حَيٌّ. تَعْنِي فِي الإِثْمِ.

تھیں کہ کسی مسلمان میت کی ہڈی توڑنا اس کے حالت زندگی میں توڑنے کی مانند ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مراد لے رہی تھیں کہ گناہ میں (دونوں عمل برابر ہیں)۔

فائدہ: ...... یہ روایت نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہے۔ (ابوداؤد: 3207، ابن ماجہ: 1616، سند صحیح ہے)۔ اگرچہ اس میں مسلمان کا لفظ نہیں ہے، بہرحال مسلمان خواہ زندہ ہو یا مردہ قابل احترام ہے اور حدیث میں جو تشبیہ دی گئی ہے وہ گناہ کے حصول میں یا واجب الاحترام ہونے کے اظہار میں ہے، البتہ دیت وقصاص کے معاملے میں فرق ہے، مردے کی ہڈی توڑنے سے دیت وقصاص لازم نہیں آتا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں نبی کریم ﷺ سے بھی ''گناہ میں'' کے الفاظ منقول ہیں لیکن وہ روایت ضعیف ہے (ابن ماجہ: 1617) بعض شارحین نے اس تشبیہ کا تعلق تکلیف محسوس کرنے سے بھی بنایا ہے واللہ اعلم۔ بہرحال پوسٹ مارٹم کا سلسلہ اگر تو صرف موت اور قتل کا سبب معلوم کرنے کے لیے ہوتا تو گنجائش نکل سکتی تھی، لیکن اس نے تو لاشوں کی بے حرمتی کا گھناؤنا فعل عام کر دیا ہے جو سراسر خلاف حدیث ہے......اس باب میں یہ روایت اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ کفن چور بسا اوقات میت کے اعضاء کاٹ کر کفن اتارتا ہے۔

16- بَابٌ: جَامِعُ الْجَنَائِزِ

جنازے کے متعلق متفرق روایات کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تیرہ روایات ہیں جن میں سے بارہ مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے، ایک مرفوع حسن ہے جبکہ باقی سب روایات صحیح اسانید سے ثابت ہیں۔

[564] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ، وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى صَدْرِهَا، وَأَصْغَتْ إِلَيْهِ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول ﷺ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی وفات سے پہلے فرماتے ہوئے سنا، اس حال میں کہ آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے کے ساتھ سہارا لگائے ہوئے تھے، انھوں نے آپ ﷺ کی طرف کان لگائے تو آپ یہ فرما رہے تھے: ''اے اللہ! مجھے معاف فرما، مجھ پر رحم فرما اور مجھے سب سے بلند رفیق

---

[564] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4440، 5674، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب في فضائل عائشة رضي الله عنها، حديث: 2444، ترمذي: 3496، نسائي في الكبرى: 7105، ابن ماجه: 1619، احمد: 231/6.

يَـقُولُ : اللّٰهُـمَّ اغْفِرْ لِى وَارْحَمْنِى ، وَأَلْحِقْنِى بِالرَّفِيقِ الأَعْلَى . کے ساتھ ملا۔‘‘

فائدہ: ...... بلند ترین رفیق سے مراد یا تو خود اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک وصف رفیق بھی ہے۔ (بخاری: 6927، مسلم: 2593، نیز دیکھیے مسند احمد : 5/ 392) یا جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام مراد ہیں۔ (نسائی، ابن حبان بحوالہ زرقانی) یا انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین مراد ہیں جنھیں قرآن مجید میں بہترین رفیق قرار دیا گیا ہے۔ (سورۂ نساء۔69:4)

[565] وَحَـدَّثَنِى عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ عَـائِشَةَ قَـالَـتْ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ نَبِـيٍّ يَمُوتُ حَتَّى يُخَيَّرَ قَالَتْ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ : اللّٰهُـمَّ الرَّفِيقَ الأَعْلَى فَعَرَفْتُ أَنَّهُ ذَاهِبٌ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’کسی بھی پیغمبر کو موت نہیں آتی یہاں تک کہ اسے اختیار دے دیا جاتا ہے (کہ آپ دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہیں یا رب کے پاس جانا چاہتے ہیں ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (آپ کی وفات کے قریب) یہ فرماتے ہوئے سنا ’’اے اللہ (میں) سب سے بلند رفیق (کا انتخاب کرتا ہوں)‘‘، تو میں پہچان گئی کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اب) جانے ہی والے ہیں (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اختیار دے دیا گیا ہے)۔

فائدہ: ...... بخاری ومسلم کی روایت میں کچھ اور تفصیل یوں ہے: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ((كُـنْـتُ اَسْـمَـعُ اَنَّـهٗ لَايَـمُوْتُ نَبِيٌّ حَتّٰى يُخَيَّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَـقُوْلُ فِيْ مَرَضِهِ الَّـذِيْ مَاتَ فِيْهِ وَاَخَذَتْهُ بُحَّةٌ يَقُوْلُ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔الْاٰيَةَ۔ فَظَنَنْتُ اَنَّهٗ خُيِّرَ)) ’’میں یہ سنا کرتی تھی کہ کوئی نبی فوت نہیں ہوتا یہاں تک کہ اسے دنیا وآخرت میں اختیار دے دیا جائے، چنانچہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے مرض الموت میں یہ کہتے ہوئے سنا، اس حال میں کہ آپ کی آواز بھاری تھی، آپ فرما رہے تھے: ’’(میں) ان لوگوں کے ساتھ (رہنے کا انتخاب کرتا ہوں) جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ (مسلم: 2444/ 86) ۔‘‘ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) پوری آیت (پڑھی) ۔تو میں سمجھ گئی کہ آپ کو بھی اختیار دے دیا گیا ہے۔‘‘ (بخاری: 4435) ، الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کے الفاظ فرمائے: (1) رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا، اور (2) انعام شدہ ہستیوں کا ساتھ۔ چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں یہ دونوں قسم کے الفاظ اکٹھے وارد ہوئے ہیں۔ (زرقانی) ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

---

[565] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، حديث: 4435، 4437، 4463، 4586، 6348، 6509، صحيح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فی فضائل عائشة رضی اللہ عنہا، حديث: 2444/86,87 نسائی فی الکبری: 7103، ابن ماجه: 1620، احمد: 176/6 (25947).

فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو حالت صحت میں یہ فرماتے ہوئے سنا کرتی تھی: ''یقیناً کبھی بھی کوئی نبی فوت نہیں ہوا یہاں تک کہ وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لیتا، پھر اسے زندہ رکھے جانے کا کہا جاتا یا (آخرت میں جانے کا) اختیار دے دیا جاتا۔'' چنانچہ جب آپ ﷺ بیمار ہوئے اور آپ کی وفات کا موقع آیا، اس وقت آپ کا سر مبارک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر تھا تو آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی، پھر آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے چھت کی جانب اپنی نظر مبارک اٹھالی، پھر فرمایا: ''اے اللہ! اعلیٰ رفیق (کی رفاقت) میں (جانا چاہتا ہوں)۔'' میں نے کہا کہ پھر تو آپ (اب) ہمارے پاس نہیں رہیں گے، تو میں پہچان گئی کہ یہ وہی (منظر ہے اور اسی) فرمان (کا عملی اظہار) ہے جو آپ نے ہمیں اپنی حالت صحت میں بتایا تھا۔'' (بخاری: 4437، مسلم: 2444/ 87)

[566] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ، عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، يُقَالُ لَهُ: هَذَا مَقْعَدُكَ، حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تم میں سے کوئی شخص جب مرتا ہے تو صبح و شام اس پر اس کا (آخری) ٹھکانہ (پیش کیا جاتا اور) دکھایا جاتا رہتا ہے، اگر وہ اہل جنت میں سے ہو تو اہل جنت (کے ٹھکانوں) میں سے (دکھایا جاتا ہے) اور اگر جہنم والوں میں سے ہو تو اہل جہنم (کے ٹھکانوں) میں سے (اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا رہتا ہے اور اسے اس کا مقام دکھا کر) کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا (آخری مقام اور) ٹھکانہ ہے (اسے دیکھ کر تسلی وخوشی یا حسرت وخوف محسوس کرتے رہو) یہاں تک کہ (آخرکار) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے اس کی طرف بھیج دے گا۔''

فائدہ: ......ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((هٰذَا مَقْعَدُكَ الَّذِيْ تُبْعَثُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)) ''یہ تیرا وہ ٹھکانہ ہے جس کی طرف قیامت کے دن تجھے (اٹھا کر) بھیجا جائے گا۔'' (مسلم: 2866/ 66)

[567] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم کے پورے جسم کو زمین کھا جاتی ہے،

[566] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یعرض علیه مقعده بالغداة والعشی، حدیث: 1379، 3240، 6515، صحیح مسلم، کتاب الجنة ونعیمها، باب عرض مقعد المیت من الجنة والنار علیه، حدیث: 2866، ترمذی: 2074، ابن ماجه: 4270، احمد: 2/ 16، 17 (4658).

[567] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، سورة الزمر، باب قوله ونفخ فی الصور، حدیث: 4814، 4935، صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب مابین النفختین، حدیث: 2955، ابوداود: 4743، نسائی: 2079، ابن ماجه: 4266، احمد: 2/ 322 (8266).

رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : كُلُّ ابْنِ آدَمَ تَأْكُلُهُ الأَرْضُ ، إِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ ، مِنْهُ خُلِقَ ، وَفِيهِ يُرَكَّبُ .

سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری حصے کے، اسی سے وہ پیدا کیا گیا اور اسی سے اس کو (دوبارہ) جوڑا جائے گا۔''

فائدہ: ......انسان کی پہلی بار تخلیق کے وقت بھی سب سے پہلے ریڑھ کی ہڈی کی جڑ کا آخری ذرہ بنایا جاتا ہے اور موت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ باقی سارا جسم مٹی میں تبدیل ہوجاتا ہے سوائے اس ذرے کے، خواہ انسان اپنے جدید ترین آلات کے باوجود اسے نہ دیکھ سکیں، روز قیامت بدنِ انسانی کے تمام ذرات کو اسی ذرّے کے ساتھ جوڑ کر پورا جسم بنایا جائے گا۔ یاد رہے کہ اس حدیث مبارکہ سے انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کے اجسام مستثنیٰ ہیں کیونکہ فرمان نبوی ہے: ((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ)) ''یقیناً اللہ عزوجل نے زمین پر حرام قرار دے دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔'' (ابوداود: 1047، نسائی: 1375، ابن ماجه: 1085، 1636، مسند احمد: 4/ 8، مستدرك حاكم: 1/ 278، بيهقى :3/ 248۔ اس کی سند صحیح ہے۔ امام حاکم، ذہبی، نووی، ابن خزیمہ، ابن حبان رحمہم اللہ وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن یزید کو بعض نے عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم سمجھا جو کہ ضعیف ہے، جبکہ درحقیقت یہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ہے جو کہ امام احمد، یحییٰ بن معین، عجلی، ابن سعد، نسائی، یعقوب بن سفیان، ابوداود، ابوبکر بن ابوداود، ابوحاتم، ابن حبان، ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ سب کے نزدیک ثقہ راوی ہے لہٰذا حق بات یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔) معلوم ہوا کہ جو اللہ ہر انسان کے اس ذرے کو محفوظ رکھ سکتا ہے، جو فرعون کی لاش کو عبرت کے لیے تغیرات زمانہ سے بچا کر محفوظ رکھ سکتا ہے، (یونس 10:92) وہ چاہے تو انبیائے کرام کے علاوہ کسی اور کے بھی پورے کے پورے جسم کو محفوظ رکھ سکتا ہے جس طرح کہ بہت سے شہداء و صالحین کی لاشوں کو کافی عرصہ بعد تک بھی صحیح سلامت دیکھا جانا مشہور و معروف ہے۔

[568] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِي ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ ، أَنَّ أَبَاهُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ يُحَدِّثُ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ يَعْلُقُ فِي شَجَرِ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک مومن کی روح تو ایک پرندہ (بن جاتی) ہے جو جنت کے درختوں میں سے کھاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس روح کو اس کے جسم کی طرف اس دن واپس لوٹا دے گا جس میں وہ اسے (دوبارہ

[568] (مرفوع صحيح) سنن النسائى، كتاب الجنائز، باب ارواح المؤمنين، حديث: 2075، سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر القبر والبلىٰ، حديث: 4271، ترمذى: 1641، احمد:3/ 455، 6/ 386، التاريخ الكبير للبخارى: 5/ 305۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

الْجَنَّةِ ، حَتَّى يَرْجِعَهُ اللّٰهُ إِلَى جَسَدِهِ يَوْمَ يَبْعَثُهُ . زندہ کرکے) اٹھائے گا۔"

فائدہ: ......اس روایت میں (نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ) "مومن کی روح" کا تذکرہ ہے، نسائی (2075) اور ابن ماجہ (4271) میں بھی یہی الفاظ ہیں، ایک روایت میں ((نَسَمَةُ الْمُسْلِمِ)) "مسلمان کی روح" کے الفاظ ہیں۔ (مسند احمد: 3/ 455، اس کی سند صحیح ہے)، ایک اور روایت میں ((اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ)) "مومنوں کی روحوں" کے الفاظ ہیں۔ (ابن ماجه: 1449۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔) "انھی الفاظ کی بنا پر امام ابن قیم اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ سعادت تمام مومنوں کی روحوں کو حاصل ہوتی ہے خواہ وہ شہید ہوں یا نہ ہوں، سوائے ان مسلمانوں کے جو کسی کبیرہ گناہ کی سزا میں یا قرض کی عدم ادائیگی کے جرم میں مبتلا ہوں، اس موقف والوں کے نزدیک عام مومن کی روح خود پرندہ بن کر اڑتی ہے جبکہ شہید کی روح خود پرندہ نہیں بنتی بلکہ پرندے کے پیٹ میں داخل ہوکر سواری کے مزے لوٹتی ہے۔ بہرحال یہ بات تو حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام مومنوں کو یہ انعام دے سکتا ہے لیکن چونکہ احادیث مبارکہ ایک دوسری کی تفسیر وتشریح کرتی ہیں اس لیے جمہور علماء کے نزدیک یہ بشارت تمام مومنوں کے لیے نہیں بلکہ صرف شہداء کے لیے ہے کیونکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی اسی روایت کی بعض سندوں سے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((اَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ)) "شہداء کی روحیں" (ترمذی: 1641، مسند احمد: 6/ 386۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز آل عمران کی آیت: 169 کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان نبوی نقل کیا ہے: ((اَرْوَاحُهُمْ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ)) "ان (شہیدوں) کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں" (مسلم: 1887) اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ((اَلْمُطْلَقُ يُحْمَلُ عَلَى الْمُقَيَّدِ)) "مطلق (عبارت) کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے، لہٰذا "مومن" کے لفظ سے بھی مومن شہید مراد ہوگا...... جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ایک تعارض بھی خود بخود حل ہوگیا اور وہ یہ کہ پیچھے حدیث: 566 میں بیان ہوا تھا کہ مرنے والے کو صرف صبح وشام کے دو اوقات میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے جبکہ یہ روایت 568 بتا رہی ہے کہ مومن کی روح ہر وقت جنت ہی میں رہتی ہے، تو تعارض یوں رفع ہوا کہ ہر وقت جنت میں رہنا اور اپنا ٹھکانہ دیکھتے رہنا صرف شہید ہونے والے مومن کو نصیب ہوتا ہے، باقی رہے عام مومن اور تمام کافر تو ان کو صرف صبح وشام ہی ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ......جمہور کے موقف کی رو سے روح کے پرندہ بننے یا پرندے کے پیٹ میں چلے جانے میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ پرندہ بننے کے الفاظ مجازاً استعمال ہوئے ہیں اور پرندوں کے پیٹوں میں چلے جانے کے الفاظ حقیقت پر محمول ہیں، روح تو ایک لطیف چیز ہے جو کسی جسم میں پہنچے تو اسے زندگی مل جاتی ہے، شہداء کے خاکی اور انسانی جسم تو زمین میں رہتے ہیں اور ان کی روحوں کو خاص حکمت الٰہیہ کی بنا پر پرندوں کے جسموں میں منتقل کردیا جاتا ہے اور پھر قیامت کے دن نئے انسانی جسم میں منتقل کردیا جائے گا جو تمام دنیوی

عوارض اور نقائص سے پاک ہوگا، حدیث پاک کے لفظ ((یَعْلُقُ)) کے معنی کھانے اور چرنے کے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت (1887) میں اس کی جگہ ((تَسْرَحُ)) کا لفظ ہے جس کے بھی یہی معنی ہیں البتہ اہل لغت کے ہاں اس کے معنی چمٹنے اور لٹکنے کے بھی ثابت ہیں۔

[569] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ, أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: إِذَا أَحَبَّ عَبْدِي لِقَائِي، أَحْبَبْتُ لِقَاءَه، وَإِذَا كَرِهَ لِقَائِي، كَرِهْتُ لِقَاءَه.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: جب میرا بندہ میری ملاقات کو محبوب جانتا ہے تو میں بھی اس کی ملاقات کو محبوب جانتا ہوں اور جب وہ میری ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو میں بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہوں۔''

فائدہ: ...... ہماری فطرت اور طبیعت میں یہ چیز رکھی گئی ہے کہ ہم موت سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید ہم موت کو ناپسند جانتے ہیں اور چونکہ موت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا دروازہ ہے تو گویا ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کو بھی ناپسند کرتے ہیں، اسی شبہے کے پیش نظر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ فرمان نبوی سنا تو عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ موت سے کراہت اور ناپسندیدگی مراد لے رہے ہیں؟ پھر تو ہم سب ہی موت کو ناپسند کرتے ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ مومن کے پاس جب موت حاضر ہوتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور کرامت (بندے پر اللہ کے راضی ہونے اور اسے انعام و اکرام اور عزت افزائی سے نوازنے) کی خوشخبری دی جاتی ہے، چنانچہ اس (مومن) کے سامنے کے مراحل (موت کے بعد آنے والی صورتحال) سے بڑھ کر کوئی چیز اسے زیادہ محبوب نہیں ہوتی تو (اس لمحے) وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب جانتا ہے اور اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں، اور کافر کی موت کا جب وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب و عقاب (اور سزا) کی بشارت دی جاتی ہے تو (اس وقت) اس کے لیے آگے آنے والی چیز (اخروی زندگی اور برزخی مراحل) سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ ناپسند (اور بری) نہیں ہوتی، چنانچہ وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند جانتے ہیں (بخاری: 6507، عن عباده بن صامت رضی اللہ عنہ، مسلم: 2684، عن عائشة رضی اللہ عنہا) جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ (موطا امام مالک والی) حدیث سنائی تو شریح بن ہانی رحمہ اللہ بڑے پریشان ہوئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر کہنے لگے کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو ہم ہلاک ہو جائیں گے کیونکہ ہم میں سے ہر کوئی موت کو ناپسند کرتا ہے تو انھوں نے جواب

[569] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب التوحيد، باب قول اللّٰه تعالىٰ يريدون ان يبدلوا كلام اللّٰه، حديث: 7504، صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب من احب لقاء اللّٰه احب اللّٰه لقاءه، حديث: 2685، نسائی: 1836، احمد: 2/ 418 (9400).

دیا کہ ((لَیْسَ بِالَّذِیْ تَذْهَبُ اِلَیْهِ وَلٰكِنْ اِذَا شَخَصَ الْبَصَرُ وَحَشْرَجَ الصَّدْرُ وَاقْشَعَرَّ الْجِلْدُ وَ تَشَنَّجَتِ الْاَصَابِعُ فَعِنْدَ ذٰلِكَ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ)) ''اس کا وہ مطلب نہیں جو تم مراد لے رہے ہو بلکہ (اس سے مراد یہ ہے کہ) جب نگاہ اٹھی رہ جائے (موت کے وقت آنکھیں پھٹی ہوئی محسوس ہونے لگیں) سینے میں سانس اٹکنے لگے (اور آواز غرغرانے لگے) پورے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور انگلیاں مڑنے لگیں تو اس موقع پر جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے گا اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند جانے گا اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔'' (مسلم: 2684)

[570] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ حَسَنَةً قَطُّ لِأَهْلِهِ: إِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوهُ، ثُمَّ اذْرُوا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ، وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ، فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَاباً لَا يُعَذِّبُهُ أَحَداً مِنَ الْعَالَمِينَ، فَلَمَّا مَاتَ الرَّجُلُ فَعَلُوا مَا أَمَرَهُمْ بِهِ، فَأَمَرَ اللّٰهُ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيهِ، وَأَمَرَ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟ قَالَ: مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ، وَأَنْتَ أَعْلَمُ قَالَ: فَغَفَرَ لَه.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(تم سے پہلے گزر جانے والی امتوں میں سے) ایک شخص جس نے کبھی بھی کوئی نیکی نہ کی تھی، اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب وہ مرجائے تو اسے آگ میں جلا دینا، پھر اس کے نصف حصے کو (آدھی راکھ کو) خشکی میں اور دوسرے نصف حصے کو سمندر میں اڑا دینا، پس اللہ کی قسم! اگر اللہ نے اس (کو جمع کرنے) پر قدرت پالی تو اسے ضرور ایسا سخت عذاب دے گا جو وہ جہانوں میں سے کسی کو بھی نہیں دیتا، پھر جب وہ آدمی مر گیا تو گھر والوں نے وہی کچھ کیا جس کا اس نے انھیں حکم دیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا تو اس نے وہ سب کچھ جمع کر دیا جو اس میں تھا، اور اللہ نے سمندر کو حکم دیا تو اس نے بھی وہ سب اکٹھا کر دیا جو اس میں تھا، پھر اللہ نے اس آدمی (کو زندہ کر کے اس) سے پوچھا: بتاؤ، تم نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہنے لگا کہ اے میرے رب! تیرے ڈر ہی کی وجہ سے (میں نے ایسا کیا تھا کہ کہیں تیرے عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں) اور تو بہتر جانتا ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''تو (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرما دی۔''

فائدہ: ......طبرانی کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا، اسی لیے امام

---

[570] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالیٰ یریدون ان یبدلوا الکلام اللّٰہ، حدیث: 7506، 3481، صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمة اللّٰہ، حدیث: 2756، نسائی: 2081، ابن ماجہ: 4255، مسند احمد: 2/ 269.

بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے بنی اسرائیل کے تذکرے میں روایت کیا ہے، اس حدیث کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت نہایت وسیع ہے کہ اس نے بندے کے محض ڈر جانے ہی کی بدولت اس کی زندگی بھر کی معصیتیں معاف فرما دیں، رہا میت کو جلانے کا مسئلہ جیسا کہ ہندوؤں کا طریقہ ہے تو چونکہ یہ واقعہ ہم سے پہلی شریعتوں کا ہے، نیز اس شخص کی یہ ذاتی اور انفرادی سوچ تھی، اس لیے یہ ہمارے لیے حجت نہیں ہے، ہمیں تو ہر مردے کو دفنانے ہی کا حکم ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابوعوانہ رحمہ اللہ کی روایت ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ یہی شخص سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔ (فتح الباری، حدیث: 3481) ایک روایت میں ہے کہ یہ شخص کفن چور بھی تھا۔ (بخاری: 3452) بہر حال اس کے دل میں خوف الٰہی کا موجود ہونا اس کے ایمان کی دلیل ہے، چنانچہ گناہوں کی وجہ سے وہ عذاب میں رہے گا، پھر خوف الٰہی کی بدولت جنت کا مستحق ٹھہرے گا۔

[571] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنِ أَبِي هُرَيْرَةَ, أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، كَمَا تُنَاتَجُ الإِبِلُ مِنْ بَهِيمَةٍ جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ الَّذِي يَمُوتُ وَهُوَ صَغِيرٌ؟ قَالَ: اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ فطرت سلیمہ پر (یعنی حالت اسلام میں مسلمان) پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے ہیں یا اسے عیسائی بنا لیتے ہیں جس طرح کہ اونٹنی مکمل (صحیح سلامت اور پورے اعضاء والا) بچہ جنتی ہے، کیا تم (کسی جانور کے پیدا ہونے والے بچے کو) کٹے ہوئے کان والا دیکھتے ہو''؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں اس بچے کے بارے میں بتایئے جو صغر سنی (بالکل چھوٹی عمر) ہی میں مرجاتا ہے، فرمایا ''اللہ بہتر جاننے والا ہے اس عمل کو جسے وہ (بچے بڑے ہوکر) کرنے والے تھے۔''

فائدہ: ...... اس حدیث مبارکہ کا پہلا حصہ سنانے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دلیل کے طور پر یہ آیت مبارکہ تلاوت کیا کرتے تھے: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ ''اللہ کی فطرت (اختیار کرو) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے۔'' (بخاری: 1359) امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دوسرے حصے میں مذکور بچوں کی موت کی مناسبت

[571] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات هل يصلی عليه، حديث: 1359، صحيح مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود يولد علی الفطرة، حديث: 2658، ابوداود: 4714، ترمذی: 2138، احمد: 2/ 233.

سے اسے اس باب میں ذکر کیا ہے، مسلمانوں کے قبل از بلوغت فوت ہونے والے بچے تو یقیناً جنتی ہیں، رہے کافروں کے بچے تو ان کے متعلق علمائے کرام کی مختلف آراء ہیں، علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے مؤطا کی شرح میں اس کے متعلق دس اقوال ذکر کیے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پہل بچوں کے انجام کے متعلق کوئی حتمی بات نہیں بتائی گئی تھی، لیکن آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبا خواب دیکھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جنت کے ایک باغ میں بچے ہی بچے دیکھے، چنانچہ ان بچوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ سب کے سب وہ بچے ہیں جو فطرت سلیمہ ہی پر (یعنی بلوغت سے قبل ہی) مر گئے تھے، تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا مشرکوں کے بچے بھی (انھی میں شامل ہیں)؟ فرمایا: ''(ہاں) اور مشرکین کے بچے بھی۔'' (بخاری: 7047)

[572] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ، حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ، فَيَقُولُ: يَا لَيْتَنِي مَكَانَه.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے شخص کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو (تمنا کرتے ہوئے) یہ کہے گا: اے کاش! میں اس کی جگہ (قبر میں پہنچ چکا) ہوتا۔''

فائدہ :...... قیامت سے پہلے ایسے ایسے کٹھن حالات اور سخت ہولناک فتنے سر اٹھائیں گے کہ لوگ اپنی زندگی سے قبر کو بہتر جانیں گے کیونکہ انھیں ان تاریک فتنوں، ظالم حکمرانوں اور فاسق و فاجر لوگوں کی کثرت کی بنا پر اپنے ایمان کا خطرہ پڑ چکا ہوگا اور اس طرح کی خواہش بلکہ دعا اس انداز میں جائز ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اختیار فرمایا: ((وَإِذَا أَرَدْتَّ فِتْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُوْنٍ)) ''اور (اے اللہ!) جب تو کسی قوم میں فتنے کا ارادہ کرلے تو مجھے فتنے سے محفوظ رکھتے ہوئے فوت فرمالینا۔'' (ترمذی: 3235۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[573] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدِّيلِيِّ، عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ،

حضرت ابوقتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزارا گیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ راحت پانے والا ہے یا اس سے راحت پائی گئی

---

[572] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الفتن، باب لاتقوم الساعة حتى يغبط اهل القبور، حديث: 7115، 7121، صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب لاتقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل، حديث: (157 (7301/ 53)) ، احمد: 5/ 696 (22903) .

[573] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب سكرات الموت، حديث: 6512، 6513، صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ماجاء فى مستريح ومستراح منه، حديث: 950، نسائی: 1932، احمد: 5/ 296 .

أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مُرَّ عَلَيْهِ بِـجَـنَازَةٍ فَقَالَ : مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ قَالُوا: يَـا رَسُولَ اللّٰهِ مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ؟ قَالَ : الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَـا إِلَـى رَحْـمَةِ اللّٰـهِ ، وَالْـعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَـرِيـحُ مِـنْـهُ الْعِبَادُ ، وَالْبِلَادُ ، وَالشَّجَرُ ، وَالدَّوَابُّ .

ہے'' لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مستریح (راحت پانے والے) یامستراح منہ (جس سے راحت پائی گئی ہو) سے کیامراد ہے؟ فرمایا :'' مومن بندہ (اپنی موت کے ساتھ) دنیا کی تھکاوٹ اور تکلیف سے راحت پاکراللہ کی رحمت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے اور فاسق و فاجر شخص سے انسان، شہر (اور بستیاں) ،درخت اور جانور راحت پاتے ہیں۔''

فائدہ :......دنیا مومن کے حق میں قید خانہ،جیل اور تنگیوں کا گھر ہے، چنانچہ موت کے ذریعے اسے نجات و راحت وآرام نصیب ہوتا ہے جبکہ بدکار اور شریر لوگوں کے گناہ اور ظلم اسی طرح کفار ومشرکین کے کفروشرک اور نفاق کی نحوست سے زمین، اہل زمین اور ہر چیز پریشان ہوتی ہے، چنانچہ ایسے بدکرداروں کی موت سے تمام حیوانات و جمادات کوسکھ اور امن ملتا ہے۔

[574] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَـوْلَـى عُـمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ ، أَنَّهُ قَـالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا مَاتَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُون وَمُـرَّ بِـجَـنَـازَتِـهِ : ذَهَبْـتَ وَلَمْ تَلَبَّـسْ مِنْهَا بِشَيْءٍ .

ابونضر رحمہ اللہ جو کہ عمر بن عبید اللہ رحمہ اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اوران کا جنازہ آپ ﷺ کے پاس سے گزرا تورسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تم دنیا سے اس حال میں چلے گئے کہ تم نے دنیا کی کسی چیز سے تعلق نہ رکھا۔''

فائدہ :......یعنی دنیا کا ایسا کچھ بھی سامان اکٹھا نہ کیا جو اللہ سے غافل کرتا، بلکہ بقدر کفایت روزی پرصبروشکر سے زندگی گزاری اور ایمان کے سائے میں زندگی بسر کرنے کو دنیوی سہولیات اورلذات پر ترجیح دی، آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہونے والے سب سے پہلے مہاجر صحابی تھے، اس وقت تک ابھی فتوحات اور غنیمتوں کا عام سلسلہ بھی شروع نہ ہوا تھا، آپ چودھویں نمبر پر مسلمان ہوئے، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں کا شرف پایا اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے، انھوں نے اسلام لانے سے پہلے بھی شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا، جب انھیں غسل دے کر کفن پہنایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں کے درمیان میں بوسہ دیا اور خود اپنے مبارک ہاتھوں سے ایک پتھر اٹھا کر ان کی قبر کے سر والی جانب نشانی کے طور پر رکھ دیا۔ (ابوداود:3206، ترمذی: 989، ابن ماجہ : 1456، 1561، احمد: 6/ 43، 55، 286۔ ان کی سندیں صحیح ہیں)

---

[574] (مرفوع ضعیف) ابونعیم فی حلیۃ الاولیاء:1/ 105۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

[575] وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهِ أَنَّهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ: قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَلَبِسَ ثِيَابَهُ، ثُمَّ خَرَجَ، قَالَتْ: فَأَمَرْتُ جَارِيَتِي بَرِيرَةَ تَتْبَعُهُ، فَتَبِعَتْهُ حَتَّى جَاءَ الْبَقِيعَ، فَوَقَفَ فِي أَدْنَاهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقِفَ، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَسَبَقَتْهُ بَرِيرَةُ فَأَخْبَرَتْنِي، فَلَمْ أَذْكُرْ لَهُ شَيْئاً حَتَّى أَصْبَحَ، ثُمَّ ذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ: إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أَهْلِ الْبَقِيعِ لأُصَلِّيَ عَلَيْهِمْ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ (اپنے بستر سے) اٹھے، اپنے کپڑے زیب تن کیے، پھر باہر تشریف لے گئے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اپنی (آزاد کردہ) لونڈی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے جائے، چنانچہ وہ آپ ﷺ کے پیچھے چلی گئی، (آپ ﷺ چلتے رہے) یہاں تک کہ بقیع قبرستان میں آئے، آپ ﷺ (مسجد نبوی کی جانب والی) قبرستان کی قریب ترین جگہ میں، جب تک اللہ نے چاہا کھڑے رہے، پھر واپس لوٹ آئے، بریرہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے پہلے واپس آ گئی اور اس نے مجھے بتا دیا، پھر میں نے (رات بھر تو) آپ ﷺ کے سامنے کسی چیز کا ذکر نہ کیا یہاں تک کہ آپ نے صبح کی تو میں نے اس (واقعے) کا تذکرہ کر دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے بقیع قبرستان والوں کی طرف بھیجا گیا تھا تاکہ میں ان کے لیے دعا کروں۔''

فائدہ: ...... نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے اور اس کے فوائد سے آگاہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ((فَزُوْرُو الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ كُمُ الْمَوْتَ)) ''لہٰذا تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ بلاشبہ وہ تمھیں موت کی یاد دلائیں گی۔'' (مسلم:976) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((فَاِنَّ فِيْهَا عِبْرَةً)) ''کیونکہ یقیناً ان (قبروں) میں عبرت (کا سامان) ہے۔'' (مسند احمد: 3/ 38، حاکم: 1/ 374، بیہقی: 4/ 77، مجمع الزوائد: 3/ 58۔ اس کی سند صحیح ہے) نیز زیارت قبور کے دوران قبلہ رخ ہو کر بیٹھنا یا دعا کرنا بھی ثابت ہے۔ (ابو داود: 3212۔ اس کی سند صحیح ہے) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے رات گزارنے کی باری ان کے ہاں ہوتی تو رات کے آخری حصے میں بقیع قبرستان جا کر یہ کلمات کہتے: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ، وَاَتَاكُمْ مَّاتُوْعَدُوْنَ، غَدًا مُّؤَجَّلُوْنَ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ)) ''اے مومن لوگوں کے محلّہ والو! السلام علیکم (تم پر اللہ کی سلامتی نازل ہو)، جس چیز کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ تمھارے پاس آ چکی ہے (یعنی موت اور اس کے بعد کے مراحل)، تم کل (قیامت) تک کے لیے مؤخر کیے گئے ہو (تفصیلی حساب کتاب ابھی دور ہے) اے اللہ! بقیع الغرقد قبرستان والوں کی مغفرت فرما۔'' (مسلم: 974/ 102) اکثر محدثین کے نزدیک اس دعا میں غدًا کا تعلق گزشتہ لفظ اَتَاكُم

[575] (مرفوع حسن) سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب الامر بالاستغفار للمؤمنین، حدیث: 2040، احمد: 6/ 96 (25119)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ حسن سند ہے۔

یا بعض کے نزدیک تُوْعَدُوْنَ سے ہے اور مفہوم یہ ہے: ''جس چیز کا تم وعدہ دیے جاتے ہو، وہ کل تمھارے پاس آ کر رہے گی (یعنی ثواب یا عذاب) اس حال میں کہ تمھیں (فی الحال) مؤخر رکھا گیا ہے۔'' چند مزید دعائیں مندرجہ ذیل ہیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا سکھائی: ((اَلسَّلَامُ عَلٰی اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ ، وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ)) ''مومنوں اور مسلمانوں کے گھروں (قبروں) والوں پر سلامتی نازل ہو، اور اللہ ہم میں سے آگے چلے جانے والوں اور پیچھے رہنے والوں پر رحم فرمائے اور یقیناً ہم بھی ان شاء اللہ تمھارے ساتھ ہی ملنے والے ہیں'' (مسلم: 974/ 103) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبرستان جانے کی دعا سکھاتے، چنانچہ وہ یہ پڑھتے: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَلَاحِقُوْنَ ، اَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ)) ''السلام علیکم! اے گھروں والو یعنی مومنوں اور مسلمانو! اور بلاشبہ ہم بھی ان شاء اللہ (تم سے) ملنے والے ہیں، میں اللہ سے اپنے لیے اور تمھارے لیے عافیت مانگتا ہوں۔'' (مسلم: 975) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَلَاحِقُوْنَ ، اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَّنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ اَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ لَنَا وَلَكُمْ)) (نسائی: 2042۔ سند صحیح ہے) ایک اور دعا بھی منقول ہے: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ)) (ترمذی: 1053۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، اگرچہ قابوس بن ابی ظبیان نامی راوی مختلف فیہ ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔)

[576] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ : أَسْرِعُوا بِجَنَائِزِكُمْ ، فَإِنَّمَا هُوَ خَيْرٌ تُقَدِّمُونَهُ إِلَيْهِ ، أَوْ شَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِقَابِكُم .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنازے لے کر چلنے میں جلدی کیا کرو، کیونکہ یا تو وہ (میت) خیر (و بھلائی کا منبع اور خیر ہی کی مستحق) ہے جس کی طرف تم اسے (جلد) پہنچا دو گے یا پھر وہ شر (کا مجسمہ اور برائی سے بھرپور بوجھ) ہے جسے تم اپنی گردنوں سے (جلد) اتار دو گے۔

فائدہ :...... بخاری (1315) اور مسلم (944) میں یہی بات فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، مقصد یہ ہے کہ جنازے کی ادائیگی اور میت کی تدفین میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے، اسی میں فائدہ ہے، یا تمھارا یا پھر میت کا، یاد رہے اس جلدی کا مطلب یہ نہیں کہ جنازہ لے جاتے ہوئے دوڑا جائے، بلکہ ذرا تیز قدموں سے چلنا ہی مناسب ہے۔

[576] (موقوف صحیح) مرفوع کے لیے دیکھیے صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، حدیث: 1315، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الاسراع بالجنازة، حدیث: 944، ابوداود: 3181، ترمذی: 1015، نسائی: 1911، 1912، ابن ماجه: 1477، احمد: 2/ 240.

17

كِتَابُ الصِّيَامِ
روزوں کے متعلق کتاب

خلاصة الكتاب: اس کتاب میں تیئیس ابواب اور 67 روایات ہیں، ان میں سے مرفوع 34، موقوف 24 اور مقطوع 9 ہیں نیز پچاس روایات صحیح، دوحسن اور پندرہ ضعیف ہیں، چنانچہ مرفوع یعنی نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب 34 روایات میں سے تیس صحیح، ایک حسن اور تین ضعیف ہیں، موقوف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب 24 روایات میں سے پندرہ صحیح، ایک حسن اور آٹھ ضعیف ہیں جبکہ مقطوع یعنی تابعین وغیرہ کی طرف منسوب 9 روایات میں سے پانچ صحیح اور چار ضعیف ہیں، نیز اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے 22 فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے روزوں کا تذکرہ زکاۃ کے بیان سے غالباً اس لیے مقدم کیا ہے کہ روزے بھی نماز ہی کی طرح بدنی عبادات میں سے ہیں، اس لیے نماز کے بیان کے ساتھ ہی روزوں کا ذکر کیا، پھر مالی عبادت زکاۃ کا بیان کیا اور پھر بدنی و مالی عبادات سے مرکب فریضہ حج کا تذکرہ کیا۔ ماہ رمضان کے روزے ۲ھ میں فرض ہوئے۔ صیام کے لغوی معنی رک جانے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے: ''مخصوص شرائط کے ساتھ، طلوع فجر ثانی سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے، جماع کرنے اور ہر قسم کے فسق و فجور کے ارتکاب سے رکے رہنا۔'' صیام کا لفظ مصدر بھی مستعمل ہے (یعنی روزہ رکھنا) اور یہ صوم کی جمع بھی ہوسکتا ہے (یعنی روزے)۔

1- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ لِلصِّيَامِ وَالْفِطْرِ فِيْ رَمَضَانَ
ماہ رمضان میں روزوں کے آغاز واختتام کے لیے چاند دیکھنے کا بیان

خلاصة الباب: اس باب میں چار روایات ہیں، تین مرفوع ہیں جو سنداً صحیح ثابت ہیں جبکہ ایک ضعیف موقوف روایت ہے نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[577] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول

[577] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ اذا رايتم الهلال فصوموا، حديث: ⇦⇦

نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ: لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلَالَ ، وَلَا تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ .

اللہ ﷺ نے ماہِ رمضان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''روزہ نہ رکھا کرو یہاں تک کہ تم (ماہِ رمضان کا) چاند دیکھ لو اور روزہ موقوف نہ کیا کرو یہاں تک کہ تم اس (ماہِ شوال کے چاند) کو دیکھ لو، پھر اگر چاند بادلوں وغیرہ میں تم پر (تم سے) چھپا رہے تو اس کا (اندازہ لگا کر) حساب کر لو۔''

فائدہ : ......یعنی ماہِ رمضان کے روزوں کا آغاز بھی چاند دیکھ کر کیا کرو اور اختتام بھی چاند دیکھ کر کرنا لازم ہے، لیکن اگر مطلع ابر آلود ہو، آسمان پر بادل ہوں، بارش ہو رہی ہو، دھند یا گرد و غبار کی تہہ فضا میں چھائی ہوئی ہو تو پھر تیس کی گنتی پوری کرنا لازم ہے، آغازِ رمضان میں ایسا ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کیے جائیں گے اور عید کا چاند دیکھتے وقت یہ صورتحال ہو تو رمضان کے تیس روزے پورے کیے جائیں گے۔

[578] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ ، فَلَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلَالَ ، وَلَا تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(قمری) مہینہ (عام طور پر) انتیس دنوں کا ہوتا ہے (اور کبھی تیس دنوں کا) لہٰذا تم (ماہِ رمضان کے) روزوں کا آغاز نہ کیا کرو یہاں تک کہ (رمضان المبارک کا) چاند دیکھ لو اور نہ ہی روزوں کا اختتام کیا کرو یہاں تک کہ (ماہِ شوال کا یعنی عید کا) چاند دیکھ لو، پھر اگر تمھارے اور چاند کے درمیان میں کوئی چیز حائل ہو جائے تو اس کا حساب مقرر کر (کے تیس دن پورے کر) لو۔''

[579] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول

⇐ 1906 ، 1900 ، صحيح مسلم ، كتاب الصيام باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ، حديث: 1080/ 3 ، نسائی: 2123 ، ابن ماجه: 1654 ، احمد: 2/ 63 (5294) .

[578] (مرفوع صحيح) صيحيح البخاری ، كتاب الصوم ، باب قول النبی ﷺ اذا رايتم الهلال فصوموا ، حديث: 1907 ، صحيح مسلم ، كتاب الصيام ، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ، حديث: 1080/ 9 ، احمد: 2/ 5 (4488) ، دارمی: 1690 .

[579] (مرفوع صحيح) سنن ابی داود ، كتاب الصوم ، باب من قال فان غم عليكم فصوموا ثلثين ، حديث: 2327 ، جامع الترمذی ، كتاب الصوم ، باب ماجاء ان الصوم لرؤية الهلال ، حديث: 688 ، نسائی: 2131 ، 2132 ، احمد: 1/ 662 (1985) ، دارمی: 1686۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے شواہد کی وجہ سے صحیح کہا ہے، علامہ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، صحيح ابی داود: 2041 .

الدِّيلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ: لَا تَصُومُوا حَتَّى تَـرَوُا الْهِلَالَ، وَلَا تُـفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَـلَاثِينَ.

اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کا ذکر کیا پھر فرمایا: ''روزے رکھنا شروع نہ کیا کرو یہاں تک کہ (رمضان کا) چاند دیکھ لو اور نہ ہی روزہ رکھنا بند کیا کرو یہاں تک کہ (شوال کا) چاند دیکھ لو، پھر اگر بادلوں (یا کسی اور چیز) کی وجہ سے تمھیں چاند دکھائی نہ دے تو) پچھلے مہینے کی گنتی تیس (تک) مکمل کر لیا کرو۔''

[580] وَحَـدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَـلَغَهُ: أَنَّ الْهِلَالَ رُئِـيَ فِـي زَمَـانِ عُثْـمَـانَ بْنِ عَفَّـانَ بِـعَشِـيٍّ، فَـلَـمْ يُـفْـطِـرْ عُثْمَانُ حَتَّى أَمْسَى وَغَابَتِ الشَّمْسُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پچھلے پہر (سورج ڈوبنے سے پہلے ہی عید کا) چاند دیکھ لیا گیا لیکن انھوں نے روزہ افطار نہ کیا یہاں تک کہ شام میں داخل ہو گئے اور سورج غائب ہو گیا۔

فائدہ: ......یعنی گزشتہ احادیث میں چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا جو حکم ہے اس سے مہینے کا آغاز اور اختتام مراد ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ رات کو چاند دیکھ کر تمھارا روزہ شروع ہو جاتا ہے اور نہ یہ مطلب ہے کہ عصر کے وقت چاند دیکھ کر تمھارا روزہ کھل جاتا ہے الغرض ((صُوْمُوْا)) کے معنی روزہ رکھنے کے بھی ہیں اور ماہ رمضان کے روزے شروع کرنے کے بھی ہیں اسی طرح ((اَفْـطِرُوْا)) کے معنی روزہ کھولنے کے بھی ہیں اور روزوں کا اختتام کرنے یا ناغہ کرنے کے بھی ہیں، چنانچہ چاند دیکھنے کے متعلق احادیث میں روزہ رکھنے اور چھوڑنے سے مراد مہینے کا آغاز و اختتام ہے، رہا ہر روزے کا آغاز و اختتام یعنی سحری و افطاری تو وہ قرآن مجید میں بیان ہو چکا ہے کہ فجر صادق سے شروع کر کے رات کے آغاز یعنی غروب آفتاب تک روزہ پورا ہوتا ہے۔ (البقرة2: 187)

قَـالَ يَـحْيَـى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي الَّذِي يَـرَى هِلَالَ رَمَـضَانَ وَحْدَهُ: أَنَّـهُ يَـصُومُ لَا يَـنْبَغِي لَهُ أَنْ يُفْطِرَ، وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ ذٰلِكَ الْيَوْمَ مِـنْ رَمَـضَـانَ. قَالَ: وَمَنْ رَأَى هِلَالَ شَوَّالٍ وَحْـدَهُ، فَـإِنَّهُ لَا يُفْطِرُ، لِأَنَّ النَّاسَ يَتَّهِمُونَ عَلَى أَنْ يُفْطِرَ مِنْهُمْ مَنْ لَيْسَ مَأْمُوناً، وَيَقُولُ

امام مالک رحمہ اللہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں (1) جو اکیلا ہی ماہِ رمضان کا چاند دیکھ لیتا ہے (جبکہ باقی لوگ نہ چاند دیکھ پاتے ہیں اور نہ اس شخص پر اعتبار کرتے ہیں تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) وہ اکیلا ہی روزہ رکھے گا اس کے لیے یہ (کسی طرح درست اور) لائق نہیں کہ وہ روزہ چھوڑے حالانکہ وہ جانتا ہے (اور چاند دیکھ کر یقین

[580] (موقوف ضعیف) بیهقي في معرفة السنن والآثار: 3/ 359 (2461)، شافعي في الام: 2/ 95۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

أُولَـئِكَ إِذَا ظَهَـرَ عَـلَيْهِـمْ قَدْ رَأَيْنَـا الْهِلَالَ ، وَمَنْ رَأَى هِلَالَ شَوَّالٍ نَهَاراً فَـلَا يُفْطِرْ وَيُتِمُّ صِيَامَ يَوْمِهِ ذَلِكَ ، فَإِنَّمَا هُوَ هِلَالُ اللَّيْلَةِ الَّتِي تَأْتِي .

حاصل کر چکا ہے) کہ یہ دن ماہِ رمضان کا ہے۔ (2) اور (اس کے برعکس) جو شخص اکیلا ہی شوال کا (یعنی عید کا) چاند دیکھ لیتا ہے (اور کوئی بھی اس کی موافقت نہیں کرتا بلکہ لوگ رمضان کا تیسواں روزہ رکھ لیتے ہیں) تو وہ شخص بھی روزہ نہ چھوڑے گا (بلکہ چاند دیکھ لینے کا یقین ہونے کے باوجود لوگوں کی موافقت میں روزہ رکھے گا) کیونکہ لوگ اس پر تہمت لگائیں گے کہ وہ شخص روزہ چھوڑے بیٹھا ہے جو معتبر نہیں ہے اور ان غیر معتبر لوگوں کا جب دل کرتا ہے تو کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھ لیا ہے۔ (لہٰذا لوگوں کے الزامات سے بچنے کے لیے وہ روزہ رکھ لے) (3) اور جو شخص شوال کا (عید کا) چاند دن ہی میں دیکھ لے (سورج غروب ہونے سے قبل ہی چاند نظر آجائے) تو وہ اپنے اس دن کا روزہ (شام تک) پورا کرے کیونکہ یہ چاند اس رات کا ہے جو بعد میں آئے گی۔

فائدہ :......امام صاحب کے اس فتویٰ میں دراصل تین مسئلے بیان ہوئے ہیں، پہلے پر سب کا اتفاق ہے، دوسرے مسئلے میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اکیلا شخص اگر عید کا چاند دیکھے تو وہ روزہ رکھے گا اور اس اکیلے کی گواہی معتبر نہیں ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس اکیلے شخص کو عید کا چاند نظر آجانے کا یقین ہو لیکن لوگ اس پر اعتماد نہیں کرتے تو اس کے لیے چھپ کر کھالینا درست ہے، اسے لوگوں کی طرف سے تہمت و الزام کا خطرہ ہو تو وہ ان کے سامنے کچھ نہ کھائے اور ظاہر یہی کرے کہ جیسے اس کا روزہ ہے لیکن اعتقاد یہی رکھے کہ آج عیدالفطر کا دن ہے......چاند دیکھ لینے کی گواہی کے متعلق مزید تفصیل کچھ یوں ہے کہ (1) ماہ رمضان کے آغاز میں چاند دیکھ لینے کے متعلق جمہور کے نزدیک صرف ایک شخص کی گواہی کافی ہے۔ بشرطیکہ وہ بالغ، عاقل، مسلمان اور دیانتدار ہو، البتہ امام مالک رحمہ اللہ سے دو آدمیوں کی گواہی کا شرط ہونا منقول ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ سے دونوں روایتیں ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قولی حدیث میں ماہ رمضان کے آغاز کے متعلق دو مسلمانوں کی گواہی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ (نسائی: 2118۔ اس کی سند صحیح ہے) لیکن فعلی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک شخص کی گواہی کو بھی قبول فرمایا ہے۔ (ابـــوداود: 2342، دارقطني: 2/ 156، دارمي: 2/ 4، مستدرك حاكم: 1/ 243، بيهقي: 4/ 418۔ اس کی سند صحیح ہے۔) (2) رہا عید کے چاند کی گواہی کا مسئلہ تو اس کے متعلق جمہور کے نزدیک دو آدمیوں کی گواہی لازم ہے، چنانچہ اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قولی و فعلی دونوں قسم کی احادیث میں دو دو افراد کی گواہی ہی ثابت ہے، فعلی حدیث کے لیے دیکھیے: ابوداود: 2339، مسند احمد: 4/ 314، بيهقي: 4/ 250۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اور قولی احادیث کے لیے دیکھیں، نسائی: 2118، اسی طرح ابوداود: 2338، دارقطـنـي: 2/ 167، بيهـقي: 4/ 247۔ ان کی سندیں صحیح ہیں......دراصل آغاز رمضان میں چاند دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ رکھنا پڑے گا جو کہ ایک بوجھ ہے، اس لیے وہاں کسی شخص کے جھوٹ

بولنے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے اس لیے اکیلے شخص کی گواہی بھی معتبر ہے جبکہ اختتام رمضان میں چاند دیکھنے کا مطلب روزوں کی مشقت سے نکلنا، عید کی خوشی اور راحت پانا ہے اس لیے وہاں آسانی کے حصول کے لیے جھوٹ بولنے کا کچھ امکان ہوتا ہے، اسی بناپر وہاں اکیلے شخص کی گواہی ناقابل قبول ہے۔ یادرہے کہ چاندنظر آنے یانہ آنے کا اختلاف زیادہ سے زیادہ چار یاپانچ تاریخوں میں ہوتا ہے۔ انتیس،تیس، یکم اور دو تاریخ اور ان چاروں تاریخوں میں یہ ممکن ہی نہیں کہ چاند ظہر کے وقت نظر آئے کیونکہ انتیس اور تیس تاریخ کو چاند نظر ہی نہیں آتا۔ یکم تاریخ کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے یا بعد میں نظر آتا ہے پھر تقریباً پون گھنٹہ بعد ختم ہوجاتا ہے، پھر دوسری تیسری تاریخ کو غروب آفتاب سے کچھ مزید پہلے ہی نظر آنے لگتا ہے۔ لہٰذا ابتدائی چاند دیکھنے کے حوالے سے سفیان ثوری، ابن وہب، ابن یوسف، اور ابن حبیب رحمہم اللہ کا یہ قول کوئی اختلاف حل نہیں کرسکتا کہ زوال کے بعد چاند نظر آئے تو وہ آئندہ رات کا ہوتا ہے اور زوال سے پہلے نظر آئے تو گزشتہ رات کا ہوتا ہے، ہاں اس قول سے یہ فائدہ ضرور سامنے آتا ہے کہ چاند کے احکامات کا تعلق صرف رات کے ساتھ ہوتا ہے خواہ دن میں نظر آئے یا نہ آئے، اس قسم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی قول سنداً ضعیف ہے کیونکہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پایا ہی نہیں لہٰذا سند منقطع ہے اور نخعی رحمہ اللہ سے بیان کرنے والا راوی مجہول ہے۔

قَـالَ يَحْيَى : وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : إِذَا صَامَ النَّـاسُ يَـوْمَ الْـفِطْرِ ، وَهُمْ يَظُنُّونَ أَنَّهُ مِنْ رَمَـضَـانَ ، فَـجَاءَ هُمْ ثَبَتٌ أَنَّ هِلَالَ رَمَضَانَ قَـدْ رُئِـيَ قَبْلَ أَنْ يَصُومُوا بِيَوْمٍ ، وَأَنَّ يَوْمَهُمْ ذَلِكَ أَحَـدٌ وَثَـلَاثُـونَ ، فَـإِنَّهُمْ يُفْطِرُونَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ أَيَّةَ سَاعَةٍ جَاءَ هُمُ الْخَبَرُ ، غَيْرَ أَنَّهُـمْ لَا يُصَلُّونَ صَلَاةَ الْعِيدِ ، إِنْ كَانَ ذَلِكَ جَاءَ هُمْ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ عیدالفطر کے دن روزہ رکھ لیں اور وہ یہ سمجھ رہے ہوں کہ یہ (دن) ماہ رمضان میں سے ہی ہے (اور آج تیسواں روزہ ہے لیکن) پھر ایک معتبر و عادل شخص ان کے پاس (یہ خبر لے کر) آئے کہ رمضان کا چاند تو ان کے روزوں کے آغاز سے بھی ایک دن پہلے دیکھ لیا گیا تھا اور یقیناً ان کا یہ دن اکتیسواں دن بن رہا ہے تو (اگرچہ اس خبر کا نتیجہ یہ ہے کہ آج عید کا دن ہے لیکن پھر بھی اس اکیلے شخص کی گواہی قبول ہوگی کیونکہ دراصل یہ خبر ماہ رمضان کے آغاز میں چاند دیکھنے کے متعلق ہے اور جمہور کے نزدیک ابتدائے رمضان میں ایک ثقہ ومعتبر شخص کی گواہی کافی ہے اس لیے) وہ سب لوگ اس (اکتیسویں) دن میں روزہ ختم کردیں گے خواہ (پورے دن کے) کسی بھی وقت میں ان کے پاس یہ خبر پہنچے (کیونکہ قمری مہینہ تیس دن سے زائد نہیں ہوتا اور یہ دن عیدالفطر کا بنے گا جس میں روزہ رکھنا ممنوع ہے،) البتہ اگر یہ خبر ان کے پاس سورج ڈھل جانے کے بعد پہنچی ہو تو وہ (اس دن) نماز عید ادا نہیں کریں گے (ہاں اگر زوال سے قبل یہ اطلاع ملی ہو تو وہ فوراً روزہ ختم کرکے نماز عید ادا کرلیں)۔

فائدہ :......اور اگر یہ خبر زوال آفتاب کے بعد ملے تو وہ اگلے دن عید پڑھیں گے جیسا کہ ایک دفعہ نبی کریم

ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عید والے دن روزہ رکھے ہوئے تھے، پھر جب پچھلے پہر گواہیوں سے ثابت ہوگیا کہ آج عید کا دن ہے تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ روزہ ختم کردیں اور صبح کے وقت عیدگاہ کی طرف جائیں۔'' (ابوداود: 2339، احمد:4/ 314، بیہقی: 4/ 250۔اس کی سند صحیح ہے) وہ لوگ جو ہر علاقے کے حساب سے چاند دیکھ کر روزہ رکھتے ہیں جیسا کہ آج کل بھی جمہور کا یہی موقف ہے تو ان کے نزدیک آج کل کے تیز رفتار ہوائی سفروں کی بدولت ماہ رمضان میں ایک مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ کبھی انھیں ماہ رمضان کے صرف اٹھائیس دن ملتے ہیں اور کبھی اکتیس ہوجاتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ کوئی بھی قمری مہینہ انتیس دنوں سے کم نہیں ہوتا جیسا کہ اوپر اس باب کی حدیث: 578 میں گزرا ہے اور کوئی بھی مہینہ تیس دن سے زیادہ نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث: 579 میں گزرا ہے۔ اور دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ سعودی عرب اور پاکستان میں چاند کی تاریخ کا کم از کم ایک دن کا فرق ضرور رہتا ہے، بلکہ کبھی کبھار دو دن کا فرق بھی پڑ جاتا ہے اور بعض اوقات کوئی فرق نہیں ہوتا، اب اگر ایک شخص کے ماہ رمضان کا آغاز تو پاکستان میں ہو، پھر وہ عمرہ کی ادائیگی یا کسی اور غرض سے سعودی عرب چلا جائے تو چونکہ وہاں کے لوگ ایک دن پہلے سے روزہ رکھ رہے ہوتے ہیں اس لیے رمضان کے آخر تک اس شخص کو انتیس دنوں والے مہینے میں سے صرف اٹھائیس دن ملیں گے اور پھر سعودیہ میں عید آجائے گی، ایسے شخص پر ایک دن کی قضا لازم ہے کیونکہ قمری مہینہ اٹھائیس دنوں کا نہیں ہوتا اور روزے تو پورے مہینے کے فرض ہیں، ہاں اگر اسے انتیس دن مل جائیں تو گزارا ہوجائے گا، اس کے برعکس ایک شخص ماہ رمضان کے آغاز میں سعودی عرب میں ہو پھر وہ پاکستان میں آجائے تو اس کے روزوں میں ایک بڑھ جائے گا اور تیس دن والے رمضان میں اسے اکتیسواں دن بھی مل جائے گا، تو کیا یہ شخص اکتیسویں دن کا روزہ رکھے یا نہ رکھے تو اس بارے میں راجح موقف یہ ہے کہ اسے روزہ رکھنا پڑے گا کیونکہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (البقرۃ 2:85) ۔''تو تم میں سے جو شخص اس مہینے میں حاضر ہو وہ اس کے روزے رکھے۔'' یہ شخص چونکہ اکتیسویں دن بھی ماہ رمضان میں موجود ہے لہٰذا اس فرمان الٰہی کی روشنی میں اس پر روزہ لازم ہے، البتہ قمری مہینہ چونکہ تیس دن سے زائد نہیں ہوتا لہٰذا وہ نفل روزے کی نیت کرے گا جس طرح کہ گھر میں تنہا فرض نماز ادا کرلینے والے کو مسجد میں بھی جماعت مل جائے تو اس پر نماز باجماعت میں شامل ہونا لازم ہے، لیکن اس کی وہ نماز نفل شمار ہوتی ہے۔

(رؤیت ہلال میں مطلع کا اعتبار)

فائدہ: ...... یہ بات تو متفقہ ہے کہ مطالع مختلف ہوتے ہیں یعنی تمام زمین والوں کو بیک وقت چاند کا طلوع نظر نہیں آتا، اور یقیناً بعض جگہوں میں چاند پہلے نظر آتا ہے اور بعض مقامات پر ایک یا دو راتوں کی تاخیر سے طلوع ہوتا ہے، پھر اسی لحاظ سے تاریخوں کا فرق پڑتا ہے اور واقعی اسی لحاظ سے ہر جگہ چودھویں تاریخ جس میں چاند بالکل پورا نظر

آتا ہے، الگ الگ متحقق ہوتی ہے، اتنی بات پر تو اتفاق ہے، البتہ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کیا روزہ اور عید وغیرہ میں مطلع کا الگ الگ ہونا معتبر ہے یا نہیں، کیا ہر علاقے والے اپنی اپنی رؤیت کا اعتبار کریں گے یا کسی ایک علاقے میں چاند کا نظر آ جانا تمام اہل زمین کے لیے کافی ہے؟ چنانچہ اس بارے میں مشہور اقوال حسب ذیل ہیں۔

پہلا قول: ہر علاقے والے اپنی اپنی رؤیت کے لحاظ سے روزہ وعید کا اہتمام کریں گے۔ عکرمہ، قاسم، سالم بن عبداللہ، اسحاق بن راہویہ اور متعدد محدثین رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے۔

دوسرا قول: اگر دو علاقے اس قدر قریب ہوں کہ ان کا مطلع الگ الگ نہ ہو تو وہاں ایک علاقے کی رؤیت دوسرے علاقے کے حق میں بھی متصور ہوگی اور اگر دونوں علاقے اس قدر دور ہیں کہ ان کا مطلع مختلف ہو اور وہاں قمری مہینے کا آغاز الگ الگ ہوتا ہو تو وہ اپنی اپنی رؤیت کے مکلّف اور پابند ہوں گے، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ شوافع اور اہل حدیث کی اکثریت اور بعض حنفی و مالکی فقہاء یہی موقف رکھتے ہیں۔ احناف میں سے علامہ زیلعی، امام قدوری، مفتی ابوالسعود (شارح مراقی الفلاح)، صاحب التجرید، شمس الائمہ الحلوانی، علامہ انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ وغیرہ نیز موالک میں سے ابن عبدالبر رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، اسی طرح قطع نظر فقہی مسالک کے، اکثر اسلامی ممالک اپنی اپنی رؤیت کا اعتبار کر کے سرکاری اعلان کرتے ہیں۔

تیسرا قول: دنیا میں کسی ایک علاقے میں نظر آنے والا چاند تمام اہل زمین پر روزہ اور عید وغیرہ کو لازم کر دیتا ہے، جمہور یعنی تمام حنابلہ، اکثر احناف و موالک اور بعض شوافع و اہل حدیث کا یہی موقف ہے، ان کے نزدیک مطالع کا اختلاف بالکل غیر معتبر ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہر روایت یہی ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہ موقف ہے۔

چوتھا قول: ہر علاقہ اپنی رؤیت کا اعتبار کرے گا الا یہ کہ خلیفۃ المسلمین یا امیر المؤمنین موجود ہو تو اس وقت تمام ملت اسلامیہ اس کے ہمراہ روزہ اور عید کا اہتمام کرے گی، مالکی فقیہ ابن ماجشون اور بعض متاخرین سلفی و حنفی علماء کا بھی یہی قول ہے۔ ہمارے نزدیک راجح قول دوسرا ہے جسے ''لوکل مون سائیٹنگ'' کہتے ہیں، رہا تیسرا قول جسے ''گلوبل مون سائیٹنگ'' کہا جاتا ہے تو اسے خلاف شرع قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ بعض روایات جو اگرچہ اس مسئلے میں صریح تو نہیں ہیں لیکن اپنے عموم اور وسعت کی بنا پر اس کی دلیل بن سکتی ہیں، یقیناً وہ سنداً صحیح ثابت ہیں۔ رہے عقلی، سائنسی اور جغرافیائی دلائل تو وہ دونوں جانب موجود ہیں، ہمارے نزدیک دوسرے قول کے راجح ہونے کی دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس میں بڑی وضاحت سے مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس مدینہ منورہ میں ملک شام سے مصدقہ اطلاع پہنچی کہ شام میں جمعہ کی رات چاند نظر آیا تھا لیکن انھوں نے فرمایا کہ ہم نے چونکہ ہفتے کی رات چاند دیکھا تھا اس لیے ہم تو اسی کے پابند ہیں، پھر فرمایا: ((هٰكَذَا اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ)) ''ہمیں تو رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔''

تفصیلی روایت یوں ہے، کریب بیان کرتے ہیں کہ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ محترمہ) سیدہ ام الفضل (لبابہ) بنت حارث رضی اللہ عنہا نے انھیں (کریب رحمہ اللہ کو) ملک شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، وہ کہتے ہیں کہ میں ملک شام آیا اور ان کا کام پورا کیا، میں شام ہی میں تھا کہ مجھ پر ماہ رمضان کا آغاز ہوگیا اور چاند دیکھ لیا گیا، چنانچہ میں نے خود جمعہ کی رات چاند دیکھا، پھر میں مہینے کے آخر میں مدینہ منورہ آیا تو مجھ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے (بعض چیزوں کے متعلق) دریافت کیا، پھر انھوں نے چاند کا ذکر کیا اور فرمایا کہ تم نے چاند کب دیکھا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ ہم نے جمعہ کی رات اسے دیکھا تھا، انھوں نے فرمایا کہ کیا تم نے خود اسے دیکھا تھا؟ میں نے کہا کہ جی ہاں اور دوسرے لوگوں نے بھی اسے دیکھا تھا اور انھوں نے روزہ بھی رکھا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا تھا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: لیکن ہم نے تو چاند ہفتے کی رات (ملک شام والوں سے ایک دن بعد) دیکھا تھا، لہٰذا ہم تو (اسی حساب سے) مسلسل روزہ رکھتے رہیں گے یہاں تک کہ ہم تیس (کی تعداد) مکمل کرلیں یا (اس سے پہلے) چاند دیکھ لیں، (کریب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ کیا آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رؤیت اور روزے کو کافی نہیں سمجھتے؟ تو انھوں نے فرمایا: ''نہیں''، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح ہی حکم فرمایا ہے۔ (مسلم: 1087)

2- بَاب: مَنْ اَجْمَعَ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ

اس شخص کا بیان جس نے فجر سے پہلے روزے کی پختہ نیت کرلی

خلاصۃ الباب اس باب میں دو موقوف روایات ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف سند والی ہے۔

[581] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: لَا يَصُومُ إِلَّا مَنْ أَجْمَعَ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے: (کوئی شخص) روزہ نہیں رکھتا (کسی شخص کا روزہ شمار ہی نہیں ہوتا) سوائے اس شخص کے جو فجر سے پہلے پہلے روزہ رکھنے کا پختہ ارادہ (اور نیت) کرلے۔

[582] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ازواج مطہرات سیدہ عائشہ اور سیدہ

[581] (موقوف صحيح) سنن النسائی، كتاب الصيام، باب ذكر اختلاف الناقلين لخبر حفصة، حديث: 2345، الشافعی فی الام: 2/ 95، بيهقی فی السنن الكبرى: 4/ 202 (7910)، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 344 (2437)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

[582] (موقوف ضعيف) سنن النسائی، كتاب الصيام، باب ذكر اختلاف الناقلين لخبر حفصة، حديث: 2343، بيهقی فی السنن الكبرى: 4/ 202، 203 (7911)، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 344، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 2/ 55۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

شِهَابٍ ، عَنْ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ زَوْجَي النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِ ذَٰلِكَ

حفصہ رضی اللہ عنہن سے بھی (بالکل) اسی طرح (کا فتویٰ) منقول ہے۔

فائدہ : ...... یہی بات رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے، چنانچہ ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا یہ فرمان نبوی نقل کرتی ہیں: ((مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ)) ''جس شخص نے فجر (صبح صادق) سے پہلے پہلے روزہ رکھنے کا پختہ ارادہ نہ کیا تو اس کا کوئی روزہ نہیں۔'' (ابو داود: 2454، ترمذی: 730۔ اس کی سند صحیح ہے۔) یاد رہے کہ یہ حکم صرف فرضی روزوں کے متعلق ہے، رہے نفلی روزے تو ان کے لیے فجر کے بعد بھی (زوال سے پہلے پہلے) نیت کی جا سکتی ہے، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ کیا تمھارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں، تو فرمایا: ''تب تو میں یقیناً روزہ دار (بن جاتا) ہوں۔'' (مسلم: 1154) امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد، رحمہ اللہ اور اہل حدیث کا یہی قول ہے اور یہی راجح ہے، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فرضی و نفلی ہر روزے میں فجر سے پہلے نیت کرنا لازم ہے، رہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو ان کے نزدیک فجر سے پہلے صرف اس روزے کی نیت کرنا لازم ہے جو انسان کے ذمے واجب ہو لیکن اس کا وقت متعین نہ ہو مثلاً قضا، کفارہ اور نذر مطلق کے روزے، ان کے علاوہ ہر روزہ خواہ نفلی ہو یا متعین وقت والا فرضی روزہ جیسا کہ ماہ رمضان کے روزے ہیں تو ایسے روزے کی نیت فجر کے بعد بھی زوال سے پہلے پہلے ہو سکتی ہے۔

3- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ تَعْجِيْلِ الْفِطْرِ

روزہ جلد افطار کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو مرفوع احادیث نبویہ ہیں جن میں سے ایک کی سند صحیح اور ایک حسن ہے جبکہ ایک موقوف روایت ضعیف ہے۔

[583] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ ، مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ .

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ ہمیشہ خیر و بھلائی میں رہیں گے جب تک افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے۔''

فائدہ : ...... بشرطیکہ غروب آفتاب کا یقین ہو چکا ہو۔

[583] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب تعجیل الافطار، حدیث: 1957، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور و تاکید استحبابه، حدیث: 1098، ترمذی: 699، ابن ماجه: 1697، احمد: 5/ 331 (23190)، دارمی: 1699.

[584] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَرْمَلَةَ الأَسْلَمِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ.

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگ ہمیشہ خیر وبھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک جلد افطار کرتے رہیں گے۔''

فائدہ: ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ فرمان نبوی ہے: ''دین ہمیشہ غالب رہے گا جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے، کیونکہ یہود ونصاریٰ افطاری میں تاخیر کرتے ہیں۔'' (ابو داود: 2353، ابن ماجہ: 1698۔ اس کی سند صحیح ہے) ان احادیث مبارکہ میں جلد افطار کرنے کی محض ترغیب دی گئی ہے، لہٰذا یہ حکم استحبابی ہے اور چونکہ جلدی افطار کرنے کو واجب قرار نہیں دیا گیا اس لیے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کچھ تاخیر کے ساتھ روزہ کھولنا ثابت ہے۔ (مسلم: 1099) ......جلدی کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے ہی روزہ کھول لیا جائے، غروب کا یقین ہونا لازمی شرط ہے، اگر اس غروب کے یقین میں دو تین منٹ کا فرق پڑ جائے تو اسے کفر اسلام کا مسئلہ نہیں بنالینا چاہیے، ان مذکورہ بالا احادیث کا منشا یہ ہے کہ بوقت افطاری کچھ کھا پی لینا چاہیے ورنہ یہ حقیقت ہے کہ سورج غروب ہوتے ہی روزہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے، چنانچہ فرمان نبوی ہے: ''جب اس جانب (مشرق) سے رات آجائے اور دن اس جانب (مغرب کی طرف) پیٹھ پھیر جائے اور سورج غروب ہو جائے تو یقیناً روزے دار کا روزہ کھل جاتا ہے۔'' (بخاری: 1954، مسلم: 1100) لہٰذا غروب کا یقین ہو جانے کے بعد بھی افطاری میں تاخیر کرنا نامناسب اور ناپسندیدہ عمل ہے۔

[585] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَا يُصَلِّيَانِ الْمَغْرِبَ حِينَ يَنْظُرَانِ إِلَى اللَّيْلِ الأَسْوَدِ، قَبْلَ أَنْ يُفْطِرَا، ثُمَّ يُفْطِرَانِ بَعْدَ

حمید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب سیاہ رات کو دیکھ لیتے تو افطاری کرنے سے پہلے نماز مغرب ادا کر لیتے پھر نماز کے بعد افطار کرتے تھے اور ایسا ماہِ رمضان میں ہوتا تھا۔

[584] (مرفوع حسن لغیرہ) بیهقی فی شعب الایمان: 3/ 409 (3914)، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 386 (2505)، ابن ابی شیبه: 3/ 12 (8945)، الشافعی فی السنن المأثورة: 323۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے مرسل صحیح الاسناد اور گزشتہ حدیث کے شاہد کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔

[585] (موقوف ضعیف) البیهقی فی السنن الکبری: 4/ 238، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 386 (2506)، الشافعی فی الآم: 2/ 97، وفی المسند: 1/ 478۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

الصَّلَاةِ، وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ.

فائدہ: ...... اگر تو اس افطار سے مراد شام کا کھانا ہے جو افطاری کے بعد تسلی سے کھایا جاتا ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں لیکن اگر اس سے مراد عام معمول کی افطاری اور روزہ کھولنا ہے تو پھر اشکال ہے کہ یہ دونوں عالی شان خلفاء، اسوۂ پیغمبر ﷺ کے خلاف ایسا کیوں کرتے تھے؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے، اور اگر صحیح ہوتی تو پھر یہ تطبیق دی جاتی کہ وہ یا تو بیانِ جواز کے لیے ایسا کرتے یا کسی عذر کی بنا پر تاخیر کرتے یا وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم کچھ نہ بھی کھائیں تو روزہ تو خود بخود ہی کھل جاتا ہے، بہرحال ہمارے لیے فرمان پیغمبر اور اسوۂ رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نماز ادا کرنے سے پہلے چند تر کھجوروں کے ساتھ افطاری فرماتے تھے، وہ نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں (چھوہاروں) کے ساتھ اور اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پی کر افطاری کیا کرتے تھے۔ (ابو داود: 2356، ترمذی: 696۔ اس کی سند حسن ہے۔)

4- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ صِيَامِ الَّذِيْ يُصْبِحُ جُنُبًا

حالت جنابت میں صبح کرنے والے شخص کے روزہ رکھنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چار احادیث نبویہ مذکور ہیں جو سب کی سب بخاری و مسلم کی روایات میں سے ہیں۔

فائدہ: ...... جس شخص کو احتلام ہو جائے یا وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کی بنا پر غسل واجب ہو جائے اور حالتِ جنابت ہی میں سحری کا وقت آ جائے تو اگر وقت وسیع ہو تو اس کے لیے مستحب یہی ہے کہ وہ پہلے غسل کرے پھر سحری کھائے لیکن اگر وہ غسل سے پہلے سحری کھا لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر وقت تنگ ہو تو سحری پہلے کھانا لازم ہے۔ یہی معاملہ ان عورتوں کا ہے جن کا حیض یا نفاس رات میں ختم ہوا اور غسل سے پہلے سحری کا وقت آ جائے ...... دراصل شروع شروع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلے میں اختلاف رہا تھا کہ آیا حالتِ جنابت میں سحری کھانا درست ہے یا نہیں، پھر بعد میں احادیث نبویہ معلوم ہو جانے سے یہ مسئلہ حل ہو گیا، نیز یہ مسئلہ تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہو جاتا ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرہ: 2:187) ''تو اب تم ان سے ہم بستری کر سکتے ہو اور اللہ نے جو (بچی بچہ) تمھارے لیے لکھ رکھا ہے اسے تلاش کرو اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) کالی دھاری سے واضح (روشن) ہو جائے، پھر تم روزے کو رات تک پورا کرو۔'' اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صبح صادق ہو جانے تک تین کاموں کی اجازت دی ہے: بیویوں سے مباشرت، کھانا اور پینا۔ پھر ان کے فوراً بعد روزہ پورا کرنے کا حکم ذکر کیا ہے، چنانچہ جس طرح ہم اذانِ فجر تک کھانے اور پینے کی اجازت اسی

آیت سے ثابت کرتے ہیں تو یقیناً مباشرت کی اجازت بھی اسی وقت تک ثابت ہوتی ہے اور جو شخص اس وقت جنبی ہو تو لازمی امر ہے کہ اس کے روزے کا آغاز حالتِ جنابت میں ہوگا لیکن اللہ کی طرف سے اسے بھی روزہ پورا کرنے کا حکم ہے، یہ مسئلہ عقل سے بھی ثابت ہے، چنانچہ جس طرح روزے کے دوران میں احتلام ہوجانے سے روزہ خراب نہیں ہوتا اسی طرح روزے کی ابتدا پر بھی حالتِ جنابت سے کچھ اثر نہ پڑے گا، الغرض تقریباً تمام مسالک کے علماء وفقہاء کا اس پر اجماع ہے۔

[586] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْمَرٍ الْأَنْصَارِي ، عَنْ أَبِي يُونُسَ مَوْلَى عَائِشَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ : أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الْبَابِ وَأَنَا أَسْمَعُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أُصْبِحُ جُنُباً وَأَنَا أُرِيدُ الصِّيَامَ ؟ فَقَالَ ﷺ : وَأَنَا أُصْبِحُ جُنُباً وَأَنَا أُرِيدُ الصِّيَامَ ، فَأَغْتَسِلُ وَأَصُومُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، إِنَّكَ لَسْتَ مِثْلَنَا ، قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ، فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ : وَاللّٰهِ إِنِّي لأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ ، وَأَعْلَمَكُمْ بِمَا أَتَّقِي .

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، اس حال میں کہ وہ شخص دروازے پر کھڑا ہوا تھا اور میں (گھر میں اس کی آواز) سن رہی تھی، (کہنے لگا کہ) اے اللہ کے رسول! بے شک میں حالتِ جنابت میں صبح کرتا ہوں اور میں روزے کا ارادہ بھی رکھتا ہوں (تو کیا حالت جنابت میں روزہ کی نیت اور اس کا آغاز درست ہے؟) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور میں بھی حالت جنابت میں صبح کرتا ہوں اور روزہ رکھنے کا ارادہ بھی کیے ہوئے ہوتا ہوں، چنانچہ میں غسل کر لیتا ہوں اور روزہ رکھ لیتا ہوں۔'' وہ آدمی آپ ﷺ سے عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! یقیناً آپ ہم جیسے تو نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادیے ہیں، تو (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ غصے میں آگئے اور فرمانے لگے: ''اللہ کی قسم! بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں کہ میں تم سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور جن کاموں سے مجھے بچنا ہے ان کو تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔''

فائدہ: ......اس سائل کے سوال پر نبی کریم ﷺ نے اسے واضح حکم دینے کی بجائے اپنا عملی نمونہ پیش فرمایا کیونکہ ہمیشہ امام و پیشوا کا عمل زیادہ مؤثر ثابت ہوا کرتا ہے۔ وہ سائل حالتِ جنابت کو روزے کے منافی اور متصادم شمار کر رہا تھا نیز جنبی شخص کے روزہ رکھنے کو گناہ سمجھ رہا تھا، اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی یہی سمجھا کہ یہ کام تو گناہ

[586] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، حديث: 1110، سنن ابى داود، كتاب الصيام، باب من اصبح جنبامن شهر رمضان، حديث: 2389، نسائى فى السنن الكبرى: 3025، احمد: 6/ 67 (24889) .

ہی کا ہے، لیکن آقا علیہ السلام جو کچھ بھی گناہ کریں اللہ نے اسے ان کے لیے معاف فرما دیا ہے یا وہ یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لیے جو چاہے حلال کرسکتا ہے اور یہ عمل آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہوگا اور امتیوں کے لیے عام نہیں ہوگا، چونکہ اس کی بات میں یہ مختلف احتمالات اور نتائج مضمر تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے غصے کا اظہار فرمایا اور اپنے جواب سے ایک بات یہ سمجھائی کہ اگر پیغمبر علیہ السلام کے تمام یا اکثر کاموں کے متعلق یہی سوچ رکھو گے کہ وہ آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہیں تو پھر اطاعت رسول اور اتباع رسول ﷺ کا معاملہ عبث اور بے کار ہو کر رہ جائے گا، لہٰذا جب تک کسی کام کے رسول ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کی جانب سے یا خود رسول اللہ ﷺ ہی کی طرف سے وضاحت کے ساتھ نہ ملے، وہ کام پوری امت کے لیے عام اور قابل اتباع ہی سمجھا جائے گا، دوسری بات رسول اللہ ﷺ نے یہ سمجھائی کہ اللہ کی طرف سے پروانۂ مغفرت مل جانے کے باوجود سب سے زیادہ پرہیزگار اور گناہوں سے بچنے والا میں ہی ہوں ......صحیح مسلم کی ایک روایت میں گزشتہ مسئلے کے حوالے سے یہ واضح الفاظ نبویہ موجود ہیں: ((وَاَنَا تُدْرِكُنِي الصَّلَاةُ وَاَنَا جُنُبٌ فَاَصُوْمُ)) ''اور مجھ پر بھی نماز کا وقت اس حال میں آجاتا ہے کہ میں جنبی ہوتا ہوں لیکن پھر بھی میں روزہ رکھتا ہوں۔'' (مسلم: 1110) اور ظاہر بات ہے کہ نماز فجر کا وقت صبح صادق طلوع ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ابھی غسل کرنا ہوتا تھا، گویا حالت جنابت ہی میں سحری کھا لیتے پھر صبح صادق ہوتے ہی روزہ کا آغاز فرما دیتے اور بعد میں غسل فرماتے۔

[587] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ زَوْجَيِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُمَا قَالَتَا: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصْبِحُ جُنُباً مِنْ جِمَاعٍ غَيْرِ احْتِلَامٍ فِي رَمَضَانَ، ثُمَّ يَصُومُ.

سیدہ عائشہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما ازواج پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں حالت جنابت کے ساتھ صبح کرتے تھے (اور ایسا بیویوں سے) ہم بستری کی بنا پر (ہوتا تھا) نہ کہ احتلام کی بنا پر (لیکن) پھر بھی آپ ﷺ روزہ رکھ لیتے تھے۔

فائدہ:...... مذکورہ بالا مسئلے کو مزید واضح کرنے کے لیے اس حدیث میں جنابت کا بڑا سبب ''ہم بستری'' مذکور ہے اور بات میں زور اور تاکید پیدا کرنے کے لیے کہا گیا ہے کہ محض احتلام ہی نہیں بلکہ مباشرت بھی ہو چکی ہو تو بغیر غسل کیے سحری کھانا اور روزے کا آغاز کرنا بھی اسوۂ رسول ﷺ ہے، حدیث کے الفاظ ''نہ کہ احتلام کی بنا پر'' میں جنابت

[587] صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الصائم یصبح جنبا، حدیث: 1925، 1925، 1930- 1932، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب من اصبح جنبا فی شهر رمضان، حدیث: 1109، ابوداود: 2388، ترمذی: 779، نسائی: 183، ابن ماجه: 1704، احمد: 6/ 245 (26610)، دارمی: 1625.

کے اسباب کا فرق بیان کرنا اور بات میں زور پیدا کرنا مقصود ہے، یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو احتلام ہی نہیں ہوتا تھا، بلکہ مذکورہ مسئلے کے اثبات میں احتلام کا ذکر کیا ہی اس لیے گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی احتلام ہوا کرتا تھا، لہٰذا امام قرطبی رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ، اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ وغیرہ کا اس بات کو راجح قرار دینا بالکل غلط ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام احتلام سے پاک اور مبرا تھے اور وہ اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ احتلام ہوتا ہی شیطانی خوابوں کی وجہ سے ہے...... حالانکہ یہ دلیل بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ بہت دفعہ بغیر کوئی خواب دیکھے احتلام ہو جاتا ہے اور کبھی خواب میں پیشاب والی جگہ پر کنٹرول نہیں رہتا پھر آنکھ کھلتی ہے تو احتلام ہوا ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ صریح وصحیح احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا احتلام ثابت ہے، چنانچہ وہ تمام روایات جن میں خود نبی کریم ﷺ کا یا آپ کی بیویوں کا آپ کے کپڑوں سے منی کھرچنے یا دھوڈالنے کا ذکر ہے، وہ سب احتلام ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ دیکھیے (1) (مسلم: 288 (2) بخاری: 229، مسلم: 289 (3) مسلم: 290 (4) دارقطنی: 1/ 125 (5) مسند احمد: 6/ 243)۔ نیز صحیح مسلم کی روایت: 290 میں وضاحت سے مذکور ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن شہاب خولانی رحمہ اللہ کو احتلام ہی کے مسئلے میں کھرچنے کی حدیث سنائی۔

[588] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ يَقُولُ: كُنْتُ أَنَا وَأَبِي عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ، فَذُكِرَ لَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: مَنْ أَصْبَحَ جُنُباً أَفْطَرَ ذَلِكَ الْيَوْمَ. فَقَالَ مَرْوَانُ: أَقْسَمْتُ عَلَيْكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَتَذْهَبَنَّ إِلَى أُمَّيِ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ، فَلَتَسْأَلَنَّهُمَا عَنْ ذَلِكَ، فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَذَهَبْتُ مَعَهُ، حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ، فَسَلَّمَ عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّا كُنَّا عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ

ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ (بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں (ابوبکر رحمہ اللہ) اور میرے والد (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ) مروان بن حکم رحمہ اللہ کے پاس موجود تھے، مروان (ان دنوں) مدینہ منورہ کے امیر (گورنر) تھے، انھوں نے (میرے والد عبدالرحمٰن نے) مروان رحمہ اللہ کے سامنے یہ تذکرہ کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے (اور فتویٰ دیتے) ہیں کہ جو شخص حالتِ جنابت میں صبح کرے تو اس دن اس کا روزہ نہیں ہوگا، تو مروان رحمہ اللہ نے (میرے والد سے) کہا کہ اے عبدالرحمٰن! میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ مومنوں کی دو ماؤں سیدہ عائشہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن کے پاس ضرور جاؤ اور پھر ان سے ضرور اس بارے میں سوال کرو، چنانچہ (والد محترم) عبدالرحمٰن گئے اور میں بھی ان

[588] (مرفوع صحيح) صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب الصائم يصبح جنبا، حديث: 1925، 1926، 1930 – 1932، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، حديث: 1109.

الْحَكَمِ، فَذُكِرَ لَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ : مَنْ أَصْبَحَ جُنُباً أَفْطَرَ ذَلِكَ الْيَوْمَ . قَالَتْ عَائِشَةُ : لَيْسَ كَمَا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَا عَبْدَ الرَّحْمنِ ، أَتَرْغَبُ عَمَّا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُ ؟ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ : لا وَاللّٰهِ . قَالَتْ عَائِشَةُ: فَأَشْهَدُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يُصْبِحُ جُنُباً ، مِنْ جِمَاعٍ غَيْرِ احْتِلامٍ ، ثُمَّ يَصُومُ ذَلِكَ الْيَوْمَ . قَالَ : ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ ، فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ ، فَقَالَتْ مِثْلَ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ . قَالَ : فَخَرَجْنَا حَتَّى جِئْنَا مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ ، فَذَكَرَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ مَا قَالَتَا ، فَقَالَ مَرْوَانُ : أَقْسَمْتُ عَلَيْكَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ ، لَتَرْكَبَنَّ دَابَّتِي ، فَإِنَّهَا بِالْبَابِ ، فَلْتَذْهَبَنَّ إِلَى أَبِي هُرَيْرَةَ ، فَإِنَّهُ بِأَرْضِهِ بِالْعَقِيقِ فَلْتُخْبِرَنَّهُ ذَلِكَ . فَرَكِبَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَرَكِبْتُ مَعَهُ ، حَتَّى أَتَيْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ ، فَتَحَدَّثَ مَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ سَاعَةً ، ثُمَّ ذَكَرَ لَهُ ذَلِكَ ، فَقَالَ لَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ : لا عِلْمَ لِي بِذَاكَ ، إِنَّمَا أَخْبَرَنِيهِ مُخْبِرٌ .

کے ساتھ گیا، یہاں تک کہ ہم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، عبدالرحمٰن نے ان کو سلام عرض کیا، پھر کہا کہ اے ام المومنین! بے شک ہم مروان بن حکم کے پاس تھے، ان کے سامنے یہ تذکرہ ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص حالت جنابت کے ساتھ صبح میں داخل ہو تو وہ اس دن روزہ چھوڑ دے گا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اے عبدالرحمٰن! یہ بات اس طرح نہیں جیسے کہ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں، کیا تم اس عمل سے بے رغبتی (اور اعراض) کر سکتے ہو جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، عبدالرحمٰن نے کہا کہ اللہ کی قسم! نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گواہی دیتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جماع کے ساتھ، نہ کہ محض احتلام سے، جنبی ہو کر صبح میں داخل ہوتے پھر اس دن کا روزہ بھی رکھتے۔ ابوبکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر ہم (ان کے پاس سے) نکلے یہاں تک کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، انھوں نے (میرے والد نے) ان سے بھی اس بارے میں سوال کیا تو انھوں نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے قول کی طرح جواب دیا...... ابوبکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر ہم (ان کے پاس سے بھی) نکلے حتیٰ کہ (واپس) مروان بن حکم کے پاس آ گئے، (میرے والد) عبدالرحمٰن نے انھیں وہ جواب بتا دیا جو دونوں (امہات المومنین) نے دیا تھا، تو مروان (میرے والد کو ان کی کنیت سے پکار کر) کہنے لگے کہ اے ابومحمد! میں (دوبارہ پھر) تمھیں قسم دیتا ہوں کہ تم ضرور میری سواری پر سوار ہو جاؤ جو کہ دروازے ہی پر کھڑی ہے، پھر تم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ضرور جاؤ جو کہ (تھوڑی دور) ''عقیق'' کے مقام پر اپنی زمین میں (موجود) ہیں، پھر تم ضرور انھیں بھی یہ خبر سناؤ، چنانچہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سوار ہو گئے، میں بھی ان کے ہمراہ سواری پر چڑھ گیا، یہاں تک کہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، عبدالرحمٰن نے کچھ دیر ان سے (ادھر ادھر کی) باتیں کیں، پھر یہ (سارا ماجرا) ان کے سامنے ذکر کر دیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس کا تو مجھے کوئی علم نہ تھا،

(بلکہ) مجھے تو ایک خبر دینے والے نے خبر دی تھی (جس کی بنا پر میں اپنا فتویٰ دیتا رہا)۔

فائدہ: ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مسئلہ سنا تھا: (1) حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما (بخاری: 1925، 1926، مسلم: 1109) (2) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (نسائی بحواله فتح الباری، بحواله زرقانی: 2/ 228) صحیح مسلم (حدیث: 1109) میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ معلوم ہو جانے کے بعد فرمایا: ((هُمَا اَعْلَمُ)) ''وہ دونوں زیادہ علم رکھنے والی ہیں۔'' اور پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے موقف سے رجوع کر لیا۔

[589] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ زَوْجَي النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُمَا قَالَتَا: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيُصْبِحُ جُنُباً، مِنْ جِمَاعٍ غَيْرِ احْتِلَامٍ، ثُمَّ يَصُومُ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا دو ازواج پیغمبر ﷺ روایت کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جماع کی وجہ سے، نہ کہ احتلام سے، حالتِ جنابت میں صبح کرتے، پھر آپ روزہ رکھ لیتے تھے۔

5- بَابٌ: مَاجَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

روزے دار کے لیے بوسہ دینے کی رخصت کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں پانچ روایات ہیں جن میں سے دو مرفوع صحیح سندوں سے ثابت ہیں، باقی تین موقوف ہیں جن میں سے دو صحیح اور ایک ضعیف ہے۔

[590] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَجُلاً قَبَّلَ امْرَأَتَهُ وَهُوَ صَائِمٌ فِي رَمَضَانَ، فَوَجَدَ مِنْ ذَلِكَ وَجْداً شَدِيداً، فَأَرْسَلَ امْرَأَتَهُ تَسْأَلُ لَهُ

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو بوسہ دیا، اس وقت وہ ماہ رمضان میں روزہ رکھے ہوئے تھا، اسے اپنے اس عمل پر سخت قسم کا رنج و غم لاحق ہو گیا، اس نے اپنی اہلیہ کو بھیجا کہ اس کے لیے (کہیں

---

[589] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب اغتسال الصائم، حديث: 1931، 1932، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، حديث: 1109/ 78.

[590] (مرفوع صحيح) احمد: 5/ 434 (24072)، عبدالرزاق: 4/ 184 (7412)، بيهقى فى معرفة السنن والآثار: 3/ 380 (2492)، طحاوى فى شرح معانى الآثار: 2/ 94، الشافعى فى الرسالة: 404، وفى المسند: 1/ 452۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

عَنْ ذَلِكَ ، فَدَخَلَتْ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهَا, فَأَخْبَرَتْهَا أُمُّ سَلَمَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ ، فَرَجَعَتْ فَأَخْبَرَتْ زَوْجَهَا بِذَلِكَ ، فَزَادَهُ ذَلِكَ شَرًّا وَقَالَ : لَسْنَا مِثْلَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اللّٰهُ ، يُحِلُّ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَا شَاءَ ، ثُمَّ رَجَعَتِ امْرَأَتُهُ إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ ، فَوَجَدَتْ عِنْدَهَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مَا لِهَذِهِ الْمَرْأَةِ؟ فَأَخْبَرَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : أَلَّا أَخْبَرْتِيهَا إِنِّي أَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَالَت :قَدْ أَخْبَرْتُهَا ، فَذَهَبَتْ إِلَى زَوْجِهَا فَأَخْبَرَتْهُ ، فَزَادَهُ ذَلِكَ شَرًّا وَقَال: لَسْنَا مِثْلَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ, اللّٰهُ يُحِلُّ لِرَسُولِهِ ﷺ مَا شَاءَ ، فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ : وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ ، وَأَعْلَمُكُمْ بِحُدُودِهِ .

سے) یہ مسئلہ پوچھے، اس کی بیوی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں آئی اور ان کے سامنے یہ ماجرا ذکر کیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اسے بتایا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ بھی حالت روزہ میں بوس و کنار فرما لیتے ہیں۔ وہ عورت اپنے خاوند کے پاس واپس آئی اور اسے یہ خبر سنائی، لیکن اس خبر نے اس کے رنج اور بے چینی میں اضافہ کر دیا، وہ کہنے لگا کہ ہم تو رسول اللہ ﷺ کی طرح نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لیے جو چاہیں حلال فرما دیں (یہ انھی کا خاصہ ہے)، اس کی بیوی پھر دوبارہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تو اس نے ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کو پالیا، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ ''اس عورت کو کیا مسئلہ درپیش ہے؟'' سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو (سارا معاملہ) بتادیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اسے بتایا نہیں کہ میں بھی ایسا کر لیتا ہوں؟'' انھوں نے کہا کہ میں نے اسے بتادیا تھا، یہ (جب) اپنے خاوند کے پاس (واپس) گئی اور اسے خبر دی تو اس خبر نے اس کے رنج والم میں مزید اضافہ کر دیا اور وہ کہنے لگا کہ ہم تو رسول اللہ ﷺ کی طرح نہیں ہیں، (کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لیے جو چاہتا ہے حلال فرما دیتا ہے (خواہ وہ کام امت کے لیے حرام ہی ہو، یہ سنا) تو رسول اللہ ﷺ غصے میں آ گئے اور فرمانے لگے: ''اللہ کی قسم! بے شک میں تم سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اس کی حدود کا علم رکھنے والا ہوں۔''

فائدہ :...... اگرچہ امام مالک رحمہ اللہ ہر بوڑھے اور جوان کے لیے ماہِ رمضان میں بیوی سے بوس و کنار کو مکروہ جانتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، اور جمہور نوجوان کے لیے اسے مکروہ سمجھتے ہیں، لیکن یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ سب کے لیے حالت صوم میں یہ عمل جائز ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا موقف ہے، بشرطیکہ آدمی کو اپنی حاجت پر کنٹرول حاصل ہو، البتہ اگر یہ خطرہ ہو کہ ایسا کرنے سے مباشرت تک نوبت پہنچ جائے گی تو پھر یہ عمل مکروہ ہے...... پھر اتنی بات پر تو فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بوسہ دے اور مزید کسی بھی صورتحال سے بچا رہے تو اس پر کچھ لازم نہیں، لیکن اگر اس عمل سے شہوت کی بنا پر مذی خارج ہوگئی تو حنفیہ و شافعیہ کے ہاں کچھ لازم نہیں آتا، امام مالک رحمہ اللہ

کے ہاں اگر چہ روزہ ٹوٹتا تو نہیں لیکن آدمی پر قضا لازم ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو اس مذی سے روزہ ہی ٹوٹ جاتا ہے......اور اگر بوس و کنار کرتے کرتے انزال ہو جائے تو پھر یہ فقہاء روزہ فاسد ہو جانے کے قائل ہیں حالانکہ بوس و کنار کو شریعت میں جماع نہیں کہا جاتا اور روزہ تو جماع سے ٹوٹتا ہے، ذکاوت حس اور کمزور قوتِ امساک والے شخص کے لیے بہتر تو یہی ہے کہ وہ حالت صوم میں بوس و کنار نہ کرے لیکن اگر وہ ایسا کر لے اور صرف اس عمل سے اس کی منی خارج ہو جائے تو ہمارے نزدیک اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا جس طرح کہ احتلام سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، چنانچہ ابوشعثاء جابر بن زید بصری رحمہ اللہ کے فتویٰ (بخاری: 1927) سے معلوم ہوتا ہے کہ منی تو بعض اوقات صرف دیکھنے سے بھی خارج ہو جاتی ہے اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

[591] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ وَهُوَ صَائِمٌ . ، ثُمَّ ضَحِكَتْ .

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو بوسہ دیتے تھے، حالانکہ آپ ﷺ روزہ دار ہوتے تھے، (یہ بیان کر کے) پھر وہ مسکرا دیں۔

فائدہ : ......دراصل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود کو مراد لیتی تھیں اور بوجہ حیا کے نام نہ لیتی تھیں۔

[592] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ : أَنَّ عَاتِكَةَ ابْنَةَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، امْرَأَةَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، كَانَتْ تُقَبِّلُ رَأْسَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَهُوَ صَائِمٌ، فَلَا يَنْهَاهَا .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہا (اپنے خاوند) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دیتیں، اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہوتے تھے لیکن وہ بیگم کو اس سے منع نہ فرماتے۔

[593] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ

عائشہ بنت طلحہ سے روایت ہے کہ وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ

[591] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب القبلة للصائم، حديث: 1928، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب بيان ان القبلة فى الصوم ليست محرمة......، حديث: 1106، ابوداود: 2382 - 2384، ترمذی: 727، نسائی فی الكبری: 3053، ابن ماجه: 1683، 1684، احمد: 6/ 207 (26251)، دارمی: 1722.

[592] (موقوف ضعيف) مصنف ابن ابی شيبه: 3/ 61، عبدالرزاق: 4/ 187، ابن سعد: 8/ 266۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[593] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 4/ 183 (7411)، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 2/ 95، ابن حزم فی المحلی: 6/ 211، ابن عساكر فی تاريخ دمشق: 73/ 189۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

مَـوْلَـى عُـمَـرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ ، أَنَّ عَائِشَةَ بِنْتَ طَـلْحَةَ أَخْبَرَتْهُ ، أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، فَـدَخَـلَ عَلَيْهَا زَوْجُهَا هُنَالِكَ ، وَهُـوَ عَبْـدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ ، وَهُوَ صَائِمٌ ، فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ : مَا يَـمْـنَـعُكَ أَنْ تَـدْنُـوَ مِـنْ أَهْـلِكَ فَتُـقَـبِّـلَهَـا وَتُـلَاعِبَهَا ، فَقَالَ أُقَبِّلُهَا وَأَنَا صَائِمٌ ؟ قَالَتْ : نَعَمْ .

پیغمبر ﷺ کے پاس تھیں، (اتنے میں) ان کے پاس وہیں اس (عائشہ بنت طلحہ رحمہا اللہ) کے خاوند بھی آ گئے اور وہ عبداللہ رحمہ اللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے) تھے، وہ اس وقت روزے کی حالت میں تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: تمھیں اس سے کون سی چیز روکتی ہے کہ اپنی بیوی کے قریب جاؤ، اسے بوسہ دو اور اس سے کھیلو؟ وہ کہنے لگے کہ کیا میں روزے کی حالت میں اسے بوسہ دے سکتا ہوں؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں۔

فائدہ :......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد مسئلے کی نوعیت بیان کرنا اور ایک شرعی رخصت امت تک پہنچانا تھا۔

[594] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَـمَ : أَنَّ أَبَـا هُرَيْرَةَ وَسَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ كَانَا يُرَخِّصَانِ فِي الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ .

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما روزے دار کے لیے بوسہ دینے کی رخصت دیتے تھے۔

6- بَابٌ: مَاجَاءَ فِي التَّشْدِيْدِ فِي الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

روزے دار کے حق میں بوسہ دینے پر سخت وعید کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، ایک حدیث نبوی، دو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور ایک اثر تابعی ہے اور سب کی اسانید صحیح ہیں۔

فائدہ :...... چونکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہر بوڑھے یا جوان روزہ دار کے لیے خصوصاً ماہِ رمضان میں بیوی کو بوسہ دینا مکروہ ہے، اس لیے انھوں نے اپنے موقف کی ترجیح کی خاطر ایک مستقل باب قائم کر کے کچھ روایات بطور دلیل ذکر کی ہیں۔

[595] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ :

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ

---

[594] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 4/ 185 (7421) ، ابن ابی شیبہ: 9394۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے موقوف صحیح قرار دیا ہے۔

[595] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب المباشرة للصائم، حديث: 1927، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب بيان ان القبلة فى الصوم ليست ممنوعة، حديث: 1106/ 64 - 68، ابوداود: 2382، ترمذی: 729، نسائی فی الكبری: 3055، ابن ماجه: 1684، احمد: 6/ 44 .

أَنَّ عَـائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَـانَتْ إِذَا ذَكَرَتْ أَنَّ رَسُـولَ اللّٰهِ ﷺ كَـانَ يُـقَبِّـلُ وَهُوَ صَائِمٌ تَقُولُ : وَأَيُّكُمْ أَمْلَكُ لِنَفْسِهِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ .

پیغمبر ﷺ جب یہ بیان کرتیں کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں بوسہ دیا کرتے تھے تو (ساتھ ہی یہ بھی) فرمایا کرتی تھیں کہ بھلا تم میں سے کون ہے جو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر خود پر قابو پانے والا ہو؟

فائدہ :......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا شرعی مسئلہ بھی بیان کرتیں اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کرتیں کہ رسول اللہ ﷺ تو اپنی حاجت وخواہش پر مکمل کنٹرول رکھتے تھے جبکہ باقی لوگوں میں یہ صفت اتنی کامل نہیں، اس لیے جس قدر ممکن ہو حالتِ روزہ میں بوس وکنار سے احتیاط ہی بہتر ہے۔

[596] قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : قَالَ هِشَامُ بْنُ عُـرْوَةَ : قَـالَ عُرْوَةُ بْـنُ الـزُّبَيْـرِ: لَمْ أَرَ الْقُبْلَةَ لِلصَّائِمِ تَدْعُو إِلَى خَيْرٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہشام بن عروہ رحمہ اللہ نے (اپنے والد صاحب کے متعلق) بتایا تھا کہ عروہ بن زبیر نے فرمایا تھا: میں نہیں سمجھتا کہ روزہ دار کے بوسہ دینے کا عمل کسی بھلائی (اور اچھے نتیجے) کی طرف لے جاتا ہو۔

فائدہ :......یعنی اس عمل میں خطرہ ہی خطرہ ہے، دراصل محدثین کرام عام لوگوں کی صورتحال دیکھ کر اس طرح کے الفاظ سے صرف یہ تنبیہ کرتے تھے کہ عامۃ الناس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ حرام اور ممنوع فعل کے اسباب اور ذرائع سے دور ہی رہیں، لیکن چونکہ یہ عمل بہرحال رسول اللہ ﷺ سے ثابت تو ہے اس لیے صریح الفاظ کے ساتھ اس سے منع نہ کرتے تھے۔

[597] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْـلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّـاسٍ سُـئِلَ عَنِ الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ ، فَأَرْخَصَ فِيهَا لِلشَّيْخِ ، وَكَرِهَهَا لِلشَّابِّ .

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روزہ دار کے حق میں بوسہ دینے کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے اس بارے میں بوڑھے آدمی کے لیے رخصت دی اور نوجوان شخص کے لیے اسے مکروہ جانا۔

---

[596] (مقطوع صحیح) بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 3/ 383۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

[597] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 4/ 232 (8087)، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 383 (2500)، طحاوی فی شرح معانی الآثار: 2/ 95، عبدالرزاق: 7418، ابن ابی شیبه: 9432۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[598] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَنْهَى عَنِ الْقُبْلَةِ وَالْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روزہ دار کے لیے (بیوی کو) بوسہ دینے اور اس کے ساتھ جسم ملانے سے بھی منع کرتے تھے۔

فائدہ: ...... یہ مذکورہ بالا تمام فتاویٰ جات سد ذرائع کے قبیل سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں مباشرت سے مراد لغوی معنی (جسم سے جسم ملانا) ہیں، یہ عمل اگرچہ روزدار کے لیے جائز تو ہے لیکن اس کے خطرات بوس وکنار سے بھی زیادہ ہیں۔

7- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ

سفر میں روزہ رکھنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چھ روایات ہیں جن میں سے چار مرفوع (احادیث نبویہ)، ایک موقوف (اثر صحابی) اور ایک مقطوع (اثر تابعی) ہے اور سب کی اسانید صحیح ہیں۔

فائدہ: ...... جمہور کے نزدیک سفر میں روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں جائز ہیں، البتہ داود ظاہری کے نزدیک روزہ نہ رکھنا واجب ہے جمہور کے ہاں جائز تو دونوں عمل ہیں لیکن امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مشقت محسوس نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر مشقت ہو تو چھوڑنا افضل ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہر حال میں روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے، جمہور کا موقف راجح محسوس ہوتا ہے۔

[599] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ فِي رَمَضَانَ، فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ الْكَدِيدَ، ثُمَّ أَفْطَرَ، فَأَفْطَرَ النَّاسُ، وَكَانُوا يَأْخُذُونَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال ماہِ رمضان میں مکہ کی طرف نکلے تو آپ ﷺ روزہ رکھتے رہے، یہاں تک کہ جب آپ کدید کے مقام پر پہنچے تو (لوگوں کی مشقت دیکھ کر عصر کے بعد) روزہ کھول دیا، چنانچہ لوگوں نے بھی روزہ ختم کر دیا۔ (امام مالک رحمہ اللہ کے شیخ امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) صحابہ

---

[598] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 4/ 186 (7423، 7438)، ابن ابی شیبہ: 3/ 62(9413)، بیهقی: 4/ 232 (8089)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[599] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب اذا صام ایامامن رمضان ثم سافر، حدیث: 1944، 1948، 4275 - 4279، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان للمسافر، حدیث: 1113، نسائی: 2289، احمد: 1/ 219(1892)، دارمی: 1808.

بِالأَحْدَثِ فَالأَحْدَثِ مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللّٰهِ . کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں سے جو آخر آخر میں وقوع پذیر ہوتا اسے اختیار کر لیتے تھے۔

فائدہ : ...... ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام کے متعلق ثابت شدہ دو طریقوں میں سے پہلا منسوخ اور دوسرا ناسخ شمار ہوتا ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ فیصلہ ہے کہ سب سے پہلے دونوں طریقوں میں تطبیق اور موافقت کی کوئی صورت ڈھونڈی جائے گی، اگر وہ ممکن نہ ہو تو پھر ناسخ ومنسوخ سے معاملہ حل کریں گے، چنانچہ سفر میں روزہ رکھنے کو صرف امام زہری رحمہ اللہ منسوخ قرار دیتے ہیں جبکہ باقی سب کے نزدیک دوران سفر روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں طرح درست ہے......اس مذکورہ حدیث میں جو کہ بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ توڑنے کی جگہ کا نام ''کدید'' مذکور ہے جو مکہ سے دو یا تین مرحلوں کے فاصلے پر واقع ہے، ایک دن کے سفر کو مرحلہ کہتے ہیں، بعض نے کدید اور مکہ کا درمیانی فاصلہ بیالیس میل ذکر کیا ہے، بعض روایات میں روزہ توڑنے کے مقام کا نام عسفان (بخاری ومسلم)، بعض میں كُرَاعُ الْغَمِيم (مسلم) اور بعض میں ''قُدَيد'' (احمد، نسائی) مذکور ہے، دراصل یہ تمام جگہیں قریب قریب ہی ہیں۔ قافلہ جہاد دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھا اور لوگ اس کثیر تعداد کے حساب سے مختلف جگہوں پر ٹھہرے ہوئے تھے، ان میں سے مرکزی جگہ عسفان ہے، باقی اس کے مضافات ہیں، كُرَاعُ الْغَمِيم عُسفان کے سامنے چند میل دور ایک پہاڑ کا نام ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کدید ایک چشمے کا نام ہے جو عسفان اور قدید کے درمیان واقع ہے۔ (بخاری : 1944)

[600] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ النَّاسَ فِي سَفَرِهِ عَامَ الْفَتْحِ بِالْفِطْرِ وَقَالَ: تَقَوَّوْا لِعَدُوِّكُمْ وَصَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أَبُو بَكْرٍ: قَالَ الَّذِي حَدَّثَنِي: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَى

ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال اپنے (اسی فتح مکہ کے) سفر میں لوگوں کو روزہ کھول دینے کا حکم دیا اور فرمایا: ''دشمن (کے مقابلے) کے لیے قوت حاصل کرلو'' البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود روزہ رکھتے رہے، ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کرنے والے صحابی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یقیناً میں نے عرج نامی جگہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پیاس یا گرمی کی وجہ سے اپنے سر

[600] (مرفوع صحيح) سنن ابي داود، كتاب الصيام، باب الصائم يصب عليه الماء من العطش، حديث: 2365، احمد: 3/ 475 (15998)، نسائي في السنن الكبرى: 2/ 196 (3029)، بيهقي: 4/ 424۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

رَأْسِهِ مِنَ الْعَطَشِ، أَوْ مِنَ الْحَرِّ، ثُمَّ قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ طَائِفَةً مِنَ النَّاسِ قَدْ صَامُوا حِينَ صُمْتَ، قَالَ: فَلَمَّا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالْكَدِيدِ، دَعَا بِقَدَحٍ فَشَرِبَ، فَأَفْطَرَ النَّاسُ.

مبارک پر پانی انڈیل رہے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ چونکہ آپ نے روزہ رکھا ہوا ہے اس لیے لوگوں میں سے ایک جماعت نے بھی روزہ رکھا ہوا ہے، وہ صحابی کہتے ہیں کہ پھر جب رسول اللہ ﷺ کدید جگہ پر پہنچ گئے تو ایک پیالہ منگوایا پھر (پانی) نوش فرما لیا تو لوگوں نے بھی روزہ توڑ دیا۔

فائدہ :......حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ لوگوں پر روزہ مشکل ہو چکا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے دن کے وقت عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگوایا اور سب کے سامنے روزہ توڑ دیا لیکن کچھ لوگ بدستور حالت روزہ میں رہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ نافرمان ہیں، یہ نافرمان ہیں۔'' (مسلم: 1114) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سواری پر بیٹھے بیٹھے روزہ توڑا تھا۔ (بخاری: 4277) موطا کی روایت میں صحابی کا نام مذکور نہیں ہے جس سے روایت کے صحیح ہونے پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عدول ہیں۔

[601] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: سَافَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ، فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ، وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ماہِ رمضان میں سفر پر نکلے تو نہ روزہ رکھنے والے نے روزہ نہ رکھنے والے پر عیب لگایا اور نہ ہی روزہ چھوڑنے والے نے روزہ رکھنے والے پر کوئی عیب لگایا۔

[602] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الأَسْلَمِيَّ، قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: يَا

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں

[601] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب لم یعب اصحاب النبی ﷺ بعضهم بعضا فی الصوم، حدیث: 1947، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان للمسافر، حدیث: 1118، ابوداؤد: 2405.

[602] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الصوم فی السفر والافطار، حدیث: 1943، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر، حدیث: 1121، ابوداود: 2402، ترمذی: 711، نسائی: 2306 – 2310، ابن ماجه: 1662، احمد: 6/ 46 (24700)، دارمی: 1707.

رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّی رَجُلٌ أَصُومُ، أَفَأَصُومُ فِی السَّفَرِ ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : إِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ

ایک ایسا شخص ہوں جو (کثرت سے) روزہ رکھتا ہوں، تو کیا میں سفر میں روزہ رکھ سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو روزہ رکھ لو اور اگر چاہو تو روزہ چھوڑ دو۔''

فائدہ : ......ایک روایت میں ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے سوال میں یہ بھی کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے اندر سفر میں روزہ رکھنے کی قوت محسوس کرتا ہوں تو کیا مجھ پر کوئی حرج تو نہ ہوگا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اللہ کی طرف سے ایک رخصت ہے، جس نے اسے لے لیا تو یہ بہت اچھی بات ہے اور جو پھر بھی روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔'' (مسلم : 1121/ 107) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ماہِ رمضان کے ایک سخت گرم دن میں پورے قافلے میں سے صرف نبی کریم ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ روزہ رکھے ہوئے تھے۔ (بخاری: 1945، مسلم : 1122) ان روایات سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ فتح مکہ کے سفر میں آپ ﷺ کا روزہ نہ توڑنے والوں کو نافرمان قرار دینا صرف اسی سفر میں خاص تھا اور جن روایات میں یہ بات مذکور ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی ہی نہیں ہے (بخاری: 1946، مسلم: 1115) تو یہ اس شخص کے متعلق ہے جس کے لیے سفر کا روزہ باعث مشقت ہو لیکن وہ پھر بھی روزہ نہیں چھوڑتا اور دوسرے ساتھیوں کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔

[603] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَصُومُ فِی السَّفَرِ .

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔

[604] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ فِی رَمَضَانَ وَنُسَافِرُ مَعَهُ، فَيَصُومُ عُرْوَةُ وَنُفْطِرُ نَحْنُ، فَلَا يَأْمُرُنَا بِالصِّيَامِ .

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے باپ (عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ماہِ رمضان میں سفر کرتے تھے اور ہم بھی ان کے ساتھ سفر کرتے، چنانچہ عروہ رحمہ اللہ تو روزہ رکھتے اور ہم روزہ چھوڑ دیتے تو وہ ہمیں روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔

---

[603] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 2/ 565 (4476)، ابن ابی شیبہ: 8970۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[604] (مقطوع صحیح) عبدالرزاق:2/ 568 (4489) الفریابی فی الصیام:94/ 116۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

8- باب مَايَفْعَلُ مَنْ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ اَوْ اَرَادَهٗ فِيْ رَمَضَانَ

ماہِ رمضان میں وہ شخص کیا کرے جو سفر سے واپس پہنچے یا سفر (شروع کرنے) کا ارادہ کرے۔

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت ہے جو کہ ضعیف ہے، امام صاحب کے تین فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[605] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ فِي رَمَضَانَ، فَعَلِمَ أَنَّهُ دَاخِلٌ الْمَدِينَةَ مِنْ أَوَّلِ يَوْمِهِ, دَخَلَ وَهُوَ صَائِمٌ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب ماہِ رمضان میں سفر کر رہے ہوتے، پھر (اگر) ان کو (واپس آتے ہوئے) معلوم ہوجاتا کہ وہ (طلوع فجر کے بعد یعنی روزہ شروع ہونے کے بعد) دن کے شروع حصے میں مدینہ منورہ میں داخل ہوجائیں گے تو وہ روزہ رکھ کر داخل ہوتے۔

فائدہ: ......یعنی جب انھیں یہ معلوم ہوجاتا کہ آئندہ دن میں سفر ختم ہوجائے گا، صرف اس دن کا ابتدائی حصہ شہر سے باہر سفر میں گزرے گا، جبکہ دن کا بقیہ حصہ گھر میں حالت اقامت میں گزرے گا تو وہ اس دن کا روزہ رکھ لیتے تھے ......دراصل اگر کوئی شخص فجر ہونے سے پہلے ہی شہر میں داخل ہوجائے اور اسے اپنے علاقے میں سحری کا وقت مل جائے، جہاں وہ نماز قصر نہیں کرسکتا کیونکہ وہاں سفر کے احکامات اس سے ختم ہوجاتے ہیں تو اب وہ روزہ بھی ترک نہیں کر سکتا۔ رہا یہ مسئلہ کہ سحری کا وقت حالت سفر میں گزر جائے اور دن کا زیادہ حصہ حالت اقامت میں گزرنا ہو جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں گزرا ہے تو ایسی صورت میں روزہ رکھنا واجب نہیں بلکہ صرف اور صرف مستحب ہے، کیونکہ جس وقت روزے نے واجب ہونا ہوتا ہے اس وقت آدمی مسافر ہوتا ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: مَنْ كَانَ فِي سَفَرٍ، فَعَلِمَ أَنَّهُ دَاخِلٌ عَلَى أَهْلِهِ مِنْ أَوَّلِ يَوْمِهِ، وَطَلَعَ لَهُ الْفَجْرُ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ، دَخَلَ وَهُوَ صَائِمٌ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ماہِ رمضان میں سفر کر رہا ہو، پھر اسے پتہ چل جائے کہ وہ اپنے (آنے ولے) دن کے شروع حصے میں اپنے اہل وعیال میں آجائے گا، لیکن (ان کے پاس) داخل ہونے سے پہلے پہلے اس پر فجر طلوع ہوجاتی ہے (اور سحری کا وقت ختم ہوجاتا ہے تو پھر بھی) وہ روزہ رکھ کر ہی داخل ہو (کیونکہ یہی مستحب ہے)۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ فِي رَمَضَانَ،

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب (کوئی شخص) ماہِ

[605] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

فَطَلَعَ لَهُ الْفَجْرُ وَهُوَ بِأَرْضِهِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ، فَإِنَّهُ يَصُومُ ذَلِكَ الْيَوْمَ.

رمضان میں (سفر کے لیے) نکلنے کا ارادہ کرے لیکن اس کے لیے فجر اس حال میں طلوع ہوجاتی ہے کہ وہ (سفر میں) نکلنے سے پہلے (ابھی) اپنے علاقے ہی میں ہے تو وہ اس دن کا روزہ رکھے گا۔

فائدہ: ...... کیونکہ اختتام سحری اور وجوب صوم کے وقت وہ گھر ہی میں حالت اقامت میں ہوتا ہے اور یہ بات حتمی ہے کہ سفر کا ارادہ کرنے کے باوجود جب تک آدمی اپنے علاقے کے آخری گھر سے آگے نکل نہیں جاتا اس پر مسافر کے احکامات لاگو نہیں ہوتے، نہ وہ نماز قصر کرسکتا ہے اور نہ روزہ چھوڑ سکتا ہے، ہاں سفر حالت صوم میں شروع کرنے کے بعد اگر روزہ نبھانا مشکل ہوجائے تو اسے توڑا جاسکتا ہے......امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سفر میں نکلنے کے بعد بھی اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز نہیں کیونکہ اس دن کے آغاز میں اس پر روزہ واجب ہو چکا تھا، لیکن اگر وہ روزہ چھوڑ دے تو امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں تو اس پر کوئی کفارہ نہیں لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کفارے کے بھی قائل ہیں ......اس بارے میں راجح موقف امام احمد رحمہ اللہ کا ہے کہ چونکہ روزہ واجب ہوتے وقت وہ مسافر نہیں تھا اس لیے وہ اس دن کا آغاز تو روزہ رکھ کر ہی کرے گا لیکن جب وہ سفر میں نکل گیا تو اس پر روزہ پورا کرنا واجب نہ رہا لہٰذا وہ توڑنا چاہے تو توڑ کر بعد میں قضا کرسکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَقْدَمُ مِنْ سَفَرِهِ وَهُوَ مُفْطِرٌ، وَامْرَأَتُهُ مُفْطِرَةٌ حِينَ طَهُرَتْ مِنْ حَيْضِهَا فِي رَمَضَانَ: أَنَّ لِزَوْجِهَا أَنْ يُصِيبَهَا إِنْ شَاءَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو سفر سے اس حال میں واپس آتا ہے کہ اس کا روزہ نہیں ہوتا اور اس کی بیوی بھی (اس دن) حیض سے (تازہ تازہ) پاک ہونے کے وقت روزہ رکھے ہوئے نہیں ہوتی تو اس کے خاوند کے لیے جائز ہے کہ اگر چاہے تو اس سے ہم بستری کرلے۔

فائدہ: ......مباشرت کرنا ماہِ رمضان کے تقدس کے خلاف نہیں ہے چنانچہ جس طرح رمضان کی راتوں میں ہم بستری جائز ہے اسی طرح مذکورہ بالا صورت میں دن کے وقت بھی جائز ہے، نیز جیسے مذکورہ صورت میں دن کے وقت کھانا پینا جائز ہے، ایسے ہی جماع بھی درست ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے اور یہی راجح ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بقیہ دن میں اس عمل سے رکنا واجب ہے۔

9- بَابٌ: كَفَّارَةُ مَنْ اَفْطَرَ فِيْ رَمَضَانَ

رمضان میں (جان بوجھ کر) روزہ توڑنے والے کا کفارہ

خلاصۃ الباب: اس باب میں دو مرفوع روایات ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، نیز امام

مالک ؒ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[606] حَـدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَـابٍ ، عَـنْ حُـمَيْـدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَـوْفٍ ، عَـنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَجُلاً أَفْطَرَ فِي رَمَـضَـانَ ، فَـأَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُـكَفِّرَ بِـعِتْـقِ رَقَبَةٍ ، أَوْ صِيَامِ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ، أَوْ إِطْـعَامِ سِتِّينَ مِسْكِيناً . فَقَالَ : لا أَجِدُ ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِـعَرَقِ تَمْرٍ ، فَقَالَ : خُذْ هٰذَا فَتَـصَـدَّقْ بِـهِ فَـقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، مَا أَحَدٌ أَحْـوَجَ إِلَيْـهِ مِنِّي . فَضَحِكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ، ثُمَّ قَالَ : كُلْهُ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ماہِ رمضان میں روزہ توڑ ڈالا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ ایک گردن (غلام یا لونڈی) آزاد کر کے کفارہ دے یا دو مہینوں کے لگا تار روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، وہ آدمی کہنے لگا کہ میں (ان میں سے کسی بھی کفارے کی ادائیگی کی طاقت) نہیں پاتا، (اسی اثنا میں) رسول اللہ ﷺ کے پاس خشک کھجوروں کا ایک ٹوکرا (جسے عربی میں عرق کہتے ہیں) لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے پکڑو اور اسے صدقہ کر دو (تو تمھارا تیسری قسم کا کفارہ یعنی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی شکل میں کفارہ ادا ہو جائے گا)، وہ آدمی کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے تو اپنے سے زیادہ کوئی محتاج نظر نہیں آتا تو (اس کی یہ بات سن کر) رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی انیاب (نوکیلے دانت کچلیاں) نظر آنے لگیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ہی اسے کھالو۔''

[607] وَحَـدَّثَـنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ عَبْدِ الـلّٰـهِ الْـخُـرَاسَـانِيِّ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ قَـالَ : جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَضْرِبُ نَحْرَهُ وَيَنْتِفُ شَعْرَهُ وَيَقُولُ : هَلَكَ الأَبْعَدُ . فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :وَمَا

سعید بن مسیّب ؒ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک اعرابی (صحراء میں رہنے والا) شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس اس حال میں آیا کہ وہ اپنے سینے کو پیٹ رہا تھا اور اپنے بال نوچ رہا تھا اور (اپنے بارے میں) کہہ رہا تھا کہ یہ بدنصیب تو ہلاک ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا:

[606] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب اذا جامع فى رمضان ولم يكن له شئ، حديث: 1936، 1937، 2600، 5368، 6087، 6164، 6709، 6711، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع فى نهار رمضان، حديث: 1111، ابوداود:2392، ترمذی:724، نسائى فى الكبرى:3115، ابن ماجه:1671، احمد:2/ 241(7288) ، دارمی:1716 .

[607] (مرفوع ضعيف) سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب ماجاء فى كفارةمن افطر يومافى رمضان، حديث: 1671، احمد:2/ 208 (6944) ، بيهقى: 4/ 227(8062) ، عبدالرزاق: 4/ 195(7458، 7459) ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ذَاكَ ؟ فَقَالَ : أَصَبْتُ أَهْلِي وَأَنَا صَائِمٌ فِي رَمَضَانَ . فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُعْتِقَ رَقَبَةً ؟ فَقَالَ : لَا فَقَالَ : هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُهْدِيَ بَدَنَةً ؟ قَالَ : لَا قَالَ: فَاجْلِسْ فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِعَرَقِ تَمْرٍ ، فَقَالَ : خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ : مَا أَحَدٌ أَحْوَجَ مِنِّي . فَقَالَ : كُلْهُ ، وَصُمْ يَوْماً مَكَانَ مَا أَصَبْتَ .

''کیا ہوا؟'' کہنے لگا کہ میں نے ماہِ رمضان میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''کیا تو یہ استطاعت رکھتا ہے کہ ایک گردن آزاد کرے؟'' وہ کہنے لگا کہ نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تو طاقت رکھتا ہے کہ ایک اونٹ قربانی کے لیے خانہ کعبہ کی طرف بھیجے؟'' اس نے کہا: نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھ جا'' پھر خشک کھجوروں کا ایک ٹوکرا رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے لے لے اور اس کو صدقہ کر دے۔'' وہ عرض کرنے لگا کہ مجھ سے زیادہ محتاج تو کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کھا لے (اور جس دن تم نے ہم بستری کی تھی اس کی جگہ ایک روزہ (قضا کے طور پر) رکھ لینا۔''

فائدہ: ......ایک صاع تقریباً اڑھائی کلو کا ہوتا ہے، چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے اس سے ماتم اور سینہ کوبی وغیرہ کو ثابت نہیں کیا جا سکتا، نیز نبی مکرم ﷺ نے منع کرتے ہوئے یہ واضح فرما دیا تھا کہ نوحہ کرنے والا یعنی مصیبت کے وقت رخسار پیٹنے والا، گریبان چاک کرنے والا، دور جاہلیت جیسی پکار لگانے والا اور سر کے بال اتارنے والا ہم میں سے نہیں ہے اور آپ ﷺ کا ایسے شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (بخاري: 1296، مسلم: 130) ......اس باب کی پہلی روایت احادیث کی تقریباً تمام کتب میں موجود ہے اور مختلف مسائل کے لحاظ سے نہایت اہم ہے، حتی کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول بعض علماء نے صرف اس حدیث کی شرح میں دو جلدوں پر مشتمل کتاب لکھی اور ایک ہزار مسائل استنباط کیے، ہم صرف پانچ ضروری مسائل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

(1) کیا حدیث میں بیان کردہ صورت میں طاقت نہ رکھنے والے شخص سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک ایک روایت یہ ہے کہ تنگدست شخص سے کفارہ ساقط ہو جائے گا، امام احمد رحمہ اللہ اور حنابلہ کا (نیز امام اوزاعی رحمہ اللہ کا بھی) مشہور و مختار موقف یہی ہے، جبکہ جمہور علماء و فقہاء یعنی امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور اور راجح موقف (حتی کہ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت) یہ ہے کہ عاجز اور فقیر سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا اور یہی راجح ہے کیونکہ حدیث کے شروع والے الفاظ بالکل واضح ہیں کہ اس شخص نے صراحتاً بتا دیا تھا کہ وہ تینوں قسم کے کفاروں کی استطاعت نہیں رکھتا لیکن پھر بھی جب کھجوروں کا ٹوکرا آیا تو نبی ﷺ نے اسے کفارے کے طور پر صدقہ کرنے کا حکم دیا، نیز دوسرے جرائم کے کفارے بھی تو عاجز شخص سے ساقط نہیں ہوتے لہٰذا یہ کفارہ بھی ساقط نہیں ہوگا...... یہ ثابت ہو جانے کے بعد جمہور دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، ایک گروہ کا مؤقف یہ

ہے کہ اس شخص کا گھر والوں پر کھجوریں خرچ کر دینا صدقے کے طور پر تھا، کفارے کے طور پر نہ تھالہٰذا اسے جب استطاعت ملتی اس پر کفارہ ادا کرنالازم ہوتا، جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اس شخص کا خود کو اور گھر والوں کو کھجوریں کھلانا ہی کفارے کے طور پر تھا (جیسا کہ دارقطنی کی ایک روایت میں بھی اس کی تائید موجود ہے)، اور یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر بعد میں بھی اس پر کفارے کی ادائیگی لازم ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس کا بھی ضرور تذکرہ کرتے جس طرح کہ آپ نے باقی تفصیلی گفتگو کھول کر کی تھی ......نیز جو فقہاء اس واقعے کو صرف اس صحابی کے ساتھ خاص یا منسوخ قرار دیتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ غریب ومسکین شخص پر کوئی کفارہ لازم ہو اور اسے کہیں سے کفارے کی ادائیگی کے لیے مال مل جائے تو از روئے مجبوری وہ اس کفارے کے مال کو خود پر اور اہل وعیال پر خرچ کرسکتا ہے۔ واللہ اعلم (2) ماہ رمضان میں روزہ رکھ کر عمداً ہم بستری کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کو کفارہ دینا پڑے گا کیونکہ جو احکامات مردوں کے لیے ثابت ہیں وہی عورتوں کے لیے بھی ہوتے ہیں، الا یہ کہ مردوں کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل ثابت ہو جائے۔ رہا یہ اعتراض کہ نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کی بیوی کے متعلق مسئلہ کیوں نہ بتایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے متعلق آپ ﷺ سے سوال ہی نہ پوچھا گیا تھا اور نبی پاک علیہ السلام نے بھی یہ مسئلہ نہ اٹھایا کیونکہ عورتوں کو مختلف وجوہات کی بنا پر ماہ رمضان میں روزے ترک کرنا پڑتے ہیں مثلاً حیض کی وجہ سے، حمل کی حالت میں اور دودھ پلانے کی مدت میں کمزوری محسوس کرنے کی وجہ سے۔ بہرحال جمہور یعنی امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے اور یہی راجح ہے، صرف شوافع کے ہاں مذکورہ بالا عورت پر کفارہ نہیں۔ (3) وہ گناہ جس پر شرعی حد مقرر نہ ہو، اس کا ارتکاب کرنے والا اگر خود ہی نادم ہو کر عدالت کے روبرو حاضر ہو جائے اور اعتراف جرم کرلے تو اسے تعزیری سزا بھی نہیں دی جائے گی کیونکہ تعزیر کا مقصد بندے کی اصلاح کرنا ہوتا ہے اور مذکورہ شخص تو خود ہی نادم ہو کر اپنی اصلاح کی طرف گامزن ہو چکا ہوتا ہے۔ (4) قصداً جماع سے روزہ توڑنے پر کفارہ لازم ہونے کے متعلق تمام مسالک کے فقہاء کا اتفاق ہے لیکن عمداً کھانے اور پینے کے ساتھ اگر روزہ توڑا جائے تو اگرچہ اس پر قضائی لازم ہے، (ابوداود: 2393، ابن ماجہ: 1671۔ اس کی سند صحیح ہے۔) لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جماع پر قیاس کرتے ہوئے اسی مذکورہ کفارے کے قائل ہیں اور بعض مجمل اور مختصر روایات سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، اہل ظاہر اور اہل حدیث کے ہاں یہ کفارہ صرف جماع کے ساتھ روزہ توڑنے کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس موضوع کے متعلق تفصیلی اور صحیح سندوں والی روایات میں صرف جماع ہی کا تذکرہ ہے اور یہ بات حقیقت ہے کہ کسی فریضے کی ادائیگی کے دوران حرام کیے جانے والے کاموں کی حیثیت یکساں نہیں ہوتی کہ ان کو ایک دوسرے پر قیاس کیا جائے، جس طرح کہ حج کے دوران حالت احرام میں جماع کرنا، بال اور ناخن کاٹنا، خوشبو لگانا اور شکار کرنا وغیرہ سب حرام ہیں لیکن تمام کی حیثیت الگ الگ ہے۔ (5) جو شخص ماہِ رمضان

میں بھول کر ہمبستری کر لے تو جمہور (امام شافعی رحمہ اللہ، احناف، اہل حدیث اور مشہور روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ) کے نزدیک نہ اس کا روزہ ٹوٹتا ہے، نہ اس پر قضا ہے اور نہ کفارہ، امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ اس پر قضائی لازم ہے لیکن کفارہ نہیں، جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں، عمداً ہم بستری کرنے والے ہی کی طرح ......ہمارے نزدیک جمہور کا موقف راجح ہے کہ نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ کچھ اور لازم آتا ہے، اگر چہ حالت صوم میں بھول کر جماع کرنے کی نوبت بھی شاذ و نادر ہی آتی ہے لیکن بہرحال نسیان کے پتلے انسان سے ہر بھول ممکن ہے اور فرمان نبوی ہے: ((اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَأَ وَالنِّسْیَانَ وَمَا اسْتُکْرِھُوْا عَلَیْہِ)) ''یقیناً اللہ نے میری امت سے خطا کو اور نسیان کو معاف فرما دیا ہے اور اس کو بھی جس پر انھیں مجبور کیا جائے'' (ابن ماجه: 2045، بيهقي: 7/ 356، ابن حبان: 1498، ارواء الغليل: 82 (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) ۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اسی طرح ایک دوسری حدیث مبارکہ کے الفاظ کے عموم سے بھی یہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ أَفْطَرَ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ نَاسِیًا فَلَا قَضَاءَ عَلَیْہِ وَلَا کَفَّارَۃَ)) ''جس کسی نے ماہ رمضان میں بھول کر روزہ توڑ ڈالا اس پر نہ کوئی قضا ہے اور نہ کفارہ'' (مستدرك حاكم: 1/ 430، ص 237، بيهقي: 4/ 229، ابن خزيمه: 3/ 239، ابن حبان، طبراني۔ اس کی سند صحیح ہے، فتح الباري: 4/ 157) اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ((وَقَالَ الْحَسَنُ وَمُجَاھِدٌ اِنْ جَامَعَ نَاسِیًا فَلَا شَیْءَ عَلَیْہِ)) ''حسن رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدمی اگر بھول کر ہم بستری کر لے تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہے۔ (بخاري، كتاب الصوم، باب: 26، قبل از حديث: 1933)

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ عَطَاءٌ: فَسَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَمْ فِي ذَلِكَ الْعَرَقِ مِنَ التَّمْرِ، فَقَالَ: مَا بَيْنَ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعاً، إِلَى عِشْرِينَ.

عطاء کہتے ہیں میں نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ اس ٹوکرے (عرق) میں کتنی کھجوریں ہوتی ہیں تو انھوں نے کہا: پندرہ سے بیس ٹوپے تک۔

قَالَ مَالِكٌ: سَمِعْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ: لَيْسَ عَلَى مَنْ أَفْطَرَ يَوْماً فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ، بِإِصَابَةِ أَهْلِهِ نَهَاراً، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ الْكَفَّارَةُ الَّتِي تُذْكَرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِيمَنْ أَصَابَ أَهْلَهُ نَهَاراً فِي رَمَضَانَ، وَإِنَّمَا عَلَيْهِ قَضَاءُ ذَلِكَ الْيَوْمِ. قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ فِيهِ إِلَيَّ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا: جو شخص ماہ رمضان کی قضائی کے دوران دن میں اپنی بیوی سے مباشرت کر کے یا کسی اور طریقے سے کسی دن کا روزہ توڑ ڈالے تو اس پر وہ کفارہ لازم نہیں ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے متعلق ثابت ہے جس نے ماہ رمضان میں اپنی بیوی سے دن کے وقت (حالت صوم میں) جماع کا ارتکاب کیا تھا بلکہ ایسے شخص پر صرف اس

(ایک) دن ہی کی قضا لازم ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں میں نے جو کچھ بھی سنا ہے اس میں سے یہی قول مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔

فائدہ: ......دراصل کفارہ لازم ہونے کا سبب ماہ رمضان میں روزہ رکھ کر جماع کے ذریعے اس مہینے اور فریضے کے تقدس کو پامال کرنا ہے اور جو شخص کسی اور مہینے میں قضائی دے رہا ہوتا ہے وہ اس حرمت و تقدس کی پامالی نہیں کرتا۔

10- بَابٌ: مَا جَاءَ فِي حِجَامَةِ الصَّائِمِ

روزہ دار کو پچھنے لگانے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، دو موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف ہے، اور ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) صحیح ثابت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

فائدہ: ...... (حجامہ کی اہمیت و فضیلت) جسم کے کسی حصے پر زخم لگا کر اس میں سے مخصوص طریقے کے ساتھ خون نکالنا ''حجامہ'' کہلاتا ہے جسے پچھنے لگانا یا سینگی لگانا کہتے ہیں، پچھنے لگوانے یا سینگی لگوانے کو احتجام کہتے ہیں، یہ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس میں یقیناً شفا ہے، (بخاری: 5680- عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) اور یہ سب سے بہترین قسم کے علاجوں میں شامل ہے۔ (بخاری: 5696، مسلم: 1577) معراج کی رات فرشتوں کی ہر جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دے دیجیے گا۔ (ترمذی: 2052، حاکم: 4/ 409- اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً گردن کی دونوں جانب والی رگوں پر اور کندھوں کے درمیان میں پچھنے لگواتے اور چاند کی سترہ، انیس اور اکیس تاریخ کو ایسا کرنا مستحب جانتے تھے اور اس طرح کرنے کو ہر قسم کی بیماری کے لیے شفا قرار دیتے تھے۔ (ابوداود: 3860، ترمذی: 2051، ابن ماجہ 3483 (عن انس رضی اللہ عنہ) ترمذی: 2053 (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) ابوداود: 3861 (عن ابی ھریرۃ) یہ تمام روایات حسن یا صحیح سندوں والی ہیں۔) بعض روایات میں منگل، بدھ اور ہفتے کے دن پچھنے لگوانے سے بچنے کا ذکر ہے لیکن ان کی سندیں ضعیف ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں نہار منہ پچھنے لگوانے کو عمدہ و بہتر اور عقل و حفظ میں خوب اضافے کا باعث قرار دیا گیا ہے، نیز جمعہ، ہفتہ، اتوار اور بدھ کے دنوں میں سینگی لگانے سے پرہیز کرنے اور منگل اور جمعرات کو پچھنے لگوانے کی ترغیب اور خصوصاً جمعرات کے دن بسم اللہ پڑھ کر اور برکت کی دعا کر کے پچھنے لگوانے کی تلقین کی گئی ہے۔ (ابن ماجہ: 3487، الصحیحۃ: 766- اس کی سند حسن لغیرہ ہے)

حجامہ (پچھنے یا سینگی لگانے) کے طریقے: جسم کے کسی بھی حصے پر پچھنے لگوائے جا سکتے ہیں، جسم کا گندا خون، الرجی، زہریلا مواد اور رگوں کا جوش مارنا اس عمل سے فوراً ختم ہونے لگتے ہیں۔ اکثر مسلم علاقوں میں یہ عمل ناپید ہو چکا ہے جو

دین سے دوری اور سنت سے اعراض کی دلیل ہے، حالانکہ کئی غیر مسلم ممالک خصوصاً چین میں اس طریقہ علاج کو خوب ترویج دی جارہی ہے۔آج کل حجامہ کے مختلف طریقے جاری وساری ہیں، مثلاً (1) سب سے جدید طریقہ وہ ہے جو اس مقصد کے لیے تیار شدہ خصوصی آلات سے اختیار کیا جاتا ہے اور وہی سب سے آسان ہے، اس میں شیشے کے چھوٹے بڑے کپ استعمال ہوتے ہیں جن کے پیچھے پلاسٹک کی پن سی بنی ہوتی ہے، وہاں پستول کی شکل میں بنا ہوا ایک پلاسٹک کا آلہ (حجامہ مشین) لگاتے ہیں، جب انگلی سے اس کا بٹن بار بار دباتے ہیں تو جسم پر رکھا ہوا کپ جسم سے چمٹ جاتا ہے اور کچھ گوشت اس میں ابھر کر آجاتا ہے جہاں گندا خون جمع ہونا شروع ہوجاتا ہے، پانچ منٹ بعد کپ کی پن کو حرکت دے کر کپ کو اتار لیتے ہیں اور نشان زدہ جسم کے حصے پر بلیڈ سے ہلکے ہلکے نشان (کٹ) طاق تعداد میں لگا دیتے ہیں خواہ اکیس یا اکتیس یا انچاس یا کم وبیش، کٹ صرف اتنا سا لگایا جاتا ہے کہ خون رسنے لگے۔ پھر فوراً دوبارہ وہی کپ پہلے والی جگہ پر چپکا دیں، اب پھر پانچ سے سات منٹ تک انتظار کریں، جسم کا گندا خون گلاس میں نکل کر جمع ہوجائے گا، پھر اسے اتار کر صفائی کرلیں، زخموں کے نشانات اگر ذرا گہرے ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں، اگرچہ تکلیف تو ہوگی اور بعد میں بھی ایک آدھ دن تک خون نکلے گا پھر رک جائے گا......بہرحال حجامہ کے آلات، مشین اور طریق کار وغیرہ کی مکمل تفصیلی معلومات پر مشتمل ایک کتاب بھی بازار میں دستیاب ہے جس کا نام ''الحجامہ'' ہے۔اس کی جمع وترتیب ڈاکٹر امجد احسن علی، ڈاکٹر اسعد خان اور ڈاکٹر سعد احمد خان نے کی ہے۔(2) سینگی لگانے کا سادہ سا طریقہ پہلے دور میں یہ رائج تھا کہ جسم کے کسی حصے پر ہلکے ہلکے زخم لگا کر ایک شخص وہاں سینگ کے خول کا پچھلا حصہ رکھ دیتا اور اس کی دوسری جانب یعنی باریک سرا اپنے منہ میں ڈال کر خون کھینچتا، تھوڑے سے فرق کے ساتھ آج بھی کئی جگہوں پر اس کا استعمال ہوتا ہے مثلاً کوئٹہ کے مشہور ومعروف ''میزان چوک'' میں بہت سارے لوگ سڑک کنارے کھڑے ہوتے ہیں، ان کے پاس ایک سینگ سا ہوتا ہے جس کی ایک جانب کھلا سوراخ اور دوسری جانب تنگ سوراخ ہوتا ہے جس پر ایک خاص قسم کی ربڑ ڈھکن کی شکل میں لگی ہوتی ہے، بڑا سوراخ جسم پر رکھ کر تنگ سوراخ کی ربڑ میں کسی سوئی وغیرہ سے سوراخ کرتے ہیں اور اس پر منہ رکھ کر سینگی لگانے والا زور سے سانس کھینچتا ہے جس کی وجہ سے مریض کے جسم کی کھال سینگ میں پھنس جاتی ہے، پھر وہ مخصوص طریقے سے زبان کے ساتھ سوراخ بند کر دیتا ہے، سینگ میں پھنسے ہوئے جسم کے ابھار میں خون جمع ہونے لگتا ہے، چند منٹ بعد اسے اتار کر وہاں زخم لگا کر دوبارہ اسے پہلے طریقے ہی سے چپکا دیا جاتا ہے۔(3) عربوں میں شیشے کے عام گلاس والا طریقہ بہت رائج ہے، انٹرنیٹ پر اس کے متعلق بھی ویڈیوز مل جاتی ہیں، اس طریقے میں جسم پر گلاس چپکانے کے لیے آگ استعمال کرتے ہیں۔گلاس میں کسی طریقے سے آگ داخل کرتے ہیں جو وہاں سے آکسیجن کو ختم کر دیتی ہے، گلاس میں دھواں یا آگ کی موجودگی میں اسے فوراً جسم پر رکھ دیں تو آگ فوراً ختم ہوجائے گی اور گلاس میں چونکہ آکسیجن اور ہوا کم ہوچکی تھی اس لیے ہوا سے خالی حصے کو پر کرتے ہوئے مریض کے جسم کی کھال فوراً ابھر کر گلاس

میں داخل ہوجائے گی اور وہ مضبوطی سے چپک جائے گا، گلاس میں آکسیجن اور ہوا ختم کرنے کے لیے آپ چاہیں تو کسی مسواک یا لکڑی یا کپڑے کو آگ لگا کر اس میں داخل کریں اور فوراً باہر نکال کر گلاس چپکا دیں یا پھر ایک ٹشو پیپر یا کاغذ پر ہلکی سی آگ لگا کر گلاس میں رکھیں اور گلاس کو جسم سے چپکا دیں......اساتذہ وطلباء کو مدارس میں اور مسجد کے امام کو اپنے مقتدیوں میں اس مبارک طریقہ علاج کا تعارف اور عملی مظاہرہ کرانا چاہیے۔

[608] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ، قَالَ: ثُمَّ تَرَكَ ذَلِكَ بَعْدُ، فَكَانَ إِذَا صَامَ لَمْ يَحْتَجِمْ حَتَّى يُفْطِرَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روزے کی حالت میں بھی پچھنے لگوالیا کرتے تھے، نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا اور جب وہ روزہ رکھتے تو جب تک افطاری نہ کر لیتے، پچھنے نہیں لگواتے تھے۔

فائدہ: ......امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک روزے کی حالت میں پچھنے لگانا حرام ہے اور اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جبکہ جمہور یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک اگر روزے کی حالت میں پچھنے لگانے سے ضعف وکمزوری لاحق ہونے کا خطرہ ہو تو پچھنے نہ لگانا مستحب ہے اور اگر خطرہ نہ ہو تو پچھنے لگانا مباح ہے......دراصل حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:((اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ)) ''پچھنے لگانے والے اور پچھنے لگوانے والے دونوں شخصوں نے روزہ توڑ دیا''(ترمذی: 744۔ اس کی سند صحیح ہے۔)لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ ((اِحْتَجَمَ النَّبِیُّ ﷺ وَهُوَ صَائِمٌ)) ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں پچھنے لگوائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ دار تھے۔''(بخاری: 1938) اکثر علماء نے پہلی روایت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیا ہے اور بعض علماء نے مندرجہ ذیل روایت سے اسے منسوخ قرار دیا ہے:''بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو پچھنے لگوانے کی رخصت فرمادی تھی۔''(ابن ابی شیبہ: 3/ 51۔53، ابن خزیمہ، دارقطنی، بزار، طبرانی، بیہقی۔اس کی سند صحیح ہے)اسی طرح ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْحِجَامَةِ وَالْمُوَاصَلَةِ وَلَمْ يُحَرِّمْهُمَا اِبْقَاءً عَلٰى اَصْحَابِهِ)) ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوانے سے اور بغیر کچھ کھائے پیے پے درپے روزے رکھنے سے منع فرمایا لیکن ان دونوں کو حرام نہ فرمایا اور (منع بھی صرف) اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم پر شفقت فرماتے ہوئے کیا۔''(ابوداود: 2374۔اس کی سند صحیح ہے)......الغرض شروع شروع میں حالت صیام میں پچھنے لگانے سے روزہ ٹوٹ جانا شمار ہوتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت منسوخ کر کے اس عمل کی رخصت

---

[608] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 7531، ابن ابی شيبه:3/ 51(9320)، بيهقی فی السنن الكبریٰ: 4/ 269(8304)، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 411(2545)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تو فرمادی لیکن ازروئے شفقت ان کو پچھنے اور پرہیز کرنے کا بھی کہا، گویا نہی تحریمی کی بجائے نہی تنزیہی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ خون نکلنے سے جسم میں کچھ کمزوری لاحق ہوتی ہے جس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی کو کہیں روزہ ہی نہ توڑنا پڑے۔ بعض علماء نے روایات کو ناسخ ومنسوخ قرار دینے کی بجائے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے کہ روزہ توڑنے کے متعلق روایت سے مراد یہ ہے کہ پچھنے لگانے اور لگوانے والے دونوں شخص روزہ توڑنے کے قریب پہنچ گئے اور روزہ توڑنے کے در پے ہوگئے، کیونکہ پچھنے لگانے والا جب منہ سے خون کھینچے گا تو اندیشہ ہے کہ خون اس کے منہ سے حلق میں پہنچ جائے اور پچھنے لگوانے والا کمزور ہوکر ہوسکتا ہے کہ کھانے پینے کی طرف مجبور ہوجائے۔ واللہ اعلم۔

[609] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَا يَحْتَجِمَانِ وَهُمَا صَائِمَانِ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے رویت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پچھنے لگوالیا کرتے تھے، اس حال میں کہ وہ روزے سے ہوتے تھے۔

[610] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ، ثُمَّ لَا يُفْطِرُ. قَالَ: وَمَا رَأَيْتُهُ احْتَجَمَ قَطُّ إِلَّا وَهُوَ صَائِمٌ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے باپ عروہ رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ روزے کی حالت میں پچھنے لگوالیا کرتے تھے، پھر (وہ اس وجہ سے) روزہ توڑتے بھی نہیں تھے (کیونکہ اس عمل سے روزہ ٹوٹتا ہی نہیں)، ہشام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے پچھنے لگوائے ہوں مگر اس حال میں کہ وہ روزہ رکھے ہوئے ہوتے تھے۔ (بغیر روزے کے پچھنے لگواتے ہی نہیں تھے)

قَالَ مَالِكٌ: لَا تُكْرَهُ الْحِجَامَةُ لِلصَّائِمِ، إِلَّا خَشْيَةً مِنْ أَنْ يَضْعُفَ، وَلَوْلَا ذَلِكَ لَمْ تُكْرَهْ، وَلَوْ أَنَّ رَجُلاً احْتَجَمَ فِي رَمَضَانَ، ثُمَّ سَلِمَ مِنْ أَنْ يُفْطِرَ، لَمْ أَرَ عَلَيْهِ شَيْئاً، وَلَمْ آمُرْهُ بِالْقَضَاءِ لِذَلِكَ الْيَوْمِ الَّذِي احْتَجَمَ فِيهِ، لِأَنَّ الْحِجَامَةَ إِنَّمَا تُكْرَهُ لِلصَّائِمِ، لِمَوْضِعِ

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روزے دار کا پچھنے لگوانا مکروہ نہیں ہے۔ مگر صرف اس وجہ سے (اس میں کچھ کراہت آتی ہے) کہ وہ کمزور پڑ جائے گا، اگر یہ (خطرہ ضعف) نہ ہوتو وہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ماہِ رمضان میں پچھنے لگوائے، پھر وہ روزہ توڑنے سے بھی سلامت رہے تو میں اس پر کچھ بھی لازم نہیں سمجھتا اور نہ ہی میں اسے اس دن کی

---

[609] (موقوف ضعيف) عبدالرزاق: 4/ 213 (7540)، ابن ابی شیبہ: 9336۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[610] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 4/ 214(7546)، ابن ابی شیبہ: 3/ 53(9334)، الشافعی فی الأم: 2/ 97، بیہقی فی معرفة السنن والآثار، حدیث:3/ 411 (2546)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

التَّغْرِيرِ بِالصِّيَامِ، فَمَنِ احْتَجَمَ وَسَلِمَ مِنْ أَنْ يُفْطِرَ حَتَّى يُمْسِيَ، فَلَا أَرَى عَلَيْهِ شَيْئاً، وَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءُ ذَلِكَ الْيَوْمِ.

قضائی کا حکم دوں گا جس میں اس نے پچھنے لگوائے تھے، کیونکہ پچھنے لگوانا توروزے دار کے لیے صرف اس صورت میں مکروہ ہے جب روزہ ٹوٹنے کا خدشہ ہو، لہٰذا جو شخص سینگی لگوائے پھر روزہ توڑنے سے بھی سلامت رہے یہاں تک کے شام کرلے تو میں اس پر کوئی چیز لازم نہیں سمجھتا اور نہ اس پر اس دن کی قضا ہے۔

11- باب صِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ

یوم عاشور (دسویں محرم) کے روزہ کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں تین روایات ہیں جن میں سے دو صحیح مرفوع اور ایک ضعیف موقوف روایت ہے۔

فائدہ :...... دسویں محرم کے دن کو یومِ عاشور، یوم عاشورہ یا عاشوراء بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ ''عشر'' سے بنا ہے جس کے معنی ''دس'' کے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اسی دن کا روزہ رکھا تھا اور اسی کا حکم دیا تھا لیکن جب پتہ چلا کہ یہودی بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں زندہ رہا تو آئندہ سال نویں محرم کا روزہ رکھوں گا، لیکن اس سے قبل ہی آپ ﷺ فوت ہوگئے۔ (مسلم: 1134) اسی لیے بعض علماء کے نزدیک اب یہ روزہ دسویں کی بجائے نومحرم کو رکھا جائے گا لیکن جمہور علماء امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک نویں اور دسویں دونوں تاریخوں کا روزہ رکھا جائے گا، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی فتویٰ ثابت ہے کہ ((خَالِفُوا الْيَهُودَ وَصُومُوا التَّاسِعَ وَالْعَاشِرَ)) ''یہودیوں کی مخالفت کرو اور نویں اور دسویں دونوں کا روزہ رکھو۔'' (معرفة السنن والآثار للبيهقي: 8966، 6/ 350، الفتح الرباني: 1/ 189، طحاوي: 2/ 78، عبدالرزاق: 7839) اس کی سند میں ابن ابی لیلیٰ اور داود بن علی ضعیف راوی ہیں، دیکھیے (مسند احمد: 1/ 241، ابن خزيمه: 2095، بيهقي: 4/ 287)...... ہمارے نزدیک راجح موقف، وسعت والا ہے، کہ چونکہ نبی کریم ﷺ کے الفاظ یہ تھے: ((لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ)) ''میں ضرور نویں کا روزہ رکھوں گا۔'' (مسلم: 1134) اس لیے اگر کوئی شخص ان الفاظ پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اس کی گنجائش ہے لیکن متعدد شواہد کی روشنی میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ اصل روزہ تو دسویں کا ہے کیونکہ عاشور کا نام ہی عشر (دس) سے مشتق اور ماخوذ ہے، لہٰذا دس محرم کا روزہ بھی رکھا جائے اور نو محرم کا روزہ ساتھ ملا لیا جائے، الغرض یہ روزہ دراصل دس محرم کا ہے (ترمذی: 755۔ اس کی سند صحیح ہے) اس دن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات ملی جس کے شکرانے میں انھوں نے روزہ رکھا اور نبی کریم ﷺ نے ان کی موافقت کا اظہار فرمایا۔ (بخاري: 2004، مسلم: 1130) اس دن کے روزے سے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (مسلم: 1162) نیز نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دس سال تک اسی دن روزہ رکھتے رہے، البتہ یہودیوں کی مخالفت میں نویں تاریخ کے روزے کا بھی عزم کرلیا...... حافظ ابن

حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس فرمان کے دو مفہوم ممکن ہیں: (1) یوم عاشور دسویں کی بجائے نویں محرم کو مقرر کرنا۔ (2) دسویں کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھنا، مگر آپ ﷺ ان میں سے کسی مفہوم کی تعیین کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ دونوں ایام کا روزہ رکھ لیا جائے۔ (فتح الباری: 4/ 773)

[611] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ يَوْماً تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَصُومُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِينَةَ صَامَهُ، وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ هُوَ الْفَرِيضَةَ، وَتُرِكَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ، فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ، وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ دورِ جاہلیت میں عاشوراء کے دن قریش مکہ بھی روزہ رکھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی زمانۂ جاہلیت میں (نبوت سے پہلے) یہ روزہ رکھا کرتے تھے، پھر جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو (یہاں بھی) آپ ﷺ نے یہ روزہ رکھا اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا، پھر جب رمضان فرض کر دیا گیا تو صرف وہی فرض ٹھہرا اور یوم عاشور (کی فرضیت) کو ترک کر دیا گیا، پھر جو چاہتا اس کا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا اسے چھوڑ دیتا۔

فائدہ: ......قریش مکہ بھی اسی دن میں خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھاتے تھے۔ وہ یہ روزہ رکھتے کیوں تھے؟ اس کا اصل سبب اللہ ہی جانتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی شریعت میں اس کا تذکرہ ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے کوئی بڑا جرم کیا ہو اور پھر اس وقت کے علماء یعنی یہودیوں سے پوچھا ہو تو انھوں نے ان کو اس روزے پر لگا دیا ہو۔ واللہ اعلم۔ (زرقانی) مسلمانوں پر اس روزے کی فرضیت صرف ایک سال تک رہی کیونکہ آپ ﷺ کی مدینہ میں آمد محرم کے بعد ہوئی تھی پھر اگلے سال کا محرم آیا تو روزہ رکھا لیکن اسی سال رمضان فرض ہو گیا اور عاشوراء کا روزہ نفل قرار دے دیا گیا۔

[612] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ

حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو عاشورہ کے دن

[611] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 2002، 1592، 1893، 2001، 3831، 4502، 4504، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 1125، ابوداود: 2442، ترمذی: 753، نسائی فی الکبری: 2838، ابن ماجہ: 1733، احمد: 6/ 29، 30 (24512)، دارمی: 1763.

[612] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 2003، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 1129، نسائی: 2373، احمد: 4/ 95 (16992).

عَوْفٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ عَامَ حَجَّ ، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ : يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لِهَذَا الْيَوْمِ : هَذَا يَوْمُ عَاشُورَاءَ ، وَلَمْ يَكْتُبِ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ ، وَأَنَا صَائِمٌ ، فَمَنْ شَاءَ ، فَلْيَصُمْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُفْطِرْ .

سنا، جس سال کہ وہ حج کے لیے گئے، وہ منبر پر (تشریف فرما) تھے (اور) کہہ رہے تھے کہ اے مدینہ والو! تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو اس دن کے متعلق یہ فرماتے ہوئے سنا: ''یہ عاشوراء کا دن ہے جس کا روزہ تم پر فرض تو قرار نہیں دیا گیا لیکن میں (اس دن کا) روزہ رکھے ہوئے ہوں، لہٰذا جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے نہ رکھے۔''

[613] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَرْسَلَ إِلَى الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ ، أَنَّ غَداً يَوْمُ عَاشُورَاءَ فَصُمْ ، وَأْمُرْ أَهْلَكَ أَنْ يَصُومُوا .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ یقیناً کل یوم عاشور ہے، لہٰذا خود بھی اس کا روزہ رکھو اور اپنے گھر والوں کو بھی حکم دو کہ وہ اس دن کا روزہ رکھیں۔

فائدہ :......الغرض دسویں محرم کا روزہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں معمول تھا لیکن اس وجہ سے قطعاً نہیں کہ اس دن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا میں شہادت ہوئی تھی۔

12- بَابٌ : صِيَامُ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى وَالدَّهْرِ

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا نیز ہمیشہ کا روزہ رکھنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صحیح سند والی ایک حدیث مصطفی ﷺ اور امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

[614] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ ، يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ الْأَضْحَى .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے دو دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا یعنی عیدالفطر کے دن اور عیدالاضحیٰ کے دن۔

فائدہ :......اسی طرح عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن ''ایام تشریق'' کہلاتے ہیں جن میں حاجیوں کو منیٰ کے

---

[613] (موقوف ضعیف) عبدالرزاق: 7838، ابن ابی شیبہ: 9364۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

[614] (مرفوع صحیح) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب تحریم صوم یومی العیدین، حدیث: 1138، نسائی فی الکبری: 2795.

میدان میں ٹھہرنا ہوتا ہے، اس لیے انھیں ایام منیٰ بھی کہتے ہیں، ان دنوں کا روزہ بھی حرام ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''ایام تشریق تو کھانے اور پینے کے دن ہیں'' (مسلم: 1141، 1142)

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ: لَا بَأْسَ بِصِيَامِ الدَّهْرِ، إِذَا أَفْطَرَ الْأَيَّامَ الَّتِي نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صِيَامِهَا، وَهِيَ أَيَّامُ مِنًى، وَيَوْمُ الأَضْحَى، وَيَوْمُ الْفِطْرِ فِيمَا بَلَغَنَا. قَالَ: وَذٰلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں جو کچھ پہنچا ہے اس کے مطابق اہل علم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمیشہ سارا سال روزہ رکھتے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ ان (مندرجہ ذیل پانچ) دنوں کا روزہ چھوڑ دے جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور وہ یہ ہیں: ایام منیٰ (ایام تشریق)، عیدالفطر کا دن اور عید الاضحیٰ کا دن، (امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) اور میں نے اس مسئلے کے بارے میں جو کچھ بھی سنا ہے اس میں یہی بات میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

فائدہ: ......فرمان نبوی ﷺ ہے: ((لَاصَامَ مَنْ صَامَ الْاَبَدَ)) ''جس نے ہمیشہ (سارا سال) روزہ رکھا تو گویا اس نے روزہ رکھا ہی نہیں۔'' (بخاری: 1979، مسلم: 1159/ 186) نیز فرمایا ''جس نے ہمیشہ روزہ رکھا تو نہ اس نے کوئی روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔'' (اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا نہ سحری کا، نہ افطاری کا اور نہ روزے کا) (ابن ماجه: 1705، مسند احمد: 4/ 24۔ اس کی سند صحیح ہے) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ نے زیادہ سے زیادہ صوم داؤد علیہ السلام کی اجازت دی تھی (یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن ناغہ) پھر جب انھوں نے اس سے بھی زیادہ کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ((لَا اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ)) ''اس سے افضل کچھ نہیں'' (بخاری: 1976) لہٰذا امام مالک، امام احمد، اور امام شافعی رحمہم اللہ وغیرہ کا پانچ دنوں کے سوا سارا سال روزہ رکھنے کی اجازت دینا محض ایک مباح کام ہی کی اجازت ہے لیکن نہ تو وہ افضل عمل ہے اور نہ نبی کریم ﷺ نے اسے پسند فرمایا ہے۔

13- بَابٌ: النَّهْيُ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصِّيَامِ

(بغیر کچھ کھائے پیے) مسلسل روزے رکھنے سے ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف دو احادیث نبویہ ہیں اور دونوں ہی بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔

[615] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یقیناً رسول

[615] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الوصال ومن قال ليس في الليل صيام، حديث: 1962، 1922، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث: 1102، ابوداؤد: 2360، نسائي في الكبرى: 3263، احمد: 2/ 128 (6125).

نَـافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْوِصَالِ ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَـإِنَّكَ تُـوَاصِلُ ؟ فَقَالَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ ، إِنِّي أُطْعَمُ وَأُسْقَى .

اللہ ﷺ نے وصال (بغیر سحری و افطاری کے مسلسل روزے رکھنے) سے منع فرمایا، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ خود تو وصال فرماتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک میں تمھاری طرح نہیں ہوں، یقیناً مجھے تو کھلا اور پلا دیا جاتا ہے۔“

[616] وَحَـدَّثَـنِــي عَـنْ مَـالِكٍ ، عَنْ أَبِـي الـزِّنَـادِ ، عَـنِ الأَعْـرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ , أَنَّ رَسُـولَ اللّٰـهِ ﷺ قَـالَ : إِيَّـاكُـمْ وَالْوِصَالَ ، إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ قَالُوا فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ الـلّٰـهِ ؟ قَالَ : إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ ، إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے آپ کو وصال سے بچاؤ، اپنے آپ کو وصال سے بچاؤ۔“ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ خود تو وصال کرتے ہیں؟ فرمایا: ”یقیناً (اس معاملے میں) میں تم جیسا نہیں ہوں کیونکہ یقیناً میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلا اور پلا دیتا ہے۔“

فائدہ: ...... یہ کھلانا اور پلانا بعض نے حقیقت پر محمول کیا ہے بایں طور کہ جنت سے آپ کے لیے کھانا لایا جاتا تھا، لیکن جمہور نے اسے مجاز پر محمول کیا ہے پھر ان کے تین اقوال ہیں: (1) کھانے پینے سے جو قوت مقصود ہوتی ہے وہ عطا کی جاتی تھی (2) اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کھلائے پلائے بغیر سیر اور سیراب کر دیتا تھا (3) اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت اور اس کی طرف انتہائی توجہ کے ساتھ روحانی غذا مل جاتی تھی اور دنیوی غذا کھانے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ......وصال کی دو قسمیں ہیں: ایک حرام ہے اور ایک جائز ہے۔ حرام وہ ہے جس میں بغیر سحری و افطاری کے پے در پے روزے رکھے جائیں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، البتہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ اسے مکروہ تنزیہی کہتے ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں راجح قول اس کے حرام ہونے کا ہے ......دوسری قسم کا وصال یہ ہے کہ صرف سحری کھائی جائے اور افطاری کو ترک کر دیا جائے، چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ((لَاتُـوَاصِـلُـوْا فَاَيُّكُمْ اَرَادَاَنْ يُّـوَاصِـلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ)) ”وصال نہ کرو، پھر بھی تم میں سے جو شخص وصال کرنا چاہے تو سحری کے وقت تک کر سکتا ہے۔“ (بخاری :1976)

[616] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب التنكيل لمن اكثر الوصال، حديث: 1965، 1966، 6851، 7242، 7299، صـحـيـح مسـلـم، كتـاب الصيام، باب النهى عن الوصال ، حديث: 1103، نسـائـى فى الكبرى: 3265، احمد:2/ 231 (7162) ، دارمى:1703 .

14- بَابٌ: صِيَامُ الَّذِي يَقْتُلُ خَطَأً أَوْ يَتَظَاهَرُ

قتلِ خطا یا ظہار کا ارتکاب کرنے والے کے روزوں کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مذکور ہے۔

فائدہ: ......سورۂ نساء کی آیت: 92 میں اللہ تعالیٰ نے قتل خطا کا تذکرہ فرمایا ہے، دراصل قتل کی دو بڑی قسمیں ہیں: (1) قتل عمد، یعنی ایسا قتل جو قصداً ایسے آلے سے کیا جائے جس سے عموماً قتل ہو بھی جاتا ہے۔ (2) قتل خطا، یعنی جس میں کسی انسان کو مارنے کا بالکل ارادہ نہ ہو، مثلاً جانور سمجھ کر ہتھیار چلایا لیکن وہ جانور کی بجائے کوئی انسان تھا یا ہتھیار تو کسی شکار کی طرف پھینکا لیکن وہ کسی انسان کو جالگا، اسی قتل خطا کی ایک اور قسم ہے جسے شبہ عمد کہتے ہیں، یعنی لڑائی ہورہی ہو، ہتھیار ایسا استعمال کیا جس سے عموماً قتل نہیں ہوتا، مثلاً کوڑا یا لاٹھی وغیرہ......کسی مومن کے خالص قتلِ خطا یا قتلِ شبہ عمد کی دو سزائیں ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ مقتول کے ورثاء اگر مومن ہوں یا ایسے کافر ہوں جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو تو ان ورثاء کو دیت (خون بہا) کے طور پر سو اونٹ یا ان کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ (البتہ شبہ عمد کی دیت نسبتاً مہنگی ہوتی ہے۔) اور دوسری سزا یہ ہے کہ ایک مومن غلام یا لونڈی کو کفارے کے طور پر آزاد کرنا ہوتا ہے اور اگر قاتل کے پاس غلام آزاد کرنے کی وسعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ (النساء: ٩٢:٤) ''پھر جو (غلام آزاد کرنے کی طاقت) نہ پائے تو (اس پر) دو لگاتار مہینوں کے روزے لازم ہیں۔'' اگر بلا عذر ایک روزہ چھوڑ دیا تو پھر نئے سرے سے دو ماہ کے روزے لازم ہو جائیں گے۔

فائدہ: ......زمانہ جاہلیت میں جو شخص اپنی بیوی کو ((اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ)) ''تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔'' کہہ دیتا تو اسے طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اسے طلاق کی بجائے ''ظہار'' کا نام دیا ہے کیونکہ اس مسئلے میں عموماً ''ظہر'' (پشت) کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والے خاوند پر لازم قرار دیا ہے کہ آئندہ ہم بستری کرنے سے پہلے پہلے ایک گردن آزاد کرے، اس کی وسعت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اگر یہ طاقت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ (سورۂ مجادلہ 3:58، 4) اس مذکورہ باب میں قتل خطا اور ظہار کے کفارے والے دو لگاتار مہینوں ہی کے متعلق کچھ تذکرہ ہے۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى، وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِيمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، فِي قَتْلِ خَطَإٍ، أَوْ تَظَاهُرٍ، فَعَرَضَ لَهُ مَرَضٌ يَغْلِبُهُ وَيَقْطَعُ عَلَيْهِ صِيَامَهُ: أَنَّهُ إِنْ صَحَّ مِنْ مَرَضِهِ، وَقَوِيَ عَلَى

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جس پر قتل خطا یا ظہار کی وجہ سے دو لگاتار مہینوں کے روزے واجب ہو جائیں تو اس کے متعلق میں نے سب سے بہترین جو فتویٰ سنا ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس کو ایسا مرض لاحق ہو جائے جو اس پر غلبہ پالے (مرض شدت اختیار کر جائے) اور وہ مرض اس (کے

الصِّيَامِ ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُؤَخِّرَ ذَلِكَ ، وَهُوَ يَبْنِي عَلَى مَا قَدْ مَضَى مِنْ صِيَامِهِ . وَكَذَلِكَ الْمَرْأَةُ الَّتِي يَجِبُ عَلَيْهَا الصِّيَامُ فِي قَتْلِ النَّفْسِ خَطَأً ، إِذَا حَاضَتْ بَيْنَ ظَهْرَيْ صِيَامِهَا ، أَنَّهَا إِذَا طَهُرَتْ لَا تُؤَخِّرُ الصِّيَامَ وَهِيَ ، تَبْنِي عَلَى مَا قَدْ صَامَتْ۔ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ وَجَبَ عَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فِي كِتَابِ اللَّهِ ، أَنْ يُفْطِرَ إِلَّا مِنْ عِلَّةٍ : مَرَضٍ أَوْ حَيْضَةٍ ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ فَيُفْطِرَ . قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ .

دوماہ کے مسلسل روزوں) میں انقطاع کا باعث بن جائے تو یہ شخص جیسے ہی بیماری سے صحت یاب ہوکر روزے رکھنے کی قوت پالے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ (باقی ماندہ) روزوں میں تاخیر کرے اور وہ (اس بیماری کے بعد) انھی روزوں پر بنیاد رکھے گا جو گزر چکے ہیں۔ (جتنے روزے بیماری سے قبل رکھ چکا تھا ان کو شمار کرتے ہوئے اب صرف باقی ماندہ روزے رکھے گا)......اسی طرح وہ عورت جس پر کسی جان کے قتل کے سلسلے میں (لگا تار) روزے واجب ہوں اور اسے اپنے روزوں کے درمیان میں حیض آجائے (تو ظاہر بات ہے کہ اسے روزے چھوڑنا پڑیں گے، پھر) جب وہ (حیض سے) پاک ہو تو روزوں کو مؤخر نہ کرے اور جو روزے پہلے رکھ چکی ہے انھی پر (باقی ماندہ روزوں کی) بنیاد رکھے۔ (بہرحال) کوئی بھی ایسا شخص جس پر قرآن مجید (کی روشنی میں) دوماہ کے مسلسل روزے واجب ہوں، اس کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ بیماری یا حیض کے سوا کسی اور سبب سے (روزوں کا) ناغہ کرے اور (حتیٰ کہ) اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ سفر میں نکل کھڑا ہو اور (سفر کا بہانہ بنا کر) روزہ چھوڑ دے...... امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس (سفر کے عذر) کے متعلق جو کچھ بھی سنا ہے ان میں میرے نزدیک سب سے بہترین فتویٰ یہی ہے۔

فائدہ : ......اگر انھوں نے اس بیماری یا حیض کے بعد باقی ماندہ روزوں میں تاخیر کی تو پھر نئے سرے سے روزے رکھنا ہوں گے، ماہِ رمضان میں اللہ تعالیٰ نے مرض اور سفر دونوں کو روزہ مؤخر کرنے کے لیے عذر شمار کیا ہے لیکن کفارے کے مسلسل روزوں کے دوران سفر کو عذر شمار کیا جائے یا نہیں تو اس کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے، حنابلہ تو عذر مانتے ہیں لیکن جمہور یعنی امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ اور ان کے پیروکار اسے عذر تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے دوماہ کے مسلسل روزوں کی شرط لگائی ہے، اور حالتِ سفر میں روزہ رکھنا ممکن ہے، نیز ایسے شخص کو چاہیے کہ کفارے کے روزے رکھنے کے لیے اچھی طرح حساب لگا لے اور انھی مہینوں میں روزے رکھے جن میں اسے سفر نہ کرنا پڑے، یاد رہے امام مالک رحمہ اللہ نے ''لگا تار'' کی شرط سے صرف حیض اور شدید بیماری کے عذر کو مستثنیٰ کیا ہے جبکہ احناف کے ہاں صرف حیض کے دن مستثنیٰ ہیں، بعض احناف کہتے ہیں کہ اگر درمیان میں رمضان آجائے یا عید کے دن آجائیں تو وہ بھی مستثنیٰ ہیں......ہمارے نزدیک امام مالک رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے کیونکہ عبارۃ النص کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں لگا تار روزے رکھنے ہی کا حکم قطعی فرمایا ہے اسی لیے یہ کفارہ ادا کرنے والا ان مہینوں کا انتخاب کرے

جن میں کسی قسم کے انقطاع کا ظاہری اندیشہ نہ ہوحتیٰ کہ رمضان، عید، سفر وغیرہ بھی درمیان میں نہ آئیں، نیز نفاس والی عورت بھی وقتِ ولادت کا حساب لگا کر ایسے دو مہینوں کا انتخاب کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قتلِ خطا اور ظہار کے سخت جرائم پر جو کڑی سزا اور سخت کفارہ ذکر کیا ہے اس میں ہم اپنی طرف سے نرمی نہیں کر سکتے، ہاں چونکہ جوان صحتمند غیر حاملہ عورت کو کوئی بھی دو مہینے حیض سے خالی نہیں مل سکتے اور اسی طرح شدید بیماری کا بھی کوئی وقت معین نہیں ہے، ان دونوں کے حائل ہونے میں بندے کا ذاتی عمل دخل نہیں ہے، اس لیے ان دونوں سے بچنا بندے کی وسعت سے باہر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة 2:286) ''اللہ کسی جان کو مکلّف نہیں ٹھہراتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔'' جبکہ ان دونوں (حیض اور مرض شدید) کے علاوہ باقی تمام عذر ایسے ہیں جن سے بچنا بندے کے اختیار میں ہے۔

15- بَابٌ: مَايَفْعَلُ الْمَرِيْضُ فِيْ صِيَامِهِ

روزوں کے متعلق مریض کے عمل کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں امام صاحب کا صرف ایک فتویٰ مذکور ہے۔

فائدہ:......ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (البقرة 2:184) ''پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے۔'' یعنی ماہِ رمضان میں مذکورہ عذروں کی بنا پر روزہ ترک کر دے اور بعد میں جب بھی موقع ملے تو قضائی دے لے۔ اس باب میں عذر بننے والے مرض کی نوعیت کو خصوصاً بیان کیا گیا ہے۔

قَـالَ يَـحْيَـى : سَـمِـعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : الأَمْرُ الَّذِى سَمِعْتُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْمَرِيضَ إِذَا أَصَـابَـهُ الْـمَـرَضُ ، الَّذِى يَشُقُّ عَلَيْهِ الصِّيَامُ مَـعَـهُ ، وَيُتْـعِبُـهُ وَيَبْـلُغُ ذَلِكَ مِنْهُ ، فَإِنَّ لَهُ أَنْ يُـفْـطِرَ ، وَكَذَلِكَ الْمَرِيضُ الَّذِى اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْقِيَامُ فِى الصَّلاةِ ، وَبَلَغَ مِنْهُ ، وَمَا اللّٰهُ أَعْلَمُ بِـعُذْرِ ذَلِكَ مِنَ الْعَبْدِ ، وَمِنْ ذَلِكَ مَا لا تَبْلُغُ صِـفَتُـهُ ، فَإِذَا بَلَغَ ذَلِكَ صَلَّى وَهُوَ جَالِسٌ ، وَدِينُ اللّٰهِ يُسْرٌ وَقَدْ أَرْخَصَ اللّٰهُ لِلْمُسَافِرِ فِى الْـفِـطْرِ فِى السَّفَرِ ، وَهُوَ أَقْوَى عَلَى الصِّيَامِ

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (مریض کے متعلق) میں نے جو (بہترین اور تفصیلی فتویٰ و) حکم سنا ہے، وہ یہ ہے کہ جب مریض کو ایسا (شدید) مرض لاحق ہو جس کی موجودگی میں اس پر روزہ شاق (مشکل اور گراں) ہو، روزہ اسے تکلیف دیتا ہو اور یہ تکلیف آدمی کو حد درجہ (انتہائی شدت سے) پہنچے (کہ دیکھنے والا بھی اس بیماری کو واقعی عذر شمار کرنے لگے اور مریض پر ترس کھانے لگے) تو پھر یقیناً اس کے لیے جائز ہے کہ روزہ چھوڑ دے اور اسی طرح (سخت بیماری کی بنا پر) جب نماز میں کھڑے ہونا مریض پر دشوار ہو جائے اور یہ (بیماری) بندے کو اس حد تک پہنچ جائے کہ

مِنَ الْمَرِيضِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرة: 184] فَأَرْخَصَ اللّٰهُ لِلْمُسَافِرِ فِي الْفِطْرِ فِي السَّفَرِ، وَهُوَ أَقْوَى عَلَى الصَّوْمِ مِنَ الْمَرِيضِ، فَهٰذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ، وَهُوَ الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ.

(وہ اللہ کے نزدیک بھی عذر شمار ہونے لگے اور) اللہ تعالیٰ بندے کے اس عذر کو بہتر جاننے والا ہے۔ اور (یہ بات ہم نے اس لیے کی ہے کہ) بیماریوں میں سے بعض ایسی ہوتی ہیں جو اس حد کو نہیں پہنچتیں (بلکہ قابل برداشت ہی ہوتی ہیں، بہرحال) جب بیماری بندے کو اس حد تک پہنچ جائے (کہ عذر شمار ہونے لگے) تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے، (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کا دین آسان ہے اور اس نے یقیناً مسافر کو سفر کے دوران روزہ چھوڑنے کی رخصت دے رکھی ہے، حالانکہ وہ روزہ (نبھانے) پر مریض سے زیادہ قوت رکھتا ہے (لیکن یہ دین کی سہولت ہی ہے کہ اسے بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (البقرہ: ٢: ١٨٤) ''پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرلے۔'' تو (ذرا غور کیجیے کہ) اللہ عزوجل نے مسافر کو سفر میں روزہ چھوڑنے کی رخصت عنایت فرمائی ہے، حالانکہ وہ روزہ (نبھانے) پر مریض سے زیادہ قوت پانے والا ہے (تو جب اسے اجازت مل گئی تو مریض کو بالاولیٰ رخصت حاصل ہوگئی) لہٰذا اس مسئلے کے متعلق میں نے جو کچھ (اہل علم سے) سنا ہے اس میں سے یہی فتویٰ میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے اور ہمارے ہاں (مدینہ منورہ میں) یہ فیصلہ ایسا ہے جس پر (تمام علمائے مدینہ کا) اتفاق اور اجماع ہے۔

فائدہ: ...... الغرض ہر وہ مرض جس کی موجودگی میں روزہ رکھنا ناممکن یا دشوار ہو چکا ہو یا روزہ رکھنے سے مرض میں مزید شدت کا امکان اور غالب گمان ہو تو آدمی روزہ چھوڑ سکتا ہے، اسی طرح فرض نماز کے اہم رُکن قیام کا حال ہے کہ اگر کسی مرض کی وجہ سے نماز میں کھڑے ہونا ناممکن یا دشوار ہو چکا ہو یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے مرض میں اضافے کا خطرہ ہو تو پھر بیٹھ کر ہی نماز ادا کی جائے گی اور اگر بیٹھنا بھی دشوار ہو تو لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھی جائے گی، یہ تفصیل صرف فرض نماز کے بارے میں ہے، فرمان پیغمبر ﷺ ہے: ((صَلِّ قَائِماً فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ)) ''کھڑے ہو کر نماز پڑھ، پھر اگر تجھ میں یہ طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر (پڑھ اور) پھر اگر یہ استطاعت بھی نہ ہو تو پہلو پر (لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھ)۔'' (بخاری: 1117) اور جو شخص عذر کی بنا پر کسی عمل کو ادا نہ کر پائے تو اسے پورے کا پورا اجر ملتا رہتا ہے، چنانچہ عذر کی صورت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے والے کو بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے برابر اجر ملے گا، کیونکہ فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے: ((إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيْمًا صَحِيْحًا)) ''جب بندہ بیمار ہو جائے یا سفر میں چلا جائے تو اس کے لیے اسی طرح کا عمل لکھا جاتا ہے جو وہ حالت اقامت اور حالت صحت میں کیا کرتا تھا۔'' (بخاری: 2996) رہا نوافل کا معاملہ تو ان میں قیام

فرض ہی نہیں ہے بلکہ محض مستحب اور زیادہ اجر کا باعث ہے، چنانچہ اگر عذر کی بنا پر نفل نماز میں قیام نہ ہو تو پھر پورا اجر ہی ملے گا جیسا کہ گزشتہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ لیکن اگر بغیر عذر کے بیٹھ کر یا لیٹ کر نفل پڑھے جائیں تو ارشاد پیغمبر ﷺ ہے کہ ((اِنْ صَلّٰی قَائِمًا فَھُوَ اَفْضَلُ ، وَمَنْ صَلّٰی قَاعِدًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ ، وَمَنْ صَلّٰی نَائِمًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ)) ''اگر آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو زیادہ فضیلت کا باعث ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے اجر کا نصف ملے گا اور جو لیٹ کر نماز پڑھے تو اس کے لیے بیٹھنے والے کے اجر سے بھی آدھا ثواب ہے۔'' (بخاری : 1115)

16- بَابٌ : النَّذْرُ فِی الصِّيَامِ وَالصِّيَامُ عَنِ الْمَيِّتِ

نذر کے روزے اور میت کی طرف سے روزے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، جن میں سے ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) سنداً صحیح ہے اور دو مقطوع (آثار تابعین رحمہ اللہ) ہیں اور دونوں سنداً ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک تفصیلی فتویٰ بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[617] حَدَّثَنِی يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ نَذَرَ صِيَامَ شَهْرٍ ، هَلْ لَهُ أَنْ يَتَطَوَّعَ ؟ فَقَالَ : سَعِيدٌ لِيَبْدَأْ بِالنَّذْرِ قَبْلَ أَنْ يَتَطَوَّعَ .

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے، ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو ایک مہینے کے روزوں کی مانند نذر مان لے تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ (نذر کی ادائیگی سے پہلے) نفلی روزے رکھ لے؟ تو سعید رحمہ اللہ نے فرمایا: اسے چاہیے کہ نفلی روزہ رکھنے سے پہلے اپنی نذر (کے روزوں) کے ساتھ ابتدا کرے۔

[618] قَالَ مَالِكٌ : وَبَلَغَنِی عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ مِثْلُ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح (کا فتویٰ) پہنچا ہے۔

فائدہ :...... اگر کسی شخص نے کسی متعین دن کی نذر مان رکھی ہو تو پھر اس سے پہلے کے دنوں میں نفلی روزہ رکھنے میں کوئی حرج اور کراہت نہیں ہے، ہاں اگر دنوں کی تعیین کے بغیر نذر مانی ہو تو پھر مذکورہ بالا روایات اور اقوال محدثین کے مطابق مستحب اور افضل یہی ہے کہ پہلے نذر کے روزے پورے کیے جائیں بعد میں کوئی نفلی روزہ رکھا جائے،

---

[617] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[618] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی بنا پر ضعیف ہے۔

البتہ ایسا کرنا فرض اور لازم نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ نَذْرٌ ، مِنْ رَقَبَةٍ يُعْتِقُهَا ، أَوْ صِيَامٍ ، أَوْ صَدَقَةٍ ، أَوْ بَدَنَةٍ ، فَأَوْصَى بِأَنْ يُوَفَّى ذَلِكَ عَنْهُ مِنْ مَالِهِ ، فَإِنَّ الصَّدَقَةَ وَالْبَدَنَةَ فِي ثُلُثِهِ ، وَهُوَ يُبَدَّى عَلَى مَا سِوَاهُ مِنَ الْوَصَايَا ، إِلَّا مَا كَانَ مِثْلَهُ ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَيْسَ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ مِنَ النُّذُورِ وَغَيْرِهَا ، كَهَيْئَةِ مَا يَتَطَوَّعُ بِهِ مِمَّا لَيْسَ بِوَاجِبٍ ، وَإِنَّمَا يُجْعَلُ ذَلِكَ فِي ثُلُثِهِ خَاصَّةً دُونَ رَأْسِ مَالِهِ ، لأَنَّهُ لَوْ جَازَ لَهُ ذَلِكَ فِي رَأْسِ مَالِهِ ، لأَخَّرَ الْمُتَوَفَّى مِثْلَ ذَلِكَ مِنَ الْأُمُورِ الْوَاجِبَةِ عَلَيْهِ ، حَتَّى إِذَا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ ، وَصَارَ الْمَالُ لِوَرَثَتِهِ ، سَمَّى مِثْلَ هَذِهِ الأَشْيَاءِ ، الَّتِي لَمْ يَكُنْ يَتَقَاضَاهَا مِنْهُ مُتَقَاضٍ ، فَلَوْ كَانَ ذَلِكَ جَائِزاً لَهُ ، أَخَّرَ هَذِهِ الأَشْيَاءَ ، حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ مَوْتِهِ سَمَّاهَا ، وَعَسَى أَنْ يُحِيطَ بِجَمِيعِ مَالِهِ ، فَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (1) جو شخص اس حال میں مرجائے کہ اس پر نذر (کا پورا کرنا واجب) ہو (مثلاً وہ نذر) ایک گردن (غلام یا لونڈی) کی ہو جسے وہ آزاد کرنا چاہتا تھا، یا روزوں کی یا صدقہ کی یا (بیت اللہ کی طرف بھیجے جانے والے) ایک اونٹ کی ہو، پھر وہ (مرتے وقت) یہ وصیت بھی کر جائے کہ یہ نذر اس کی طرف سے اس کے مال میں سے پوری کر دی جائے تو (مالی چیز کی نذر مثلاً) صدقہ اور اونٹ کو اس کے تہائی مال میں سے ادا کیا جائے گا۔ (اگر وصیت والی چیزوں کی قیمت تہائی مال سے زیادہ ہو تو زائد مقدار ساقط اور کالعدم شمار ہوتی ہے) (2) اور اس (وصیت شدہ) نذر کو باقی تمام وصیتوں (جن کی نذر نہ مانی گئی ہو) پر مقدم کیا جائے گا سوائے اس وصیت کے جو اس نذر ہی کی طرح واجب ہو اور یہ (نذر والی وصیت اور دوسری واجب وصیت کو پہلے پورا کرنا) اس وجہ سے ہے کہ (واجب اعمال ادائیگی میں نوافل سے مقدم ہوتے ہیں، چنانچہ) آدمی پر جو نذر وغیرہ واجب ہو وہ اس عمل کی طرح نہیں ہے جسے اس نے نفلی طور پر کرنا ہو اور جو واجب نہ ہو۔ (3) اور بلاشبہ اس (نذر کی ادائیگی) کو میت کے صرف اور صرف تہائی مال سے (خاص) کیا جائے گا نہ کہ مکمل مال سے، اس لیے کہ اگر میت کے لیے یہ کام اس کے پورے مال میں سے جائز ہوتا تو (پھر ورثاء کو بالکل محروم رکھنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور وہ اس طرح کہ کوئی) فوت ہونے والا شخص اس طرح کی چیزوں کو جو اس پر واجب ہوتیں مؤخر کر دیتا (اپنی زندگی میں ان کو ادا نہ کرتا) یہاں تک کہ جب اس کے پاس موت آ پہنچتی اور (اس کے ترکے کا) مال اس کے وارثوں کا حق بن جاتا تو وہ (مرنے والا وصیت کرتے ہوئے) ان جیسی کچھ چیزوں کا نام لے دیتا کہ جن کا اس سے تقاضا کرنے والا بھی کوئی نہ ہو (مثلاً نذر یا کوئی کفارہ) اگر یہ اس کے لیے جائز ہوتا تو وہ ان چیزوں کو مؤخر کر دیتا یہاں تک کہ جب وہ موت کے قریب پہنچتا تو ان چیزوں کا نام لے دیتا (اور وصیت کر جاتا) اور یہ ممکن ہے کہ یہ چیزیں اس کے مکمل مال کو گھیر لیتیں (اس کی وصیتیں پوری کرتے کرتے ہی ترکہ

ختم ہو جاتا اور ورثاء محروم رہ جاتے) لہٰذا یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ نے اس تفصیلی فتویٰ میں تین مسائل ذکر کیے ہیں: (1) مال کے متعلقہ میت کی وصیت اس کے مال میں سے پوری کی جائے گی۔ (2) وصیتوں میں سے ان کو مقدم رکھا جائے گا جو واجب ہوں اور (3) وصیت صرف اور صرف تہائی مال سے ادا ہوگی۔ دراصل میت کی وصیت کو پورا کرنا ورثاء میں مال تقسیم کرنے سے پہلے واجب ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ورثاء کے حصے بیان کرتے ہوئے چار دفعہ اس بات کو دہرایا ہے کہ ﴿مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ﴾ (النساء 4:11 ، 12) ''وصیت کے بعد (وراثت تقسیم کرو)'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں دو شرطیں ذکر فرمائی ہیں: (1) جن ورثاء کے حصے قرآن و سنت میں مقرر ہیں ان کے لیے وصیت کرنا ممنوع ہے۔ (ابو داود: 2870، ترمذی: 2120، ابن ماجہ: 2713۔ اس کی سند صحیح ہے۔) (2) وصیت پورے مال کے صرف تیسرے حصے تک ہو سکتی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' پوچھا کہ کیا دو تہائی کی (وصیت کر سکتا ہوں)؟ فرمایا: ''نہیں۔'' پوچھا: نصف مال کی؟ فرمایا: ''نہیں۔'' عرض کیا کہ تہائی مال کی؟ فرمایا: ''(ہاں)'' تہائی مال کی (وصیت کر سکتے ہو) لیکن یہ تہائی مال (کی وصیت بھی) زیادہ ہے، یقیناً تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں فقیری کی حالت میں چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔'' (بخاری: 2742، مسلم: 1628/ 8)

امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے فتویٰ کے پہلے حصے میں چار قسم کی نذر کا تذکرہ کیا ہے، غلام کی آزادی، روزہ، صدقہ اور بیت اللہ کی طرف بھیجا جانے والا قربانی کا اونٹ۔ لیکن صرف آخری دو کے بارے میں فرمایا کہ انھیں پورا کیا جائے، جبکہ پہلی دو کے متعلق وضاحت نہیں فرمائی۔ اس کی اصل وجہ تو اللہ ہی کو بہتر معلوم ہے، ہمارے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ روزے کی نذر کے متعلق تو امام صاحب نے آگے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے جواب پیش کیا ہے، البتہ غلام کی آزادی کی نذر کی وضاحت کرنا بھول گئے ہیں، یا انھوں نے صدقہ اور اونٹ کا ذکر کر کے یہ سمجھا دیا کہ ہر مالی نذر پہلے پوری کی جائے، اور ان دو مثالوں کے ذکر پر اکتفا کر کے باقی تمام مالی نذروں کو قارئین کے فہم پر چھوڑ دیا......یاد رہے کہ موت کے وقت آدمی خواہ نذر مانے یا صدقہ کرنے کا کہے یا وصیت کا لفظ بولے تو ان تمام کو وصیت ہی پر محمول کر کے ان کو میت کے صرف تہائی مال سے ادا کیا جائے گا۔

[619] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

[619] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 16346، ابن ابی شیبہ: 15117، بیہقی: 4/ 254(8215)، نسائی فی السنن الکبیر: 2918۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْأَلُ : هَلْ يَصُومُ أَحَدٌ عَـنْ أَحَدٍ ؟ أَوْ يُصَلِّى أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ ؟ فَيَقُولُ : لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ ، وَلَا يُصَلِّى أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ .

سے پوچھا جاتا کہ کیا کوئی شخص کسی آدمی کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے یا کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ تو وہ فرماتے: نہ تو کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے اور نہ ہی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔

فائدہ: ...... امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ (جدید قول میں) فرماتے ہیں کہ کسی قسم کا روزہ میت کی طرف سے نہیں رکھا جاسکتا بلکہ ایک روزے کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے گا۔ ان کے دلائل اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک روایت پیش کرتے ہیں (دیکھیے ترمذی: 718، ابن ماجہ: 1757) لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین نے اس کی سند کو شاذ اور ضعیف قرار دیا ہے، امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک میت کی طرف سے نذر کے روزے رکھے جاسکتے ہیں جبکہ تمام اہل حدیث اور محدثین کے ہاں میت کی طرف سے ہر روزہ رکھا جاسکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف احادیث میں سے ایک یہ حدیث بھی ان کی دلیل ہے، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَـنْ مَـاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ)) ''جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس پر کچھ روزے (رمضان یا نذر کے واجب) ہوں تو اس کا ولی (وارث) اس کی طرف سے روزہ رکھے۔'' (بخاری: 1952، مسلم: 1147) امام بیہقی، حافظ ابن حجر، ابن حزم، نواب صدیق حسن خاں، امیر صنعانی رحمہم اللہ وغیرہ تو اسے واجب کہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے (مرعاۃ: 7/ 27-34)۔ یقیناً ثابت شدہ فرامین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہو جانے کے بعد کوئی قول یا قیاس ترجیح نہیں پاسکتا۔

17- بَابٌ : مَا جَاءَ فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ وَالْكَفَّارَاتِ

رمضان (کے روزوں) کی قضا اور کفاروں کے روزوں کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں چھ روایات ہیں، پانچ موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے تین سنداً صحیح اور ایک حسن اور ایک ضعیف ہے، ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے اس باب میں پانچ فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

[620] حَـدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْـنِ أَسْـلَـمَ ، عَـنْ أَخِيهِ خَالِدِ بْنِ أَسْلَمَ ، أَنَّ عُـمَـرَ بْـنَ الْـخَـطَّـابِ أَفْـطَرَ ذَاتَ يَوْمٍ فِي

خالد بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ماہِ رمضان میں ایک ایسے دن میں جو بادلوں والا تھا، روزہ کھول دیا اور وہ سمجھ رہے تھے کہ شام ہو چکی ہے اور

[620] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 217 (8012)، وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 367 (2473)، عبدالرزاق: 4/ 178 (7392)، الشافعى فى الام: 2/ 96۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

رَمَضَانَ، فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ، وَرَأَى أَنَّهُ قَدْ أَمْسَى وَغَابَتِ الشَّمْسُ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ طَلَعَتِ الشَّمْسُ. فَقَالَ عُمَرُ: الْخَطْبُ يَسِيرٌ وَقَدِ اجْتَهَدْنَا.

سورج غائب ہو چکا ہے پھر (اسی اثناء میں) ایک شخص ان کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے امیر المؤمنین! سورج (تو پھر) نکل آیا ہے، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یہ معاملہ آسان ہی ہے (اس کا تدارک اور تلافی کچھ مشکل نہیں، ہم اس کی قضائی دے لیں گے) اور ہم نے تو (اپنی طرف سے) کوشش (اور غروب آفتاب کا غالب گمان رکھ کر ہی افطاری) کی تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس فرمان (اَلْخَطْبُ يَسِيرٌ) (یہ معاملہ آسان ہی ہے) سے ہماری رائے کے مطابق صرف اور صرف قضائی مراد لے رہے تھے اور (اصل صورتحال اور حقیقت حال کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور (وہ ان الفاظ سے) مشقت ومحنت کی کمی اور سہولت وآسانی (مراد لے رہے تھے، گویا کہ) وہ کہنا چاہتے تھے کہ ہم اس کی جگہ کسی دوسرے دن روزہ رکھ لیں گے۔

فائدہ: ......صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑا ولی بھلا کون ہوگا، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بھی علم غیب نہ تھا، ورنہ وہ قبل از غروب افطاری نہ کرتے اور علم غیب تو انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس بھی نہ تھا، چنانچہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ((اَفْطَرْنَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ غَيْمٍ ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ)) ''ہم نے زمانہ نبوی ﷺ میں ایک ابر آلود دن میں روزہ کھول دیا پھر سورج نکل آیا۔'' اس حدیث کے راوی ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا ان کو قضائی دینے کا حکم دیا گیا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ بھلا قضائی کے بغیر کوئی چارۂ کار تھا۔ (بخاری: 1959) یاد رہے کہ ان واقعات میں قصداً افطاری کی نیت سے روزہ کھولا گیا تھا، اسی لیے ان کو بھول کر کھا پی لینے والے شخص پر قیاس نہیں کر سکتے، اسی لیے جمہور اور ائمہ اربعہ کے نزدیک بھی قضائی ضروری ہے۔

[621] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: يَصُومُ قَضَاءَ رَمَضَانَ مُتَتَابِعاً, مَنْ أَفْطَرَهُ مِنْ مَرَضٍ أَوْ فِي سَفَرٍ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: وہ شخص ماہِ رمضان (کی قضائی) کے روزے لگاتار رکھے جو کسی بیماری کی وجہ سے یا کسی سفر میں اس مہینے کے روزے چھوڑ دے۔

فائدہ: ......حضرت ابن عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم، حسن رحمہ اللہ اور شعبی رحمہ اللہ سے قضا کے روزے پے در پے رکھنے کو واجب کہنا منقول ہے لیکن اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف راجح ہے کہ قضائے رمضان میں الگ

---

[621] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 4/ 242 (7658)، ابن ابی شیبہ: 3/ 34 (9134)، بیہقی: 4/ 259 (8246)، بغوی فی شرح السنة: 6/ 322 (1772)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

الگ روزے رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس مسئلے کے متعلق بغیر کوئی قید یا شرط لگائے صرف اتنا فرمایا ہے: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (البقرة2: 184) ''تو وہ دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرلے۔'' (بخاری قبل از حدیث: 1950) ''دوسرے دنوں'' کا لفظ لگاتار روزے رکھنے پر بھی پورا اترتا ہے اور الگ الگ دنوں پر بھی، چنانچہ ائمہ اربعہ کے ہاں بھی لگاتار روزے رکھنا صرف مستحب ہے، لازم نہیں ہے اور وہ تمام روایات جن میں لگاتار روزے رکھنے کا حکم ہے، وہ سب کی سب ضعیف ہیں۔

[622] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ اخْتَلَفَا فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: يُفَرِّقُ بَيْنَهُ. وَقَالَ الآخَرُ: لَا يُفَرِّقُ بَيْنَهُ. لَا أَدْرِي أَيَّهُمَا قَالَ: يُفَرِّقُ بَيْنَهُ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا رمضان کی قضا کے متعلق اختلاف رائے ہوگیا، ان میں سے ایک نے کہا کہ اس کے درمیان جدائی کی جاسکتی ہے اور دوسرے نے کہا کہ اس (قضا کے روزوں) کو الگ الگ نہیں رکھا جاسکتا، مجھے علم نہیں رہا کہ ان میں سے کسی نے الگ الگ (روزے) رکھ لینے کا کہا اور کس نے یہ کہا تھا کہ اسے الگ الگ نہ کرے۔

فائدہ:...... یہ روایت ضعیف ہے اور خود ابن شہاب رحمہ اللہ کی ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الگ الگ روزے رکھنے کی اجازت کے متعلق مصنف عبدالرزاق میں موجود ہے (عبدالرزاق: 4/ 243 (7665)، ابن ابی شیبة: 3/ 33، 34، دارقطنی: 2/ 192، بیهقی: 4/ 458۔ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے) نیز امام عبدالرزاق نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں سے الگ الگ روزے رکھ کر رمضان کی قضائی دینے کی اجازت نقل کی ہے۔ (زرقانی: 2/ 262، 263) (عبدالرزاق: 4/ 243 (7664) ابن ابی شیبة: 3/ 32، دارقطنی: 2/ 193۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

[623] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنِ اسْتَقَاءَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جس شخص نے قصداً قے کی اس حال میں کہ وہ روزہ

---

[622] (موقوف ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[623] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 4/ 215 (7551)، ابن ابی شیبہ: 3/ 38 (9188)، بیهقی فی السنن الصغیر: 2/ 94 (1322)، وفی السنن الکبری: 4/ 219 (8026)، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 369 (2475)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

وَهُوَ صَائِمٌ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ ، وَمَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ .

دار ہوتو اس پر قضائی دینا لازم ہے اور جس کو خود بخود قے آجائے اس پر قضا نہیں ہے۔

فائدہ :...... یہ مسئلہ نبی اکرم ﷺ سے بھی ثابت ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ (ابوداود: 2380، ترمذی: 720، ابن ماجه: 1676۔ اس کی سند حسن ہے)، اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے شاذ قرار دیا ہے لیکن بہت سے محققین نے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا، چنانچہ امام ترمذی، ابن حبان، ابن خزیمہ، حاکم، ذہبی، دارقطنی، ابن حزم، البانی، شیخ احمد شاکر اور علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہم اللہ وغیرہ نے اسے حسن یا صحیح قرار دیا ہے ......امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عکرمہ رحمہ اللہ کے فتاوی ذکر کیے ہیں کہ روزہ کسی چیز کو نگلنے سے ٹوٹتا ہے نہ کہ نکلنے سے، اور قے میں تو آدمی کے منہ سے کچھ باہر نکلتا ہے (اندر کچھ نہیں جاتا) لہٰذا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (بخاري، كتاب الصوم، باب: 32 قبل از حديث: 1938) ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور جمہور کے نزدیک قے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور جن فتاوی جات میں روزہ نہ ٹوٹنے کا ذکر ہے ان میں تطبیق دی جائے گی کہ خود بخود قے آئے تو روزہ نہ ٹوٹے گا اور جان بوجھ کر قے کرنے سے ٹوٹ جائے گا، نیز حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں قے سے نبی ﷺ کے روزہ ٹوٹ جانے کا جو تذکرہ ہے اس میں یہ تفصیل نہیں کہ قے کیسے کی تھی۔ (ابوداود: 2381، ترمذی: 87۔ اس کی سند حسن یا صحیح ہے) اس کی تطبیق بھی یوں دیں گے کہ آپ ﷺ نے قصداً خود قے کی تھی، جیسا کہ مسند احمد (6/ 449) میں ''قاء'' کی بجائے ''استقاء'' کا لفظ ہے جس کے معنی جان بوجھ کر اور قصداً قے کرنے کے ہیں۔ رہی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث جس میں ہے کہ تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا: پچھنے لگوانے سے، قے آنے سے، اور احتلام ہونے سے (ترمذی: 719) تو اول اس کی سند عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف راوی کی وجہ سے قابل حجت نہیں، نیز اگر ثابت ہو بھی جائے تو دوسری روایات کی روشنی میں اس سے مراد بھی یہی لیتے ہیں کہ قے خود بخود آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر یہ یقین ہو جائے کہ قے کرتے ہوئے اس کا کچھ حصہ واپس حلق میں چلا گیا ہے تو پھر اس طرح کی ہر قے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔

[624] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُسْأَلُ عَنْ قَضَاءِ رَمَضَانَ ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ : أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ لَا يُفَرَّقَ قَضَاءُ رَمَضَانَ ، وَأَنْ يُوَاتَرَ .

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کو سنا، جن سے ماہِ رمضان (کے روزوں) کی قضائی کے متعلق سوال کیا جا رہا تھا، تو سعید رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ رمضان کی قضا (کے

[624] (مقطوع صحيح) عبدالرزاق: 4/ 242 (7661)، ابن ابی شیبہ: 3/ 34 (9140)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

روزوں) کو الگ الگ نہ کیا جائے بلکہ متواتر رکھا جائے۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : فِيمَنْ فَرَّقَ قَضَاءَ رَمَضَانَ فَلَيْسَ عَلَيْهِ إِعَادَةٌ، وَذَلِكَ مُجْزِئٌ عَنْهُ، وَأَحَبُّ ذَلِكَ إِلَيَّ أَنْ يُتَابِعَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو رمضان کی قضا (کے روزے) الگ الگ رکھتا ہے، (فرمایا) کہ اس پر اعادہ نہیں ہے (اسے دوبارہ قضا نہیں دینا ہوگی) اور یہی (جدا جدا رکھے ہوئے روزے) اس کی طرف سے کافی ہوں گے، البتہ میرے نزدیک بھی زیادہ مستحب اور پسندیدہ امر یہی ہے کہ آدمی ان (قضا کے روزوں) کو پے در پے رکھے۔

فائدہ: ......اس مسئلے کے متعلق مزید تفصیل پیچھے روایت نمبر 621، 622 کے فوائد میں گزر چکی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : مَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ فِي رَمَضَانَ سَاهِياً ، أَوْ نَاسِياً ، أَوْ مَا كَانَ مِنْ صِيَامٍ وَاجِبٍ عَلَيْهِ ، أَنَّ عَلَيْهِ قَضَاءَ يَوْمٍ مَكَانَهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص غفلت سے یا کسی بھی وجہ سے بھول کر ماہِ رمضان (کے روزے) میں یا اس پر واجب (مثلاً نذر اور کفارے وغیرہ کے) روزے میں کچھ کھا لے یا پی لے تو اس پر اس کی جگہ ایک دن کی قضا لازم ہوگی۔

فائدہ: ......اس موقف میں امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے شیخ ربیعہ رحمہ اللہ منفرد ہیں، جمہور کے نزدیک بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((مَنْ نَسِيَ فَأَكَلَ وَ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ)) ''جو شخص بھول کر کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ بلاشبہ اللہ ہی نے اسے کھلایا اور پلایا ہے'' (بخاری: 1933، مسلم: 1155) مالکیہ اس حدیث کو صرف نفلی روزے کے ساتھ خاص کرتے ہیں لیکن ایک اور حدیث مبارکہ کے الفاظ ان کی اس تاویل کی نفی کرتے ہیں، چنانچہ فرمان نبوی ہے: ((مَنْ اَفْطَرَ فِيْ رَمَضَانَ نَاسِيًا فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَلَا كَفَّارَةَ)) ''جس شخص نے ماہ رمضان میں بھول کر روزہ کھول دیا (کچھ کھا پی کر روزہ توڑ بیٹھا) تو اس پر نہ قضائی ہے نہ کفارہ۔'' (مستدرك حاكم: 1/ 430، دارقطنی: 2/ 178، بیهقی: 4/ 229، ابن خزیمه: 3/ 239۔ اس کی سند صحیح ہے، فتح الباری: 4/ 157) امام بخاری رحمہ اللہ نے روزوں کے بیان میں باب: 26 کے عنوان میں (حدیث: 1933 سے پہلے) یہ بیان کیا ہے کہ عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر ناک میں پانی چڑھاتے وقت بے دھیانی میں پانی حلق میں چلا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (اگرچہ نبی کریم ﷺ نے روزے کی حالت میں مبالغے کے ساتھ ناک میں پانی چڑھانے سے منع فرمایا ہے۔ (ابو داود: 142، 8، نسائی: 87، ابن ماجه: 407۔ اس کی سند صحیح ہے) حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر مکھی حلق میں چلی جائے تو بھی کچھ لازم نہیں ہے۔ (بخاری، قبل از حدیث: 1933) ...... سَاهِيًا اور نَاسِيًا دونوں سے مراد بھول جانے والا شخص ہے، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ''نسیان'' عام ہے اور ہر قسم کی بھول پر بولا جاتا ہے خواہ وہ بھول غفلت سے ہو یا ترک ضبط (حافظے کی کمزوری) یا دہشت

وخوف یا غم کی وجہ سے ہو، جبکہ ''سہو'' صرف اسی بھول کو کہتے ہیں جو غفلت و بے توجہی سے ہو، رہی ترک ضبط اور حافظے کی کمزوری والی بھول تو اسے ''ضلال'' اور دہشت وغم والی بھول کو ''ذھول'' کہتے ہیں۔

[625] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ مُجَاهِدٍ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، فَجَاءَهُ إِنْسَانٌ فَسَأَلَهُ عَنْ صِيَامِ أَيَّامِ الْكَفَّارَةِ, أَمُتَتَابِعَاتٌ أَمْ يَقْطَعُهَا؟ قَالَ حُمَيْدٌ: فَقُلْتُ لَهُ نَعَمْ يَقْطَعُهَا إِنْ شَاءَ. قَالَ مُجَاهِدٌ: لَا يَقْطَعُهَا، فَإِنَّهَا فِي قِرَاءَةِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ.

حمید بن قیس مکی رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں مجاہد رحمہ اللہ کے ہمراہ تھا اور وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، ان کے پاس ایک شخص آکر (قسم کے) کفارے کے روزوں کے متعلق پوچھنے لگا کہ آیا آدمی ان کو لگاتار رکھے یا جدا جدا؟ (مجاہد رحمہ اللہ کے شاگرد) حمید مکی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (استاد محترم کے بولنے سے پہلے ہی) میں نے اس شخص سے کہا کہ ہاں، اگر چاہے تو ان کو جدا جدا رکھ سکتا ہے (لیکن) مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ انھیں جدا جدا نہیں رکھ سکتا کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں وہ (کفارہ قسم والی) آیت یوں ہے: ((ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ)) ''تین پے در پے دنوں (کے روزے اس پر لازم ہیں)۔''

فائدہ: ......قرآن مجید متواتر سند سے ثابت ہے یعنی اس کے ہر ہر لفظ کو ہر دور میں اتنی کثیر تعداد نے آگے روایت کیا ہے کہ ان سب کا جھوٹ پر اکٹھا ہونا محال ہے، پھر اگر قرآن مجید کی بعض آیات کی قراءت کے متعلق ایسی روایات ملیں جو متواتر نہ ہوں تو ان کے متعلق تمام مفسرین ومحدثین علماء وفقہاء کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر ان کی سند صحیح ہو تو ان کو بطور تفسیر قبول کیا جائے جیسا کہ اخبار آحاد کا معاملہ ہے، البتہ ایسی قراءت کو قرآن نہیں کہا جائے گا...... مذکورہ مسئلے میں امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک لگاتار روزے رکھنا صرف مستحب ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اس کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَكُونَ مَا سَمَّى اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ يُصَامُ مُتَتَابِعاً.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ جن روزوں کا اللہ نے قرآن مجید میں نام لیا ہے تو ان کو پے در پے رکھا جائے۔

فائدہ: ...... سوائے قتل خطا کے کفارے اور ظہار کے کفارے والے روزوں کے، کیونکہ ان کو لگاتار رکھنا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کے روزوں کے ساتھ ''مُتَتَابِعَيْنِ'' ''لگاتار'' کی قید لگائی ہے (نساء: 92:4، مجادلہ 4:58) قرآن مجید میں رمضان المبارک میں روزوں کے علاوہ مندرجہ ذیل سات قسم

[625] (موقوف حسن) بیهقی: 10/ 60، عبدالرزاق:7670، ابن ابی شیبه: 9122، حاکم:2/ 276۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے حسن کہا ہے۔

کے فرض و واجب روزوں کا تذکرہ ہے: (1) رمضان کی قضا (بقرہ 2:184، 185) (2) حج یا عمرہ کے احرام کی حالت میں بال کٹانے پر (بقرہ 2:196) تین روزے (بخاری: 1814، مسلم: 1201) (3) حج قران یا حج تمتع کی صورت میں حج اور عمرہ اکٹھے ادا کرنے والا شخص اگر قربانی کی طاقت نہ پائے تو تین روزے حج کے ایام میں اور سات روزے گھر واپس لوٹ کر رکھے گا۔ (بقرہ 2:196) (4) کفارۂ قتل خطا میں دو ماہ کے مسلسل روزے: (نساء 4:92) (5) کفارۂ قسم میں تین روزے (مائدہ 5:89) (6) حالت احرام میں شکار کے ارتکاب پر روزے (مائدہ 5:95) (7) کفارۂ ظہار میں دو ماہ کے لگا تار روزے (مجادلہ 4:58) ...... ماہِ رمضان کی قضا کے علاوہ مذکورہ بالا تمام اقسام کے روزے یا تو کسی اور شکل میں کفارہ یا واجب حکم پورا نہ کر سکنے کی صورت میں واجب ہوتے ہیں مثلاً تیسری، چوتھی، پانچویں، اور ساتویں صورت کے روزے یا پھر کچھ اور واجب چیزوں کے ساتھ ان روزوں کا بھی تذکرہ ہے کہ ان میں سے جسے چاہو ادا کرلو مثلاً دوسری اور چھٹی قسم کے روزے ...... احادیث مبارکہ میں بھی مزید تین قسم کے واجب روزے مذکور ہیں: (8) ماہ رمضان میں جان بوجھ کر روزے کی حالت میں جماع کرنے پر کفارۂ ظہار ہی کی مثل کفارہ ہے جیسا کہ پیچھے حدیث: 606 میں گزر چکا ہے۔ (9) نذر پوری نہ کر سکنے پر کفارۂ قسم ہی لازم آتا ہے (مسلم: 16445) (10) اسی طرح روزے رکھنے کی نذر اور منت ماننے سے وہ روزے واجب ہو جاتے ہیں۔ (بخاری: 6704) ورنہ کفارۂ نذر دینا پڑے گا۔ ان میں سے ماہ رمضان، کفارۂ قتل اور کفارہ ظہار کے روزے مسلسل رکھنا ثابت ہیں۔ باقی تمام میں اختیار ہے۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الْمَرْأَةِ تُصْبِحُ صَائِمَةً فِي رَمَضَانَ، فَتَدْفَعُ دَفْعَةً مِنْ دَمٍ عَبِيطٍ، فِي غَيْرِ أَوَانِ حَيْضِهَا، ثُمَّ تَنْتَظِرُ حَتَّى تُمْسِيَ أَنْ تَرَى مِثْلَ ذَلِكَ، فَلَا تَرَى شَيْئاً، ثُمَّ تُصْبِحُ يَوْماً آخَرَ، فَتَدْفَعُ دَفْعَةً أُخْرَى، وَهِيَ دُونَ الأُولَى، ثُمَّ يَنْقَطِعُ ذَلِكَ عَنْهَا قَبْلَ حَيْضَتِهَا بِأَيَّامٍ، فَسُئِلَ مَالِكٌ كَيْفَ تَصْنَعُ فِي صِيَامِهَا وَصَلَاتِهَا؟ قَالَ مَالِكٌ: ذَلِكَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ، فَإِذَا رَأَتْهُ فَلْتُفْطِرْ وَلْتَقْضِ مَا أَفْطَرَتْ، فَإِذَا ذَهَبَ عَنْهَا الدَّمُ فَلْتَغْتَسِلْ وَتَصُومُ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس نے ماہ رمضان میں روزہ رکھ کر صبح کی، پھر ایک دم اچانک اس کو تازہ خون تیزی سے آنے لگا (اور یہ خون) ماہواری کے (عام) وقت کے علاوہ (کسی اور دن) میں (نظر آئے) پھر وہ شام تک انتظار کرتی رہی کہ اسی طرح (کا مزید خون) دیکھ لے لیکن اسے کچھ بھی دکھائی نہ دیا، پھر وہ (دوسرے دن (روزہ رکھ کر) صبح کرے تو اسے پھر ایک دم تیزی سے خون آ جائے جو گزشتہ خون سے ذرا کم ہو، پھر وہ خون اس سے رک جائے (اور یہ سارا معاملہ) اس کے حیض سے چند دن پہلے (پیش آئے) تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ خون حیض ہی کا ہے۔ جب بھی عورت اسے دیکھے تو اپنا روزہ (اور نماز) ختم کر دے اور جو روزہ اس نے چھوڑا ہو اس کی قضائی دے، پھر جب اس سے خون (مکمل

طور پر) ختم ہو جائے تو غسل کرے اور روزے رکھے۔

فائدہ :......عورت کو اس طرح کے جتنے بھی خون آئیں یا داغ لگیں وہ حیض ہی شمار ہوں گے کیونکہ عورتوں کی حیض کی روٹین مختلف وجوہات کی بنا پر خراب ہوتی رہتی ہے، البتہ ایک شرط ہے کہ گزشتہ حیض اور اس خون کے درمیان میں کچھ وقفہ ہو چکا ہو ورنہ اگر مسلسل خون آ تا رہے تو دس دن سے زائد جو بھی خون آئے گا وہ استحاضہ اور بیماری کا شمار ہوگا جس میں نماز اور روزے کی معافی نہیں ہے۔

وَسُئِلَ عَمَّنْ أَسْلَمَ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ ، هَلْ عَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ كُلِّهِ ، أَوْ يَجِبُ عَلَيْهِ قَضَاءُ الْيَوْمِ الَّذِي أَسْلَمَ فِيهِ ؟ فَقَالَ : لَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءُ مَا مَضَى ، وَإِنَّمَا يَسْتَأْنِفُ الصِّيَامَ فِيمَا يُسْتَقْبَلُ ، وَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقْضِيَ الْيَوْمَ الَّذِي أَسْلَمَ فِيهِ .

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو ماہ رمضان کے آخری دن میں مسلمان ہوا تو کیا اس پر پورے رمضان کی قضائی لازم ہوگی یا اس پر صرف اس دن کی قضائی واجب ہوگی جس میں اس نے اسلام قبول کیا ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ گزشتہ کسی بھی روزے کی قضا اس کے ذمے نہیں ہے، بلکہ وہ مستقبل میں (آنے والے دنوں میں) روزوں کو از سرِ نو شروع کرے گا، اور میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ امر یہی ہے کہ وہ اس دن کی قضائی دے جس میں وہ مسلمان ہوا ہے۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قبولیت اسلام والے دن کی قضا مستحب ہے، واجب نہیں ہے، تابعین میں سے حسن رحمہ اللہ، عطاء رحمہ اللہ، اور عکرمہ رحمہ اللہ کا موقف یہ تھا کہ گزشتہ سارے رمضان کی قضا بھی اس پر لازم ہے لیکن یہ راجح نہیں ہے، کیونکہ روزے مومنوں پر فرض ہیں نہ کہ کافروں پر، لہٰذا جب ایمان سے پہلے کی زندگی میں روزے فرض ہی نہ تھے تو قضائی کس چیز کی دی جائے گی ؟ رہا قبولیت اسلام والے دن کے روزے کی قضائی کا معاملہ تو اس میں ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ وہ واجب ہے، جس طرح کہ کوئی شخص کسی نماز کے وقت میں (خواہ اخیر میں) مسلمان ہو جائے یا بلوغت کو پہنچ جائے یا عورت کا حیض و نفاس ختم ہو جائے تو وہ نماز ان کے ذمے لازم ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ انھیں ایک مکمل رکعت کے برابر اس نماز کا وقت مل جائے۔ (بخاری: 580، مسلم: 607) اسی طرح جو شخص ماہ رمضان کو پالے تو اس پر روزہ فرض ہے (البقرۃ 2:184) لیکن چونکہ ہر دن کا روزہ تب واجب ہوتا ہے جب وہ دن شروع ہو اس لیے جس شخص کو ماہ رمضان کا جو دن حالت اسلام میں مل جائے اس دن کا روزہ اس پر فرض ہوگا، کسی اور دن کا نہیں، اور جب کسی دن کا کچھ حصہ حالت اسلام میں ملے تو چونکہ اس دن میں روزہ تو پورا نہیں ہو سکتا اس لیے بعد میں اس کی قضائی دینا ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

18- بَابٌ: قَضَاءُ التَّطَوُّعِ

نفلی روزے کی قضا کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک مرفوع روایت ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

[626] حَـدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَـابٍ، أَنَّ عَـائِشَةَ وَحَـفْصَةَ زَوْجَيِ النَّبِيِّ ﷺ أَصْبَـحَتَا صَائِمَتَيْنِ مُتَطَوِّعَتَيْنِ، فَأُهْدِيَ لَهُـمَـا طَعَامٌ، فَأَفْطَرَتَا عَلَيْهِ، فَدَخَلَ عَلَيْهِمَا رَسُـولُ اللّٰهِ ﷺ، قَـالَـتْ عَـائِشَةُ: فَـقَالَتْ حَـفْـصَةُ وَبَـدَرَتْـنِـي بِالْكَلَامِ، وَكَانَتْ بِنْتَ أَبِيهَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أَصْبَحْتُ أَنَا وَعَائِشَةُ صَـائِـمَتَيْـنِ مُتَـطَوِّعَتَيْنِ فَأُهْدِيَ إِلَيْنَا طَعَامٌ، فَـأَفْطَرْنَا عَلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اقْضِيَا مَكَانَهُ يَوْماً آخَرَ

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں ازواج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلی روزہ رکھ کر صبح کی، پھر دونوں کو ہدیے میں کھانا پیش کیا گیا تو دونوں نے اسے کھا کر روزہ توڑ ڈالا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بات کرنے لگیں اور گفتگو کرنے میں انھوں نے مجھ سے پہل کی اور (واقعی) وہ اپنے باپ کی بیٹی تھیں (اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح زیادہ جرأت مند تھیں، کہنے لگیں کہ) اے اللہ کے رسول! بے شک میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفلی روزے کے ساتھ صبح کی تھی، پھر ہمیں کھانے کا ہدیہ ملا تو ہم نے اس کے ساتھ روزہ توڑ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اس کی جگہ کسی اور دن قضا کر لینا۔''

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: مَنْ أَكَلَ أَوْ شَـرِبَ سَـاهِيـاً أَوْ نَـاسِيـاً فِي صِيَامِ تَطَوُّعٍ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ، وَلْيُتِمَّ يَوْمَهُ الَّذِي أَكَلَ فِيهِ أَوْ شَـرِبَ، وَهُوَ مُتَطَوِّعٌ وَلَا يُفْطِرْهُ، وَلَيْسَ عَـلَـى مَـنْ أَصَـابَـهُ أَمْرٌ يَقْطَعُ صِيَامَهُ، وَهُوَ مُتَـطَـوِّعٌ قَضَاءٌ، إِذَا كَانَ إِنَّمَا أَفْطَرَ مِنْ عُذْرٍ

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے نفلی روزے میں بھول کر کھا پی لیا تو اس پر قضا لازم نہیں ہے اور وہ شخص اپنے اس دن کو (روزے ہی کی صورت میں) پورا کرے گا جس میں اس نے کھا پی لیا تھا اور وہ نفلی روزہ رکھنے والا ہی شمار ہوگا اور اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا ......اور وہ شخص جو نفلی روزے رکھے ہوئے ہو پھر اسے کوئی ایسا معاملہ پیش

[626] (مرفوع ضعيف) سنن ابی داود، کتاب الصوم، باب من رای علیه القضاء، حدیث:2457، نسائی فی الکبری:2/ 248(3298)، طحاوی فی شرح معانی الآثار:2/ 108، بیهقی:4/ 279۔ شیخ سلیم ہلالی نے اسے منکر کہا ہے، علامہ البانی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے، السلسة الضعیفة:5202، 5480.

غَيْرَ مُتَعَمِّدٍ لِلْفِطْرِ، وَلَا أَرَى عَلَيْهِ قَضَاءَ صَلَاةِ نَافِلَةٍ، إِذَا هُوَ قَطَعَهَا مِنْ حَدَثٍ لَا يَسْتَطِيعُ حَبْسَهُ، مِمَّا يَحْتَاجُ فِيهِ إِلَى الْوُضُوءِ.

آجائے جواس کا روزہ توڑ ڈالے تو اس پر قضا لازم نہ ہوگی۔ (بشرطیکہ) جب اس نے وہ روزہ کسی عذر کی بنا پر توڑا ہو (مثلاً شدید مرض یا حیض یا سفر سے اور) وہ (بلاعذر) روزہ توڑنے کا قصد کرنے والا نہ ہو......اور نہ ہی میں آدمی پر کسی ایسی نماز کی قضا لازم سمجھتا ہوں جسے اس نے کسی حدث (وضو کو ختم کرنے والی چیز) کے ساتھ توڑ ڈالا ہو، جسے روکنا اس کے بس میں نہ تھا (اور) جس میں وضو کی ضرورت پڑتی ہے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے اس فتویٰ میں نفلی روزے، نفلی نماز اور ان کے توڑنے پر قضا کے حوالے سے وضاحت کی ہے، نفلی روزے کے متعلق انھوں نے دو باتیں ذکر کی ہیں: (1) ایک یہ کہ نفلی روزہ بھول کر کھا پی لینے سے نہیں ٹوٹتا اور امام صاحب نے اس عبارت میں اس حدیث کے متعلق تاویل ذکر کی ہے جس میں بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہ ٹوٹنے کا ذکر ہے، چنانچہ وہ حدیث تو عام ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ اسے نفلی روزے کے ساتھ خاص ذکر کررہے ہیں اور یہ تاویل درست نہیں ہے کیونکہ بعض روایات میں فرض روزے کے متعلق بھی وضاحت سے یہ بات ثابت ہے، دیکھیے پیچھے روایت کے بعد دوسرے مسئلے کا فائدہ۔(2) پھر امام مالک رحمہ اللہ نفلی روزے کے متعلق یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اسے جان بوجھ کر توڑنے کی دو صورتیں ہیں: عذر کے ساتھ اور بغیر عذر کے، چنانچہ عذر کے ساتھ توڑنے کی صورت میں قضا لازم نہیں اور بغیر عذر کے نفلی روزہ توڑنے پر قضا لازم ہے جیسا کہ آئندہ وہ اس مسئلے کی کھل کر وضاحت کریں گے ......اس کے بعد امام صاحب نے غیر اختیاری عذر کے ساتھ روزہ توڑنے کی مناسبت سے نماز کا بھی ذکر کیا ہے کہ اگر بے اختیار ہوا وغیرہ خارج ہو جائے تو قضائی لازم نہیں اور اگر خود بخود قصداً نفلی نماز کو توڑا تو اس کی قضا لازم ہوگی اور اس کی تفصیل بھی آگے آرہی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَدْخُلَ الرَّجُلُ فِي شَيْءٍ مِنَ الأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ، الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالْحَجِّ، وَمَا أَشْبَهَ هَذَا مِنَ الأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ الَّتِي يَتَطَوَّعُ بِهَا النَّاسُ، فَيَقْطَعَهُ حَتَّى يُتِمَّهُ عَلَى سُنَّتِهِ، إِذَا كَبَّرَ لَمْ يَنْصَرِفْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَإِذَا صَامَ لَمْ يُفْطِرْ حَتَّى يُتِمَّ صَوْمَ يَوْمِهِ، وَإِذَا أَهَلَّ لَمْ يَرْجِعْ حَتَّى يُتِمَّ حَجَّهُ، وَإِذَا دَخَلَ فِي

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ مناسب نہیں ہے کہ آدمی نیک اعمال میں سے کسی میں داخل ہو (اس کا آغاز کرے، مثلاً) نماز، روزہ، حج اور جو دوسرے نیک اعمال ان کے مشابہ ہیں (مثلاً عمرہ، اعتکاف، طواف وغیرہ) جنھیں لوگ نفلی طور پر ادا کرتے ہیں (تو آدمی کے لیے مناسب نہیں ہے) کہ وہ اس (نفلی عمل) کو توڑے (بلکہ اسے چاہیے کہ وہ عمل ادا کرتا رہے) یہاں تک کہ اسے اس کے (مسنون) طریقے کے مطابق مکمل کرلے، (چنانچہ) جب وہ تکبیر تحریمہ کہہ لے تو

الطَّوَافِ لَمْ يَقْطَعْهُ حَتَّى يُتِمَّ سُبُوعَهُ، وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَتْرُكَ شَيْئاً مِنْ هَذَا إِذَا دَخَلَ فِيهِ حَتَّى يَقْضِيَهُ، إِلَّا مِنْ أَمْرٍ يَعْرِضُ لَهُ، مِمَّا يَعْرِضُ لِلنَّاسِ مِنَ الأَسْقَامِ وَالأُمُورِ الَّتِي يُعْذَرُونَ بِهَا، وَذَلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ [البقرة: 187] فَعَلَيْهِ إِتْمَامُ الصِّيَامِ كَمَا قَالَ اللَّهُ، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [البقرة: 196] فَلَوْ أَنَّ رَجُلاً أَهَلَّ بِالْحَجِّ تَطَوُّعاً، وَقَدْ قَضَى الْفَرِيضَةَ، لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَتْرُكَ الْحَجَّ بَعْدَ أَنْ دَخَلَ فِيهِ، وَيَرْجِعَ حَلَالاً مِنَ الطَّرِيقِ، وَكُلُّ أَحَدٍ دَخَلَ فِي نَافِلَةٍ، فَعَلَيْهِ إِتْمَامُهَا إِذَا دَخَلَ فِيهَا، كَمَا يُتِمُّ الْفَرِيضَةَ، وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ.

(اس نماز سے نہ نکلے اور) نہ پھرے یہاں تک کہ دو رکعتیں پڑھ لے اور جب وہ (نفلی) روزہ رکھے تو اسے نہ توڑے یہاں تک کہ اپنے اس دن کا روزہ پورا کرلے اور جب وہ (احرام باندھ کر تلبیہ پڑھتے ہوئے) لبیک کہہ لے تو (بیچ میں چھوڑ کر) واپس نہ لوٹے یہاں تک کہ اپنا حج (یا عمرہ) پورا کرلے اور جب وہ طواف میں داخل ہو تو اسے نہ توڑے کہ سات چکر پورے کرلے۔ (الغرض) مناسب نہیں کہ جب وہ ان میں سے کسی چیز میں داخل ہو تو اسے (درمیان ہی میں) توڑ ڈالے (بلکہ وہ اس عمل میں جاری رہے) یہاں تک کہ اسے (پورا) ادا کرلے، سوائے اس کے کہ اسے کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جو لوگوں کو پیش آتا رہتا ہے یعنی وہ بیماریاں جن کی وجہ سے اسے معذور شمار کیا جاتا ہے اور وہ معاملات (مثلاً حیض و نفاس) جن کی بنا پر کوئی عذر روا سمجھا جاتا ہے۔ اور (ہمارا) یہ (فتویٰ) اس لیے ہے کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں (روزوں کی بابت) فرماتے ہیں: ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرة 2:187) ''اور تم (سحری) کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ تمھارے لیے فجر کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے (ممتاز ہوکر) واضح ہوجائے، پھر تم روزوں کو رات تک پورا کرو'' لہٰذا آدمی پر روزوں کو پورا کرنا لازم ہے، جس طرح کہ اللہ عزوجل یہ بھی فرماتے ہیں: ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ (البقرہ: 196) ''اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کیا کرو۔'' سو اگر کوئی شخص نفلی حج کے لیے (تلبیہ کہتے ہوئے) احرام باندھ لے اور (اس سے پہلے) وہ فرض حج کرچکا ہو تو اس کے لیے درست نہیں کہ حج میں داخل ہونے کے بعد اسے (درمیان ہی میں) ترک کردے اور راستے ہی سے احرام کھول کر واپس لوٹ آئے۔ (بہرحال) ہر وہ شخص جو کسی نفلی عبادت میں داخل ہو تو اس پر اسے پورا کرنا لازم ہے بشرطیکہ وہ اسے شروع کر چکا ہو جس طرح کہ فرضی عبادت (کا معاملہ) ہے (کہ اسے بھی شروع کرنے کے بعد پورا کرنا پڑتا ہے ورنہ قضا لازم ہوجاتی ہے) اور جو کچھ میں نے اس

بارے میں سنا ہے اس میں سے یہی (فیصلہ) میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

فائدہ : ...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ نفلی عبادت شروع کر لینے کے بعد واجب ہو جاتی ہے اور بلا عذر اسے بیچ میں چھوڑ دینا درست نہیں ہے، نیز شروع کر لینے کے بعد اگر اسے پورا نہ کیا جائے تو قضا لازم ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک نفلی عبادت نفل ہی رہتی ہے، اسے درمیان میں ختم کرنا درست ہے اور اس کی قضا لازم تو نہیں البتہ مندوب یا مستحب ہے، کوئی چاہے تو کر لے اور چاہے تو نہ کرے چنانچہ متعدد صحابہ کرام مثلاً حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ (ابن قدامہ 3/ 151) ہماری دلیل یہ مندرجہ ذیل حدیث ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس (حیس کھجور، گھی اور پنیر سے تیار شدہ حلوہ نما میٹھی ڈش) کا ہدیہ آیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے وہ (حلوہ) دکھاؤ، یقیناً میں نے روزہ رکھ کر صبح کی تھی۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔ (مسلم: 1154/ 170) اور پھر اس کی قضائی دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہو سکا۔ اور جس روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''میں اس کی جگہ کسی اور دن روزہ رکھ لوں گا۔'' (بیہقی: 4/ 275، طحاوی: ص 355، دارقطنی، شافعی) تو امام نسائی، دارقطنی، امام شافعی، بیہقی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ نے اسے شاذ اور ضعیف قرار دیا ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے (مرعاۃ المفاتیح: 7/ 105، 106) اسی طرح سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے میزبان حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا نفلی روزہ تڑوا دیا، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو فرمایا: ''سلمان نے سچ کہا ہے۔'' (بخاری: 1968) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قضائی کا حکم نہیں دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا جمعہ کے دن رکھا ہوا روزہ تڑوا دیا کیونکہ انھوں نے نہ تو جمعہ کے ساتھ جمعرات کا روزہ ملایا تھا اور نہ ہفتے کا روزہ ملانے کا ارادہ تھا (اور تنہا جمعہ کے دن کا نفلی روزہ ممنوع ہے۔) (بخاری: 1985، مسلم: 1144) تو اس موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو قضا کا حکم نہ دیا۔ (بخاری: 1986) نیز دیکھیے آگے موطا کی روایت: 649 کا فائدہ۔

احناف اور موالک نے موطا امام مالک والی روایت سے دلیل پکڑی ہے جو کہ منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے اور اگر وہ ثابت ہو بھی جائے تو زیادہ سے زیادہ ندب و اباحت یا استحباب پر دلالت کرتی ہے کہ نفل کی قضائی دے لینا بھی مندوب یا مستحب ہے، حضرت جابر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایات پیش کی جاتی ہیں لیکن وہ بھی ثابت ہونے کی صورت میں جواز یا استحباب ہی پر محمول ہوں گی جس کی دلیل آگے آ رہی ہے ...... اسی طرح احناف و موالک نے قرآن مجید کی چند آیات کو بھی اپنے موقف کی تائید میں دلیل بنایا ہے، حالانکہ وہ سب عام ہیں اور نفلی روزے کا معاملہ خاص ہے اور یہ اصول ہے کہ خاص حکم کو عام حکم پر مقدم سمجھا جاتا ہے اور بعض مالکیہ و حنفیہ نے اسے تسلیم بھی کیا ہے، نیز

خاص حکم کے لیے خاص دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، بہرحال ان کی اہم دلیل یہ الفاظ ہیں: ﴿وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد 33:47) ''اور اپنے عملوں کو باطل نہ کرو۔'' حالانکہ آیت کے ان آخری الفاظ کا آیت کے ابتدائی الفاظ سے ربط اور تعلق بتاتا ہے کہ ان الفاظ کا مذکورہ مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد 33:47) ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔'' یعنی اگر اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہوگی تو عمل قبول ہیں اور اگر ان کی اطاعت سے انحراف کرو گے تو عمل باطل ہو جائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس آیت مبارکہ کا تعلق مذکورہ بالا مسئلے سے ہو اور یہ مفہوم ہو کہ نفل عبادت کو نہ توڑو اور یہ ممانعت یا تو حرمت پر دلالت کرے گی یا کراہت پر، گویا نفلی عبادت کو بیچ میں ختم کرنا حرام یا مکروہ ہوگا تو کیا نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ نے حرام یا مکروہ کام کا ارتکاب کیا اور کروایا تھا......حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت اس مسئلہ میں فیصلہ کن ہے (اگرچہ چند اور روایات بھی اس موضوع پر موجود ہیں لیکن ان کی سندیں کمزور ہیں) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں قضا کا حکم ہے لیکن وہ بھی اباحت پر محمول ہوگی کیونکہ اس میں بھی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت والا واقعہ مذکور ہے۔ (دار قطـنـی: ص 237) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی تفصیلی روایت میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا، اس وقت ایک صحابی علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے روزے کا عذر سن کر فرمایا: (دَعَاكَ اَخُوْكَ وَتَكَلَّفَ لَكَ، اَفْطِرْ وَصُمْ مَكَانَهٗ يَوْمًا اِنْ شِئْتَ) ''تیرے بھائی نے تجھے بلایا اور تیرے لیے یہ تکلیف اٹھائی، روزہ توڑ دو اور اگر چاہو تو اس کی جگہ کسی اور دن روزہ رکھ لینا۔'' (بیہقی: 4/ 279، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ بحوالہ مرعاۃ المفاتیح: 7/ 106) لہٰذا ثابت ہوا کہ نفلی عبادت کی قضائی واجب نہیں ہے بلکہ آدمی کے اختیار پر منحصر ہے۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ نے مذکورہ فتویٰ میں دو آیات سے دلیل پکڑی ہے، حالانکہ ان دونوں آیات میں نفلی عبادت کا ذکر ہی نہیں بلکہ یہ آیات عام ہیں اور مذکورہ مسئلہ خاص ہے، خاص کے لیے دلیل بھی خاص چاہیے، دوسری بات یہ کہ روزوں کے پورا کرنے کے متعلق جو آیت ذکر کی ہے وہ تو ہے ہی ماہ رمضان کے فرض روزوں کے متعلق، رہا حج وعمرہ والی آیت کا معاملہ تو اس آیت سے تو عمرہ کے زندگی میں ایک بار فرض ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ نفلی حج وعمرہ کے متعلق نہیں ہے۔ ہاں نفلی حج کے مسئلے سے بھی نفلی عبادت کو توڑنے کی بنا پر قضا واجب ہونے کی دلیل پکڑی جاتی ہے، کیونکہ نفلی حج پورا نہ کرنے پر قضا کے لازم ہونے پر سب متفق ہیں لیکن یہ قیاس درست نہیں ہے کیونکہ حج کا معاملہ دوسری عبادات سے ممتاز اور جداگانہ ہے، حج کے کتنے ایسے معاملات ہیں کہ دوسری عبادات کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا مثلاً نفلی حج فاسد ہو جائے تو پھر بھی اسے پورا کرنا لازم ہوتا ہے جبکہ روزہ اگر فاسد ہو جائے تو اسے پورا کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے......نیز قیاس تو تب کیا جاتا ہے جب قرآن وسنت اور اجماع سے کوئی دلیل نہ ملے اور یہاں

تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی صریح اور ثابت شدہ روایت سے یہ فیصلہ سامنے آچکا ہے کہ نفلی عبادت کی قضائی دینا بندے کے اختیار میں ہے، اور واجب نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

19- بَابٌ: فِدْيَةُ مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ مِنْ عِلَّةٍ

رمضان میں روزہ نہ رکھ سکنے والے کے فدیہ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، دو موقوف ہیں جو سنداً صحیح ہیں اور دو مقطوع ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف سند والی ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ......اس بارے میں اصل (بنیادی دلیل) یہ آیت قرآنیہ ہے: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ (البقرة2: 184) ''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت (نہ) پاتے ہوں ان پر اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔'' (يُطِيْقُوْنَهٗ) کی دوسری قراءت (يُطَوَّقُوْنَهٗ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، یعنی ''جن لوگوں پر روزہ نہایت شاق اور گراں گزرتا ہو'' (بخاری: 4505) اس آیت کا ایک مفہوم منسوخ ہے اور ایک باقی ہے، چنانچہ شروع اسلام میں یہ اجازت تھی کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی استطاعت پاتے ہوں، اگر وہ روزہ نہ رکھیں تو فدیہ دے دیں (اس صورت میں (يُطِيْقُوْنَهٗ) سے مراد ''طاقت پانا'' ہی ہے اور یہاں کوئی عبارت محذوف نہیں ہے۔) لیکن پھر اگلی آیت کے ساتھ یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور وضاحت سے بتا دیا گیا کہ مسافر و مریض کے سوا جو بھی ماہ رمضان کو پائے اس پر روزہ لازم ہے، لہٰذا اب اس آیت کا حکم صرف عاجز و بے بس، کمزور، بوڑھے اور روزے میں مانع لاعلاج مرض والے کے لیے باقی ہے۔ اس صورت میں (يُطِيْقُوْنَهٗ) سے پہلے ''لا'' محذوف ہے یعنی ''جو روزے کی طاقت نہیں پاتے'' یا چونکہ یہ باب افعال ہے اور اس کی ایک خاصیت ''سلب ماخذ'' ہے۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوں گے ''جن سے طاقت سلب ہو چکی ہو'' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی اس کی مؤید ہے۔

[627] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ كَبِرَ حَتَّى كَانَ لَا يَقْدِرُ عَلَى الصِّيَامِ، فَكَانَ يَفْتَدِي.	امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ (بہت) بوڑھے ہو گئے تھے یہاں تک کہ وہ روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہ پاتے تھے، اس لیے وہ فدیہ ادا کر دیا کرتے تھے۔

فائدہ: ...... جمہور کے نزدیک نہایت عمر رسیدہ شخص اور دائمی مریض پر فدیہ کی ادائیگی لازم اور واجب ہے اور یہی راجح ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مستحب ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا أَرَى ذَلِكَ وَاجِباً، وَأَحَبُّ	امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں فدیے کو واجب نہیں

[627] (موقوف صحيح) بيهقي: 4/ 27 (8302، 8321)، عبدالرزاق: 4/ 220 (7570)، ابن سعد فى الطبقات الكبرى: 7/ 25، دار قطني: 2/ 207، 208۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

إِلَيَّ أَنْ يَفْعَلَهُ إِذَا كَانَ قَوِيًّا عَلَيْهِ ، فَمَنْ فَدَى ، فَـإِنَّـمَـا يُـطْعِـمُ مَـكَـانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدًّا بِمُدِّ النَّبِيِّ ﷺ .

سمجھتا، البتہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ امر یہ ہے کہ اگر وہ فدیہ دینے کی قوت و استطاعت پاتا ہے تو اسے ادا کر دے، پھر جو شخص فدیہ دے تو وہ ہر دن کے بدلے رسول اللہ ﷺ کے مُدّ کے حساب سے ایک مُدّ (کسی مسکین کو) کھلا دے۔

فائدہ :...... جمہور کے ہاں ایک روزے کا فدیہ ایک مُدّ ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نصف صاع یعنی دو مُدّ ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرمانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں مدینہ منورہ میں چلنے والا مُدّ ہی آج بھی معیار ہے جسے مُدّ حجازی بھی کہتے ہیں، اس کی مقدار 9 چھٹانک (880.524 گرام) بنتی ہے، اس کے مقابلے میں مُدّ عراقی (جسے احناف معیار سمجھتے ہیں) کی مقدار 13 چھٹانک 2 تولے 6 ماشے (320.787) ہے۔ بہر حال قرآن و حدیث میں اس فدیہ کی مقدار متعین نہیں سوائے اس کے کہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔'' لہٰذا ایک مسکین کو اوسط درجے کا کھانا کھلا دینا چاہیے اور یہی بہتر ہے تا کہ الفاظ قرآنیہ پر عمل ہو لیکن اگر اس کے بقدر غلہ یا گندم ادا کر دی جائے تو بھی گنجائش ہے، نیز یہ کم از کم مقدار ہے ورنہ اس سے زیادہ دینے کی اجازت ہے، ارشاد الٰہی ہے ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ﴾ (البقرة 2:184) ''پھر اگر کوئی اپنی خوشی سے (زیادہ) نیکی کرنا چاہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

[628] وَحَـدَّثَـنِـي عَـنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ سُئِلَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَامِلِ ، إِذَا خَـافَـتْ عَـلَـى وَلَدِهَـا ، وَاشْتَدَّ عَلَيْهَـا الـصِّيَـامُ ؟ قَالَ : تُفْطِرُ وَتُطْعِمُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيناً ، مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ ، بِمُدِّ النَّبِيِّ ﷺ .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حاملہ عورت کے متعلق پوچھا گیا کہ جب وہ (روزے کی وجہ سے) اپنے بچے پر (کمزوری وغیرہ کا) خوف محسوس کرے اور روزہ اس پر بہت مشکل ہو جائے۔ تو امام صاحب نے فرمایا: وہ روزہ چھوڑ دے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے یعنی مُدِ رسول ﷺ کے حساب سے ایک مُدّ گندم ادا کر دے۔

قَـالَ مَـالِكٌ : وَأَهْـلُ الْـعِـلْـمِ يَرَوْنَ عَلَيْهَـا الْقَضَاءَ ، كَمَا قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِـنْـكُـمْ مَـرِيـضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرة : 184] وَيَرَوْنَ ذَلِكَ مَرَضاً مِنَ

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل علم ایسی عورت پر قضائی دینا لازم سمجھتے ہیں (نہ کہ فدیہ کی ادائیگی) جس طرح کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (البقرة 2:184) ''تو تم

[628] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الصغير : 102/2۔ 1353 وفى السنن الكبرىٰ : 230/4۔ 8079 وفى المعرفة : 378/3، 2488۔ الشافعى فى الام : 251/7، دارقطنى: 206/2، 2363۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

الْأَمْرَاضِ، مَعَ الْخَوْفِ عَلَى وَلَدِهَا . میں سے جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرلے۔'' وہ (اہل علم) اس (حمل) کو امراض میں سے ایک مرض خیال کرتے ہیں جب کہ وہ اپنے بچے پر خوف محسوس کرتی ہو۔

فائدہ :...... یہی صورت حال دودھ پلانے والی عورت کی ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلَاةِ وعَنِ الْحَامِلِ اَوِ الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ) ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزے اور نصف نماز کو معاف کر دیا ہے اور حاملہ یا دودھ پلانے والی سے روزے کو معاف کر دیا ہے۔'' (ابوداود: 2408، ترمذی: 715، نسائی: 2277، ابن ماجہ: 1667۔ اس کی سند صحیح ہے) تو جس طرح مسافر کو صرف قضائی دینا پڑتی ہے اور فدیہ اس پر لازم نہیں ہوتا، اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی بعد میں اپنے روزوں کی قضائی دیں گی اور نہ تو فدیہ ان پر لازم ہے اور نہ ہی فدیہ دینے سے ان کی جان چھوٹے گی۔

[629] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : مَنْ كَانَ عَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَلَمْ يَقْضِهِ، وَهُوَ قَوِيٌّ عَلَى صِيَامِهِ، حَتَّى جَاءَ رَمَضَانُ آخَرُ، فَإِنَّهُ يُطْعِمُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيناً، مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ، وَعَلَيْهِ مَعَ ذَلِكَ الْقَضَاءُ .

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ اپنے والد (قاسم بن محمد رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے: جس شخص کے ذمے ماہِ رمضان کی قضا واجب ہو لیکن وہ قضا کے روزے رکھنے کی طاقت پانے کے باوجود قضا نہ کرے یہاں تک کہ دوسرا رمضان آجائے تو بے شک یہ شخص ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو گندم کا ایک مُدّ (فدیہ بھی) دے اور اس کے ساتھ اس پر قضا بھی واجب ہے۔

[630] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ مِثْلُ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ کو سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح (کے فتویٰ) کی خبر پہنچی۔

فائدہ :...... اہل حدیث اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ایسا شخص دوسرے رمضان کی آمد پر اس کے روزے رکھ لے، پھر دوسرا رمضان گزرنے کے بعد گزشتہ رمضان کی صرف قضائی دے اور یہی راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قضائی کے لیے کوئی دن متعین نہیں کیا اور ﴿أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرۃ 2:184) ''دوسرے دنوں'' کے عموم میں زندگی بھر کے باقی

[629] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[630] (مقطوع ضعیف) عبدالرزاق: 4/ 222، 223 (7579)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

ماندہ ایام شامل ہیں، البتہ بہتر یہی ہے کہ جلد از جلد اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کر دیے جائیں کیونکہ موت کسی بھی لمحے آسکتی ہے۔ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک اگر قضا میں اتنی تاخیر کی جائے کہ آئندہ رمضان شروع ہوجائے اور یہ تاخیر عذر کی وجہ سے ہوتو پھر صرف قضا ہی لازم رہے گی اور اگر بغیر عذر کے تاخیر کی تو قضا بھی اور فدیہ بھی لازم ہوگا کیونکہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے۔ (زرقانی : 2/ 270)

20- بَابٌ: جَامِعُ قَضَاءِ الصِّيَامِ

روزوں کی قضا کے متعلق ایک جامع روایت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت ہے جس کی سند صحیح ہے۔

[631] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ: إِنْ كَانَ لَيَكُونُ عَلَيَّ الصِّيَامُ مِنْ رَمَضَانَ، فَمَا أَسْتَطِيعُ أَصُومُهُ حَتَّى يَأْتِيَ شَعْبَانُ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ بے شک مجھ پر (ایام مخصوصہ کی بنا پر رہ جانے والے) ماہِ رمضان کے روزے (بطور قضا لازم) ہوتے تھے، پھر میں ان کو رکھنے کی طاقت نہ پاتی یہاں تک کہ (دس ماہ گزر جاتے اور) ماہِ شعبان آجاتا۔

فائدہ : ......اس کا سبب بھی انھوں نے یوں ذکر فرمادیا تھا کہ ((اَلشُّغْلُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ)) ''نبی کریم ﷺ کے ساتھ مشغولیت۔'' (بخاری: 1950، مسلم: 1146) نبی مکرم ﷺ کو ان سے خصوصی محبت تھی اور چونکہ روزہ اہم ازدواجی تعلق میں مانع ہے اس لیے وہ روزہ نہ رکھتیں تاکہ چاہتِ پیغمبر ﷺ کی تکمیل میں کوئی آڑ نہ آئے، رسول اللہ ﷺ نے رات گزارنے کے لیے اپنی بیویوں کے لیے باری مقرر کر رکھی تھی لیکن آپ ﷺ روزانہ بھی ان کے گھروں میں دریافتِ احوال کے لیے تشریف لے جاتے تھے، نیز چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو باری مقرر کرنے کا پابند نہیں کیا تھا اس لیے آپ کبھی کبھار ایک ہی رات میں سب بیویوں سے وظیفہ زوجیت ادا فرمایا کرتے تھے، اسی کے پیش نظر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ نہ چاہتی تھیں کہ کسی وقت آقا علیہ السلام کی خواہش ہو اور ان کا روزہ مانع ہوجائے، البتہ ماہ شعبان میں رسول اللہ ﷺ بھی تقریباً اکثر مہینہ روزہ رکھ کر گزارتے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو روزوں کی قضا کا موقع مل جاتا تھا۔

---

[631] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب متی یقضی قضاء رمضان، حدیث: 1950، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب جواز تاخیر قضاء رمضان، حدیث: 1146، ابوداود: 2399، ترمذی: 783، نسائی: 2321، ابن ماجہ: 1669، احمد: 6/124 (25441).

21- بَابٌ : صِيَامُ الْيَوْمِ الَّذِىْ يُشَكُّ فِيْهِ

شک والے دن کے روزے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ نے صرف ایک فتویٰ ذکر کیا ہے۔

حَـدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْـعِلْمِ يَنْهَوْنَ أَنْ يُصَامَ الْيَوْمُ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ مِـنْ شَـعْبَـانَ ، إِذَا نَـوَى بِـهِ صِيَامَ رَمَضَانَ ، وَيَرَوْنَ أَنَّ عَلَى مَنْ صَامَهُ عَلَى غَيْرِ رُؤْيَةٍ ، ثُمَّ جَـاءَ الثَّبَتُ ، أَنَّـهُ مِـنْ رَمَـضَـانَ أَنَّ عَلَيْـهِ قَضَا ءَهُ ، وَلَا يَـرَوْنَ بِـصِيَـامِهِ تَطَوُّعاً بَأْساً . قَـالَ مَـالِكٌ : وَهَـذَا الأَمْـرُ عِـنْـدَنَا ، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے اہل علم کو اس سے منع کرتے ہوئے سنا کہ ماہِ شعبان (کے آخر) میں جس دن میں شک واقع ہوجائے (مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے اور یہ شبہ لاحق ہوجائے کہ یہ شعبان کی تیس تاریخ کا دن ہے یا یکم رمضان کا، تو اہل علم منع کرتے کہ) اس دن کا روزہ رمضان کے روزے کی نیت سے رکھا جائے اور وہ (اہل علم) یہی رائے رکھتے تھے کہ جس شخص نے چاند دیکھے بغیر (محض شک کے ساتھ) یہ روزہ رکھ لیا، پھر کسی ثقہ اور معتبر آدمی نے آ کر یہ گواہی دے دی کہ واقعی یہ دن ماہِ رمضان میں سے ہے (تو جس طرح باقی لوگوں پر اس دن کی قضا لازم ہوگی) اسی طرح یقیناً (شک کے ساتھ روزہ رکھنے والے) اس شخص پر (بھی) اس دن کی قضا لازم ہوگی، البتہ وہ (اہل علم) نفل کی نیت سے اس دن کا روزہ رکھنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔

فائدہ :......حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَـنْ صَـامَ الْيَـوْمَ الَّـذِىْ يُشَكُّ فِيْهِ عَصٰى اَبَا الْـقَـاسِمِ ﷺ ''جس شخص نے اس دن کا روزہ رکھا جس میں شک ہو تو یقیناً اس نے ابوالقاسم (حضرت محمد) ﷺ کی نافرمانی کی''(ابوداود: 2334، ترمذی: 686، نسائی: 2190، ابن ماجہ: 1645۔ بخاری تعلیقاً قبل از حدیث: 1906۔ اس کی سند صحیح ہے) بعض لوگ اس نیت سے روزہ رکھ لیتے ہیں کہ اگر یہ دن رمضان سے ہوا تو رمضان کا ثواب مل جائے گا ورنہ نفل کا اجر تو حاصل ہو ہی جائے گا، یہ بھی ممنوع ہے، استقبال رمضان کی نیت سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنا بھی ناجائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّـكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمًا فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ)) ''تم میں سے کوئی شخص آمد رمضان سے پہلے ایک دن یا دو دن کے روزوں کے ساتھ آگے نہ بڑھے، سوائے اس شخص کے جو معمول کا کوئی روزہ رکھتا ہو تو وہ اس دن کا روزہ (اپنے سابقہ معمول اور روٹین کے حساب سے) رکھ سکتا ہے۔''(بخاری: 1914، مسلم: 1082) مثلاً کسی شخص کی روٹین سوموار یا جمعرات کے روزے کی ہو یا جمعہ اور ایک دن اس کے ساتھ ملا کر روزہ رکھتا ہو، یا ہر مہینے کے آخر میں کوئی روزہ رکھتا ہو، یا صوم داؤدی کا پابند ہو اور یہ دن شعبان کے بالکل آخر میں آ جائیں تو پرانے معمول کے مطابق

نیت کے ساتھ روزہ رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک شک والے دن میں بغیر کسی پرانے معمول کے اور بغیر کسی سبب کے محض نفل کی نیت سے روزہ رکھ لینا درست ہے، امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس دن بغیر کسی سبب کے روزہ رکھنا حرام ہے، راجح موقف یہ ہے کہ اس دن پرانے معمول کے سوا کوئی بھی روزہ رکھنا ناجائز ہے جیسا کہ اوپر حدیث میں گزرا ہے، نیز فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ((إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا)) ''جب نصف شعبان ہو جائے تو روزے نہ رکھو۔'' (ابوداود: 2337، ترمذی: 738، ابن ماجہ: 1651۔ اس کی سند صحیح ہے۔)

22- باب جَامِعُ الصِّيَامِ

روزوں کے متفرق مسائل کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین مرفوع احادیث نبویہ اور ایک موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور سب کی اسانید صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی بھی مذکور ہیں۔

[632] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ لَا يُفْطِرُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ لَا يَصُومُ، وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ، إِلَّا رَمَضَانَ، وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ، أَكْثَرَ صِيَاماً مِنْهُ فِي شَعْبَانَ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بعض اوقات مسلسل نفلی) روزے رکھتے چلے جاتے یہاں تک کہ ہم کہنے لگتے کہ آپ (آئندہ کوئی) روزہ نہیں چھوڑیں گے اور (کبھی کبھار) روزہ چھوڑے رکھتے یہاں تک کہ ہم کہنے لگتے کہ آپ (آئندہ) روزہ نہیں رکھیں گے، اور میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان کے سوا کبھی بھی کسی اور مہینے کے مکمل روزے رکھے ہوں اور نہ ہی میں نے آپ کو ماہِ شعبان سے بڑھ کر کسی اور مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے دیکھا۔

فائدہ: ......بعض روایات میں پورے شعبان کے روزے رکھنے کا بھی ذکر ہے۔ (بخاری: 1970، عن عائشہ رضی اللہ عنہا، ترمذی: 736، ابوداود: 2336، عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا، 2435، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ) تو یہ ((اَلْقَلِيْلُ

---

[632] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم شعبان، حدیث: 1969، 1970، 6465، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان، حدیث: 1156/ 175، ابوداود: 2434، نسائی: 2353، ابن ماجہ: 1710، احمد: 6/ 107 (25264).

كَالْمَعْدُوْمِ)) اور ((اَلْحُكْمُ لِلْاَكْثَرِ)) کے قبیل سے ہے یعنی اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے حکم لگا دیا جاتا ہے اور قلیل چیز کو کالعدم شمار کر لیا جاتا ہے، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود ہی دونوں طرح کے الفاظ یوں مروی ہیں: ((كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهٗ، كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا)) ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورا شعبان روزہ رکھتے رہتے (یعنی) چند دنوں کے سوا شعبان روزے سے گزارتے۔'' (مسلم: 781/ 176) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مہینے میں کثرت سے روزے رکھنے کے اصل سبب اور حکمت کے متعلق بعض روایات اور آراء بھی منقول ہیں، مثلاً (1) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ تین روزے رکھتے تھے لیکن اگر وہ رہ جاتے تو ماہِ شعبان میں ان کی قضا کرتے (طبرانی۔ اس میں ابن ابی لیلیٰ ضعیف راوی ہے۔) (2) رمضان کے بعد شعبان کے روزے سب سے افضل ہیں۔ (ترمذی۔ اس میں صدقہ بن موسیٰ ضعیف ہے۔) وغیرہ۔ اکثر علماء و شارحین کے نزدیک راجح اور صحیح حکمت وہی ہے جو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: ((ذٰلِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبَ وَ رَمَضَانَ، وَ هُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْاَعْمَالُ اِلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فَأُحِبُّ اَنْ يُّرْفَعَ عَمَلِيْ وَ اَنَا صَائِمٌ)) ''یہ مہینہ جو رجب اور رمضان کے درمیان میں ہے اس سے اکثر لوگ غافل رہتے ہیں اور یہ ایسا مہینہ ہے جس میں (لوگوں کے) اعمال رب العالمین کی طرف بلند کیے جاتے ہیں، لہٰذا میں پسند کرتا ہوں کہ میرے عمل اس حال میں اٹھائے جائیں کہ میں روزے دار ہوں۔'' (نسائی: 2359، حافظ ابن حجر کے بقول امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، مرعاۃ المفاتیح: 7/ 36)
یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے بعد سب سے افضل روزے ماہِ محرم کے قرار دیے ہیں۔ (مسلم: 1163) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم میں زیادہ روزے کیوں نہیں رکھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ماہ محرم کی فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر عمر میں معلوم ہوئی ہو یا سفر و مرض وغیرہ کا عذر مانع ہو، واللہ اعلم۔

[633] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الصِّيَامُ جُنَّةٌ، فَإِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ صَائِماً، فَلَا يَرْفُثْ، وَلَا يَجْهَلْ، فَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ، أَوْ شَاتَمَهُ، فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ إِنِّي صَائِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزہ ڈھال ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو تو نہ فحش کلامی (اور بیہودہ گوئی) کرے اور نہ جہالت کا کام کرے، پھر اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑنا چاہے تو اسے یہ کہہ دینا چاہیے کہ بے شک میں تو روزہ دار ہوں، یقیناً میں تو روزے سے ہوں۔''

---

[633] (مرفوع صحیح) صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب فضل الصوم، حديث: 1894، 5927، 7492، 7538، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب حفظ اللسان للصائم وباب فضل الصيام، حديث: 1151، ابوداود: 2363، ترمذی: 764، نسائی: 2218، ابن ماجه: 1691، احمد: 2/ 257 (7484)، دارمی: 1771.

فائدہ :......جس طرح جنگ کے دوران دشمن کے تیروتلوار سے بچنے کے لیے ڈھال استعمال کرتے ہیں اسی طرح روزہ دنیامیں گناہوں سے ڈھال کا کام دیتا ہے اور آخرت میں آگ سے بچانے کا باعث بن جائے گا۔ جہالت والے کام سے مراد شور مچانا اور جھگڑا کرنا ہے، چنانچہ بعض روایات میں اس کی جگہ یہ لفظ ہے: ((لَا يَصْخَبْ)) ''شور نہ مچائے۔'' (بخاری: 1904، مسلم: 1151)

[634] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ، أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، إِنَّمَا يَذَرُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ، مِنْ أَجْلِي، فَالصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، إِلَى سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ، إِلَّا الصِّيَامَ فَهُوَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً روزے دار کے منہ کی مہک اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:) وہ (روزہ دار) اپنی شہوت، اپنے کھانے اور پینے کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے، لہٰذا روزہ تو خالص میرے ہی لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ عطا کروں گا، ہر نیکی دس گنا سے لے کر سات سوگنا تک (لکھی جاتی) ہے سوائے روزے کے، کہ وہ میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔''

فائدہ :...... اللہ تعالیٰ روزے کا اجر فرشتوں سے نہیں لکھواتے، بلکہ بذات خود بلاواسطہ انھیں اجر سے نوازیں گے جو کہ عظیم ترین عزت افزائی ہے، روزہ صبر کی عکاسی کرتا ہے جس کے متعلق فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر 39:10) ''بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔'' بہرحال یہ اجر اخلاص سے بھرپور اور قولی و فعلی برائیوں سے پاک روزے پر ملے گا۔ روزے دار کے منہ کی مہک سے مراد وہ مہک ہے جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے اخیر دن میں منہ سے نکلتی ہے، اس کا تعلق منہ کے دانتوں یا مسوڑھوں کی خرابی کے ساتھ نہیں ہے، اور یہ مسواک کرنے کے باوجود بدستور جاری رہتی ہے، بعض روایات میں اس حدیث مبارکہ میں یہ خوشخبری بھی مذکور ہے: ((لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِيْنَ يُفْطِرُ وَ فَرْحَةٌ حِيْنَ يَلْقٰى رَبَّهٗ)) ''روزے دار کے لیے دو (خاص) خوشیاں ہیں، ایک خوشی اس وقت ملتی ہے جب وہ روزہ کھولتا ہے اور دوسری خوشی اس وقت ملے

[634] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب هل یقول انی صائم اذا شتم، حدیث: 1904، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام، حدیث: 1151، ترمذی:764، نسائی:2217، ابن ماجه: 1638، احمد: 2/ 257 (8485)، دارمی:1770.

گی جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔'' (بخاری: 7492، مسلم: 1151/ 164) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ بِفِطْرِهٖ وَ اِذَا لَقِیَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ)) ''جب وہ روزہ کھولتا ہے تو روزہ کھولنے سے خوش ہوتا ہے اور جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اپنے روزے کی وجہ سے خوش ہوگا۔'' (مسلم: 1151/ 163) ایک روایت میں یوں مذکور ہے: ((وَ اِذَا لَقِیَ اللّٰهَ فَجَزَاهُ فَرِحَ)) ''اور جب وہ اللہ سے ملاقات کرے گا اور وہ اسے جزا عطا کرے گا تو وہ خوش ہو جائے گا۔'' (مسلم: 1151/ 165)

[635] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ، فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب رمضان داخل ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

فائدہ: ...... بخاری (1899) اور مسلم (1179) میں یہ روایت فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں: ((وَ تُغَلُّ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنِ)) ''اور سرکش شیطانوں کو اس (مہینے) میں طوق پہنا دیے جاتے ہیں۔'' (نسائی: 2108، احمد: 2/ 230۔ اس کی سند صحیح ہے) اور یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ ہر شیطان ہی سرکش ہے لہٰذا ہر شیطان ہی جکڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ماہِ رمضان میں گناہ کیوں نہیں رکتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ (1) انسانوں کو گناہوں پر اکسانے والا صرف شیطان ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہر انسان کا دشمن اس کا اپنا ہی نفس امّارہ (گناہوں پر آمادہ کرنے والا) ہوتا ہے جو رمضان میں بھی اپنا کام جاری رکھتا ہے، نیز (2) ماہِ رمضان سے پہلے شیطانوں کی گیارہ ماہ کی مسلسل محنت کے اثرات رمضان میں باقی رہتے ہیں جس طرح کہ بجلی کے پنکھے کا سوئچ بند کر دینے کے باوجود کچھ دیر تک وہ گھومتا رہتا ہے اور جس طرح کہ چولھا بند کر دینے کے باوجود اس کی دیواریں اور توا وغیرہ کچھ دیر تک سخت گرم رہتے ہیں، یہی حال شیطانوں کے وساوس کا ہے کہ ماہِ رمضان میں بھی اپنے اثرات دکھاتے رہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت ہے کہ اس مہینے میں جہنم کے دروازے بند کر دیتا ہے لیکن اگر کوئی بدنصیب اپنے لیے جہنم کا دروازہ کھلوانا چاہے تو اس کی مرضی ہے، چنانچہ ہر مشرک و کافر جو ماہِ رمضان میں مرتا ہے، اسے جہنم ہی کا ایندھن بننا پڑتا ہے اور جنت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں لیکن کوئی شخص اس میں نہ جانا چاہے تو اس کی بدقسمتی ہے،

[635] (موقوف صحیح) مرفوع کے لیے دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب هل يقال رمضان اوشهر رمضان، حديث: 1898، 1899، 3277، صحیح مسلم، کتاب الصيام، باب فضل شهر رمضان، حديث: 1079، ترمذی: 682، نسائی: 2099، ابن ماجه: 1642، احمد: 2/ 281 (7767).

اس حدیث میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں: (وَ يُنَادِيْ مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَ يَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَ لِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَ ذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ) ''ایک اعلان کرنے والا منادی کرتا ہے کہ اے نیکیوں کے متلاشی! (ذرا مزید) آگے بڑھ اور اے برائیوں کے متلاشی! (اب تو) باز آجا اور اللہ تعالیٰ آگ سے کئی لوگوں کو آزاد فرما دیتا ہے اور یہ (ماہِ رمضان کی) ہر رات میں ہوتا رہتا ہے۔'' (ترمذی: 682۔ اس کی سند صحیح لغیرہ ہے۔)

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ لَا يَكْرَهُونَ السِّوَاكَ لِلصَّائِمِ فِي رَمَضَانَ، فِي سَاعَةٍ مِنْ سَاعَاتِ النَّهَارِ، لَا فِي أَوَّلِهِ، وَلَا فِي آخِرِهِ، وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَداً مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُ ذَلِكَ، وَلَا يَنْهَى عَنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے اہل علم کو سنا، وہ ماہِ رمضان میں روزے دار کے لیے مسواک کرنا مکروہ نہیں جانتے تھے، خواہ وہ دن کی گھڑیوں میں سے کسی بھی گھڑی میں ہو، نہ دن کے آغاز میں اور نہ ہی دن کے اخیر میں۔ اور میں نے اہل علم میں سے کسی ایک سے بھی نہیں سنا کہ وہ اس کو مکروہ سمجھتا ہو یا اس سے منع کرتا ہو۔

فائدہ: ......اور یہی بات راجح ہے، جمہور علماء وفقہاء بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ((لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ)) ''اگر میں اپنی امت پر مشقت خیال نہ کرتا تو ان کو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا (وجوبی) حکم دے دیتا۔'' (بخاری: 887، مسلم: 252) دراصل متعدد علماء مسواک کرنے کو روزہ دار کے منہ کی مہک ختم کرنے کا ذریعہ سمجھ کر اس سے منع کرتے ہیں۔ بعض صرف پچھلے پہر مسواک منع کرتے ہیں اور بعض تر مسواک سے روکتے ہیں، چنانچہ زوال کے بعد مسواک کو مکروہ سمجھنا امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے اور تر مسواک کی کراہت امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے......لیکن چونکہ اس مہک کا تعلق معدے سے ہوتا ہے نہ کہ منہ کی خرابی سے، اس لیے مسواک اس پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتی، لہٰذا روزہ دار کے لیے پورا دن مسواک کرنا مستحب ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ عنوان قائم کیا ہے: ((بَابُ سِوَاكِ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ لِلصَّائِمِ)) ''روزہ دار کے لیے تر اور خشک مسواک (کے ثبوت) کا بیان۔'' پھر انھوں نے مختلف آثار سے اسے ثابت کیا ہے۔
(بخاری، کتاب الصوم: باب: 27، قبل از حدیث: 1934)

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ فِي صِيَامِ سِتَّةِ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ: إِنَّهُ لَمْ يَرَ أَحَداً مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ يَصُومُهَا، وَلَمْ يَبْلُغْنِي ذَلِكَ عَنْ أَحَدٍ مِنَ السَّلَفِ، وَإِنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ يَكْرَهُونَ ذَلِكَ، وَيَخَافُونَ بِدْعَتَهُ،

امام مالک رحمہ اللہ نے ماہِ رمضان کے روزوں سے فارغ ہونے کے بعد شوال کے چھ روزوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اہل علم اور اہل فقہ میں سے کسی کو بھی یہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ ہی اسلاف میں سے کسی کے متعلق مجھے اس عمل کی خبر پہنچی ہے، (بلکہ) یقیناً اہل

وَأَنْ يُلْحِقَ بِرَمَضَانَ مَا لَيْسَ مِنْهُ أَهْلُ الْجَهَالَةِ وَالْجَفَاءِ ، لَوْ رَأَوْا فِي ذَلِكَ رُخْصَةً عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ ، وَرَأَوْهُمْ يَعْمَلُونَ ذَلِكَ .

علم تو اسے مکروہ جانتے ہیں اور اس کے بدعت ہونے کا اندیشہ محسوس کرتے ہیں اور اہل علم اس بات سے بھی ڈرتے ہیں کہ جاہل اور اجڈ قسم کے لوگ رمضان کے ساتھ اس چیز کو ملا دیں گے جو رمضان کا حصہ نہیں ہے (جہلاء ان چھ روزوں کو یا تو رمضان کا حصہ سمجھیں گے یا رمضان کے ساتھ انھیں ملا کر رکھنا واجب شمار کر لیں گے اور یہی ہوگا) اگر وہ اس کے بارے میں اہل علم کے ہاں رخصت پالیں اور ان کو اس پر عمل کرتے ہوئے دیکھ لیں۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ شوال کے روزوں کو مکروہ کہتے ہیں، البتہ متاخرین احناف اس میں حرج نہیں سمجھتے، ان چھ روزوں کا مستحب ہونا بلکہ ان کی فضیلت بیان کر کے ان کی ترغیب دینا تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ فرمایا: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ)) ''جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر شوال کے چھ روزے اس کے پیچھے رکھ لیے تو یہ سال بھر کے روزوں کی طرح ہے۔'' (مسلم : 1164) ہر نیکی دس گنا لکھی جاتی ہے۔ اس طرح ماہِ رمضان دس مہینوں کے برابر ہے، باقی دو ماہ یعنی ساٹھ دن بچ گئے تو چھ روزے ان کے برابر ہو جائیں گے۔ حیرت ہے کہ اس زمانے کے لوگ بعض ثابت شدہ نفلی کاموں کو واجب سمجھ لینے پر بدعت کا خطرہ محسوس کرتے تھے اور اس وجہ سے انھیں ترک کر دیتے تھے، لیکن آج کل اپنے اپنے لیڈروں کے بعض ایجاد کردہ کاموں کو شریعت کا لازمی جز و سمجھ کر ان پر فخر کیا جاتا ہے، (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) ۔ بہرحال امام مالک رحمہ اللہ نے بدعت میں واقع ہو جانے کے اندیشے سے مذکورہ فتویٰ دیا ہے اور اگر یہ خدشہ نہ ہو اور کوئی شخص ان کی فضیلت پانے کے لیے انھیں رکھ لے تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے۔

قَالَ يَحْيَى : سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ : لَمْ أَسْمَعْ أَحَداً مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ ، وَمَنْ يُقْتَدَى بِهِ ، يَنْهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ، وَصِيَامُهُ حَسَنٌ ، وَقَدْ رَأَيْتُ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَصُومُهُ وَأُرَاهُ كَانَ يَتَحَرَّاهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے علم و فقہ رکھنے والوں میں سے اور جن لوگوں کو قابل اقتدا سمجھا جاتا ہے، ان میں سے بھی کسی کو نہیں سنا کہ وہ جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع کرتے ہوں اور اس دن کا روزہ تو اچھا عمل ہے اور میں نے تو بعض اہل علم کو دیکھا کہ وہ اس دن کا روزہ رکھتے تھے اور میرا خیال ہے کہ وہ اس کی جستجو میں رہتے تھے۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اکیلے جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((لَا يَصُوْمُ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا يَوْمًا قَبْلَهٗ اَوْ بَعْدَهٗ)) ''تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے الا یہ کہ ایک دن اس سے پہلے یا اس کے بعد (کا روزہ اس

کے ساتھ ملا کر رکھے تو جائز ہے)۔" (بخاری: 1985، مسلم: 1144) بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تو اکیلے جمعہ کے دن کے روزے کو تڑوا دیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ کی اپنی زوجہ محترمہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو جمعہ کے دن روزے کی حالت میں دیکھا تو دریافت فرمایا کہ "کیا تم نے کل بھی روزہ رکھا تھا"؟ انھوں نے کہا: نہیں، پھر پوچھا کہ کیا کل روزہ رکھوگی"؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں، تو فرمایا کہ "پھر روزہ توڑ ڈالو۔" (بخاری: 1986) اسی طرح فرمان نبوی ﷺ ہے: ((لَا تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِيْ وَلَا تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَصُوْمُ اَحَدُكُمْ)) "تمام راتوں کے درمیان میں سے جمعہ کی رات کو قیام (نماز تہجد) کے لیے خاص نہ کرو اور نہ ہی دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزے کے ساتھ خاص کرو، الا یہ کہ یہ (جمعہ کا) دن اس روزے میں آجائے جسے تم میں سے کوئی (اپنے معمول کے مطابق) رکھا کرتا ہے۔" (مسلم: 1144/ 148) لہٰذا خالص مومن اور سچے محبّ رسول کے لیے قطعاً مناسب نہیں کہ تنہا جمعہ کا روزہ رکھے، امام احمد رحمہ اللہ کا بھی اہل حدیث جیسا ہی موقف ہے، ممکن ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ احادیث نہ پہنچی ہوں۔ ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خانہ کعبہ کے طواف کے دوران پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے دن کے روزے سے منع فرمایا ہے تو انھوں نے کہا کہ ہاں، اس گھر کے رب کی قسم! (مسلم: 1143)

23- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

لیلۃ القدر کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں آٹھ روایات ہیں، ان میں سے سات احادیث نبویہ ہیں جن میں سے چھ صحیح اور ایک ضعیف ہے، باقی ایک مقطوع روایت (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) سنداً ضعیف ہے۔

[636] حَدَّثَنِي زِيَادٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْوُسْطَ مِنْ رَمَضَانَ، فَاعْتَكَفَ عَاماً حَتَّى إِذَا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ماہِ رمضان کے درمیانی عشرے (دس دنوں) کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک سال آپ ﷺ نے (اسی عشرے کا) اعتکاف فرمایا، یہاں تک کہ جب اکیسویں رات آئی اور یہ وہ رات تھی جس کی صبح کو آپ ﷺ اپنے اعتکاف سے نکل جایا کرتے تھے، (لیکن اس دفعہ)

[636] (مرفوع صحیح) صحيح البخاری، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الاواخر، حدیث: 2027، 813، 2016، 2018، 2036، 2040، صحيح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل لیلة القدر والحث علی طلبها، حدیث: 1167، ابوداود: 1382، نسائی: 1357، ابن ماجه: 1766، احمد: 3/ 7.

كَانَ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ، وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ فِيهَا مِنْ صُبْحِهَا مِنَ اعْتِكَافِهِ قَالَ :مَنِ اعْتَكَفَ مَعِي، فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ، وَقَدْ رَأَيْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ، ثُمَّ أُنْسِيتُهَا، وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ مِنْ صُبْحِهَا فِي مَاءٍ وَطِينٍ، فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، وَالْتَمِسُوهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ . قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَأُمْطِرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلَى عَرِيشٍ، فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ : فَأَبْصَرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ، وَعَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ، مِنْ صُبْحِ لَيْلَةِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ .

فرمایا: ’’ جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کر چکا ہے وہ آخری دس راتوں کا بھی اعتکاف کرے، اور میں نے اس رات کو دیکھ (کرجان) لیا تھا لیکن پھر مجھے یہ رات بھلادی گئی اور میں نے (خواب میں لیلۃ القدر دکھائے جانے کے موقع پر) خود کو دیکھا کہ میں لیلۃ القدر کی صبح کو پانی اور مٹی (بارش کے کیچڑ) میں سجدہ کر رہا ہوں لہٰذا تم اسے آخری دس راتوں میں تلاش کرواور (ان میں سے بھی) طاق راتوں میں اسے ڈھونڈا کرو۔‘‘ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسی (اکیسویں) رات آسمان برس پڑا اور مسجد ایک چھپر پر تھی (مسجد کی چھت کھجور کے پتوں اور شاخوں سے بنے ہوئے ایک چھپر کی شکل میں تھی) چنانچہ مسجد ٹپکنے لگی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری دونوں آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اکیسویں رات کو (نماز فجر سے فارغ ہوکر) پھرے تو آپ ﷺ کی مبارک پیشانی اور ناک پر (کیچڑ میں سجدہ کرنے کی وجہ سے) پانی اور مٹی کا نشان تھا۔

فائدہ: ...... رسول اللہ ﷺ کو لیلۃ القدر کی تعیین خواب میں دکھلائی گئی تھی کیونکہ ایک حدیث میں ہے: ’’مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی، پھر مجھے میرے گھر والوں میں سے کسی نے جگا دیا تو میں اسے بھول گیا۔‘‘ (مسلم: 1166) البتہ بارش اور کیچڑ والی نشانی آپ ﷺ کو یاد رہی ...... تفصیلی روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پورے مہینے کا اعتکاف کیا تھا، جب پہلے دس دن پورے ہوئے تو جبریل علیہ السلام نے آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ جس چیز کی تلاش میں ہیں وہ آگے آئے گی، چنانچہ آپ ﷺ نے دوسرے عشرے کا بھی اعتکاف کیا، جبریل علیہ السلام نے آکر پھر وہی بات کہی تو رسول اللہ ﷺ نے بیس تاریخ کی صبح کو خطبہ دے کر باقی باتیں ارشاد فرمائیں۔ (بخاری: 813، مسلم: 1166/ 215) ...... ”لَيْلَةُ الْقَدْر“ کے لفظ کے تین مفہوم ہیں: (الف) قدر بمعنی قدر و منزلت اور عزت و مرتبہ ہو تو مراد اس رات کا بلند مرتبہ و مقام اور عالی شان درجات والا ہونا ہے۔ (ب) قدر بمعنی اندازہ ہو تو مطلب یہ ہے کہ وہ اہم رات جس میں آنے والے پورے سال کے معاملات کا اندازہ از سرنو لگایا جاتا ہے۔ (ج) قدر بمعنی تنگی ڈالنا ہو تو مفہوم یہ ہے کہ اس رات میں اس قدر فرشتے اترتے ہیں کہ زمین تنگ پڑ جاتی ہے۔

[637] وَحَدَّثَنِي زِيَادٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ، فِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (عروہ رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کیا کرو۔''

[638] وَحَدَّثَنِي زِيَادٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ، فِي السَّبْعِ الأَوَاخِرِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری سات راتوں میں تلاش کرو۔''

فائدہ: ......رسول اللہ ﷺ نے اصل قاعدہ تو یہی بتایا ہے کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کوئی ایک طاق رات میں لیلۃ القدر ہوتی ہے لیکن اپنی زندگی کے ہر سال کے لحاظ سے آپ ﷺ نے الگ الگ نشانیاں بھی بتائیں، چنانچہ جن روایات میں آخری دس راتوں کے مجموعے کے علاوہ کوئی رات یا چند راتیں بیان ہوئی ہیں وہ کسی نہ کسی مخصوص سال کے متعلق تھیں لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو عام سمجھ لیا اور ہمیشہ اس پر قائم رہے۔

[639] وَحَدَّثَنِي زِيَادٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُنَيْسٍ الْجُهَنِيَّ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي رَجُلٌ شَاسِعُ الدَّارِ، فَمُرْنِي لَيْلَةً أَنْزِلُ لَهَا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: انْزِلْ

ابونضر رحمہ اللہ جو کہ عمر بن عبیداللہ رحمہ اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک میرا گھر (کافی) دور ہے، آپ مجھے کسی ایک رات کے بارے میں بتا دیجیے جس میں میں (مسجد میں) پڑاؤ

---

[637] (مرفوع صحيح) صحيح البخارى، كتاب فضل ليلة القدر، باب تحرى ليلة القدر فى الوتر من العشر الاواخر، حديث:2020، 2017، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها، حديث: 1169، ترمذى:792، احمد:6/ 56 (24796).

[638] (مرفوع صحيح) صحيح البخارى، كتاب فضل ليلة القدر، باب التماس ليلة القدر فى السبع الاواخر، حديث: 2015، 1158، 6991، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها، حديث: 1165/ 206، ابوداود:1385، نسائى فى الكبرى:3400، احمد:3/ 113 (5932)، دارمى:1783.

[639] (مرفوع صحيح) صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها، حديث: 1168، سنن ابى داود، كتاب شهر رمضان، باب فى ليلة القدر، حديث: 1379، نسائى فى الكبرى: 3401، احمد:3/ 495 (16141).

لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ .

ڈالوں، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''رمضان کی تئیسویں تاریخ کو آجانا۔''

فائدہ : ...... کیونکہ اس سال تئیسویں رات کو لیلۃ القدر تھی۔

[640] وَحَدَّثَنِي زِيَادٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ: إِنِّي أُرِيتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ فِي رَمَضَانَ، حَتَّى تَلَاحَى رَجُلَانِ فَرُفِعَتْ، فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ، وَالسَّابِعَةِ، وَالْخَامِسَةِ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ماہ رمضان میں گھر سے نکلے اور) ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''بے شک مجھے ماہ رمضان کی یہ رات (لیلۃ القدر) دکھادی گئی تھی، پھر دو شخص باہم جھگڑ پڑے تو (اس جھگڑے کی نحوست سے) اس رات (کی تعیین) کو اٹھالیا گیا، لہٰذا تم اسے (آخر سے) نویں، ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔''

فائدہ : ...... ان راتوں سے مراد اکیسویں، تئیسویں اور پچیسویں راتیں ہیں، رات کی تعیین اٹھالیے جانے پر نبی اکرم ﷺ نے ایک حوصلہ افزا بات یہ بیان فرمائی: ((وَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ)) ''ممکن ہے کہ یہ تمھارے لیے بہتر ثابت ہو۔'' (بخاری: 49) اگر ایک رات مخصوص ہوتی تو باقی راتوں کی اہمیت بالکل کم ہوجاتی لیکن اب تعیین نہ ہونے کی وجہ سے آخری پانچ طاق راتوں میں لوگ ایک نئی لگن اور امید سے عبادت کی جستجو کرتے ہیں، یقیناً بہت بابرکت اور بلند ہے وہ پروردگار جو شر میں سے خیر کی راہیں نکالتا ہے۔

[641] وَحَدَّثَنِي زِيَادٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رِجَالاً مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ، فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنِّي أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب رسول میں سے چند آدمیوں کو خواب میں لیلۃ القدر کے متعلق یہ دکھایا گیا کہ وہ آخری سات راتوں میں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے خواب آخری سات راتوں کے متعلق متفق ہوگئے ہیں، لہٰذا جو شخص اس

[640] (مرفوع صحيح) صحيح البخارى، كتاب فضل ليلة القدر، باب رفع معرفة ليلة القدر لتلاحى الناس، حديث: 2023، 49، 6049، نسائى فى الكبرى:3395، احمد:5/ 313 (23048)، دارمى:1781.

[641] (مرفوع صحيح) صحيح البخارى، كتاب فضل ليلة القدر، باب التماس ليلة القدر فى السبع الاواخر، حديث: 2015، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها، حديث: 1165/ 205، نسائى فى الكبرى:3399، احمد:2/ 605 (4499)، دارمى:1783.

الأَوَاخِرِ ، فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا ، فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ .

رات کوتلاش کرنا چاہے اسے چاہیے کہ آخری سات راتوں میں اسے ڈھونڈے۔"

[642] وَحَدَّثَنِي زِيَادٌ ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَمِعَ مَنْ يَثِقُ بِهِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أُرِيَ أَعْمَارَ النَّاسِ قَبْلَهُ ، أَوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ ، فَكَأَنَّهُ تَقَاصَرَ أَعْمَارَ أُمَّتِهِ ، أَنْ لَا يَبْلُغُوا مِنَ الْعَمَلِ ، مِثْلَ الَّذِي بَلَغَ غَيْرُهُمْ فِي طُولِ الْعُمْرِ ، فَأَعْطَاهُ اللّٰهُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ، خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اہل علم میں سے ایک ثقہ ومعتبر شخص کوسنا جو کہہ رہے تھے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کی عمریں دکھائی گئیں یاان میں سے جو اللہ نے چاہا دکھایا تو (ان کے مقابلے میں) گویا رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کی عمروں کو چھوٹا خیال کیا کہ وہ اس بات سے قاصر رہ جائیں گے کہ آپ کے امتی اس جیسے عمل کو پہنچ سکیں جس کو ان کے علاوہ پہلی (امتوں کے) لوگ لمبی عمر کی وجہ سے پہنچے تھے تو (آپ ﷺ کی یہ پریشانی دیکھ کر) اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمادی جو ہزار مہینے سے بھی بہتر ہے۔

فائدہ : ...... یہ روایت مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کے سوا کسی کتاب میں نہیں ہے۔

[643] حَدَّثَنِي زِيَادٌ ، عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ بَلَغَهُ ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُولُ : مَنْ شَهِدَ الْعِشَاءَ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ، فَقَدْ أَخَذَ بِحَظِّهِ مِنْهَا .

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے : جو شخص لیلۃ القدر میں سے صرف عشاء کی نماز کو حاضر ہوگیا تو اس نے لیلۃ القدر میں سے اپنا حصہ پالیا۔

فائدہ : ......لیلۃ القدر کا آغاز سورج غروب ہوتے ہی ہوجاتا ہے، چنانچہ اس رات میں روزہ داروں نے سب سے پہلے افطاری کرنا ہوتی ہے، پھر نماز مغرب، اسی طرح نماز عشاء اور پھر سحری کرنا ہوتی ہے، لہٰذا ہر روزہ ونماز کے پابند مومن کو یہ عبادتیں لیلۃ القدر کی برکات سمیت مل جاتی ہیں، لہٰذا کسی شخص کو لیلۃ القدر کی شناخت ہو یا نہ ہو اور وہ پوری رات نہ بھی جاگے تو پھر بھی اسے لیلۃ القدر خود بخود مل جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جتنی محنت کرے گا اتنا بدلہ پالے گا۔

---

[642] (مرفوع ضعيف) بيهقى فى شعب الايمان: 3/ 323 (3667) ، ابن عبدالبر فى الاستذكار: 10/ 342۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے ضعیف کہا ہے۔

[643] (مقطوع ضعيف) بيهقى فى شعب الايمان: 3/ 339 (3704) ۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

18

كِتَابُ الْاِعْتِكَافِ
اعتکاف کے متعلق کتاب

خلاصۃ الکتاب اس کتاب میں سات روایات پانچ ابواب میں مذکور ہیں، مرفوع روایات (احادیث نبویہ) 3، موقوف (اثر صحابی) ایک اور مقطوع روایات (آثار تابعین) 3 ہیں۔ ان تمام میں سے ایک مقطوع روایت ضعیف اور باقی سب کی سب صحیح سندوں والی ہیں۔ نیز اس کتاب میں امام مالک رحمہ اللہ کے بیس فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

1- بَابٌ: ذِكْرُ الاِعْتِكَافِ
اعتکاف کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک مرفوع، ایک موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب روایات سنداً صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دس فتاویٰ جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ :......اعتکاف کے لغوی معنی بند رہنے اور رکے رہنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں ''خاص کیفیت کے ساتھ کسی شخص کا خود کو مسجد میں روک لینا'' اعتکاف کہلاتا ہے۔ یہ عمل ماہ رمضان میں مسنون ہے اور اگر کوئی شخص اس کی نذر مان لے تو واجب ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کو خصوصی اہمیت دی تھی، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ)) ''بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں آخری دس دنوں کا اعتکاف کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوت کر لیا پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔'' (بخاری: 2026، مسلم: 5/1172)

[644] عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، أَنَّهَا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتی ہیں کہ رسول

[644] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الاعتكاف، باب لايدخل البيت الالحاجة، حديث: 2029، صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب جوازغسل الحائض راس زوجها، ابوداود: 2467، ترمذی: 804، نسائی: 388، ابن ماجه: 1776، 1778، احمد: 6/ 81 (25026)، دارمی: 1066.

قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَكَفَ، يُدْنِي إِلَيَّ رَأْسَهُ فَأُرَجِّلُهُ، وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الإِنْسَانِ.

اللہ ﷺ جب اعتکاف فرماتے تو اپنا سر مبارک میرے قریب کر دیتے تو میں اس میں کنگھی کر دیتی تھی، اور آپ ﷺ (اعتکاف کے دوران) گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے، سوائے حاجت انسانی کے۔

فائدہ: ...... حاجت انسانی سے بول و براز مراد ہیں، نیز احتلام کی بناپر غسل جنابت اور غسل جمعہ بھی اسی میں شامل ہیں، باقی رہا مباشرت کرنا تو اللہ تعالیٰ نے اسے دوران اعتکاف منع فرمادیا ہے۔ (بقرہ 2:187) ایک روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ)) ''اور آپ ﷺ اپنا سر مبارک مسجد سے باہر نکال دیتے اس حال میں کہ آپ ﷺ اعتکاف میں ہوتے تھے تو میں اسے دھو دیتی اس حال میں کہ میں حیض سے ہوتی تھی۔'' (بخاری: 2031)

[645] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ إِذَا اعْتَكَفَتْ، لَا تَسْأَلُ عَنِ الْمَرِيضِ إِلَّا وَهِيَ تَمْشِي، لَا تَقِفُ.

عمرہ بنت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ روایت کرتی ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب اعتکاف کرتیں تو وہ مریض کی تیمارداری نہیں کرتی تھیں مگر اس حال میں کہ وہ چل رہی ہوتی تھیں، (چلتے چلتے حال پوچھ لیتیں اور خاص تیمارداری کے لیے) ٹھہرتی نہیں تھیں۔

فائدہ: ...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ اعتکاف کرنے والے کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ نہ تو مریض کی تیمارداری کرے، نہ کسی جنازے میں حاضر ہو، نہ عورت کو (شہوت کے ساتھ) ہاتھ لگائے، نہ اس سے مباشرت کرے اور نہ ہی کسی اور حاجت کے لیے (مسجد سے) باہر نکلے سوائے اس حاجت کے جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو اور اعتکاف بغیر روزے کے (مسنون) نہیں اور نہ ہی جامع (نماز باجماعت والی) مسجد کے علاوہ کسی جگہ اعتکاف ہوسکتا ہے۔ (ابوداود: 2473، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے یہ صحیح ثابت ہے۔) الغرض جو شخص خاص تیمارداری یا جنازے کی نیت سے مسجد سے نکلے گا تو اس کا اعتکاف باطل ہوجائے گا خواہ والدین ہی کا جنازہ ہو، البتہ راستے میں چلتے چلتے خود مریض ہی سے یا کسی اور شخص سے مریض کے متعلق پوچھا جاسکتا ہے، اسی طرح مسجد میں تیمارداری اور جنازے میں شمولیت درست ہے کیونکہ اعتکاف کا مقصد مسجد میں ٹھہر کر عبادات ہی کو ادا کرنا ہے اور مذکورہ صورت میں عیادت و جنازہ

---

[645] (موقوف صحيح) سنن ابی ماجه، كتاب الصيام، باب فی المعتكف يعود المريض ويشهد الجنائز، حديث: 1776، نسائی فی الكبرىٰ: 3371، احمد: 6/ 81 (25026)، معرفة السنن والآثار: 3/ 463 (2643)۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

بھی مسجد میں ہونے والی عبادات میں شامل ہوں گے۔ اگر والدین کے جنازے کا معاملہ ہوتو اعتکاف کرنے والا یا تو مسجد میں ان کا جنازہ ادا کروالے یا اعتکاف ختم کر کے ان کا جنازہ ادا کرلے اور اعتکاف کی بعد میں قضائی دے لے، اگر یہ اعتکاف واجب تھا تو قضا ضرور دے ورنہ اسے اختیار ہے۔ رہا اعتکاف کے لیے روزے کا شرط ہونا تو اس بارے میں تفصیلی گفتگو آئندہ باب میں آ رہی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَأْتِي الْمُعْتَكِفُ حَاجَتَهُ ، وَلَا يَخْرُجُ لَهَا ، وَلَا يُعِينُ أَحَداً ، إِلَّا أَنْ يَخْرُجَ لِحَاجَةِ الإِنْسَانِ ، وَلَوْ كَانَ خَارِجاً لِحَاجَةِ أَحَدٍ ، لَكَانَ أَحَقَّ مَا يُخْرَجُ إِلَيْهِ عِيَادَةُ الْمَرِيضِ ، وَالصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَائِزِ وَاتِّبَاعُهَا .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کرنے والا کسی حاجت کے لیے (مسجد سے باہر) نہ آئے، نہ اس کی طرف نکلے اور نہ ہی (باہر آکر) کسی کا تعاون کرے، مگر وہ حاجت انسانی کے لیے باہر نکل سکتا ہے۔ اگر (معتکف کے لیے) کسی شخص کی حاجت پوری کرنے کے لیے باہر نکلنا (جائز اور درست) ہوتا تو پھر جس حاجت کی طرف نکلنے کا سب سے زیادہ حق تھا وہ بیمار پرسی، جنازہ کی ادائیگی اور جنازے کے ساتھ جانے کی حاجتیں تھیں۔

قَالَ مَالِكٌ : لَا يَكُونُ الْمُعْتَكِفُ مُعْتَكِفاً ، حَتَّى يَجْتَنِبَ مَا يَجْتَنِبُ الْمُعْتَكِفُ ، مِنْ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ ، وَالصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ ، وَدُخُولِ الْبَيْتِ ، إِلَّا لِحَاجَةِ الإِنْسَانِ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کرنے والا (صحیح (معتکف (شمار) نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ ہر اس چیز سے اجتناب کرے جس سے معتکف کو پرہیز کرنا پڑتا ہے یعنی مریض کی عیادت سے، جنازوں پر نماز ادا کرنے سے اور گھروں میں داخل ہونے سے (پرہیز کرے) سوائے حاجت انسانی کے۔

[646] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ ، عَنِ الرَّجُلِ يَعْتَكِفُ ، هَلْ يَدْخُلُ لِحَاجَتِهِ تَحْتَ سَقْفٍ ؟ فَقَالَ : نَعَمْ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو اعتکاف کرتا ہے کہ کیا وہ اپنی حاجت (ضروریہ) کے لیے چھت (والے گھر اور واش روم) میں داخل ہوسکتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ہاں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ :......امام مالک، امام شافعی امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور اہل حدیث کا یہی موقف ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک (تحقیق شدہ)

[646] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

أَنَّهُ لا يُكْرَهُ الاعْتِكَافُ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ يُجَمَّعُ فِيهِ، وَلا أُرَاهُ كُرِهَ الاعْتِكَافُ فِي الْمَسَاجِدِ الَّتِي لا يُجَمَّعُ فِيهَا, إِلَّا كَرَاهِيَةَ أَنْ يَخْرُجَ الْمُعْتَكِفُ مِنْ مَسْجِدِهِ الَّذِي اعْتَكَفَ فِيهِ، إِلَى الْجُمُعَةِ، أَوْ يَدَعَهَا، فَإِنْ كَانَ مَسْجِداً لا يُجَمَّعُ فِيهِ الْجُمُعَةُ، وَلا يَجِبُ عَلَى صَاحِبِهِ إِتْيَانُ الْجُمُعَةِ فِي مَسْجِدٍ سِوَاهُ، فَإِنِّي لا أَرَى بَأْساً بِالاعْتِكَافِ فِيهِ، لأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ: ﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ [البقرة: 187] فَعَمَّ اللّٰهُ الْمَسَاجِدَ كُلَّهَا، وَلَمْ يَخُصَّ شَيْئاً مِنْهَا.

معاملہ (فیصلہ اور حکم) جس میں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ ہر وہ مسجد جس میں جمعہ ادا کیا جاتا ہے اس میں اعتکاف کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے اور جن مسجدوں میں جمعہ ادا نہیں ہوتا ان میں بھی اعتکاف کے مکروہ ہونے کا سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ معتکف کو جمعہ کے لیے اپنی اس مسجد سے نکلنا پڑے گا جس میں اس نے اعتکاف کیا ہوگا یا پھر اسے جمعہ ترک کرنا پڑے گا، چونکہ مسجد سے نکلنا اعتکاف کو باطل کرتا ہے اس لیے جمعہ جو کہ فرض ہے، اس کے لیے نکلنے سے اعتکاف باطل ہوتا ہے اور اعتکاف باقی رکھنا ہو تو جمعہ چھوڑنا پڑتا ہے، اور یہ بھی درست نہیں البتہ اگر مسجد ایسی ہو جس میں جمعہ نہیں اور اعتکاف کرنے والے پر اس کے سوا کسی اور مسجد میں جمعہ کے لیے جانا بھی واجب نہ ہو (جیسا کہ عورت اور نابالغ شخص وغیرہ یا مرد نے جتنے دنوں کا اعتکاف کرنا ہو ان میں جمعہ نہ آتا ہو) تو پھر ایسی مسجد میں اعتکاف کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَأَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ﴾ (البقرة 2:187) ''اور تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو۔'' تو (اس آیت میں) اللہ تعالیٰ نے تمام مسجدوں کا عام تذکرہ کیا ہے اور ان میں سے کسی مسجد کی تخصیص نہیں فرمائی۔

قَالَ مَالِكٌ: فَمِنْ هُنَالِكَ جَازَ لَهُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِي الْمَسَاجِدِ الَّتِي لا يُجَمَّعُ فِيهَا الْجُمُعَةُ، إِذَا كَانَ لا يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهُ إِلَى الْمَسْجِدِ الَّذِي تُجَمَّعُ فِيهِ الْجُمُعَةُ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی (عموم) کی وجہ سے آدمی کے لیے جائز ہے کہ ان مساجد میں اعتکاف کر لے جن میں جمعہ ادا نہیں کیا جاتا (لیکن صرف اس وقت) جب اس پر اس مسجد سے نکل کر کسی ایسی مسجد کی طرف جانا واجب نہ ہو جس میں جمعہ ادا کیا جاتا ہو۔

فائدہ:...... جمعہ کے لیے اعتکاف والی مسجد سے نکلا جائے تو امام شافعی رحمہ اللہ اور مشہور قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اعتکاف باطل ہو جاتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب اور افضل یہ ہے کہ جمعہ والی جامع مسجد میں اعتکاف کرے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہر مسجد میں درست ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اس مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے جس میں امام اور مؤذن مقرر ہوں، سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مسجد نبوی میں اعتکاف درست ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عطاء رحمہ اللہ، صرف مسجد نبوی اور مسجد حرام میں، حضرت حذیفہ

ﷺ مسجد نبوی، مسجد حرام اور بیت المقدس میں جبکہ امام زہری رحمہ اللہ صرف جمعہ والی مسجد میں اعتکاف کے قائل تھے...... ہمارے نزدیک راجح موقف یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جو مسجد کے نام سے مخصوص کر دی جائے وہاں اعتکاف بغیر کسی کراہت کے درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کے لیے کوئی قید نہیں لگائی، نیز اگر صرف جمعہ والی مسجدوں میں اعتکاف لازم قرار دے دیا جائے تو بہت سی مساجد اس سنت پر عمل سے محروم رہ جائیں گی، رہا یہ مسئلہ کہ عام اجازت دینے سے لوگوں کا حالت اعتکاف میں جمعہ کے لیے مسجد سے باہر جانا لازم آئے گا تو پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جمعہ بھی ضروری اور دینی حاجات میں سے ایک ہے، اگر حاجت انسانی کے لیے مسجد سے نکلنے کے ساتھ اعتکاف فاسد نہیں ہوتا تو جمعہ کے لیے نکلنے سے بھی ان شاء اللہ فاسد نہیں ہوگا...... احناف کے ہاں عورت اپنے گھر کی کسی مخصوص جگہ کو مسجد کی حیثیت دے کر اس میں اعتکاف کر سکتی ہے حالانکہ پھر تو ہر مرد کو بھی زمین کے ہر حصے پر اعتکاف کی اجازت دینا لازم آئے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عمومی بیان میں پوری زمین ہی کو مسجد کا نام دیا ہے۔ (بخاری: 335، مسلم: 521) لیکن ساری زمین کے سجدہ گاہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا اعتکاف کو مسجدوں میں ادا کرنے کا خصوصی تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ صرف وہ مسجدیں مراد ہیں جنھیں جمعہ یا جماعت کی ادائیگی کے لیے اجتماعی طور پر مختص کیا جائے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يَبِيتُ الْمُعْتَكِفُ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي اعْتَكَفَ فِيهِ ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ خِبَاؤُهُ فِي رَحَبَةٍ مِنْ رِحَابِ الْمَسْجِدِ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معتکف شخص اس مسجد کے سوا کہیں رات نہ گزارے جس میں وہ اعتکاف کیے ہوئے ہو، الا یہ کہ اس کا (اعتکاف والا) خیمہ مسجد کے صحنوں میں سے کسی صحن میں ہو۔

فائدہ: ......اعتکاف صرف مسجد میں یا اس جگہ میں ہوسکتا ہے جسے مسجد کا حکم دیا گیا ہو، چنانچہ جمعہ میں لوگوں کی کثیر تعداد کی آمد یا سردیوں میں دھوپ یا گرمیوں میں کھلی فضا میں رات کی نمازیں پڑھنے کے لیے جو صحن، پلاٹ یا پارک بنائے جاتے ہیں وہ سب مسجد ہی کے حکم میں ہیں۔

وَلَمْ أَسْمَعْ أَنَّ الْمُعْتَكِفَ يَضْرِبُ بِنَاءً يَبِيتُ فِيهِ ، إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ ، أَوْ فِي رَحَبَةٍ مِنْ رِحَابِ الْمَسْجِدِ وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا يَبِيتُ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ ، قَوْلُ عَائِشَةَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اعْتَكَفَ ، لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الإِنْسَانِ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اہل علم میں سے کسی کو) نہیں سنا کہ اعتکاف کرنے والا (زمین کے کسی بھی حصے میں) کوئی خیمہ بنا کر اس میں رات گزارے، سوائے مسجد کے یا مسجد کے صحنوں میں سے کسی صحن کے اور (ہماری) یہ بات کہ وہ مسجد کے سوا کہیں رات نہیں گزار سکتا، اس کے دلائل میں سے ایک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف فرماتے تو سوائے حاجت انسانی

کے گھر میں (بھی) داخل نہ ہوتے۔

فائدہ : ......لہٰذا جب نبی کریم ﷺ نے اعتکاف والی جگہ کے سوا کہیں جانے سے بھی گریز کیا ہے تو وہاں رات گزارنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَا يَعْتَكِفُ فَوْقَ ظَهْرِ الْمَسْجِدِ، وَلَا فِي الْمَنَارِ، يَعْنِي الصَّوْمَعَةَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا مسجد کی چھت کے اوپر اعتکاف نہیں کرسکتا اور نہ ہی مینار میں۔

فائدہ : ...... مینار سے مراد مسجد کا وہ مقام ہے جسے اذان دینے کے لیے یا علامت و شناخت کے لیے بلند کیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے سوا باقی تمام ائمہ کرام اور اہل حدیث کے نزدیک مسجد کی چھت پر اعتکاف ہوسکتا ہے کیونکہ وہ مسجد ہی کا حصہ ہوتی ہے اور اسی وجہ سے تو وہاں جنبی آدمی کا ٹھہرنا ناجائز سمجھا جاتا ہے اور یہ بات امام مالک رحمہ اللہ بھی تسلیم کرتے ہیں، نیز آج کل تو جگہ کی قلت کے باعث بعض مسجدوں کی چھتوں پر کئی منزلیں تعمیر کردی جاتی ہیں ......باقی رہا مینار کا مسئلہ تو اس بارے میں راجح موقف یہ ہے کہ اگر وہ مسجد سے باہر ہے تو اس میں اعتکاف کرنے والا جس جگہ (اور خیمہ) میں اعتکاف کا ارادہ رکھتا ہے، وہ اس میں اس رات (کی آمد) سے (پہلے پہلے) یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے داخل ہوسکتا ہے(یعنی وہ رات) کہ جس میں اعتکاف کرنے کا وہ ارادہ کیے ہوئے ہو تا کہ وہ اپنے اعتکاف کے ساتھ اس رات کے آغاز کا استقبال کرے جس میں وہ اعتکاف کرنا چاہتا ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ : يَدْخُلُ الْمُعْتَكِفُ الْمَكَانَ الَّذِي يُرِيدُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِيهِ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ مِنَ اللَّيْلَةِ الَّتِي يُرِيدُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِيهَا حَتَّى يَسْتَقْبِلَ بِاعْتِكَافِهِ أَوَّلَ اللَّيْلَةِ، الَّتِي يُرِيدُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِيهَا .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معتکف اس جگہ غروب آفتاب سے پہلے آکر ٹھہرے جہاں وہ اعتکاف کا ارادہ رکھتا ہے، اس رات کو جس میں اس کا مسجد میں ٹھہرنے کا ارادہ ہو حتی کہ وہ اپنے اعتکاف کا آغاز رات کے آغاز والے حصہ کے ساتھ کرے جس میں وہ اعتکاف کا ارادہ کئے ہوئے ہے۔

فائدہ : ......ایسا نہ ہو کہ سورج غروب ہونے کے بعد خیمہ گاڑنے اور حجرہ بنانے میں وقت ضائع کرتا رہے، لہٰذا سارا انتظام رات شروع ہونے سے پہلے کر کے وہ رات اول سے آخر تک اعتکاف میں گزارنی چاہیے، اور اس طرح اگر وہ رات لیلۃ القدر ہوئی تو پوری رات یکسوئی اور محنت سے عبادت میں گزارنے کا شرف نصیب ہوجائے گا......ائمہ اربعہ اور اہل حدیث اسی کے قائل ہیں لیکن امام اوزاعی رحمہ اللہ ، لیث رحمہ اللہ اور ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک اعتکاف کے لیے نماز فجر کے بعد داخل ہونا چاہیے یعنی اعتکاف کا آغاز نماز فجر کے بعد ہوگا، ان کی دلیل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے: ((فَيُصَلِّي الصُّبْحَ ثُمَّ يَدْخُلُهُ)) ''پھر آپ ﷺ فجر کی نماز ادا کرتے پھر اس میں داخل ہوتے۔'' (بخاری:

2033، مسلم:1173) لیکن جمہور کہتے ہیں کہ اعتکاف چونکہ مکمل عشرے کا ہوتا ہے اور آخری عشرے (دس دنوں) کا آغاز رات کے شروع یعنی بیسویں روزے کا اختتام ہوتے ہی ہوجاتا ہے اس لیے اعتکاف کی نیت تو بیسویں تاریخ کا سورج ڈوبتے ہی کر لینی چاہیے لیکن اعتکاف کی پہلی رات اپنے خیمے سے باہر مسجد ہی میں گزار کر نماز فجر کے بعد اس میں داخل ہونا چاہیے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْمُعْتَكِفُ مُشْتَغِلٌ بِاعْتِكَافِهِ . لَايَعْرِضُ لِغَيْرِهِ مِمَّا يَشْتَغِلُ بِهِ مِنَ التِّجارات، أَوْ غَيْرِهَا . قَالَ مَالِكٌ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْمُرَ الْمُعْتَكِفُ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ بِضَيْعَتِهِ، وَمَصْلَحَةِ أَهْلِهِ، وَأَنْ يَأْمُرَ بِبَيْعِ مَالِهِ . أَوْ بِشَيْءٍ لا يَشْغَلُهُ فِي نَفْسِهِ، فَلا بَأْسَ بِذٰلِكَ إِذَا كَانَ خَفِيفًا، أَنْ يَأْمُرَ بِذٰلِكَ مَنْ يَكْفِيهِ إِيَّاهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ معتکف اپنے اعتکاف ہی میں مشغول رہے، وہ اس کے علاوہ مشغولیت کی دوسری چیزیں مثلاً تجارت وغیرہ کے در پے نہ ہو، البتہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اعتکاف کرنے والا اپنی کسی حاجت کا حکم دے (مثلاً) اپنے سامان کے متعلق، اپنے گھر والوں کی مصلحت (منفعت) کے متعلق، اپنے مال کے بیچنے کے متعلق یا کسی بھی ایسی چیز کے متعلق (حکم دے سکتا ہے) جو آدمی کے دل کو مشغول نہ کردے (محض حکم دے کر اپنی توجہ عبادت کی طرف کرلے، یہ نہ ہو کہ پھر اس کا دل مسلسل اسی چیز میں الجھا رہے) تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ خفیف (سا کام اور معاملہ) ہو (لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں) کہ وہ کسی ایسے شخص کو اس کا حکم دے جو اس کی طرف سے اس کے کام کو کافی ہو۔

فائدہ :......آج کل دوران اعتکاف موبائل استعمال کرنے سے بھی بچنا چاہیے، اگر کسی کو انتہائی مجبوری ہو تو مختصر سی بات کر کے بند کر دے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَذْكُرُ فِي الْإِعْتِكَافِ شَرْطًا . وَإِنَّمَا الْإِعْتِكَافُ عَمَلٌ مِنَ الْأَعْمَالِ . مِثْلُ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالْحَجِّ . وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ مِنَ الْأَعْمَالِ . مَا كَانَ مِنْ ذٰلِكَ فَرِيضَةً أَوْ نَافِلَةً . فَمَنْ دَخَلَ فِيْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ فَإِنَّمَا يَعْمَلُ بِمَا مَضَى مِنَ السُّنَّةِ . وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُحْدِثَ فِيْ ذٰلِكَ غَيْرَ مَا مَضَى عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ . لا مِنْ

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل علم میں سے کسی کو نہیں سنا کہ وہ اعتکاف کے متعلق کوئی شرط ذکر کرتا ہو (کہ مثلاً آدمی نیت کرتے وقت یہ شرط لگالے کہ میں جب چاہوں گا اسے ختم کردوں گا یا جنازہ میں جاؤں گا، کیونکہ اعتکاف ایک مسنون عمل ہے جسے اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق ادا کرنا لازم ہے، اس طرح کی شرطیں لغو اور بے کار کہلائیں گی) اور یہ اعتکاف تو صرف اور صرف نماز، روزہ، حج اور اسی طرح کے دوسرے اعمال (عمرہ، طواف

شَـرْطٍ يَشْتَـرِطُـهُ وَلَا يَبْتَـدِعُـهُ وَقَدِ اعْتَكَفَ رَسُـوْلُ اللّٰهِ ﷺ . وَعَـرَفَ الْـمُسْلِمُوْنَ سُنَّةَ الْإِعْتِكَافِ .

وغیرہ) جیسا ایک عمل ہے کہ جن میں سے (کوئی عمل) فرض ہوتا ہے یا نفل (لیکن ان کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا) تو جو کوئی بھی ان اعمال میں سے کسی میں داخل ہو (کہ اس کا آغاز کرے) تو وہ اسے اسی طریقے سے سرانجام دے گا جو پہلے جاری رہ چکا ہو اور آدمی کے لیے جائز نہیں کہ اس عمل میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے جو اس طریقے کے علاوہ ہو جس پر (گزشتہ) مسلمان جاری (عمل پیرا) رہ چکے ہیں، نہ کوئی شرط لگائے اور نہ ہی اسے ایجاد کرے، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف فرما چکے ہیں اور مسلمانوں نے آپ ﷺ سے اعتکاف کا طریقہ جان لیا ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ: وَالْإِعْتِـكَـافُ وَالْجِوَارُ سَوَاءٌ . وَالْإِعْتِكَافُ لِلْقَرَوِيِّ وَالْبَدَوِيِّ سَوَاءٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''اعتکاف'' اور ''جوار'' برابر (اور ہم معنی) ہیں اور شہری اور دیہاتی اور بدوی جنگل وصحرا کے رہائشی خانہ بدوشی کا اعتکاف برابر ہے۔

فائدہ: ...... جوار اور مجاورت مصدر ہیں جن کے لغوی معنی پڑوس میں رہنے کے ہیں، دراصل موطا امام مالک رحمہ اللہ کی کتاب الاعتکاف کی پہلی روایت (644) کی بعض سندوں سے (مُعْتَكِفٌ) کی جگہ (مُجَاوِرٌ) کا لفظ آیا ہے (بخاری: 296، مسلم: 297/ 8، نسائی: 277، ابن ماجہ، 1778) اسی طرح بہت سی روایات میں (يَـعْتَكِفُ) کی بجائے (يُـجَاوِرُ) کا لفظ وارد ہوا ہے (مثلاً بخاری: 2018، مسلم: 1167/ 213، 214، ترمذی: 792، نسائی: 1357) تو امام مالک رحمہ اللہ مذکورہ فتویٰ میں بتانا چاہتے ہیں کہ یہ سب الفاظ باہم مترادف اور ہم معنی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں جس طرح مُعْتَكِفٌ اور يَعْتَكِفُ کے الفاظ اِعْتِـكَافٌ سے ماخوذ ہیں اسی طرح مُجَاوِرٌ اور يُجَاوِرُ کے الفاظ جِوَارٌ سے ماخوذ ہیں اور ان میں کوئی تضاد نہیں ......امام مالک رحمہ اللہ نے دوسری بات یہ واضح کی ہے کہ قَرَوِيّ اور بَدَوِيّ کا اعتکاف برابر ہے۔ ہمارے عام طلباء اور بعض علماء ہمیشہ ''قَرْيَةً'' سے مراد بستی اور ''بدوی'' سے مراد دیہاتی لیتے ہیں، گویا قَـرْيَةٌ اور بَدْوٌ کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے جو سراسر غلط ہے۔ قَـرَوِيٌّ کا لفظ قَرْيَةٌ سے ماخوذ ہے جس کے مشہور معنی بستی کے ہیں لیکن عربی لغت اور شرعی اعتبار سے تمام شہر اور گاؤں ''قرية'' کہلاتے ہیں، چنانچہ مکہ مکرمہ کو قرآن مجید میں قَرْيَتِكَ (محمد 47:13) ''آپ کی بستی'' اور ﴿أُمَّ الْقُرٰى﴾ (شوری 42:7) ''بستیوں کی ماں یعنی اصل کہا گیا ہے، باوجود اس کے کہ مکہ کو (الْبَلْدَةِ) (النمل 27:91) اور (الْبَلَدِ) (سورۂ بلد 90: 1، 2) ''شہر'' کہا گیا ہے۔ اسی طرح مدینہ منورہ کو قرآن مجید میں ''مدینہ'' (شہر) بھی کہا گیا ہے (توبہ 9:101، 120) اور احادیث میں اسے ''قرية'' (بستی) بھی کہا گیا ہے۔ (بخاری: 1871، مسلم: 1382، ترمذی: 3919) لہٰذا قَرَوِيّ کے معنی میں تمام شہری و دیہاتی لوگ شامل ہیں اور بَدَوِيّ کا لفظ بَدْوٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جنگل یا صحراء

کے ہیں۔ یہ بدوی لوگ اعرابی بھی کہلاتے ہیں، یہ عموماً خانہ بدوش ہوتے ہیں، خیموں میں رہتے ہیں، عمارتیں نہیں بناتے اور جہاں پانی کا چشمہ وغیرہ مل جائے پڑاؤ ڈال دیتے ہیں، اس لیے بدوی کے معنی صحرائی، جنگلی، اعرابی اور خانہ بدوش بھی کیے جاسکتے ہیں، انھی کو بدو بھی کہتے ہیں۔

2- بَابٌ : مَالَا يَجُوْزُ الِاعْتِكَافُ إِلَّا بِهِ

اس چیز کا بیان جس کے بغیر اعتکاف جائز نہیں

خلاصة الباب اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت مذکور ہے جو سنداً ضعیف ہے۔

[647] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَنَافِعاً مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَا: لَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصِيَامٍ، لِقَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ [البقرة: 187] فَإِنَّمَا ذَكَرَ اللّٰهُ الاعْتِكَافَ مَعَ الصِّيَامِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع رحمہ اللہ دونوں کہا کرتے تھے کہ بغیر روزے کے اعتکاف نہیں ہوتا (کیونکہ) قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ﴾ (البقرة 2: 187) ''اورتم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ تمھارے لیے فجر کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے (الگ ہوکر) واضح ہوجائے، پھرتم روزوں کو رات تک پورا کرو اورتم ان (بیویوں) سے اس حال میں مباشرت نہ کرو کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو۔'' (چنانچہ اس آیت میں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کو روزے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّهُ لَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصِيَامٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں بھی اسی پر (معاملہ اور حکم) چلتا ہے کہ بے شک روزوں کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا۔

فائدہ :...... امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اوران کے اصحاب کا یہی موقف ہے اور مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی ثابت ہے، نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ثابت ہے

[647] (مقطوع ضعيف) عبدالرزاق: 4/ 353 - 355، ابن ابی شیبه: 2/ 334، بيهقى فى معرفة السنن والآثار: 3/ 460 (2640)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(ابوداود: 2473۔ موقوف ثابت ہے) جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور صحیح قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں ہے، شوافع، حنابلہ اور اہل حدیث کا یہی موقف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے موقف کے لیے یہ دلیل اختیار کی ہے کہ قرآن میں روزوں اور اعتکاف کا اکٹھا ہی تذکرہ ہے لہٰذا انھیں اکٹھا ادا کرنا پڑے گا، گویا دونوں لازم وملزوم ہیں ......حالانکہ (الف) اس استدلال کا نتیجہ یہ بھی لازم آئے گا کہ کوئی بھی روزہ بغیر اعتکاف کے درست نہیں، اگر بغیر روزے کے اعتکاف درست نہیں تو بغیر اعتکاف کے روزہ بھی ناجائز ہونا چاہیے جس کا پوری امت میں سے کوئی قائل نہیں ہے(ب) اللہ تعالیٰ نے اعتکاف اور روزوں کے تذکرے کے درمیان ''واؤ'' کو استعمال کیا ہے جو کہ عطف کے لیے ہے اور اہل علم نیز عربی گرامر کے جاننے والے اس سے واقف ہیں کہ عطف عموماً مغایرت کے لیے ہوتا ہے، یعنی یہ بتانے کے لیے آتا ہے کہ یہ دو کام الگ الگ نوعیت کے ہیں جن کا بس تذکرہ اکٹھا کر دیا گیا ہے اور اس بات پر تو اتفاق ہے کہ واؤ عاطفہ نہ تو یہ بتاتی ہے کہ دونوں کام اکٹھے ہوئے ہیں یا ان میں فاصلہ تھا یا ان کی ترتیب کیا ہے ......احناف نے ایک دلیل یہ ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی بغیر روزے کے اعتکاف نہیں کیا۔ حالانکہ (1) آگے موطا میں اعتکاف کی قضا کے بیان میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (649) آرہی ہے، تمام کتب احادیث میں یہ تو مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں قضا کے طور پر دس دن اعتکاف کیا لیکن کسی ایک روایت میں یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں میں روزے بھی رکھے تھے۔ (2) اگر اعتکاف بغیر روزے کے معتبر نہیں تو احناف وموالک کو یہ بھی کہنا چاہیے کہ رات کے وقت اعتکاف نہیں ہوتا کیونکہ رات کو روزہ ہی نہیں ہوتا۔ (3) پھر تو معتکفین کو بوقت شب اعتکاف کی پابندیوں سے آزاد کر دینا چاہیے۔ (4) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبل از اسلام یہ نذر مان رکھی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کریں گے۔ (بخاری: 2032، مسلم: 1656/ 27) بعض روایات میں دن کے اعتکاف کی نذر کا تذکرہ ہے۔ (بخاری: 3144، مسلم: 1656/ 28) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ''اپنی نذر پوری کرو'' لیکن یہ نہیں فرمایا کہ رات کا اعتکاف نہیں ہوتا کیونکہ رات کو روزہ نہیں ہوتا، نیز انھوں نے صرف اعتکاف کی نذر مانی تھی۔ روزے کا تو ذکر ہی نہیں کیا اور جس روایت (ابوداود: 2474) میں روزے کا تذکرہ ہے اس میں عبداللہ بن بدیل ضعیف راوی ہے، اگر روایت مقبول بھی ہوتی تو بات پھر بھی نہ بنتی کیونکہ رات کو روزہ نہیں ہوتا۔ (5) حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔ (زرقانی: 2/ 292)

3- بَابٌ: خُرُوْجُ الْمُعْتَكِفِ اِلَى الْعِيْدِ

اعتکاف کرنے والے کے عید کی طرف نکلنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت (اثرِ صحابی رضی اللہ عنہ) ہے جس کی سند صحیح ہے۔

[648] عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ : أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ اعْتَكَفَ ، فَكَانَ يَذْهَبُ لِحَاجَتِهِ تَحْتَ سَقِيفَةٍ ، فِي حُجْرَةٍ مُغْلَقَةٍ ، فِي دَارِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ ، ثُمَّ لَا يَرْجِعُ حَتَّى يَشْهَدَ الْعِيدَ مَعَ الْمُسْلِمِينَ .

سمی رحمہ اللہ جو ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں سے روایت ہے کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نے اعتکاف کیا، وہ قضائے حاجت کے لیے ایک چھت (والے چھپر) کے نیچے چلے جاتے جو کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے گھر میں بند حجرے میں واقع تھا، پھر وہ (اعتکاف سے فارغ ہوکر گھر) واپس نہ لوٹتے یہاں تک کہ مسلمانوں کے ہمراہ نماز عید ادا کر لیتے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انھوں نے بعض اہل علم کو دیکھا، جب وہ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف مکمل کر لیتے تو اپنے گھروں کے پاس واپس نہ جاتے تھے یہاں تک کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز عید الفطر پڑھ لیتے اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلے گزر جانے والے اہل علم و فضل کے متعلق مجھے یہی خبر ملی ہے ......امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس بارے میں جو کچھ بھی میں نے سنا ہے اس میں سے یہی بات مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ معتکف عید الفطر کی رات بھی اپنی اعتکاف گاہ میں گزارے گا، پھر نماز عید کے بعد گھر جائے گا لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک آدمی آخری روزہ ختم ہوتے ہی اعتکاف سے نکل جاتا ہے اور وہ فوراً گھر واپس جا سکتا ہے کیونکہ اعتکاف ماہِ رمضان کے آخری ایام کی نیت سے کیا جاتا ہے اور وہ ختم ہوا تو یہ بھی مکمل ہو گیا اور جب ماہِ رمضان نہ رہا تو اعتکاف کا ہے کا؟

4- بَابٌ: قَضَاءُ الِاعْتِكَافِ

اعتکاف کی قضائی کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو احادیث نبویہ ہیں جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں نیز امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

[649] حَدَّثَنِي زِيَادٌ ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[648] (مقطوع صحيح) بيهقى فى معرفة السنن والآثار: 3/ 463 (2645) ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[649] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاعتكاف، باب الاخبية فى المسجد، حديث: 2034، 2033، 2041، 2045، صحيح مسلم، كتاب الاعتكاف، باب متى يدخل من اراد الاعتكاف فى معتكفه، حديث: 1173، ابوداود: 2464، نسائى:710، ابن ماجه: 1771، احمد:6/ 84 (25051) .

شِهَابٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ فِيهِ، وَجَدَ أَخْبِيَةً، خِبَاءَ عَائِشَةَ، وَخِبَاءَ حَفْصَةَ، وَخِبَاءَ زَيْنَبَ، فَلَمَّا رَآهَا سَأَلَ عَنْهَا، فَقِيلَ لَهُ: هَذَا خِبَاءُ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَزَيْنَبَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ آلْبِرَّ تَقُولُونَ بِهِنَّ؟ ثُمَّ انْصَرَفَ، فَلَمْ يَعْتَكِفْ حَتَّى اعْتَكَفَ عَشْراً مِنْ شَوَّالٍ.

(ایک دفعہ) اعتکاف کرنے کا ارادہ فرمایا، چنانچہ جب آپ ﷺ اس جگہ کی طرف لوٹے جس میں آپ نے اعتکاف کا ارادہ کر رکھا تھا تو (وہاں) کچھ اور خیمے بھی دیکھے، یعنی ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ، ایک حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ اور ایک سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا، جب آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کے متعلق دریافت فرمالیا، چنانچہ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہن کے خیمے ہیں (اور وہ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اعتکاف کی خواہش رکھتی ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم ان کے متعلق نیکی کا گمان رکھتے ہو؟'' پھر آپ ﷺ چلے گئے اور اعتکاف نہ کیا یہاں تک کہ (اگلے ماہ) شوال سے دس دنوں کا اعتکاف فرمالیا۔

فائدہ: ......تفصیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت حاصل کی تو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان سے اجازت لے لی، پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بھی خود ہی خیمہ لگالیا، ظاہراً یہی محسوس ہو رہا تھا کہ خلوص کی جگہ سکناپہ اور سوکنوں کی غیرت کا عنصر غالب ہے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو روکنے کے لیے خود بھی اعتکاف ترک کر دیا، پھر ماہ شوال کے پہلے یا آخری عشرے میں خود تو قضائی دی لیکن کسی بیوی کے قضائی دینے کا ثبوت نہیں مل سکا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ زِيَادٌ: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ دَخَلَ الْمَسْجِدَ لِعُكُوفٍ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَأَقَامَ يَوْماً أَوْ يَوْمَيْنِ، ثُمَّ مَرِضَ فَخَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، أَيَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَعْتَكِفَ مَا بَقِيَ مِنَ الْعَشْرِ إِذَا صَحَّ، أَمْ لَا يَجِبُ ذَلِكَ عَلَيْهِ، وَفِي أَيِّ شَهْرٍ يَعْتَكِفُ إِنْ وَجَبَ عَلَيْهِ ذَلِكَ؟ فَقَالَ مَالِكٌ: يَقْضِي مَا وَجَبَ عَلَيْهِ مِنْ عُكُوفٍ إِذَا صَحَّ، فِي رَمَضَانَ أَوْ غَيْرِهِ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو ماہ رمضان کے آخری دس دنوں کے اعتکاف کے لیے مسجد میں داخل ہوا تو (ابھی) وہ ایک دن یا دو دن ہی ٹھہرا تھا کہ بیمار پڑ گیا، پھر (اسی وجہ سے) وہ مسجد سے نکل گیا۔ (تو پوچھا گیا کہ) جب وہ صحت مند ہوگا تو کیا اس پر دس دنوں میں سے صرف باقی ماندہ دنوں کا اعتکاف لازم ہے، یا اس پر (یہ بھی) واجب نہیں ہے، اور اگر (یہ باقی ماندہ دنوں کے اعتکاف کی قضا) واجب ہے تو پھر وہ کون سے مہینے میں اعتکاف کرے؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب وہ

صحت یاب ہوجائے تو رمضان ہی میں یا اس کے علاوہ کسی مہینے میں اس اعتکاف کی قضائی دے لے جو اس پر واجب ہو چکا تھا۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نفلی عمل بھی شروع کر دینے کے بعد واجب ہوجاتا ہے جیسا کہ پیچھے روزوں کے متعلق اٹھارہویں باب کی حدیث: 626 کے بعد دوسرے مسئلے اور اس کے فائدہ میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ بیماری، حیض، بے ہوشی اور جنون میں سے کسی عارضے کے لاحق ہونے پر اعتکاف بیچ ہی میں چھوڑ دیا جائے گا اور پھر صرف باقی ماندہ اعتکاف کی قضائی دی جائے گی، اگر جان بوجھ کر اعتکاف کو فاسد کیا تو پھر پورے اعتکاف کی قضا واجب ہے۔ اہل حدیث کے ہاں یہ فیصلہ صرف اور صرف نذر والے اعتکاف میں ہے کیونکہ وہ واجب ہے، نفلی اعتکاف کی قضا مستحب ہے، لازم نہیں ہے۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ زِيَادٌ: قَالَ مَالِكٌ: وَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَرَادَ الْعُكُوفَ فِي رَمَضَانَ، ثُمَّ رَجَعَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ، حَتَّى إِذَا ذَهَبَ رَمَضَانُ، اعْتَكَفَ عَشْراً مِنْ شَوَّالٍ.

امام مالک رحمہ اللہ (گزشتہ فتوی کی دلیل دیتے ہوئے) کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے یہی خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہِ رمضان میں اعتکاف کا ارادہ کیا پھر آپ ﷺ لوٹ گئے اور اعتکاف نہ کیا، یہاں تک کہ جب ماہِ رمضان ختم ہوگیا تو ماہِ شوال میں دس دن کا اعتکاف کرلیا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ زِيَادٌ: قَالَ مَالِكٌ: وَالْمُتَطَوِّعُ فِي الِاعْتِكَافِ، وَالَّذِي عَلَيْهِ الِاعْتِكَافُ أَمْرُهُمَا وَاحِدٌ، فِيمَا يَحِلُّ لَهُمَا وَيَحْرُمُ عَلَيْهِمَا، وَلَمْ يَبْلُغْنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اعْتِكَافُهُ إِلَّا تَطَوُّعاً.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفلی اعتکاف کرنے والا اور جس پر اعتکاف واجب ہو (دونوں کے لیے) ان چیزوں میں جو ان کے لیے حلال اور حرام ہیں ایک جیسا ہی حکم ہے، اور مجھے رسول اللہ ﷺ سے اس کے علاوہ کوئی خبر نہیں پہنچی کہ آپ ﷺ کا اعتکاف نفلی تھا۔

فائدہ: ......لیکن نفلی ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اس کی قضا کی۔

قَالَ زِيَادٌ: قَالَ مَالِكٌ فِي الْمَرْأَةِ إِنَّهَا إِذَا اعْتَكَفَتْ، ثُمَّ حَاضَتْ فِي اعْتِكَافِهَا: إِنَّهَا تَرْجِعُ إِلَى بَيْتِهَا، فَإِذَا طَهُرَتْ رَجَعَتْ إِلَى الْمَسْجِدِ أَيَّةَ سَاعَةٍ طَهُرَتْ، ثُمَّ تَبْنِي عَلَى مَا مَضَى مِنَ اعْتِكَافِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس عورت کے متعلق فرمایا جو اعتکاف کے لیے بیٹھی، پھر اپنے اعتکاف کے دوران حیض میں مبتلا ہوگئی (فرمایا کہ) وہ اپنے گھر لوٹ جائے گی، پھر جب (حیض سے) پاک ہوگی تو جس وقت بھی پاک ہو (فوراً) مسجد کی طرف لوٹ آئے اور اس (واپسی) میں تاخیر نہ کرے، پھر اس کا جو اعتکاف پہلے گزر چکا تھا اسی پر (باقی ماندہ اعتکاف کی) بنیاد رکھ لے گی۔

قَالَ زِيَادٌ: قَالَ مَالِكٌ: وَمِثْلُ ذَلِكَ الْمَرْأَةُ يَجِبُ عَلَيْهَا صِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَتَحِيضُ، ثُمَّ تَطْهُرُ فَتَبْنِي عَلَى مَا مَضَى مِنْ صِيَامِهَا، وَلَا تُؤَخِّرُ مَا بَقِيَ عَلَيْهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بالکل اسی طرح اس عورت کا معاملہ ہے جس پر لگا تار دو مہینوں کے روزے واجب ہوں، (وہ انھیں شروع کردے) پھر اسے حیض آجائے، پھر وہ ... روزے پہلے گزر چکے تھے وہ انھی پر باقی ماندہ کی بنیاد رکھے گی اور اس (بقیہ تعداد) کو مؤخر نہ کرے گی۔

[650] وَحَدَّثَنِي زِيَادٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَذْهَبُ لِحَاجَةِ الإِنْسَانِ فِي الْبُيُوتِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ انسانی حاجت کے لیے اپنے گھروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے، اس حال میں کہ آپ ﷺ اعتکاف کرنے والے ہوتے تھے۔

فائدہ: ...... یہ روایت کتاب الاعتکاف کے آغاز میں 644 نمبر پر متصل سند کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے گزر چکی ہے۔

قَالَ زِيَادٌ: قَالَ مَالِكٌ: لَا يَخْرُجُ الْمُعْتَكِفُ مَعَ جَنَازَةِ أَبَوَيْهِ وَلَا مَعَ غَيْرِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اعتکاف کرنے والا نہ اپنے والدین کے جنازے کے ساتھ نکلے گا اور نہ کسی اور کے (جنازے میں جائے گا)۔

فائدہ: ...... ایسے موقع پر صورت حال کافی عجیب بن جاتی ہے، بہر حال اہل حدیث کے ہاں اگر تو جنازہ مسجد میں ہو جائے تو ٹھیک ہے، لیکن اگر وہ مسجد سے باہر جنازے میں جانا چاہتا ہے اور تجہیز و تکفین اور تدفین کا بندوبست کرنا چاہتا ہے تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اگر یہ اعتکاف نذر والا تھا تو قضائی لازم ہے ورنہ مستحب ہوگی۔

5- بَابٌ: اَلنِّكَاحُ فِي الِاعْتِكَافِ

اعتکاف کے دوران نکاح کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف اور صرف امام مالک رحمہ اللہ ہی کے چار فتاوی جات ہیں۔

قَالَ زِيَادٌ: قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ بِنِكَاحِ الْمُعْتَكِفِ، نِكَاحَ الْمِلْكِ، مَا لَمْ يَكُنِ الْمَسِيسُ. قَالَ: وَالْمَرْأَةُ الْمُعْتَكِفَةُ أَيْضاً

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ معتکف آدمی پر اس میں کچھ حرج نہیں کہ وہ (حالت اعتکاف میں) اپنے نکاح کا عقد کرلے، جب تک کہ جماع نہ ہو اور اعتکاف والی عورت

[650] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الاعتكاف، باب لايدخل البيت الالحاجة، حديث: 2029، صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب جوازغسل الحائض راس زوجها، حديث: 297، ابوداود: 2467، ترمذي: 804، نسائي في الكبرى:3369، ابن ماجه: 1776، احمد:6/ 81 (25026) .

تُنْكَحُ، نِكَاحَ الْخِطْبَةِ، مَا لَمْ يَكُنِ الْمَسِيسُ. قَالَ مَالِكٌ: وَيَحْرُمُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ مِنْ أَهْلِهِ بِاللَّيْلِ، مَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ مِنْهُنَّ بِالنَّهَارِ.

کو نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے (بلکہ نکاح بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) جب تک کہ جماع نہ ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ معتکف آدمی پر رات کے وقت بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ وہ عمل حرام رہے گا جو اس پر دن میں (روزے کی حالت میں) اپنے گھر والوں کے حوالے سے حرام ہوتا ہے۔

فائدہ: ......یعنی شہوت کے ساتھ بیوی کو ہاتھ لگانا یا جماع کرنا وغیرہ۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ زِيَادٌ: قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ، أَنْ يَمَسَّ امْرَأَتَهُ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ، وَلَا يَتَلَذَّذَ مِنْهَا بِقُبْلَةٍ وَلَا غَيْرِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ حالت اعتکاف میں اپنی بیوی سے جماع کرے اور نہ ہی وہ بوس و کنار اور کسی اور عمل کے ساتھ اس سے لذت حاصل کرے۔

قَالَ زِيَادٌ قَالَ مَالِكٌ: وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَداً يَكْرَهُ لِلْمُعْتَكِفِ وَلَا لِلْمُعْتَكِفَةِ، أَنْ يَنْكِحَا فِي اعْتِكَافِهِمَا، مَا لَمْ يَكُنِ الْمَسِيسُ، فَيُكْرَهُ، وَلَا يُكْرَهُ لِلصَّائِمِ أَنْ يَنْكِحَ فِي صِيَامِهِ، وَفَرْقٌ بَيْنَ نِكَاحِ الْمُعْتَكِفِ، وَنِكَاحِ الْمُحْرِمِ، أَنَّ الْمُحْرِمَ يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ، وَيَعُودُ الْمَرِيضَ، وَيَشْهَدُ الْجَنَائِزَ، وَلَا يَتَطَيَّبُ، وَالْمُعْتَكِفُ وَالْمُعْتَكِفَةُ يَدَّهِنَانِ وَيَتَطَيَّبَانِ، وَيَأْخُذُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ شَعْرِهِ، وَلَا يَشْهَدَانِ الْجَنَائِزَ، وَلَا يُصَلِّيَانِ عَلَيْهَا، وَلَا يَعُودَانِ الْمَرِيضَ، فَأَمْرُهُمَا فِي النِّكَاحِ مُخْتَلِفٌ.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے (اہل علم میں سے) کسی کو نہیں سنا کہ اس نے اعتکاف کرنے والے مرد اور اعتکاف کرنے والی عورت کے لیے حالت اعتکاف میں نکاح کرنے کو مکروہ جانا ہو، جب تک کہ جماع نہ ہو اور (اسی طرح عام) روزہ دار شخص کے لیے بھی اپنے روزے کی حالت میں نکاح کرنا مکروہ نہیں ہے......اور اعتکاف والے شخص کے نکاح اور (حج یا عمرہ کے لیے) احرام باندھنے والے شخص کے نکاح میں (بہت) فرق (ہے لہٰذا اعتکاف والے شخص کو احرام والے شخص پر قیاس کر کے نکاح کو ممنوع نہیں کہہ سکتے اور وہ فرق) یہ ہے کہ بے شک حالت احرام والا (1) کھا سکتا ہے اور (2) پی سکتا ہے اور (3) مریض کی بیمار پرسی کر سکتا ہے اور (4) جنازوں میں حاضر ہو سکتا ہے اور لیکن (5) اعتکاف کرنے والا مرد اور اعتکاف والی عورت تیل بھی لگا سکتے ہیں، خوشبو بھی لگا سکتے ہیں، ان دونوں میں سے ہر کوئی اپنے بال بھی کٹوا سکتے ہیں لیکن وہ نہ جنازوں میں حاضر ہو سکتے ہیں، نہ ان پر جنازہ ادا کر سکتے ہیں اور نہ ہی بیماروں کی عیادت کر سکتے ہیں تو (جب معتکف اور محرم میں اتنا فرق ہے تو) نکاح کے بارے میں

بھی دونوں کا معاملہ مختلف ہے۔

قَالَ زِيَادٌ: قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ الْمَاضِي مِنَ السُّنَّةِ ، فِي نِكَاحِ الْمُحْرِمِ وَالْمُعْتَكِفِ وَالصَّائِمِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ فیصلہ اس (سنت اور ثابت شدہ) طریقے کی وجہ سے ہے جو حالت احرام والے شخص حالت اعتکاف والی عورت اور روزہ دار کے متعلق (اسلاف کے زمانے میں) جاری ہو چکا ہے۔

19

كِتَابُ الزَّكَاةِ

زکاۃ کے مسائل کی کتاب

خلاصة الکتاب اس کتاب میں تیس ابواب اور باون روایات ہیں، ان میں سے چودہ مرفوع (احادیث نبویہ)، 25 موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) اور 13 مقطوع (آثار تابعین رحمہم اللہ) ہیں نیز ان میں سے 39 صحیح، 3 حسن اور 10 ضعیف ہیں، چنانچہ 14 مرفوع روایات میں سے گیارہ صحیح، ایک حسن اور دو ضعیف ہیں، 25 موقوف روایات میں سے بیس صحیح ایک حسن اور چار ضعیف ہیں اور 13 مقطوع روایات میں سے آٹھ صحیح، ایک حسن اور چار ضعیف ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے پچاسی (85) فتاویٰ جات بھی اس کتاب میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ......(1) امام مالک رحمہ اللہ نے بدنی عبادات (نماز اور روزہ) ذکر کرنے کے بعد اب مالی عبادت زکاۃ کا بیان شروع کیا ہے، نیز گزشتہ کتاب میں بدن کی طہارت روزہ کا تذکرہ تھا اور اس کتاب میں مال کی طہارت زکاۃ کا بیان ہے۔ (2) زکاۃ کا لفظ لغوی طور پر باب نَـصَـرَ (یا باب تفعیل) سے مصدر ہے جس کے دو مشہور معانی ہیں: (الف) بڑھنا، (بڑھانا) نشو ونما پانا (ب) پاک ہونا (پاک کرنا) چنانچہ زکاۃ کی ادائیگی سے مومن کا مال بابرکت ہو کر بڑھ جاتا ہے، اسی طرح اس عمل کی ادائیگی سے جہاں مال پاکیزہ ہوتا ہے وہیں مومن کو بھی بخل اور گناہوں سے پاکی نصیب ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں زکاۃ اور اس سے مشتق الفاظ تزکیہ کے معنیٰ میں عام مستعمل ہیں......شرعی اصطلاح میں زکاۃ کی تعریف یوں کی جاتی ہے: "اِعْطَاءُ الْمُسْلِمِ الْحُرِّ جُزْءًا مُّعَيَّنًا مِنَ النِّصَابِ الشَّرْعِيِّ اِلٰى اَشْخَاصٍ مَخْصُوْصَةٍ لِلّٰهِ تَعَالٰى" ''آزاد مسلمان شخص کا اپنے مال کی ایک مخصوص مقدار پر خاص شرائط کے ساتھ وہ متعین حصہ نکالنا جو مخصوص افراد (فقراء وغیرہ) کو رضائے الٰہی کے لیے دیا جاتا ہے۔ (3) زکاۃ کی چار بڑی بڑی اقسام ہیں: (الف) مختلف اموال (سونا، چاندی اور جانوروں) پر حالت نصاب میں سال گزر جانے کے بعد ان میں سے مخصوص حصہ نکالنا۔ عام طور پر اسی کو زکاۃ کہتے ہیں۔ (ب) عشر یعنی مختلف زمینوں کے اعتبار سے ان سے حاصل شدہ پیداوار میں سے دسواں یا بیسواں حصہ، جو فصل کی کٹائی کے دن واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ اناج اور پھل کی مقدار نصاب کو

پہنچ جائے۔ (ج) فطرانہ جو ماہِ رمضان کے اختتام پر ہر مسلمان کے ذمے واجب ہوتا ہے اور نماز عید سے پہلے پہلے ادا کرنا ہوتا ہے (د) خمس (پانچواں حصہ) جو دفینۂ جاہلیت (پرانا خزانہ) ملنے کی صورت میں فوراً لازم ہوتا ہے۔ (4) عام صدقہ وخیرات تو مسلم و غیر مسلم کو دینا جائز ہے لیکن فرض زکاۃ کے مصارف مخصوص ہیں، چنانچہ آٹھ قسم کے صرف مسلمان افراد میں ہی اسے تقسیم کیا جاسکتا ہے جن کا تذکرہ سورۂ توبہ کی آیت: 60 میں ہے، البتہ ان میں سے چوتھے نمبر والے شخص الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ کے مفہوم میں وہ کافر بھی شامل ہے جو اسلام کی طرف مائل ہو چکا ہو اور مال ملنے پر اس کے مسلمان ہوجانے کی قوی امید ہو۔ (5) زکاۃ ایک قول کے مطابق (یعنی عام مفسرین کے نزدیک) ہجرت کے بعد ۲ ہجری کے ماہِ رمضان سے قبل فرض ہوئی، ان کے نزدیک مکی سورتوں میں جو زکاۃ مذکور ہے، اس سے مراد تزکیہ نفس یا نفلی صدقہ و خیرات ہیں، حالانکہ زمینی پیداوار میں سے اس کا حق (جسے عشر کہتے ہیں) دینے کے متعلق حکم بھی مکی سورت (الانعام 6:141) میں نازل ہوا ہے اور وہاں تو نفلی صدقہ یا تزکیہ نفس کی تاویل بھی نہیں ہوسکتی لہٰذا راجح موقف یہ ہے کہ زکاۃ کی فرضیت مکہ مکرمہ ہی میں ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی اور متعدد مکی سورتوں میں اس کا تذکرہ حکم نماز کے ساتھ اسی طرح ہوا ہے جیسا کہ مدنی سورتوں میں کیا گیا ہے، البتہ اس کے تفصیلی احکام مدینہ منورہ میں نازل ہوئے۔

1- بَابٌ: مَاتَجِبُ فِيْهِ الزَّكَاةُ

اس چیز (اور نصاب) کا بیان جس میں زکاۃ واجب ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں۔ جن میں سے دو مرفوع سنداً صحیح ہیں اور ایک موقوف روایت ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

[651] حَـدَّثَنِـي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ اونٹوں سے کم میں زکاۃ نہیں ہے، پانچ اُوقیہ سے کم (چاندی) میں بھی زکاۃ نہیں ہے اور پانچ وسق سے کم (اناج اور پھل) میں بھی زکاۃ نہیں ہے۔''

فائدہ: ......ایک اُوقیہ میں چالیس اور پانچ اوقیہ میں دوسو درہم ہوتے ہیں جو ساڑھے باون تولے چاندی

[651] (مرفوع صحیح) صحيح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب زكاة الفطر، حديث: 1447، 1405، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة، حديث: 979، ابوداود: 1558، ترمذی: 626، نسائی: 2447، ابن ماجه: 1793، احمد: 3/ 6 (11044)، دارمی: 1633.

کے برابر وزن ہے، تفصیل آئندہ روایت کی شرح میں آرہی ہے، ایک وسق میں ساٹھ صاع اور پانچ وسق میں 300 صاع ہوتے ہیں یعنی 15 من اور 30 کلوگرام۔

[652] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ الْأَنْصَارِي، ثُمَّ الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الإِبِلِ صَدَقَةٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھجور کے پانچ وسق سے کم میں زکاۃ نہیں اور چاندی کے پانچ اوقیہ سے کم میں بھی زکاۃ نہیں اور پانچ اونٹوں سے کم میں بھی زکاۃ نہیں ہے۔''

فائدہ:......ایک اوقیہ میں چالیس درہم اور پانچ اوقیہ میں دوسو درہم ہوتے ہیں۔ ایک درہم کا وزن 3 ماشہ۔ ایک رتی اور رتی کا پانچواں حصہ ہے یعنی 5/1-1 یا 3.061 گرام۔ ایک اوقیہ میں 126 ماشے ہوتے ہیں یعنی 2 چھٹانک اور 6 ماشے یا دس تولے چھ ماشے یا 122.47 گرام۔ اسی طرح پانچ اوقیہ یعنی دوسو درہم کا وزن 630 ماشے یعنی 52 تولے چھ ماشے یا 612.36 گرام ہے بالفاظ دیگر چاندی کا وزن آدھ کلوگرام اور آدھی چھٹانک ہو تو اس میں زکاۃ واجب ہے جب اس پر سال گزر جائے......ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک نبوی صاع جسے حجازی اور مدنی صاع بھی کہتے ہیں، کی مقدار 2 سیر 4 چھٹانک یا 2.099 کلوگرام (دو کلو اور تقریباً سوگرام) ہوتی ہے، اسی طرح ایک وسق یعنی ساٹھ صاع میں 125.971 کلوگرام ہوتے ہیں اور پانچ وسق (300 صاع) میں 629.856 کلوگرام یعنی 15 من اور تقریباً 30 کلوگرام ہوتے ہیں (یاد رہے کہ سیر کا وزن چونکہ کلوگرام سے چار چھٹانک کم ہوتا ہے اس لیے سیر کے حساب سے 5 وسق کی مقدار 16 من اور 35 سیر ہے) یہ تو ہے تحقیق، البتہ متعدد اہل حدیث علماء کے ہاں ایک صاع کا تخمینی وزن تقریباً اڑھائی کلوگرام (2.48 کلوگرام) ہے، اس اعتبار سے وسق کی مقدار تقریباً چار من (149.299 کلوگرام) اور پانچ وسق کی مقدار تقریباً بیس من مراد لی جاتی ہے حالانکہ وہ بھی 746.496 کلوگرام یعنی ساڑھے تیرہ کلو کم 19 من بنتے ہیں۔ راجح اور محقق قول پہلا ہے۔ (اسلامی اوزان از مولانا فاروق اصغر صارم رحمہ اللہ: ص 37-59)

فائدہ:......جمہور یعنی امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک مذکورہ

[652] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب لیس فیما دون خمس ذود صدقۃ، حدیث: 1459، 1484، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ، حدیث: 979.

بالاحضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ والی حدیث زمینی پیداوار کا نصاب متعین کر رہی ہے۔ چنانچہ پانچ وسق سے کم میں عشر لازم نہیں ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں خاص شاگردوں یعنی صاحبین) کا بھی یہی موقف ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ زمین میں سے جو کچھ نکلے خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر واجب ہے اور وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں: ﴿وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ (البقرہ2:268) ''اور اس میں سے (بھی خرچ کرو) جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے''۔ نیز وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی دلیل لیتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ((فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ)) ''وہ زمین جسے آسمان یا چشمہ سیراب کرتا ہو یا وہ خود بخود نمی کی وجہ سے سیراب ہو جاتی ہو تو اس (کی پیداوار) میں دسواں حصہ ہے اور جسے (کنویں وغیرہ سے پانی) کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہو اس میں بیسواں حصہ ہے۔''

احناف کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت و حدیث میں لفظ ''ما'' عام ہے جو ہر قلیل و کثیر پیداوار کو شامل ہے...... حالانکہ (1) اس عام کی تخصیص خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی تھی جسے حضرت ابوسعید خدری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور جب آپ نے نصاب متعین کر کے فیصلہ سنا دیا تو امت کے لیے اسے ماننے کے بغیر کوئی چارہ نہیں، فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب 36:33) ''اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ فرما دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں ان کا کوئی اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہ ہو گیا۔'' (2) دراصل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں زمین کی اقسام کی وضاحت ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں نصاب کی تعیین ہے (3) حیرت ہے احناف پر کہ خود تو قیاس سے بھی تخصیص کر لیتے ہیں لیکن اس ثابت شدہ حدیث والی تخصیص کو نہیں مانتے جسے اپنے امام کے موقف کے خلاف دیکھتے ہیں، چنانچہ احناف نے اس عموم سے سرکنڈے اور گھاس کو خاص مستثنیٰ قرار دیا ہے اور ان پر عشر کو واجب نہیں کیا۔ (4) یہ تقلید جامد کا کرشمہ ہے کہ احناف نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث کے ماننے میں ناانصافی کی، کچھ کو مانا کچھ کو رد کر دیا، اسی حدیث میں مذکور دو چیزوں اونٹوں اور چاندی کے نصاب کو تسلیم کر لیا اور تیسری چیز یعنی زمینی پیداوار کے نصاب کو مسلکی تعصب میں آ کر تسلیم نہیں کیا، حالانکہ اگر زمینی پیداوار والے خود ساختہ اصول کو سامنے رکھتے تو پہلی دو چیزوں میں بھی عموم کو باقی رکھتے کیونکہ ان کے متعلق بھی عام الفاظ وارد ہیں، فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: (مَا مِنْ صَاحِبِ اِبِلٍ وَلَا بَقَرٍ ......مَامِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ ......) ''نہیں ہے کوئی اونٹوں والا اور نہ گائیوں والا ......نہیں ہے کوئی سونے والا اور نہ چاندی والا ......'' (جو زکاۃ ادا نہ کرتا ہو مگر ضرور اس کو فلاں فلاں عذاب ملے گا) (بخاری: 1403، 1460، مسلم: 987، 988، 990) اور قرآن کے اس فرمان میں بھی عموم ہے: ﴿خُذْ مِنْ

﴿اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً﴾ (التوبة 9:103) ''(اے نبی!) ان کے مالوں سے صدقہ لیجیے۔'' اگر ان میں تخصیص کر لی ہے تو ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ زمینی پیداوار کی تخصیص بھی قبول کی جائے۔

[653] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ إِلَى عَامِلِهِ عَلَى دِمَشْقَ فِي الصَّدَقَةِ: إِنَّمَا الصَّدَقَةُ فِي الْحَرْثِ وَالْعَيْنِ وَالْمَاشِيَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دمشق میں اپنے عامل (گورنر) کو زکاۃ کے متعلق لکھا کہ بے شک زکاۃ تو صرف اور صرف کھیتی اور نقدی (سونے چاندی) اور چوپایوں میں ہے۔

وَحَدَّثَنِي يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَلَا تَكُونُ الصَّدَقَةُ إِلَّا فِي ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ: فِي الْحَرْثِ، وَالْعَيْنِ وَالْمَاشِيَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ زکاۃ تین چیزوں کے علاوہ کسی میں نہیں ہے: کھیتی (اناج اور پھل) میں، نقدی (سونے اور چاندی) میں اور چوپایوں میں۔

فائدہ :......اگرچہ ان میں سے بھی بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں لیکن یہ بات پکی ہے کہ مال سے متعلقہ زکاۃ کی یہی تین قسمیں ہیں، رہے تجارتی اموال تو ان میں بھی سونا و چاندی ہی کی قیمت کا حساب لگایا جاتا ہے اور کرنسی کی مختلف شکلیں بھی سونے چاندی ہی کی قیمت اور رسیدیں شمار ہوتی ہیں۔ الغرض آدمی کے غلاموں پر، پالتو پرندوں پر، مچھلیوں پر، ہیرے جواہرات اور اسلحہ پر جو تجارت کے لیے نہ ہو اور گھریلو استعمال کی باقی اشیاء پر زکاۃ لازم نہیں ہے۔

2- بَابٌ: اَلزَّكَاةُ فِي الْعَيْنِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ

نقدی یعنی سونے اور چاندی کی زکاۃ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین موقوف (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن میں سے ایک ضعیف اور دو صحیح سند والی ہیں اور ایک روایت مقطوع (اثر صحابی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک کے نو فتاویٰ جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ :......دنیا میں اصل نقدی صرف دو صورتوں میں ہوتی ہے: سونا اور چاندی، باقی ہر قسم کی کرنسی اور سکے انھی کی قیمت اور رسید کے طور پر چلتے ہیں اس لیے ان پر بھی سونا اور چاندی ہی کے حساب سے زکاۃ لاگو ہوتی ہے۔

[654] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ

محمد بن عقبہ رحمہ اللہ جو زبیر رحمہ اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے

[653] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی بنا پر ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

[654] (موقوف ضعيف) بيهقي في السنن الكبرى: 4/ 103، 109، وفي معرفة السنن والآثار: 3/ 252 (2274، 2275) الشافعي في الام: 2/ 17، عبدالرزاق: 4/ 75 (7024)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

مُـحَـمَّـدِ بْـنِ عُقْبَةَ مَوْلَى الزُّبَيْرِ : أَنَّهُ سَأَلَ الْـقَـاسِـمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُكَاتَبٍ لَهُ قَاطَعَهُ بِـمَـالٍ عَـظِـيـمٍ، هَـلْ عَـلَيْهِ فِيهِ زَكَاةٌ، فَقَالَ الْـقَـاسِـمُ : إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ لَمْ يَكُنْ يَأْخُذُ مِـنْ مَالٍ زَكَاةً حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ . قَالَ الْـقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ : وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَعْطَى الـنَّـاسَ أَعْـطِيَاتِهِمْ يَسْأَلُ الرَّجُلَ: هَلْ عِنْدَكَ مِـنْ مَالٍ وَجَبَتْ عَلَيْكَ فِيهِ الزَّكَاةُ؟ فَإِنْ قَالَ : نَعَمْ، أَخَذَ مِنْ عَطَائِهِ زَكَاةَ ذَلِكَ الْمَالِ، وَإِنْ قَـالَ : لَا، أَسْلَمَ إِلَيْهِ عَطَاءَهُ، وَلَمْ يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئاً .

روایت ہے کہ انھوں نے قاسم بن محمد ﷫ (بن ابی بکر) سے اپنے اس مکاتب غلام کے حوالے سے سوال کیا جس سے انھوں نے ایک عظیم مال کے ساتھ مقاطعت کی تھی (اور نقداً وصول کرلیا تھا) تو کیا ان پر (محمد بن عقبہ پر) اس (مال عظیم) میں زکاۃ (واجب) ہے؟ قاسم ﷫ نے فرمایا: یقیناً (میرے دادا) حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کسی مال سے اس وقت تک زکاۃ نہیں لیتے تھے جب تک اس پر سال نہ گزر جاتا، (پھر) قاسم بن محمد ﷫ فرمانے لگے: اور حضرت ابوبکر ﷜ جب لوگوں کو ان کے عطیات (وظیفے اور سالانہ تنخواہیں) دینے لگتے تو ہر آدمی سے پوچھتے کہ کیا تیرے پاس کوئی (اور) ایسا مال ہے جس میں تجھ پر زکاۃ واجب ہے؟ چنانچہ اگر وہ کہتا کہ جی ہاں تو وہ اس کے اس مال کی زکاۃ اسی وظیفے میں سے لے لیتے اور اگر وہ کہتا کہ نہیں، تو پھر اس کا (پورا) وظیفہ اسے دے دیتے اور اس میں سے کچھ بھی نہ لیتے۔

فائدہ :...... یہ زکاۃ اس وظیفے اور تنخواہ کی نہیں ہوتی تھی کیونکہ اس پر تو ابھی سال ہی نہیں گزرا ہوتا تھا۔ مکاتب غلام وہ ہوتا ہے جس سے مالک یہ طے کرلے کہ تو اتنے عرصے میں اتنا مال ادا کردے تو تو آزاد ہے، اس سارے معاملے کو مکاتبت کہتے ہیں۔ مقاطعت سے مراد یہ ہے کہ مکاتب غلام سے ایک میعاد تک جو مال طے ہوا ہو اس سے کم مال نقد لے لیا جائے۔ بہرحال محمد بن عقبہ نے اپنے غلام سے کسی بڑی رقم پر مکاتبت کی تھی، بعد میں مقاطعت کرتے ہوئے اس سے جو مال لیا وہ بھی کافی بڑا تھا جس کے متعلق انھوں نے زکاۃ کا سوال کیا تو قاسم بن محمد ﷫ نے انھیں حضرت ابوبکر ﷜ کا حوالہ دے کر گویا یہ جواب دیا کہ جب تک اس نئے مال پر سال نہ گزرے گا زکاۃ لازم نہیں ہوگی...... مصری نسخوں میں ((فَاَقْطَعَهُ)) کا لفظ ہے جس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ محمد بن عقبہ نے اپنے غلام کو ایک زمین جاگیر کے طور پر دی اور اس کے بدلے ایک مال عظیم وصول کیا۔

[655] وَحَـدَّثَـنِـي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ قُدَامَةَ، عَنْ أَبِيهَا،

حضرت عائشہ بنت قدامہ ﷞ اپنے والد حضرت قدامہ (بن مظعون) ﷜ سے روایت کرتی ہیں، انھوں نے کہا کہ جب

[655] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 4/ 77(7029)، بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 109(7355)، وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 252 (2276)، الشافعى فى الام: 2/ 17۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ إِذَا جِئْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَقْبِضُ عَطَائِي سَأَلَنِي: هَلْ عِنْدَكَ مِنْ مَالٍ وَجَبَتْ عَلَيْكَ فِيهِ الزَّكَاةُ؟ قَالَ: فَإِنْ قُلْتُ: نَعَمْ، أَخَذَ مِنْ عَطَائِي زَكَاةَ ذَلِكَ الْمَالِ، وَإِنْ قُلْتُ: لَا، دَفَعَ إِلَيَّ عَطَائِي.

میں (خلیفہ وقت) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا عطیہ (سالانہ تنخواہ) لینے آتا تو وہ مجھ سے پوچھتے کہ کیا تمھارے پاس کوئی ایسا مال ہے جس میں تجھ پر زکاۃ واجب ہوچکی ہو، چنانچہ اگر میں کہتا کہ جی ہاں تو وہ اس عطیے میں سے اس (زکاۃ والے) مال کی زکاۃ لے لیتے اور اگر میں کہتا کہ نہیں تو وہ میری (مکمل) تنخواہ میرے سپرد کر دیتے۔

فائدہ:...... ثابت ہوا کہ زکاۃ واجب ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے لوگوں کے بیانات پر اعتبار کیا جائے گا اور اس مال کی زکاۃ کسی دوسرے مال سے ادا کی جاسکتی ہے۔

[656] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: لَا تَجِبُ فِي مَالٍ زَكَاةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: کسی مال میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے۔

فائدہ:......اس سے مندرجہ ذیل چیزیں مستثنیٰ ہیں: (1) زمینی فصل (اناج اور پھل) کا عشر (2) جاہلیت کا دفینہ (پرانے خزانے) کا خمس (پانچواں حصہ) ان دونوں چیزوں کو اسی دن ادا کرنا واجب ہے جس دن وہ حاصل ہوں۔ (3) مال مستفاد کی پہلی صورت یعنی گزشتہ نصاب والے مال کی نسل یا منافع۔ چنانچہ جن جانوروں یا مالوں پر زکاۃ واجب ہو اور ان پر حالت نصاب میں سال گزر جائے تو اس سال میں جتنے بچے پیدا ہوں یا منافع حاصل ہو اس کی زکاۃ اصل مال کی زکاۃ کے وقت ہی ادا کی جائے گی خواہ ابھی اس نئی نسل اور منافع پر پورا سال نہ بھی گزرا ہو۔ مال مستفاد کی مکمل تفصیل آگے چودھویں باب کے آخری فائدے میں مذکور ہے۔

[657] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَوَّلُ مَنْ أَخَذَ مِنَ الأَعْطِيَةِ الزَّكَاةَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ.

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے تنخواہوں میں سے زکاۃ وصول کی وہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔

---

[656] (موقوف صحیح) عبدالرزاق: 4/ 77(7030، 7031)، بیھقی فی السنن الکبری: 4/ 109 (7356)، وفی الخلافیات: 2/ 116، وفی المعرفة: 3/ 240(2252)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[657] (مقطوع صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 4/ 109، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 253(2277)، الشافعی فی الام: 2/ 17۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

فائدہ : ......یعنی جس دن تنخواہ ملتی اس دن اس کی زکاۃ لے لی جاتی، ان سے پہلے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ان تنخواہوں کی زکاۃ فوراً نہیں لیتے تھے کیونکہ ابھی تو مالک کی ملکیت میں ان پر سال نہیں گزرا ہوتا تھا، ہاں اگر کسی اور مال پر زکاۃ کی ادائیگی واجب ہوتی تو ان کی طرف سے زکاۃ کے بقدر رقم تنخواہ میں سے روک لیتے تھے اور یہی موقف راجح ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا فتویٰ منقول ہے لیکن بعدازاں اس موقف کے خلاف اجماع ہوگیا۔

قَالَ مَالِكٌ: السُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا عِنْدَنَا، أَنَّ الزَّكَاةَ تَجِبُ فِي عِشْرِينَ دِينَاراً عَيْناً، كَمَا تَجِبُ فِي مِئَتَيْ دِرْهَمٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ سنت جس کے متعلق ہمارے ہاں (مدینہ میں) کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ بلاشبہ زکاۃ 20 دینار (خالص سونے کی نقدی) میں واجب ہے جس طرح کہ وہ دو سو درہم (چاندی کے سکوں) میں واجب ہوتی ہے۔

فائدہ : ......بیس دینار سونے کا وزن ساڑھے سات تولے کے برابر ہے۔ یہ نصاب حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے، فرمان نبوی ہے: ((فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَ حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَ لَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ حَتّٰى تَكُوْنَ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا فَإِذَا كَانَتْ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا وَ حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا نِصْفُ دِيْنَارٍ فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ)) ''پھر جب تیرے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو ان میں (چالیسواں حصہ) پانچ درہم زکاۃ ہے اور تجھ پر (سونے میں) کچھ لازم نہیں یہاں تک کہ جب تیرے پاس بیس دینار ہوجائیں، چنانچہ جب تمھارے پاس بیس دینار ہوجائیں اور ان پر سال گزر جائے تو ان میں (بھی چالیسواں حصہ) نصف دینار زکاۃ ہے، پھر جو کچھ (سونا چاندی اس مذکورہ نصاب سے) زیادہ ہوگا تو (اس میں بھی) اسی حساب سے (چالیسواں حصہ واجب) ہوگا۔'' (ابو داؤد: 1573۔ اس کی سند صحیح ہے۔ صحیح ابی داود للألبانی: 1391) ......تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ 20 دینار کا وزن ساڑھے سات تولے سونا ہے، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دینار یعنی سونے کے سکے کا وزن 4 ماشہ 4 رتی (ساڑھے چار ماشے 4.37 /گرام) تھا، دینار ہی کو مثقال بھی کہتے ہیں، بیس دینار کا وزن 87.48 گرام یعنی ساڑھے سات تولے بنتا ہے۔ چاندی کے متعلق بھی اس پر اتفاق ہے کہ 200 درہم کا وزن ساڑھے باون تولے کے برابر ہے، چنانچہ ایک درہم کا وزن 3 ماشے، ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہے یعنی 3 ماشے اور 5/1-1 رتی یا 3.06 گرام ہے، یوں 200 درہم کا وزن ساڑھے باون تولے یا 612.36 ہوتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ فِي عِشْرِينَ دِينَاراً، نَاقِصَةً

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان بیس دیناروں میں زکاۃ

بَيِّـنَةَ النُّقْصَانِ زَكَاةٌ ، فَإِنْ زَادَتْ ، حَتَّى تَبْلُغَ بِزِيَادَتِهَا عِشْرِينَ دِينَاراً وَازِنَةً ، فَفِيهَا الزَّكَاةُ ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ عِشْرِينَ دِينَاراً عَيْناً الزَّكَاةُ .

نہیں ہے جو واضح طور پر کم وزن والے ہوں، پھر اگر وہ (کم وزن والے دینار تعداد میں) بڑھ جائیں یہاں تک کہ اپنے اضافے کے ساتھ وہ پورے وزن والے بیس دیناروں کو پہنچ جائیں تو پھر ان میں زکاۃ ہے۔(پھر اسی کی دلیل کے طور پر) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نقدی سمجھے جانے والے (خالص معتبر اور پورا وزن رکھنے والے) بیس دیناروں سے کم (وزن) میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی۔

وَقَـالَ يَـحْـيَـى: قَـالَ مَـالِكٌ: وَلَيْسَ فِي مِئَتَيْ دِرْهَـمٍ نَـاقِـصَةً بَيِّـنَةَ الـنُّـقْصَانِ زَكَاةٌ ، فَإِنْ زَادَتْ ، حَتَّـى تَبْـلُـغَ بِـزِيَـادَتِهَا مِئَتَيْ دِرْهَمٍ وَافِيَةً ، فَـفِيهَا الـزَّكَاةُ ، فَـإِنْ كَـانَـتْ تَجُوزُ بِـجَـوَازِ الْـوَازِنَةِ ، رَأَيْتُ فِيهَا الزَّكَاةَ ، دَنَانِيرَ كَانَتْ أَوْ دَرَاهِمَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان دوسو درہموں میں (بھی) زکاۃ نہیں ہے جو واضح طور پر وزن میں کم ہوں، پھر اگر وہ (کم وزن رکھنے والے چاندی کے سکے دو سو سے) بڑھ جائیں یہاں تک کہ وہ اپنے اس اضافے کے ساتھ پورے وزن والے دو سو درہموں (کے وزن) کو پہنچ جائیں تو پھر ان میں زکاۃ ہے۔ (ہاں) اگر وہ (کم وزن والے سکے) پورے وزن والوں ہی کے حساب سے چلتے ہوں (دونوں کا نرخ اور قیمت برابر ہو) تو میں یہی خیال کرتا ہوں کہ ان میں زکاۃ ہوگی خواہ وہ دینار ہوں یا درہم۔

فائدہ :......کم وزن والے سکے عام سکوں سے سائز میں اور وزن میں بھی چھوٹے ہوسکتے ہیں یا یہ بھی ممکن ہے وزن تو برابر ہو لیکن ان میں کھوٹ شامل ہو اور اصل سونا چاندی مطلوبہ وزن سے کم ہوں ......ہمارے خیال میں وزن کم ہو تو زکاۃ لازم نہیں ہے، رہا یہ مسئلہ کہ ان کم وزن والوں کی قیمت تو پورے وزن والے سکوں کے برابر ہوتی ہو تو یہ بھی شرعاً غلط ہے اور نبی کریم ﷺ نے سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے تبادلہ کرنے میں یہ شرط لگائی ہے کہ دونوں جانب وزن بالکل برابر ہونا چاہیے، چنانچہ ارشاد فرمایا: ((وَزْنًـا بِـوَزْنٍ ، مِثْلاً بِـمِثْلٍ ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ)) ''وزن کے بدلے وزن، ایک جیسے، برابر برابر۔'' (مسلم: 1584/ 77) نیز فرمایا: ((مِثْـلًا بِـمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلىٰ بَعْضٍ)) ''(دونوں) برابر ہوں، اور ان میں سے ایک (جانب) کو دوسری پر زیادہ نہ کرو۔'' (بخاری: 2177، مسلم: 1584/ 75) نیز فرمایا: ((وَزْنًـا بِـوَزْنٍ ، مِثْلاً بِـمِثْلٍ ، فَمَنْ زَادَ اَوِاسْتَزَادَ فَهُوَ رِبًا)) ''وزن کے بدلے وزن (برابر ہو)، ایک جیسے ہوں، چنانچہ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو یہ سود ہے۔'' (مسلم: 1588/ 84)

قَـالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ كَانَتْ عِنْدَهُ سِتُّونَ وَمِئَةُ دِرْهَمٍ وَازِنَةً ، وَصَرْفُ الدَّرَاهِمِ بِبَلَدِهِ ثَمَانِيَةُ دَرَاهِـمَ بِـدِينَارٍ : أَنَّهَا لَا تَجِبُ فِيهَا الزَّكَاةُ ،

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس کے پاس پورے وزن والے ایک سو ساٹھ درہم ہوں اور اس کے شہر میں درہموں کے بدلانے (کرنسی چینج کرانے اور سونے

وَإِنَّمَا تَجِبُ الزَّكَاةُ فِي عِشْرِينَ دِينَاراً عَيْناً، أَوْ مِئَتَيْ دِرْهَمٍ.

چاندی کے باہمی تبادلے کے نرخ، ریٹ اور بھاؤ) کا معاملہ یوں ہو کہ (چاندی کے) آٹھ درہم (سونے کے) ایک دینار کے بدلے (ملتے) ہوں تو یقیناً ان (160) درہموں میں زکاۃ واجب نہیں ہوگی اور زکاۃ تو صرف اور صرف خالص بیس دیناروں میں پڑتی ہے یا (خالص) دوسو درہموں میں۔

فائدہ:...... چاندی کا نصاب الگ اور مستقل ہے اور سونے کا الگ ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک چیز (مثلاً چاندی) اپنے نصاب کو نہ پہنچے لیکن اس کا بھاؤ اتنا زیادہ ہو کہ اس کی قیمت دوسری چیز (مثلاً سونا) کے برابر ہو جائے تو پھر بھی اس (چاندی) میں زکاۃ نہیں پڑے گی۔ آٹھ درہم کی قیمت ایک دینار کے برابر ہو تو بیس گنا کرنے سے ایک سو ساٹھ درہم کی قیمت بیس دینار بن جاتی ہے، اگرچہ سونے کے بیس دیناروں میں تو زکاۃ ہے لیکن ان کے برابر قیمت رکھنے والے چاندی کے 160 درہموں میں زکاۃ نہیں ہوگی کیونکہ چاندی کا اپنا مستقل نصاب 200 درہم ہے، اسی طرح ایک شخص کے پاس سات تولہ سونا اور 52 تولے چاندی ہو، دونوں چیزیں نصاب کو نہیں پہنچ رہیں اور صرف آدھا آدھا تولہ کم ہیں تو شرعاً زکاۃ واجب نہ ہوگی، ہاں نفلی طور پر خواہ سارا ہی صدقہ کر دے تو اس کی مرضی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ خَمْسَةُ دَنَانِيرَ، مِنْ فَائِدَةٍ أَوْ غَيْرِهَا، فَتَجَرَ فِيهَا فَلَمْ يَأْتِ الْحَوْلُ حَتَّى بَلَغَتْ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ: أَنَّهُ يُزَكِّيهَا، وَإِنْ لَمْ تَتِمَّ إِلَّا قَبْلَ أَنْ يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ بِيَوْمٍ وَاحِدٍ، أَوْ بَعْدَ مَا يَحُولُ عَلَيْهَا الْحَوْلُ بِيَوْمٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ لَا زَكَاةَ فِيهَا حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ زُكِّيَتْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس کے پاس ''فائدہ'' یا اس کے علاوہ (کسی اور قسم کی چیز) سے پانچ دینار تھے، پھر اس نے ان میں تجارت کی تو (ابھی ان پر پورا) سال نہ ہوا تھا کہ وہ اسی (مقدار) کو پہنچ گئے جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ (آغاز تجارت میں نصاب پورا نہ تھا اور جب تجارت کو سال گزرا تو سونا ساڑھے سات تولے یا اس سے زائد ہو چکا تھا تو فرمایا کہ) بے شک وہ ان دیناروں کی زکاۃ ادا کرے گا، اگرچہ وہ نہ پورے ہوئے ہوں مگر سال مکمل ہونے سے صرف ایک دن پہلے یا سال پورا ہو جانے کے صرف ایک دن بعد، پھر (اس زکاۃ کے بعد) ان دیناروں میں کوئی زکاۃ نہ ہوگی یہاں تک کہ ان پر (اگلا) سال گزر جائے اس دن سے شروع کر کے جس میں پہلی بار ان کی زکاۃ دی گئی تھی۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ اس مسئلے میں متفرد ہیں، ان کے نزدیک تجارتی مال کے متعلق سال کی ابتدا آغاز تجارت سے ہوتی ہے خواہ اس وقت وہ نصاب کو نہ پہنچا ہو اور نصاب کے متعلق ان کے نزدیک سال کا اخیر معتبر ہے، چنانچہ ابتدائے تجارت میں کوئی مال نصاب سے کم ہو لیکن سال پورا ہونے سے پہلے پہلے وہ نصاب کو پہنچ جائے تو زکاۃ لازم ہے، ہاں اگر اختتام سال پر وہ مال نصاب کو نہ پہنچے تو پھر زکاۃ لازم نہ ہوگی، بلکہ سال کے بعد جس دن نصاب کی

تکمیل ہو، خواہ اگلے ہی دن، تو اس دن پہلی زکاۃ واجب ہوگی، پھر اس زکاۃ والے دن سے اگلا سال شروع ہوگا، الغرض امام مالک سال کا آغاز تجارت کے آغاز سے کرتے ہیں اور اختتام نصاب کی تکمیل پر کرتے ہیں جبکہ باقی تمام ائمہ اور اہل حدیث کے نزدیک سال کا آغاز ہی اس دن ہوتا ہے جب نصاب مکمل ہو۔

فائدہ: ...... ایک آدمی کے پاس کچھ مال پہلے سے موجود ہو، بعد ازاں اسے اس مال جیسا کچھ اضافہ اور مزید مال مل جائے، مثلاً پہلے بکریاں ہوں، پھر کچھ اور بکریاں مل جائیں یا پہلے سونا ہو، پھر کچھ مزید سونا مل جائے، تو بعد میں حاصل ہونے والے مال کو ''مال مستفاد'' کہتے ہیں جس کی چار صورتیں ہیں: (1) ربح (نفع، منافع): گزشتہ مال ہی کی تجارت سے ملنے والا نفع۔ (2) نسل: گزشتہ جانوروں سے پیدا ہونے والے بچے۔ (3) غلہ: غلاموں اور لونڈیوں کو اپنے مالک کی خدمت کے علاوہ کوئی اور کام، مزدوری یا پیشہ اختیار کرنے سے ملنے والی اجرت اور کمائی۔ (4) فائدہ: مذکورہ بالا تینوں صورتوں کے علاوہ کسی اور جانب سے کوئی مال حاصل ہو جس کا پہلے سے موجود مال کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، مثلاً وراثت، مال غنیمت، ہدیہ وتحفہ یا مثلاً سونا بیچ کر (نقدی دے کر) جانور خرید لینا وغیرہ۔ اگر یہ جانور ہوں تو ان کو ''فائدۃ الماشیۃ'' (چوپایوں کا فائدہ) کہتے ہیں ورنہ ''فائدۃ العین'' (نقدی وغیرہ کا فائدہ) کہتے ہیں ...... مال مستفاد کے متعلق تفصیلی بحث آگے چودھویں باب میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ البتہ اس چوتھی قسم کے مال مستفاد کا نام امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مذکورہ فتوی میں لیا ہے اسی لیے اس کے متعلق وضاحت یہیں ذکر کی جا رہی ہے ...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر یہ فائدے میں ملنے والا مال نقدی ہو یا جانوروں کو نکال کر کسی بھی قسم کا ہو تو اس کو گزشتہ نصاب والے مال سے نہیں ملایا جائے گا بلکہ اس کا حساب نئے سرے سے شروع ہوگا اور مذکورہ بالا فتوی کے مطابق اگر یہ تجارتی منافع سال پورا ہونے تک نصاب کو پہنچ جائے یا جب نصاب کو پہنچے تو سال گزر چکا ہو تو اس کی الگ زکاۃ دی جائے گی، البتہ امام صاحب جانوروں کو گزشتہ جانوروں کے ساتھ شامل کر کے گزشتہ نصاب ہی کے حساب سے زکاۃ دینے کے قائل ہیں ...... الغرض امام مالک فائدۃ العین اور فائدۃ الماشیۃ میں فرق کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان دونوں کو گزشتہ نصاب سے ملا دیتے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ ان دونوں کو مستقل اور الگ مال شمار کر کے نیا نصاب اور سال شروع کرتے ہیں اور یہی آخری موقف راجح ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ عَشَرَةُ دَنَانِيرَ، فَتَجَرَ فِيهَا، فَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ وَقَدْ بَلَغَتْ عِشْرِينَ دِينَاراً: أَنَّهُ يُزَكِّيهَا مَكَانَهَا، وَلَا يَنْتَظِرُ بِهَا أَنْ يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمَ بَلَغَتْ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، لأَنَّ الْحَوْلَ قَدْ

امام مالک رحمہ اللہ اس شخص کے متعلق فرماتے ہیں جس کے پاس دس دینار تھے، اس نے ان میں تجارت کی، پھر جب ان پر سال پورا ہوا تو وہ بیس دینار (نصاب زکاۃ) کو پہنچ چکے تھے، (فرمایا کہ) وہ (فوراً اسی وقت) اسی جگہ ان کی زکاۃ ادا کرے اور وہ ان کے متعلق یہ انتظار نہ کرے کہ ان

حَـالَ عَـلَيْهَـا ، وَهِيَ عِنْدَهُ عِشْرُونَ ، ثُمَّ لَا زَكَـاةَ فِيهَا حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ زُكِّيَتْ .

دیناروں پر اس دن سے (آغاز کر کے) سال مکمل ہو کہ جس دن ان میں زکاۃ واجب ہوئی تھی (اور وہ نصاب کو پہنچے تھے) کیونکہ بلاشبہ ان پر اس حال میں سال پورا ہوا ہے کہ وہ بیس دینار تھے، پھر ان میں کوئی زکاۃ نہیں پڑے گی یہاں تک کہ ان پر (آئندہ) سال پورا گزر جائے اس دن سے شروع کر کے جس میں پہلی دفعہ ان کی زکاۃ دی گئی تھی۔

فائدہ :......گزشتہ مذکورہ فتویٰ میں اس کے سوا کوئی اور فرق نہیں کہ وہاں پانچ دیناروں کا سوال تھا اور یہاں دس دیناروں کا۔

قَـالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا ، فِي إِجَارَةِ الْعَبِيدِ وَخَرَاجِهِمْ ، وَكِرَاءِ الْمَسَاكِينِ ، وَكِتَابَةِ الْمُكَاتَبِ: أَنَّهُ لَا تَجِبُ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ الـزَّكَاةُ ، قَلَّ ذَلِكَ أَوْ كَثُرَ ، حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ يَقْبِضُهُ صَاحِبُهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں (مدینہ) میں اجماع ہے غلاموں کی مزدوری اور کمائی کے بارے میں (جو وہ اپنے آقا کو روزانہ کما کر دیتے ہیں، مکانات کے کرائے کے بارے میں اور مکاتب غلام کے بدل کتابت (جو طے شدہ رقم وہ اپنے مالک کو دے کر آزاد ہوا تو ان تمام چیزوں) کے بارے میں (متفقہ حکم) یہ ہے کہ بلاشبہ ان میں سے کسی بھی چیز میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی، خواہ کم ہوں یا زیادہ، یہاں تک کہ اس پر سال پورا گزر جائے اس دن سے (آغاز کر کے کہ) جس میں اس کے مالک نے اسے قبضے میں لیا ہو۔

فائدہ :......غلاموں سے حاصل شدہ کمائی کو ''غلہ'' کہتے ہیں۔ غلام اگر تجارت کے لیے ہیں تو تجارتی مال کے حساب سے ان کی زکاۃ دی جائے گی اور اگر وہ مالک کی خدمت کے لیے ہوں اور اسے کما کر بھی دیتے ہوں تو نہ خود ان میں زکاۃ ہے اور نہ ان سے حاصل شدہ کمائی میں، الا یہ کہ ان کی کمائی (اسی طرح کرایہ مکان وغیرہ) نصاب زکاۃ کو پہنچ جائے تو تکمیل نصاب کے بعد سال گزرنے پر زکاۃ واجب ہوگی۔

وَقَـالَ مَـالِكٌ فِي الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ يَكُونُ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ : إِنَّ مَنْ بَلَغَتْ حِصَّتُهُ مِنْهُمْ عِشْرِينَ دِيـنَـاراً عَيْـنـاً ، أَوْ مِـئَتَيْ دِرْهَمٍ ، فَعَلَيْهِ فِيهَا الـزَّكَاةُ ، وَمَنْ نَقَصَتْ حِصَّتُهُ عَمَّا تَجِبُ فِيهِ الـزَّكَـاةُ ، فَلَا زَكَـاةَ عَـلَيْـهِ ، وَإِنْ بَـلَغَتْ حِصَـصُهُـمْ جَـمِيعاً مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ ،

امام مالک رحمہ اللہ نے اس سونے اور چاندی کے متعلق فرمایا جو کئی ایک حصہ داروں کے درمیان (مشترکہ) ہو (تو فرمایا کہ) ان میں سے جس کا حصہ خالص بیس دینار یا دوسو درہم ہو تو اس پر ان (دیناروں یا درہموں) میں زکاۃ لازم ہے اور جس کا حصہ اس مقدار سے کم ہو جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے تو اس پر کوئی زکاۃ نہیں ......اور اگر ان سب کے

وَكَانَ بَعْضُهُمْ فِي ذَلِكَ أَفْضَلَ نَصِيباً مِنْ بَعْضٍ، أُخِذَ مِنْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ بِقَدْرِ حِصَّتِهِ، إِذَا كَانَ فِي حِصَّةِ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ ، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ .

حصے اس نصاب کو پہنچ جائیں جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے اور اس (مشترکہ مال) میں ان میں سے بعض کی نسبت بعض (حصہ دار) زیادہ حصے رکھتے ہوں (کچھ کا حصہ کم اور کچھ کا زیادہ ہو) تو ان میں سے ہر کسی سے اس کے حصے کے بقدر زکاۃ لی جائے گی جب کہ ان میں سے ہر شخص کے حصے میں اتنا کچھ (سونا یا چاندی) ہو جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ)) ''چاندی کے پانچ اوقیہ (دوسو درہم) سے کم میں زکاۃ نہیں ہے۔''

قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ میرے نزدیک ان تمام اقوال سے زیادہ محبوب (قول) ہے جو میں نے اس بارے میں سن رکھے ہیں۔

فائدہ :...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اہل حدیث کا بھی یہی موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونا چاندی پر زکاۃ واجب ہونے کے لیے نصاب کی شرط لگائی ہے لیکن مشترکہ جانوروں کی طرح یہ پابندی عائد نہیں کی کہ اگر وہ مشترکہ مال ہو تو مجموعے کا حساب کریں گے نہ کہ انفرادی حیثیت کا، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ سونا چاندی وغیرہ کو بھی جانوروں پر قیاس کرتے ہیں کہ سب کی اکٹھی ملکیت کا اعتبار کر کے ان پر زکاۃ پڑے گی، بشرطیکہ اکٹھا مال نصاب کو پہنچتا ہو، خواہ الگ الگ ملکیت نصاب سے کم ہو...... پہلا موقف راجح ہے کیونکہ جانوروں اور سونا چاندی کا معاملہ ایک جیسا نہیں، جانوروں میں تو نصاب کو پہنچنے کے بعد یہ سہولت ہے کہ مزید کافی سارے جانور بڑھ جانے سے زکاۃ نہیں بڑھتی جبکہ سونا چاندی کے نصاب کو پہنچنے کے بعد جتنا بھی اضافہ ہوگا اس میں بھی زکاۃ ہے، نیز جانوروں کے مجموعے کا اعتبار کرنے سے بسا اوقات زکاۃ میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور کبھی اضافہ، جبکہ جانوروں کے علاوہ ہر قسم کے مال کے مجموعے کا اعتبار کرنے سے زکاۃ میں اعتبار ہی ہوتا ہے، کبھی بھی کمی نہیں ہوتی، لہٰذا یہ جانوروں پر دوسرے مالوں کا قیاس درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِذَا كَانَتْ لِرَجُلٍ ذَهَبٌ ، أَوْ وَرِقٌ مُتَفَرِّقَةٌ ، بِأَيْدِي أُنَاسٍ شَتَّى ، فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُحْصِيَهَا جَمِيعاً ، ثُمَّ يُخْرِجَ مَا وَجَبَ عَلَيْهِ مِنْ زَكَاتِهَا كُلِّهَا .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور جب کسی شخص کے لیے (اس کی ملکیت میں) سونا یا چاندی ہو لیکن وہ مختلف لوگوں کے پاس ہو تو بلاشبہ اس کے لائق یہی ہے کہ وہ سب کو شمار کرے، پھر آدمی اس تمام (نقدی) سے وہ زکاۃ نکالے جو

اس پر واجب ہوتی ہو۔

فائدہ: ...... بشرطیکہ اس کا مال لوگوں کے پاس امانت، شراکت یا قرض وغیرہ کے طور پر موجود ہو، البتہ اگر اس کا مال کسی نے ظلماً دبالیا ہو اور واپس ملنے کی امید نہ ہو تو پھر اس پر زکاۃ لازم نہ ہوگی کہ مال بھی ہاتھ سے گیا اور زکاۃ کی چٹی بھی سر پر پڑ جائے۔

قَـالَ مَـالِكٌ : وَمَنْ أَفَادَ مَالاً ذَهَباً، أَوْ وَرِقاً، إِنَّهُ لا زَكَـاةَ عَـلَيْـهِ فِيهَـا حَتَّـى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ أَفَادَهَا .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے سونے یا چاندی کا فائدہ حاصل کیا ہو تو بے شک اس پر اس میں کوئی زکاۃ نہ ہوگی یہاں تک کہ اس پر پورا سال گزر جائے، اس دن سے آغاز کر کے جس میں اس نے یہ فائدہ حاصل کیا۔

فائدہ: ...... بشرطیکہ یہ سونا چاندی گزشتہ سونا چاندی سے حاصل شدہ اضافہ اور نفع نہ ہو...... پیچھے بھی اسی طرح کے دو فتوے (پانچ دینار اور دس دینار والے، اس باب کا چوتھا اور پانچواں فتوی) مذکور ہیں لیکن ان میں یہ بتانا مقصود تھا کہ امام مالک رحمہ اللہ سال کا آغاز کہاں سے کرتے ہیں اور یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اس طرح کا مال گزشتہ نصاب کے ساتھ اکٹھا نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی حیثیت الگ رہے گی۔

3- بَابٌ: اَلزَّكَاةُ فِي الْمَعَادِنِ

معدنیات (کی کانوں) میں زکاۃ

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک مرفوع ضعیف روایت اور امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ مذکور ہیں۔

فائدہ: ......(1) مَـعَادِن جمع ہے مَـعْدِنٌ کی جس کے معنی ہیں ''کان'' یعنی وہ جگہ جہاں سے کھدائی کر کے دھات یا جواہرات وغیرہ نکالتے ہیں۔ معدنیات کی تین قسمیں ہیں: (الف) جنھیں آگ سے پگھلا کر زیور اور برتن وغیرہ بناتے ہیں مثلاً سونا، چاندی، لوہا، تانبا، وغیرہ (ب) جو آگ سے نہیں پگھلتیں مثلاً یاقوت، زمرد اور عقیق جیسے جواہرات (3) جو مائع شکل میں ہوتے ہیں مثلاً نمک، تیل، پڑول، تارکول وغیرہ۔ یاد رہے جہاں بھی تیل یا پٹرول ہوتا ہے وہاں سے گیس بھی نکلتی ہے، اگر بالکل وہاں سے گیس نہ نکلے تو ایک دو ایکڑ کے فاصلے سے نکل آتی ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ صرف پہلی قسم کی معدنیات سے زکاۃ نکالنے کے قائل ہیں، امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ پہلی قسم میں سے بھی صرف سونے اور چاندی کی زکاۃ کے قائل ہیں جبکہ امام احمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے ہاں تینوں قسم کی معدنیات سے نکالی جائے گی اور یہ تیسرا موقف راجح ہے کیونکہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عموم ہے۔ (2) احناف کے ہاں معدنیات اور دفینہ جاہلیت دونوں ایک ہی حکم رکھتے ہیں اور دونوں سے خمس یعنی پانچواں حصہ زکاۃ میں نکالا جائے گا جبکہ جمہور کے

نزدیک ان دونوں میں فرق ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہی حدیث میں دونوں کا الگ الگ تذکرہ کیا ہے (بخاری : 1499، مسلم: 1710) نیز معدنیات محنت ومشقت اور عمل کثیر سے حاصل ہوتی ہیں جبکہ رکاز یعنی دفینہ جاہلیت بغیر زیادہ مشقت کے بآسانی مل جاتا ہے، اسی طرح معدنیات کو عرصہ دراز تک مسلسل محنت سے نکالا جاتا ہے جبکہ دفینہ جاہلیت ایک ہی بار میں کہیں سے مل جاتا ہے، انھی وجوہات کی بنا پر معدنیات اور رکاز کا حکم یکساں نہیں ہے، معدنیات میں چالیسواں حصہ جبکہ رکاز میں خمس واجب ہے (3) احناف نے چونکہ معدنیات کو ''رکاز'' (دفینہ جاہلیت) شمار کیا ہے۔اس لیے وہ ان میں کسی نصاب کے قائل نہیں ہیں اور رکاز کی طرح ان کے قلیل وکثیر میں خمس واجب سمجھتے ہیں جبکہ جمہور نے معدنیات میں بھی سونے چاندی کے نصاب کی شرط لگائی ہے اور یہی راجح ہے۔(4) امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ معدنیات میں سال گزرنے کی شرط نہیں لگاتے اور زمین کی پیداوار پر قیاس کر کے ان کے حصول کے دن ہی ان کی زکاۃ نکالنے کے قائل ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا (جدید) قول راجح ہے کہ ان میں بھی سال گزرنے کی شرط ہے۔

[658] عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَطَعَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ، وَهِيَ مِنْ نَاحِيَةِ الْفُرْعِ، فَتِلْكَ الْمَعَادِنُ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا إِلَى الْيَوْمِ إِلَّا الزَّكَاةُ.

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کئی ایک لوگوں سے روایت کرتے ہیں کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کو (مدینہ منورہ سے مغربی سمت میں ساحل کی جانب پانچ دن کے فاصلے پر موجود قبل نامی جگہ کی طرف منسوب) قبلیہ کانیں'' جاگیر کے طور پر دے دی تھیں اور یہ (کانیں) ''فرع'' نامی علاقے کی جانب ہیں (جو مکہ و مدینہ کے درمیان میں مدینہ منورہ سے ۹۶ میل دور ہیں) چنانچہ ان کانوں سے آج کے دن تک زکاۃ کے سوا کچھ نہیں لیا جاتا۔

قَالَ مَالِكٌ: أَرَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، أَنْ لَا يُؤْخَذَ مِنَ الْمَعَادِنِ، مِمَّا يَخْرُجُ مِنْهَا شَيْءٌ، حَتَّى يَبْلُغَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا قَدْرَ عِشْرِينَ دِينَاراً عَيْناً، أَوْ مِئَتَيْ دِرْهَمٍ، فَإِذَا بَلَغَ ذَلِكَ فَفِيهِ الزَّكَاةُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں یہ خیال کرتا (اور رائے رکھتا) ہوں۔ واللہ اعلم۔ کہ کانوں سے یعنی ان سے جو کچھ برآمد ہوتا ہے اس میں سے کچھ بھی نہ لیا جائے گا یہاں تک کہ ان سے نکلنے والی چیز (خالص سونے کے) ۲۰ دیناروں

---

[658] (مرفوع ضعیف) سنن ابی داود، کتاب الخراج والامارۃ والفیء، باب فی اقطاع الارضین، حدیث: 3061، بیھقی فی السنن الکبری: 4/ 152، وفی المعرفۃ: 3/ 307(2377)، بغوی فی شرح السنۃ: 6/ 60۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے

مَكَانَهُ، وَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ أُخِذَ بِحِسَابِ ذَلِكَ، مَا دَامَ فِي الْمَعْدِنِ نَيْلٌ، فَإِذَا انْقَطَعَ عِرْقُهُ، ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذَلِكَ نَيْلٌ، فَهُوَ مِثْلُ الْأَوَّلِ يُبْتَدَأُ فِيهِ الزَّكَاةُ، كَمَا ابْتُدِئَتْ فِي الْأَوَّلِ.

یا (خالص چاندی کے) دوسو درہموں (کی قیمت) کو پہنچ جائے، چنانچہ جب وہ اس مقدار کو پہنچ جائے تو اس میں اس جگہ (اسی وقت) زکاۃ (ادا کرنا) لازم ہے اور جو کچھ اس (نصاب) سے زیادہ ہو جائے تو اسی حساب سے (چالیسواں حصہ) اس سے بھی لیا جائے گا (اور یہ سلسلہ جاری رہے گا) جب تک کہ کان میں پیداوار جاری رہے، پھر جب اس کان کی رگ منقطع ہو جائے (اور پیداوار بند ہو جائے) پھر اس کے بعد (دوبارہ) پیداوار شروع ہو جائے تو وہ پہلے کی طرح (نئی آمدنی شمار) ہوگی جس میں زکاۃ (ازسرنو) شروع کی جائے گی جس طرح کہ پہلی بار زکاۃ شروع کی گئی تھی۔

فائدہ: ...... چنانچہ اگر دوسری بار پیداوار شروع ہو کر نصاب تک پہنچے تو زکاۃ لازم ہے ورنہ نہیں، اسے گزشتہ پیداوار سے نہ جوڑا جائے گا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْمَعْدِنُ بِمَنْزِلَةِ الزَّرْعِ، يُؤْخَذُ مِنْهُ مِثْلُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الزَّرْعِ، يُؤْخَذُ مِنْهُ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْمَعْدِنِ مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ، وَلَا يُنْتَظَرُ بِهِ الْحَوْلُ، كَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الزَّرْعِ إِذَا حُصِدَ الْعُشْرُ، وَلَا يُنْتَظَرُ أَنْ يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کان تو کھیتی کی طرح ہے، اس سے بھی اسی طرح (آغاز ہی میں زکاۃ) وصول کی جائے گی جس طرح کھیتی سے وصول کی جاتی ہے، جس دن کان سے (نصاب کے برابر) کچھ نکل آیا اس دن میں اس سے (زکاۃ کو) لے لیا جائے گا اور آدمی اس کے لیے سال گزرنے کا انتظار نہیں کرے گا جس طرح کہ جب کھیتی کاٹی جاتی ہے تو اسی وقت اس سے عشر لے لیا جاتا ہے اور آدمی یہ انتظار نہیں کرتا کہ اس پر پورا سال گزر جائے۔

فائدہ: ...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول یہ ہے کہ سال گزرنے کا انتظار کیا جائے گا اور یہی راجح ہے کیونکہ یہ آدمی کے پاس موجود گزشتہ مال کی بڑھوتری نہیں ہے بلکہ ایک ایسا فائدہ ہے جو مستقل طور پر حاصل ہوا ہے لہٰذا اس پر نئے سرے سے سال کا آغاز کیا جائے گا، نیز یہ رکاز (دفینہ جاہلیت بھی نہیں ہے۔

4- بَابٌ: زَكَاةُ الرِّكَازِ

دفینۂ جاہلیت کی زکاۃ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک حدیث نبوی ﷺ ہے جو بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے، نیز امام مالک

رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[659] حَـدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَـابٍ ، عَـنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رکاز (دفینہ جاہلیت) میں پانچواں حصہ (زکاۃ) ہے۔''

قَـالَ مَـالِكٌ : الأَمْـرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيـهِ عِـنْدَنَا ، وَالَّذِي سَمِعْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ : أَنَّ الـرِّكَـازَ ، إِنَّـمَـا هُـوَ دِفْنٌ يُوجَدُ مِنْ دِفْنِ الْـجَاهِلِيَّةِ ، مَا لَمْ يُطْلَبْ بِمَالٍ, وَلَمْ يُتَكَلَّفْ فِيـهِ نَـفَقَةٌ ، وَلَا كَبِيرُ عَمَلٍ ، وَلَا مَئُونَةٍ ، فَأَمَّا مَـا طُـلِـبَ بِـمَالٍ ، وَتُكُلِّفَ فِيهِ كَبِيرُ عَمَلٍ ، فَأُصِيبَ مَرَّةً ، وَأُخْطِئَ مَرَّةً ، فَلَيْسَ بِرِكَازٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں اور جسے میں نے اہل علم کو بیان کرتے ہوئے سنا، یہ ہے کہ بے شک ''رکاز'' سے مراد وہ دفن شدہ مال ہے جو جاہلیت (والوں یعنی کافروں) کے دفینوں میں سے (کہیں) پایا جائے، جب تک کہ اسے مال کے ساتھ طلب نہ کیا جائے (اس مذکورہ حدیث کے تحت تب شمار ہوگا جب اسے مال خرچ کر کے نہ ڈھونڈا گیا ہو،) اور نہ ہی اس میں کسی خرچے کی تکلیف اٹھائی گئی ہو، نہ زیادہ عمل کی اور نہ ہی کسی مشقت کی (تکلیف اٹھائی گئی ہو)، لہٰذا وہ (خزانہ اور دفینہ) جسے مال (خرچ کرنے) کے ساتھ طلب کیا گیا ہو اور اس میں زیادہ عمل (کثیر محنت) کی تکلیف برداشت کی گئی ہو اور کبھی اسے پہنچا جاتا ہو اور کبھی اس سے خطا ہوتی ہو (کبھی ملتا ہو اور کبھی نہ ملتا ہو) تو وہ رکاز نہیں ہے۔

فائدہ:...... (1) امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور کے نزدیک رکاز سے مراد جاہلیت کے زمانے کا زمین میں مدفون خزانہ ہے جو بغیر کسی کثیر محنت ومشقت کے اور بغیر رقم خرچ کیے حاصل ہو، جبکہ احناف کے ہاں رکاز میں دفینۂ جاہلیت اور معدنیات بھی شامل ہیں (نیز دیکھیے گزشتہ باب کے شروع والا فائدہ) (2) رکاز (دفینۂ جاہلیت) جس دن حاصل ہوا اسی دن اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) وصول کیا جائے گا۔ (3) اس میں نصاب کی کوئی تعیین نہیں ہے، قلیل وکثیر میں خمس واجب ہے۔ (4) دفینۂ جاہلیت کی پہچان اس طرح ہوتی ہے کہ خزانے کی بعض چیزیں کافروں کے ساتھ خاص ہوں مثلاً سکوں یا سامان پر کافر بادشاہوں کی تصاویر یا نام کندہ ہوں یا صلیب اور بت وغیرہ اس میں ہوں، چنانچہ اگر خزانے کی بعض اشیاء پر مسلمان بادشاہوں کے نام وغیرہ یا اسلامی علامات ہوں تو وہ ''رکاز'' نہیں بلکہ

[[659] (مرفوع صحيح) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب فى الركاز الخمس، حديث: 1499، 2355، 6912، 6913، صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب جرح العجماء والمعدن والبئر جبار، حديث: 1710، ابوداود: 3085، ترمذي: 642، نسائي: 2497، ابن ماجه: 2509، احمد: 2/ 239 (7253)، دارمي: 1668 .

''لقطہ'' (مسلمانوں کا گم شدہ مال) شمار ہوگا جس کے متعلق حکم یہ ہے کہ سال بھر اس کی تشہیر بذریعہ اشتہارات واعلانات کی جائے گی، اس دوران اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ورنہ آدمی اسے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے البتہ اس کی نشانیاں یاد رکھے تاکہ اس کا مالک اگر بعد میں آجائے اور اس کی نشانیاں بتادے تو اس کی قیمت ادا کی جائے گی، رہا ایسا مال جس پر کوئی بھی علامت نہ ہو، نہ کفر کی نہ اسلام کی تو اکثر کے نزدیک وہ رکاز (دفینہ جاہلیت) ہی شمار ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ''لقطہ'' کا مزید بیان کتاب الاقضیۃ کے باب: 38 میں آرہا ہے۔

5- بَابٌ: مَالَا زَكَاةَ فِيهِ مِنَ الْحُلِيِّ وَالتِّبْرِ وَالْعَنْبَرِ

ان چیزوں کا بیان جن میں زکاۃ نہیں ہے مثلاً زیورات، سونے یا چاندی کا ڈلا اور عنبر

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف موقوف روایات یعنی آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن کی سندیں صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... ''حُلِيٌّ'' جمع ہے حَلْيٌ کی، جس کے معنی زیور کے ہیں۔ یہاں صرف سونے چاندی کے زیورات کا بیان مقصود ہے کیونکہ ہر زیور جو استعمال کی اشیاء میں شامل ہو اس پر باقی استعمال والی اشیاء کی طرح زکاۃ نہیں ہونی چاہیے لیکن سونے چاندی کے زیورات میں اس کے متعلق اختلاف ہے...... ''تِبْرٌ'' سونے اور چاندی کے اس ڈلے کو کہتے ہیں جسے ابھی کسی زیور یا برتن وغیرہ کی شکل میں نہ ڈھالا گیا ہو...... ''عَنْبَرٌ'' سے یہاں وہ ٹھوس مادہ مراد ہے جسے باریک پیسنے یا آگ پر ڈالنے سے خوشبو نکلتی ہے اور یہ سمندر سے برآمد ہوتا ہے، بعض کے نزدیک یہ کسی سمندری جانور کا فضلہ ہوتا ہے جبکہ محدثین کی ایک جماعت اس سے سمندر کی ایک خاص گھاس مراد لیتی ہے۔

[660] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، كَانَتْ تَلِي بَنَاتَ أَخِيهَا يَتَامَى فِي حَجْرِهَا، لَهُنَّ الْحَلْيُ، فَلَا تُخْرِجُ مِنْ حُلِيِّهِنَّ الزَّكَاةَ.

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ اپنے والد (قاسم بن محمد رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک (ان کی پھوپھی جان) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ پیغمبر ﷺ اپنے بھائی (محمد رحمہ اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ) کی یتیم بیٹیوں کی نگہداشت کرتی تھیں جو کہ ان کی گود (پرورش) میں تھیں، ان بچیوں کے پاس زیورات تھے، وہ ان کے زیورات سے زکاۃ نہیں نکالتی تھیں۔

فائدہ: ...... حالانکہ سنن ابوداود میں خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نبی کریم ﷺ سے روایت میں زیورات کی زکاۃ

---

[660] (موقوف صحيح) عبدالرزاق: 4/ 83 (7052)، ابن ابی شيبة: 3/ 155، بيهقی فی السنن الكبری: 4/ 138، وفی الصغير: 2/ 56 (1204)، وفی المعرفة: 3/ 293 (2351)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

ثابت ہے۔(ابوداود: 1565۔اس کی سند صحیح ہے۔) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بچیوں کا زیور نصاب سے کم تھا یا ممکن ہے کہ وہ سونے چاندی کے نہ ہوں۔

[661] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُحَلِّي بَنَاتِهِ وَجَوَارِيَهُ الذَّهَبَ، ثُمَّ لَا يُخْرِجُ مِنْ حُلِيِّهِنَّ الزَّكَاةَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بیٹیوں اور لونڈیوں کو سونے کا زیور پہناتے تھے، پھر ان کے زیورات سے زکاۃ نہیں نکالا کرتے تھے۔

فائدہ :......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے زیورات میں زکاۃ کا قول منقول ہے، نیز تابعین رحمہ اللہ میں سے سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر، عطاء، ابن سیرین، مجاہد، زہری، طاؤس، عمر بن عبدالعزیز، ابراہیم نخعی اور اوزاعی رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے، جبکہ حضرت انس، حضرت جابر، حضرت اسماء رضی اللہ عنہم سے زیورات میں زکاۃ کا واجب نہ ہونا منقول ہے، نیز قاسم بن محمد رحمہ اللہ، شعبی رحمہ اللہ، قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں، فقہاء میں سے امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور علامہ شوکانی رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک زیورات میں زکاۃ نہیں ہے جبکہ امام ابوحنیفہ، ابن منذر، ابن حزم، امیر صنعانی، ابن باز رحمہم اللہ، اور اہل حدیث کے ہاں زیورات میں زکاۃ واجب ہے، امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول بھی یہی مروی ہے......ہمارے نزدیک راجح قول وجوب ہی کا ہے بشرطیکہ سونے چاندی کے یہ زیورات نصاب کو پہنچتے ہوں، جس کے دلائل حسب ذیل ہیں: (1) فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (التوبة 9:34) ''اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے۔'' (2) فرمان نبوی ہے: (مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّ لَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا......) ''جو کوئی بھی سونے یا چاندی کا مالک اس میں سے اس کا حق (زکاۃ) ادا نہیں کرتا......'' (مسلم: 987) مذکورہ آیت و حدیث میں عموم ہے، نہ نصاب کی شرط ہے اور نہ استعمال میں نہ ہونے کی قید ہے، البتہ دوسری احادیث میں صرف نصاب کی شرط مل گئی ہے لہٰذا ہر سونا یا چاندی جو نصاب کو پہنچے خواہ استعمال میں ہو یا نہ ہو، اس میں زکاۃ واجب ہے۔ (3) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ کی ادائیگی کا پوچھ لیا پھر نفی میں جواب سن کر فرمایا: ((هُوَ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ)) ''جہنم کی آگ میں سے تمھارے لیے یہی (زیور) کافی ہے۔''

---

[661] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 138، وفى السنن الصغير: 2/ 54(1199)، وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 293 (2353)، عبدالرزاق: 7047، الشافعى فى الأم: 2/ 41، وفى المسند: 1/ 413۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

(ابوداود: 1565، حاکم: 1/ 389، بیھقی: 4/ 139۔ اس کی سند صحیح ہے)۔ (4) ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سونے کے زیور کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ بھی ''کنز'' ہے؟ (کیا یہ اس خزانے میں شامل ہے جس پر قرآن مجید میں آگ کی وعید سنائی گئی ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰی زَكَاتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ)) ''جو (زیور) اس مقدار کو پہنچ جائے جس میں زکاۃ ادا کی جاتی ہے، پھر اس کی زکاۃ ادا کردی جائے تو وہ ''کنز'' نہیں ہے۔'' (ابوداود: 1564، حاکم: 1/ 390، بیھقی: 4/ 140، دارقطنی: 2/ 105۔ اس کی سند حسن یا صحیح ہے۔) (5) عمرو بن شعیب رحمہ اللہ کی روایت جسے وہ اپنے باپ شعیب رحمہ اللہ سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ (ابوداود: 1563، نسائی: 2481، بیھقی: 4/ 140۔ اس کی سند حسن بلکہ صحیح لغیرہ ہے، البتہ ترمذی (637) میں اس کی سند ضعیف ہے۔) (6) حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی روایت (مسند احمد: 6/ 461۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔)

قَالَ مَالِكٌ : مَنْ كَانَ عِنْدَهُ تِبْرٌ ، أَوْ حَلْيٌ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ ، لَا يُنْتَفَعُ بِهِ لِلُبْسٍ ، فَإِنَّ عَلَيْهِ فِيهِ الزَّكَاةَ ، فِي كُلِّ عَامٍ يُوزَنُ ، فَيُؤْخَذُ رُبُعُ عُشْرِهِ ، إِلَّا أَنْ يَنْقُصَ مِنْ وَزْنِ عِشْرِينَ دِينَاراً عَيْناً ، أَوْ مِئَتَيْ دِرْهَمٍ ، فَإِنْ نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ ، فَلَيْسَ فِيهِ زَكَاةٌ ، وَإِنَّمَا تَكُونُ فِيهِ الزَّكَاةُ ، إِذَا كَانَ إِنَّمَا يُمْسِكُهُ لِغَيْرِ اللُّبْسِ ، فَأَمَّا التِّبْرُ وَالْحُلِيُّ الْمَكْسُورُ ، الَّذِي يُرِيدُ أَهْلُهُ إِصْلَاحَهُ وَلُبْسَهُ ، فَإِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَتَاعِ الَّذِي يَكُونُ عِنْدَ أَهْلِهِ ، فَلَيْسَ عَلَى أَهْلِهِ فِيهِ زَكَاةٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص کے پاس سونے یا چاندی کا ڈلا ہو یا اس طرح کا زیور ہو اور اس سے پہننے کا فائدہ نہیں اٹھایا جاتا (استعمال میں نہیں ہے) تو بلاشبہ آدمی پر اس میں ہر سال زکاۃ (واجب) ہے، اس کا وزن کیا جائے گا پھر اس سے چالیسواں حصہ (زکاۃ میں) وصول کرلیا جائے گا، الا یہ کہ وہ (خام سونا یا چاندی یا استعمال نہ ہونے والا زیور) بیس دینار یا دوسو درہم (ساڑھے سات تولے سونے یا ساڑھے باون تولے چاندی) سے کم ہوجائے، چنانچہ اگر وہ اسی مقدار سے کم ہو تو پھر اس میں زکاۃ نہیں ہے اور اس میں زکاۃ صرف اور صرف اسی صورت میں ہوگی کہ جب آدمی اسے پہننے کے علاوہ رکھے ہوئے ہو (آدمی نے اسے بغیر کسی استعمال کے اپنے پاس رکھا ہوا ہو)۔ رہا سونے یا چاندی کا وہ ڈلا اور وہ ٹوٹا ہوا زیور کہ اس کے مالک اس کو درست کرانے اور اسے پہننے کا ارادہ رکھتے ہوں تو بلاشبہ وہ (گھر کے استعمال والے) اس سامان جیسا ہے جو گھر والوں کے پاس ہوتا ہے، تو اس کے مالک پر بھی اس میں زکاۃ نہیں ہے (خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ہو)۔

فائدہ: ...... چونکہ یہ موقف گزشتہ فائدے میں مذکور احادیث کے خلاف ہے اسی لیے راجح نہیں ہے، صحیح موقف یہی ہے کہ نصاب کو پہنچنے والے ہر قسم کے سونے چاندی میں زکاۃ واجب ہے، خواہ وہ استعمال میں ہو یا نہ ہو۔

قَالَ مَالِكٌ : لَيْسَ فِي اللُّؤْلُؤِ وَلَا فِي الْمِسْكِ وَلَا الْعَنْبَرِ زَكَاةٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ موتی، کستوری اور عنبر میں زکاۃ نہیں ہے۔

فائدہ : ......اگرچہ ہیرے جواہرات اور بعض قسم کی خوشبوئیں بہت مہنگی ہوتی ہیں حتی کہ سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی ہوتی ہیں، لیکن چونکہ قرآن وسنت میں ان کے متعلق خاموشی ہے اور ان کی زکاۃ پر کوئی شرعی دلیل ثابت نہیں ہے لہٰذا ان پر زکاۃ واجب نہیں ہے، ویسے بھی یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ((اَلْاَصْلُ بَـرَاءَ ةُ الذِّمَّةِ)) ''اصل میں انسان کا ذمہ (ہر ذمہ داری سے) بری ہے۔'' یعنی جب تک شرعی حکم ثابت نہ ہو انسان بری الذمہ رہتا ہے ......یاد رہے کہ اگر یہ مذکورہ چیزیں سامان تجارت میں شامل ہوں تو پھر تجارتی مال کی حیثیت سے باقی تجارتی اموال کے ہمراہ ان کی زکاۃ بھی دی جائے گی۔

6- بَابٌ : زَكَاةُ اَمْوَالِ الْيَتْمٰى وَالتِّجَارَةُ لَهُمْ فِيْهَا

یتیموں کے مالوں کی زکاۃ اور ان کے لیے ان (مالوں) میں تجارت کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، تین موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب کی سندیں صحیح ہیں، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی اس میں مذکور ہے۔

فائدہ : ......یتیم کا لفظ صرف ان بچوں پر بولا جاتا ہے جو حد بلوغت تک نہ پہنچے ہوں، بلوغت کے بعد بچہ شرعاً یتیم نہیں کہلاتا اور چونکہ بچے شرعی احکام کے مکلّف نہیں ہوتے اس لیے یتیم کو وراثت میں ملنے والے مال کی زکاۃ کے متعلق اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یتیم کے مال پر زکاۃ واجب نہیں اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے جبکہ جمہور کے نزدیک یتیم کے مال پر زکاۃ ہے جس کی ادائیگی اس کا متولی اور نگران کرتا رہے گا، یہی موقف راجح ہے کیونکہ زکاۃ کے حق کو مال کی طرف منسوب کیا گیا ہے، نیز یہ فرمان نبوی عام ہے: ((تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ)) ''زکاۃ ان (مسلمانوں) کے مالداروں سے لی جائے گی'' (بخاری: 1395، مسلم: 19) چنانچہ مالدار کا اطلاق جس طرح بالغ شخص پر ہوتا ہے اسی طرح نابالغ پر بھی ہوتا ہے، نیز عقلمند پر بھی اور مجنون پر بھی ہوتا ہے، اس لیے سب کے مال اگر نصاب کو پہنچیں تو ان میں زکاۃ ہے، یہی وجہ ہے کہ زکاۃ کی تعریف میں مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ صرف آزاد ہونے کی شرط لگائی گئی ہے، یعنی صرف کافر اور غلام پر زکاۃ نہیں ہے، باقی ہر آزاد مسلمان پر زکاۃ ہے جب اس کا مال نصاب کو پہنچ جائے، خواہ وہ بالغ ہو یا نہ، عقل مند ہو یا نہ اور یتیم ہو یا نہ، نیز فطرانہ بھی ایک زکاۃ ہے جس کا بچوں پر لازم ہونا تو صریح نصوص سے ثابت ہے۔ الغرض بچوں کے مال سے زکاۃ ادا کرنا ان کے متولی کی ذمہ داری ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں متولی ہی ذمہ دار اور گنہگار ہوگا، نہ کہ بچہ۔

[622] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: اتَّجِرُوا فِي أَمْوَالِ الْيَتَامَى لَا تَأْكُلُهَا الزَّكَاةُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یتیموں کے مالوں میں تجارت کیا کرو تا کہ زکاۃ ان کو کھا نہ جائے۔

فائدہ: ......زکاۃ ادا کرنے سے ظاہراً مال میں کمی آ رہی ہوتی ہے اور تجارت سے اضافہ ملتا ہے، لیکن اگر تجارت نہ کی جائے تو مال ہر سال زکاۃ ادا کرنے سے کم ہوتا چلا جائے گا، بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ثابت ہو گیا کہ وہ یتیم کے مال میں زکاۃ کے قائل تھے۔

[663] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَتْ عَائِشَةُ تَلِينِي، وَأَخًا لِي يَتِيمَيْنِ فِي حَجْرِهَا، فَكَانَتْ تُخْرِجُ مِنْ أَمْوَالِنَا الزَّكَاةَ.

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ، انھوں نے کہا کہ (میری پھوپھی) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میری اور میرے ایک بھائی کی نگہداشت کرتی تھیں، دونوں یتیم تھے اور ان کی پرورش میں تھے، چنانچہ وہ ہمارے مالوں سے زکاۃ نکالا کرتی تھیں۔

فائدہ: ......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاتی (پدری، باپ کی جانب سے) بھائی حضرت محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ جب مصر میں قتل ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بچوں کو گود لے لیا تھا۔

[664] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، كَانَتْ تُعْطِي أَمْوَالَ الْيَتَامَى الَّذِينَ فِي حَجْرِهَا، مَنْ يَتَّجِرُ لَهُمْ فِيهَا.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ سیدہ عائشہ زوجہ پیغمبر ﷺ ان یتیموں کے مال جو ان کی پرورش میں تھے، ان لوگوں کو دے دیا کرتی تھیں جو ان (بچوں کے فائدے) کے لیے ان مالوں میں تجارت کریں۔

---

[662] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى:4/ 107 (7340)، دارقطني: 2/ 110، عبدالرزاق:6989۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

[663] (موقوف صحيح) بيهقي في السنن الكبرى: 4/ 108(7345، وفي معرفة السنن الصغير:2/ 61 (1218)، وفي معرفة السنن والآثار:3/ 248(2266)، الشافعي في الام: 2/ 29، وفي المسند:1/ 408۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[664] (موقوف صحيح) ابن ابي شيبة:3/ 149، بيهقي في معرفة السنن والآثار: 3/ 248(2267)، الشافعي في الام:2/ 30، عبد الرزاق :6983۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[665] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ اشْتَرَى لِبَنِي أَخِيهِ - يَتَامَى فِي حَجْرِهِ مَالاً، فَبِيعَ ذَلِكَ الْمَالُ بَعْدُ بِمَالٍ كَثِيرٍ.

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے یتیم بھتیجوں کے لیے، جوکہ ان کی پرورش میں تھے، کچھ مال خریدا، چنانچہ بعدازاں وہ مال ایک بہت بڑے مال کے بدلے فروخت ہوا۔

فائدہ: ...... یہ یتیم بچے یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کے بھائی عبدربہ بن سعید رحمہ اللہ کے بیٹے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ بِالتِّجَارَةِ فِي أَمْوَالِ الْيَتَامَى لَهُمْ، إِذَا كَانَ الْوَلِيُّ مَأْذُونًا، فَلَا أَرَى عَلَيْهِ ضَمَانًا.

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یتیم بچوں کے مالوں میں ان (کے فائدے) کے لیے تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ (ان کا) سرپرست معتبر (اور دیانتدار) ہو (پھر اگر اس تجارت میں خسارہ ہوجائے یا مال ضائع ہوجائے) تو میں اس سرپرست پر کوئی تاوان (اور چٹی لازم) خیال نہیں کرتا۔

فائدہ: ......یعنی اگر متولی و سرپرست کی نیت صاف ہو اور وہ یتیم کے بھلے کے لیے تجارت کر رہا ہو لیکن قدرت کی طرف سے نقصان ہوجائے تو متولی ذمہ دار نہ ہوگا، البتہ سرپرست اور متولی کی ہیرا پھیری ثابت ہوجائے تو پھر وہ ذمہ دار ہوگا۔

7- بَابٌ: زَكَاةُ الْمِيرَاثِ

(میت کے) ترکہ میں سے زکاۃ نکالنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی جات ہیں۔

فائدہ: ...... جب کسی شخص پر زکاۃ واجب ہو لیکن وہ ادائیگی سے قبل ہی فوت ہوجائے تو امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک میت کے پورے ترکے میں سے اسے ادا کیا جائے گا کیونکہ یہ میت کے ذمے اللہ کا قرض ہے اور تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلے قرضے ادا کیے جاتے ہیں۔ ان کی ادائیگی کے بعد کچھ مال بچ جائے تو تہائی مال میں سے وصیت پوری کر کے باقی ترکہ ورثاء کے مابین تقسیم کیا جاتا ہے......امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ بالا صورت میں زکاۃ کی ادائیگی واجب ہی نہیں رہتی سوائے اس کے کہ میت وصیت کر جائے تو پھر مذکورہ زکاۃ کی حیثیت قرض جیسی نہیں بلکہ وصیت کی سی ہوجاتی ہے، چنانچہ ان کے نزدیک اس زکاۃ کو میت کے ترکے کے صرف تہائی حصے میں سے ادا کیا جائے گا، اس سے زیادہ نہیں، ان کے نزدیک وصیت ہونے کے بعد یہ زکاۃ قرض کی حیثیت (تاکید کے طور پر) پالیتی ہے ورنہ نہیں۔ ہمارے نزدیک پہلا موقف راجح ہے۔

[665] (مقطوع صحیح) شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

حَـدَّثَـنِـي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ الـرَّجُـلَ إِذَا هَـلَكَ وَلَـمْ يُوَدِّ زَكَاةَ مَالِهِ، إِنِّي أَرَى أَنْ يُـؤْخَـذَ ذَلِكَ مِـنْ ثُـلُثِ مَالِـهِ، وَلَا يُـجَـاوَزُ بِهَا الثُّلُث، وَتُبَدَّى عَلَى الْوَصَايَا، وَأَرَاهَـا بِمَنْزِلَةِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ, فَلِذَلِكَ رَأَيْتُ أَنْ تُبَدَّى عَلَى الْوَصَايَا. قَالَ: وَذَلِكَ إِذَا أَوْصَى بِهَـا الْـمَيِّـتُ. قَـالَ: فَـإِنْ لَـمْ يُوصِ بِذَلِكَ الْـمَيِّـتُ، فَفَعَلَ ذَلِكَ أَهْلُهُ، فَذَلِكَ حَسَنٌ، وَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ أَهْلُهُ، لَمْ يَلْزَمْهُمْ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کوئی آدمی فوت ہوجائے اور اس نے اپنے مال کی زکاۃ ادا نہ کی ہوتو بلاشبہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ (زکاۃ) اس کے تہائی مال میں سے وصول کی جائے گی اور اس (کی وصولی) میں تہائی مال سے تجاوز نہ کیا جائے گا اور (تہائی مال میں سے وصیتیں پوری کرتے وقت باقی ماندہ تمام) وصیتوں پر اس (زکاۃ کی ادائیگی) کو مقدم کیا جائے گا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ (تاکید کے لحاظ سے) آدمی پر قرض کی طرح ہے، اسی لیے میں نے یہی خیال کیا ہے کہ اسے وصیتوں پر مقدم کیا جائے گا اور یہ (زکاۃ کی ادائیگی میت کے ترکے میں سے صرف) اس وقت (لازم) ہے جب مرنے والا اس کی وصیت کر گیا ہو ......امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر میت نے اس زکاۃ کے متعلق وصیت نہ کی ہو اور اس کے گھر والے اسے ادا کر دیں تو یہ بہت اچھا عمل ہے اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو یہ ان پر لازم نہیں ہے۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا کہ یہ قرضے کی طرح ہے تو یہ صرف ادائیگی کی تاکید کے لیے ہے، ورنہ اگر وہ واقعی اسے قرض شمار کرتے تو پھر تہائی مال سے ادائیگی کی شرط نہ لگاتے، گویا مال وراثت میں سے زکاۃ ان کے نزدیک ادائیگی کے اعتبار سے وصیت کی طرح ہے اور تاکید کے لحاظ سے قرض کی طرح ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ: وَالسُّـنَّةُ عِنْدَنَا الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا، أَنَّهُ لَا يَـجِـبُ عَلَى وَارِثٍ زَكَاةٌ، فِي مَالٍ وَرِثَهُ، فِي دَيْنٍ، وَلَا عَرْضٍ، وَلَا دَارٍ، وَلَا عَبْدٍ، وَلَا وَلِيدَةٍ، حَتَّى يَحُولَ عَلَى ثَمَنِ مَـا بَاعَ مِنْ ذَلِكَ أَوِ اقْتَضَى الْحَوْلُ، مِنْ يَوْمِ بَاعَهُ وَقَبَضَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ سنت جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ کسی وارث پر کسی ایسے مال میں زکاۃ واجب نہیں ہے جسے اس نے وراثت میں پایا ہو، نہ قرض میں (یعنی تقسیم وراثت سے جو حصہ ملا وہ کسی شخص نے میت سے قرض میں لے رکھا تھا)، نہ کسی اور سامان میں، نہ گھر (جائیداد) میں، نہ غلام میں اور نہ لونڈی میں، یہاں تک کہ ان میں سے جس چیز کو بیچا اس کی قیمت پر، یا جس (قرض) کو قبضے میں لیا اس پر پورا سال گزر جائے اس دن سے (شروع کر کے) جس میں اس (چیز) کو فروخت کیا تھا یا اس (قرض) کو (واپس) قبضے میں لیا تھا۔

فائدہ: ......مطلب یہ ہے کہ جو مال وراثت میں ملا وہ دو قسم کا ہوسکتا ہے یا تو اس کی ذات میں زکاۃ پڑتی ہے مثلاً سونا چاندی یا اس مال کی ذات میں زکاۃ نہیں پڑتی مثلاً سونے چاندی کے علاوہ باقی ساز و سامان، چنانچہ پہلی قسم

پر قبضہ وملکیت حاصل ہوجائے تو اسی دن اس پر سال کا آغاز شمار کیا جائے گا بشرطیکہ وہ نصاب کے مطابق ہو اور باقی تمام سامان جب تک مالِ تجارت نہ بنیں ان پر زکاۃ نہیں، اور ان کا مالِ تجارت ہونا بھی اس وقت متصور ہوگا جب ان میں خرید وفروخت کا عمل شروع ہو، چنانچہ جس دن ان کو بیچا (فروخت کیا) اس دن سے ان کی قیمت پر سال کا آغاز ہوجائے گا اور سال ختم ہونے کے بعد زکاۃ دیں گے......الغرض مرنے والے کے پاس جب تک مال رہا وہ اس کی زکاۃ کا مکلّف رہا اور جب اس مال کی ملکیت ورثاء کے پاس آئے گی وہ نئے سرے سے مکلّف اور پابند ہوں گے......پھر اگر تو یقین یا غالب گمان ہو کہ لوگوں کے پاس جو مال (قرض، تجارت یا مضاربت کے طور پر) موجود ہے وہ ضرور ادا کریں گے تو پھر ان کا حساب لگا کر آدمی زکاۃ ادا کرتا رہے اور اگر یہ خدشہ ہو کہ شاید وہ ادا نہ کریں تو پھر جب تک قبضہ وملکیت حاصل نہ ہو تب تک زکاۃ نہیں پڑے گی۔

وَقَالَ مَالِكٌ : السُّنَّةُ عِنْدَنَا : أَنَّهُ لَا تَجِبُ عَلَى وَارِثٍ فِي مَالٍ وَرِثَهُ الزَّكَاةُ، حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمارے ہاں سنت (معمول بہا طریقہ) یہ ہے کہ کسی وارث پر کسی ایسے مال میں جو اس نے وراثت میں پایا ہو، اس میں زکاۃ واجب نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے۔

فائدہ :...... مالِ وراثت مالِ مستفاد ہی ہے جسے گزشتہ مال اور نصاب سے نہیں ملایا جائے گا بلکہ اس کا نئے سرے سے حساب کیا جائے گا۔

8- بَابٌ: اَلزَّكَاةُ فِي الدَّيْنِ
قرض کی زکاۃ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، ایک موقوف روایت سنداً صحیح ہے اور دو مقطوع روایات میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف سند والی ہے، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے چار فتاویٰ بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :......اس عنوان کے مفہوم میں دو بحثیں ہیں: (1) آدمی کا مال لوگوں کے پاس ہو جو اس نے انھیں قرض کی صورت میں دے رکھا ہو، مال مالک کے پاس نہ ہو تو اس کی زکاۃ کیسے دی جائے گی؟ (2) آدمی خود مقروض ہو اور اس کے پاس اپنا مال بھی موجود ہو تو کیا اس پر زکاۃ ہے؟

[666] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک

---

[666] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 4/ 148، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 302 (2369)، الشافعی فی الام: 2/ 50، ابن ابی شیبة: 3/ 194، شرح السنة للبغوی: 6/ 54 (1585) ۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو امام بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے اور علامہ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، ارواء الغلیل: 789۔

شِهَابٍ ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ : أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَ يَقُولُ : هَذَا شَهْرُ زَكَاتِكُمْ ، فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيُؤَدِّ دَيْنَهُ ، حَتَّى تَحْصُلَ أَمْوَالُكُمْ ، فَتُؤَدُّونَ مِنْهُ الزَّكَاةَ .

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: یہ تمھارا زکاۃ والا مہینہ ہے، تو جس شخص پر قرضہ ہو وہ اپنے قرض کو ادا کر دے تا کہ تمھارے مال (قرض سے پاک اور خالص ہو کر) حاصل ہو جائیں، پھر تم ان سے زکاۃ ادا کر دو۔

فائدہ : ...... سال گزرنے کے بعد اپنے اصل مال اور قرض کا حساب کر لینا چاہیے، قرض کے برابر مال الگ کر کے دیکھا جائے کہ باقی کتنا بچا ہے، چنانچہ اگر وہ باقی ماندہ مال نصاب کو پہنچ جائے تو زکاۃ لازم ہے ورنہ نہیں ......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جس مہینے کی بات کر رہے تھے اس کی تعیین میں کوئی واضح ثبوت نہیں ہے، بعض نے رجب مراد لیا ہے، بعض نے رمضان اور کسی نے محرم۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[667] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ فِي مَالٍ ، قَبَضَهُ بَعْضُ الْوُلَاةِ ظُلْماً ، يَأْمُرُ بِرَدِّهِ إِلَى أَهْلِهِ ، وَيُؤْخَذُ مِنْهُ زَكَاتُهُ لِمَا مَضَى مِنَ السِّنِينَ ، ثُمَّ عَقَّبَ بَعْدَ ذَلِكَ بِكِتَابٍ ، أَنْ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُ إِلَّا زَكَاةٌ وَاحِدَةٌ ، فَإِنَّهُ كَانَ ضِمَاراً .

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (اپنے ایک عامل کی طرف) ایک ایسے مال کے متعلق (خط) لکھا جسے کسی حاکم نے (اس کے اصلی مالک سے) ظلماً (ناحق) قبضے میں لے رکھا تھا، وہ (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ) اس عامل کو (اس پیغام میں) حکم دے رہے تھے کہ اس (قبض شدہ مال) کو اس کے (اصل) مالک کی طرف لوٹائے اور (قبضے کی حالت میں) گزرے ہوئے تمام سالوں کی زکاۃ بھی اس مال سے لی جائے پھر انھوں نے اس کے بعد (پہلے خط کے) پیچھے ایک اور تحریر بھیجی کہ اس میں سے صرف ایک دفعہ کی زکاۃ ہی وصول کی جائے کیونکہ بلاشبہ وہ مال ''ضمار'' تھا۔

فائدہ : ......حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے میمون بن مہران کی طرف یہ خط لکھے تھے۔ ''ضمار'' ایسے مال کو کہتے ہیں جس کے دوبارہ حصول کی امید نہ ہو، مثلاً کسی نے ناجائز قبضہ کر لیا یا قرض لے کر انکار کر دیا اور گواہ بھی کوئی موجود نہ ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ ایسا مال واپس مل جانے کی صورت میں اس میں سے صرف ایک سال کی زکاۃ کو گزشتہ تمام سالوں کی طرف سے کافی سمجھتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ ہر سال کی طرف سے الگ الگ زکاۃ کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر سرے سے زکاۃ ہی واجب نہیں بلکہ اس کا نیا حساب شروع ہوگا...... پہلا قول زیادہ قرین قیاس محسوس ہوتا ہے کہ مال کی واپسی اس بات کا ثبوت ہے کہ مالک کی اس پر ملکیت ہے اور ملکیت کی بنا پر اس پر زکاۃ بھی

[667] (مقطوع ضعيف) بيهقي في الخلافيات: 2/ 135، وفي السنن الكبرى: 4/ 150، عبدالرزاق: 7127، نصب الراية: 3/ 334۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ہونی چاہیے لیکن چونکہ اس مال میں تصرف کرنے سے کوئی اور شخص کئی سال تک آڑ بنا رہا اس لیے ہر سال کی زکاۃ لازم نہ ہونی چاہیے، بلکہ صرف ایک کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[668] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، أَنَّهُ سَأَلَ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ لَهُ مَالٌ، وَعَلَيْهِ دَيْنٌ مِثْلُهُ، أَعَلَيْهِ زَكَاةٌ؟ فَقَالَ: لَا.

یزید بن خصیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جس کے پاس کچھ مال ہو اور اس پر اس مال کے بقدر قرض بھی ہو تو کیا اس پر زکاۃ ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں۔

فائدہ: ...... جمہور اسی کے قائل ہیں کہ آدمی کے پاس اگر قرض سے زائد مال نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو اس پر زکاۃ نہ ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا فِي الدَّيْنِ: أَنَّ صَاحِبَهُ لَا يُزَكِّيهِ حَتَّى يَقْبِضَهُ، وَإِنْ أَقَامَ عِنْدَ الَّذِي هُوَ عَلَيْهِ سِنِينَ ذَوَاتِ عَدَدٍ، ثُمَّ قَبَضَهُ صَاحِبُهُ لَمْ تَجِبْ عَلَيْهِ إِلَّا زَكَاةٌ وَاحِدَةٌ، فَإِنْ قَبَضَ مِنْهُ شَيْئاً، لَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، فَإِنَّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ سِوَى الَّذِي قُبِضَ تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، فَإِنَّهُ يُزَكَّى مَعَ مَا قَبَضَ مِنْ دَيْنِهِ ذَلِكَ. قَالَ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نَاضٌّ غَيْرُ الَّذِي اقْتَضَى مِنْ دَيْنِهِ، وَكَانَ الَّذِي اقْتَضَى مِنْ دَيْنِهِ لَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ فِيهِ، وَلَكِنْ لِيَحْفَظْ عَدَدَ مَا اقْتَضَى، فَإِنِ اقْتَضَى بَعْدَ ذَلِكَ مَا تَتِمُّ بِهِ الزَّكَاةُ، مَعَ مَا قَبَضَ قَبْلَ ذَلِكَ، فَعَلَيْهِ فِيهِ الزَّكَاةُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قرض کے متعلق وہ حکم جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ قرضے کا مالک (قرض خواہ) اس (دیے ہوئے قرض) کی زکاۃ ادا نہیں کرے گا یہاں تک کہ اسے اپنے قبضے میں لے لے، اگرچہ وہ (قرض) اس شخص کے پاس کہ جس پر وہ قرض ہے (یعنی مقروض کے پاس) گنتی کے کئی سال ٹھہرا رہے، پھر اس کا مالک اسے وصول کرے تو اس پر ایک زکاۃ کے سوا کچھ واجب نہ ہوگا۔ (آگے امام مالک رحمہ اللہ بتا رہے ہیں کہ اگر قرض کی واپسی یکبارگی نہ ہو بلکہ تھوڑی تھوڑی مقدار واپس ملے تو کیا کریں گے، فرماتے ہیں کہ) پھر اگر اس (قرض خواہ) نے اس (مقروض یا قرض) میں کچھ (تھوڑا سا حصہ واپس) وصول کیا کہ جس میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی (تو اس میں زکاۃ نہیں پڑے گی، البتہ دیکھا جائے گا کہ) پھر اگر اس (مالک قرض خواہ) کے پاس اس وصول کیے ہوئے (قرض والے) مال کے سوا کوئی اور مال بھی ہو کہ جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے (کیونکہ وہ دوسرا مال نصاب کو پہنچا ہوا ہے) تو بلاشبہ وہ (قرض خواہ) اس (دوسرے مال) کی زکاۃ اس مال سمیت ادا کرے گا جو اس نے اپنے اس

[668] (مقطوع صحيح) بيهقي: 4/ 148 (7614) ۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

قرض میں سے وصول کیا ہے، اور (ہاں) اگر اس (مالک) کے پاس کوئی اور نقدی (سونا چاندی) نہ ہو سوائے اس قرضے کے جو اس نے وصول کیا ہے اور جو کچھ اس نے وصول کیا ہے اس میں بھی زکاۃ واجب نہ ہوتی ہو تو اس پر اس (وصول شدہ قرضے) میں بھی کوئی زکاۃ نہیں ہے، لیکن اسے چاہیے کہ جو کچھ اس نے وصول کیا ہے اس کی تعداد (اور مقدار) یاد رکھے، پھر جس (قرض) کو وہ اسکے بعد وصول کرے گا اگر وہ اتنا ہو کہ جس سے زکاۃ (کے نصاب والی مقدار) پوری ہو جائے اس (گزشتہ رقم) کو ملا کر جسے اس نے اس سے قبل وصول کیا تھا تو (اب) اس (قرض خواہ) پر اسی (دونوں دفعہ کے وصول شدہ قرض کے مجموعے) میں زکاۃ لازم ہے۔

قَالَ فَإِنْ كَانَ قَدِ اسْتَهْلَكَ مَا اقْتَضَى أَوَّلاً، أَوْ لَمْ يَسْتَهْلِكْهُ، فَالزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ مَعَ مَا اقْتَضَى مِنْ دَيْنِهِ، فَإِذَ بَلَغَ مَا اقْتَضَى عِشْرِينَ دِينَاراً عَيْناً، أَوْ مِئَتَيْ دِرْهَمٍ، فَعَلَيْهِ فِيهِ الزَّكَاةُ، ثُمَّ مَا اقْتَضَى بَعْدَ ذَلِكَ مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيرٍ، فَعَلَيْهِ الزَّكَاةُ بِحَسَبِ ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پھر اگر آدمی اس (قرض) کو ہلاک (یعنی خرچ) کر لے جو اس نے پہلی دفعہ وصول کیا تھا یا اس نے تو اسے ہلاک نہیں کیا (بلکہ وہ خود بخود ہلاک ہو گیا یا ابھی تک موجود ہے) تو (ہر صورت میں) اس پر زکاۃ واجب ہو گی اس رقم کو ساتھ ملا کر جسے اس نے بعد میں اپنے قرض میں سے وصول کیا ہو، چنانچہ جب وہ قرض جسے وہ وصول کرے (سونے کے) بیس دینار یا (چاندی کے) دو سو درہم (کی مقدار) کو پہنچ جائے تو اس (مالک) پر اس مال میں زکاۃ لازم ہے، پھر اس کے بعد وہ جو کچھ بھی تھوڑا یا زیادہ وصول کرتا جائے تو آدمی پر اس میں اسی حساب سے (چالیسواں حصہ) زکاۃ لازم ہوتی رہے گی۔

فائدہ: ...... جمہور کا یہ موقف نہیں ہے، ان کے ہاں قرض کے واپس ملنے کی امید ہو تو آدمی ہر سال اس کا حساب لگا کر باقی مال سمیت اس کی زکاۃ ادا کرتا رہے گا جیسا کہ خود امام مالک رحمہ اللہ کے ایک فتویٰ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے، دیکھیے پیچھے کتاب الزکاۃ کے دوسرے باب کا آخری سے پہلا فتویٰ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالدَّلِيلُ عَلَى أَنَّ الدَّيْنَ يَغِيبُ أَعْوَاماً، ثُمَّ يُقْتَضَى فَلَا يَكُونُ فِيهِ إِلَّا زَكَاةٌ وَاحِدَةٌ، أَنَّ الْعُرُوضَ تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ لِلتِّجَارَةِ أَعْوَاماً، ثُمَّ يَبِيعُهَا فَلَيْسَ عَلَيْهِ فِي أَثْمَانِهَا إِلَّا زَكَاةٌ وَاحِدَةٌ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى صَاحِبِ الدَّيْنِ أَوِ الْعُرُوضِ، أَنْ يُخْرِجَ زَكَاةَ ذَلِكَ الدَّيْنِ أَوِ الْعُرُوضِ مِنْ مَالٍ

امام مالک رحمہ اللہ نے (گزشتہ فتویٰ کی دلیل کے طور پر) فرمایا: اس بات کی دلیل کہ کوئی قرض کئی سال تک غائب رہتا ہے، پھر وصول ہوتا ہے تو اس پر ایک زکاۃ کے سوا کچھ لازم نہیں آتا، (تو اس کی دلیل) یہ ہے کہ بے شک سامان آدمی کے پاس تجارت کے لیے کئی سال تک پڑے رہتے ہیں، پھر وہ (جب) انھیں بیچتا ہے تو اس پر ان کی قیمتوں میں ایک زکاۃ کے سوا کچھ لازم نہیں آتا، اور یہ اس وجہ سے

سِوَاهُ، وَإِنَّمَا يُخْرِجُ زَكَاةَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْه، وَلَا يُخْرِجُ الزَّكَاةَ مِنْ شَيْءٍ عَنْ شَيْءٍ غَيْرِهِ.

ہے کہ قرض والے (قرض خواہ) پر یا سامان والے (مالک) پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس قرض یا سامان کی زکاۃ ان کے سوا کسی اور مال سے نکالے اور بلاشبہ ہر چیز کی زکاۃ تو صرف اور صرف اس میں سے نکالی جاتی ہے اور کسی چیز کی زکاۃ اس کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں نکالی جاتی۔

فائدہ: ......اس میں بیان شدہ دونوں باتیں جمہور کے خلاف ہیں، دراصل امام مالک رحمہ اللہ نے تجارت میں جاری مال اور تجارت کے لیے ذخیرہ شدہ مال میں فرق کیا ہے، وہ کئی سال سے ذخیرہ شدہ مال کی فروخت کے وقت صرف ایک زکاۃ نکالنے کے قائل ہیں جبکہ جمہور یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہم اللہ اس ذخیرہ شدہ مال کی بھی ہر سال زکاۃ کے قائل ہیں بشرطیکہ نصاب کو پہنچا ہوا ہو...... یہ موقف کہ ایک چیز کی زکاۃ دوسری چیز سے ادا نہیں ہو سکتی صرف امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ اور اکثر اہل حدیث کے نزدیک ایک چیز کی زکاۃ دوسری چیز سے ادا کی جاسکتی ہے۔ زکاۃ میں قیمتوں کو ادا کرنا حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے اور پھر یہ بات تو احادیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ پچیس سے کم اونٹوں کی زکاۃ تو بکریوں سے ادا ہوتی ہے، اسی طرح زکاۃ میں جس اونٹنی کو ادا کرنا ہوتا ہے وہ اگر موجود نہ ہو تو اس سے بڑی یا چھوٹی اونٹنی وصول کر لی جاتی ہے، اور اس کمی یا زیادتی کے بدلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکریاں یا بیس درہم مقرر فرمائے ہیں...... یہ بھی یاد رہے کہ زکاۃ کے معاملے میں تو قیمت سے کام لیا جاسکتا ہے، خواہ وہ نقدی، مال، زمین اور جانوروں کی زکاۃ ہو یا فطرانہ ہو جسے زکاۃ الفطر کہتے ہیں لیکن قربانی میں قیمت سے کام لینا ثابت نہیں، کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے، فطرانے کے متعلق اختلاف ہے۔ کچھ علماء اسے قربانی پر قیاس کر کے اس میں قیمت ادا کرنا جائز نہیں سمجھتے حالانکہ فطرانے کا تعلق تو زکاۃ سے ہے، اس لیے اس میں قیمت سے ادائیگی کی گنجائش ہے البتہ بہتر یہی ہے کہ فطرانہ کھائی جانے والی اجناس سے ادا کیا جائے جن کا احادیث میں تذکرہ ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ: الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يَكُونُ عَلَيْهِ دَيْنٌ، وَعِنْدَهُ مِنَ الْعُرُوضِ مَا فِيهِ وَفَاءٌ، لِمَا عَلَيْهِ مِنَ الدَّيْنِ، وَيَكُونُ عِنْدَهُ مِنَ النَّاضِّ سِوَى ذَلِكَ، مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، فَإِنَّهُ يُزَكِّي مَا بِيَدِهِ مِنْ نَاضٍّ تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ وہ شخص جس پر قرض ہو اور اس کے پاس اس قدر سامان ہو کہ جس میں اس قرض کی مکمل ادائیگی ہو سکتی ہو جو اس کے ذمے ہے اور اس کے پاس اس (سامان) کے علاوہ بھی اتنی نقدی (سونا چاندی وغیرہ) ہے کہ جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے تو بلاشبہ وہ اس نقدی میں سے زکاۃ

نکالے گا جو اس کے ہاتھ میں (ملکیت میں) ہے (اور نصاب کے بقدر ہونے کی وجہ سے) جس میں زکاۃ واجب ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ مِنَ الْعُرُوضِ وَالنَّقْدِ إِلَّا وَفَاءُ دَيْنِهِ، فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ، حَتَّى يَكُونَ عِنْدَهُ مِنَ النَّاضِّ فَضْلٌ عَنْ دَيْنِهِ، مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، فَعَلَيْهِ أَنْ يُزَكِّيَهُ.

امام مالک نے فرمایا: اور جب آدمی کے پاس سامان یا نقدی میں سے اتنی مقدار کے سوا کچھ نہ ہو کہ جس سے (صرف) قرض کی ادائیگی ہو سکتی ہے، تو پھر اس میں کوئی زکاۃ نہیں ہے، یہاں تک کہ اس کے پاس قرض (کی مقدار) سے زائد اتنا سونا چاندی (یا سامان) ہو کہ جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے تو تب ہی اس پر لازم ہے کہ زکاۃ دے۔

9- بَابٌ: زَكَاةُ الْعُرُوضِ

(تجارتی) سامانوں کی زکاۃ کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں صرف ایک مقطوع روایت (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جس کی سند حسن ہے، نیز امام صاحب کے چار فتاوی بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... جمہور، ائمہ اربعہ اور فقہائے سبعہ وغیرہ کے ہاں تجارتی اموال پر زکاۃ لازم ہے جس کی اہم دلیل یہ آیت مبارکہ ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ (البقرة 2:267) ''اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے (بھی) خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے ایک عنوان قائم کیا ہے: ((صَدَقَةُ الْكَسْبِ وَالتِّجَارَةِ ......)) ''کمائی اور تجارت (والے مال) کی زکاۃ کا بیان۔'' (بخاری، قبل از حدیث: 1445) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فِي الْإِبِلِ صَدَقَتُهَا وَفِي الْبَزِّ صَدَقَتُهُ)) ''اونٹوں میں ان کی زکاۃ ہے اور پارچے (فروخت والے کپڑے) میں اس کی زکاۃ ہے۔'' (احمد: 6/ 179، دارقطنی :ص 203، حاکم: 1/ 388، بیهقی: 4/ 147)، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الدرایہ میں اسے حسن جبکہ امام حاکم رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ بہرحال یہ روایت حسن لغیرہ سے کم نہیں ہے۔ امام ابن منذر رحمہ اللہ تو کہتے ہیں کہ اموال تجارت میں زکاۃ کی فرضیت پر علماء کا اجماع ہے۔ (الاجماع لابن المنذر: ص 51، رقم:114)

[669] حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ زُرَيْقِ بْنِ حَيَّانَ، وَكَانَ زُرَيْقٌ

زریق بن حیان رحمہ اللہ سے روایت ہے اور زریق رحمہ اللہ، ولید (بن عبدالملک)، سلیمان (بن عبدالملک) اور عمر بن

[669] (مقطوع حسن) عبدالرزاق:6/ 96، ابن ابی شیبة:3/ 119، بیهقی فی معرفة السنن والآثار: 3/ 288، الشافعی فی الام: 2/ 46، ابن حزم فی المحلی: 6/ 66، ابن عساکر فی تاریخ دمشق: 20/ 118، ابوعبید فی الاموال: 516/ 1165۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

عَـلَى جَوَازِ مِصْرَ فِي زَمَانِ الْوَلِيدِ وَسُلَيْمَانَ وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، فَذَكَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْـعَـزِيـزِ كَتَـبَ إِلَيْهِ : أَنِ انْظُرْ مَنْ مَرَّ بِكَ مِنَ الْـمُسْـلِـمِينَ ، فَخُذْ مِمَّا ظَهَرَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ، مِـمَّا يُدِيرُونَ مِنَ التِّجَارَاتِ ، مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِينَـاراً دِيـنَـاراً ، فَـمَا نَقَصَ فَبِحِسَابِ ذَلِكَ حَتَّـى يَبْلُغَ عِشْرِينَ دِينَاراً ، فَإِنْ نَقَصَتْ ثُلُثَ دِيـنَـارٍ فَدَعْهَا وَلَا تَأْخُذْ مِنْهَا شَيْئاً ، وَمَنْ مَرَّ بِكَ مِـنْ أَهْـلِ الـذِّمَّةِ ، فَخُذْ مِمَّا يُدِيرُونَ مِنَ التِّـجَـارَاتِ ، مِنْ كُلِّ عِشْرِينَ دِينَاراً دِينَاراً ، فَمَا نَقَصَ فَبِحِسَابِ ذَلِكَ ، حَتَّى يَبْلُغَ عَشَرَةَ دَنَـانِيـرَ ، فَـإِنْ نَقَصَتْ ثُلُثَ دِينَارٍ فَدَعْهَا وَلَا تَأْخُذْ مِنْهَا شَيْئاً ، وَاكْتُبْ لَهُمْ بِمَا تَأْخُذُ مِنْهُمْ كِتَاباً إِلَى مِثْلِهِ مِنَ الْحَوْلِ .

عبدالعزیز رحمہ اللہ (کی حکومتوں) کے زمانے میں مصر کے راستے پر مقرر تھے (جس پر وہ لوگوں سے زکاۃ اور محصول کی وصولی کرتے تھے) انھوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان کی طرف یہ (حکم نامہ) لکھا کہ دیکھو مسلمانوں میں سے جو کوئی تمھارے پاس سے گزرے تو جو کچھ ان کے مالوں میں سے ظاہر ہو جن میں وہ تجارتی لین دین کرتے ہوں، اس میں سے ہر چالیس دینار (کے بقدر مال) میں سے ایک دینار (کی قیمت) وصول کر لے، پھر جو اس سے کم ہو تو اسی حساب سے (چالیسواں حصہ وصول کرتا رہ) یہاں تک کہ وہ بیس دینار کو پہنچ جائے (تو اس میں سے چالیسواں حصہ یعنی نصف دینار وصول کرو اور نصاب کی یہی آخری حد ہے) پھر اگر وہ (سامان بیس دینار کی مقدار سے) دینار کا تہائی حصہ بھی کم ہو تو اسے چھوڑ دینا اور اس سے کچھ بھی وصول نہ کرنا اور اہل ذمہ (غیر مسلم اقلیتوں) میں سے جو کوئی تمھارے پاس سے گزرے تو وہ جن مالوں میں تجارتی لین دین کرتے ہوں اس میں سے ہر بیس دینار (کی مالیت) میں سے ایک دینار (کے بقدر) وصول کرنا (یعنی ان سے بیسواں حصہ ٹیکس لو) پھر جو اس سے کم ہو تو اسی حساب سے (بیسواں حصہ) وصول کرتے رہو یہاں تک کہ وہ مال دس دینار (کی مالیت) تک پہنچ جائے (تو اس میں سے نصف دینار لے لو لیکن) اگر وہ (تجارتی سامان دس دینار سے) تہائی دینار بھی کم ہو تو اسے چھوڑ دو اور اس میں سے کچھ نہ لو اور جو کچھ تم نے ان سے وصول کیا ہو اس کی ایک تحریر (رسید) اگلے سال کی اسی تاریخ تک کے لیے انھیں لکھ کر دے دو۔

فائدہ :...... تا کہ ایسا نہ ہو کہ انھیں ایک سال میں کئی بار یہ ٹیکس ادا کرنا پڑے، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں سال میں صرف ایک بار یہ محصول کا ٹیکس لازم ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ جتنی بار بھی وہاں سے گزرے گا اسے ہر بار ٹیکس دینا پڑے گا، دراصل یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا اور مسلمانوں سے چالیسواں حصہ، اہل ذمہ (مسلم علاقوں میں جزیہ دے کر رہنے والوں) یا معاہدہ کرنے والے کافروں سے بیسواں حصہ اور حربی کافروں سے دسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا......اس روایت میں دو دفعہ ((يُـدِيْرُوْنَ)) کا لفظ آیا ہے جس میں دال پہلے

اور راء بعد میں ہے، اکثر ہندی نسخوں میں اس لفظ میں تصحیف (حروف کی تقدیم وتاخیر)) ہوئی ہے اور اسے ((یُرِیْدُوْن)) لکھ دیا گیا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَا يُدَارُ مِنَ الْعُرُوضِ لِلتِّجَارَاتِ : أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَدَّقَ مَالَهُ، ثُمَّ اشْتَرَى بِهِ عَرْضاً بَزًّا أَوْ رَقِيقاً أَوْ مَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ، ثُمَّ بَاعَهُ قَبْلَ أَنْ يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ أخرَجَ زَكَاتَهُ، فَإِنَّهُ لا يُؤَدِّي مِنْ ذٰلِكَ الْمَالِ زَكَاةً حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ مِنْ يَوْمَ صَدَّقَهُ، وَأَنَّهُ إِنْ لَمْ يَبِعْ ذٰلِكَ الْعَرْضَ سِنِينَ، لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ الْعَرْضِ زَكَاةٌ، وَإِنْ طَالَ زَمَانُهُ، فَإِذَا بَاعَهُ فَلَيْسَ فِيهِ إِلَّا زَكَاةٌ وَاحِدَةٌ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک اس تجارتی سامان میں جس میں عام لین دین ہوتا ہے، حکم یہ ہے کہ آدمی جب اپنے مال کی زکاۃ نکال دے، پھر اسی مال کے عوض کوئی اور سامان مثلاً کپڑا یا غلام یا ان جیسی کوئی اور چیز خرید لے پھر اسے اس سے پہلے ہی بیچ ڈالے کہ اس پر سال پورا ہوتا اس دن سے (شروع کرکے) کہ جس میں اس نے زکاۃ ادا کی تھی تو بلاشبہ وہ اس (نئے) مال سے زکاۃ ادا نہیں کرے گا، یہاں تک کہ اس پر سال پورا گزر جائے اس دن سے (شمار کرکے) کہ جس میں اس نے زکاۃ نکالی تھی، (کیونکہ اگر اس سے پہلے زکاۃ دے گا تو یہ ایک سال میں دو دفعہ زکاۃ کی ادائیگی ہو جائے گی جو کہ آدمی پر واجب نہیں) اور اگر وہ (بعد میں خریدے ہوئے) اس سامان کو کئی سال تک نہ بیچے (بلکہ ذخیرہ کیے رکھے) تو اس پر اسی سامان میں سے کسی بھی چیز میں زکاۃ واجب نہ ہوگی، اگرچہ زمانہ (کتنا ہی) لمبا ہو جائے، پھر جب وہ اس (ذخیرہ شدہ مال) کو بیچے گا تو اس پر اس میں ایک زکاۃ کے سوا کچھ واجب نہ ہوگا۔

فائدہ :......گزشتہ باب میں بھی مذکور ہو چکا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کا یہ موقف جمہور کے خلاف ہے، جمہور کے نزدیک تجارتی مال میں مسلسل تجارت کا لین دین جاری ہو یا وہ ذخیرے کی شکل میں پڑا رہے، ہر صورت میں اس پر ہر سال ایک بار زکاۃ پڑتی رہے گی۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي بِالذَّهَبِ أَوِ الْوَرِقِ حِنْطَةً أَوْ تَمْراً أَوْ غَيْرَهُمَا لِلتِّجَارَةِ، ثُمَّ يُمْسِكُهَا حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، ثُمَّ يَبِيعُهَا أَنَّ عَلَيْهِ فِيهَا الزَّكَاةَ حِينَ يَبِيعُهَا إِذَا بَلَغَ ثَمَنُهَا مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ مِثْلَ الْحَصَادِ يَحْصُدُهُ الرَّجُلُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں اس شخص کے متعلق حکم جو سونے یا چاندی (یا کسی اور چیز) کے بدلے گندم یا کھجور تجارت کے لیے خریدتا ہے، پھر اس سامان کو روکے رکھتا ہے یہاں تک کہ اس پر سال گزر جاتا ہے، پھر وہ (سال گزرنے کے بعد جلد یا بدیر) اسے فروخت کر دیتا ہے تو (اس کے متعلق) حکم یہ ہے کہ بلاشبہ اس پر اس مال میں

مِنْ أَرْضِهِ ، وَلَا مِثْلَ الْجِدَادِ . (صرف) اس وقت زکاۃ واجب ہے جب وہ اسے بیچتا ہے (کیونکہ یہ بھی ذخیرہ کی شکل میں ہے۔) بشرطیکہ اس کی قیمت اس (مقدار) کو پہنچ جائے جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے اور یہ (صورت فصل کی) کٹائی کی طرح نہیں ہے کہ (جسے) آدمی اپنی زمین میں کاٹتا ہے اور نہ ہی یہ میوہ توڑنے کی مثل ہے۔

فائدہ :...... اس فتویٰ کا ابتدائی حصہ تو گزشتہ فتویٰ کی طرح جمہور کے خلاف ہے، البتہ آخری الفاظ جمہور کے مطابق ہیں کہ تجارت کے لیے خریدا جانے والا اناج اور میوہ جات کی حیثیت اس اناج اور پھل کی طرح نہیں ہے جس کی فصل سے کٹائی اور باغ سے چنائی ہوتی ہے بلکہ ان میں تین طرح کا فرق ہے (1) زمین سے حاصل شدہ اناج اور پھل پر عشر (دسواں یا بیسواں حصہ) لاگو ہوتا ہے جبکہ تجارتی اناج اور میوہ جات پر سونے چاندی کے حساب سے چالیسواں حصہ بطور زکاۃ عائد ہوتا ہے۔ (2) زمینی پیداوار پر فصل کی کٹائی اور پھل کی چنائی ہوتے ہی عشر واجب ہو جاتا ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام 141:6) ''اور اس کے کاٹنے کے دن ہی اس کا حق ادا کیا کرو۔'' جبکہ تجارتی اناج و میوہ جات کو خریدتے ہی ان پر زکاۃ نہیں پڑتی بلکہ سال پورا گزرنے کے بعد پڑتی ہے۔ (3) زمین سے ایک سال میں کسی فصل کو جتنی بار حاصل کیا جائے گا اتنی بار ہی اس کا عشر نکالا جائے گا جبکہ تجارتی مال میں مکمل سال بعد صرف ایک زکاۃ لازم ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمَا كَانَ مِنْ مَالٍ عِنْدَ رَجُلٍ يُدِيرُهُ لِلتِّجَارَةِ ، وَلَا يَنِضُّ لِصَاحِبِهِ مِنْهُ شَيْءٌ تَجِبُ عَلَيْهِ فِيهِ الزَّكَاةُ ، فَإِنَّهُ يَجْعَلُ لَهُ شَهْراً مِنَ السَّنَةِ يُقَوِّمُ فِيهِ مَا كَانَ عِنْدَهُ مِنْ عَرْضٍ لِلتِّجَارَةِ ، وَيُحْصِي فِيهِ مَا كَانَ عِنْدَهُ مِنْ نَقْدٍ أَوْ عَيْنٍ ، فَإِذَا بَلَغَ ذَلِكَ كُلُّهُ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ ، فَإِنَّهُ يُزَكِّيهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور آدمی کے پاس جو کوئی بھی ایسا مال ہو جسے وہ تجارت کے لیے گردش میں رکھتا ہے (کاروبار کافی چلتا ہے مال خریدتے ہی بک جاتا ہے اور ذخیرہ نہیں ہو پاتا) اور اس (مال) کو اس سے کوئی ایسی چیز حاصل نہیں ہوتی (اس کے پاس جمع نہیں ہوتی) کہ جس میں اس پر زکاۃ واجب ہو تو بے شک وہ آدمی اس مال کے لیے سال میں سے ایک مہینہ مقرر کر لے گا، وہ اس مہینے میں ہر اس چیز کی (مناسب) قیمت لگائے گا جو اس کے پاس تجارتی سامان میں سے موجود ہو اور ہر اس چیز کو بھی شمار کرے گا جو اس کے پاس نقدی (درہم و دینار جیسے سکوں کی صورت میں) ہو یا سونا چاندی (یا کسی اور صورت مثلاً زیور یا برتن وغیرہ کی شکل میں) ہو، پھر جب یہ سب کچھ (تجارتی سامان کی قیمت، درہم و دینار اور دوسرا سونا چاندی) اس مقدار کو پہنچ جائے جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے تو یقیناً وہ اس کی زکاۃ ادا کرے گا۔

فائدہ :...... جمہور کا بھی یہی موقف ہے، تاجر دو قسم کے ہوتے ہیں: (الف) مدیر (مال کو گھمانے اور گردش

میں رکھنے والا) اور (ب) غیر مدیر (جسے مُحْتَکِرْ یعنی ذخیرہ کرنے والا بھی کہتے ہیں)، جمہور دونوں پر سالانہ زکاۃ کے قائل ہیں جبکہ امام مالک رحمہ اللہ پہلے پر تو سالانہ زکاۃ ہی مقرر کرتے ہیں جیسا کہ مذکورہ فتویٰ میں ہے اور دوسری قسم کے تاجر پر صرف فروخت کے وقت زکاۃ لاگو کرتے ہیں جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ : وَمَنْ تَجَرَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَمَنْ لَمْ يَتْجُرْ سَوَاءٌ، لَيْسَ عَلَيْهِمْ إِلَّا صَدَقَةٌ وَاحِدَةٌ فِي كُلِّ عَامٍ، تَجَرُوا فِيهِ أَوْ لَمْ يَتْجُرُوا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور مسلمانوں میں سے جو تجارت کرے اور جو تجارت نہ کرے (دونوں) برابر ہیں، ان پر ہر سال میں ایک زکاۃ کے سوا کچھ لازم نہیں ہوتا خواہ وہ تجارت کریں یا نہ کریں۔

فائدہ :...... بشرطیکہ ان کے پاس نصاب کو پہنچنے والا مال ہو اور اس پر سال گزر جائے (اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مال ذخیرہ شدہ بھی نہ ہو) دراصل امام مالک رحمہ اللہ اہل ذمہ (جزیہ دے کر رہنے والے کفار) کے ساتھ فرق بیان کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ غیر مسلم اہل ذمہ جب تجارت نہ کریں تو ان پر سال میں ایک بار جزیہ ہے اور اگر وہ تجارت کریں تو جزیہ کے ساتھ ساتھ ان سے بیس فیصد تجارتی ٹیکس بھی وصول کیا جائے گا جیسا کہ پیچھے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے فیصلے میں گزرا ہے۔

10- بَابٌ : مَاجَاءَ فِي الْكَنْزِ

خزانہ شدہ مال کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف دو موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جن کی سندیں صحیح ہیں۔

فائدہ :......لغوی اعتبار سے ہر وہ چیز خزانہ کہلاتی ہے جسے آدمی جمع کر کے کسی برتن یا زمین میں محفوظ رکھ لے، محض جمع کرنے اور حاصل کرنے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، شرعی اعتبار سے ہر وہ مال ''کنز'' ہے جس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ o يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (التوبہ 9: 34، 35) ''اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے (اور خزانہ بناتے) ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ انھیں دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجیے، جس دن وہ مال جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لیے خزانہ کیا تھا، لہٰذا (اب تم اس چیز کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے رہے تھے۔''

[670] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، أَنَّهُ قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ، وَهُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْكَنْزِ مَا هُوَ ؟ فَقَالَ : هُوَ الْمَالُ الَّذِي لَا تُؤَدَّى مِنْهُ الزَّكَاةُ .

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا، اس حال میں کہ ان سے ''کنز'' (خزانہ) کے بارے میں سوال کیا جارہا تھا کہ وہ کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ وہ مال ہے جس میں سے زکاۃ ادا نہ کی جائے۔

فائدہ: ...... یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے: ((مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ)) ''جو مال اس مقدار کو پہنچ جائے کہ جس میں سے زکاۃ ادا کی جاتی ہے، پھر اس کی زکاۃ ادا کر دی جائے تو وہ ''کنز'' نہیں ہے۔(ابوداود: 1564، حاکم: 1/ 390، بیہقی: 4/ 140، دارقطنی: 2/ 105۔اس کی سند حسن یا صحیح ہے۔)

[671] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ, عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ : مَنْ كَانَ عِنْدَهُ مَالٌ لَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ ، مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعاً أَقْرَعَ ، لَهُ زَبِيبَتَانِ يَطْلُبُهُ ، حَتَّى يُمْكِنَهُ يَقُولُ : أَنَا كَنْزُكَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ جس شخص کے پاس (نصاب کے بقدر) کوئی مال ہو (اور) وہ اس کی زکاۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ مال اس شخص کے لیے ایک گنجے سانپ کی صورت میں بنایا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے، وہ اس آدمی کو طلب کرے گا (اس کا پیچھا کرے گا) یہاں تک کہ آدمی اسے (اپنے اوپر) قدرت دے دے گا، وہ سانپ اسے کہے گا کہ میں تیرا ہی خزانہ ہوں۔

فائدہ: ......ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (آل عمران3:180) ''اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے بہت کچھ دیا ہے اور وہ اس میں کنجوسی کرتے ہیں تو وہ اس (بخل) کو اپنے لیے ہرگز بہتر نہ سمجھیں بلکہ

[670] (موقوف صحیح) سنن ابی ماجه، کتاب الزکاة، باب ماادی زکاته لیس بکنز، حدیث: 1787، بیهقی فی السنن الکبری: 4/ 83، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 212 (2213)، الشافعی فی المسند: 1/ 407، وفی الام:2/ 57۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے، علامہ البانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے، الصحیحة:2/103۔

[671] (موقوف صحیح) مرفوع کے لیے دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب اثم مانع الزکاة، حدیث: 1403، 4565، 4659، 6957۔

وہ ان کے لیے بہت برا ہے، جس مال میں انھوں نے کنجوسی کی، قیامت کے دن انھیں اسی کے طوق پہنائے جائیں گے“
متن میں مذکور روایت کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کیا ہے، چنانچہ اس میں یہ اضافہ بھی ہے: ((يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِ مَتَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ)) ”وہ سانپ قیامت کے دن آدمی کے گلے کا طوق بنا دیا جائے، پھر وہ اس کی باچھوں کو پکڑے گا (دبوچ لے گا) پھر کہے گا کہ میں تیرا ہی مال ہوں، میں تیرا ہی خزانہ ہوں۔“(بخاری: 4565، 4659) اور ایک روایت میں ہے:((يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ وَ يَطْلُبُهُ وَ يَقُوْلُ اَنَا كَنْزُكَ قَالَ وَاللّٰهِ وَلَنْ يَّزَالَ يَطْلُبُهُ حَتّٰى يَبْسُطَ يَدَهُ فَيُلْقِمَهَافَاهُ)) ”آدمی اس سے بھاگے گا اور وہ اس (کا پیچھا کرتے ہوئے اس) کو طلب کرے گا اور کہتا جائے گا کہ میں تیرا خزانہ ہوں، (دنیا میں تو میرے پیچھے بھاگتا رہا، اب مجھ سے کیوں بھاگتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”اللہ کی قسم! وہ مسلسل اس کو طلب کرتا رہے گا یہاں تک کہ (جب وہ قریب آپہنچے گا تو) آدمی (اپنے باقی جسم کو بچانے کے لیے) اپنا ہاتھ پھیلا دے گا اور اسے سانپ کے منہ کا لقمہ بنا دے گا۔“(بخاری:6957) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ اسی طرح ہی روایت کیا ہے۔(مسلم : 988)۔

11- بَابٌ: صَدَقَةُ الْمَاشِيَةِ

چوپایوں کی زکاۃ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک موقوف روایت یعنی اثر صحابی رضی اللہ عنہ ہے جس کی سند صحیح ہے۔

فائدہ :...... اس باب میں صرف اونٹوں اور بکریوں کی زکاۃ کا بیان کرنا مقصود ہے، اونٹوں کی زکاۃ کے حوالے سے ان کی عمروں کو ملحوظ رکھ کر ان کے مختلف نام رکھ دیے گئے ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے: (1) بنت مخاض۔ وہ اونٹنی جس کی عمر کا پہلا سال مکمل ہو کر دوسرا شروع ہو چکا ہو، اس کے لفظی معنی ہیں:”حاملہ کی بچی۔“ اس کی ماں اسے دودھ پلانے کے بعد اب اگلے حمل کے قابل ہو چکی ہوتی ہے(2) بنت لبون: وہ اونٹنی جو دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں قدم رکھ چکی ہو۔اس کے لفظی معنی ہیں:”دودھ پلانے والی کی بیٹی۔“ یعنی اس کی ماں اب اگلے بچے کو جنم دے کر دودھ پلا رہی ہوتی ہے۔(3) حِقّہ: وہ اونٹنی جو تین سال پورے کر کے چوتھے سال میں داخل ہو جائے، یہ اب خود بھی جفتی کی مستحق اور حمل کے قابل ہو جاتی ہے۔(4) جَذَعَہ: وہ اونٹنی جو چار سال پورے کر کے پانچویں میں داخل ہو جائے۔ اس کے لفظی معنی نوجوان کے ہیں اور اس عمر میں اونٹنی جوان ہو چکی ہوتی ہے اور اس کے دانت پورے ہو جاتے ہیں۔

[672] حَدَّثَنِيْ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ: أَنَّهُ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انھوں نے حضرت عمر بن

---

[672] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 87 (7250)، وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 229 (2235)، عبدالرزاق:6798، ابوعبيدفى الاموال:451۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

قَرَأَ كِتَابَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي الصَّدَقَةِ قَالَ فَوَجَدْتُ فِيهِ : بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ . كِتَابُ الصَّدَقَةِ : فِي أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الإِبِلِ ، فَدُونَهَا الْغَنَمُ فِي كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ ، وَفِيمَا فَوْقَ ذَلِكَ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ ابْنَةُ مَخَاضٍ ، فَإِنْ لَمْ تَكُنِ ابْنَةُ مَخَاضٍ فَابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ ، وَفِيمَا فَوْقَ ذَلِكَ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ ، وَفِيمَا فَوْقَ ذَلِكَ إِلَى سِتِّينَ ، حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْفَحْلِ ، وَفِيمَا فَوْقَ ذَلِكَ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ جَذَعَةٌ ، وَفِيمَا فَوْقَ ذَلِكَ إِلَى تِسْعِينَ ابْنَتَا لَبُونٍ ، وَفِيمَا فَوْقَ ذَلِكَ إِلَى عِشْرِينَ وَمِئَةٍ حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْفَحْلِ ، فَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الإِبِلِ ، فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ ، وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ ، وَفِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ ، إِذَا بَلَغَتْ أَرْبَعِينَ إِلَى عِشْرِينَ وَمِئَةٍ شَاةٌ ، وَفِيمَا فَوْقَ ذَلِكَ إِلَى مِئَتَيْنِ شَاتَانِ ، وَفِيمَا فَوْقَ ذَلِكَ إِلَى ثَلَاثِ مِئَةٍ ، ثَلَاثُ شِيَاهٍ ، فَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ ، فَفِي كُلِّ مِئَةٍ شَاةٌ ، وَلَا يُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ تَيْسٌ ، وَلَا هَرِمَةٌ ، وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ ، إِلَّا مَا شَاءَ الْمُصَّدِّقُ ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ ، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ ، فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ ، وَفِي الرِّقَةِ إِذَا بَلَغَتْ خَمْسَ أَوَاقٍ ، رُبُعُ الْعُشْرِ

خطاب ﷺ کی وہ تحریر پڑھی جو زکاۃ کے متعلق تھی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس میں (یوں لکھا ہوا) پایا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

یہ زکاۃ کی تحریر ہے، چوبیس یا اس سے کم اونٹوں میں بکریاں (زکاۃ کے طور پر دی جاتی) ہیں، ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری لازم ہے اور اس سے زیادہ میں (پچیس سے لے کر) پینتیس تک ایک سال کی اونٹنی (زکاۃ) ہے، اگر ایک سالہ اونٹنی نہ ہو تو دو برس کا نر اونٹ (کفایت کر جائے گا)، اور اس سے زیادہ میں پینتالیس تک دو سالہ اونٹنی ہے، اور اس سے زیادہ میں ساٹھ تک تین برس کی اونٹنی ہے جو نر اونٹ کی جفتی کے قابل ہو اور اس سے زیادہ میں پچھتر تک چار سالہ اونٹنی ہے اور اس سے زیادہ میں نوے تک دو عدد دو سالہ اونٹنیاں ہیں اور اس سے زیادہ میں ایک سو بیس تک دو عدد تین سالہ اونٹنیاں ہیں جو نر کی جفتی کے قابل ہوں، پھر اونٹوں میں سے جو اس سے بھی بڑھ جائیں تو (ان کے چالیس چالیس اور پچاس پچاس کے گروپ بنائے جائیں گے اور) ہر چالیس میں ایک عدد دو سالہ اونٹنی اور ہر پچاس میں ایک عدد تین سالہ اونٹنی ہے۔ اور (جنگل، پہاڑ وغیرہ میں مفت گھاس) چرنے والی بکریاں جب چالیس کو پہنچ جائیں تو ان میں (چالیس سے لے کر) ایک سو بیس تک کی ایک بکری (زکاۃ) ہے اور اس سے زیادہ میں دو سو تک دو بکریاں ہیں اور اس سے زیادہ میں تین سو تک تین بکریاں ہیں، پھر جو بکریاں اس سے بھی زیادہ ہوں تو ہر سو میں ایک بکری ہے اور زکاۃ میں نہ سانڈ دیا جائے گا نہ بوڑھا جانور اور نہ عیب والا، الا یہ کہ زکاۃ اکٹھی کرنے والا چاہے (تو

کسی ضرورت کے تحت ان کو بطور زکاۃ لے سکتا ہے) اور زکاۃ کے خوف سے جدا جدا مالوں کو جمع نہ کیا جائے اور جمع شدہ مال کو الگ الگ نہ کیا جائے اور جو دو آدمی (باہم) شریک ہوں تو وہ برابری کے ساتھ آپس میں رجوع کریں گے اور چاندی میں جب کہ وہ پانچ اوقیہ (دوسو درہم) کو پہنچ جائے، تو اس میں چالیسواں حصہ لازم ہے۔

فائدہ : ...... جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا تو ان کو تقریباً یہی مذکورہ تحریر لکھ کر دی اور اس کے شروع میں لکھا کہ زکاۃ کے اس فریضے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر مقرر فرمایا ہے۔ (بخاری: 1454) یاد رہے کہ وہ تعداد جس کے بڑھنے سے جانوروں کی زکاۃ میں اضافہ نہیں ہوتا اسے "وَقَص" کہتے ہیں، بالفاظ دیگر دو متعین مقداروں کے درمیان والی تعداد "وقص" کہلاتی ہے جس کی جمع اَوْقَاص ہے، مثلاً پانچ اونٹوں پر ایک بکری ہے، پھر دس پر دوسری بکری عائد ہوتی ہے تو درمیان والے اونٹ یعنی چھ سے نو تک وقص کہلائیں گے ......((سَائِمَة)) کے لفظ سے ثابت ہوا کہ صرف ان جانوروں پر زکاۃ ہے جو جنگلوں، پہاڑوں اور میدانوں وغیرہ سے مفت گھاس چرتے ہوں جس پر مالک کا خرچہ نہیں آتا اور اگر مالک کو قیمتاً چارہ کھلانا پڑتا ہو تو پھر ان جانوروں میں زکاۃ نہیں ہے۔ ((اِلَّا مَا شَاءَ الْمُصَدِّقُ)) میں صاد پر اگر تشدید پڑھیں ((الْمُصَّدِقُ)) تو اس سے مراد زکاۃ دینے والا شخص ہے اور اس استثنائیہ جملے کا تعلق پیچھے بیان شدہ تین قسموں میں سے صرف پہلی قسم کے ساتھ ہے، یعنی سانڈ ایک عمدہ جانور ہے جو زکاۃ میں نہیں لیا جائے گا الا یہ کہ مالک اپنی خوشی سے دینا چاہے تو درست ہے ......اور اگر صاد پر شد نہ پڑھیں تو پھر اس سے مراد زکاۃ وصول کرنے والا عامل ہے اور استثناء کا تعلق تینوں چیزوں سے ہوگا، یعنی اگر عامل محسوس کرے کہ زکاۃ کی بکریوں سے گوشت کی ضرورت ہے اور عیب زدہ یا بوڑھا جانور اس مقصد کے لیے زیادہ مفید یا کفایت کرنے والا ہے تو ٹھیک ہے، اسی طرح اگر بیت المال کے جانوروں کے لیے سانڈ کی ضرورت ہو تو مالک کی رضامندی سے وصول کرسکتا ہے ......ریوڑ کی ملکیت میں شریک افراد کا معاملہ نیز جدا جدا جانوروں کو اکٹھا کرنے یا جمع شدہ کو الگ کرنے کے متعلق تفصیل تو آگے تیرھویں باب میں امام مالک رحمہ اللہ خود ہی بیان فرمائیں گے یہاں ہم صرف یہ کہیں گے کہ اس حدیث مبارکہ سے یہ عیاں ہوجاتا ہے کہ شریعت میں وہ حیلہ سازی حرام ہے جو حق کو ٹھکرانے یا باطل کو اپنانے یا واجبات سے بچنے کے لیے کی جائے، البتہ حق تک پہنچنے کے لیے کوئی تدبیر کرنا مستثنیٰ ہے۔ ((رُبْعُ الْعُشْرِ)) کے لفظی معنی ہیں: دسویں حصے کا چوتھا حصہ یعنی چالیسواں حصہ۔ ایک چیز کا پہلے دسواں حصہ نکالا جائے، پھر اس دسویں حصے کا چوتھا حصہ نکالیں تو یہ اس چیز کا چالیسواں حصہ بنتا ہے، مثلاً ایک گنے میں دس پوریاں ہوں تو ہر پوری گنے کا دسواں حصہ ہے اور اگر ایک پوری کی چار گنڈیریاں بنائیں تو ایک گنڈیری اس پوری کا تو چوتھا حصہ ہے لیکن وہ گنے کا چالیسواں حصہ ہے کیونکہ گنے کی اس جیسی چالیس گنڈیریاں بنیں گی۔

فائدہ : ......اونٹوں کے متعلق تفصیل کچھ یوں ہے:

(1)1-4=اونٹوں میں کوئی زکاۃ نہیں (2)5-9=(ہندسوں کی ٹوٹل تعداد 5) میں ایک بکری۔
(3)10-14(5)دو بکریاں (4)15-19(5) تین بکریاں
(5)20-24(5)چار بکریاں (6)25-35(11) بنت مخاض یا ابن لبون
(7)36-45(10)ایک بنت لبون (8)46-60(15)ایک حقہ
(9)61-75(15)ایک جذعہ (10)76-90(15)دو بنت لبون
(11)91-120(30)دو حقے۔

اس کے بعد صرف دہائیوں کا اعتبار کریں گے یعنی 130،140،150وغیرہ۔ ان میں ایک سے نو تک اضافہ معاف ہے اور وقص شمار ہے۔ ان میں زکاۃ کا اصول یہ ہے کہ ہر چالیس پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ لازم ہے، چنانچہ سب سے پہلے چالیس چالیس کے تین گروپ اونٹوں کے حساب سے ہر گروپ میں یا بعض گروپوں میں دس دس شامل کرتے جائیں چنانچہ ایک سوتیس اونٹ ہوں تو دو گروپ چالیس چالیس کے رہیں گے اور تیسرے گروپ میں دس کا اضافہ ہوکر پچاس پچاس ہوجائیں گے۔(40+40+50)اور ایک سو چالیس میں دو گروپ پچاس کے ہوجائیں گے(40+50+50) ایک سو پچاس ہوں تو (50+50+50) ایک سو ساٹھ ہوں تو چار گروپ چالیس چالیس کے ہوجائیں گے اور آگے اسی طرح بڑھاتے جائیں گے، دوسو میں آپ کی مرضی ہے، خواہ چالیس چالیس کے پانچ گروپ بنائیں یا پچاس پچاس کے چار گروپ بنائیں۔

فائدہ :......بکریوں میں تفصیل یوں ہے: (1)1-39 میں کوئی زکاۃ نہیں (2)40-120(اعداد کی تعداد: 81) میں ایک بکری۔(3)121-200(80) میں دو بکریاں (4)201-300(100) میں تین بکریاں۔

اس کے بعد ہر سینکڑے کے پورا ہونے کا اعتبار ہوگا، ایک سے ننانوے تک زائد بکریاں ''اوقاص'' میں شامل ہوں گی اور ان پر کچھ زکاۃ نہ بڑھے گی اور جیسے ہی اگلا سو پورا ہوگا ایک بکری زائد ہوجائے گی۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو چوتھی بکری چار سو کی تعداد مکمل ہونے پر لازم ہوگی اور تین سو ننانوے (399) تک تین بکریاں ہی لازم ہیں تو گویا 201 سے 399 تک تین بکریاں ہی لازم ہیں اور یہ سب سے لمبا وقص ہے، 200 پر دو بکریاں لازم ہیں، 201 پر تیسری بکری لازم ہے اور 399 پر بھی تین ہی لازم ہیں۔

12- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ صَدَقَةِ الْبَقَرِ

گائے بیل کی زکاۃ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک مرفوع ضعیف روایت ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے گیارہ فتاوی جات

بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......زکاۃ کے معاملے میں سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ بھینسوں کو بھی گائیوں کے ساتھ ملا کر زکاۃ ادا کی جائے گی، رہا بھینس کی قربانی کا معاملہ تو اس میں اختلاف ہے۔

[673] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ طَاوُوسٍ الْيَمَانِيِّ، أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ الْأَنْصَارِيَّ، أَخَذَ مِنْ ثَلَاثِينَ بَقَرَةً تَبِيعاً، وَمِنْ أَرْبَعِينَ بَقَرَةً مُسِنَّةً، وَأُتِيَ بِمَا دُونَ ذَلِكَ، فَأَبَى أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئاً وَقَالَ: لَمْ أَسْمَعْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيهِ شَيْئاً، حَتَّى أَلْقَاهُ فَأَسْأَلَهُ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ أَنْ يَقْدَمَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ.

طاؤس یمانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے تیس گائیوں میں سے ایک سال کا بچھڑا وصول کیا اور چالیس گائیوں میں سے دو سالہ گائے وصول کی اور ان کے پاس تیس سے کم جانور لائے گئے تو انھوں نے ان میں سے کچھ بھی زکاۃ لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کچھ بھی نہیں سنا، (اور میں کچھ نہیں لوں گا) یہاں تک کہ میں آپ ﷺ سے ملاقات کروں تو آپ ﷺ نے (اس بارے میں) دریافت کرلوں۔ پھر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے (مدینہ) آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے (اور وہ یہ مزید وضاحت پوچھ نہ سکے)

فائدہ: ......دوسری روایات میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو مجھے یہ حکم فرمایا کہ ہر تیس گائیوں میں سے ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی وصول کروں اور ہر چالیس میں سے دو سالہ گائے وصول کروں۔ (ابوداود: 1578، ترمذی: 623، نسائی: 2452، ابن ماجه: 1803، مسند احمد: 5/ 230، اس کی سند صحیح ہے۔ ارواء الغليل: 795) گائے کی زکاۃ کے متعلق مزید تفصیل یوں ہے: (1) 1-29 میں کوئی زکاۃ نہیں۔ (2) 30-39 میں ایک تبیع یا تبیعہ یعنی ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی (3) 40-50 میں ایک مسن یا مسنہ یعنی دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی۔

پھر ہر تیس کے گروپ میں سے ایک تبیع یا تبیعہ اور ہر چالیس کے گروپ میں ایک مسن یا مسنہ ادا کرنا لازم ہے چنانچہ 60 میں دو تبیعے، 70 میں ایک تبیعہ اور ایک مسنہ، 80 میں دو مسنے اور 90 میں تین تبیعے واجب ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے سب سے بہترین جو

[673] (مرفوع ضعيف) ابوداود فى المراسيل (129، 130)، عبدالرزاق: 4/ 26 (6856)، بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 98، وفى المعرفة: 3/ 232، البغوى فى شرح السنة: 6/ 20 (1572)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

فِيمَنْ كَانَتْ لَهُ غَنَمٌ عَلَى رَاعِيَيْنِ مُفْتَرِقَيْنِ، أَوْ عَلَى رِعَاءٍ مُفْتَرِقِينَ فِي بُلْدَانٍ شَتَّى، أَنَّ ذَلِكَ يُجْمَعُ كُلُّهُ عَلَى صَاحِبِهِ، فَيُؤَدِّي مِنْهُ صَدَقَتَهُ، وَمِثْلُ ذَلِكَ الرَّجُلُ، يَكُونُ لَهُ الذَّهَبُ أَوِ الْوَرِقُ، مُتَفَرِّقَةً فِي أَيْدِي نَاسٍ شَتَّى، أَنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَجْمَعَهَا، فَيُخْرِجَ مِنْهَا مَا وَجَبَ عَلَيْهِ فِي ذَلِكَ مِنْ زَكَاتِهَا.

(فتویٰ) سنا ہے، اس شخص کے متعلق جس کی ملکیت میں (کافی) بکریاں ہوں (لیکن وہ) دو مختلف چرواہوں یا زیادہ چرواہوں کے پاس (ہوں جوانھیں) مختلف شہروں میں (چراتے ہوں، تو اس کے متعلق میرا پسندیدہ فیصلہ) یہ ہے کہ بلاشبہ وہ تمام (بکریاں) اپنے مالک پر جمع کی جائیں گی (اس مالک کی ملکیت ہی میں شمار کر کے تمام کی تعداد معلوم کی جائے گی) پھر وہ (مالک) اس (مجموعی تعداد) سے اس کی زکاۃ ادا کرے گا اور اس طرح اس آدمی کا معاملہ ہے جس کی ملکیت میں سونا یا چاندی (ہو لیکن وہ تجارت یا امانت کے طور پر) مختلف لوگوں کے ہاتھوں میں ہو تو بلاشبہ اس کے لیے بھی مناسب یہی ہے کہ وہ اس تمام (سونے چاندی) کو جمع کرے (ان کا مکمل وزن معلوم کرے) پھر اس میں جو زکاۃ اس پر واجب ہوتی ہوا سے نکال دے۔

فائدہ: ......الغرض زکاۃ میں آدمی کی ملکیت کا اعتبار ہوتا ہے، جگہوں کا نہیں، یہی صورتحال تجارتی مال اور فصل کی ہے۔

وَقَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ لَهُ الضَّأْنُ وَالْمَعْزُ: أَنَّهَا تُجْمَعُ عَلَيْهِ فِي الصَّدَقَةِ، فَإِنْ كَانَ فِيهَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ صُدِّقَتْ، وَقَالَ: إِنَّمَا هِيَ غَنَمٌ كُلُّهَا، وَفِي كِتَابِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: وَفِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ إِذَا بَلَغَتْ أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس کے پاس بھیڑیں بھی ہوں اور بکریاں بھی، تو یقیناً زکاۃ کے معاملے میں ان تمام کو اس پر جمع کیا جائے گا، پھر اگر ان سب میں وہ (تعداد حاصل) ہو جس پر زکاۃ پڑتی ہے تو ان کی زکاۃ نکالی جائے گی اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ سب ہی تو ''غنم'' ہیں (غنم کے معنی ومفہوم میں بھیڑیں بکریاں سب شامل ہیں) اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تحریر میں یہ (درج) ہے کہ (قدرتی گھاس) چرنے والی ''غنم'' میں جب کہ وہ چالیس کو پہنچ جائیں ایک بکری (زکاۃ میں دینا واجب) ہے۔

فائدہ: ......عربی لغت میں اون والے چھوٹے چوپائے کی نسل کے لیے " ضَأْنٌ، كَبْشٌ، اور نَعْجَةٌ" کے الفاظ مستعمل ہیں جنھیں ہم اردو میں بھیڑ، مینڈھا، دنبہ، دنبی کے نام سے پکارتے ہیں، اون کے بغیر یعنی بکرے کی نسل کے لیے خاص لفظ "مَعْزٌ" ہے لیکن احادیث مبارکہ میں زکاۃ کے سلسلے میں دو الفاظ وارد ہوئے ہیں: "غَنَمٌ اور شَاةٌ"، جن کے مفہوم میں وسعت اور عموم ہے چنانچہ بھیڑ، دنبہ اور بکری کی تمام نسلوں کے نر اور مادہ پر انھیں بولا جاتا ہے لہٰذا ان تمام کی مجموعی تعداد پر زکاۃ پڑے گی۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ كَانَتِ الضَّأْنُ هِيَ أَكْثَرَ مِنَ الْمَعْزِ ، وَلَمْ يَجِبْ عَلَى رَبِّهَا إِلَّا شَاةٌ وَاحِدَةٌ ، أَخَذَ الْمُصَدِّقُ تِلْكَ الشَّاةَ الَّتِي وَجَبَتْ عَلَى رَبِّ الْمَالِ مِنَ الضَّأْنِ ، وَإِنْ كَانَتِ الْمَعْزُ أَكْثَرَ مِنَ الضَّأْنِ ، أُخِذَ مِنْهَا ، فَإِنِ اسْتَوَى الضَّأْنُ وَالْمَعْزُ أَخَذَ مِنْ أَيَّتِهِمَا شَاءَ .

امام مالک فرماتے ہیں : اگر بھیڑوں کی تعداد بکریوں سے زیادہ ہواور ان کے مالک پر ایک بکری کے سوا کچھ (زکاۃ) واجب نہ ہو تو زکاۃ اکٹھی کرنے والا اس مالک پر واجب ہونے والی ''شاۃ'' کو بھیڑوں میں سے وصول کرے گا اور اگر بکریاں زیادہ ہوں تو وہ ایک جانور بکریوں میں سے لے گا، ہاں اگر بھیڑیں اور بکریاں برابر برابر ہوں تو وہ ان میں سے جس سے چاہے وصول کرلے گا۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : وَكَذَلِكَ الإِبِلُ الْعِرَابُ وَالْبُخْتُ يُجْمَعَانِ عَلَى رَبِّهِمَا فِي الصَّدَقَةِ . وَقَالَ : إِنَّمَا هِيَ إِبِلٌ كُلُّهَا ، فَإِنْ كَانَتِ الْعِرَابُ هِيَ أَكْثَرَ مِنَ الْبُخْتِ ، وَلَمْ يَجِبْ عَلَى رَبِّهَا إِلَّا بَعِيرٌ وَاحِدٌ ، فَلْيَأْخُذْ مِنَ الْعِرَابِ صَدَقَتَهَا ، فَإِنْ كَانَتِ الْبُخْتُ أَكْثَرَ ، فَلْيَأْخُذْ مِنْهَا ، فَإِنِ اسْتَوَتْ فَلْيَأْخُذْ مِنْ أَيَّتِهِمَا شَاءَ

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح عربی اور بختی (عجمی) اونٹ اپنے مالک پر زکاۃ کے سلسلے میں اکٹھے (شمار) کیے جائیں گے، انھوں نے کہا کہ یہ سب کے سب ''اِبِلٌ'' (اونٹ) ہی ہیں، پھر اگر عربی اونٹ بختی اونٹوں سے زیادہ ہوں اور ان کے مالک پر ایک اونٹ کے سوا کچھ (زکاۃ) نہ واجب ہو تو اسے (یعنی عامل کو) چاہیے کہ ان کی زکاۃ عربی اونٹوں سے وصول کرے اور اگر بختی اونٹ ان (عربی اونٹوں) سے زیادہ ہوں تو وہ ان (بختی اونٹوں) سے (زکاۃ والا اونٹ) لے، پھر اگر وہ دونوں برابر ہوں تو وہ ان میں سے جس سے چاہے وصول کرلے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَكَذَلِكَ الْبَقَرُ وَالْجَوَامِيسُ تُجْمَعُ فِي الصَّدَقَةِ عَلَى رَبِّهَا . وَقَالَ : إِنَّمَا هِيَ بَقَرٌ كُلُّهَا ، فَإِنْ كَانَتِ الْبَقَرُ هِيَ أَكْثَرَ مِنَ الْجَوَامِيسِ ، وَلَا تَجِبُ عَلَى رَبِّهَا إِلَّا بَقَرَةٌ وَاحِدَةٌ ، فَلْيَأْخُذْ مِنَ الْبَقَرِ صَدَقَتَهُمَا ، وَإِنْ كَانَتِ الْجَوَامِيسُ أَكْثَرَ فَلْيَأْخُذْ مِنْهَا ، فَإِنِ اسْتَوَتْ فَلْيَأْخُذْ مِنْ أَيَّتِهِمَا شَاءَ ، فَإِذَا وَجَبَتْ فِي ذَلِكَ الصَّدَقَةُ صُدِّقَ الصِّنْفَانِ جَمِيعاً .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح ہی گائیں اور بھینسیں (حکم رکھتی ہیں، زکاۃ میں ان کو ان کے مالک پر اکٹھا (شمار) کرنا واجب ہے، انھوں نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ سب ''بَقَرٌ'' ہی ہیں، پھر اگر گائیں (تعداد میں) بھینسوں سے زیادہ ہوں اور ان کے مالک پر صرف ایک جانور نکالنا واجب ہو تو چاہیے کہ وہ (زکاۃ اکٹھی کرنے والا شخص) گائیوں میں سے یہ زکاۃ (والا جانور) وصول کرے اور اگر بھینسیں زیادہ ہوں تو بھینسوں میں سے وصول کرے،

پھر اگر وہ دونوں برابر برابر ہوں تو دونوں میں سے جس سے چاہے لے لے، الغرض جب اس (ذکر کردہ تمام انواع کے مجموعوں) میں زکاۃ واجب ہو (اور مذکورہ بالاتفصیل سے کسی ایک قسم کا جانور زکاۃ میں دے دیا جائے) تو دونوں قسموں (بھیڑ اور بکری یا عربی اور بختی اونٹ یا گائے بھینس) کی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

فائدہ: ......امام مالک رحمہ اللہ کے اس فتویٰ کی آخری عبارت "فَـإِذَا وَجَبَـتْ فِـيْ ذٰلِكَ الصَّدَقَةُ صُـدِّقَ الـصِّنْفَانِ جَمِيْعًا" میں درج ذیل دو احتمال ہیں: (1) ممکن ہے کہ یہ گزشتہ فتووں کی تاکید ہو جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے، اور اس تاکید سے یہ شبہ دور کرنا مقصود ہے کہ دو قسم کے جانوروں کے مجموعے کی زکاۃ جب کسی ایک قسم کے جانور سے لی جائے تو کہیں دوسری قسم زکاۃ کی ادائیگی سے محروم تو نہ رہی؟ (2) دوسرا احتمال یہ ہے کہ امام صاحب یہاں سے ایک نیا اور مستقل مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اس سے پہلے کی سطور میں یہ بیان ہوا تھا کہ یہ دونوں قسموں کے جانوروں کو ملا کر زکاۃ واجب ہوتی ہو تو کیا کرنا چاہیے اور اب وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "جب ان (مذکورہ انواع) میں الگ الگ زکاۃ واجب ہو رہی ہو، مثلاً تیس گائیں اور تیس ہی بھینسیں ہوں، دونوں برابر ہوں اور زکاۃ کے دو جانور نکالے ہوں تو دونوں قسموں میں سے ان کی الگ الگ زکاۃ دی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

قَـالَ يَـحْيَـى : قَالَ مَالِكٌ: مَنْ أَفَادَ مَاشِيَةً مِنْ إِبِـلٍ ، أَوْ بَـقَـرٍ ، أَوْ غَـنَـمٍ ، فَلا صَدَقَةَ عَلَيْـهِ فِيهَـا ، حَتَّـى يَـحُـولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ أَفَـادَهَـا ، إِلَّا أَنْ يَـكُونَ لَـهُ قَبْلَهَـا نِصَـابُ مَاشِيَةٍ ، وَالنِّصَابُ مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ ، إِمَّا خَـمْسُ ذَوْدٍ مِنَ الإِبِلِ ، وَإِمَّا ثَـلاثُونَ بَقَرَةً ، وَإِمَّـا أَرْبَـعُونَ شَاةً ، فَإِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ خَمْسُ ذَوْدٍ مِنَ الإِبِلِ ، أَوْ ثَـلاثُونَ بَقَرَةً ، أَوْ أَرْبَعُونَ شَـاةً ، ثُمَّ أَفَادَ إِلَيْهَا إِبِلاً ، أَوْ بَقَراً ، أَوْ غَنَماً ، بِـاشْتِرَاءٍ أَوْ هِبَةٍ أَوْ مِيرَاثٍ ، فَإِنَّهُ يُصَدِّقُهَا مَعَ مَـاشِيَتِـهِ حِيـنَ يُصَدِّقُهَا ، وَإِنْ لَمْ يَحُلْ عَلَى الْفَائِدَةِ الْحَوْلُ ، وَإِنْ كَانَ مَا أَفَادَ مِنَ الْمَاشِيَةِ إِلَـى مَـاشِيَتِـهِ ، قَـدْ صُدِّقَتْ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا بِيَـوْمٍ وَاحِـدٍ ، أَوْ قَبْـلَ أَنْ يَرِثَهَا بِيَوْمٍ وَاحِدٍ ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے "فائدہ" کے طور پر کچھ جانور مثلاً اونٹ، گائیں یا بکریاں حاصل کیں تو اس پر اس میں کوئی زکاۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر ایک سال گزر جائے۔ اس دن سے شروع کر کے کہ جس میں اس نے یہ فائدہ حاصل کیا ہے، الا یہ کہ آدمی کے پاس اس (فائدہ کے حصول) سے پہلے جانوروں کا نصاب موجود ہو اور نصاب سے مراد وہ (کم از کم مقدار اور تعداد) ہے جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے یعنی یا تو پانچ اونٹ (پہلے سے موجود) ہوں یا تیس گائیں یا چالیس بکریاں، چنانچہ جب آدمی کے پاس پانچ اونٹ یا تیس گائیں یا چالیس بکریاں ہوں، پھر اس نے ان کی طرف (یعنی ان کے ساتھ) فائدے میں کچھ اونٹ یا گائیں یا بکریاں حاصل کر لیں (مثلاً) خریدنے کے ساتھ یا ہبہ ملنے کے ساتھ یا وراثت ملنے کے ساتھ، تو بلاشبہ وہ اس (حاصل شدہ فائدے یعنی چوپایوں کے مال مستفاد)

فَإِنَّـهُ يُصَـدِّقُهَـا مَـعَ مَاشِيَتِـهِ حِينَ يُصَدِّقُ مَاشِيَتَهُ.

کی زکاۃ اسی وقت ساتھ ہی ادا کرے گا جب کہ وہ اپنے (پاس نصاب کو پہنچنے والے پہلے سے موجود) چوپایوں کی زکاۃ نکالے گا، اگرچہ اس فائدے (مال مستفاد) پر سال پورا نہ ہوا ہو......اور وہ چوپائے جنھیں اس نے اپنے (گزشتہ) چوپایوں کے ساتھ فائدے کے طور پر حاصل کیا ہے اگر ان کی زکاۃ اس کے ان کو خریدنے سے ایک دن پہلے یا اس کے ان کو وراثت میں پانے سے ایک دن پہلے ادا کی جا چکی تھی تو (پھر بھی) یقیناً وہ ان کی زکاۃ اپنے چوپایوں کے ہمراہ نکالے گا، جب بھی وہ ان کی زکاۃ نکالے۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں جبکہ باقی ائمہ کرام کے نزدیک مال مستفاد اگر گزشتہ پہلے سے موجود مال ہی کی قسم سے ہو اور اسی میں سے بطور نفع حاصل ہوا ہو تو صرف اس ایک صورت میں نیا مال گزشتہ مال کے ساتھ ملایا جائے گا اور ان کی اکٹھی زکاۃ ادا کی جائے گی ورنہ نہیں، مزید تفصیل آگے چودھویں باب میں دیکھیے ......یہ بھی یاد رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ جانوروں کے متعلق تو مذکورہ فتوی ہی دیتے ہیں لیکن سونے چاندی کے متعلق ان کا فتویٰ یہ ہے کہ مال مستفاد کا الگ سال شمار کیا جائے گا، وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کی زکاۃ کا معاملہ عامل کے سپرد ہے اور اگر نئے جانوروں کو گزشتہ جانوروں کے ساتھ نہ ملائیں تو اس عامل کو زکاۃ اکٹھی کرنے کے لیے دو چکر لگانے پڑیں گے، جبکہ سونے چاندی میں زکاۃ کا معاملہ اصل مالک کے سپرد ہے، عامل کے ذمے نہیں۔

قَـالَ يَـحْيَـى : قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ ، مَثَـلُ الْـوَرِقِ يُزَكِّيهَا الرَّجُلُ ، ثُمَّ يَشْتَرِي بِهَا مِنْ رَجُلٍ آخَرَ عَرْضاً ، وَقَدْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ فِي عَـرْضِـهِ ذَلِكَ إِذَا بَـاعَـهُ الصَّدَقَةُ ، فَيُخْرِجُ الـرَّجُـلُ الآخَـرُ صَدَقَتَهَا ، فيَكُونُ الأَوَّلُ قَدْ صَـدَّقَهَـا هَـذَا الْيَـوْمَ ، وَيَـكُـونُ الآخَـرُ قَدْ صَدَّقَهَا مِنَ الْغَدِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے (اپنے گزشتہ فتویٰ کی دلیل دیتے ہوئے) فرمایا کہ بلاشبہ اس کی مثال تو اس چاندی کی سی ہے جس کی زکاۃ ایک آدمی (یعنی پہلا مالک) ادا کر دیتا ہے، پھر اس نے اس چاندی کے عوض کسی دوسرے شخص سے کچھ سامان خرید لیا اور اس (دوسرے آدمی) نے جب (اسے) وہ سامان بیچا تو اس پر اس سامان میں زکاۃ (کی ادائیگی) واجب ہو چکی تھی (لیکن ابھی اس نے زکاۃ ادا نہ کی تھی کہ مال بک گیا) اور اسے اس کے بدلے چاندی مل گئی تو وہ دوسرا شخص بھی (اس تجارتی سامان کی زکاۃ) اس چاندی میں سے نکال دیتا ہے تو پہلا شخص بھی (اس تجارتی سامان کی زکاۃ) اس چاندی میں سے نکال دیتا ہے تو (صورتحال یوں بن جاتی ہے کہ) پہلے شخص نے اس چاندی کی زکاۃ آج کے دن نکالی اور دوسرے شخص نے اس کی زکاۃ اگلے دن نکالی۔

فائدہ :......اس شخص پر اپنے نصاب والے مال میں ہر سال صرف ایک زکاۃ پڑتی ہے لیکن ایسا ممکن ہے کہ کوئی مال خرید و فروخت کی وجہ سے ایک ہی سال میں کئی افراد کے ہاتھوں میں جائے اور وہ اپنے اپنے حساب سے اسی

مال میں سے زکاۃ نکالتے رہیں۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ غَنَمٌ لَا تَجِبُ فِيهَا الصَّدَقَةُ، فَاشْتَرَى إِلَيْهَا غَنَماً كَثِيرَةً تَجِبُ فِي دُونِهَا الصَّدَقَةُ، أَوْ وَرِثَهَا: أَنَّهُ لَا تَجِبُ عَلَيْهِ فِي الْغَنَمِ كُلِّهَا الصَّدَقَةُ، حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمَ أَفَادَهَا، بِاشْتِرَاءٍ أَوْ مِيرَاثٍ، وَذَلِكَ أَنَّ كُلَّ مَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ مِنْ مَاشِيَةٍ لَا تَجِبُ فِيهَا الصَّدَقَةُ، مِنْ إِبِلٍ، أَوْ بَقَرٍ، أَوْ غَنَمٍ، فَلَيْسَ يُعَدُّ ذَلِكَ نِصَابَ مَالٍ، حَتَّى يَكُونَ فِي كُلِّ صِنْفٍ مِنْهَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ، فَذَلِكَ النِّصَابُ الَّذِي يُصَدِّقُ مَعَهُ مَا أَفَادَ إِلَيْهِ صَاحِبُهُ، مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيرٍ مِنَ الْمَاشِيَةِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس کے پاس اتنی بکریاں تھیں جن میں (ابھی) زکاۃ واجب نہ ہوئی تھی، پھراس نے ان کے ساتھ اور بہت سی بکریاں خرید لیں کہ (اگر) اس سے کم (بکریاں بھی خریدتا تو ان) میں بھی زکاۃ واجب ہوتی تھی یا اس نے یہ (اتنی ساری بکریاں) وراثت میں پالیں تو اس پر تمام (نئی اور پرانی) بکریوں میں) سے کسی میں بھی زکاۃ واجب نہ ہوگی یہاں تک کہ اس پر پورا سال گزر جائے اس دن سے (آغاز کر کے) کہ جس میں اس نے یہ ''فائدہ'' حاصل کیا ہے خریدنے کے ساتھ یاوراثت کے ساتھ ...... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک ہروہ (مال مثلاً) چوپائے (وغیرہ) جو کسی آدمی کے پاس ہوں اور ان میں زکاۃ واجب نہ ہوتی ہو، (خواہ وہ) اونٹ ہوں یا گائیں یا بکریاں، تو وہ نصاب والا مال ہی شمار نہیں ہوتا (لہٰذا وہ معفوعنہ ہے اور ابھی ان پر زکاۃ لاگو نہیں ہوتی) یہاں تک کہ ان جانوروں میں سے ہر ہر قسم میں اتنی تعداد ہو جائے کہ جس میں (اس نوع کے جانوروں پر) زکاۃ واجب ہو، تو یہی ہے وہ نصاب جس کے ہمراہ اس کا مالک اس (نئے) مال کی بھی زکاۃ نکالتا ہے جسے وہ فائدے میں پاتا ہے، خواہ (وہ نئے ملنے والے) چوپائے تھوڑے ہوں یا زیادہ۔

فائدہ: ......الغرض پرانا مال نصاب سے کم ہو تو نہ اس پر زکاۃ ہے اور نہ نئے مال پر، ہاں اگر دونوں مال مل کر نصاب کو پہنچ جائیں تو حالتِ نصاب میں سال گزرنے کے بعد زکاۃ ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَوْ كَانَتْ لِرَجُلٍ إِبِلٌ، أَوْ بَقَرٌ، أَوْ غَنَمٌ، تَجِبُ فِي كُلِّ صِنْفٍ مِنْهَا الصَّدَقَةُ، ثُمَّ أَفَادَ إِلَيْهَا بَعِيراً، أَوْ بَقَرَةً، أَوْ شَاةً، صَدَّقَهَا مَعَ مَاشِيَتِهِ حِينَ يُصَدِّقُهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر ایک شخص کے پاس اتنے اونٹ، گائیں یا بکریاں ہوں کہ ان میں سے ہر قسم پر زکاۃ واجب ہوتی ہو، پھر وہ ان کے ہمراہ صرف ایک اونٹ یا گائے یا بکری کا ''فائدہ'' حاصل کرلے تو وہ اس ایک جانور کی زکاۃ بھی اپنے (پرانے) چوپایوں کے ساتھ نکالے گا جب (بھی) وہ ان کی زکاۃ ادا کرے گا۔

قَـالَ يَـحْيَـى : قَـالَ مَـالِكٌ : وَهَذَا أَحَبُّ مَـا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي هَذَا .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسئلے میں جو کچھ بھی سنا ہے اس میں سے یہی فتویٰ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔

فائدہ :...... لیکن یہ فتویٰ صرف امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے، باقی ائمہ اور اہل حدیث کا نہیں۔ بہر حال مذکورہ فتویٰ کے مطابق صورتحال اس وقت واضح ہوگی جب ایک جانور بڑھ جانے سے زکاۃ میں اضافہ ہو جاتا ہے، مثلاً آدمی کے پاس ایک سو بیس بکریاں ہوں جن پر صرف ایک بکری زکاۃ پڑتی ہے، اب ایک سو اکیس ہو جائیں تو مذکورہ فتویٰ کے مطابق دو بکریاں زکاۃ میں دینا ہوں گی۔

قَـالَ مَالِكٌ فِي الْفَرِيضَةِ تَجِبُ عَلَى الرَّجُلِ ، فَلا تُـوجَـدُ عِـنْـدَهُ : أَنَّهَـا إِنْ كَـانَـتِ ابْنَةَ مَـخَـاضٍ ، فَلَمْ تُوجَدْ أُخِذَ مَكَانَهَا ابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ ، وَإِنْ كَـانَـتْ بِنْتَ لَبُونٍ ، أَوْ حِقَّةً ، أَوْ جَـذَعَةً ، وَلَـمْ يَـكُـنْ عِنْدَهُ ، كَانَ عَلَى رَبِّ الإِبِـلِ أَنْ يَبْتَـاعَهَـا لَـهُ حَتَّـى يَأْتِيَهُ بِهَا ، قَالَ مَالِكٌ: وَلا أُحِبُّ أَنْ يُعْطِيَهُ قِيمَتَهَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے (زکاۃ میں ادا کیے جانے والے) فریضے (یعنی اس مقرر شدہ جانور) کے متعلق فرمایا جو آدمی پر واجب ہوتا ہے لیکن وہ اس کے پاس ملتا نہیں ہے، چنانچہ اگر تو وہ مقرر جانور ایک سالہ اونٹنی ہو تو اس کی جگہ دو سالہ نر اونٹ لیا جائے گا اور اگر وہ (مقرر جانور) دو سالہ یا تین سالہ یا چار سالہ اونٹنی ہو تو جانوروں کے مالک پر لازم ہے کہ وہ اسے اپنے لیے (کہیں سے) خریدے، تاکہ اس (زکاۃ اکٹھی کرنے والے عامل) کے پاس اس (مقرر جانور ہی) کو لے کر آئے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور میں اس کے لیے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اس (عامل) کو اس (جانور) کی قیمت ادا کرے۔

فائدہ :...... یہ امام صاحب کا اپنا قول ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت ادا ہو سکتی ہے، اہل حدیث کے نزدیک اگرچہ قیمت ادا کرنے کی گنجائش تو ہے لیکن افضل یہ ہے کہ حدیث پر عمل کیا جائے جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے دلیل بنایا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ مندرجہ ذیل حدیث ہی کے الفاظ پر ہر دور اور ہر حال میں عمل کے قائل ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ یہ ہے: (مَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ ......) ''جس شخص پر چار سالہ اونٹنی واجب ہو لیکن وہ اس کے پاس نہ ہو البتہ اس کے پاس تین سالہ اونٹنی ہو تو وہ اس سے لے لی جائے گی اور وہ (جانوروں کا مالک) اس کے ساتھ دو بکریاں بھی دے گا بشرطیکہ وہ اس کے پاس میسر ہوں یا بیس درہم دے گا۔ (اسی طرح وہ کمی پوری ہو جاتی ہے جو بڑا جانور دینے کی بجائے چھوٹے جانور کی ادائیگی سے ہوئی تھی) اور جس شخص پر تین سالہ اونٹنی واجب ہو لیکن وہ تو اس کے پاس نہ ہو البتہ (اس سے بڑی) چار سالہ اونٹنی اس کے پاس ہو تو وہ اس سے قبول کی جائے گی اور زکاۃ جمع کرنے والا (عامل) اسے بیس درہم یا دو بکریاں دے گا۔'' تاکہ عائد ہونے والی زکاۃ سے جس قدر زیادہ وصولی کی گئی ہے

اس کے برابر مال جانوروں کے مالک کو واپس مل جائے، پھر رسول اللہ ﷺ نے بالکل اسی طرح تین سالہ اونٹنی کی جگہ دو سالہ اونٹنی دینے یا اس کے برعکس کرنے، پھر دو سالہ کی جگہ ایک سالہ اونٹنی یا اس کے الٹ کرنے کی صورتیں بیان کیں اور ہر صورت میں اس کمی یا زیادتی کے مقابلے میں دو بکریاں یا بیس درہم ساتھ دینے یا واپس لینے کا حکم فرمایا۔ (بخاری : 1453) ......اس دور اور اس علاقے میں اس کمی یا زیادتی کا ازالہ بیس درہموں یا دو بکریوں سے ہو جاتا تھا کیونکہ وہاں اونٹ بھی عام تھے اور بکریاں بھی، جبکہ دنیا کے مختلف خطوں کے لحاظ سے اور مختلف ادوار، حالات اور ضروریات کے پیش نظر چیزوں کی قیمتوں میں بہت نمایاں فرق پڑتا رہتا ہے، اس لیے احناف اور اہل حدیث کے ہاں قیمتوں کا اعتبار کرنا درست ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ ہر دور اور ہر جگہ میں اس کمی و زیادتی کے لیے 20 درہم یا دو بکریوں ہی کو متعین کرتے ہیں۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الإِبِلِ النَّوَاضِحِ، وَالْبَقَرِ السَّوَانِي، وَبَقَرِ الْحَرْثِ: إِنِّي أَرَى أَنْ يُؤْخَذَ مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ إِذَا وَجَبَتْ فِيهِ الصَّدَقَةُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے (چشموں، نہروں، دریاؤں، کنووں وغیرہ سے) پانی لانے (اور کھیتی کو سیراب کرنے) والے اونٹوں، رہٹ (کے ذریعے کنویں سے پانی نکالنے) والے بیلوں اور ہل چلانے والے بیلوں کے متعلق فرمایا: بے شک میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ ان سب سے زکاۃ لی جائے گی جس وقت کہ ان میں زکاۃ واجب ہوتی ہو۔

فائدہ :......اس مسئلے میں بھی امام مالک رحمہ اللہ متفرد ہیں حتی کہ امام مالک رحمہ اللہ ((سَائِمَة)) (مفت گھاس چرنے والے) اور ((مَعْلُوْفَة)) (قیمتاً چارہ دیے جانے والے) جانوروں میں بھی فرق نہیں کرتے، جبکہ جمہور کے نزدیک نہ تو کام کاج کرنے والے جانوروں میں زکاۃ ہے اور نہ ہی چارہ دیے جانے والے جانوروں میں، کیونکہ احادیث میں ((سَائِمَة)) کا لفظ بول کر جانوروں کو خاص کر دیا گیا ہے اور یہ وہ ہیں جو جنگلوں، میدانوں اور پہاڑوں وغیرہ میں قدرتی گھاس پر گزارا کریں، فرمان نبوی ﷺ ہے: ((وَفِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَائِمَتِهَا)) ''اور بکریوں کی زکاۃ میں یعنی ان میں سے (مفت قدرتی گھاس) چرنے والیوں میں۔'' (بخاری: 1454) ، اونٹوں کے متعلق فرمایا: ((فِيْ كُلِّ سَائِمَةِ اِبِلٍ)) ''ہر چرنے والے اونٹ میں'' (ابوداود: 1575، نسائی: 2446، 2451، احمد: 5/ 462، دارمی، زکاۃ 36، حاکم۔ اس کی سند حسن ہے) کام کرنے والے اونٹوں کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ شَيْءٌ)) ''کام کرنے والے جانوروں پر کچھ نہیں ہے۔'' (ابوداود: 1572۔ اس کی سند صحیح ہے۔ صحیح ابوداود: 1403)

13- بَابٌ: صَدَقَةُ الْخُلَطَاءِ

شراکت داروں کی زکاۃ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف امام مالک رحمہ اللہ کے چھ فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

فائدہ : ......تمام مسالک کے فقہاء کا اس پر تو اتفاق ہے کہ وہ حصہ دار جن کے پاس اکٹھا اور مشترکہ مال ہو جو انھیں وراثت یا ہبہ میں اکٹھا ہی حاصل ہو، یا انھوں نے مل کر اسے خریدا، اس میں ان کا جداگانہ حصہ نصاب سے کم ہو یا زیادہ، ایسی حصہ داری کو سب کے نزدیک شراکت اور ان حصہ داروں کو شریک کہتے ہیں ......رہا یہ مسئلہ کہ اگر مال اکٹھا ہی ہو لیکن ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصے کی پہچان اور شناخت بھی ہو تو اس کے متعلق اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے حصہ داروں کا اکٹھا ہونا زکاۃ کے معاملے میں کچھ اثر انداز نہیں ہوتا۔ وہ سب الگ الگ ہی شمار ہوں گے اور ہر کسی کا زکاۃ کے معاملے میں الگ الگ حساب ہوگا، ایسے لوگ شریک یا خلیط نہیں کہلاتے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث میں آیا ہوا لفظ ((خَـلِيْط)) بمعنیٰ شریک ہی ہے اور یہ دونوں لفظ باہم مترادف ہیں، وہ خلیط سے وہی مفہوم مراد لیتے ہیں جو اوپر شریک کے متعلق بیان ہوا ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک حصوں کی تعیین و شناخت اور اپنے اپنے مال کی تعیین و تمیز کے باوجود اکٹھے ہونا زکاۃ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک (الف) اگر شناخت رکھنے والے دونوں حصہ داروں کے مال نصاب سے کم ہوں تو کسی پر زکاۃ نہیں، خواہ اکٹھا کرنے سے وہ نصاب زکاۃ کو پہنچتے ہوں، مثلاً دونوں کی بیس بیس بکریاں، (ب) اگر ایک کا مال نصاب کو پہنچتا ہو اور دوسرے کا کم ہو تو پہلے پر زکاۃ ہے دوسرے پر کچھ نہیں، مثلاً پہلے کی چالیس اور دوسرے کی بیس بکریاں۔ (ج) اگر دونوں کے مال نصاب کو پہنچیں تو الگ الگ حساب سے زکاۃ دیں گے، خواہ اس طرح ان کی زکاۃ زیادہ نکلے، بہ نسبت اس کے کہ اگر انھیں اکٹھا شمار کیا جاتا، چنانچہ دونوں کی چالیس چالیس بکریاں ہوں تو الگ الگ ایک ایک بکری زکاۃ دیں گے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک خلیط اور شریک متضاد الفاظ ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ انھیں مترادف سمجھتے ہیں جبکہ باقی سب کے نزدیک خلیط عام اور شریک خاص ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سوا باقی سب ائمہ کے نزدیک اپنے اپنے حصوں کی تعیین و شناخت کے باوجود اکٹھے ہونا زکاۃ پر اثر انداز ہوتا ہے، چنانچہ جمہور کے نزدیک (امام مالک رحمہ اللہ کے سوا) "خُـلْطَةٌ" یعنی خلیط ہونا دو قسم کا ہوتا ہے: (1) ایسی حصہ داری جس میں حصہ داروں کے الگ الگ حصوں کی شناخت نہ ہو، ایسے حصہ دار خلیط بھی ہیں اور شریک بھی ہیں اور ایسی حصہ داری کو خُـلْـطَةُ الْاِشْتَـرَاك یا خُلْطَةُ الْاَعْيَان کہتے ہیں۔ (2) ایسی حصہ داری جس میں سب حصہ داروں کو الگ الگ اپنے حصوں کی شناخت ہو، اسے خُـلْـطَةُ الْـجِوَار یا خُلْطَةُ الْاَوْصَاف کہتے ہیں اور ایسے حصہ دار صرف خلیط کہلاتے ہیں، شریک نہیں۔ گویا جمہور کے نزدیک خلیط عام ہے جو حصوں کی پہچان رکھنے والوں اور نہ رکھنے والوں سب پر بولا جاتا ہے اور شریک خاص ہے جو صرف پہچان نہ رکھنے والوں پر بولا جاتا ہے ......جمہور میں سے امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں خلیط اور شریک دو متضاد الفاظ ہیں، اگر حصوں کی شناخت نہ ہو تو حصہ داروں کو شریک کہتے ہیں اور شناخت ہو تو خلیط کہتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کا جمہور سے ایک اور بھی اختلاف ہے اور وہ یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ نصاب کی شرط لگاتے ہیں، یعنی اپنے اپنے مال کی شناخت رکھنے والے سب حصہ

داروں کا مال نصاب کو پہنچے تو ان کے اکٹھے ہونے سے زکاۃ کے احکام متاثر ہوں گے ورنہ نہیں، چنانچہ (الف) اگر دونوں حصہ داروں کا مال نصاب سے کم ہو تو کسی پر زکاۃ نہیں خواہ اکٹھا کرنے سے وہ نصاب کو پہنچتے ہوں، مثلاً دونوں کی بیس بیس بکریاں، (ب) اگر ایک کا مال نصاب کو پہنچے اور دوسرے کا کم ہو تو صرف پہلے پر زکاۃ ہے دوسرے پر نہیں، مثلاً پہلے کی چالیس اور دوسرے کی بیس بکریاں (ج) اگر دونوں کا مال نصاب کو پہنچے تو پھر اکٹھا مال شمار کریں گے، چنانچہ دونوں کی چالیس چالیس بکریاں ہوں تو ان کو اکٹھی اسی بکریاں شمار کر کے ان میں سے صرف ایک بکری زکاۃ دیں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نتیجے کے اعتبار سے پہلی دونوں صورتوں میں متفق ہیں اور آخری میں مختلف ہیں۔ آخری صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دو بکریاں پڑتی ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک ...... جمہور کے نزدیک کسی بھی خلیط میں، خواہ وہ شریک بھی کہلاتا ہو یا نہ، نصاب کی شرط نہیں ہے، چنانچہ جمہور یعنی شوافع، حنابلہ اور اہل حدیث کے ہاں مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں دونوں حصہ داروں کا مال اکٹھا شمار ہوگا اور ہر صورت میں بکریوں کا مجموعہ چالیس یا چالیس سے زائد بنتا ہے لہٰذا ہر صورت میں صرف ایک بکری زکاۃ میں نکلے گی۔ یہی موقف راجح ہے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ فِي الْخَلِيطَيْنِ : إِذَا كَانَ الرَّاعِي وَاحِداً، وَالْفَحْلُ وَاحِداً، وَالْمُرَاحُ وَاحِداً، وَالدَّلْوُ وَاحِداً، فَالرَّجُلَانِ خَلِيطَانِ، وَإِنْ عَرَفَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَالَهُ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ . قَالَ : وَالَّذِي لَا يَعْرِفُ مَالَهُ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ لَيْسَ بِخَلِيطٍ ، إِنَّمَا هُوَ شَرِيكٌ . قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ : وَلَا تَجِبُ الصَّدَقَةُ عَلَى الْخَلِيطَيْنِ حَتَّى يَكُونَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے ”خَلِيطَان“ (دو حصہ داروں) کے متعلق (وضاحت کرتے ہوئے) فرمایا کہ جب (دونوں کے جانوروں کے لیے) چرواہا بھی ایک ہو، نر بھی ایک ہو، باڑہ بھی ایک ہو، (پانی نکالنے یا پلانے کے لیے استعمال ہونے والا) ڈول بھی ایک ہو تو وہ دونوں شخص خلیط ہیں، اس حال میں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مال (جانوروں) کو اپنے ساتھی کے مال سے (الگ) پہچانتا ہو، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور وہ شخص جو اپنے مال کو اپنے ساتھی کے مال سے (الگ) شناخت نہ کر سکے تو وہ خلیط نہیں بلکہ شریک ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دو خلیط افراد پر (اکٹھی) زکاۃ واجب نہیں ہوگی یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس اتنی بکریاں ہوں کہ جن میں زکاۃ واجب ہوتی ہے۔

فائدہ : ...... امام مالک رحمہ اللہ اپنے اس فتویٰ میں خلط (حصہ داری) کے زکاۃ میں مؤثر ہونے کی شرطیں بتا رہے ہیں کہ یہ تبھی معتبر ہے جب دونوں شخص اپنے مال پہچانتے ہوں اور ان کا مال نصاب تک پہنچتا ہو، جبکہ جمہور کے ہاں دونوں شرطیں نہیں ہیں، اب آگے امام مالک رحمہ اللہ اپنی بیان کردہ نصاب والی شرط کے مطابق کچھ مثالیں ذکر کر رہے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا كَانَ لأَحَدِ الْخَلِيطَيْنِ أَرْبَعُونَ شَاةً فَصَاعِداً، وَلِلآخَرِ أَقَلُّ مِنْ أَرْبَعِينَ شَاةً، كَانَتِ الصَّدَقَةُ عَلَى الَّذِي لَهُ الأَرْبَعُونَ شَاةً، وَلَمْ تَكُنْ عَلَى الَّذِي لَهُ أَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ صَدَقَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس مسئلے کی تفسیر کچھ یوں ہے کہ جب دوخلیط افراد (دو حصہ داروں) میں سے ایک کے پاس چالیس یا اس سے زیادہ بکریاں ہوں اور دوسرے کے پاس چالیس سے کم بکریاں ہوں تو زکاۃ صرف اس شخص پر لازم ہوگی جس کی چالیس بکریاں ہیں اور جس کی بکریاں اس (تعداد اور نصاب) سے کم ہیں اس پر کچھ بھی زکاۃ عائد نہ ہوگی۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: فَإِنْ كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ، جُمِعَا فِي الصَّدَقَةِ، وَوَجَبَتِ الصَّدَقَةُ عَلَيْهِمَا جَمِيعاً، فَإِنْ كَانَ لأَحَدِهِمَا أَلْفُ شَاةٍ، أَوْ أَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ مِمَّا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ، وَلِلآخَرِ أَرْبَعُونَ شَاةً أَوْ أَكْثَرُ، فَهُمَا خَلِيطَانِ، يَتَرَادَّانِ الْفَضْلَ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ عَلَى قَدْرِ عَدَدِ أَمْوَالِهِمَا، عَلَى الأَلْفِ بِحِصَّتِهَا، وَعَلَى الأَرْبَعِينَ بِحِصَّتِهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس اتنی بکریاں ہوں جن میں زکاۃ واجب ہوتی ہے تو پھر زکاۃ کے معاملے میں دونوں کے جانوروں کو اکٹھا کیا جائے گا اور ان دونوں کے اکٹھے مال پر زکاۃ واجب ہوگی، چنانچہ اگر ان میں سے ایک کے پاس ہزار یا اس سے کم بکریاں ہوں کہ جن میں زکاۃ واجب ہے اور دوسرے کے پاس چالیس یا اس سے زیادہ بکریاں ہوں تو وہ دونوں حصہ دار ''خلیطان'' ہیں، وہ زائد مال کو اپنے اپنے مال کی تعداد کے اعتبار سے آپس میں برابری کے ساتھ لوٹائیں گے، ہزار بکریوں پر ان کے حصے کے بقدر اور چالیس پر ان کے حصے کے حساب سے معاملہ ہوگا۔

فائدہ: ......زکاۃ دیتے وقت اگر کسی ایک حصہ دار کی بکریاں ادا کی گئیں تو گویا اس نے اپنے اوپر واجب زکاۃ سے زیادہ مال ادا کیا ہے، چنانچہ اس زائد مال کو وہ اپنے ساتھی سے بعد میں لے لے گا، ایک ہزار چالیس (1040) بکریوں پر زکاۃ میں دس بکریاں واجب ہیں، کیونکہ تین سو بکریوں کے بعد اصول یہ ہے کہ ہر سو پورا ہونے پر ایک بکری پڑتی ہے، بہرحال یہ زکاۃ دونوں شخصوں پر ان کے مال کے حساب سے لاگو ہوتی ہے، چنانچہ ہزار بکریوں والے کا مال دوسرے سے پچیس گنا زیادہ ہے، اگر تمام بکریوں کے چالیس چالیس گروپ بنائیں تو یہ چھبیس گروپ بنتے ہیں، پچیس حصے ہزار والے کے اور ایک حصہ چالیس بکریوں والے کا بنتا ہے، اگر زکاۃ میں دی جانے والی دس بکریاں ہزار والے شخص کی تھیں تو وہ ان کی کل قیمت کے چھبیس حصے کر کے ایک حصے کی قیمت اپنے ساتھی سے لے لے گا اور اگر وہ دس بکریاں چالیس والے کی تھیں تو وہ ان کی کل قیمت کے چھبیس حصوں میں سے پچیس حصے اپنے ساتھی سے وصول

کرے گا۔ اسی طرح اگر کچھ بکریاں ہزار والے کی اور کچھ چالیس والے کی تھیں تو وہ اپنی اپنی بکریوں کا حساب لگا کر معاملہ حل کریں گے۔

قَالَ يَحْيَىَ: قَالَ مَالِكٌ: الْخَلِيطَانِ فِي الإِبِلِ بِمَنْزِلَةِ الْخَلِيطَيْنِ فِي الْغَنَمِ يَجْتَمِعَانِ فِي الصَّدَقَةِ جَمِيعاً إِذَا كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الإِبِلِ صَدَقَةٌ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ إِذَا بَلَغَتْ أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ. وَقَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اونٹوں میں خلیطان (دوحصہ دار) بکریوں میں دوحصہ داروں ہی کی طرح ہیں، دونوں کے اونٹ زکاۃ میں اکٹھے شمار کیے جائیں گے بشرطیکہ دونوں کے پاس اتنی تعداد ہو جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے اور یہ (نصاب کی شرط) اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانچ اونٹوں سے کم میں زکاۃ نہیں ہے۔'' اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی چرنے والی بکریوں کے متعلق فرمایا تھا کہ جب وہ (تعداد) چالیس بکریوں کو پہنچ جائے تو ان میں ایک بکری ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے اس مسئلے میں جو کچھ بھی سنا ہے، اس میں یہی فتویٰ میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

فائدہ: ......لیکن جمہور کے ہاں مشترکہ مال کے مجموعے کے لیے تو نصاب کی شرط ہے لیکن ہر حصہ دار کے لیے الگ الگ نصاب کی شرط نہیں ہے، اگر حصہ داری وشراکت کے وقت بھی نصاب کی شرط لگائی جائے تو پھر اس حدیث کے خصوصی بیان کرنے کا مقصد باطل ہو جائے گا۔

قَالَ يَحْيَىَ: قَالَ مَالِكٌ: وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ. أَنَّهُ إِنَّمَا يَعْنِي بِذَلِكَ أَصْحَابَ الْمَوَاشِي.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: زکاۃ کے ڈر سے جدا جدا مال کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھے مال کو جدا جدا نہ کیا جائے، وہ تو اس سے صرف اور صرف جانوروں کے مالکوں ہی کو مراد لے رہے تھے۔

فائدہ: ...... یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہو چکا ہے، اسے دو طرح پڑھا جا سکتا ہے: (۱) مجہول کے صیغوں کے ساتھ: ((لَا يُجْمَعُ)) اور ((لَا يُفَرَّقُ)) (۲) معروف کے صیغوں کے ساتھ ((لَا يَجْمَعُ)) اور ((لَا يُفَرِّقُ)) پہلی صورت میں یہ حکم جانوروں کے مالکوں کے لیے ہے کہ وہ زیادہ زکاۃ لازم آنے کے ڈر سے یہ خرابیاں اور حیلہ سازیاں نہ کریں اور زکاۃ نہ بچائیں، دوسری صورت میں یہ حکم زکاۃ اکٹھی کرنے والے عاملوں کے لیے ہے کہ وہ زکاۃ کی وصولی میں کمی کے اندیشے سے یہ خرابیاں نہ کریں اور ان حیلہ سازیوں سے زیادہ زکاۃ وصول

نہ کریں ......امام مالک رحمہ اللہ ان الفاظ سے صرف پہلا مفہوم مراد لیتے ہیں جبکہ (امام خطابی رحمہ اللہ کے بقول) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس جامع عبارت سے دونوں مفہوم مراد لیے جائیں گے اور یہی بات راجح ہے۔ آگے امام مالک رحمہ اللہ ان الفاظ کو مجہول کے صیغوں سے پڑھ کر اور صرف پہلا مفہوم مراد لے کر تفسیر و تفصیل بیان کر رہے ہیں۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ : وَتَفْسِيرُ قَوْلِهِ : لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ . أَنْ يَكُونَ النَّفَرُ الثَّلَاثَةُ الَّذِينَ يَكُونُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ أَرْبَعُونَ شَاةً ، قَدْ وَجَبَتْ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فِي غَنَمِهِ الصَّدَقَةُ, فَإِذَا أَظَلَّهُمُ الْمُصَدِّقُ جَمَعُوهَا لِئَلَّا يَكُونَ عَلَيْهِمْ فِيهَا إِلَّا شَاةٌ وَاحِدَةٌ ، فَنُهُوا عَنْ ذَلِكَ . وَتَفْسِيرُ قَوْلِهِ : وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ . أَنَّ الْخَلِيطَيْنِ يَكُونُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةُ شَاةٍ وَشَاةٌ ، فَيَكُونُ عَلَيْهِمَا فِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ ، فَإِذَا أَظَلَّهُمَا الْمُصَدِّقُ فَرَّقَا غَنَمَهُمَا, فَلَمْ يَكُنْ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَّا شَاةٌ وَاحِدَةٌ ، فَنُهِيَ عَنْ ذَلِكَ فَقِيلَ : لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ . قَالَ مَالِكٌ : فَهَذَا الَّذِي سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمان: ((لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ)) ''جدا جدا مال کو جمع نہ کیا جائے'' کی تفسیر یہ ہے کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ ہو، ان میں سے ہر ایک کے پاس (الگ الگ) چالیس چالیس بکریاں ہوں اور ان میں سے ہر ایک پر اس کی بکریوں میں زکاۃ واجب ہوتی ہو (اور انھوں نے تین بکریاں نکالنی ہوں) تو جب زکاۃ لینے والا ان کے پاس آئے تو وہ تینوں ان سب بکریوں کو اکٹھا کر لیں (اور یہ ظاہر کریں کہ ہم سب حصہ دار ہیں اور ہمارے اکٹھے مال پر زکاۃ کا حساب لگایا جائے) تاکہ ان پر ان بکریوں میں ایک بکری کے سوا کچھ نہ پڑے (کیونکہ چالیس پر بھی ایک اور ایک سو بیس پر بھی ایک ہی بکری پڑتی ہے، اس طرح وہ دو بکریاں بچا لینا چاہیں) تو ان کو اس سے منع کر دیا گیا ......اور آپ ﷺ کے فرمان : ((وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ)) ''اور جمع شدہ کو الگ الگ نہ کیا جائے'' کی تفسیر یہ ہے کہ دو حصہ داروں میں سے ہر ایک کی ایک سو ایک بکریاں ہوں (جن کا مجموعہ ۲۰۲ بکریاں ہے) تو ان پر ان بکریوں میں (زکاۃ کے لیے) تین بکریاں واجب ہوتی ہیں (کیونکہ وہ دونوں خلیط اور حصہ دار ہیں، ان کے مجموعی مال پر زکاۃ لازم ہوگی اور دو سو سے ایک بکری بھی زائد ہو تو تین بکریاں دینا پڑتی ہیں) پھر جب زکاۃ اکٹھی کرنے والا آئے تو وہ دونوں اپنی اپنی بکریاں الگ کر لیں (اور یہ ظاہر کریں کہ ہم تو حصہ دار اور اکٹھے نہیں ہیں اور ان کا مقصد یہ ہو کہ جب وہ ایسا کریں گے) تو ان میں سے ہر ایک پر ایک بکری کے سوا کچھ نہ پڑے گا (اکٹھے ہوتے تو تین بکریاں دینا پڑتیں اور الگ الگ ظاہر کرنے کی صورت میں چونکہ ان میں سے کسی کی بکری ایک سو بیس سے زیادہ نہیں ہیں لہٰذا ان پر صرف ایک ایک بکری لازم آئی اس طرح وہ زکاۃ سے ایک بکری بچانا چاہیں) تو اس سے منع کر دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ زکاۃ کے ڈر سے نہ تو جدا جدا کو اکٹھا کیا جائے

اور نہ اکٹھے مال کو جدا جدا کیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہی وہ مفہوم ہے جو میں نے اس مسئلے میں سنا ہے۔

فائدہ: ...... اگر معلوم کے صیغوں سے پڑھیں تو عامل کے لیے ممانعت ہے، تفصیل کچھ یوں ہے: (۱) ((لَا یَجْمَعُ بَیْنَ مُتَفَرِّقٍ)) ''وہ جدا جدا مال کو اکٹھا نہ کرے'' کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً دو آدمیوں کے پاس الگ الگ بیس بیس بکریاں ہوں، ان میں سے کسی پر زکاۃ نہیں پڑتی تو زکاۃ اکٹھی کرنے والا ان کو جمع کر کے دونوں سے کہے کہ تم آپس میں حصہ دار ہو لہٰذا ان اکٹھی چالیس بکریوں سے ایک بکری زکاۃ نکالو، یا دونوں کے پاس الگ الگ ایک سو ایک، ایک سو ایک بکریاں ہوں اور ان پر صرف ایک ایک بکری لازم ہو تو وہ کہے کہ تم دونوں حصہ دار ہو اور تمہاری بکریوں کا مجموعہ دو سو سے زائد ہے لہٰذا تین بکریاں ادا کرو تو ایسا کرنا ممنوع ہے۔ (۲) ((لَا یُفَرِّقُ بَیْنَ مُجْتَمِعٍ)) ''جمع شدہ مال کو الگ الگ نہ کرے''، مثلاً تین حصہ داروں کے پاس اکٹھی ایک سو بیس بکریاں ہوں اور اکٹھے مال میں ان پر صرف ایک بکری زکاۃ پڑتی ہو تو سرکاری کارندہ ان سے کہے کہ نہیں، تم حصہ دار نہیں ہو، تم سب کا الگ الگ مال چالیس چالیس بکریاں ہیں لہٰذا سب الگ الگ ایک ایک بکری ادا کرو، تو اس سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔

14- باب مَاجَاءَ فِيمَا يُعْتَدُّ بِهِ مِنَ السَّخْلِ فِي الصَّدَقَةِ

زکاۃ میں بکریوں کے بچوں کو بھی شمار کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں حسن درجے کی ایک موقوف روایت اور امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاوی جات موجود ہیں۔

فائدہ: ...... ''سَخْلٌ'' جمع ہے ''سَخْلَةٌ'' کی، جس کے معنی بکری کے بچے کے ہیں۔

[674] حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنِ ابْنٍ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سُفْيَانَ الثَّقَفِيِّ، عَنْ جَدِّهِ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَعَثَهُ مُصَدِّقاً، فَكَانَ يَعُدُّ عَلَى النَّاسِ بِالسَّخْلِ، فَقَالُوا: أَتَعُدُّ عَلَيْنَا بِالسَّخْلِ وَلَا تَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئاً. فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ذَكَرَ لَهُ ذَلِكَ، فَقَالَ عُمَرُ:

سفیان بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں زکاۃ وصول کرنے والا (عامل) بنا کر بھیجا تو وہ (سفیان رحمہ اللہ) لوگوں پر بکریوں کے بچوں کو بھی شمار کرتے تھے، لوگوں نے کہا کہ کیا (عجب بات ہے کہ) تم ہم پر بکریوں کے بچوں کو شمار تو کرتے ہو اور لیکن ان بچوں میں سے کسی کو زکاۃ میں وصول نہیں کرتے ہو، چنانچہ جب وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس (واپس)

[674] (موقوف حسن) بيهقي في السنن الكبرى: 4/ 100، وفي معرفة السنن والآثار: 3/ 239(2251)، وفي الخلافيات: 2/ 116، ابن ابي شيبة: 3/ 134، الشافعي في الام: 2/ 9۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

نَعَمْ تَعُدُّ عَلَيْهِمْ بِالسَّخْلَةِ يَحْمِلُهَا الرَّاعِي وَلَا تَأْخُذُهَا، وَلَا تَأْخُذُ الْأَكُولَةَ، وَلَا الرُّبَّى، وَلَا الْمَاخِضَ، وَلَا فَحْلَ الْغَنَمِ، وَتَأْخُذُ الْجَذَعَةَ، وَالثَّنِيَّةَ، وَذَلِكَ عَدْلٌ بَيْنَ غِذَاءِ الْغَنَمِ وَخِيَارِهِ.

آئے تو ان کے سامنے اس (اعتراض) کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: ہاں ہم ان پر اس بچے کو بھی شمار کرتے ہیں جسے چرواہے نے اٹھایا ہوتا ہے (کیونکہ تازہ تازہ پیدا ہونے کی وجہ سے وہ ابھی ریوڑ کے ہمراہ چلنے کے قابل نہیں ہوتا) اور ہم اسے وصول نہیں کرتے اور (اگر ہم بچے کو زکاۃ میں وصول نہیں کرتے تو اس طرح) ہم موٹی بکری (جسے گوشت حاصل کرنے کے لیے کھلا کھلا کر فربہ کیا گیا ہو) کو بھی وصول نہیں کرتے، نہ بچے کو پالنے والی بکری کو، نہ حاملہ بکری کو اور نہ بکریوں کے نر کو (لیتے ہیں۔) اور ہم تو تقریباً ایک سالہ یا دو سالہ بکری ہی کو لیتے ہیں اور یہی متوسط (درمیانی قسم کا جانور) ہے بکریوں کے بچوں اور عمدہ قسم کی بکریوں کے درمیان۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالسَّخْلَةُ الصَّغِيرَةُ حِينَ تُنْتَجُ. وَالرُّبَّى الَّتِي قَدْ وَضَعَتْ فَهِيَ تُرَبِّي وَلَدَهَا، وَالْمَاخِضُ هِيَ الْحَامِلُ، وَالْأَكُولَةُ هِيَ شَاةُ اللَّحْمِ الَّتِي تُسَمَّنُ لِتُؤْكَلَ.

((اَلسَّخْلَةُ)) وہ بکری کا بچہ ہے جس نے ابھی ابھی جنم لیا ہو۔ ((اَلرُّبَّا)) وہ بکری ہے جس نے بچے کو جنم دیا ہو پھر وہ اسے پال رہی ہو۔ ((اَلْمَاخِضُ)) حاملہ بکری اور ((اَلْاَكُولَةُ)) وہ گوشت والی بکری ہو جو خوب چارہ کھاتی ہو، اسے اس طرح کھلا کر اس لیے موٹا کیا جاتا ہے تاکہ اس کا گوشت بڑھے اور کھانے کے کام آئے۔

فائدہ:......زکاۃ لیتے وقت آدمی کی ملکیت میں موجود تمام زندہ جانوروں کی گنتی کی جائے گی، خواہ ان میں سے کوئی گھٹیا اور ناقص مال ہو یا عمدہ و قیمتی، لیکن زکاۃ میں صرف درمیانی قسم کا جانور وصول کیا جائے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا تھا: ((لَا يُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَيْسٌ)) "اور زکاۃ میں نہ کوئی بوڑھا جانور نکالا جائے، نہ کوئی عیب والا اور نہ کوئی سانڈ" (بخاری: 1455) نیز فرمان نبوی ہے: ((وَلَا يُعْطِي الْهَرِمَةَ وَلَا الدَّرِنَةَ وَلَا الْمَرِيضَةَ وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيمَةَ وَلَكِنْ مِنْ اَوْسَطِ اَمْوَالِكُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهِ)) "اور آدمی (زکاۃ میں) نہ بوڑھا جانور دے نہ عیب دار (خارش زدہ) نہ بیمار اور نہ چھوٹا (اور) بدترین (دودھ نہ دینے والا) بلکہ اپنے اوسط (درمیانی) درجے کے اموال سے زکاۃ ادا کرے، کیونکہ بلاشبہ اللہ نے نہ تو تم سے بہترین مال کا سوال کیا ہے اور نہ تمھیں بدترین (گھٹیا) مال کا حکم فرمایا ہے۔" (ابوداود: 1582۔ اس کی سند صحیح ہے۔) اسی طرح فرمان مصطفی ﷺ ہے ((فَاِيَّاكَ وَكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ)) "لوگوں کے عمدہ مالوں (کو زکاۃ میں لینے) سے بچو۔" (بخاری: 1496، مسلم: 19) نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ

﴿وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ﴾ (البقرۃ2: 267) ''اور (اللہ کی راہ میں) ردی اور خراب چیز خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو جبکہ تم خود تو وہ چیز لینا بھی پسند نہیں کرتے الا یہ کہ اس کی بابت تم چشم پوشی کرو۔'' البتہ رسول اللہ ﷺ نے یہ استثناء فرمایا ہے: ((اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ الْمُصَدِّقُ)) ''ہاں اگر زکاۃ اکٹھی کرنے والا چاہے۔'' (بخاری: 1455) چنانچہ اگر عامل کو بیت المال کے جانوروں کے لیے یا کسی اور غرض سے سانڈ کی یا عمدہ جانور کی ضرورت ہو تو وہ مالک کی رضامندی سے لے سکتا ہے، اسی طرح اسے بچوں کی ضرورت ہو (کسی غریب گھرانے کے لیے) یا وہ کوئی عیب زدہ جانور گوشت کے حصول کے لیے لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ تَكُونُ لَهُ الْغَنَمُ لَا تَجِبُ فِيهَا الصَّدَقَةُ، فَتَوَالَدُ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهَا الْمُصَدِّقُ بِيَوْمٍ وَاحِدٍ، فَتَبْلُغُ مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ بِوِلَادَتِهَا. قَالَ مَالِكٌ: إِذَا بَلَغَتِ الْغَنَمُ بِأَوْلَادِهَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ، فَعَلَيْهِ فِيهَا الصَّدَقَةُ, وَذَلِكَ أَنَّ وِلَادَةَ الْغَنَمِ مِنْهَا، وَذَلِكَ مُخَالِفٌ لِمَا أُفِيدَ مِنْهَا بِاشْتِرَاءٍ، أَوْ هِبَةٍ، أَوْ مِيرَاثٍ، وَمِثْلُ ذَلِكَ الْعَرْضُ لَا يَبْلُغُ ثَمَنُهُ مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ، ثُمَّ يَبِيعُهُ صَاحِبُهُ فَيَبْلُغُ بِرِبْحِهِ مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ، فَيُصَدِّقُ رِبْحَهُ مَعَ رَأْسِ الْمَالِ، وَلَوْ كَانَ رِبْحُهُ فَائِدَةً أَوْ مِيرَاثًا لَمْ تَجِبْ فِيهِ الصَّدَقَةُ، حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ أَفَادَهُ أَوْ وَرِثَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس کے پاس اتنی بکریاں ہوں جن میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی (نصاب پورا نہ ہو)، پھر زکاۃ اکٹھی کرنے والے کے آنے سے ایک دن پہلے انھوں نے بچے جنم دے دیے جن سے وہ بکریاں اس نصاب کو پہنچ گئیں جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، (تو اس کے متعلق) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب بکریاں اپنے بچوں سمیت اس تعداد کو پہنچ جائیں جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہو تو آدمی پر ان بکریوں میں زکاۃ واجب ہوگی۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک بکریوں کی اولاد بکریوں میں سے ہی ہے اور یہ) بچوں والا مسئلہ کہ جس میں بکریوں کا نصاب اپنی ہی نسل سے پورا ہو گیا) مخالف ہے اس (صورت) کے، کہ جس میں وہ (مزید بکریاں) خریدنے کے ساتھ یا ہبہ کے ساتھ یا وراثت کے ساتھ فائدے میں ملیں (بکریاں نصاب سے کم تھیں پھر کسی اور جانب سے مزید بکریاں مل گئیں جن سے نصاب پورا ہو گیا تو ان کو پہلی بکریوں کے ساتھ شمار نہ کریں گے بلکہ نیا سال شمار کریں گے) اور اس کی مثال اس تجارتی سامان کی طرح ہے جس کی قیمت اس مقدار کو نہیں پہنچتی جس میں زکاۃ پڑتی ہے، پھر اس کا مالک اسے بیچ ڈالتا ہے تو وہ (تجارتی مال) اس نفع کے ساتھ اس نصاب کو پہنچ جاتا ہے جس میں زکاۃ عائد ہوتی ہے تو آدمی اس نفع سے بھی راس المال (اصل رقم اور سرمایہ) کے ساتھ ملا کر زکاۃ دے گا اور (لیکن) اگر وہ نفع بطور فائدہ کے (کسی اور جانب سے پاتا ہے مثلاً ہبہ وغیرہ سے) یا وراثت سے حاصل کرتا ہے تو اس (نفع) میں زکاۃ واجب نہ ہوگی یہاں تک کہ اس

(نفع) پر پورا سال گزر جائے اس دن سے (شروع کر کے) جس میں اس نے فائدہ حاصل کیا یا اسے وراثت میں پایا۔

قَالَ مَالِكٌ : فَغِذَاءُ الْغَنَمِ مِنْهَا ، كَمَا رِبْحُ الْمَالِ مِنْهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بکریوں کے بچے بکریوں (میں شامل ہیں اور انہی) میں سے ہی ہیں جس طرح کہ مال کا نفع مال میں سے ہی (شمار) ہے۔

فائدہ : ...... دراصل امام مالک رحمہ اللہ اس مسئلہ میں متفرد ہیں، ان کے نزدیک زکاۃ کے لیے سال کا آغاز تجارت کے آغاز سے شمار ہوتا ہے، خواہ اس وقت مال نصاب کے برابر ہو یا کم، (جیسا کہ پیچھے دوسرے باب میں تفصیل گزر چکی ہے۔) پھر اسی پر امام مالک رحمہ اللہ نے جانوروں کے بچوں کو قیاس کر لیا کہ یہ بھی تجارتی مال کے نفع کی طرح جانوروں ہی کا نفع ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک سال کا آغاز اس دن سے ہوگا جس میں آدمی کے پاس نصاب پورا ہوا ہو اور یہی راجح ہے۔

مال مستفاد کی اقسام: ...... مال مستفاد یعنی فائدے میں ملنے والا مال تجارتی مال کا نفع ہو تو اسے "رِبْحٌ" کہتے ہیں، جانوروں سے پیدا شدہ بچے ہوں تو اسے "نسل" کہتے ہیں، غلاموں لونڈیوں کی کمائی ہو تو اسے "غَلّہ" کہتے ہیں اور ان کے علاوہ باقی ہر صورت کو "فائدہ" کہتے ہیں خواہ وہ وراثت میں ملے یا ہبہ میں، مال غنیمت میں ملے یا کسی چیز کے عوض خریداری کرنے سے، پھر اگر یہ "فائدہ" جانوروں کی شکل میں ہو تو اسے "فائدۃ الماشیۃ" ورنہ "فائدۃ العین" کہتے ہیں ...... "ربح" اور "نسل" کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ نے بتایا ہے کہ انھیں گزشتہ مال میں شامل کر کے زکاۃ دیں گے جبکہ سال کی تکمیل اس حال میں ہو کہ نصاب پورا ہو چکا ہو، رہا مسئلہ "فائدہ" کا، تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں دیکھیں گے کہ اگر تو گزشتہ مال نصاب سے کم ہے تو پھر "فائدہ" کو گزشتہ مال سے نہیں ملائیں گے بلکہ نیا سال شروع کریں گے اور اگر گزشتہ مال نصاب کے مطابق ہو تو پھر امام مالک رحمہ اللہ "فائدۃ العین" یعنی سونے چاندی کے معاملے میں تو نئے مال کو گزشتہ مال سے نہیں ملاتے لیکن "فائدۃ الماشیۃ" یعنی جانوروں کے معاملے میں نئے مال کو گزشتہ مال کے ساتھ ملا کر زکاۃ نکالنے کے قائل ہیں، چنانچہ وہ آگے یہی بیان کر رہے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: غَيْرَ أَنَّ ذَلِكَ يَخْتَلِفُ فِي وَجْهٍ آخَرَ ، أَنَّهُ إِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ مِنَ الذَّهَبِ أَوِ الْوَرِقِ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ ، ثُمَّ أَفَادَ إِلَيْهِ مَالاً ، تَرَكَ مَالَهُ الَّذِي أَفَادَ ، فَلَمْ يُزَكِّهِ مَعَ مَالِهِ الْأَوَّلِ حِينَ يُزَكِّيهِ ، حَتَّى يَحُولَ عَلَى الْفَائِدَةِ الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ أَفَادَهَا ، وَلَوْ كَانَتْ لِرَجُلٍ غَنَمٌ ، أَوْ بَقَرٌ ، أَوْ إِبِلٌ ، تَجِبُ فِي كُلِّ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مگر بے شک یہ (جانوروں کا مال مستفاد اور سونے چاندی کا مال مستفاد) ایک صورت میں مختلف ہے (اور وہ یہ ہے کہ) بلاشبہ جب ایک آدمی کے پاس سونے یا چاندی کی اتنی مقدار ہو جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہو، پھر وہ اس کی طرف کسی اور مال (سونا چاندی یا سامان) کا "فائدہ" حاصل کر لے تو وہ اس مال کو چھوڑ دے گا جس کا اس نے فائدہ حاصل کیا ہے اور اس (نئے

صِنْفٍ مِنْهَا الصَّدَقَةُ ، ثُمَّ أَفَادَ إِلَيْهَا بَعِيراً ، أَوْ بَقَرَةً ، أَوْ شَاةً ، صَدَّقَهَا مَعَ صِنْفِ مَا أَفَادَ مِنْ ذَلِكَ حِينَ يُصَدِّقُهُ ، إِذَا كَانَ عِنْدَهُ مِنْ ذَلِكَ الصِّنْفِ الَّذِي أَفَادَ نِصَابُ مَاشِيَةٍ . قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ .

مال) کی زکاۃ اپنے پہلے مال کی زکاۃ دیتے وقت اس کے ساتھ ادانہیں کرے گا، یہاں تک کہ اس فائدے پر بھی پورا سال گزر جائے، اس دن سے (آغاز کر کے) کہ جس میں اس نے اس کا فائدہ حاصل کیا تھا اور (اس کے برعکس) اگر کسی شخص کے پاس اتنی بکریاں یا گائیں یا اونٹ ہوں کہ ان میں سے ہر قسم میں زکاۃ واجب ہوتی ہو، پھر وہ اس کی طرف ایک اونٹ یا ایک گائے یا ایک بکری کا ''فائدہ'' (کسی بھی جانب سے) حاصل کر لیتا ہے تو اس ایک جانور کی زکاۃ بھی اس کی جنس (والے پرانے جانوروں) کے ساتھ ملا کر اسی وقت ادا کرے گا جب کہ اس (پرانے نصاب والے جانوروں) کی زکاۃ دے گا، بشرطیکہ جب اس کے پاس اس جنس کے جانوروں کا نصاب موجود ہو کہ جس جنس میں اس نے ''فائدہ'' حاصل کیا ہے......امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سب سے بہتر (فتوی اور تفصیل) ہے ان تمام اقوال میں سے جو میں نے اس بارے میں سنے ہیں۔

فائدہ:...... (مال مستفاد کے احکام) مال مستفاد کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کی رائے تو موطا امام مالک رحمہ اللہ میں مذکور ہے جس میں ان کا جمہور کے ساتھ دو طرح کا اختلاف ہے: (الف) تجارتی مال اور جانوروں کا وہ اضافہ جو انھی سے حاصل ہوا ہو یعنی منافع اور بچے تو وہ اگرچہ انھیں جمہور ہی کی طرح گزشتہ مال میں شامل رکھتے ہیں لیکن اس میں سال کا آغاز، آغاز تجارت کے وقت سے شمار کرتے ہیں خواہ وہ اس وقت نصاب سے کم ہی ہو جبکہ جمہور نصاب کی تکمیل کے دن سے سال کا آغاز شمار کرتے ہیں۔ (ب) کسی اور جانب سے ملنے والے مال مستفاد کو جمہور کے برعکس جانوروں میں گزشتہ مال ہی کے ساتھ ملا کر زکاۃ دیتے ہیں جبکہ جمہور اس کا نیا سال شمار کرتے ہیں......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہر قسم کے مال مستفاد کو پرانے مال کے ساتھ ملا کر زکاۃ دینے کے قائل ہیں۔ بشرطیکہ گزشتہ مال نصاب کے مطابق ہو اور اس پر سال گزر چکا ہو۔ جمہور (امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، اور اہل حدیث) کے ہاں مال مستفاد کے متعلق مکمل تفصیل یوں ہے: (۱) اگر کسی شخص کو ایسا مال حاصل ہو جس پر سال گزرنے کی شرط ہے، اس کے علاوہ کوئی اور نصاب والا مال اس کے پاس نہ ہو اور یہ نیا مال نصاب کے مطابق ہو، یا گزشتہ مال نصاب سے کم تھا اور اس کی جنس سے ملنے والے مال مستفاد نے نصاب کو پورا کر دیا تو نصاب کی تکمیل کے دن سے سال کا آغاز شمار ہوگا اور اختتام سال پر زکاۃ واجب ہوگی......(۲) اگر مال مستفاد پانے والے کے پاس پہلے سے کوئی نصاب موجود ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں: (الف) یہ مال مستفاد گزشتہ مال ہی کا اضافہ اور بڑھوتری ہے یعنی مال تجارت کا منافع ہے یا جانوروں کی اولاد ہے یا کچھ جانور بیچ کر انھی کی جنس کے زیادہ جانور خریدے گئے ہیں تو (نصاب کی مقدار اور سال کے گزرنے میں) اس مال مستفاد کو گزشتہ مال کے

ساتھ شمار کرنا واجب ہے کیونکہ یہ نیا مال پرانے مال ہی کے تابع ہے۔ (ب) مال مستفاد گزشتہ مال کے علاوہ کسی اور جنس کا مال ہوتو اسے گزشتہ مال کے ساتھ نہ ملایا جائے گا (نہ نصاب میں اور نہ سال گزرنے کے معاملے میں)، بلکہ اگر یہ نیا مال نصاب کے مطابق ہوتو اس کا الگ سے نیا سال شمار ہوگا ورنہ اس پر کچھ نہ پڑے گا۔ (ج) اگر مال مستفاد گزشتہ مال ہی کی جنس سے ہو اور گزشتہ مال نصاب کے مطابق تھا اور اس پر سال پورا ہونے والا ہو لیکن یہ مال مستفاد کسی ایسی جانب سے حاصل ہوا ہو جس کا گزشتہ مال سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً وراثت، ہبہ، انعام یا غنیمت میں ملا ہو یا سونے چاندی وغیرہ کے عوض اسے خریدا ہو، تو اس میں جمہور کے ہاں نئے سال کا الگ سے اعتبار ہوگا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے گزشتہ نصاب کے ساتھ ملانے کے قائل ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ سونے، چاندی اور سامان میں تو نیا سال شمار کرتے ہیں البتہ جانوروں میں گزشتہ نصاب کے ساتھ ملاتے ہیں۔

15- بَابٌ: اَلْعَمَلُ فِيْ صَدَقَةِ عَامَيْنِ إِذَا اجْتَمَعَتَا

جب دوسالوں کی زکاۃ اکٹھی ہوجائے تو اس کی ادائیگی کے طریقے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف ایک فتویٰ امام مالک رحمہ اللہ مذکور ہے۔

قَالَ يَحْيَى : قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ تَجِبُ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ، وَإِبِلُهُ مِئَةُ بَعِيرٍ، فَلَا يَأْتِيهِ السَّاعِي حَتَّى تَجِبَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ أُخْرَى، فَيَأْتِيهِ الْمُصَدِّقُ وَقَدْ هَلَكَتْ إِبِلُهُ إِلَّا خَمْسَ ذَوْدٍ. قَالَ مَالِكٌ : يَأْخُذُ الْمُصَدِّقُ مِنَ الْخَمْسِ ذَوْدٍ، الصَّدَقَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَجَبَتَا عَلَى رَبِّ الْمَالِ، شَاتَيْنِ فِي كُلِّ عَامٍ شَاةٌ، لأَنَّ الصَّدَقَةَ إِنَّمَا تَجِبُ عَلَى رَبِّ الْمَالِ يَوْمَ يُصَدِّقُ مَالَهُ، فَإِنْ هَلَكَتْ مَاشِيَتُهُ أَوْ نَمَتْ، فَإِنَّمَا يُصَدِّقُ الْمُصَدِّقُ زَكَاةَ مَا يَجِدُ يَوْمَ يُصَدِّقُ، وَإِنْ تَظَاهَرَتْ عَلَى رَبِّ الْمَالِ صَدَقَاتٌ غَيْرُ وَاحِدَةٍ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُصَدِّقَ إِلَّا مَا وَجَدَ الْمُصَدِّقُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ وہ شخص جس پر زکاۃ واجب ہو اور اس کے پاس سو اونٹ ہوں (جن پر دو عدد دو سالہ اونٹنیاں زکاۃ میں دینا واجب ہوں، لیکن ہوا یوں کہ) زکاۃ اکٹھی کرنے والا شخص اس کے پاس نہ آیا یہاں تک کہ (ایک سال گزر گیا اور) اس پر دوسری زکاۃ بھی واجب ہوگئی تو اس وقت وہ زکاۃ وصول کرنے والا آیا اور (لیکن) اس وقت اس آدمی کے پانچ اونٹوں کے سوا سب اونٹ ہلاک ہو چکے تھے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (ایسی صورت میں) زکاۃ اکٹھی کرنے والا صرف پانچ اونٹوں ہی سے دو (سال کی دو) زکاتیں لے گا جو جانوروں کے مالک پر واجب تھیں (اور وہ صرف) دو بکریاں (ہی لے گا) یعنی ہر سال کی زکاۃ میں ایک بکری (لے گا کیونکہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہی ادا کرنا ہوتی ہے) اس لیے

عِـنْـدَهُ ، فَإِنْ هَلَكَتْ مَاشِيَتُهُ أَوْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ فِيهَـا صَـدَقَاتٌ ، فَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهَا شَيْءٌ حَتَّى هَـلَـكَتْ مَاشِيَتُهُ كُلُّهَا ، أَوْ صَارَتْ إِلَى مَا لَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ ، فَإِنَّهُ لَا صَدَقَةَ عَلَيْهِ ، وَلَا ضَمَانَ فِيمَا هَلَكَ ، أَوْ مَضَى مِنَ السِّنِينَ .

کہ بلاشبہ مالک پر اس دن (کے موجودہ جانوروں کی) زکاۃ واجب ہوتی ہے کہ جس دن میں وہ اپنے مال کی زکاۃ نکال رہا ہوتا ہے، چنانچہ اگر اس کے (کچھ) چوپائے مر جائیں یا بڑھ جائیں تو زکاۃ وصول کرنے والا اسی مال کی زکاۃ لے گا جو وہ زکاۃ کی وصولی والے دن موجود پائے گا اور اگر جانوروں کے مالک پر ایک سے زائد کئی زکاتیں جمع ہو جائیں تو اس پر صرف اور صرف اسی مال کی زکاۃ دینا لازم ہے جو زکاۃ اکٹھی کرنے والا اس کے پاس پائے، چنانچہ اگر اس کے جانور (عامل کی آمد سے پہلے پہلے) ہلاک ہو گئے یا اس پر جانوروں میں کئی زکاتیں واجب ہوئیں لیکن ان میں اس سے کچھ بھی وصول نہ کیا گیا یہاں تک کہ (جب عامل زکاۃ لینے آیا تو) اس کے سارے چوپائے مر چکے تھے یا اتنی تعداد میں رہ گئے تھے کہ جس میں زکاۃ ہی نہیں پڑتی (یعنی پانچ سے بھی کم رہ گئے) تو بے شک اس پر نہ کوئی زکاۃ لازم ہے اور نہ ہی اس کے اس مال کی کوئی چٹی پڑے گی جو مر گیا اور گزر گیا۔

فائدہ :......امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں جانور قدرتی طور پر ہلاک ہوں یا ان کو خود ہلاک کیا جائے جس سے وہ نصاب سے کم ہو جائیں تو دونوں صورتوں میں اس پر زکاۃ ہے نہ تاوان، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر اس نے ان کو زکاۃ سے بچنے کے لیے خود ہی ہلاک کیا تو اس پر چٹی پڑے گی بشرطیکہ اس پر زکاۃ واجب ہو چکی ہو اور اگر زکاۃ واجب ہونے سے پہلے ایسا کیا تو پھر چٹی نہیں ...... یہ بات تو مذکورہ فتویٰ کے آخری حصے کے متعلق تھی، رہا مکمل فتویٰ تو اس کی بنیاد دراصل یہ مسئلہ ہے کہ "زکاۃ (بعینہ) مال کی ذات پر واجب ہوتی ہے یا آدمی کے ذمے پر واجب ہوتی ہے اور کیا زکاۃ کے وجوب کے لیے عامل کا آنا شرط ہے یا نہیں۔" امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک زکاۃ کا تعلق عین مال کے ساتھ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی تھا، جبکہ ان کا مشہور قول (اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول) یہ ہے کہ زکاۃ کا تعلق آدمی کے ذمے کے ساتھ ہے جو ہر سال اس پر واجب ہوتی رہتی ہے، ادا کرے یا نہ کرے اور مال بعد میں ضائع ہو یا نہ ہو، اور ہر سال کے اختتام پر جتنی واجب ہوتی ہے اسے ہی ادا کرنا آدمی کے ذمے لازم رہتا ہے ......جمہور اس کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ زکاۃ کا تعلق عین مال سے ہے اور ادائیگی کے وقت جتنا مال ہوگا صرف اسی حساب سے زکاۃ پڑے گی، اس اختلاف کا فائدہ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے پاس چالیس بکریاں تھیں جن پر تین سال گزر گئے، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض حنابلہ کے نزدیک اس پر ہر سال کی طرف سے ایک زکاۃ لازم ہے جو وہ ہر حال میں ادا کرے گا، جبکہ جمہور کے نزدیک چونکہ زکاۃ کا تعلق مال سے ہے اور ادائیگی کے وقت ہی مال کے حساب سے زکاۃ دی جائے گی اور مذکورہ صورت میں وہ آدمی صرف پہلے سال کی طرف سے

ایک بکری نکالے گا، باقی دو سالوں کی طرف سے نہیں، کیونکہ جب ایک بکری نکل گئی تو باقی تعداد چالیس سے کم رہ گئی جس پر زکاۃ لازم نہیں۔ میرے (شارح کے) نزدیک امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ موقف راجح ہے، امام ابن حزم رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور چونکہ زکاۃ کا تعلق آدمی کے ذمے کے ساتھ ہے اسی لیے تو زکاۃ نصاب والے مال کے علاوہ سے دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح عامل کا آنا بھی شرط نہیں ہے، کیونکہ اس طرح تو وہ لوگ جن کے ہاں عامل کا سلسلہ جاری نہ ہو تو ان پر کبھی زکاۃ لازم نہیں ہوگی، نیز اگر زکاۃ ذمہ پر واجب نہ ہو تو پھر وہ شخص جس پر ساری زندگی ہر سال زکاۃ لازم ہوتی رہی لیکن اس نے ادا نہ کی اور مرتے وقت اس کے پاس کوئی نصاب کا مال نہ تھا تو پھر یہ لازم آئے گا کہ اسے گزشتہ سالوں کی زکاۃ ادا نہ کرنے پر کوئی گناہ اور سزا نہ ملے، یہ کہتے ہوئے کہ اعمال کا دارومدار خاتموں پر ہے اور جب اس شخص کا خاتمہ ہوا تو اس پر زکاۃ لازم نہ تھی، حالانکہ آدمی کا زکاۃ ادا نہ کرنے کا جرم ہر سال لکھا جا تا رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

16- بَابٌ: اَلنَّهْيُ عَنِ التَّضْيِيْقِ عَلَى النَّاسِ فِي الصَّدَقَةِ

زکاۃ (کی وصولی) میں لوگوں پر تنگی ڈالنے سے ممانعت کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو آثار صحابہ رضی اللہ عنہم مذکور ہیں جن میں سے ایک سنداً صحیح اور دوسرا ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی یہاں مذکور ہے۔

[675] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: مُرَّ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِغَنَمٍ مِنَ الصَّدَقَةِ، فَرَأَى فِيهَا شَاةً حَافِلاً، ذَاتَ ضَرْعٍ عَظِيمٍ, فَقَالَ عُمَرُ مَا هَذِهِ الشَّاةُ؟ فَقَالُوا: شَاةٌ مِنَ الصَّدَقَةِ. فَقَالَ عُمَرُ: مَا أَعْطَى هَذِهِ أَهْلُهَا وَهُمْ طَائِعُونَ، لَا تَفْتِنُوا النَّاسَ، لَا تَأْخُذُوا حَزَرَاتِ الْمُسْلِمِينَ، نَكِّبُوا عَنِ الطَّعَامِ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے زکاۃ کی بکریاں گزاری گئیں تو انھوں نے ان میں سے ایک بڑے تھنوں والی دودھیل بکری دیکھی، سو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ بکری کیسی ہے؟ (اس کا کیا معاملہ ہے؟) تو لوگوں نے کہا کہ یہ زکاۃ سے حاصل ہونے والی بکری ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یہ بکری اس کے مالکوں نے خوشی سے نہیں دی، (بھلا کون ایسا دودھ دینے والا عمدہ جانور زکاۃ میں نکالتا ہے) لوگوں کو فتنے میں نہ ڈالو، لوگوں کے عمدہ مال نہ لیا کرو، کھانے (اور رزق کا باعث بننے

---

[675] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری: 4/ 158(7660)، وفی السنن الصغیر:2/ 79(1282)، وفی المعرفة:3/ 318 (2394)، ابن ابی شیبة:3/ 126، الشافعی فی المسند:1/ 426، وفی الام:2/ 56۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

والے ایسے جانور زکاۃ میں وصول کرنے) سے باز رہو۔

فائدہ: ......الا یہ کہ مالک اپنی خوشی سے کوئی عمدہ جانور زکاۃ میں دینا چاہے تو الگ بات ہے۔

[676] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلَانِ مِنْ أَشْجَعَ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلَمَةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَ يَأْتِيهِمْ مُصَدِّقاً، فَيَقُولُ لِرَبِّ الْمَالِ: أَخْرِجْ إِلَيَّ صَدَقَةَ مَالِكَ، فَلَا يَقُودُ إِلَيْهِ شَاةً، فِيهَا وَفَاءٌ مِنْ حَقِّهِ إِلَّا قَبِلَهَا.

محمد بن یحییٰ بن حبان رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ اشجع قبیلے کے دو شخصوں نے مجھے بتایا کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ ان کے پاس زکاۃ اکٹھی کرنے کے لیے (عامل اور ساعی بن کر) آئے تھے، چنانچہ وہ مال والے (مالک) سے کہتے کہ اپنے مال کی زکاۃ نکال کر میرے پاس لاؤ، تو وہ ان کے پاس جو بھی ایسی بکری لاتا جس میں اس (مال) کے حق کی پوری ادائیگی (ممکن محسوس ہوتی اور وہ زکاۃ کے لائق) ہوتی تو وہ اسے ضرور قبول کر لیتے۔

قَالَ مَالِكٌ: السُّنَّةُ عِنْدَنَا، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا، أَنَّهُ لَا يُضَيَّقُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فِي زَكَاتِهِمْ، وَأَنْ يُقْبَلَ مِنْهُمْ مَا دَفَعُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں سنت یہ ہے اور اس پر میں نے اپنے شہر (مدینہ) کے اہل علم کو پایا ہے کہ بلاشبہ زکاۃ (لینے کے معاملے) میں مسلمانوں پر تنگی نہ ڈالی جائے گی اور ان سے وہی کچھ قبول کیا جائے گا جو وہ اپنے مالوں میں سے ادا کریں۔

فائدہ: ...... بشرطیکہ وہ چیز زکاۃ کے قابل ہو، اگر جانوروں کے مالک کوئی ہیرا پھیری کریں گے تو خود ذمہ دار ہوں گے۔

17- بَابٌ: أَخْذُ الصَّدَقَةِ وَمَنْ يَجُوزُ لَهُ أَخْذُهَا

صدقہ لینے کا اور ان لوگوں کا بیان جن کے لیے اسے لینا جائز ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک صحیح سند والی حدیث مصطفیٰ ہے، نیز اس میں امام مالک رحمہ اللہ کے دو فتاویٰ جات بھی مذکور ہیں۔

---

[676] (موقوف ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 2/ 102، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 283 (2250)، الشافعی فی الام: 2/ 57، وفی المسند: 1/ 427، ابوعبیدفی الاموال: 495۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

[677] حَـدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْـنِ أَسْـلَـمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ:لَا تَـحِـلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ، إِلَّا لِـخَـمْسَةٍ: لِـغَـازٍ فِـي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ لِغَارِمٍ، أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْ لِـرَجُـلٍ لَـهُ جَـارٌ مِسْكِين، فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِينِ، فَأَهْدَى الْمِسْكِينُ لِلْغَنِيِّ.

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مالدار کے لیے صدقہ (و زکاۃ لینااور مانگنا) جائز نہیں،مگر پانچ (قسم کے مالداروں) کے لیے جائز ہے، (1) اللہ کی راہ میں لڑائی کرنے والا (2) یا زکاۃ (اکٹھی کرنے) پرکام کرنے والا (عامل) (3) یا چٹی (تاوان،قرض) والا (4) یاایسے شخص کے لیے (جائز ہے) جس نے اسے اپنے مال کے عوض (کسی مسکین وغیرہ سے) خرید لیا، (5) یاایسے شخص کے لیے کہ جس کا کوئی مسکین پڑوسی ہو، چنانچہ اس مسکین پرصدقہ کیا گیاتواس مسکین نے اس مالدار (پڑوسی) کو(اس زکاۃ والی چیز کا) ہدیہ دے دیا۔

فائدہ:...... یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔(ابوداؤد 1636، ابن ماجہ: 1841) پہلی تین قسم کے افراد کا تذکرہ تو قرآن مجید میں بیان شدہ آٹھ قسم کے صدقات کے مستحقین میں بھی موجود ہے (سورہ توبہ 60:9) باقی دوقسم کے مالدار افراد جب کسی مسکین کی زکاۃ والی چیز قیمتاً خرید لیں یاہدیے میں پالیں تواس چیز کی حیثیت تبدیل ہوچکی ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں ایک لونڈی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے گوشت کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا تھا:((هُـوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا مِنْهَا هَدِيَّةٌ)) ''تووہ اس کے لیے توصدقہ ہےاور (لیکن) اس کی طرف سے ہمارے لیے ہدیہ ہے۔'' (بخاری 2577، 2578، مسلم: 1075/ 173 واللفظ له)

قَـالَ مَـالِكٌ: الأَمْـرُ عِـنْـدَنَـا فِـي قَسْمِ الـصَّدَقَاتِ، أَنَّ ذٰلِكَ لَا يَكُونُ إِلَّا عَلَى وَجْهِ الاجْتِهَـادِ مِنَ الْوَالِي، فَأَيُّ الأَصْنَافِ كَانَتْ فِيـهِ الْـحَـاجَةُ وَالْـعَدَدُ، أُوثِرَ ذٰلِكَ الصِّنْفُ بِـقَدْرِ مَا يَرَى الْوَالِي، وَعَسَى أَنْ يَنْتَقِلَ ذٰلِكَ إِلَـى الـصِّنْفِ الآخَرِ، بَعْدَ عَامٍ أَوْ عَامَيْنِ أَوْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (فرض) صدقات (اور زکاۃ) کی تقسیم میں حکم یوں ہے کہ یہ (تقسیم کسی کی مرضی سے) نہیں ہوسکتی مگر حاکم (یااس کے نائب) کے اجتہاد کے لحاظ سے (ہی ہوگی) چنانچہ (اللہ کی بیان کردہ آٹھ) قسموں میں سے جس (قسم) میں (زیادہ) حاجت ہویا(ان کی) تعداد(زیادہ) ہوتواس قسم (کے لوگوں) کوترجیح دی جائے

[677] (مرفوع صحيح) سنن ابى داود، كتاب الزكاة، باب من يجوزله اخذ الصدقةوهوغنى، حديث: 1635، سنن ابـن ماجه، كتاب الزكاة، باب من تحل له الصدقة، حديث:1841، احمد:3/ 56۔ شیخ سلیم ہلالی اورشیخ احمدعلی سلیمان نے اس روایت کوصحیح کہاہے۔

أَعْوَامٍ ، فَيُؤْثَرُ أَهْلُ الْحَاجَةِ وَالْعَدَدِ حَيْثُمَا كَانَ ذَلِكَ ، وَعَلَى هَذَا أَدْرَكْتُ مَنْ أَرْضَى مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ .

گی، اس حساب کے مطابق جو حاکم محسوس کرے (وہ جب تک بہتر اور مناسب سمجھے ان کو مقدم رکھے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ترجیح ایک سال یا دو سال یا چند سال کے بعد کسی اور صنف (قسم) کی طرف منتقل ہو جائے، (الغرض) حاجت اور تعداد والوں ہی کو ترجیح دی جائے گی، جہاں کہیں بھی وہ ہو، اور اسی (فتویٰ) پر میں نے اہل علم کو پایا ہے جن سے میں راضی ہوں۔

فائدہ: ......قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آٹھ قسم کے لوگوں کی اس حوالے سے تعیین کر دی گئی ہے کہ فرض صدقات اور زکاۃ کو صرف انھی میں تقسیم کیا جائے: (1) فقراء (2) مساکین (3) زکاۃ اکٹھی کرنے پر متعین لوگ جنھیں عامل یا ساعی یا سرکاری کارندے کہا جاتا ہے (4) جن کی تالیف قلبی مقصود ہو (5) غلاموں لونڈیوں کی گردنیں آزاد کرنے میں (6) مقروض اور چٹی والے (7) اللہ کی راہ میں (مجاہدین یا طلباء) (8) مسافر ......امام مالک رحمہ اللہ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ مثال کے طور پر کسی سال باقی مستحقین کی نسبت فقراء کی حالت زیادہ خراب ہو یا باقی قسم کے حقداروں کی نسبت فقیروں کی تعداد زیادہ ہو تو انھی کو زکاۃ دی جائے گی، اور پھر جب کسی اور ایک قسم یا دو قسموں کے لوگوں کو زیادہ محتاجی کا سامنا ہو تو زکاۃ وہیں خرچ کی جائے گی ......اس مسئلے میں امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور کا موقف یہی ہے کہ ان آٹھ قسموں میں سے کسی بھی ایک یا دو قسم کے مستحق افراد میں زکاۃ کو تقسیم کر دیا جائے تو ٹھیک ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ اس شرط کا اضافہ کرتے ہیں کہ زیادہ ضرورتمند کو دیا جائے، رہے امام شافعی رحمہ اللہ تو وہ کہتے ہیں کہ ہر زکاۃ کو ان آٹھوں جگہوں میں تقسیم کرنا لازم ہے اور وہ دراصل ایک روایت کی بنیاد پر ایسا کہتے ہیں لیکن وہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ضعیف راوی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَلَيْسَ لِلْعَامِلِ عَلَى الصَّدَقَاتِ فَرِيضَةٌ مُسَمَّاةٌ، إِلَّا عَلَى قَدْرِ مَا يَرَى الإِمَامُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (زکاۃ و) صدقات (اکٹھی کرنے) پر (متعین) کام کرنے والے (سرکاری ملازم، عامل) کے لیے (زکاۃ کے مال میں سے) کوئی متعین حصہ نہیں ہے، مگر (اسے) اسی حساب سے (مال زکاۃ میں سے تنخواہ اور حق الخدمت دیا جائے گا) جو امام (حاکم اور امیر اس کے لیے مناسب) خیال کرے گا۔

18- بَابٌ : مَاجَاءَ فِيْ اَخْذِ الصَّدَقَاتِ وَالتَّشْدِيْدِ فِيْهَا

صدقات وصول کرنے اور ان (کے روکنے) میں (یا غلط جگہ استعمال کرنے پر) سخت وعید کا بیان

خلاصۃ الباب: اس باب میں تین روایات ہیں، دو موقوف (آثار صحابہ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک ضعیف سند والی ہے، جبکہ ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جس کی سند ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی

اس باب میں مذکور ہے۔

[678] حَدَّثَنِی یَحْیَى، عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ قَالَ: لَوْ مَنَعُونِی عِقَالاً لَجَاهَدْتُهُمْ عَلَيْهِ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر انھوں نے مجھے اونٹ باندھنے کی رسی (جو زکاۃ میں پڑتی ہو لیکن انھوں نے) نہ دی تو میں اس پر بھی ان سے جہاد کروں گا۔

فائدہ:...... تفصیلی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ جب وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عہد صدیقی میں بعض عرب قبائل مرتد ہو گئے تو اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرے گا، یقیناً زکاۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر انھوں نے مجھ سے ایک بکری کا وہ ایک سالہ بچہ روک لیا جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کیا کرتے تھے تو میں اس کے روکنے کے جرم میں ان سے ضرور لڑوں گا۔ (بخاری: 1399، 1400) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اگر انھوں نے اونٹ باندھنے کی رسی بھی روک لی جسے وہ عہد نبوی میں دیتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔'' (بخاری: 7285، مسلم: 20/ 32) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے تب تک لڑائی کا حکم ہے جب تک لوگ تین کام نہ کرلیں، توحید و رسالت کی گواہی نماز اور زکاۃ۔ (بخاری: 25، مسلم: 22) اور قرآن میں بھی ہے کہ وہ یہ تینوں کام کریں گے تو جان چھوٹے گی ورنہ نہیں (التوبة 5:9)

[679] وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّهُ قَالَ: شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَناً فَأَعْجَبَهُ، فَسَأَلَ الَّذِی سَقَاهُ مِنْ أَيْنَ هَذَا اللَّبَنُ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ وَرَدَ عَلَى مَاءٍ - قَدْ سَمَّاهُ - فَإِذَا نَعَمٌ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ، وَهُمْ يَسْقُونَ فَحَلَبُوا لِی مِنْ أَلْبَانِهَا، فَجَعَلْتُهُ فِی سِقَائِی

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ایک دفعہ خدمت میں لایا ہوا) کچھ دودھ پیا تو وہ انھیں بہت اچھا لگا، چنانچہ انھوں نے اس شخص سے دریافت کیا جس نے انھیں دودھ پلایا تھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ تو اس نے انھیں بتایا کہ بے شک وہ ایک پانی (کے چشمے) پر گیا تھا جس کا اس نے نام بھی لیا (لیکن راوی کو بھول

[678] (موقوف صحیح) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، حدیث: 1400، 1456، 6925، 7285، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله الا اللّٰه......، حدیث: 20، ابوداود: 1556، ترمذی: 2607، نسائی: 2445، احمد: 1/ 19.

[679] (موقوف ضعیف) بیهقی فی السنن الکبری: 7/ 14، وفی معرفة السنن والآثار: 5/ 196 (4031)، وفی شعب الایمان: 5/ 60 (5771)، الشافعی فی الام: 2/ 84۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

فَهُـوَ هَـذَا ، فَـأَدْخَـلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَدَهُ فَاسْتَقَاءَهُ.

گیا یا اس نے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہ سمجھی، اس شخص نے مزید کہا:) تو اچانک میں نے دیکھا کہ وہاں زکاۃ کے جانوروں میں سے کچھ جانور تھے اور وہ چرواہے ان کو پانی پلا رہے تھے، پھر انھوں نے میرے لیے ان کے دودھ میں سے کچھ دوہا تو میں نے اسے اپنے مشکیزے میں ڈال لیا تو وہ یہی تھا (جو آپ نے پیا ہے) تو (یہ سنتے ہی) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں داخل کیا، پھر اس دودھ کی قے کر دی۔

فائدہ :...... کیونکہ وہ دودھ زکاۃ کے مال میں سے تھا اور مالدار شخص کے لیے زکاۃ کھانا حرام ہے، باب سے مناسبت یہ ہے کہ زکاۃ کا غیر مستحق تک چلے جانا انتہائی سخت معاملہ ہے، یاد رہے کہ اگر یہ قصہ حقیقت ہے اور واقعی ایسا ہوا تھا تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمالِ تقویٰ پر دلالت کرتا ہے، ویسے اس کی سند ضعیف ہے، نیز اگر کوئی فقیر شخص کسی مالدار کو کچھ ہبہ کر دے اور ہدیہ کی نیت سے دے دے خواہ زکاۃ ہی ہو تو اس کا استعمال جائز ہے جیسا کہ گزشتہ باب کی حدیث میں گزرا ہے اور جیسا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، اسی طرح غلطی سے جو پیٹ میں چلا گیا وہ معاف ہے، ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (الاحزاب 5:33) ''اور جس معاملے میں تم بھول چوک کا شکار ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اور لیکن (گناہ تو اس میں ہے) جس کا عزم تمھارے دل کر لیں۔'' اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ((اِنَّ اللّٰـهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِيْ الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ)) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی اور اس عمل کو معاف فرما دیا ہے جس پر انھیں زبردستی مجبور کیا جائے۔'' (ابن ماجہ: 2045، بیہقی: 7/ 356، ابن حبان: 1498۔ اس کی سند صحیح ہے)

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ عِنْدَنَا ، أَنَّ كُلَّ مَنْ مَنَعَ فَرِيضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَلَمْ يَسْتَطِعِ الْمُسْلِمُونَ أَخْذَهَا, كَانَ حَقًّا عَلَيْهِمْ جِهَادُهُ، حَتَّى يَأْخُذُوهَا مِنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ بے شک ہر وہ شخص جس نے اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضے کو (ادا کرنے سے) روکا (زکاۃ وغیرہ نہ دی) پھر مسلمان اسے اس سے وصول کرنے کی طاقت نہ پائیں تو ان پر حق (لازم) ہے کہ اس سے جہاد کریں، یہاں تک کہ اسے اس سے لے لیں۔

فائدہ :...... جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد کیا، یاد رہے کہ کسی فریضے کا تارک (اور مانع) اگر اس عمل کو تسلیم کرتا ہے لیکن ادا نہیں کرتا تو وہ فاسق مسلمان ہے اور اگر وہ سرے سے اس کا انکار کرے یا کسی حرام کو حلال جانے تو وہ مرتد کافر اور واجب القتل ہے۔

[680] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَامِلاً لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ إِلَيْهِ، يَذْكُرُ أَنَّ رَجُلاً مَنَعَ زَكَاةَ مَالِهِ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ: أَنْ دَعْهُ وَلَا تَأْخُذْ مِنْهُ زَكَاةً مَعَ الْمُسْلِمِينَ، قَالَ فَبَلَغَ ذَلِكَ الرَّجُلَ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ، وَأَدَّى بَعْدَ ذَلِكَ زَكَاةَ مَالِهِ، فَكَتَبَ عَامِلُ عُمَرَ إِلَيْهِ يَذْكُرُ لَهُ ذَلِكَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ أَنْ خُذْهَا مِنْهُ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک عامل (زکاۃ اکٹھی کرنے پر مقرر شخص) نے ان کی طرف خط لکھا، (جس میں) وہ یہ ذکر کررہا تھا کہ ایک شخص نے اپنے مال کی زکاۃ روک لی ہے (اور ادا نہیں کررہا)، تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کی طرف یہ جواب لکھا کہ تم اسے چھوڑ دو اور مسلمانوں کے ساتھ اس سے زکاۃ نہ لو، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس شخص تک یہ بات پہنچ گئی تو اس پر بہت سخت (اور گراں) گزری اور اس کے بعد اس نے اپنے مال کی زکاۃ ادا کردی، چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عامل نے ان کی طرف (پھر خط) لکھا (جس میں) وہ ان کے لیے یہ صورت حال ذکر کررہا تھا، تو عمر رحمہ اللہ نے اس کی طرف لکھا کہ اس سے زکاۃ لے لو۔

فائدہ: ...... یہ ایک نرم لہجے والی توبیخ اور ڈانٹ تھی کہ مسلمانی کا تقاضا تو یہی ہے کہ فرائض اسلامیہ ادا کیے جائیں، چنانچہ اگر وہ شخص یہ فریضہ ادا نہیں کرتا تو پھر وہ مسلمانوں کے ساتھ کیوں شمار کیا جائے۔ یہ قصہ سنداً ضعیف ہے لیکن شرعی دلائل مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد کرنے کی تائید کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص زکاۃ کے جزوِ اسلام ہونے سے ہی انکاری ہو تو وہ مرتد اور واجب القتل ہے۔

19- بَابٌ: زَكَاةُ مَا يُخْرَصُ مِنْ ثِمَارِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ

کھجوروں اور انگوروں کے ان پھلوں کا بیان جن کا اندازہ لگایا جاتا ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں ایک حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک اثر تابعی ہے اور دونوں کی سندیں صحیح ہیں، نیز اس باب میں امام مالک رحمہ اللہ کے پانچ فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ...... باغات کے پھلوں سے بھی عشر ہی لیا جاتا ہے جس کی مقدار مختلف زمینوں کے اعتبار سے دسواں یا بیسواں حصہ ہوتی ہے، پانچ وسق (جس کا تحقیق شدہ وزن 15 من 30 کلو ہے جبکہ اس کا مشہور اور تخمینی وزن بیس من بیان کیا جاتا ہے) پھل ہوگا تو یہ عشر ادا کیا جائے گا اور یہ وزن بھی خشک پھل کا معتبر ہے، چنانچہ جب پھل کو اس انداز میں تیار کیا جائے گا کہ وہ ذخیرہ ہو سکے مثلاً چھوہارے یا سٹور شدہ کھجور یا منقی وغیرہ تو اس خشک حالت کی مقدار کے

[680] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی بنا پر ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

اعتبار سے عشر ادا ہوتا ہے، چونکہ عموماً درختوں پر موجود پھل خشک ہونے سے قبل ہی اتار لیا جاتا ہے اور عشر کی ادائیگی اس دن واجب ہوتی ہے جس میں پھل اتارا جائے اس لیے شریعت میں یہ سہولت رکھی گئی ہے کہ ایک تجربہ کار اور ماہر شخص یہ تخمینہ و اندازہ لگالے کہ درختوں پر موجود پھل کا وزن خشک ہونے کے بعد کیا رہ جائے گا اور پھر اسی اندازے کے لحاظ سے عشر وصول کیا جائے گا، اس کا فائدہ دراصل یہ ہے کہ ہر پھل کو خشک کر کے ہی نہیں کھایا جاتا بلکہ تازہ حالت میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ اندازہ لگالینے کے بعد باغ والوں کے لیے اجازت ہوتی ہے کہ چاہیں تازہ پکا ہوا پھل کھائیں یا خشک کر کے ذخیرہ کریں ......بعض روایات کی روشنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ کل اندازے کا تہائی یا چوتھائی معاف کر دیا جائے گا اور باقی پھل سے عشر لیا جائے گا اور یہی راجح ہے کیونکہ بھوکے مسافروں اور پرندوں نے بھی اس میں سے کچھ کھانا ہوتا ہے اور کچھ پھل گر جاتا ہے، چنانچہ اگر کل اندازے میں سے کچھ بھی معاف نہ کیا جائے تو یہ باغ والوں کے لیے ضرر رساں ہے، بہرحال امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ (اپنے جدید قول) میں کہتے ہیں کہ اندازے کی مقدار سے کچھ معافی اور کمی نہ ہوگی، رہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو ان کے ہاں یہ تخمینہ و اندازہ لگانا سرے سے ہی باطل ہے۔

[681] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهُ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ، وَالْعُيُونُ، وَالْبَعْلُ: الْعُشْرُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ: نِصْفُ الْعُشْرِ.

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ اور بسر بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس (زمین کی فصل) میں جسے آسمان یا چشمے پانی پلائیں یا وہ جڑوں سے پانی کھینچے (تو اس میں) دسواں حصہ (بطور عشر لازم) ہے اور اس میں جسے (اونٹوں کے ذریعے دور سے لاکر یا رہٹ وغیرہ سے) سینچ کر پانی دیا جائے تو اس میں بیسواں حصہ (عشر کے طور پر لازم) ہے۔

فائدہ: ......جس زمین کو پانی دینے میں محنت و مشقت کا سامنا کرنا نہیں پڑتا ہے اس پر ''عشر'' کی مقدار زیادہ یعنی دسواں حصہ ہے اور جس زمین پر پانی کی مشقت اٹھانی پڑے وہاں ''عشر'' کی مقدار کم یعنی بیسواں حصہ ہے، پہلی قسم کی زمینوں میں بارانی (بارش سے سیراب ہونے والی)، دریاؤں، نہروں کے کناروں پر آباد زمینیں یا چشموں سے بہتے ہوئے پانی سے سیراب ہونے والی زمینیں شامل ہیں، اسی طرح وہ درخت جو خود ہی جڑوں سے پانی کھینچ لیں، الغرض

[681] (مرفوع صحیح لغیرہ) جامع الترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی الصدقة فیما یسقی بالانھار وغیرہ، حدیث: 639، سنن ابن ماجه، کتاب الزکاۃ، باب صدقة الزروع والثمار، حدیث: 1816، بیھقی: 4/ 130۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو شواہد کی وجہ سے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

جن زمینوں کو سیراب کرنے کے لیے نہ تو زمین سے پانی نکالنا پڑے اور نہ کہیں سے لاد کر لانا پڑے ان تمام سے حاصل شدہ فصل نصاب کو پہنچ جائے تو کٹائی اور چنائی کے دن اناج یا پھل کی دس ڈھیریاں کر کے ان میں سے ایک اللہ کی راہ میں دے دیں ......اور جن زمینوں کو ٹیوب ویل، رہٹ یا ٹربائن وغیرہ کے ذریعے زمین سے پانی نکال کر سیراب کریں یا جانوروں پر یا کسی گاڑی پر پانی لاد کر لانا پڑے یا حکومت نہری پانی پر کافی ٹیکس لے تو ایسی زمینوں سے حاصل شدہ نصاب پر بیسواں حصہ لازم ہے۔ پاکستان میں زمینداروں کو نہری پانی کے استعمال پر جو معاملہ دینا پڑتا ہے وہ برائے نام ہوتا ہے اس کی بنا پر ان کا عشر کم نہیں ہوگا، ہاں اگر وہ اس پانی کے ساتھ ساتھ ٹیوب ویل وغیرہ کے ذریعے بھی پانی دیتے ہیں تو پھر ان کا عشر کم ہوگا ......یاد رہے کہ مذکورہ حدیث میں زمین کی قسمیں بیان ہوئی ہیں جبکہ نصاب کا بیان پیچھے حدیث: 651، 652 میں گزر چکا ہے، یہ زمین کی قسموں والی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ (بخاری: 1483) ، مزید تفصیل کے لیے پیچھے حدیث: 652 کا فائدہ دیکھیے۔

[682] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ قَالَ : لَا يُؤْخَذُ فِي صَدَقَةِ النَّخْلِ الْجُعْرُورُ ، وَلَا مُصْرَانُ الْفَارَةِ ، وَلَا عَذْقُ ابْنِ حُبَيْقٍ . قَالَ وَهُوَ يُعَدُّ عَلَى صَاحِبِ الْمَالِ ، وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهُ فِي الصَّدَقَةِ .

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ کھجوروں کی زکاۃ میں نہ تو جعرور نامی کھجور لی جائے گی، نہ مصران الفارۃ اور نہ ہی عذق ابن حبیق، (کیونکہ یہ سب ردی اور گھٹیا قسم کی کھجوریں ہیں۔) انھوں نے کہا کہ یہ بکریوں کی طرح ہیں کہ جسے مال والے پر (اس کی باقی کھجوروں کے وزن سمیت) شمار تو کیا جاتا ہے لیکن زکاۃ میں اس میں سے (کچھ بھی گھٹیا مال) نہیں لیا جاتا۔

فائدہ: ...... جعرور اور ابن حبیق سے ممانعت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے (ابوداود: 1607، نسائی: 4/ 2492) یاد رہے کہ جب آدمی کے پاس اعلیٰ، گھٹیا اور متوسط ہر قسم کا مال ہو تو پھر صرف متوسط (درمیانی) قسم کا مال زکاۃ میں لیا جاتا ہے اور اگر اس کے پاس سارا مال ایک ہی قسم کا ہو تو پھر اسی سے زکاۃ لی جائے گی خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔

قَالَ مَالِكٌ : وَإِنَّمَا مِثْلُ ذَلِكَ ، الْغَنَمُ تُعَدُّ عَلَى صَاحِبِهَا بِسِخَالِهَا ، وَالسَّخْلُ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُ فِي الصَّدَقَةِ ، وَقَدْ يَكُونُ فِي الْأَمْوَالِ ثِمَارٌ لَا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور بلاشبہ اس کی مثال بکریوں کی سی ہے، ان کو ان کے مالک پر بچوں سمیت شمار کیا جاتا ہے، لیکن زکاۃ میں کوئی بچہ وصول نہیں کیا جاتا اور (بالکل اسی

[682] (مقطوع صحیح) الشافعی فی الام: 2/ 31، بیہقی فی معرفة السنن والآثار: 3/ 271(2313)۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

تُـؤْخَـذُ الصَّدَقَةُ مِنْهَا ، مِنْ ذَلِكَ الْبُرْدِيُّ وَمَا أَشْبَهَـهُ ، لَا يُؤْخَذُ مِنْ أَدْنَاهُ كَمَا لَا يُؤْخَذُ مِنْ خِيَـارِهِ . قَـالَ : وَإِنَّـمَـا تُـؤْخَـذُ الصَّدَقَةُ مِنْ أَوْسَاطِ الْمَالِ .

طرح آدمی کے) اموال (پھلوں) میں کچھ ایسے پھل بھی ہوتے ہیں جن میں سے زکاۃ وصول نہیں کی جاتی، (چنانچہ) ان میں سے ''بردی'' نامی کھجور بھی ہے (جو کھجور کی ایک اعلیٰ وعمدہ ترین قسم ہے) اور وہ بھی جو (عمدگی میں) اس کے مشابہ ہیں، (الغرض) زکاۃ نہ تو گھٹیا قسم کے مال سے وصول کی جائے گی جس طرح کہ وہ عمدہ قسم کے مال سے بھی نہیں لی جاتی، بلکہ زکاۃ تو صرف اور صرف درمیانی قسم کے مال ہی سے وصول کی جاتی ہے۔

فائدہ :......تا کہ مالک اور مسکین سب کا خیال رہے، اگر عمدہ مال وصول کیا جاتا تو مالک کے لیے تکلیف دہ معاملہ ہوتا اور اگر گھٹیا مال لیا جاتا تو وہ مساکین کے حق میں نامناسب ہوتا۔

قَـالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا : أَنَّهُ لَا يُـخْـرَصُ مِـنَ الثِّـمَـارِ إِلَّا الـنَّـخِيـلُ وَالأَعْـنَـابُ ، فَـإِنَّ ذَلِكَ يُخْرَصُ حِينَ يَبْدُو صَلَاحُـهُ ، وَيَـحِـلُّ بَيْـعُـهُ ، وَذَلِكَ أَنَّ ثَمَـرَ الـنَّـخِيـلِ وَالأَعْـنَـابِ يُـؤْكَـلُ رُطَباً وَعِنَباً ، فَيُـخْـرَصُ عَلَى أَهْلِهِ لِلتَّوْسِعَةِ عَلَى النَّاسِ ، وَلِـئَلَّا يَـكُـونَ عَـلَـى أَحَـدٍ فِي ذَلِكَ ضِيقٌ ، فَيُـخْـرَصُ ذَلِكَ عَـلَيْهِـمْ ، ثُـمَّ يُخَلَّى بَيْنَهُمْ وَبَيْـنَـهُ يَأْكُلُونَهُ كَيْفَ شَاؤُوا ، ثُمَّ يُؤَدُّونَ مِنْهُ الزَّكَاةَ عَلَى مَا خُرِصَ عَلَيْهِمْ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اجماع ہے، یہ ہے کہ پھلوں میں سے صرف اور صرف کھجوروں اور انگوروں ہی کا اندازہ لگایا جائے گا، چنانچہ ان کا تخمینہ اس وقت لگایا جائے گا جب ان کی صلاحیت ظاہر ہو جائے اور ان کی خرید وفروخت جائز ہوجائے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک کھجوروں اور انگوروں کے پھل کو تر حالت میں بھی کھایا جاتا ہے، لہٰذا ان کے مالک پر اندازہ لگالیا جائے گا تا کہ لوگوں کے لیے وسعت رہے اور تا کہ کسی بھی شخص پر اس معاملے میں تنگی نہ ہو، چنانچہ اس پھل کا ان پر تخمینہ لگایا جائے گا پھر ان (مالکوں) کے درمیان اور اس (پھل) کے درمیان جگہ خالی چھوڑ دی جائے گی (انھیں تر پھل استعمال کرنے پر قدرت دے دی جائے گی اور کوئی رکاوٹ نہ رکھی جائے گی) وہ جیسے چاہیں اسے کھاتے رہیں، پھر وہ اس میں سے زکاۃ اسی حساب سے ادا کریں گے جو ان پر تخمینہ و اندازہ لگایا گیا تھا۔

فائدہ :...... جمہور علماء تو اس تخمینے کو صرف کھجور اور انگور کے ساتھ خاص کرتے ہیں جبکہ بعض محققین ہر اس پھل کو ان پر قیاس کرتے ہیں جسے تر اور خشک دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہو مثلاً خوبانی، آلو بخارا وغیرہ اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھل اور اناج کی صلاحیت ظاہر ہونے سے قبل ان کی خرید وفروخت حرام ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰـى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ

وَالْمُبْتَاعَ)) ''یقیناً رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا یہاں تک کہ ان کی صلاحیت ظاہر ہوجائے، آپ ﷺ نے بیچنے والے اور خریدنے والے (دونوں) کو منع فرمایا۔'' (بخاری: 2194، مسلم: 1534)

((صَلَاحُهَا)) سے مراد مکمل پک جانا نہیں ہے، بلکہ رنگ پکڑ لینا یا استعمال کے قابل ہوجانا مراد ہے، چنانچہ کھجوروں اور انگوروں کا پھل جس جس رنگ میں پکتا ہو، وہ رنگ جیسے ہی ظاہر ہونے لگے اس پھل کی بیع درست ہے، اسی طرح فصل کے دانے جب سخت ہوجائیں تو اس کی بیع بھی درست ہے، رہا وہ پھل جو پکنے کے ایک دو دن بعد یا چند دنوں ہی میں خراب ہوجاتا ہے مثلاً کیلا اور آم وغیرہ تو ایسے پھلوں کی صلاحیت سے مراد ان کا اپنی پوری شکل پکڑ لینا ہے جس میں وہ دور دراز تک منتقل ہوسکیں۔ واللہ اعلم۔ بہرحال اس صلاحیت سے قبل ان کی بیع اور تخمینہ درست نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ صرف اس زمینی پیداوار پر عشر ہے جس سے حاصل شدہ اناج کسی عمل کے ذریعے ذخیرہ ہوسکے۔ کولڈ سٹور کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَأَمَّا مَا لَا يُؤْكَلُ رَطْباً، وَإِنَّمَا يُؤْكَلُ بَعْدَ حَصَادِهِ مِنَ الْحُبُوبِ كُلِّهَا، فَإِنَّهُ لَا يُخْرَصُ، وَإِنَّمَا عَلَى أَهْلِهَا فِيهَا إِذَا حَصَدُوهَا وَدَقُّوهَا وَطَيَّبُوهَا وَخَلُصَتْ حَبًّا، فَإِنَّمَا عَلَى أَهْلِهَا فِيهَا الأَمَانَةُ، يُؤَدُّونَ زَكَاتَهَا إِذَا بَلَغَ ذَلِكَ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا الأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: رہا وہ پھل جو تر حالت میں نہیں کھایا جاتا (بلکہ) وہ تو اپنی کٹائی کے بعد ہی کھایا جاتا ہے یعنی ہر قسم کا اناج (غلہ اور دانے) تو بلاشبہ اس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جائے گا، ایسے غلوں میں ان کے مالکوں پر صرف اور صرف یہ لازم ہے کہ جب وہ اسے کاٹ لیں اور کوٹ لیں اور اسے صاف کرلیں اور وہ خالص دانے ہی رہ جائیں تو اس کے مالکوں پر اس میں یہ امانت (سونپی گئی) ہے کہ وہ اس کی زکاۃ (عشر) ادا کردیں، جب کہ وہ اس مقدار (نصاب) کو پہنچ جائیں جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ وہ حکم ہے جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فائدہ: ......گزشتہ ادوار میں اور آج بھی بعض فصلوں میں مختلف طریقوں کے ساتھ سٹوں سے دانے نکالے جاتے ہیں، جن کی طرف امام مالک رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے، ہمارے ہاں تھریشر یا ہارڈ ویسٹر کا استعمال بھی انھی کے قائم مقام ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : الأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا أَنَّ النَّخْلَ يُخْرَصُ عَلَى أَهْلِهَا وَثَمَرُهَا فِي رُؤُوسِهَا إِذَا طَابَ وَحَلَّ بَيْعُهُ، وَيُؤْخَذُ مِنْهُ صَدَقَتُهُ تَمْراً عِنْدَ الْجِدَادِ، فَإِنْ أَصَابَتِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ حکم جس پر ہمارے ہاں اتفاق ہے، یہ ہے کہ کھجوروں کے درختوں کا ان کے مالکان پر تخمینہ لگایا جائے گا، اس حال میں کہ ان کا پھل ان کی چوٹیوں پر ہی ہوگا (بشرطیکہ) جب وہ عمدہ ہوجائے (اس کی

الثَّمَرَةَ جَائِحَةٌ بَعْدَ أَنْ تُخْرَصَ عَلَى أَهْلِهَا، وَقَبْلَ أَنْ تُجَذَّ، فَأَحَاطَتِ الْجَائِحَةُ بِالثَّمَرِ كُلِّهِ، فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةٌ، فَإِنْ بَقِيَ مِنَ الثَّمَرِ شَيْءٌ يَبْلُغُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، فَصَاعِداً بِصَاعِ النَّبِيِّ ﷺ، أُخِذَ مِنْهُمْ زَكَاتُهُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ فِيمَا أَصَابَتِ الْجَائِحَةُ زَكَاةٌ، وَكَذَلِكَ الْعَمَلُ فِي الْكَرْمِ أَيْضاً.

صلاحیت اور پکنا ظاہر ہونے لگے) اور اس کی خرید وفروخت جائز ہو جائے اور اس میں سے اس کی زکاۃ اس کے توڑنے کے وقت خشک کھجور کی شکل ہی میں وصول کی جائے گی، پھر اگر (یوں اتفاق ہو کہ) پھل کو کوئی آفت پہنچ جائے، بعد اس کے کہ اس کے مالکوں پر اس کا اندازہ لگایا جا چکا ہو اور قبل اس کے کہ اسے توڑا جائے، چنانچہ اس آفت نے سارے پھل کا احاطہ کر لیا (کچھ بھی باقی نہ چھوڑا) تو گھر والوں پر کچھ بھی زکاۃ لازم نہ ہوگی، (ہاں) اگر خشک کھجور میں سے اتنی تعداد بچ جائے جو نبی کریم ﷺ کے صاع کے حساب سے پانچ وسق یا اس سے زیادہ کو پہنچ جائے تو اس میں سے اس کی زکاۃ لی جائے گی اور گھر والوں پر اس پھل میں کچھ زکاۃ نہ ہوگی جسے آفت پہنچ چکی ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: انگوروں کی بیلوں میں بھی یہی (طریق کار اور) حکم ہے۔

فائدہ: ...... بسا اوقات بگولے، آندھی، طوفان، زلزلہ، سونامی، بارش، ژالہ باری، سیلاب، ٹڈی دل، چوری، ڈکیتی، آگ لگنے یا کیڑے پڑ جانے سے ساری یا اکثر فصل تباہ ہو جاتی ہے تو ایسے حالات میں یہ فرمان الٰہی ہماری رہنمائی کرتا ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ 2:286) ''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلّف (اور پابند) نہیں ٹھہراتا'' ......صاعِ نبوی ﷺ کو صاع حجازی اور صاعِ مدنی بھی کہتے ہیں۔ پانچ وسق کا محقق وزن 15 من 30 کلوگرام ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے پیچھے حدیث: 651 کا فائدہ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا كَانَ لِرَجُلٍ قِطَعُ أَمْوَالٍ مُتَفَرِّقَةٌ، أَوِ اشْتِرَاكٌ فِي أَمْوَالٍ مُتَفَرِّقَةٍ، لَا يَبْلُغُ مَالُ كُلِّ شَرِيكٍ أَوْ قِطَعُهُ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، وَكَانَتْ إِذَا جُمِعَ بَعْضُ ذَلِكَ إِلَى بَعْضٍ يَبْلُغُ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، فَإِنَّهُ يَجْمَعُهَا وَيُؤَدِّي زَكَاتَهَا كُلِّهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کسی شخص کے مالوں (اناج اور پھلوں) کے مختلف قطعات ہوں یا (متعدد شرکاء کے ساتھ) مختلف مالوں میں (اس کے) اس مقدار کو نہیں پہنچتے جس میں زکاۃ واجب ہو سکے اور (البتہ) جب ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملایا جائے تو وہ اس نصاب کو پہنچ جائے جس میں زکاۃ پڑتی ہے تو بلاشبہ وہ شخص ان تمام کو جمع کرے گا اور ان سب (کا اکٹھا حساب کر کے ان) کی زکاۃ ادا کرے گا۔

فائدہ: ...... کیونکہ مالک کی ملکیت کا اعتبار اور حساب ہوتا ہے خواہ وہ جگہ جگہ منتشر مال کی شکل میں ہو۔

20- بَابٌ: زَكَاةُ الْحُبُوْبِ وَالزَّيْتُوْنِ

غلّوں اور زیتون کی زکاۃ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک اثر تابعی رحمہ اللہ یعنی مقطوع روایت ہے جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے نو فتاوی جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ: ......بعض صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور محدثین کے نزدیک زرعی پیداوار کی زکاۃ یعنی ''عشر'' صرف چار فصلوں (گندم، جو، کھجور، منقّی) میں واجب ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زمین سے نکلنے (اگنے) والی ہر چیز پر عشر واجب ہے سوائے گھاس، بانس اور لکڑی کے، جبکہ جمہور یعنی امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ (مشہور قول میں)، امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام محمد رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے نزدیک صرف ایسی کھیتیوں اور پھلوں میں زکاۃ (عشر) واجب ہے جو ذخیرہ ہو سکے اور کھانے کے کام آئے اور یہی راجح ہے، یاد رہے کہ کھیتیوں سے حاصل شدہ فصل کو غلہ، اناج اور حبوب کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور درختوں اور بیلوں سے حاصل شدہ پیداوار کو پھل کہتے ہیں۔

[683] عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الزَّيْتُونِ؟ فَقَالَ: فِيهِ الْعُشْرُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے زیتون کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس میں دسواں حصہ (عشر واجب) ہے۔

فائدہ: ......زیتون کے درخت اور پھل دونوں کو زیتون کہتے ہیں جبکہ اس کے تیل کو ''زیت'' کہتے ہیں، یاد رہے کہ ہر وہ پھل جو خود بخود خشک ہو کر یا کسی خاص عمل کے ذریعے خشک یا قابل ذخیرہ کر کے سٹور کیا جائے اس میں عشر لازم ہوتا ہے، چنانچہ انگور میوے یا منقّی کی شکل میں، گنا چینی یا گڑ یا شکر کی صورت میں اور زیتون کو خشک کر کے یا بعض مائع کیمیکل سرکہ وغیرہ میں ڈال کر تر حالت میں یا تیل کی شکل میں ذخیرہ کرتے ہیں۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام محمد رحمہم اللہ، اور اکثر فقہاء کے نزدیک زیتون میں بھی عشر ہے، امام شافعی رحمہ اللہ سے وجوب اور عدم وجوب کے دونوں اقوال مروی ہیں، البتہ امام مالک رحمہ اللہ زیتون کے تیل سے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے موقف کے مطابق زیتون کے قلیل و کثیر پھل سے عشر نکالنے کے قائل ہیں، ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ جب زیتون کا پھل اتنا ہو کہ خشک ہو کر نصاب کو پہنچ جائے یا جس صورت میں بھی اسے ذخیرہ کیا جا رہا ہو اگر وہ نصاب کے بقدر ہو تو اس سے عشر واجب ہے اور وہ کسی بھی صورت میں حتی کہ قیمت کی شکل میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ مِنَ الزَّيْتُونِ الْعُشْرُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: زیتون سے عشر صرف اس وقت

[683] (مقطوع صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 125 (7455)، وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 278 (2327)، عبدالرزاق: 7193۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

بَعْدَ أَنْ يُعْصَرَ ، وَيَبْلُغَ زَيْتُونُهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ ، فَمَا لَمْ يَبْلُغْ زَيْتُونُهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ ، فَلا زَكَاةَ فِيهِ .

لیا جائے گا جب اسے نچوڑ لیا جائے (کشید کر کے اس کا تیل نکال لیا جائے) اور اس کا پھل پانچ وسق کو پہنچ جائے، چنانچہ جو زیتون کا پھل پانچ وسق کو نہ پہنچے اس میں کوئی زکاۃ نہیں ہے۔

فائدہ :...... نصاب کی تکمیل تو پھل ہی سے ہوگی لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عشر کی ادائیگی اس کے تیل میں سے ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالزَّيْتُونُ بِمَنْزِلَةِ النَّخِيلِ ، مَا كَانَ مِنْهُ سَقَتْهُ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ ، أَوْ كَانَ بَعْلاً ، فَفِيهِ الْعُشْرُ ، وَمَا كَانَ يُسْقَى بِالنَّضْحِ ، فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ ، وَلا يُخْرَصُ شَيْءٌ مِنَ الزَّيْتُونِ فِي شَجَرِهِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زیتون کھجور ہی کی مثل ہے چنانچہ اس میں سے جس زیتون کو آسمان یا چشمے سیراب کریں یا وہ جڑوں سے (پانی) کھینچنے والی فصل ہو تو اس میں دسواں حصہ (عشر) ہے اور جس کو (اونٹوں کے ذریعے دور سے پانی لا کر یا رہٹ کے ذریعے) سینچ کر پانی دیا جائے، اس میں بیسواں حصہ ہے اور درخت میں موجود زیتون کے کسی پھل کا تخمینہ و اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔

فائدہ :...... کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک صرف کھجور اور انگور ہی کے لیے تخمینہ لگانے کا حکم خاص ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالسُّنَّةُ عِنْدَنَا فِي الْحُبُوبِ الَّتِي يَدَّخِرُهَا النَّاسُ وَيَأْكُلُونَهَا ، أَنَّهُ يُؤْخَذُ مِمَّا سَقَتْهُ السَّمَاءُ مِنْ ذَلِكَ ، وَمَا سَقَتْهُ الْعُيُونُ ، وَمَا كَانَ بَعْلاً : الْعُشْرُ ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ : نِصْفُ الْعُشْرِ : إِذَا بَلَغَ ذَلِكَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ ، بِالصَّاعِ الْأَوَّلِ ، صَاعِ النَّبِيِّ ﷺ : وَمَا زَادَ عَلَى خَمْسَةِ أَوْسُقٍ ، فَفِيهِ الزَّكَاةُ بِحِسَابِ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ غلے جن کو لوگ ذخیرہ کرتے اور کھاتے ہیں ان میں ہمارے نزدیک سنت یہ ہے کہ ان میں سے جس جس کو آسمان یا چشمے سیراب کریں اور جو جڑوں ہی سے سیراب ہو اس میں دسواں حصہ ہے اور جسے سینچ کر پانی دیا جائے اس میں بیسواں حصہ لازم ہے، بشرطیکہ وہ اس "صاع" کے مطابق پانچ وسق کو پہنچ جائے جو پہلے سے موجود تھا یعنی صاعِ نبوی اور جو غلہ پانچ وسق سے زائد ہوگا اس میں اسی حساب سے (دسواں یا بیسواں حصہ) زکاۃ لازم ہوگی۔

قَالَ مَالِكٌ : وَالْحُبُوبُ الَّتِي فِيهَا الزَّكَاةُ :

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جن غلہ جات میں زکاۃ پڑتی ہے

الْحِنْطَةُ، وَالشَّعِيرُ، وَالسُّلْتُ، وَالذُّرَةُ، وَالدُّخْنُ، وَالأُرْزُ، وَالْعَدَسُ، وَالْجُلْبَانُ، وَاللُّوبِيَا، وَالْجُلْجُلَانُ, وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الْحُبُوبِ الَّتِي تَصِيرُ طَعَاماً، فَالزَّكَاةُ تُؤْخَذُ مِنْهَا بَعْدَ أَنْ تُحْصَدَ وَتَصِيرَ حَبًّا . قَالَ : وَالنَّاسُ مُصَدَّقُونَ فِي ذَلِكَ، وَيُقْبَلُ مِنْهُمْ فِي ذَلِكَ مَا دَفَعُوا .

وہ یہ ہیں : گندم، (چھلکے والا) جو، بغیر چھلکے کے جو (آش جو)، مکئی، باجرہ (کنگنی)، چاول، مسور، مٹر، لوبیا، تل اور وہ تمام غلے جو ان کے مشابہ ہوں، جوطعام (کھانے کے قابل) بن جاتے ہوں، ان تمام سے زکاۃ وصول کی جائے گی بعد اس کے کہ وہ کاٹ لیے جائیں اور (کوٹ کر یا تھریشر کے ذریعے صاف) دانے بنا لیے جائیں، انھوں نے فرمایا کہ اس (ذخیرہ شدہ اناج کی زکاۃ اور نصاب کے حوالے سے) لوگوں (کے قول) کی تصدیق کی جائے گی اور اس میں وہ جس قدر ادا کریں اسے ان سے قبول کر لیا جائے گا۔

فائدہ :...... "سُلْت" جو کی ایک قسم ہے جو حجاز کے علاقے میں پیدا ہوتی ہے اور اس کے دانوں پر چھلکا نہیں ہوتا۔ (ذُرَة) کے معنی جوار کے بھی کیے گئے ہیں لیکن راجح معنی مکئی کے ہیں، البتہ شکل کے اعتبار سے ان کی فصلیں ملتی جلتی ہیں۔ (جُلْبَان) کے معنی ماش اور مٹر کابلی کیے گئے ہیں، راجح معنی مٹر کے ہیں۔ ((جُلْجُلَان)) کے معنی تل کے بھی ہیں اور یہ لفظ دھنیا کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

قَالَ يَحْيَى : وَسُئِلَ مَالِكٌ مَتَى يُخْرَجُ مِنَ الزَّيْتُونِ، الْعُشْرُ أَوْ نِصْفُهُ، أَقَبْلَ النَّفَقَةِ أَمْ بَعْدَهَا ؟ فَقَالَ : لا يُنْظَرُ إِلَى النَّفَقَةِ، وَلَكِنْ يُسْأَلُ عَنْهُ أَهْلُهُ، كَمَا يُسْأَلُ أَهْلُ الطَّعَامِ عَنِ الطَّعَامِ، وَيُصَدَّقُونَ بِمَا قَالُوا : فَمَنْ رُفِعَ مِنْ زَيْتُونِهِ خَمْسَةُ أَوْسُقٍ فَصَاعِداً، أُخِذَ مِنْ زَيْتِهِ الْعُشْرُ بَعْدَ أَنْ يُعْصَرَ، وَمَنْ لَمْ يُرْفَعْ مِنْ زَيْتُونِهِ خَمْسَةُ أَوْسُقٍ لَمْ تَجِبْ عَلَيْهِ فِي زَيْتِهِ الزَّكَاةُ .

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ زیتون سے عشر کب نکالا جائے گا؟ (کیا فصل پر ہونے والے) اخراجات اور خرچہ (نکالنے) سے پہلے یا اس (کے نکال لینے) کے بعد؟ تو انھوں نے فرمایا کہ خرچے کی طرف دیکھا بھی نہ جائے گا بلکہ اس (زیتون) کے متعلق اس کے مالکوں سے پوچھا جائے گا جس طرح کہ (دوسرے) اناج والوں سے اناج کے متعلق پوچھا جاتا ہے اور وہ جو کچھ بھی کہیں ان کی تصدیق کی جائے گی، چنانچہ جس کے زیتون میں سے پانچ وسق یا اس سے زیادہ (پھل) حاصل ہوا تو اس کے زیتون کا تیل نچوڑنے کے بعد اس سے عشر وصول کیا جائے گا اور جس کے زیتون سے پانچ وسق پھل حاصل نہ ہوا تو اس کے زیتون کے تیل میں کوئی زکاۃ واجب نہ ہوگی۔

فائدہ :...... ہمارے علاقوں میں اکثر زمیندار عشر نہیں نکالتے اور جو نکالتے ہیں وہ اس میں طرح طرح سے

کمی کی کوشش کرتے ہیں، فصل کی تیاری میں جو اخراجات آتے ہیں کوئی ان میں سے کٹائی کو مستثنیٰ کرتا ہے تو کوئی تھریشر کو، کوئی کھاد، ٹریکٹر اور ادویات وغیرہ کے خرچے نکالتا ہے تو کوئی ٹھیکے کو نکالتا ہے...... ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ کسی قسم کے اخراجات کو نکالے بغیر تمام حاصل شدہ فصل میں سے عشر نکالا جائے گا کیونکہ یہ مختلف قسم کے اخراجات (مزدوروں سے کٹائی کرانا، دانے نکلوانا وغیرہ) دورِ نبوی ﷺ میں بھی موجود تھے، اس وقت بھی زمینیں ٹھیکے پر دینے کا معاملہ ہوتا تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے ان میں سے کسی چیز کا عشر کے معاملے میں اعتبار نہیں کیا سوائے پانی کی محنت کے، چنانچہ اگر فصل کو سیراب کرنے میں قدرتی عوامل ہی کارفرما رہے ہوں یعنی بارش یا چشمے وغیرہ تو پھر نصاب کو پہنچنے والے اناج کی دس ڈھیریاں کر کے ایک ڈھیری بطور زکاۃ (عشر) نکالی جائے گی اور اگر پانی پلانے کے لیے زمیندار کو کافی محنت کرنا پڑی ہو، مثلاً ٹیوب ویل سے بجلی خرچ کر کے یا قیمتاً پانی لے کر یا دور دور سے جانوروں پر لاد کر یا گاڑیوں اور ٹینکروں کے ذریعے پانی لانا پڑے تو پھر شریعت نے عشر ہی کو آدھا کر دیا ہے، دس کی بجائے بیس ڈھیریاں کر کے ان میں سے ایک ڈھیری نکالی جائے گی۔ شریعت نے جس چیز کا اعتبار کرنا تھا، کرلیا اور بتادیا لیکن ہم اس سے بھی جان چھڑانے کے چکروں میں پڑے رہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے زمین ٹھیکے پر لی ہے، ٹھیکہ بھی ادا کرنا ہے اور وہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ مکمل حاصل شدہ فصل بھی اسے پورا نہیں کرسکتی تو عشر کہاں سے ادا کریں...... یہ محض ایک فریب ہے، گویا یہ لوگ رب کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں، اگر واقعی ٹھیکے پر لینا نقصان اور خسارے والا کام ہے تو اسے اختیار ہی کیوں کیا، یہ محض ایک بہانہ ہے، اگر ایک فصل سے ٹھیکہ پورا نہیں ہوتا تو کیا ہوا، باقی سارے سال کی فصلیں کتنے گنا زائد منافع دینے والی ہیں، یاد رہے کہ یہ خرچوں کو نکالنے کے بہانے بنانے والے لوگ رب کو ایک اور داؤ لگانے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ اگر یہ لوگ ٹریکٹر، ادویات وغیرہ جیسے اخراجات نہ کرتے، ٹھیکے پر زمین نہ لیتے تو ان کے پاس پڑی ہوئی دولت پر زکاۃ پڑتی، تو یہ لوگ ادھر زکاۃ سے بچتے ہیں اور ادھر عشر سے بھاگتے ہیں، خوش دلی سے اور وسعتِ قلبی سے رب کا حق نکالیے، پھر دیکھیے آپ کی زمینیں کیسے سونا اگاتی ہیں۔ پاکستان کی اکثر زمینوں کے لیے نہری پانی ناکافی رہتا ہے اور قیمتاً پانی لینا پڑتا ہے اس لیے ان پر عشر کی مقدار دسویں کی بجائے بیسواں حصہ پڑتی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ بَاعَ زَرْعَهُ وَقَدْ صَلَحَ وَيَبِسَ فِي أَكْمَامِهِ، فَعَلَيْهِ زَكَاتُه، وَلَيْسَ عَلَى الَّذِي اشْتَرَاهُ زَكَاةٌ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی کھیتی کو اس حال میں بیچا کہ وہ صلاحیت والی ہوچکی تھی اور اپنے خوشوں (سٹوں) میں خشک ہوچکی تھی تو اسی (بیچنے والے) پر زکاۃ لازم ہے اور جس شخص نے اسے خریدا ہے اس پر کوئی زکاۃ نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَصْلُحُ بَيْعُ الزَّرْعِ، حَتَّى

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کھیتی کی خرید و فروخت جائز ہی

يَيْبَسَ فِي أَكْمَامِهِ وَيَسْتَغْنِيَ عَنِ الْمَاءِ .

نہیں یہاں تک کہ وہ اپنے سٹوں (بالیوں، خوشوں وغیرہ) میں خشک ہو جائے اور پانی سے بے نیاز ہو جائے۔

فائدہ : ......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ((اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتّٰى يَسْوَدَّ وَ عَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتّٰى يَشْتَدَّ)) ''یقیناً نبی کریم ﷺ نے انگوروں کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہو جائیں اور اناج کی خرید وفروخت سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ سخت ہو جائے۔'' (ابوداود: 1371، ترمذی: 1228، ابن ماجه: 2217، مسند احمد: 3/ 221، 250، اس کی سند صحیح ہے۔) بہر حال جب فصل تیار ہو جائے تو کسی ماہر سے اندازہ لگوا کر کٹائی سے قبل ہی اس کی خرید وفروخت ہو سکتی ہے، جمہور اسی کے قائل ہیں، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صاف دانے حاصل کرنے کے بعد ہی خرید وفروخت جائز ہے تاکہ کوئی دھوکا نہ ہو جائے، حالانکہ اگر یہ شرط ہوتی تو نبی کریم ﷺ ممانعت کو صرف دانہ سخت ہونے تک محدود نہ رکھتے ...... یاد رہے کہ اناج والی فصلوں مثلاً گندم وغیرہ سے بسا اوقات جانوروں کے چارے کا کام لیا جاتا ہے اور اناج حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں ان کی خرید وفروخت سٹے نکلنے سے پہلے بھی جائز ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ [الأنعام : 141] أَنَّ ذَلِكَ الزَّكَاةُ والله أَعْلَم ، وَقَدْ سَمِعْتُ مَنْ يَقُولُ ذَلِكَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام 141:6) ''اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔'' کی تفسیر میں فرمایا کہ بلاشبہ اس سے مراد زکاۃ (عشر) ہے اور (حقیقت حال تو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور یقیناً میں نے ان (اہل علم و اہل تفسیر) کو (خود) سنا ہے جو یہ (تفسیر) بیان کیا کرتے تھے۔

فائدہ : ......اس آیت کے لفظ ''حصاد'' کی حاء پر مشہور قراءت زبر کی ہے اور زیر کی قراءت بھی ثابت ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں تین اقوال ہیں۔ (۱) عشر (دسواں یا بیسواں حصہ) مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیّب، حسن، طاؤس، ضحاک اور جمہور کا یہی قول ہے اور یہی راجح ہے۔ (۲) زکاۃ کے علاوہ عام صدقہ جو کٹائی کے وقت آنے والے مساکین پر کیا جاتا ہے، یہ قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سفیان بن عیینہ وغیرہ کا ہے۔ (۳) یہ منسوخ ہے، اور یہ قول سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور محمد بن حنفیہ رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : وَمَنْ بَاعَ أَصْلَ حَائِطِهِ ، أَوْ أَرْضَهُ ، وَفِي ذَلِكَ زَرْعٌ أَوْ ثَمَرٌ ، لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهُ ، فَزَكَاةُ ذَلِكَ عَلَى الْمُبْتَاعِ ، وَإِنْ كَانَ قَدْ طَابَ وَحَلَّ بَيْعُهُ ، فَزَكَاةُ ذَلِكَ عَلَى

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے باغ کی جڑ (یعنی درخت) یا اپنی زمین کو اس حال میں بیچا کہ اس میں ایسی کھیتی یا پھل تھا جس کی صلاحیت ظاہر نہ ہوئی تھی تو اس کی زکاۃ خریدار پر ہوگی اور اگر وہ (کھیتی یا پھل) عمدہ

الْبَائِعِ ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَهَا عَلَى الْمُبْتَاعِ .

ہو چکا ہو اور اس کی خرید وفروخت جائز ہو چکی ہو تو پھر اس پھل یا کھیتی کی زکاۃ بیچنے والے پر ہوگی الا یہ کہ وہ خریدار پر شرط لگالے کہ وہی (خریدکر اس کی) زکاۃ دے گا۔

فائدہ : ...... یادرہے کہ پکنا ظاہر ہونے سے پہلے پہلے صرف پھل یا کھیتی کی خرید وفروخت منع ہے، زمین، پودے اور درخت سمیت کی بیع منع نہیں، چنانچہ اگر کسی شخص کو اپنی زمین یا درخت ہی بیچنے پڑ جائیں جن میں کچا یا پکا پھل یا کھیتی ہو تو ہر دو صورت میں خرید وفروخت جائز ہے، البتہ اس کھیتی یا پھل کی زکاۃ کس کے ذمے ہوگی، اس مذکورہ فتویٰ میں یہی واضح کیا گیا ہے۔

21- بَابٌ: مَالَازَكَاةَ فِيهِ مِنَ الثِّمَارِ

ان پھلوں کا بیان جن میں زکاۃ نہیں ہے

خلاصۃ الباب: اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے سات فتاویٰ جات مذکور ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا كَانَ لَهُ مَا يَجُدُّ مِنْهُ ، أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ ، وَمَا يَقْطُفُ مِنْهُ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ مِنَ الزَّبِيبِ ، وَمَا يَحْصُدُ مِنْهُ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ مِنَ الْحِنْطَةِ ، وَمَا يَحْصُدُ مِنْهُ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ مِنَ الْقُطْنِيَّةِ ، إِنَّهُ لَا يُجْمَعُ عَلَيْهِ بَعْضُ ذَلِكَ إِلَى بَعْضٍ ، وَإِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ زَكَاةٌ ، حَتَّى يَكُونَ فِي الصِّنْفِ الْوَاحِدِ مِنَ التَّمْرِ ، أَوْ فِي الزَّبِيبِ ، أَوْ فِي الْحِنْطَةِ ، أَوْ فِي الْقُطْنِيَّةِ ، مَا يَبْلُغُ الصِّنْفُ الْوَاحِدُ مِنْهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ ، بِصَاعِ النَّبِيِّ ﷺ ، كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ . قَالَ : وَإِنْ كَانَ فِي الصِّنْفِ الْوَاحِدِ مِنْ تِلْكَ الأَصْنَافِ مَا يَبْلُغُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ ، فَفِيهِ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: آدمی کے پاس جب اتنا سا (پھل) ہو کہ جس سے وہ چار وسق کھجور ہی حاصل کر سکتا ہو اور اس سے چار وسق منقّی ہی حاصل کر سکتا ہو اور اس سے چار وسق گندم ہی کٹائی کر سکتا ہو اور اس سے چار وسق دالوں ہی کو حاصل کر سکتا ہو تو بلاشبہ اس پر ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملا کر جمع نہ کیا جائے گا (کیونکہ سب الگ الگ اجناس ہیں اور کوئی بھی نصاب کو نہیں پہنچ رہی) اور بلاشبہ اس (آدمی) پر ان میں سے کسی بھی چیز میں زکاۃ لازم نہیں ہوگی یہاں تک کہ کسی ایک قسم میں خواہ وہ کھجور سے ہو یا منقّی سے یا گندم سے یا دالوں سے (اس میں) اتنی مقدار ہو جائے کہ وہ قسم نبی کریم ﷺ والے صاع کے حساب سے پانچ وسق تک پہنچ جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے: (لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ) ''جو کھجور پانچ وسق سے کم ہو اس میں زکاۃ

الزَّكَاةُ، فَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ فَلَا زَكَاةَ فِيهِ. قَالَ مَالِكٌ: وَتَفْسِيرُ ذَلِكَ: أَنْ يَجُذَّ الرَّجُلُ مِنَ التَّمْرِ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، وَإِنِ اخْتَلَفَتْ أَسْمَاؤُهُ وَأَلْوَانُهُ، فَإِنَّهُ يُجْمَعُ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ، ثُمَّ يُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ الزَّكَاةُ، فَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ فَلَا زَكَاةَ فِيهِ.

نہیں ہے''...... امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اگر ان تمام قسموں (کے اناج) میں سے کسی ایک قسم میں اتنی مقدار ہو جو پانچ وسق کو پہنچ جائے تو اس میں زکاۃ ہے اور اگر پانچ وسق کو نہ پہنچے تو اس میں زکاۃ نہیں ہے......امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی (مزید) تفصیل کچھ یوں ہے کہ آدمی کھجوروں (کے درختوں) سے پانچ وسق (پھل) اتارتا ہے، اگرچہ ان (توڑی جانے والی کھجوروں) کے نام اور رنگ مختلف ہوں تو بلاشبہ ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ جمع کیا جائے گا (کیونکہ ان سب کو کھجور ہی کہتے ہیں، بس ورائٹی الگ الگ ہے لہٰذا ان سب کا اکٹھا وزن کیا جائے گا) پھر اس میں سے زکاۃ وصول کی جائے گی اور اگر وہ (سب مال مل کر بھی) اس نصاب کو نہ پہنچے تو پھر اس میں کوئی زکاۃ بھی نہیں ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَلِكَ الْحِنْطَةُ كُلُّهَا: السَّمْرَاءُ، وَالْبَيْضَاءُ، وَالشَّعِيرُ، وَالسُّلْتُ، كُلُّ ذَلِكَ صِنْفٌ وَاحِدٌ، فَإِذَا حَصَدَ الرَّجُلُ مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، جُمِعَ عَلَيْهِ بَعْضُ ذَلِكَ إِلَى بَعْضٍ، وَوَجَبَتْ فِيهِ الزَّكَاةُ، فَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ، فَلَا زَكَاةَ فِيهِ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح ہی ہر قسم کی گندم کا معاملہ ہے، خواہ وہ گندمی رنگ کی ہو یا سفید اور خواہ وہ چھلکے دار جو (شکل میں) ہو یا بغیر چھلکے کے، یہ سب (کی سب انواع) ایک ہی قسم ہے، چنانچہ جب آدمی ان تمام میں سے پانچ وسق کٹائی (کر کے حاصل) کر لے تو ان کو ایک دوسرے کے ساتھ جمع کیا جائے گا اور اس (مجموعے) میں زکاۃ واجب ہوگی، البتہ اگر وہ اس نصاب کو نہ پہنچے تو پھر اس میں کوئی زکاۃ نہیں ہے۔

فائدہ:...... امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک گندم اور جو الگ الگ اجناس نہیں ہیں بلکہ یہ سب گندم کی قسمیں ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گندم اور جو الگ الگ اجناس ہیں، ہاں گندم میں رنگوں کا اور جو میں چھلکوں کا فرق ہوتا ہے، گندمی اور سفید گندم کا اکٹھا حساب ہوگا اور جو خواہ چھلکے والا ہو یا نہ، اس کا بھی اکٹھا حساب ہوگا بلکہ ابن رشد کے بقول تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک چھلکے والا جو اور چھلکے سے خالی جو بھی دو الگ الگ اجناس ہیں اور ان کا الگ الگ حساب ہوگا، ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ گندم اور جو الگ الگ شمار ہوں گے البتہ گندم کی سب قسمیں اور جو کی تمام قسمیں باہم اکٹھی شمار ہوں گی۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَلِكَ الزَّبِيبُ كُلُّهُ أَسْوَدُهُ وَأَحْمَرُهُ، فَإِذَا قَطَفَ الرَّجُلُ مِنْهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، وَجَبَتْ فِيهِ الزَّكَاةُ، فَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح ہی ہر قسم کے منقّٰی (خشک انگور) کا حال ہے، خواہ وہ سیاہ ہو یا سرخ، چنانچہ جب آدمی اس میں سے پانچ وسق کی مقدار توڑ لے تو اس میں

ذَلِكَ فَلَا زَكَاةَ فِيهِ .

زکاۃ واجب ہے، اور اگر وہ اس مقدار کو نہ پہنچے تو اس میں کوئی زکاۃ نہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَكَذَلِكَ الْقُطْنِيَّةُ ، هِيَ صِنْفٌ وَاحِدٌ ، مِثْلُ الْحِنْطَةِ ، وَالتَّمْرِ ، وَالزَّبِيبِ ، وَإِنِ اخْتَلَفَتْ أَسْمَاؤُهَا وَأَلْوَانُهَا ، وَالْقُطْنِيَّةُ : الْحِمَّصُ ، وَالْعَدَسُ ، وَاللُّوبِيَا ، وَالْجُلْبَانُ ، وَكُلُّ مَا ثَبَتَ مَعْرِفَتُهُ عِنْدَ النَّاسِ أَنَّهُ قُطْنِيَّةٌ ، فَإِذَا حَصَدَ الرَّجُلُ مِنْ ذَلِكَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ بِالصَّاعِ الْأَوَّلِ ، صَاعِ النَّبِيِّ ﷺ ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَصْنَافِ الْقُطْنِيَّةِ كُلِّهَا ، لَيْسَ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ مِنَ الْقُطْنِيَّةِ ، فَإِنَّهُ يُجْمَعُ ذَلِكَ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ ، وَعَلَيْهِ فِيهِ الزَّكَاةُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اسی طرح ہی دالوں کا معاملہ ہے، وہ سب کی سب، گندم، کھجور اور منقی کی طرح ایک ہی جنس شمار ہوں گی، اگرچہ ان کے نام اور رنگ مختلف ہیں اور دالوں سے مراد چنا، مسور، لوبیا اور ماش ہیں اور ہر وہ چیز بھی جو لوگوں میں دال کی حیثیت سے معروف ہو، تو جب آدمی اس (دالوں کے مجموعے) سے پہلے صاع یعنی صاعِ نبوی ﷺ کے حساب سے پانچ وسق کٹائی کر کے حاصل کر لے، اگرچہ یہ (مقدار) دالوں کی تمام قسموں کے مجموعے سے پوری ہو، ان میں سے کسی ایک قسم سے پوری نہ ہو تو وہ ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ جمع کرے گا اور اس پر اس (مجموعے) میں زکاۃ ہے۔

فائدہ : ...... قُطْنِيَّہ (قاف کے کسرہ یا ضمہ کے ساتھ) سالن کے طور پر پکائے جانے والے خشک اناج کو کہتے ہیں جسے ہمارے علاقوں میں ''دالیں'' کہا جاتا ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ان تمام کو ایک ہی جنس شمار کیا جائے گا جبکہ باقی تمام ائمہ وفقہاء اور اہل حدیث کے نزدیک یہ سب الگ الگ اجناس ہیں اور سب کا الگ الگ نصاب شمار ہوگا حتی کہ بعض مالکی فقہاء بھی جمہور کی طرح انھیں الگ الگ ہی شمار کرتے ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ : وَقَدْ فَرَّقَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بَيْنَ الْقُطْنِيَّةِ ، وَالْحِنْطَةِ ، فِيمَا أُخِذَ مِنَ النَّبَطِ ، وَرَأَى أَنَّ الْقُطْنِيَّةَ كُلَّهَا صِنْفٌ وَاحِدٌ ، فَأَخَذَ مِنْهَا الْعُشْرَ ، وَأَخَذَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالزَّبِيبِ نِصْفَ الْعُشْرِ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دالوں اور گندم کے درمیان اس (محصول) میں فرق کیا تھا جو انھوں نے (ملک شام کے) عیسائی تاجروں سے وصول کیا تھا، انھوں نے تمام دالوں کو ایک ہی قسم (کی جنس) خیال کیا تھا اور اس سے دسواں حصہ (ٹیکس، محصول) وصول کیا تھا اور گندم و منقی سے بیسواں حصہ وصول کیا تھا۔

فائدہ : ...... یہ غیر مسلموں سے لیا جانے والا تجارتی ٹیکس تھا نہ کہ زکاۃ۔ اور گندم و منقی سے ٹیکس کی مقدار اس لیے کم رکھی تھی تا کہ یہ تاجر طبقہ مدینہ منورہ آتے وقت گندم اور منقی زیادہ لائیں ...... امام مالک رحمہ اللہ نے اگرچہ اسے دلیل

بنایا ہے لیکن یہ چند وجوہ سے دلیل نہیں بنتی۔ (1) ایک یہ کہ یہ مسلمانوں کی زکاۃ کا معاملہ نہ تھا (2) انھوں نے گندم اور منقی کے بھی مجموعے سے بیسواں حصہ لیا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی بھی گندم اور منقی کو ایک جنس شمار نہیں کرتا نیز (3) ان کا نرخ اور تاثیر بھی الگ الگ ہے۔ کچھ وضاحت آئندہ مسئلے میں آرہی ہے۔

قَالَ مَالِكٌ : فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ : كَيْفَ يُجْمَعُ الْقُطْنِيَّةُ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ فِي الزَّكَاةِ، حَتَّى تَكُونَ صَدَقَتُهَا وَاحِدَةً، وَالرَّجُلُ يَأْخُذُ مِنْهَا اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ يَداً بِيَدٍ، وَلَا يُؤْخَذُ مِنَ الْحِنْطَةِ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ يَداً بِيَدٍ ؟ قِيلَ لَهُ : فَإِنَّ الذَّهَبَ وَالْوَرِقَ يُجْمَعَانِ فِي الصَّدَقَةِ، وَقَدْ يُؤْخَذُ بِالدِّينَارِ أَضْعَافُهُ فِي الْعَدَدِ مِنَ الْوَرِقِ يَداً بِيَدٍ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ تمام دالوں کو ایک دوسرے کے ساتھ زکاۃ کے معاملے میں جمع کیوں کیا جاتا ہے (اس مقصد کی خاطر) کہ ان تمام کی زکاۃ ایک ہی ہو (اور اس عمل سے یہ ثابت ہو کہ یہ سب ایک ہی جنس ہیں) اور (حالانکہ خرید وفروخت اور سود کے معاملے میں صورت حال یہ ہے کہ) آدمی ان دالوں میں سے ایک کے بدلے دو (گنا) نقد و نقد لے سکتا ہے اور (یہ کمی بیشی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دالیں الگ الگ اجناس ہیں، کیونکہ ایک ہی جنس کی چیزوں کا تبادلہ کرتے وقت کمی بیشی بالکل حرام اور سود ہے جسے ربا الفضل کہتے ہیں، جیسا کہ) گندم (کے باہمی تبادلے) میں ایک کے بدلے دو (گنا) نقد و نقد حاصل نہیں کیے جا سکتے (کیونکہ خواہ وہ گندمی رنگ کی ہو یا سفید، وہ گندم ہی کہلاتی ہے اور ایک ہی جنس شمار ہوتی ہے) ......تو اس (اعتراض کرنے والے) سے کہا جائے گا کہ (اس کی مثال امام مالک رحمہ اللہ کے موقف کے مطابق سونے چاندی کی سی ہے، چنانچہ) بے شک سونا اور چاندی بھی زکاۃ (کے معاملے) میں جمع کیے جاتے ہیں اور (خرید وفروخت کے معاملے میں یہ الگ الگ قسم کی چیزیں ہیں اسی لیے) یقیناً ایک دینار کے بدلے تعداد میں اس سے کئی گنا زیادہ چاندی (درہموں کی صورت میں) نقد و نقد لی جاتی ہے۔

فائدہ : ......اس میں بھی امام مالک رحمہ اللہ متفرد ہیں کہ سونے چاندی کو زکاۃ کے معاملے میں ایک جنس شمار کیا جائے اور خرید وفروخت میں الگ الگ ......اس مذکورہ فتوی کو سمجھنے کے لیے وہ مسئلہ ذہن میں رکھنا پڑے گا جو آگے کتاب البیوع میں آرہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف قسم کی چیزوں (نقدیاں اور اجناس) کے باہمی تبادلے کے متعلق دو شرطیں لگائی ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے سونا، چاندی، کھجور، گندم، نمک اور جو کا نام لے کر فرمایا کہ اگر تبادلے میں دونوں جانب ایک ہی نام کی چیز ہو یعنی دونوں جانب سونا ہو یا گندم کا گندم سے تبادلہ ہو رہا ہو تو (1) دونوں جانب وزن بالکل برابر ہونا چاہیے خواہ ایک طرف گھٹیا و ردی ہو اور دوسری طرف اعلیٰ ہو (2) یہ تبادلہ نقد و نقد کیا جائے، اگر یہ دونوں شرطیں یا ان میں سے کوئی ایک پوری نہ ہو تو یہ تبادلہ سود شمار ہوگا، چنانچہ اگر کمی زیادتی کی جائے تو اسے "ربا الفضل" کہتے ہیں

اور اگر ادھار کیا جائے تو اسے "ربا النسیئة" کہتے ہیں......پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تبادلے میں دونوں جانب جنس تبدیل ہو جائے، مثلاً ایک طرف گندم اور دوسری طرف جو ہو تو پھر ان کے اپنے اپنے نرخ کے لحاظ سے تفاضل یعنی وزن میں کمی بیشی جائز ہے لیکن دوسری شرط اب بھی لازم ہے کہ یہ سودا نقد ونقد ہو......امام مالک رحمہ اللہ نے بعض چیزوں کو زکاۃ کے معاملے میں ایک جنس شمار کیا ہے اور خرید وفروخت میں انھیں الگ الگ جنس شمار کرتے ہیں، مثلاً سونا چاندی اور دالیں، امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے موقف کے مطابق دالوں کو سونا چاندی پر قیاس کیا ہے لیکن باقی تمام فقہاء محدثین اور جمہور کے ہاں سونا ہو یا چاندی یا دالوں کی مختلف اقسام، یہ سب زکاۃ کے معاملے میں بھی الگ الگ جنسیں شمار ہیں اور خرید وفروخت کے معاملے میں بھی۔

قَـالَ مَالِكٌ فِي النَّخِيلِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَيَـجُـذَّانِ مِنْهَا ثَمَانِيَةَ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ: إِنَّهُ لَا صَـدَقَةَ عَلَيْهِمَا فِيهَا، وَإِنَّهُ إِنْ كَانَ لأَحَدِهِمَا مِـنْهَا مَا يَجُدُّ مِنْهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، وَلِلآخَرِ مَا يَـجُدُّ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ فِي أَرْضٍ وَاحِـدَةٍ، كَـانَـتِ الـصَّـدَقَةُ عَـلَـى صَاحِبِ الْـخَـمْسَةِ الأَوْسُـقِ، وَلَيْسَ عَلَى الَّذِي جَذَّ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ، أَوْ أَقَلَّ مِنْهَا صَدَقَةٌ.

امام مالک رحمہ اللہ نے کھجور کے اس درخت کے متعلق فرمایا: جو دو آدمیوں کے درمیان (مشترکہ) ہو، وہ دونوں اس سے آٹھ وسق کھجور توڑ لیتے ہیں، (فرمایا:) بلاشبہ ان دونوں میں سے کسی پر بھی ان کھجوروں میں زکاۃ لازم نہیں ہے (کیونکہ دونوں کی ملکیت میں چار چار وسق آتے ہیں اور کسی کا حصہ زکاۃ کے نصاب کو نہیں پہنچتا) ہاں اگر ان میں سے ایک اس (درخت) سے جو کچھ توڑتا ہے وہ پانچ وسق ہو اور دوسرے کے لیے اس درخت سے اس کا توڑا ہوا پھل چار وسق ہو یا اس سے بھی کم ہو، (تو اگرچہ دونوں کا مال) ایک ہی زمین میں (ہے لیکن) زکاۃ صرف پانچ وسق والے پر پڑے گی اور جس نے چار وسق یا اس سے کم مقدار میں پھل توڑا ہے اس پر کوئی زکاۃ نہیں ہے۔

قَـالَ مَـالِكٌ: وَكَـذَلِكَ الْـعَـمَلُ فِي الشُّرَكَاءِ كُـلِّهِـمْ، فِـي كُـلِّ زَرْعٍ مِـنَ الْحُبُوبِ كُلِّهَـا يُحْصَدُ، أَوِ النَّخْلُ يُجَذُّ، أَوِ الْكَرْمُ يُقْطَفُ، فَـإِنَّهُ إِذَا كَانَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ يَجُدُّ مِنَ التَّمْرِ، أَوْ يَـقْـطِفُ مِـنَ الـزَّبِيبِ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، أَوْ يَحْصُدُ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، فَعَلَيْهِ فِيهِ الـزَّكَـاةُ، وَمَـنْ كَـانَ حَـقُّـهُ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُـقٍ، فَـــلَا صَـدَقَةَ عَـلَيْهِ، وَإِنَّمَا تَجِبُ

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ہر قسم کی کھیتی اور اناج کے تمام شرکاء کے متعلق بھی یہی طریقہ کار ہے، جب بھی اس کھیتی کی کٹائی ہو یا کھجوروں سے پھل توڑا جائے، یا انگوروں کی بیلوں سے پھل چنا جائے، (تو سب شرکاء کا یہی معاملہ ہے) چنانچہ جب ان (شرکاء) میں سے ہر آدمی کھجوروں یا انگوروں سے پانچ پانچ وسق پھل توڑے یا گندم سے پانچ پانچ وسق (اناج کی) کٹائی کرے تو اس پر (ہر شریک پر) اس میں زکاۃ ہوگی اور جس کا حصہ پانچ وسق سے کم ہو تو اس

الـصَّدَقَةُ عَلَى مَنْ بَلَغَ جُدَادُهُ، أَوْ قِطَافُهُ، أَوْ حَصَادُهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ .

پر کوئی زکاۃ نہیں ہے۔ کیونکہ بلاشبہ زکاۃ تو صرف اسی پر عائد ہوتی ہے جس کا توڑا ہوا پھل یا چنا ہوا پھل یا کٹائی کیا ہوا اناج پانچ وسق کو پہنچ جائے۔

قَـالَ مَالِكٌ : السُّنَّةُ عِنْدَنَا : أَنَّ كُلَّ مَا أُخْرِجَتْ زَكَـاتُـهُ مِـنْ هَـذِهِ الأَصْـنَـافِ كُلِّهَا ، الْحِنْطَةِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيبِ وَالْحُبُوبِ كُلِّهَا ، ثُمَّ أَمْسَكَهُ صَـاحِبُــهُ بَـعْـدَ أَنْ أَدَّى صَدَقَتَـهُ سِنِينَ ، ثُمَّ بَاعَهُ، أَنَّهُ لَيْـسَ عَـلَيْهِ فِي ثَمَنِهِ زَكَاةٌ، حَتَّى يَـحُـولَ عَلَى ثَمَنِهِ الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ بَاعَهُ ، إِذَا كَـانَ أَصْـلُ تِـلْكَ الأَصْـنَـافِ مِنْ فَـائِدَةٍ أَوْ غَيْرِهَا ، وَأَنَّهُ لَـمْ يَكُنْ لِلتِّجَارَةِ ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ بِـمَـنْـزِلَةِ الـطَّـعَـامِ وَالْحُبُوبِ وَالْعُرُوضِ ، يُـفِـيـدُهَـا الـرَّجُـلُ ، ثُمَّ يُمْسِكُهَا سِنِينَ ، ثُمَّ يَبِيـعُهَا بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ ، فَـلا يَكُونُ عَلَيْهِ فِي ثَمَنِهَا زَكَاةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمَ بَـاعَـهَـا ، فَـإِنْ كَـانَ أَصْلُ تِلْكَ الْعُرُوضِ لِـلـتِّـجَـارَةِ ، فَعَلَى صَاحِبِهَا فِيهَا الزَّكَاةُ حِينَ يَبِيـعُهَـا ، إِذَا كَـانَ قَـدْ حَبَسَهَا سَنَةً ، مِنْ يَوْمَ زَكَّى الْمَالَ الَّذِي ابْتَاعَهَا بِهِ .

امام مالک ﷫ نے فرمایا: ہمارے نزدیک سنت یہی ہے کہ بے شک ان تمام قسم کی اجناس کھجور، گندم، منقی اور تمام قسم کے غلہ جات میں سے جس کی زکاۃ ادا کر دی جائے، پھر اس کا مالک اس کی زکاۃ ادا کر دینے کے بعد اسے اپنے پاس کئی سال تک روکے رکھے (ذخیرہ کیے رکھے)، پھر اسے بیچے تو بلاشبہ اس پر اس (غلے) کی قیمت میں کوئی زکاۃ نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اس کی قیمت پر پورا سال گزر جائے، اس دن سے شروع کر کے جس میں اس نے اسے بیچا تھا، (بشرطیکہ) جب یہ تمام قسم کی چیزیں ''فائدہ'' (مال وراثت، ہبہ، غنیمت) یا اس کے علاوہ (منافع) میں سے ہوں اور تجارت کے لیے نہ ہوں، بلاشبہ یہ (ذخیرہ شدہ مال) اس کھانے (میں استعمال ہونے والا اناج)، غلہ جات اور سامان کی طرح ہے جنھیں آدمی ''فائدے'' میں حاصل کرتا ہے، پھر اسے کئی سال تک روکے رکھتا ہے، پھر اسے سونے یا چاندی کے عوض بیچ دیتا ہے تو اس پر اس کی قیمت میں زکاۃ نہیں پڑتی، یہاں تک کہ اس پر پورا سال گزر جائے، اس دن سے (آغاز کر کے) جس میں اس نے اسے بیچا تھا، (ہاں) اگر یہ سامان اصل میں تجارت کے لیے ہو تو اس کے مالک پر اس میں اسی وقت زکاۃ لازم ہوگی جب وہ اسے بیچے گا بشرطیکہ جب اس نے اس (تجارتی مال) کو (کم از کم) ایک سال تک اپنے پاس روکا (اور ذخیرہ رکھا) ہو اس دن سے (شروع کر کے) جس میں اس (مالک) نے اس مال کی زکاۃ ادا کی تھی جس کے عوض اس نے اس (تجارتی مال) کو خریدا تھا۔

فائدہ :......یعنی تجارتی مال کی آمد و رفت اور خرید و فروخت تو ہوتی رہتی ہے آدمی نے اپنے پہلے تجارتی مال کی زکاۃ ادا کی، پھر اسے بیچ کر مزید سامان تجارت خرید لیا جو اس کے پاس کم از کم ایک سال پڑا رہا تو جیسے ہی اسے بیچے گا

اس کی ایک زکاۃ ادا کرے گا......اگر وہ ذخیرہ شدہ تجارتی مال کئی سال تک پڑا رہتا تو بھی امام صاحب کے نزدیک اسے بیچتے وقت گزشتہ تمام عرصے کی طرف سے صرف ایک زکاۃ پڑتی ہے یہ مسئلہ تو پیچھے باب: ۹ میں تفصیل سے گزر چکا ہے، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ تجارتی سامان پر حالت ذخیرہ میں سال یا زیادہ عرصہ گزر جائے تو اسے بیچتے وقت ہی اس کی زکاۃ ادا کرنا لازم ہے لیکن تجارت کے علاوہ کسی بھی قسم کا ملنے والا مال حالت ذخیرہ میں خواہ کتنا عرصہ پڑا رہے اسے بیچتے وقت کچھ لازم نہ ہوگا، ہاں اس کی قیمت پر مزید سال گزرے گا تو زکاۃ پڑے گی۔ ''فائدہ'' کے لفظ سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفصیل پیچھے دوسرے باب میں گزر چکی ہے۔

22- بَابٌ: مَالَا زَكَاةَ فِيْهِ مِنَ الْفَوَاكِهِ وَالْقَضْبِ وَالْبُقُوْلِ

ان پھلوں، ساگ اور سبزیوں کا بیان جن میں زکاۃ نہیں ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں صرف امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی مذکور ہے۔

فائدہ: ...... ''قَضْبٌ'' عموماً ساگ کو کہتے ہیں جو کہ سبزیوں میں شامل ہے، قضب کے معنی لمبی شاخوں والے درخت کے بھی ہیں۔

قَالَ مَالِكٌ: السُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا عِنْدَنَا، وَالَّذِي سَمِعْتُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُ لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْفَوَاكِهِ كُلِّهَا صَدَقَةٌ، الرُّمَّانِ، وَالْفِرْسِكِ، وَالتِّينِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، وَمَا لَمْ يُشْبِهْهُ إِذَا كَانَ مِنَ الْفَوَاكِهِ. قَالَ: وَلَا فِي الْقَضْبِ، وَلَا فِي الْبُقُولِ كُلِّهَا صَدَقَةٌ، وَلَا فِي أَثْمَانِهَا إِذَا بِيعَتْ صَدَقَةٌ، حَتَّى يَحُولَ عَلَى أَثْمَانِهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ بَيْعِهَا وَيَقْبِضُ صَاحِبُهَا ثَمَنَهَا.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ سنت جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں اور جسے میں نے اہل علم سے سنا یہ ہے کہ تمام پھلوں میں سے کسی میں بھی زکاۃ نہیں ہے، خواہ وہ انار ہو یا آڑو (شفتالو) ہو یا انجیر اور جو ان کے مشابہ ہے، اور جو ان (مذکورہ پھلوں) کے مشابہ تو نہ ہو (لیکن) وہ پھلوں میں سے ہی ہو (ان میں بھی زکاۃ نہیں ہے)، انھوں نے فرمایا: اور نہ ساگ میں اور (بلکہ) تمام سبزیوں (ترکاریوں) میں بھی زکاۃ نہیں ہے اور جب ان کو بیچا جائے تو ان کی قیمتوں میں بھی زکاۃ نہیں ہوگی یہاں تک کہ ان کی قیمتوں پر ایک سال گزر جائے اس دن سے (ابتدا کر کے) جس میں ان کا مالک انھیں بیچے اور ان کی قیمت اپنے قبضے میں لے لے۔

فائدہ: ...... جمہور ائمہ وفقہاء اور اہل حدیث اسی کے قائل ہیں کہ ہر وہ چیز جو ذخیرہ نہ ہو سکے اس میں عشر نہیں پڑے گا اور سبزیوں کا بھی یہی حال ہے، اس بارے میں متعدد روایات بھی موجود ہیں لیکن سنداً سب ضعیف ہیں، اسی لیے بعض تابعین اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ زمین سے نکلنے والی ہر چیز میں زکاۃ کے قائل ہیں (سوائے ایک دو چیزوں کے) اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ زمین سے نکلنے والی ہر چیز میں زکاۃ ہے، اگر وہ ماپی جا سکے تو اس کا نصاب پانچ وسق ہے

ورنہ ہر قلیل و کثیر پر زکاۃ ہے، بعض اہل حدیث بھی اسی طرف مائل نظر آتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ عہد نبوی کے مدینہ منورہ میں بھی سبزیاں موجود تھیں لیکن ان میں زکاۃ نکالنے کا تذکرہ کہیں بھی ثابت نہیں ہو سکا بلکہ سبزیوں میں سے زکاۃ نہ نکالنے کے متعلق متعدد روایات مروی ہیں جن میں سے بعض کو کچھ محدثین نے قابل حجت قرار دیا ہے۔ اگرچہ محققین کے ہاں وہ ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

23- بَابٌ: مَاجَاءَ فِيْ صَدَقَةِ الرَّقِيْقِ وَالْخَيْلِ وَالْعَسَلِ

غلام، گھوڑے اور شہد کی زکاۃ کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں چار روایات ہیں، ایک مرفوع، ایک موقوف اور دو مقطوع ہیں، ان میں سے موقوف ضعیف جبکہ باقی سب صحیح سند والی ہیں۔

[684] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ، وَلَا فِي فَرَسِهِ صَدَقَةٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں کوئی زکاۃ نہیں ہے۔''

فائدہ: ...... بشرطیکہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں بلکہ خدمت یا جہاد یا شکار وغیرہ کے لیے ہوں، خواہ ہزاروں کی تعداد میں ہوں، اگر وہ تجارتی مال میں شامل ہوئے تو پھر ان کی قیمت پر تجارتی مال کے حساب سے زکاۃ پڑتی رہے گی۔

[685] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ أَهْلَ الشَّامِ قَالُوا لِأَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ: خُذْ مِنْ خَيْلِنَا وَرَقِيقِنَا صَدَقَةً، فَأَبَى، ثُمَّ كَتَبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَأَبَى عُمَرُ، ثُمَّ كَلَّمُوهُ

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اہلِ شام نے (امیرِ شام) حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے گھوڑوں اور غلاموں سے بھی زکاۃ لے لیجیے تو انھوں نے انکار کر دیا، پھر (اس کے متعلق امیر المؤمنین) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی

---

[684] (مرفوع صحيح) صحيح البخاری، كتاب الزكاة، باب ليس على المسلم فی فرسه صدقة، حديث: 1463، 1464، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب لازكاة على المسلم فی عبده وفرسه، حديث: 982، ابوداود: 1595، ترمذی: 628، نسائی: 2469، ابن ماجه: 1812، احمد: 2/ 242 (7293)، دارمی: 1632.

[685] (موقوف ضعيف) بيهقی فی السنن الكبرى: 4/ 118، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 263 (2299)، وفی الخلافيات: 2/ 124، الشافعی فی الام: 7/ 236، عبدالرزاق: 4/ 35 (6887)۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

أَيْضاً فَكَتَبَ إِلَى عُمَرَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ: إِنْ أَحَبُّوا، فَخُذْهَا مِنْهُمْ، وَارْدُدْهَا عَلَيْهِمْ، وَارْزُقْ رَقِيقَهُمْ.

انکار کر دیا، پھر (کچھ عرصہ بعد) انھوں نے (اہل شام نے) ان سے (دوبارہ اسی بارے میں) بات چیت کی تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف (پھر ایک پیغام) لکھ بھیجا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف (یہ جواب) لکھا کہ اگر وہ پسند کرتے ہیں تو ان سے ان (غلاموں اور گھوڑوں) میں سے زکاۃ وصول کر لو اور اس (زکاۃ) کو انھیں) (کے مساکین وغیرہ) میں لوٹا دو اور (وہ زکاۃ) ان کے غلاموں کو بطور خوراک دے دو۔

قَالَ مَالِكٌ: مَعْنَى قَوْلِهِ -رَحِمَهُ اللّٰهُ- وَارْدُدْهَا عَلَيْهِمْ يَقُوْلُ: عَلَى فُقَرَائِهِمْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ ان پر رحمت فرمائے۔ کے فرمان ''اور اس (زکاۃ) کو انھیں میں لوٹا دو'' کے معنی یہ ہیں کہ اسے ان کے فقیروں پر خرچ کر دو۔

فائدہ: ......((وَارْزُقْ رَقِيْقَهُمْ)) کے مختلف مفہوم ممکن ہیں، مثلاً (1) اہل شام کے غلاموں اور لونڈیوں کا بیت المال سے وظیفہ لگا دو کیونکہ ان سے بھی جنگ وغیرہ میں تعاون تو لیا جاتا ہے۔ (2) اس لیے کہ وہ بھی ایسی زکاۃ نکال رہے ہیں جو ان پر فرض نہیں ہے تو اس کے بدلے تم ان کے غلاموں اور لونڈیوں ہی پر وہ مال خرچ کر دو۔ (3) جن غلاموں کو وہ زکاۃ کے طور پر نکالیں گے ان کو کھلانے پلانے کا خصوصی اہتمام کرو۔

[686] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ كِتَابٌ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي وَهُوَ بِمِنًى: أَنْ لَا يَأْخُذَ مِنَ الْعَسَلِ وَلَا مِنَ الْخَيْلِ صَدَقَةً.

عبداللہ بن ابی بکر عمرو بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خط میرے والد کے پاس اس وقت آیا جب وہ منٰی کے میدان میں تھے، (انھوں نے لکھا تھا) کہ نہ تو شہد سے زکاۃ لینا اور نہ ہی گھوڑوں سے۔

[687] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنْ صَدَقَةِ الْبَرَاذِينِ؟ فَقَالَ: وَهَلْ

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے ترکی گھوڑوں کی زکاۃ کے متعلق سوال کیا تو سعید رحمہ اللہ نے (جواباً) فرمایا: اور کیا

[686] (مقطوع صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 119، 127، وفى معرفة السنن والآثار: 3/ 283 (2330)، الشافعى فى الام: 2/ 39، ابوعبيد فى الاموال: 600۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

[687] (مقطوع صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 119، وفى معرفة السنن والآثار: 4/ 262 (2298)، وفى الخلافيات: 2/ 124، ابن ابى شيبة: 3/ 152، الشافعى فى الام: 2/ 26، وفى المسند: 1/ 412۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

فِي الْخَيْلِ مِنْ صَدَقَةٍ ! گھوڑوں میں بھی کوئی زکاۃ ہے؟

فائدہ : ...... یہ استفہام انکاری ہے، یعنی گھوڑوں میں زکاۃ نہیں ہے اور ترکی گھوڑے بھی گھوڑوں ہی کی جنس میں شامل ہیں۔

24- بَابٌ : جِزْيَةُ اَهْلِ الْكِتَابِ (وَالْمَجُوْسِ)

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں) سے جزیہ لینے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں پانچ روایات ہیں، دو مرفوع (احادیث نبویہ) ہیں جن میں سے ایک صحیح اور ایک حسن سند والی ہے، دو صحیح سند والی موقوف روایات (آثار صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں اور ایک مقطوع (اثر تابعی رحمہ اللہ) ہے جو سنداً ضعیف ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاویٰ جات بھی اس باب میں مذکور ہیں۔

فائدہ : ...... اہلِ کتاب میں یہود و نصاریٰ شامل ہیں، مجوسی آتش پرست قوم کا نام ہے، قرآن میں صرف اہل کتاب سے جزیہ لینے کا تذکرہ ہے۔ (التوبۃ 29:9) لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں سے بھی جزیہ وصول کیا جس سے معلوم ہوا کہ ہر اس غیر مسلم قوم سے جزیہ لیا جاسکتا ہے جو ذمّی بن جائے، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اہل کتاب اور مجوسیوں کے سوا کسی سے جزیہ نہ لیا جائے گا، باقی ہر قسم کے کافر سے صرف اسلام یا پھر جنگ اور قتل ہی کی بات ہوگی، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مشرکین عرب سے بھی جزیہ نہ لیا جائے گا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "دُوْمَةُ الْجَنْدَل" کے حکمران اُکَیدِر سے جزیہ پر مصالحت کی تھی (اور وہ مشرک عرب تھا)۔ (ابو داود: 3032۔ اس کی سند حسن ہے۔) امام مالک رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے ہاں مرتد کے سوا عرب و عجم کے تمام کفار سے جزیہ لینا درست ہے، یہی راجح ہے کیونکہ ایک روایت میں یہ الفاظ عام آئے ہیں: (مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ......) "جو بھی اللہ کے ساتھ کفر کرے"......(مسلم: 731) ...... کتاب الزکاۃ میں یہ مسئلہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ جس طرح زکاۃ بیت المال میں جمع ہوتی ہے اسی طرح جزیہ بھی وہیں جمع ہوتا ہے، نیز زکاۃ اور جزیہ دونوں ہی مالی واجبات ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ زکاۃ مسلمانوں سے جبکہ جزیہ کافروں سے لیا جاتا ہے۔

[688] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوسِ الْبَحْرَيْنِ، وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ

ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھیں یہ خبر پہنچی کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا اور بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فارس

---

[688] (مرفوع صحیح لغیره) جامع الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی اخذ الجزیة من المجوس، حدیث: 1588، ابن ابی شیبة: 12/ 242، الشافعی فی الام: 4/ 174، بیهقی فی السنن الکبری: 9/ 190، وفی المعرفة: 7/ 114 (5513) ۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

الْـخَـطَّابِ أَخَذَهَا مِنْ مَجُوسِ فَارِسَ ، وَأَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَخَذَهَا مِنَ الْبَرْبَرِ .

(ایران) کے مجوسیوں سے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بربر قوم سے جزیہ وصول کیا۔

فائدہ: ......بحرین جدید حد بندیوں کے لحاظ سے عرب کا وہ علاقہ (چھوٹا سا جزیرہ) ہے جو سعودی عرب کے بالکل مشرق میں خلیج فارس کے کنارے پر واقع ہے۔ بحرین کے شمال میں اور مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں قطر اور مغرب میں سعودیہ ہے، پہلے دور میں اس کا تعارف یوں کراتے تھے کہ یہ بصرہ اور عمان کے درمیان میں نجد کا علاقہ ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر بستی کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ (بخاری : 3157) دراصل اس وقت بحرین کا دار الخلافہ ''ہجر'' کا علاقہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو اہلِ بحرین سے جزیہ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مصالحت کر لی تھی اور ان پر حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا تھا (بخاری: 3158، مسلم: 2961) ......''بربر'' ایک نہایت سخت اور جنگجو قوم کا نام ہے جو شمالی افریقہ کے پہاڑوں میں آباد مختلف قبائل اور گروہوں کا مجموعہ ہے، ان کی سختی کی بنا پر سختی وتشدد کو بربریت کہا جاتا ہے، بعد ازاں یہ قوم مسلمان ہوگئی اور نہایت اعلی پائے کے مجاہدین کا گروہ ثابت ہوئی اور انھوں نے فاتح اندلس طارق بن زیادہ رحمہ اللہ کی قیادت میں یورپ میں اسلام پہنچایا۔

[689] وَحَـدَّثَـنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُـحَـمَّـدِ بْـنِ عَـلِـيٍّ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْـخَـطَّـابِ ذَكَـرَ الْـمَـجُوسَ فَقَالَ : مَا أَدْرِي كَيْفَ أَصْـنَـعُ فِي أَمْرِهِمْ . فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْـنُ عَـوْفٍ : أَشْهَـدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ .

جعفر رحمہ اللہ (المعروف امام جعفر صادق رحمہ اللہ) بن محمد بن علی رحمہ اللہ اپنے والد (محمد المعروف امام باقر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجوسیوں کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ مجھے نہیں علم کہ ان کے معاملے میں کیسے کروں؟ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: '' ان کے ساتھ اہل کتاب ہی کا طریقہ اختیار کرو۔''

فائدہ: ......اگرچہ سنداً یہ روایت منقطع ہے لیکن اس کا مفہوم بالکل ثابت ہے، چنانچہ ایک قوی درجے کی سند میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ نبویہ بیان کیے ہیں: ((اِنَّـمَـا الْـمَـجُـوْسُ طَائِفَةٌ مِنْ اَهْلِ

[689] (مرفوع حسن لغيره) بيهقى فى السنن الكبرى: 9/ 189، وفى الصغير: 4/ 4(3703)، ابن ابى شيبة: 3/ 224، عبدالرزاق: 6/ 68 (10025) ۔ شیخ سلیم ہلالی کہتے ہیں کہ یہ روایت ان لفظوں کے ساتھ تو ضعیف ہے لیکن شواہد کی بنا پر ثابت ہے اور اس کے قوی شواہد موجود ہیں۔

الْـكِتٰبِ فَاحْمِلُوْهُمْ عَلٰى مَا تَحْمِلُوْنَ عَلَيْهِ اَهْلَ الْكِتَابِ)) ''یقیناً مجوسی بھی اہل کتاب میں سے ایک گروہ ہیں، لہٰذا ان پر بھی وہی چیز عائد کرو جو تم اہل کتاب پر عائد کرتے ہو۔'' (طبرانی فی المعجم الاوسط : 3/ 375 (3442) ، ابونعیم اصفهانی فی معرفة الصحابة : 1/ 128(497) ، التلخيص الحبير لابن حجر : 3/ 172 ، نصب الراية للزيلعي: 3/ 449، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے حسن اور جید قرار دیا ہے، تحفة الطالب لابن كثير : ص 338) علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کئی ایک احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مجوسیوں سے جزیہ لینا ثابت ہے۔ (ارواء الغليل: 1249) ۔

[690] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ أَسْلَمَ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ضَرَبَ الْجِزْيَةَ عَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ : أَرْبَعَةَ دَنَانِيرَ ، وَعَلَى أَهْلِ الْوَرِقِ أَرْبَعِينَ دِرْهَماً ، مَعَ ذٰلِكَ أَرْزَاقُ الْمُسْلِمِينَ وَضِيَافَةُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ .

اسلم رحمہ اللہ جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سونے (سے جزیہ ادا کرنے والوں یا سونے کا کاروبار کرنے) والوں پر چار دینار اور چاندی والوں پر چالیس درہم جزیہ مقرر کیا، (اور) اس کے ساتھ یہ (بھی مقرر کیا) کہ (بھوکے یا مسافر یا مجاہد) مسلمانوں کو کھانا کھلانا اور (اگر وہ ان کے پاس قیام کریں تو) تین دن کی ضیافت کرنا (بھی ان پر لازم ہے)۔

فائدہ :......اس وقت سونے کا عام کاروبار کرنے والے اور سونے کے سکے استعمال کرنے والے لوگ اہل مصر وشام تھے اور چاندی کے سکے عراق میں چلتے تھے، نیز سونے کا ایک دینار چاندی کے دس درہموں کے برابر چلتا تھا، جزیہ ہر سال میں صرف ایک بار لیا جاتا ہے اور یہ کوئی زیادہ رقم نہیں بنتی، دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک درہم کا وزن آج کل کے حساب سے 3 ماشہ 1/5-1 رتی (3.06 گرام) اور ایک دینار کا وزن 4 ماشہ 4 رتی یعنی ساڑھے چار ماشے (4.37 گرام) بنتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں جزیہ کی مقدار مالداروں کے لیے 4 دینار یا 40 درہم اور فقراء کے لیے ایک دینار یا دس درہم ہے، امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں تین طبقات شمار ہوں گے، مالداروں سے 48 درہم، متوسط طبقے سے 24 درہم اور فقراء سے 12 درہم لیے جائیں گے اور یہ تین طبقے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنائے تھے۔ (ابن ابی شيبه: 12/ 241، بيهقى: 9/ 196) امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں کم از کم مقدار ایک دینار ضروری ہے اور حکمران (امام) مناسب سمجھے تو زیادہ بھی لے سکتا ہے، جبکہ بہت سے محدثین کا موقف یہ ہے کہ جزیہ کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے،

---

[690] (موقوف صحيح) بيهقى فى السنن الكبرى:9/ 196، وفى الصغير: 4/ 8(3722) ، وفى المعرفة: 7/ 124 (5530) ، الشافعى فى الام: 4/ 180، عبدالرزاق:10090۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور راوی ثقہ ہیں اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

جس پر بھی مصالحت ہوجائے وہی لیا جائے گا، یہی موقف راجح ہے، مجاہد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ اہل شام سے چار دینار اور اہل یمن سے ایک دینار لیا جاتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ اپنی اپنی مالداری کے حساب سے ہے (اور شام کے کفار زیادہ مالدار ہیں)۔(بخاری، قبل از حدیث: 3156)، ویسے بھی سونے چاندی کی قیمتیں کبھی بہت بڑھ جاتی ہیں اور کبھی کم ہوجاتی ہیں، نیز سونا چاندی ہی لینا لازم نہیں، جو مال بھی میسر ہو اس سے جزیہ لیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کی طرف جزیہ کے لیے بھیجتے وقت فرمایا کہ بالغ کافر سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری کپڑا وصول کرلیں۔(ابوداود: 1576، ترمذی: 623۔ اس کی سند حسن صحیح ہے)

[691] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: إِنَّ فِي الظَّهْرِ نَاقَةً عَمْيَاءَ، فَقَالَ عُمَرُ: ادْفَعْهَا إِلَى أَهْلِ بَيْتٍ يَنْتَفِعُونَ بِهَا، قَالَ: فَقُلْتُ وَهِيَ عَمْيَاءُ؟ فَقَالَ عُمَرُ: يَقْطُرُونَهَا بِالإِبِلِ. قَالَ: فَقُلْتُ كَيْفَ تَأْكُلُ مِنَ الأَرْضِ؟ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ: أَمِنْ نَعَمِ الْجِزْيَةِ هِيَ؟ أَمْ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ؟ فَقُلْتُ: بَلْ مِنْ نَعَمِ الْجِزْيَةِ. فَقَالَ عُمَرُ: أَرَدْتُمْ وَاللَّهِ أَكْلَهَا. فَقُلْتُ: إِنَّ عَلَيْهَا وَسْمَ الْجِزْيَةِ. فَأَمَرَ بِهَا عُمَرُ فَنُحِرَتْ، وَكَانَ عِنْدَهُ صِحَافٌ تِسْعٌ، فَلَا تَكُونُ فَاكِهَةٌ وَلَا طُرَيْفَةٌ إِلَّا جَعَلَ مِنْهَا فِي تِلْكَ الصِّحَافِ، فَبَعَثَ بِهَا إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، وَيَكُونُ الَّذِي يَبْعَثُ بِهِ إِلَى حَفْصَةَ ابْنَتِهِ مِنْ آخِرِ ذَلِكَ، فَإِنْ كَانَ فِيهِ نُقْصَانٌ كَانَ فِي حَظِّ حَفْصَةَ، قَالَ: فَجَعَلَ فِي تِلْكَ الصِّحَافِ مِنْ

زید بن اسلم اپنے باپ (اسلم عدوی رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے (اپنے آقا امیر المومنین) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سواری والے اونٹوں میں ایک اندھی اونٹنی بھی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ کسی گھر والوں کو دے دو، وہ اس سے نفع حاصل کرتے رہیں، اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ وہ تو اندھی اونٹنی ہے (بھلا وہ کسی نفع کے قابل ہے؟) انھوں نے فرمایا: وہ اسے اونٹوں کے ساتھ قطار میں باندھ لیں گے، (وہ ان کے ساتھ ساتھ چلتی رہے گی اور اس پر سواری بھی ہو سکے گی۔) وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ وہ زمین سے کیسے کھائے گی؟ اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سوالات سے محسوس کیا کہ سوال کرنے والوں کی نظر میں جب اسے پالنا ممکن ہی نہیں ہے تو پھر ایک ہی منفعت باقی رہ جاتی ہے کہ اسے ذبح کردیا جائے چنانچہ) انھوں نے پوچھا کہ کیا وہ جزیہ کے اونٹوں میں سے ہے (کہ جس کا گوشت ہر مسلمان کھا سکتا ہے خواہ مالدار ہو یا فقیر) یا زکاۃ

[691] (موقوف صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 7/ 35(13257)، وفی معرفۃ السنن والآثار: 5/ 208، 209 (4043، 4044)، الشافعی فی الام: 2/ 60، 80، 93۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

لَحْمِ تِلْكَ الْجَزُورِ، فَبَعَثَ بِهِ إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَمَرَ بِمَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِ تِلْكَ الْجَزُورِ فَصُنِعَ، فَدَعَا عَلَيْهِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارَ.

کے اونٹوں میں سے ہے (کہ جسے صرف مساکین وغیرہ مخصوص لوگ ہی کھا سکتے ہیں)؟ میں نے کہا کہ بلکہ وہ جزیہ کے اونٹوں میں سے ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! تم اسے کھانے کا ارادہ کیے ہوئے ہوتو میں نے عرض کیا کہ یقیناً اس پر جزیہ کے اونٹوں کی نشانی (انھیں داغنے کے خاص انداز میں) موجود ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو اسے نحر کردیا گیا (اونٹ کے ذبح کرنے کے خاص طریقے کو نحر کہتے ہیں)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نو پلیٹیں (رکابیاں) تھیں، ان کے پاس جو کوئی بھی پھل ہوتا یا عمدہ چیز ہوتی تو وہ ضرور اس میں سے کچھ حصہ ان پلیٹوں میں بھی ڈال دیتے، پھر انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی طرف بھیج دیتے اور جو پیالہ اپنی بیٹی (ام المومنین) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجنا ہوتا وہ سب سے آخر میں ہوتا تھا، پھر اگر اس چیز میں کوئی کمی ہوتی تو وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حصے ہی میں ہوتی تھی، اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پلیٹوں میں اس اونٹنی کا گوشت ڈالا، پھر انھیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی طرف بھیج دیا اور اس اونٹنی کا جو گوشت باقی بچ گیا اس کے متعلق حکم فرمایا، چنانچہ اسے (پکا کر) تیار کیا گیا پھر اس پر سب مہاجرین وانصار کو بلایا (اور عام دعوتِ طعام کا اہتمام کیا)۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا أَرَى أَنْ تُؤْخَذَ النَّعَمُ مِنْ أَهْلِ الْجِزْيَةِ إِلَّا فِي جِزْيَتِهِمْ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں یہ رائے نہیں رکھتا کہ اہل جزیہ سے جانور وصول کیے جائیں، (ہاں) مگر ان کے جزیے میں لیے جا سکتے ہیں)۔

فائدہ: ......یعنی ان پر جزیے کی جو رقم مقرر ہے اس کے عوض ان سے جانور لیے جا سکتے ہیں۔

[692] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ أَنْ يَضَعُوا الْجِزْيَةَ عَمَّنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْجِزْيَةِ حِينَ يُسْلِمُونَ.

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عاملوں (سرکاری کارندوں) کی طرف یہ لکھ بھیجا کہ وہ اس شخص سے جزیہ معاف (اور ختم) کردیں جو اہل جزیہ میں سے مسلمان ہو جائے، جب بھی وہ مسلمان ہو جائیں۔

فائدہ: ......اس عبارت کے دو مطلب ہیں: (1) آئندہ کے لیے جزیہ معاف (2) سابقہ اور باقی ماندہ جزیہ بھی معاف ......دونوں مفہوم درست ہیں بلکہ پہلی صورت تو واضح ہی ہے کہ کسی مسلمان ہونے والے شخص پر آئندہ کے لیے جزیہ نہیں ہوتا، البتہ دوسری صورت میں اختلاف ہوسکتا تھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس فرمان

[692] (مقطوع ضعیف) شیخ سلیم ہلالی نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

کا مقصد یہی مسئلہ حل کرنا ہے کہ اگر کسی کافر کے ذمے جزیہ کی ادائیگی باقی تھی لیکن وہ ادا کرنے سے پہلے مسلمان ہوجائے تو اس کا سب جزیہ معاف ہوجاتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے مسلمان ہونے کے بعد بھی گزشتہ باقی ماندہ جزیہ اس پر لازم رہتا ہے، لیکن جمہور کا موقف راجح ہے اور اس کی دلیل یہ جامع فرمان الٰہی بھی ہے: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ (الانفال 8:38) ''(اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا ان سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ انھیں معاف کردیا جائے گا۔''

قَالَ مَالِكٌ: مَضَتِ السُّنَّةُ، أَنْ لا جِزْيَةَ عَلَى نِسَاءِ أَهْلِ الْكِتَابِ، وَلا عَلَى صِبْيَانِهِمْ، وَأَنَّ الْجِزْيَةَ لا تُؤْخَذُ إِلَّا مِنَ الرِّجَالِ الَّذِينَ قَدْ بَلَغُوا الْحُلُمَ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ نہ تو اہل کتاب کی عورتوں پر جزیہ ہے اور نہ ان کے بچوں پر، اور بلاشبہ جزیہ ان مردوں کے سوا کسی سے نہ لیا جائے گا جو بلوغت کو پہنچ چکے ہوں۔

فائدہ:...... جمہور فقہاء کے نزدیک کفار ذمیوں کے بچوں، عورتوں، غلاموں، پاگلوں، انتہائی بوڑھوں، کمائی سے عاجز لوگوں اور عبادت گاہوں میں رہنے والے درویشوں پر جزیہ نہیں ہے بلکہ جزیہ تو صرف اس عاقل بالغ آزاد ذمی کافر سے لیا جائے گا جو کمائی کرسکتا ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ، وَلَا عَلَى الْمَجُوسِ فِي نَخِيلِهِمْ وَلَا كُرُومِهِمْ وَلَا زُرُوعِهِمْ وَلَا مَوَاشِيهِمْ صَدَقَةٌ، لأَنَّ الصَّدَقَةَ إِنَّمَا وُضِعَتْ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، تَطْهِيراً لَهُمْ، وَرَدًّا عَلَى فُقَرَائِهِمْ، وَوُضِعَتِ الْجِزْيَةُ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ صَغَاراً لَهُمْ، فَهُمْ مَا كَانُوا بِبَلَدِهِمُ الَّذِينَ صَالَحُوا عَلَيْهِ، لَيْسَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ سِوَى الْجِزْيَةِ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا أَنْ يَتَّجِرُوا فِي بِلَادِ الْمُسْلِمِينَ، وَيَخْتَلِفُوا فِيهَا، فَيُؤْخَذُ مِنْهُمُ الْعُشْرُ فِيمَا يُدِيرُونَ مِنَ التِّجَارَاتِ، وَذَلِكَ أَنَّهُمْ إِنَّمَا وُضِعَتْ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةُ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: نہ تو ذمیوں پر اور (حتی کہ) نہ ہی (ذمی بننے والے) مجوسیوں پر زکاۃ لازم ہے، نہ ان کی کھجوروں میں، نہ انگوروں میں، نہ فصلوں میں اور نہ ہی مویشیوں میں، کیونکہ زکاۃ تو صرف اور صرف مسلمانوں پر ان (کے مالوں) کو پاک کرنے اور ان کے فقیروں کو دینے کے لیے مقرر کی گئی ہے اور اہل کتاب پر انھیں ذلیل کرنے کے لیے جزیہ مقرر کیا گیا ہے چنانچہ جب تک وہ اپنے اس علاقے میں موجود رہیں جس پر انھوں نے مصالحت کی ہے تو ان پر ان کے مالوں میں جزیے کے سوا کوئی شے لازم نہیں ہے، الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے علاقوں میں آکر تجارت کریں اور ان میں آنے جانے لگیں تو پھر ان سے دسواں حصہ (تجارتی ٹیکس کے طور پر) وصول کیا جائے گا ان تجارتی

وَصَالَحُوا عَلَيْهَا ، عَلَى أَنْ يُقَرُّوا بِبِلَادِهِمْ ، وَيُقَاتَلَ عَنْهُمْ عَدُوُّهُمْ ، فَمَنْ خَرَجَ مِنْهُمْ مِنْ بِلَادِهِ إِلَى غَيْرِهَا يَتْجُرُ إِلَيْهَا ، فَعَلَيْهِ الْعُشْرُ ، مَنْ تَجَرَ مِنْهُمْ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ إِلَى الشَّامِ ، وَمِنْ أَهْلِ الشَّامِ إِلَى الْعِرَاقِ ، وَمِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ إِلَى الْمَدِينَةِ ، أَوِ الْيَمَنِ ، أَوْ مَا أَشْبَهَ هَذَا مِنَ الْبِلَادِ ، فَعَلَيْهِ الْعُشْرُ ، وَلَا صَدَقَةَ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ ، وَلَا الْمَجُوسِ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ، وَلَا مِنْ مَوَاشِيهِمْ ، وَلَا ثِمَارِهِمْ ، وَلَا زُرُوعِهِمْ ، مَضَتْ بِذَلِكَ السُّنَّةُ ، وَيُقَرُّونَ عَلَى دِينِهِمْ ، وَيَكُونُونَ عَلَى مَا كَانُوا عَلَيْهِ ، وَإِنِ اخْتَلَفُوا فِي الْعَامِ الْوَاحِدِ مِرَاراً فِي بِلَادِ الْمُسْلِمِينَ ، فَعَلَيْهِمْ كُلَّمَا اخْتَلَفُوا الْعُشْرُ ، لأَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِمَّا صَالَحُوا عَلَيْهِ ، وَلَا مِمَّا شُرِطَ لَهُمْ ، وَهَذَا الَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا .

اموال میں جن کا وہ لین دین کرتے ہوں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر جزیہ صرف اس لیے مقرر کیا گیا تھا اور انھوں نے صرف اس لیے جزیہ پر مصالحت کی تھی کہ انھیں ان کے علاقوں میں ٹھہرا رہنے دیا جائے گا اور ان کی طرف سے ان کے دشمنوں سے لڑا جائے گا، تو ان میں سے جو کوئی اپنے علاقوں سے نکلے گا اور کہیں اور جا کر تجارت کرے گا تو اس پر دسواں حصہ (ٹیکس) پڑے گا، (مثلاً) ان میں سے جو مصر والے ہیں وہ تجارت کے لیے شام جائیں اور شام والے عراق جائیں اور عراق والے مدینہ یا یمن یا اس طرح کے (دوسرے مسلم) علاقوں میں جائیں تو اس طرح کرنے والے پر دسواں حصہ ہوگا......اور (بہرحال) نہ اہل کتاب پر زکاۃ ہے اور نہ مجوسیوں پر، نہ ان کے کسی جانوروں میں، نہ ان کے پھلوں میں اور نہ ان کی فصلوں میں، اسی کے مطابق سنت جاری ہے، انھیں اپنے دین پر برقرار رہنے دیا جائے گا اور وہ اسی (نظریے اور عقیدے) پر رہیں گے جس پر وہ پہلے تھے، اور اگر وہ ایک سال میں کئی مرتبہ مسلمانوں کے علاقوں میں آئیں جائیں تو وہ جب بھی آئیں گے ان پر دسواں حصہ ہوگا کیونکہ یہ چیز اس معاملے میں شامل نہیں جس پر انھوں نے صلح کی تھی اور نہ ہی اس کی ان سے شرط لگائی گئی تھی (جزیہ پر صلح کرتے وقت تجارتی آمد و رفت پر ٹیکس نہ لینے کی کوئی بات چیت اور شرط طے نہیں ہوئی تھی) اور یہی ہے وہ حکم جس پر میں نے اپنے شہر (مدینہ) میں اہل علم کو (عمل کرتے ہوئے) پایا۔

فائدہ: ......البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان سے ایک سال میں صرف ایک بار یہ تجارتی ٹیکس لیا جائے گا خواہ وہ بار بار آئیں۔

25- بَابٌ: عُشُورُ أَهْلِ الذِّمَّةِ

ذمیوں کے دسویں حصے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو موقوف اور ایک مقطوع ہے اور سب کی سندیں صحیح ہیں۔

[693] حَـدَّثَنِی یَحْیَی، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَـابٍ، عَـنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُـمَـرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَأْخُذُ مِنَ النَّبَطِ، مِـنَ الْـحِـنْـطَةِ وَالزَّيْتِ نِصْفَ الْعُشْرِ، يُرِيدُ بِـذَلِكَ أَنْ يَكْثُرَ الْحَمْلُ إِلَى الْمَدِينَةِ، وَيَأْخُذُ مِنَ الْقُطْنِيَّةِ الْعُشْرَ.

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ یقیناً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (ملک شام کے) عیسائی تاجروں سے گندم اور زیتون کے تیل کا بیسواں حصہ لیتے تھے (دسویں حصے کی بجائے اس سے آدھا یعنی بیسواں حصہ لیتے) وہ اس (تخفیف) کے ذریعے یہ چاہتے تھے کہ (ان دونوں چیزوں کا) بوجھ مدینہ کی طرف زیادہ لایا جائے اور وہ دالوں سے دسواں حصہ لیتے تھے۔

فائدہ:...... ظاہر بات ہے کہ جس چیز پر تھوڑا ٹیکس پڑتا ہو اور وہ بکتی بھی زیادہ ہو آدمی اس کا کاروبار بڑھا دیتا ہے، تو چونکہ مدینہ منورہ میں گندم اور زیتون کے تیل کی زیادہ ضرورت تھی اس لیے ان کا ٹیکس کم کر دیا گیا۔

[694] وَحَـدَّثَـنِـی عَـنْ مَـالِكٍ، عَـنِ ابْـنِ شِهَـابٍ، عَـنِ السَّـائِبِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ قَالَ: كُـنْـتُ غُلَاماً عَامِلاً مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَلَى سُوقِ الْمَدِينَةِ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَكُنَّا نَأْخُذُ مِنَ النَّبَطِ الْعُشْرَ.

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمہ اللہ کے ہمراہ مدینہ کے بازار پر عامل (مقرر) تھا، تو ہم شامی کافروں سے دسواں حصہ لیتے تھے۔

[695] وَحَـدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَـابٍ، عَـلَى أَيِّ وَجْهٍ كَانَ يَأْخُذُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنَ النَّبَطِ الْعُشْرَ، فَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ:

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب رحمہ اللہ سے پوچھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کس طریقے کے مطابق شامی کافر تاجروں سے دسواں حصہ لیتے تھے؟ تو ابن شہاب رحمہ اللہ نے

---

[693] (موقوف صحیح) الشافعی فی الام: 4/ 205، وفی المسند: 1/ 428، بیھقی فی السنن الکبری: 9/ 210 (18766)، وفی معرفة السنن والآثار: 7/ 133 (5542)، ابوعبیدفی الاموال: 641، عبدالرزاق: 7191۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[694] (موقوف صحیح) بیھقی فی السنن الکبری: 9/ 210 (18667، 18668)، وفی معرفة السنن والآثار: 7/ 133 (5543)، الشافعی فی الام: 4/ 205، ابن سعد فی الطبقات الکبری: 6/ 553، ابوعبیدفی الاموال: 640۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[695] (مقطوع صحیح) بیھقی: 9/ 210، ابوعبیدفی الاموال: 642۔ شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

كَـانَ ذَلِكَ يُـؤْخَـذُ مِـنْهُـمْ فِـى الْجَـاهِلِيَّةِ، فَأَلْزَمَهُمْ ذَلِكَ عُمَرُ.

فرمایا: یہ ان سے دور جاہلیت میں بھی وصول کیا جاتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوان پر لازم کر دیا۔

فائدہ :......الغرض غیر ملکی تاجروں پر کوئی بھی تجارتی ٹیکس متعین کیا جا سکتا ہے۔

26- بَابٌ: اِشْتِرَاءُ الصَّدَقَةِ وَالْعَوْدُ فِيْهَا

(اپنے کیے ہوئے) صدقے کو خریدنے اور اس میں لوٹنے کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں دو مرفوع روایات یعنی احادیث نبویہ ہیں جو بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مذکور ہے۔

[696] حَـدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَقُولُ: حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ عَتِيقٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَكَانَ الرَّجُلُ الَّذِي هُوَ عِـنْـدَهُ قَـدْ أَضَـاعَـهُ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيَهُ مِنْهُ وَظَـنَنْتُ، أَنَّهُ بَـائِـعُـهُ بِرُخْصٍ فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: لَا تَشْتَرِهِ، وَإِنْ أَعْـطَـاكَـهُ بِـدِرْهَـمٍ وَاحِـدٍ، فَـإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ، كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ.

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد (اسلم عدوی رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے اللہ کی راہ میں (کسی شخص کو) ایک عمدہ گھوڑا (سواری کے لیے) دیا اور جس شخص کے پاس وہ گھوڑا تھا (جسے میں نے دیا تھا) اس نے اس (گھوڑے) کو ضائع کر دیا تو میں نے ارادہ کر لیا کہ اسے اس سے (واپس لینے کے لیے) خرید لوں اور میں نے یہ خیال بھی کیا کہ وہ اس گھوڑے کو سستے بھاؤ کے ساتھ بیچ دے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے نہ خریدنا اگرچہ وہ تمھیں یہ گھوڑا ایک درہم کے عوض دے دے، کیونکہ بلاشبہ اپنے صدقے میں (اس طرح دوبارہ) لوٹنے والا کتے کی طرح ہے جو اپنی قے میں لوٹتا ہے۔''

فائدہ :......اسی طرح کی روایت ہبہ کے متعلق بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَيْـسَ لَـنَـا مَثَلُ السَّوْءِ، الَّذِيْ يَعُوْدُ فِيْ هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِيْ قَيْئِهِ)) ''ہمارے لیے بری مثال نہیں ہے وہ شخص جو اپنے ہبہ (تحفہ) میں لوٹتا ہے وہ اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے میں لوٹتا ہے۔'' (بخاری: 2622، مسلم: 1622/ 8) تقریباً تمام فقہاء اسے نہی تنزیہی اور محض امر مکروہ قرار دیتے ہیں جبکہ اہل ظاہر اور اہل حدیث اسے حرام قرار دیتے ہیں،

---

[696] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب هل یشتری صدقته؟ حدیث: 1490، 2623، 2636، 2970، 3003، صحیح مسلم، کتاب الهبات، باب کراهة شراء الانسان ماتصدق به ممن تصدق علیه، حدیث: 1620، نسائی: 2616، ابن ماجه: 2390، احمد: 1/ 40(281).

جس شخص کو کوئی چیز صدقہ یا ہبہ کے طور پر دی جائے وہ احسان مند ہوتا ہے اور جب اس کا محسن اس سے وہ چیز قیمتاً بھی خریدنا چاہے تو وہ اس کا بھاؤ نسبتاً کم لگائے گا تو قیمت میں سے جس قدر وہ نہیں لے گا اتنی مقدار ہبہ کرنے والے یا صدقہ کرنے والے کو بغیر قیمت کے واپس مل جائے تو یہ مثال کتے جیسی ہو جائے گی جو پہلے قے کرتا ہے پھر اسے خود ہی چاٹنے لگتا ہے، فقہاء کہتے ہیں کہ کتا چاٹ تو لیتا ہے لیکن یہ امر مکروہ ہے اس لیے وہ اسے کراہت تک ہی محدود رکھتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے شدید نفرت دلانے کے لیے کتے کے ساتھ تشبیہ کا ذکر فرمایا ہے۔

[697] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ، فَسَأَلَ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: لَا تَبْتَعْهُ، وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں ایک گھوڑا دیا، پھر ارادہ کیا کہ اسے خرید لیں، انھوں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے نہ خریدنا اور اپنے صدقے میں واپس نہ لوٹنا۔''

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ، عَنْ رَجُلٍ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ، فَوَجَدَهَا مَعَ غَيْرِ الَّذِي تَصَدَّقَ بِهَا عَلَيْهِ تُبَاعُ، أَيَشْتَرِيهَا؟ فَقَالَ: تَرْكُهَا أَحَبُّ إِلَيَّ.

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کوئی صدقہ کیا، پھر اس نے وہی صدقہ کسی اور شخص کے پاس پایا جو اس شخص کے علاوہ تھا جس پر اس نے وہ صدقہ کیا تھا، وہ (صدقے والا مال) فروخت کیا جا رہا تھا تو کیا وہ اسے (اس غیر سے) خرید سکتا ہے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اسے ترک کر دینا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

فائدہ:...... الفاظ حدیث پر عمل کرنے کے لیے اور احتیاط وتقویٰ کی رو سے یہی بہتر ہے کہ اسے کبھی بھی کسی سے بھی نہ خریدو، جس چیز کو اللہ کے لیے دے دیا اسے کبھی واپس لے لینے کا سوچنا بھی نہیں چاہیے، جس طرح کہ مہاجر نے جو علاقہ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اسے کبھی بھی کسی بھی حالت میں دوبارہ رہائش گاہ نہ بنا لینے پر زور دیا گیا ہے۔

27- بَابٌ: مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ زَكَاةُ الْفِطْرِ

ان لوگوں کا بیان جن پر صدقۂ فطر (فطرانہ) واجب ہے

خلاصۃ الباب اس باب میں ایک موقوف روایت ہے، جو سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے تین فتاوی

---

[697] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب هل یشتری صدقته، حدیث: 1489، 2775، 2971، 3002، صحیح مسلم، کتاب الهبات، باب کراهة شراء الانسان ماتصدق به ممن تصدق علیه، حدیث: 1621، ابوداود: 1593، ترمذی: 668، نسائی: 2617، ابن ماجه: 2392، احمد: 1/ 25.

جات بھی مذکور ہیں۔

فائدہ :......''فطر'' سے مراد روزوں کا انقطاع و اختتام ہے، چنانچہ ماہِ رمضان کے اختتام پر نماز عید سے پہلے پہلے ہر مسلمان پر ایک صاع اناج نکالنا فرض ہے، اسی کو صدقۂ فطر، زکاۃ الفطر، زکاۃ رمضان اور فطرانہ کہتے ہیں، جمہور کے ہاں یہ فرض ہے، احناف کے ہاں اس کا درجہ فرض سے کم یعنی واجب ہے اور احناف کے ہاں اس کے وجوب کے لیے ضروری ہے کہ انسان اتنے مال کا مالک ہو جو زکاۃ کے نصاب کو پہنچے حالانکہ اس کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ((فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ)) ''رسول اللہ ﷺ نے فطرانہ اس لیے فرض کیا تاکہ روزہ دار کو لغو (باتوں، کاموں) اور فحش کلامی (کے گناہ) سے پاک کیا جائے اور مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔'' (ابو داود: 1609، ابن ماجہ: 1827، اس کی سند حسن ہے، ارواء الغلیل :843(3/ 332، المجموع للنووی :6/ 126)

[698] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَنْ غِلْمَانِهِ الَّذِينَ بِوَادِي الْقُرَى وَبِخَيْبَرَ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یقیناً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے ان غلاموں کی طرف سے بھی صدقۂ فطر نکالتے جو وادی قریٰ اور خیبر میں ہوتے۔

فائدہ :......خیبر مدینہ منورہ کے شمال میں ملک شام (اور اردن) کی جانب مدینہ سے تقریباً سو میل کے فاصلے پر بڑا شہر تھا اور اس کے قریب ہی وادی قریٰ بھی تھی، مسلمانوں نے ان دونوں کو ۷ ہجری میں یہودیوں سے فتح کیا تھا اور وہاں کی مفتوحہ زمینیں مسلمانوں کی تھیں لیکن شروع میں انھیں یہودیوں کے پاس ہی رہنے دیا گیا جہاں وہ بطور مزارع کام کرتے تھے اور نصف پیداوار کے مستحق ٹھہرتے تھے، بعد ازاں خلافت فاروقی میں انھیں وہاں سے بھی نکال دیا گیا اور زمینیں مسلمان مجاہدین میں بانٹ دی گئیں اور ان کے غلام وہاں کھیتی باڑی کے لیے رہا کرتے تھے، یہ بھی معلوم ہوا کہ غلام اگر مسلمان ہوں تو ان کا فطرانہ ان کے آقاؤں پر لازم ہے۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّ أَحْسَنَ مَا سَمِعْتُ فِيمَا يَجِبُ عَلَى الرَّجُلِ مِنْ زَكَاةِ الْفِطْرِ، أَنَّ الرَّجُلَ يُؤَدِّي ذٰلِكَ عَنْ كُلِّ مَنْ يَضْمَنُ نَفَقَتَهُ، وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ أَنْ يُنْفِقَ عَلَيْهِ، وَالرَّجُلُ يُؤَدِّي عَنْ مُكَاتَبِهِ، وَمُدَبَّرِهِ، وَرَقِيقِهِ كُلِّهِمْ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: آدمی پر جو صدقہ فطر واجب ہوتا ہے اس کے متعلق میں نے جو سب سے بہترین بات سنی ہے وہ یہ ہے کہ بلاشبہ آدمی یہ فطرانہ ہر اس فرد کی طرف سے ادا کرے گا جس کے نان و نفقہ کا وہ ضامن (اور ذمہ دار) ہے اور اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس پر خرچ کرے

[698] (موقوف صحیح) بیهقی فی السنن الکبری:4/ 161(7680)، وفی معرفة السنن والآثار: 3/ 324 (2405)، الشافعی فی الام: 2/ 64۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

غَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ ، مَنْ كَانَ مِنْهُمْ مُسْلِماً ، وَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ لِتِجَارَةٍ ، أَوْ لِغَيْرِ تِجَارَةٍ ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ مُسْلِماً فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ فِيهِ .

(مثلاً بیوی، بچے اور اولاد وغیرہ) اور وہ اپنے مکاتب غلام، مدبر غلام اور (بلکہ) اپنے تمام غلاموں کی طرف سے فطرانہ ادا کرے گا خواہ وہ (اس کے پاس) موجود نہ ہوں یا موجود ہوں (لیکن صرف وہ) جو ان میں سے مسلمان ہوں، اور خواہ وہ تجارت کے لیے ہوں یا تجارت کے علاوہ (کسی اور مقصد) کے لیے ہوں، اور جو ان میں سے مسلمان نہ ہو تو اس (مالک) پر اس (غلام) میں کوئی فطرانہ نہیں ہے۔

فائدہ: ......مکاتب وہ غلام ہے جس نے اپنے آقا سے کوئی رقم مقرر کر کے آزادی حاصل کرنے کا معاہدہ کر رکھا ہو تو جب تک وہ یہ رقم مکمل ادا نہ کرلے غلام ہی شمار ہوتا ہے، اسی لیے آقا ذمہ دار ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول یہی ہے اور یہی راجح محسوس ہوتا ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مکاتب اپنا فطرانہ خود نکالے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا فطرانہ کسی پر واجب نہیں ۔ واللہ اعلم ۔ مدبر وہ غلام ہے جسے اس کا مالک یہ کہہ دے کہ تو میری موت کے بعد آزاد ہے، جمہور کے ہاں تجارت والے مسلمان غلاموں پر بھی فطرانہ عائد ہوتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں، حالانکہ حدیث میں '' عبدٌ'' (غلام) کالفظ عام ہے اور ہر قسم کے غلام کو شامل ہے......غلاموں کے لیے بھی مسلمان ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ) کی شرط لگائی ہے کہ ''وہ مسلمانوں میں سے ہو۔'' (بخاری: 1503 ، مسلم: 984) احناف خدمت والے کافر غلام کی طرف سے بھی فطرانہ نکالنے کے قائل ہیں جو مذکورہ حدیث کے سراسر خلاف ہے۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْعَبْدِ الآبِقِ : إِنَّ سَيِّدَهُ إِنْ عَلِمَ مَكَانَهُ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ ، وَكَانَتْ غَيْبَتُهُ قَرِيبَةً ، فَهُوَ يَرْجُو حَيَاتَهُ وَرَجْعَتَهُ ، فَإِنِّي أَرَى أَنْ يُزَكِّيَ عَنْهُ ، وَإِنْ كَانَ إِبَاقُهُ قَدْ طَالَ ، وَيَئِسَ مِنْهُ ، فَلَا أَرَى أَنْ يُزَكِّيَ عَنْهُ .

امام مالک رحمہ اللہ نے بھاگے ہوئے غلام کے متعلق فرمایا کہ اگر اس کا آقا اس کے مقام (ایڈریس) کو جانتا ہو یا نہ ہو اور (ہر دو صورت میں) اس کا غائب ہونا قریب ہو (کچھ ہی عرصہ پہلے مفرور ہوا ہو) اور اس کے زندہ ہونے اور واپس لوٹ آنے کی امید ہو تو میرا خیال یہی ہے کہ وہ اس کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے گا اور اگر اس کا بھاگنا لمبا ہو چکا ہو (وہ کافی عرصے سے مفرور ہو) اور وہ اس (کی واپسی) سے مایوس ہو چکا ہو تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس کی طرف سے فطرانہ ادا کرے۔

فائدہ: ...... امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر اس کے زندہ ہونے کا علم ہو تو مالک اس کا فطرانہ ضرور ادا کرے گا خواہ واپسی کی امید ہو یا نہ ہو، اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر اس کا پتا بھی معلوم ہو تو پھر ضرور فطرانہ ادا کرے خواہ واپسی کی امید ہو یا نہ ہو، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کسی بھی بھاگے ہوئے غلام کی طرف سے فطرانہ

لازم نہیں ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ جب تک اس کے زندہ ہونے کا ظن غالب ہو،اس کی طرف سے فطرانہ ادا کیا جائے۔

قَالَ مَالِكٌ : تَجِبُ زَكَاةُ الْفِطْرِ عَلَى أَهْلِ الْبَادِيَةِ ، كَمَا تَجِبُ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى ، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ عَلَى النَّاسِ ، عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى مِنَ الْمُسْلِمِينَ .

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: بدوی لوگوں پر بھی زکاۃ الفطر واجب ہے جس طرح کہ بستیوں (اور شہروں) والوں پر واجب ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے صدقہ فطر کو تمام لوگوں پر فرض کیا ہے، ہر اس شخص پر جو آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت (بشرطیکہ) مسلمانوں میں سے ہو۔

فائدہ : ......اہل بادیہ یعنی بدوی لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگلوں یا صحراؤں میں خانہ بدوشی کی صورت میں رہتے ہیں، بادیہ کے معنی جنگل وصحراء کے ہیں، مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان خواہ وہ شہروں اور بستیوں میں مقیم ہو کر تمدنی زندگی گزارے یا خانہ بدوشی کے عالم میں جنگلوں، پہاڑوں، صحراؤں میں یا پھر آبادی سے نکل کر اپنے کھیتوں وغیرہ میں تنہا زندگی گزارے، اس پر فطرانہ فرض ہے۔

28- بَابٌ : مَكِيْلَةُ زَكَاةِ الْفِطْرِ

صدقۂ فطر کی مقدار کا بیان

خلاصۃ الباب اس باب میں تین روایات ہیں، دو مرفوع یعنی احادیث نبویہ ہیں اور دونوں بخاری ومسلم میں موجود ہیں۔ ایک روایت موقوف (اثر صحابی رضی اللہ عنہ) ہے اور وہ بھی سنداً صحیح ہے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کا ایک فتوی بھی اس باب میں مذکور ہے۔

[699] حَدَّثَنِي يَحْيَى ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ عَلَى النَّاسِ ، صَاعاً مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ صَاعاً مِنْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے صدقۂ فطر کو لوگوں پر کھجوروں کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع مقرر کیا ہے یعنی ہر اس شخص پر جو آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، (لیکن ہو) مسلمانوں

[699] (مرفوع صحیح) صحیح البخاری، کتاب صدقة الفطر، باب فرض صدقة الفطر، حدیث: 1503، 1504، 1507، 1509، 1511 ، 1512، صحیح مسلم، کتاب الزکاة ، باب زکاة الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر، حدیث: 984، ابوداود :1611، ترمذی: 676، نسائی:2505، ابن ماجه: 1826، احمد:2/ 63 (5303) ، دارمی: 1661 .

شَعِيرٍ، عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى مِنَ الْمُسْلِمِينَ.

میں سے۔‘‘

[700] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ الْعَامِرِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ: كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعاً مِنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعاً مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعاً مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعاً مِنْ أَقِطٍ، أَوْ صَاعاً مِنْ زَبِيبٍ، وَذَلِكَ بِصَاعِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم ایک صاع اناج سے، یا ایک صاع جو سے، یا ایک صاع کھجور سے، یا ایک صاع پنیر سے، یا ایک صاع منقی سے صدقۂ فطر نکالا کرتے تھے اور یہ مقدار نبی کریم ﷺ والے صاع کے حساب سے ہوتی تھی۔

فائدہ: ......صاعِ نبوی ﷺ کی مقدار پانچ رطل اور تہائی رطل ہے، جمہور کے ہاں یہی صاع معتبر ہے، احناف کے ہاں حجاج بن یوسف کارائج کردہ صاعِ عراقی معتبر ہے جس میں آٹھ رطل ہوتے ہیں، ایک رطل 66.393 گرام کا ہوتا ہے، چنانچہ صاعِ نبوی ﷺ (حجازی) دو سیر چار چھٹانک (02.099 کلوگرام، تقریباً دو کلو سو گرام) کا ہوتا ہے، یہ اس کا محقق وزن ہے اگرچہ عوام میں بھی اس کا وزن اڑھائی کلو مشہور ہے جبکہ صاع عراقی کا وزن تین کلو اور 149 گرام ہے......احناف کے ہاں گندم (اور منقیٰ) کا نصف صاع فطرانے میں نکالا جائے گا اور باقی سب چیزوں کا ایک صاع، جبکہ باقی تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ گندم ہو یا کوئی اور غلہ ہر کسی کا پورا صاع نکلنا ہوگا اور یہی راجح ہے۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ((فِيْ زَمَانِ النَّبِيِّ ﷺ)) ’’ہم نبی کریم ﷺ کے دور میں (ایسا کرتے تھے)۔‘‘ (بخاری: 1506، مسلم: 985) دراصل شامی گندم کافی مہنگی تھی اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے نصف صاع کو کھجور کے پورے صاع کے برابر قیمت والا دیکھ کر اپنے اجتہاد سے گندم کے نصف صاع کا فتویٰ دے دیا۔ (لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ مانی) (مسلم: 985/ 18) اسی لیے احناف گندم کے نصف صاع کے قائل ہوگئے لیکن بہرحال یہ قیمت والا استدلال درست نہیں کیونکہ شریعت کے بنیادی قوانین اٹل ہیں اور ہر دور میں اور ہر علاقے میں فیصلہ کن ہیں، چنانچہ اگر قیمت کا حساب کیا جائے پھر تو ہمارے

---

[700] (مرفوع صحیح) صحيح البخاري، كتاب صدقة الفطر، باب صدقة الفطر صاع من الطعام، حديث: 1506، 1505، 1508، 1510، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلمين من التمر والشعير، حديث: 985، ابوداود: 1616، ترمذي:673، نسائي: 2514، ابن ماجه: 1829، احمد:3/ 23(11200)، دارمي:1664.

علاقوں میں معاملہ الٹ ہونا چاہیے کیونکہ یہاں تو عام سی کھجور کا بھاؤ گندم سے پانچ چھ گنا زیادہ ہے، ایک صاع گندم کی قیمت کے برابر آدھ کلو کھجور ملتی ہے تو کیا ہم آدھا کلو کھجور سے فطرانہ ادا کرنے لگیں؟ بلکہ منقّی اور بعض کھجوریں تو اس سے بہت زیادہ مہنگے ہیں۔ بہر حال نبی کریم ﷺ نے جن چند چیزوں کا نام لیا تھا ان کی قیمتیں مختلف تھیں لیکن آپ ﷺ نے کسی کی قیمت یا سستا یا مہنگا ہونے کا اعتبار نہیں کیا، لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ایک صاع اناج فطرانے میں دیں خواہ وہ سستا ہو یا مہنگا، اور اگر پیسوں کی شکل میں فطرانہ ادا کرنا ہو تو وہ اتنی رقم ضرور ہو جو کسی اناج کے مکمل صاع کے برابر ہو......پنیر سے مراد دودھ پھاڑ کر خشک کیا ہوا دودھ ہے، نہ کہ بازاری خشک دودھ۔ پنیر بنانے کا طریقہ کار یہ ہے کہ دودھ کو تھوڑا سا گرم کریں پھر اس میں کوئی کھٹی چیز مثلاً لیموں، ٹاٹری یا سرکہ تھوڑا سا ڈال دیں، مزید گرم ہوتے ہوئے دودھ پھٹ جائے گا، تھوڑی دیر بعد چولھے سے اتار کر کپڑے وغیرہ سے چھان کر پانی نکال دیں، پنیر تیار ہے، چاہیں تو گرم گرم کھائیں، یا ٹھنڈا کر کے، پھیکا یا میٹھا اور چاہیں تو اسے خشک کر لیں...... یاد رہے کہ جو دودھ خراب ہونے کی وجہ سے پھٹ جاتا ہے اس کو گرم کرنے کی ضرورت نہیں اس کو اسی طرح پانی نکال کر پنیر بنالیں۔

[701] وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يُخْرِجُ فِي زَكَاةِ الْفِطْرِ إِلَّا التَّمْرَ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً فَإِنَّهُ أَخْرَجَ شَعِيراً.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صدقۂ فطر میں (ہمیشہ) کھجور کے سوا کچھ نہ نکالا کرتے تھے، سوائے ایک دفعہ کے کہ انھوں نے (فطرانے میں) جو نکالے۔

فائدہ: ......لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی گزشتہ روایت میں (طَعَام) کا لفظ بتاتا ہے کہ تمام ایسی اجناس جو لوگوں کا طعام بن سکیں اور خوراک کا کام دیں ان میں سے فطرانہ نکالا جا سکتا ہے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْكَفَّارَاتُ كُلُّهَا، وَزَكَاةُ الْفِطْرِ، وَزَكَاةُ الْعُشُورِ، كُلُّ ذٰلِكَ بِالْمُدِّ الأَصْغَرِ، مُدِّ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا الظِّهَارَ، فَإِنَّ الْكَفَّارَةَ فِيهِ بِمُدِّ هِشَامٍ، وَهُوَ الْمُدُّ الأَعْظَمُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: تمام قسم کے کفارے (جن میں متعین مقدار میں کچھ نکالنا ہوتا ہے)، صدقۂ فطر اور عشر میں سے ہر ایک میں چھوٹے مُد یعنی مُد نبوی کے ساتھ حساب لگایا جائے گا سوائے کفارۂ ظہار کے کہ اس میں بلاشبہ بڑے مُد یعنی ہشام کے مُد کے ساتھ حساب لگایا جائے گا۔

فائدہ: ...... ہر دور میں مختلف وجوہات کی بنا پر پیمانوں کے وزن اور مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس

---

[701] (موقوف صحيح) ابن خزيمه: 2392، بيهقى فى السنن الكبرى: 4/ 160 (7687، 7697)، وفى معرفةالسنن والآثار: 3/ 331 (2415)، الشافعى فى الام: 2/ 70، وفى المسند: 1/ 443۔ شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخ احمد علی سلیمان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

لیے شرعی طور پر صرف وہ پیمانہ معتبر ہوگا جو عہد نبوی ﷺ میں مکہ و مدینہ میں رائج تھا، ایک مُدّ نبوی کی مقدار ایک رطل اور تہائی رطل یعنی آدھ کلو سے کچھ زائد (524.88 گرام) ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے کفارۂ ظہار میں بڑے مُدّ کا اس لیے کہا کہ ''ظہار'' ایک بڑا سخت اور سنگین جرم ہے لہٰذا اس کے کفارے میں بھی اضافہ اور سختی ہونی چاہیے، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات درست نہیں ......یاد رہے کہ ''ظہار'' سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے یہ کہہ بیٹھے: ((اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ)) ''تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔'' یا اسی مفہوم کے الفاظ کسی بھی زبان میں وہ کہہ دے، اسلام سے قبل یہ طلاق شمار ہوتا تھا لیکن اسلام نے اسے طلاق شمار نہیں کیا البتہ اسے جھوٹ اور منکر بات قرار دے کر خاوند پر یہ کفارہ ڈالا گیا ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے، یہ طاقت نہ ہو تو بغیر کسی ناغے کے مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائیں اور یہ بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے ......جمہور کے نزدیک ہر مسکین کو دو مُدّ، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک مُدّ اور احناف کے ہاں گندم کے دو مُدّ یا باقی ہر جنس کا صاع یعنی چار مُدّ دینا واجب ہے، جمہور کا موقف راجح ہے کیونکہ حالتِ احرام میں بال کٹوانے کے کفارے کے متعلق جب رسول اللہ ﷺ نے چھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا تذکرہ کیا تو ان میں سے ہر کسی کو نصف صاع یعنی دو مُدّ دینے کی ہدایت فرمائی۔ (بخاری: 1816، مسلم: 1202/ 85) اور ظاہر بات ہے کہ عہد نبوی میں مُدّ نبوی چلتا تھا نہ کہ مُدّ ہشامی ......مُدّ ہشام سے مراد ہشام بن اسماعیل بن ولید بن مغیرہ کا مقرر کیا ہوا مُدّ ہے، جو عبدالملک بن مروان کے دور خلافت میں مدینہ کے گورنر تھے، مُدّ ہشامی اتنا بڑا تھا کہ اس میں عہد نبوی والا ایک مُدّ اور دو تہائی مد (1-2/3) آجاتے تھے اور بقول بعض وہ مُدّ نبوی سے دوگنا بڑا تھا۔

29- بَابٌ: إِرْسَالِ زَكَاةِ الْفِطْرِ

صدقہ فطر بھیجنے کے وقت کا بیان

خلاصة الباب اس باب میں ایک موقوف صحیح روایت ہے اور دو امام مالک کے فتاویٰ مذکور ہیں۔

[702] حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَبْعَثُ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ إِلَى الَّذِي تُجْمَعُ عِنْدَهُ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ.

امام نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید سے دو تین دن پہلے ہی صدقہ فطر اس شخص کے پاس بھیج دیا کرتے تھے جس کے پاس صدقہ فطر جمع ہوا کرتا تھا۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ رَأَى أَهْلَ الْعِلْمِ،

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اہل علم عید

[702] (موقوف صحيح) بيهقى (112/4)، السنن الصغرى للبيهقى 66/2 (1242)، بخارى، كتاب الزكاة، رقم: 1509، مسلم، كتاب الزكاة (22/986، 23)، الأم: 69/2، مسند شافعى: 443/1.

يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُخْرِجُوا زَكَاةَ الْفِطْرِ، إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ، قَبْلَ أَنْ يَغْدُوَ إِلَى الْمُصَلَّى.

کی فجر نماز سے قبل صدقہ فطر نکالنے کو مستحب جانتے تھے۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ وَاسِعٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ الْغُدُوِّ مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ أَوْ بَعْدَهُ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حکم میں وسعت پائی جاتی ہے کہ صدقہ فطر عید سے قبل دیا جائے یا بعد نماز عید۔

فائدہ: ......صدقہ فطر کی ادائیگی عید کی نماز سے پہلے پہلے ضروری ہے اگرچہ تقسیم بعد میں کر دیا جائے، نماز عید کے بعد فطرانہ ادا کرنا درست نہیں کیونکہ اس کی حیثیت تمام صدقہ کی نہیں کہ جسے اپنی مرضی سے ادا کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا۔ (صحيح ابن خزيمة : 91/4) یاد رہے کہ حاکم وقت جمع شدہ فطرانہ عید کے بعد بھی ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کر سکتا ہے۔ امام ابن خزیمہ نے اس سلسلے میں ایک عنوان بھی قائم کیا ہے: "بَابُ الرُّخْصَةِ فِي تَأْخِيرِ الْإِمَامِ قَسْمَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَنْ يَوْمِ الْفِطْرِ إِذَا أُدِّيَتْ إِلَيْهِ" ''جب صدقہ فطر امام کے پاس جمع ہو جائے تو امام اس کی تقسیم کو عید الفطر کے دن سے مؤخر کر سکتا ہے'' اور اس باب کے تحت وہ حدیث پیش کی ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فطرانے کی نگہداشت پر تعینات کرنے کا ذکر ہے، نیز اس میں سے شیطان کے چرا لینے، پھر ایک وظیفہ بتانے کا بھی بیان ہے۔

30- بَابٌ: مَنْ لَا تَجِبُ عَلَيْهِ زَكَاةُ الْفِطْرِ

اس شخص کا بیان جس پر صدقہ فطر دینا واجب نہیں

خلاصة الباب: اس باب کے تحت امام مالک رحمہ اللہ کا صرف ایک فتویٰ مذکور ہے۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ: لَيْسَ عَلَى الرَّجُلِ فِي عَبِيدِ عَبِيدِهِ، وَلَا فِي أَجِيرِهِ، وَلَا فِي رَقِيقِ امْرَأَتِهِ زَكَاةٌ، إِلَّا مَنْ كَانَ مِنْهُمْ يَخْدُمُهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ، فَتَجِبُ عَلَيْهِ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ زَكَاةٌ فِي أَحَدٍ مِنْ رَقِيقِهِ الْكَافِرِ مَا لَمْ يُسْلِمْ، لِتِجَارَةٍ كَانُوا أَوْ لِغَيْرِ تِجَارَةٍ.

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنے غلام کے غلاموں اور اپنے نوکروں اور لونڈی کے غلام کا صدقہ فطر واجب نہیں، لیکن اُن میں سے جو خدمت کرتا ہو تو اس کا صدقہ فطر دینا واجب ہوگا۔ اور کہا کہ جو غلام کافر ہوں ان کی طرف سے بھی صدقہ فطر واجب نہیں جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں وہ تجارت کے ہوں یا نہ ہوں۔ (الأموال ابن زنجوية : 1274/3)

فائدہ: ...... یاد رہے کہ تجارت کے غلاموں میں سے دونوں قسم کی زکاۃ ادا کی جائے گی۔ زکاۃ اموال، یعنی

سال کے آخر میں ان کی قیمت لگا کر مجموعی مالیت پر چالیسواں حصہ نکالا جائے اور زکاۃ ابدان، یعنی ان کی طرف سے فطرانہ بھی ادا کیا جائے۔امام بخاری نے باب قائم کیا ہے:"بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَلَى الْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ" ''آزاد اور غلام پر فطرانے کا وجوب'' اوراس کے تحت امام زہری کا قول لائے ہیں:"يُزَكَّى فِيْ التِّجَارَةِ ، وَيُزَكَّى فِيْ الْفِطْرِ" ''تجارت کی وجہ سے غلاموں کی زکاۃ دی جائے اوران کا فطرانہ بھی ادا کیا جائے۔'' امام بخاری کی روایت کے مطابق جمہور کا بھی یہی موقف ہے۔(فتح الباری : 474/3)